تیسیر الباری

شرح صحیح البخاری

شرح صحیح البخاری کے نام "**نِعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف به صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شرعی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

(الجزء التاسع)

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی
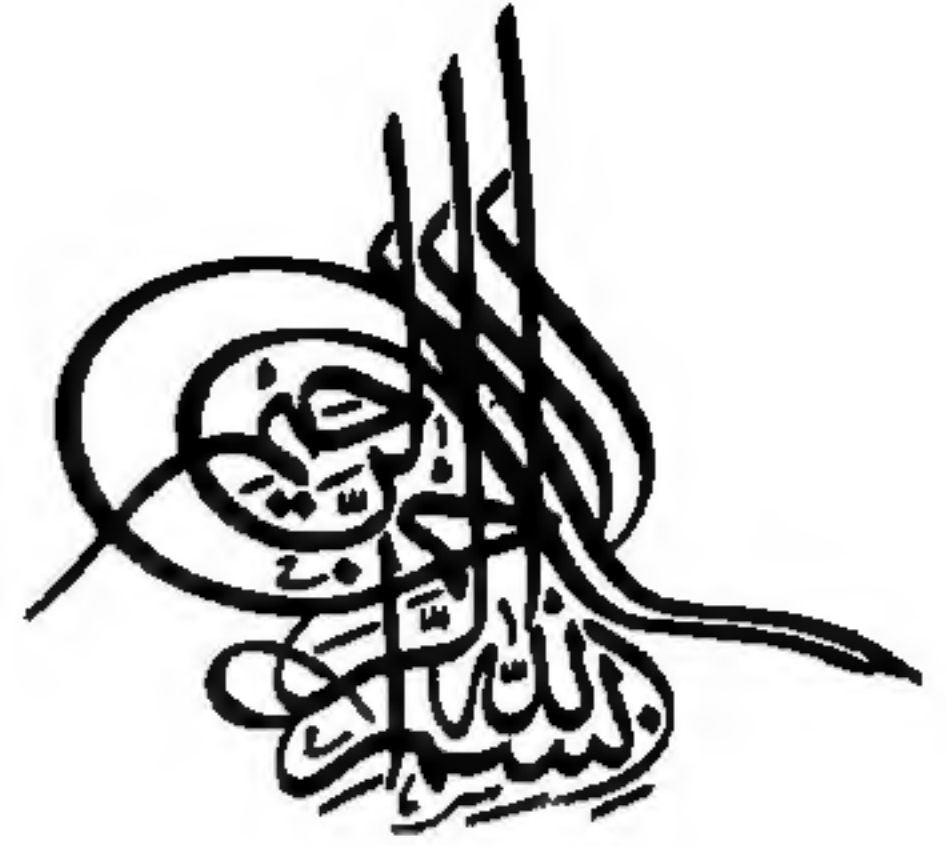
شرح صحیح البخاری

جلد تاسع (۹)

کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح

کتاب الطلاق

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد تاسع (۹)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	اگست 2012ء، بار اول اکتوبر 2012ء بار دوم بار سوم ستمبر 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS22

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد نہم)

افتتاحیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین، الذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امۃ من الامم الماضین، وانعم علینا بتنزیل القرآن الکریم وھدانا بہ الی الصراط المستقیم، والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین، الذی شرح الفرقان باحادیثہ وبیانہ القویہ، وکشف عن اسرارہ وغوامضہ لھدایۃ الناس اجمعین، وانقذنا بحسن سیرتہ من الظلمات والضلال المبین، وعلی الہ الطیبین واصحابہ الطاھرین الذین قاموا باشاعۃ الدین المتین مع کمال الخلوص والجھد العظیم، وعلی ازواجہ الطاھرات امھات المومنین، وعلی جمیع الائمۃ التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدین۔

وبعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربہ السرمدی انی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیہ نعمۃ الباری) توکلا علی رحمۃ اللہ وفضلہ العمیم۔ ولا یکون تحریرہ وتقریرہ وتکمیلہ الا نعمتہ العظمیٰ۔ فلذا سمیتہ بنعمۃ الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبلہ اللہ بلطفہ وتغمدنی یغفر انہ بمحض فضلہ)

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ اللھم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تصنیف ھذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعلہ موافقاً باسمہ واحفظہ من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللھم اجعلہ خالصاً لوجھک الکریم ومقبولاً عندک وعند رسولک الرؤف الرحیم واجعلہ شائعاً ومستفیضاً ومفیضاً ومرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی الکریم ﷺ فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت۔ اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحاً ترضہ۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام "نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری" رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف وعنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بامسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔

اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

٦٦۔ كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ

قرآن مجید کے فضائل کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کتاب میں فضائل قرآن کا بیان ہے، کتاب التفسیر اور کتاب فضائل القرآن کے درمیان مناسبت ظاہر ہے اور فضائل کا لفظ فضیلت کی جمع ہے، الجوہری نے کہا ہے کہ الفضل اور فضیلت کا لفظ نقص اور نقیصہ کی ضد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷)

۱۔ بَابٌ: كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ وحی کا نزول کس طرح ہوا اور سب سے پہلے کیا نازل ہوا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں نزول وحی کی کیفیت کا بیان ہے اور یہ بیان ہے کہ سب سے پہلے کون سی وحی نازل ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کے ساتھ علامہ عینی کا مناقشہ

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ابوذر کے نسخہ کے علاوہ دوسرے نسخوں میں کیف نزول الوحی جمع کے صیغہ کے ساتھ مذکور ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: گویا کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ لفظ نزول جمع ہے، کیونکہ یہ علوم عربیہ سے واقف نہیں ہیں اور یہ ان کی فحش غلطی ہے۔ نزول کا لفظ مصدر ہے اور اس کا باب ہے: نَزَلَ يَنْزِلُ نُزُوْلًا اور صحیح البخاری کی ابتداء میں نزول وحی کی کیفیت کا بیان ہو چکا ہے اور یہ بیان بھی ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے کیا چیز نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے مناقشہ کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی ایسے عظیم محدث اور محقق سے یہ مخفی نہیں ہو سکتا کہ لفظ نزول نزل ینزل کا مصدر ہے اور حیرت یہ ہے کہ علامہ عینی سے یہ مخفی رہا کہ فاعل کی جمع فعول کے وزن پر بھی آتی ہے جیسے ضارب کی جمع ضروب ہے اسی طرح نازل کی جمع نزول ہے، سو حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ لکھنا بالکل درست ہے کہ نزول جمع کا صیغہ ہے اور ان کی مراد یہ ہے کہ وحی کے متعدد نزول ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُهَيْمِنُ الْأَمِيْنُ الْقُرْآنُ أَمِيْنٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْمُهَيْمِنُ کا معنی ہے: الامین یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلی ہر کتاب پر امین ہے۔

قرآن مجید سے پہلے نازل شدہ آسمانی کتابوں کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: الْمُهَيْمِنُ کا لفظ درج ذیل آیت کریمہ میں ہے:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ۔ (المائدہ: ۴۸)

(اے رسول مکرم!) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی (اور) اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔

امام بخاری نے المھیمن کی تفسیر امین کے ساتھ کی ہے اور مُھَیْمِن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، المھیمن کی اصل مُؤیمن ہے، پس ہمزہ کو ھا سے بدل دیا گیا جیسے اُرِقْتُ کو ھُرِقت کر دیا گیا اور اس کا معنی ہے: امین اور اپنے وعدہ کو سچا کرنے والا اور اس کے اور بھی معانی ہیں۔

امام بخاری نے کہا: قرآن مجید اپنے سے پہلی ہر کتاب پر امین ہے یعنی وہ آسمانی کتابیں اور صحیفے جو آپ سے پہلے انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حافظ ابن حجر سے وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ قرآن مجید ان تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مصدق ہے جو قرآن مجید سے پہلے نازل ہوئی ہیں کیونکہ قرآن مجید کے احکام یا تو پچھلی کتابوں کے احکام کو مقرر رکھنے والے ہیں یا ان کتابوں کے احکام کو منسوخ کرنے والے ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ منسوخ بھی ثابت ہو یا قرآن مجید میں نئے احکام نازل کیے گئے ہیں۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۷۸۔۴۹۷۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ وَابْنُ عَبَّاسٍ رضی الله عنهم قَالَا لَبِثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از شیبان از یحییٰ از ابی سلمہ، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں نے خبر دی کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال ٹھہرے آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا اور مدینہ میں دس سال''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۶۴ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی عمر ساٹھ (۶۰) سال تھی حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی، اس کی توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بھی دس سال رہے اور مدینہ میں بھی دس سال رہے اور مشہور یہ ہے کہ آپ پر وحی کی ابتداء چالیس سال کی عمر سے ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ کی عمر ساٹھ سال تھی اور معتمد یہ ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی، اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ مکہ میں دس (۱۰) سال رہے تو اس سے کسر کے تین سال حذف کر دیئے ہیں کیونکہ آپ مکہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے ہیں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ چالیس (۴۰) سال مکمل ہونے کے بعد

آپ پر وحی کی ابتداء ہوئی تو پہلے چھ مہینہ آپ پر خواب میں وحی نازل ہوتی رہی یہاں تک کہ رمضان کے مہینہ میں آپ پر فرشتہ نازل ہوا، پھر آپ پر وحی کا نزول رک گیا، پھر وحی تواتر اور تسلسل سے نازل ہونے لگی، پس وحی تواتر اور تسلسل کے ساتھ دس سال نازل ہوئی اور اس سے پہلے آپ پر یا خواب میں وحی نازل ہوئی تھی یا ایک بار فرشتہ کے نازل ہونے کے بعد وحی کا آنا رک گیا تھا اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ آپ پر چالیس (۴۰) سال کی عمر میں وحی کی ابتداء ہوئی اور تین سال تک آپ پر حضرت میکائیل علیہ السلام یا حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی نازل کرتے رہے، اس کا ذکر ایک حدیث مرسل میں ہے، پھر اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملے اور وہ دس سال تک آپ پر وحی نازل کرتے رہے۔

قرآن مجید کا تدریجاً نازل ہونا اور اس کی حکمتیں

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر قرآن تدریجاً نازل ہوتا رہا ہے، یک بارگی آپ پر پورا قرآن نازل نہیں ہوا ہے جیسا کہ امام نسائی، امام ابوعبیدہ اور امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مکمل قرآن ایک مرتبہ آسمان دنیا پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا، پھر اس کے بعد قرآن مجید بیس (۲۰) سال میں نازل ہوا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا۝ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے۝

معتمد یہ ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یک بارگی نازل ہوا، پھر اس کے بعد آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل ہوتا رہا، نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کے مہینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پورے قرآن کا دور کرتے تھے جو اس سال میں آپ پر نازل ہوا تھا، اسی طرح امام ابوعبید اور امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے اور عنقریب صحیح بخاری میں یہ حدیث آئے گی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کے مہینہ میں دور کرتے تھے اور اس میں دو حکمتیں ہیں: ایک حکمت تو قرآن مجید کو یاد کرنا ہے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ جو احکام منسوخ نہیں ہوئے ان کو باقی رکھا جائے اور جو احکام منسوخ ہو چکے ہیں ان کو اٹھا لیا جائے، پس رمضان کا مہینہ قرآن مجید کے اجمالاً اور تفصیلاً دونوں طرح کے نزول کا محل اور ظرف ہے۔

قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں کے نزول کا بیان

امام احمد اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات چھ رمضان میں نازل ہوئی اور انجیل تیرہ (۱۳) رمضان میں نازل ہوئی اور زبور (۱۸) رمضان میں نازل ہوئی اور قرآن مجید چوبیس (۲۴) رمضان میں نازل ہوا، اور یہ روایت ان آیات کے موافق ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (بقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۝ (القدر:۱) بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۝

پس ہو سکتا ہے کہ اس سال لیلۃ القدر اس رات میں ہو جس رات پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف نازل کیا گیا تھا، پھر چوبیس (۲۴) رمضان کو زمین پر قرآن نازل کیا گیا اور اس کی پہلی آیت تھی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق:۱) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝

مکی اور مدنی سورتوں کی اصطلاح کا بیان

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید خصوصیت کے ساتھ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوا ہے اور یہ اسی طرح ہے لیکن حرمین کے علاوہ بھی قرآن مجید نازل ہوا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے سفر میں تھے یا کسی غزوہ میں تھے لیکن اصطلاح یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ سورتیں مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں خواہ وہ مکہ یا مدینہ کے شہر میں نازل ہوئی ہوں یا حالت سفر میں نازل ہوئی ہوں، اور اس کی مزید تفصیل باب تالیف القرآن میں ان شاء اللہ آئے گی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۰- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ أُنْبِئْتُ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ فَجَعَلَ يَتَحَدَّثُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأُمِّ سَلَمَةَ مَنْ هَذَا أَوْ كَمَا قَالَ قَالَتْ هَذَا دِحْيَةُ فَلَمَّا قَامَ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يُخْبِرُ خَبَرَ جِبْرِيلَ أَوْ كَمَا قَالَ قَالَ أَبِي قُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ مِمَّنْ سَمِعْتَ هَذَا قَالَ مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از ابی عثمان، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی گئی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ کے پاس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، پس آپ (حضرت جبرئیل سے) باتیں کرنے لگے، پھر ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ یا جو بھی آپ نے فرمایا، حضرت ام سلمہ نے کہا: یہ حضرت دحیہ ہیں، پس جب آپ کھڑے ہوئے تو حضرت ام سلمہ نے کہا: اللہ کی قسم میں نے یہی گمان کیا تھا کہ یہ حضرت دحیہ ہیں حتیٰ کہ حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا جس میں آپ حضرت جبرئیل کے آنے کی خبر دے رہے تھے یا جس طرح آپ نے فرمایا'' معتمر نے بیان کیا کہ میرے والد نے کہا کہ میں نے ابو عثمان سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے یہ حدیث حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بغرض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

مشکل اور مبہم عبارات کی توضیح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ آپ نے یہ اس لیے پوچھا تھا کہ آیا حضرت ام سلمہ کو یہ پتا چلا یا نہیں کہ جس سے آپ باتیں کر رہے ہیں وہ فرشتہ ہے۔

حضرت ام سلمہ نے کہا: یہ حضرت دحیہ ہیں یعنی دحیہ بن خلیفہ الکلبی جو مشہور صحابی ہیں، یہ بہت حسین وجمیل تھے اور حضرت جبرئیل اکثر ان کی صورت میں آتے تھے۔

نیز اس میں مذکور ہے: جب آپ کھڑے ہوئے: یعنی جب آپ مسجد کی طرف جانے کے لیے کھڑے ہوئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت ام سلمہ کے اس گمان پر انکار نہیں کیا کہ یہ حضرت دحیہ ہیں کیونکہ وہ عنقریب آپ کا خطبہ سن کر یہ جان لیتیں کہ آپ کے پاس آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت دحیہ۔

حافظ ابن حجر سے علامہ عینی کا مناقشہ کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا مگر یہ ایک قصہ نہیں ہے

نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بنو قریظہ کے قصہ کا ہو کیونکہ امام بیہقی کی دلائل النبوت میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد سے باتیں کر رہے ہیں اور اس وقت وہ مرد سوار تھے، پس جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے پوچھا: یہ کون شخص تھا جس سے آپ باتیں کر رہے تھے؟ آپ نے پوچھا: تم اس شخص کو کس کے مشابہ سمجھتی ہو تو میں نے کہا: دحیہ بن خلیفہ کے، آپ نے فرمایا: یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میں بنو قریظہ کی طرف جاؤں۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٥٥، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ قول کئی وجوہ سے بعید ہے: (١) اس باب کی حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے والی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور امام بیہقی کی روایت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (٢) دونوں حدیثوں کی سند مختلف ہے، حضرت ام سلمہ کی حدیث ابی عثمان سے مروی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث القاسم سے مروی ہے (٣) ظاہر یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنے گھر میں دیکھا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو گھر سے باہر دیکھا تھا اور اس وقت وہ سوار تھے۔ ان تمام وجوہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قصے ہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بنو قریظہ کے قصہ کا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے درمیان مناقشہ میں مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب لکھا ہے کہ علامہ عینی کی عبارت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو ان دونوں قصوں کے اتحاد کے خلاف ہو، پس حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی شکل میں دیکھا۔ حافظ ابن حجر کا جواب ختم ہوا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ٢ ص ٤٧٢، مکتبہ الرشد، ریاض، ١٤١٨ھ) میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے ان دونوں قصوں کے تغایر پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرئیل کو حضرت دحیہ کی شکل میں گھر میں دیکھا تھا اور حضرت عائشہ نے ان کو گھر سے باہر دیکھا تھا، پس انصاف کی بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب نہیں بن سکا۔ (سعیدی غفرلہ)

فرشتہ انسان کی شکل میں آسکتا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں آسکتا ہے اور فرشتے کی اپنی ذاتی صورت ہے جس کو آدمی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ بشری قویٰ ضعیف ہیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ دیکھنے کی قوت عطا فرمادے تو وہ الگ بات ہے اس لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر اوقات مرد کی صورت میں آتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری: ۲ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کبھی فرشتہ میرے لیے مرد کی صورت میں آتا، سو وہ مجھ سے کلام کرتا تو میں یاد رکھتا کہ وہ مجھ سے کیا کہہ رہا ہے، اور آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے جیسا کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے دوسرا مناقشہ کہ اکثر صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں نہیں دیکھا

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: شارحین نے کہا کہ اس حدیث میں حضرت ام سلمہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہما دونوں کی فضیلت ہے کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور اس پر اعتراض ہے کہ اکثر صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں دیکھا جب حضرت جبرئیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ سے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق سوال کیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسری عورتوں کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوئی ہو، اور حافظ ابن حجر نے جو لکھا ہے کہ اکثر صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بعض صحابہ کے لیے ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں دیکھا اور جس وقت آپ کے پاس حضرت جبرئیل ایک اعرابی کی صورت میں آئے تھے اس وقت آپ کے پاس اکثر صحابہ نہیں تھے۔

(عمدۃ القاری، ج ۲۰ ص ۱۸ مخصلا دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کے درمیان مصنف کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب نہیں لکھا، اس سے واضح ہوا کہ علامہ عینی کا یہ اعتراض بہت قوی ہے اور حافظ ابن حجر سے اس کا جواب نہیں بن سکا۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۹۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۷۴، صحیح مسلم: ۱۵۲، مسند احمد: ۸۴۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۲۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید المقبری نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے کہ جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لاسکتا ہے اور مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف وحی فرمائی پس مجھے امید ہے کہ میرے متبعین قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوں گے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن کریم ہے جس کا عقل سے ادراک ہوتا ہے اور انبیاء سابقین کے معجزات کا ادراک حواس سے ہوتا تھا اور آپ کے معجزہ کی ان کی معجزات پر برتری

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کو معجزات دیئے گئے، حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ دیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کا معجزہ عطا کیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سوال کی وجہ سے معجزہ نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ اس سے چیلنج کرتے، ہاں! آپ نے اپنی طرف سے بہ کثرت معجزات دکھائے اور آپ کو قرآن کریم عطا کیا گیا جو معجزہ ہے اور اس کے معجزہ ہونے کا بیان درج ذیل آیات میں ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (العنکبوت:۵۱)
کیا ان کے لیے یہ معجزہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

وَ مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔ (بنی اسرائیل:۵۹)
اور ہمیں (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اتنے معجزات کے ساتھ تائید کی جس سے اس نبی کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: ہر نبی کو ایسے معجزات دیئے گئے جیسے اس سے پہلے انبیا ءکو معجزات دیئے گئے تھے اور رہا میرا عظیم معجزہ تو وہ قرآن کریم ہے جس کی مثل کسی کو عطا نہیں کی گئی، پس اسی وجہ سے میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جس پر تخییل، جادو اور شعبدہ بازی کا شبہ نہیں ہو سکتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزہ دیا گیا تو جادوگروں نے اس کے مشابہ صورت پیش کی کہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی طرح رینگنے لگیں۔

اور اس حدیث کا چوتھا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ ختم ہو گئے اور ان کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا جو ان کے زمانہ میں حاضر تھے، اس کے برخلاف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن کریم ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس کا اسلوب بیان اور بلاغت لوگوں کی طاقت میں نہیں ہے اور اس میں غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور تمام جنات اور انسان اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے خواہ وہ اکٹھے ہو کر لاتے یا الگ الگ لاتے اور تمام زمانوں میں اس کی مثل نہیں لائی جا سکی حالانکہ اس کو چیلنج کیا گیا تھا۔

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: انبیاء سابقین علیہم السلام کو حسی معجزات دیئے گئے تھے جن کا آنکھ سے مشاہدہ کیا جا سکتا تھا جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ قرآن ہے جس کا عقل کی آنکھ سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور پچھلی امتوں کے لوگ بے وقوف تھے، تب ہی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان بت پرستوں کے خدا ہیں اور بے وقوف لوگوں کے لیے صرف حسی معجزات ہی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے وہ بہت ذہین اور عقل مند لوگ تھے اور ان کے لیے قرآن کا معجزہ کافی تھا، البتہ ان میں سے بعض لوگ باوجود فہم اور عقل کے بہت متکبر تھے اور وہ اپنے تکبر کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے آباء واجداد کی بت پرستی کی طرف لوٹ گئے اور جب شارع علیہ السلام نے ان

کو نصیحت کی تو انہوں نے آپ سے بغض رکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (المومن:۵۶)

بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے، جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں، سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے، بے شک وہ خوب سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی جنس سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا تھا

علاوہ ازیں انبیاء سابقین علیہم السلام کا جو بھی معجزہ تھا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی جنس سے افضل معجزہ عطا کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب دشمنوں کے دلوں میں واقع ہو گیا تھا اور ایسا رعب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے طاری نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری رعب سے مدد کی گئی ہے جو ایک ماہ کے فاصلہ سے طاری ہو جاتا ہے“۔ (صحیح مسلم:۵۲۲)

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا ان کا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر تھا اور ہوا ان کے تخت کو صبح کے وقت یا شام کے وقت وہاں پہنچا دیتی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دشمن ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ سے بھی آپ سے ڈرتا تھا حالانکہ آپ ہوا کے ذریعہ اس کے پاس صبح کو یا شام کو نہیں پہنچتے تھے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ سے بڑا معجزہ ہے۔

اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے تھے اور یہ پتھر سے پانی نکالنے کی بہ نسبت بڑا معجزہ ہے کیونکہ کسی نے یہ خبر نہیں دی کہ گوشت اور ہڈیوں کے درمیان سے پانی نکل آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں سے کلام کیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی دستی (اگلا پیر) سے کلام فرمایا ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے بڑا معجزہ ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۔ ۱۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ہر نبی کو اس قسم کا معجزہ دیا گیا جس کا اس زمانہ میں چرچا تھا اور چونکہ آپ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا اس لیے آپ کو کلام بلیغ کا معجزہ دیا گیا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے جس معجزہ کے ساتھ چیلنج کیا ہے کہ تم اس کی مثل نہیں لا سکتے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو مجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہ قرآن ہے جو واضح معجزہ پر مشتمل ہے اور اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے معجزات قرآن کریم میں منحصر ہیں اور نہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ آپ کو وہ معجزات نہیں عطا کیے گئے جو آپ سے پہلے انبیاء کو عطا کیے گئے تھے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ یہ وہ عظیم معجزہ ہے جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ہر نبی کو ایسا معجزہ عطا کیا گیا جو اس کے ساتھ خاص تھا اور وہ معجزہ دوسرے کو عطا نہیں کیا گیا جس کے ساتھ اس نے اپنی قوم کو للکارا تھا، جیسے فرعون کے زمانہ میں جادو کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کا معجزہ لے کر آئے اور ان کی لاٹھی نے جادوگروں کے جادو سے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا اور یہ معجزہ کسی اور نبی سے ظاہر نہیں ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا بڑا چرچا تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندوں کیا اور مادر زاد اندھوں کو بینا کیا اور ان کا یہ معجزہ ان کے زمانہ کے اطباء کے تمام طبی کمالات پر غالب آ گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بہت ظہور تھا، پس آپ قرآن کریم کو لے کر آئے کہ تم سب مل کر اس کی

کسی ایک سورت کی مثل بنا کر لے آؤ تو اس پر کوئی قادر نہ ہوا۔

قرآن مجید کے وجوہ اعجاز کی تفصیل

قرآن کریم کے معجز ہونے کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں: اور ان کے علاوہ دیگر اقسام:

(۱) قرآن مجید کے کلمات کی عمدہ ترتیب اور ترکیب، ان میں اختصار اور بلاغت کے ساتھ۔

(۲) قرآن مجید کا وہ اسلوب جو عربوں میں سے اہل بلاغت کے اسالیب سے مختلف ہے حتیٰ کہ عقلیں اس میں حیران ہیں اور ذرائع اور وسائل بہ کثرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی مثل لانے پر قادر نہ ہو سکے اور عجز کے اعتراف کے سوا ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

(۳) قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کی خبریں اور ان کے احوال کا بیان ہے اور ان کے احکام شرعیہ کا ذکر ہے، جن میں سے بعض چیزوں کے سوا اہل کتاب میں سے بھی کسی کو علم نہیں تھا۔

(۴) قرآن مجید میں مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبریں دی گئی ہیں جن میں سے بعض کا ظہور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا اور بعض کا آپ کے زمانہ کے بعد ظہور ہوا۔

ان چار وجوہ کے علاوہ اور ایسی آیات ہیں جن میں کسی قوم کے متعلق یہ خبر دی گئی کہ وہ اس کام کو نہیں کریں گے، پس وہ اس کام سے عاجز ہو گئے حالانکہ اس کام کے کرنے کے بہ کثرت ذرائع اور وسائل تھے جس کام کو وہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر سکتے تھے جیسے فرمایا: یہود موت کی تمنا نہیں کریں گے، سو انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی اور قرآن مجید کی آیت صادق ہو گئی۔

اس طرح قرآن مجید کو پڑھنے والا قرآن مجید کو بار بار پڑھنے سے اور سننے والا اس کو بار بار سننے سے نہیں تھکتا اور اس کو زیادہ پڑھنے سے اس کو طراوت اور لذت ہی حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کا معجزہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے فنا ہونے کے بعد بھی قرآن مجید کی آیات باقی رہیں گی۔

اور قرآن مجید میں تمام علوم اور معارف مجتمع ہیں جن کے عجائب اور فوائد کبھی ختم نہیں ہوتے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى تَابَعَ عَلَى رَسُولِهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَحْيَ قَبْلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تَوَفَّاهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ الْوَحْيُ ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدُ۔

(صحیح مسلم: ۳۰۱۶، السنن الکبریٰ: ۷۹۸۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی وفات سے پہلے لگاتار وحی نازل فرماتا رہا حتیٰ کہ جب آپ کی وفات (قریب) ہوئی تو آپ پر بہت زیادہ وحی نازل ہوئی تھی، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے بہ کثرت وحی نازل ہونے کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب آپ پر بہ کثرت وحی نازل ہوئی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بہت زیادہ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور وہ احکام شرعیہ کے متعلق بہ کثرت سوالات کرتے تھے، اس وجہ سے اخیر زمانہ میں آپ پر بہ کثرت وحی نازل ہوئی۔
یہ حدیث اس کے خلاف ہے جو امام بخاری نے اول بعثت میں روایت کی ہے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ پہلے وحی نازل ہوئی، پھر وحی کا آنا رک گیا اور جس عرصہ میں آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس عرصہ میں آپ پر بڑی بڑی سورتیں بہت کم نازل ہوئیں، پھر ہجرت کے بعد آپ پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہوئیں جن میں سے اکثر سورتوں میں احکام شرعیہ نازل ہوئے تھے اور یہاں جو حدیث روایت کی ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری حصہ میں بہ کثرت وحی نازل ہوئی اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ اشْتَكَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ مَا أُرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے، پس آپ نے ایک رات یا دو راتیں قیام نہیں کیا تو آپ کے پاس ایک عورت آئی، اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے (معاذ اللہ)، تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَالضُّحٰى ۙ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ (الضحیٰ: ۱۔۳) چاشت کے وقت کی قسم! ۝ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے ۝ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ۝''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۲۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری باتیں بیان کی جا رہی ہیں:

حدیث مذکور کے دوبارہ روایت کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی شرح سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو دوبارہ یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ کبھی وحی کا تاخیر سے نازل ہونا کسی حکمت کے تقاضے کی وجہ سے ہوتا تھا اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بالکل چھوڑ دیا تھا، لہٰذا قرآن مجید کا نزول کئی طرح سے ہوا، کبھی قرآن مجید مسلسل نازل ہوتا رہا اور کبھی کچھ عرصہ انقطاع کے بعد تاخیر سے نازل ہوا۔

قرآن مجید کو بہ تدریج تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی وجوہ

قرآن مجید کو جو بہ تدریج متفرق طور پر نازل کیا گیا، اس کی متعدد حکمتیں ہیں:

(۱) تا کہ یاد کرنے والوں کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنا آسان ہو کیونکہ اگر قرآن مجید یک بارگی مکمل نازل ہو جاتا تو لوگوں پر قرآن مجید حفظ کرنا دشوار ہوتا اس حکمت کی طرف درج ذیل آیتوں میں ارشاد ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (الفرقان:۳۲)

اور کافروں نے کہا: یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً) نازل کیا ہے تاکہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ○

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے ○

(۲) قرآن کے بہ تدریج نازل ہونے کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس بہ کثرت آتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام آپ تک پہنچاتے تھے اور ان احکام کی وضاحت کے لیے آپ جو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کا جواب دیتا تھا اور جو نئے مسائل پیش آتے تھے ان کے متعلق آپ کو تعلیم دیتا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا شرف ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام پر یک بارگی کتاب کا نزول ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان پر صرف ایک بار کتاب لے کر نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس (۲۳) سال تک لگاتار حضرت جبرئیل علیہ السلام کتاب لے کر نازل ہوتے رہے۔ نیز دوسرے انبیاء علیہم السلام پر جہاں کتاب نازل ہوتی تھی وہاں ان انبیاء علیہم السلام کو جانا پڑتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا۔ آپ جہاں ہوتے تھے کتاب وہیں نازل ہو جاتی تھی، کبھی مکہ میں، کبھی مدینہ میں، کبھی طائف میں، کبھی حنین میں حتیٰ کہ بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر پر بھی کتاب نازل ہوئی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید سات (۷) لغات پر نازل ہوا ہے اس لیے مناسب یہ تھا کہ قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جائے کیونکہ اگر یہ سات لغات یک بارگی نازل ہوتیں تو ان کو بیان کرنا عادتاً مشکل ہوتا۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے احکام شرعیہ میں سے جن احکام کو منسوخ کرنا چاہتا ہے ان کو منسوخ فرما دیتا ہے اس لیے قرآن مجید کو بہ تدریج نازل فرمایا تا کہ ناسخ اور منسوخ منفصل ہو جائیں۔

(۵) ایک وقت میں متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں، امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت میں متعدد آیات نازل ہوتی رہتی تھیں، پس آپ فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو اور اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۷ مفصلاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابٌ: نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَّالْعَرَبِ

قرآن مجید کا نزول قریش اور عرب کی زبان کے موافق ہوا

باب مذکور کی وضاحت کہ زیادہ تر قرآن مجید کا نزول لغت قریش پر ہوا اور بعض آیات دوسرے قبائل کی لغات پر نازل ہوئیں

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید قریش کی لغت کے موافق نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کا اکثر اور معظم حصہ، کیونکہ قرآن مجید میں ہمزہ بہ کثرت ہے اور قریش ہمزہ نہیں پڑھتے اور قرآن مجید میں ایسے کلمات بھی ہیں جو لغت قریش کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (طٰہٰ: ۱۱۳) اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے قرشی قرآن نازل کیا ہے۔

امام بخاری نے لکھا ہے: قرآن مجید لغت قریش کے موافق نازل ہوا، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے نزول کی ابتداء لغت قریش کے موافق ہوئی، پھر قرآن مجید کو دوسرے قبائل کی لغات کے موافق پڑھنے کی اجازت دی گئی، نیز امام بخاری نے کہا: اور عرب کی زبان کے موافق نازل ہوا، یہ عام کا عطف خاص پر ہے، ہر چند کہ لغت قریش لغت عرب میں داخل ہے لیکن قریش کا ذکر الگ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ قریش کو باقی عربوں پر فضیلت ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ (الحجر: ۸۷) اور بے شک ہم نے آپ کو ایسی سات آیتیں دیں جو دو بار پڑھی جاتی ہیں (سورۂ فاتحہ) اور قرآن عظیم دیا O

اس آیت میں بھی عام کا عطف خاص پر ہے، ہر چند کہ سورۂ فاتحہ قرآن عظیم میں داخل ہے لیکن اس کے شرف کی وجہ سے اس کا الگ ذکر فرمایا۔

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب علم الاولیاء میں لکھا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر وحی عربی زبان میں نازل فرمائی اور حضرت جبریل علیہ السلام ہر رسول کے لیے ان کی قوم کی زبان میں اس وحی کو نازل فرماتے"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۔۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (طٰہٰ: ۱۱۳) یعنی عربی زبان میں، بلسان عربی مبین یعنی واضح عربی زبان میں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید عربی لغت کے موافق نازل ہوا ہے۔

عرب کی باقی لغات پر لغت قریش کی ترجیح کی وجوہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

سورۂ: طٰہٰ: ۱۱۳ میں فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (عربی زبان میں) اور سورۃ الشعراء: ۱۹۵ میں فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (صاف صاف عربی زبان میں)

قرآن مجید کا لغت قریش پر نازل ہونا اس باب کے عنوان میں مذکور ہے، امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ "قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے آپ لوگوں کو لغت قریش کے موافق قرآن پڑھائیں" اس کے بعد امام بخاری نے لغت عرب کا ذکر کیا ہے اور یہ عام کا عطف خاص پر ہے کیونکہ قریش بھی عرب ہیں اور امام بخاری نے تعلیق میں جو دو آیتیں ذکر کی ہیں وہ اس کی دلیل ہیں۔

اور قاضی ابوبکر الباقلانی نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ اکثر قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے اور اس پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں ہے کہ پورا قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا۔ (یوسف:۲) بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید عرب کی تمام زبانوں پر نازل ہوا ہے اور جس کا یہ زعم ہو کہ قرآن صرف لغت قریش پر نازل ہوا ہے اس کو اس پر دلیل لانی چاہیے، کیونکہ عرب کا اسم عرب کی تمام لغات کو شامل ہے ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید بنو ہاشم کی لغت پر نازل ہوا ہے کیونکہ بنو ہاشم کا نسب باقی قریش کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہے۔

ابوشامہ نے کہا: ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان نے جو کہا: قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا ہے اس کا یہ محمل ہو کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء تو لغت قریش کے موافق ہوئی، پھر بعد میں مسلمانوں کو دوسری لغات کے موافق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی جیسا کہ عنقریب اس باب کی شرح میں آئے گا کہ ''قرآن مجید سات لغات پر نازل کیا گیا ہے'' اور اس کا تکملہ یہ ہے کہ ابتداءً سات لغات میں سے لغت قریش پر قرآن مجید نازل ہوا، پھر لوگوں کی آسانی کے لیے دوسری لغات پر بھی پڑھنے کی اجازت دی گئی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ جس لغت پر قرآن مجید ابتداءً نازل ہوا ہے وہی لغت سب سے اولیٰ ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے تو اس لیے انہوں نے لوگوں کو لغت قریش پر برانگیختہ کیا اور اس لیے بھی کہ ابتداءً قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی طرف جو لکھا تھا کہ قرآن مجید کا نزول لغت قریش کے موافق ہوا ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَأَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ فَأَمَرَ عُثْمَانُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنْ يَنْسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لَهُمْ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي عَرَبِيَّةٍ مِنْ عَرَبِيَّةِ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهَا بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت، حضرت سعید بن العاص، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ وہ قرآن مجید کو المصاحف میں لکھیں اور ان سے فرمایا: جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا قرآن کی عربیت میں اختلاف ہو تو اس کو تم قریش کی زبان کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن ان کی لغت پر نازل ہوا ہے، سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۰۶ میں گزر چکی ہے۔

لغت قریش کی ترجیح پر مزید دلائل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شہاب سے منقول ہے کہ صحابہ کا اس دن التابوت کے لفظ میں اختلاف ہوا، پس کسی نے کہا: یہ لفظ التابوۃ ہے، اور حضرت

ابن الزبیر اوران کے اصحاب نے کہا: یہ لفظ التابوت ہے، پھر وہ یہ معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ ''اس لفظ کو التابوت لکھو کیونکہ یہ لغت قریش کے موافق ہے''۔ (صحیح البخاری: ۳۵۰۶)

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۲۲۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تمہارا قرآن کی عربیت میں اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش پر لکھو''، اس قول میں یہ دلیل ہے کہ قبیلہ قریش کی تمام قبائل پر فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کو ان کی لغت پر نازل فرمایا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں تم سب سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ میں قریش سے ہوں''۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۴۳۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۹۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ وَقَالَ مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ يَعْلَى كَانَ يَقُولُ لَيْتَنِي أَرَى رَسُولَ اللهِ ﷺ حِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَلَمَّا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْجِعْرَانَةِ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قَدْ أُظِلَّ عَلَيْهِ وَمَعَهُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مُتَضَمِّخٌ بِطِيبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِطِيبٍ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَأَشَارَ عُمَرُ إِلَى يَعْلَى أَنْ تَعَالَ فَجَاءَ يَعْلَى فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ فَإِذَا هُوَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ يَغِطُّ كَذَلِكَ سَاعَةً ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ الَّذِي يَسْأَلُنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ فَجِيءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ۔

(صحیح البخاری: ۱۵۳۶، صحیح مسلم: ۱۱۸۰، سنن ابوداؤد: ۱۸۱۹، سنن ترمذی: ۸۳۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عطا نے حدیث بیان کی (ح) اور مسدد نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے صفوان بن یعلیٰ بن امیہ نے خبر دی کہ حضرت یعلیٰ یہ کہتے تھے: کاش! میں دیکھتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہوتی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم الجعرانہ میں تھے اور آپ پر ایک کپڑا ڈالا ہوا تھا جس سے آپ کے اوپر سایہ کیا ہوا تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ تھے، اس وقت آپ کے پاس ایک مرد آیا جس نے خوشبو کا لیپ کیا ہوا تھا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس مرد کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس نے خوشبو کا لیپ کرنے کے بعد پھر جبہ میں احرام باندھا؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساعت ان کی طرف دیکھا، پھر آپ کے پاس وحی آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ آ گے آئیں، پس حضرت یعلیٰ آئے اور انہوں نے اپنا سر اس کپڑے میں داخل کیا تو اس وقت آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آپ اس طرح تیزی سے سانس لے رہے تھے، پھر آپ سے یہ کیفیت دور ہو گئی، پھر آپ نے فرمایا: ''وہ شخص کہاں ہے جس نے ابھی مجھ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا تھا؟'' پس اس شخص کو تلاش کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''رہی وہ خوشبو جس کا تم نے اپنے بدن پر لیپ کیا تھا تو اس کو تم تین مرتبہ دھوڈالو اور رہا جبہ تو اس کو اتار دو،

پھر تم اپنے عمرہ میں وہی کام کرو جو کام تم اپنے حج میں کرتے ہو''۔

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور بہ ظاہر اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس باب میں داخل کرنے کی وجہ اکثر ائمہ کے اوپر مخفی رہی حتیٰ کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث اس باب کے عنوان کے ساتھ زیادہ مطابق ہے اور یہ دوسری حدیث باب کے عنوان سے مطابق نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: قرآن مجید کا لغت قریش کے مطابق نازل ہونا جب کہ ایک اعرابی کے عمرہ کے متعلق سوال کا جواب نزول وحی کے بعد دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح بخاری کے بعض نقل کرنے والوں کی غلطی ہو۔

اور کہا گیا ہے: بلکہ امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۔ (ابراہیم:۴) اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں مبعوث کیا ہے تاکہ وہ ان کو بیان کر سکے۔

اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قریش کی لغت کے ساتھ بھیجا گیا ہو کیونکہ آپ ان کی قوم سے ہیں بلکہ آپ کو تمام عرب کی زبان کے ساتھ بھیجا گیا ہے کیونکہ آپ تمام عرب کے لیے رسول بنائے گئے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اس اعرابی کے سوال کے جواب میں وحی نازل ہونے کے بعد اس کو اس طرح مسئلہ بتایا جس سے وہ اعرابی سمجھ سکتا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ وحی نازل ہونے کے بعد عرب لوگوں کو اس طرح بتاتے تھے جس سے وہ مسئلہ سمجھ سکیں خواہ وہ قرشی ہوں یا غیر قرشی، اور وحی سے مراد بھی عام ہے خواہ وہ ایسی وحی ہو جس کی تلاوت کی جاتی ہو یعنی قرآن مجید یا ایسی وحی ہو جس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو جیسے احکام شرعیہ کے متعلق احادیث۔

اس پر یہ سوال ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے خواہ وہ عرب ہوں یا عجم ہوں یا ان کے غیر ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس زبان میں وحی نازل ہوئی وہ عربی ہے اور آپ اس وحی کی مختلف عرب کے قبیلوں میں تبلیغ فرماتے تھے اور وہ قبائل غیر عرب کے لیے ان کی زبانوں میں اس وحی کا ترجمہ کرتے تھے، اس لیے ابن المنیر نے کہا کہ اس باب کی پہلی حدیث کا اس باب میں داخل ہونا زیادہ لائق ہے کیونکہ اس حدیث میں وحی قرآن کا ذکر نہیں ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ممکن ہے امام بخاری کا مقصد اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ وحی قرآن کی ہو یا سنت کی دونوں کی ایک صفت ہے اور دونوں کی ایک زبان ہے اور وہ عربی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۹۔۱۵۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: جَمْعِ الْقُرْاٰنِ — قرآن مجید کو جمع کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ باب قرآن مجید کو جمع کرنے کی کیفیت کے بیان میں ہے اور اس سے مراد مخصوص جمع کرنا ہے یعنی قرآن مجید کی جو سورتیں اور آیات مختلف صحیفوں میں متفرق تھیں ان کو جمع کیا جائے، پھر ان صحیفوں کو ایک مصحف میں جمع کیا جائے جس میں سورتیں اور آیات ترتیب وار ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس عبارت میں یہ اضافہ ہے کہ عنقریب تین ابواب کے بعد تالیف قرآن کا باب آئے گا اور اس سے مراد آیات کو ایک سورت میں جمع کرنا ہے اور سورتوں کو ایک مصحف میں جمع کرنا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۶ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رضی الله عنه قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی الله عنه إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ عُمَرُ هَذَا وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضی الله عنهما فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رضی الله عنهما۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن سعد، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عبید بن سباق کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اہل یمامہ کے ساتھ شدید جنگ ہوئی (اور بہت مسلمان قراء شہید ہو گئے) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا: اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک حضرت عمر میرے پاس آئے، پس انہوں نے کہا کہ یمامہ کا دن قرآن کے قراء کی شہادت کے ساتھ گرم ہو گیا ہے اور بے شک مجھے یہ خطرہ ہے کہ مختلف شہروں کے قراء شہید ہو گئے ہیں تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے حضرت عمر سے کہا: آپ کیسے وہ کام کریں گے جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نیک کام ہے، پس حضرت عمر مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی اس مسئلہ میں وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمر کی رائے ہے۔ حضرت زید نے بتایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نوجوان مرد ہو عقل مند ہو ہم تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو لکھتے تھے، پس تم قرآن مجید کو تلاش کر کے اس کو جمع کرو، پس اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے تو وہ مجھ پر اتنا دشوار نہ ہوتا جتنی مجھے ان کے اس حکم کی تعمیل دشوار تھی کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں۔ میں نے کہا: آپ کیسے وہ کام کر رہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نیک کام ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل مجھ سے اس پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا، پس میں کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں اور پتلے اور چوڑے سفید پتھروں سے (جن پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا) اور

مردوں کے سینوں سے قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرنے لگا حتیٰ کہ میں نے سورۃ التوبۃ کی آخری آیت کو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا اور میں نے اس آیت کو اور کسی کے پاس نہیں پایا، وہ آیت یہ ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ گئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے۔ یہ آیت سورۃ التوبہ کے خاتمہ تک ہے، یہ مصحف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی، پھر وہ مصحف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی پوری حیات تک رہا، پھر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۷۹ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی شرح کی جا رہی ہے:

اہل یمامہ کے خلاف جہاد میں سات سو (۷۰۰) قراء صحابہ کا شہید ہونا اور مسیلمۃ الکذاب کا قتل ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی اور اس وقت تک قرآن کریم کو کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔

اس حدیث میں اہل یمامہ کے شہداء کا ذکر ہے، اہل یمامہ سے یہاں پر مراد وہ صحابہ ہیں جن کو مسیلمۃ الکذاب کے خلاف جہاد کرتے وقت شہید کر دیا گیا تھا اور مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے جن کے بعد مسیلمہ کا معاملہ مستحکم ہو گیا، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف جہاد کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہ کثرت صحابہ کی جماعت کے ساتھ بھیجا، پھر بہت زبردست جنگ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو ناکام کر دیا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بہ کثرت صحابہ شہید ہو گئے، ان کی تعداد سات سو (۷۰۰) تھی۔ دوسرا قول ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: بہت مسلمان قراء شہید ہو گئے: اور سفیان بن عیینہ کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ جو حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے، جب وہ شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ اب قرآن ان کے پاس سے جاتا رہے گا تو پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان سات سو صحابہ میں سے ہر ایک نے قرآن کو جمع کیا تھا بلکہ یہ تمام صحابہ مجموعی طور پر قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے قرآن کو جمع کرنے پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کیسے وہ کام کروں جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟
علامہ الخطابی وغیرہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہ کیا ہو کیونکہ آپ یہ انتظار کر رہے تھے کہ کوئی ناسخ آیت نازل ہو جس سے بعض احکام شرعیہ یا بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو جائے،

پھر جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کے دلوں میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا الہام کیا تا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کے لیے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ لیا تھا اور اس کی ضمانت دی تھی وہ وعدہ پورا ہو جائے اور اس کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے ہوئی اور اس کی تائید امام ابن ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے المصاحف میں عبد خیر کی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مصاحف کے مرتب کرنے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا جنہوں نے سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع کیا۔

یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید کے علاوہ مجھ سے کوئی چیز نہ لکھو'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث صفت مخصوصہ کے ساتھ کتابت مخصوصہ میں ہے اور بے شک پورا قرآن نبی ﷺ کے عہد میں لکھا جا چکا تھا لیکن وہ کسی ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا اور نہ اس میں سورتوں کی ترتیب تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ امام ابن ابوداؤد نے المصاحف میں اپنی سند کے ساتھ ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں نے قسم کھائی کہ میں صرف نماز جمعہ کے لیے اپنی چادر اوڑھوں گا حتیٰ کہ میں قرآن مجید کو جمع کرلوں، پس انہوں نے قرآن مجید کو جمع کر لیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اور اگر بالفرض یہ حدیث محفوظ ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرآن مجید کو جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو اپنے سینہ میں جمع کر لیا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں سے یہ روایت ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حتیٰ کہ میں قرآن مجید کو دو گتوں کے درمیان جمع کر لوں، اس کا جواب یہ ہے ان الفاظ کی روایت میں راوی کو وہم ہوا ہے اور ہم اس سے پہلے عبد خیر کی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو قول لکھ چکے ہیں کہ مصاحف کے مرتب کرنے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا جنہوں نے سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قول معتمد ہے۔

اس پر ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ امام ابن ابوداؤد نے حسن بصری کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ آیت فلاں صحابی کے پاس تھی اور وہ صحابی جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور انہوں نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمر نے سب سے پہلے قرآن مجید کو جمع کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند بھی منقطع ہے اور اگر بالفرض اس کی سند محفوظ ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا مشورہ دیا، اس وجہ سے ان کی طرف قرآن جمع کرنے کی نسبت کر دی گئی۔

روافض کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوبکر کا قرآن مجید کو جمع کرنا بدعت ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: مجھ پر بعض روافض نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت ابوبکر نے قرآن مجید کو مصحف میں جمع کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام نہیں کیا تھا، سوان کا یہ کام بدعت ہے اور ناجائز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنے اجتہاد سے کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے کیا اور بے شک نبی ﷺ نے قرآن مجید کو لکھنے کی اجازت دی تھی اور اس سے منع فرمایا تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور چیز لکھی جائے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو لکھنے کا حکم دیا جس کو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور اسی وجہ سے سورۃ التوبہ کی

آخری آیت کو لکھنے میں توقف کیا گیا حتیٰ کہ اس آیت کو لکھا ہوا پا لیا گیا حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو یہ آیت مستحضر تھی اور جب کوئی منصف مزاج شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس کام میں غور کرے گا تو اس کو یقین ہوگا کہ یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عظیم فضائل اور مناقب میں سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ثبوت میں یہ حدیث ہے: حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اسلام میں کسی سنت حسنہ کی ابتداء کی اسے اس سنت پر عمل کرنے کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس سنت پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ان کو ملے گا اور اس کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہوگی''۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم: ۱۰۱۷، الرقم المسلسل: ۲۲۴۰، سنن نسائی: ۲۵۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳، مسند احمد: ۱۹۱۷۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کسی نے بھی قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور قیامت تک جو لوگ قرآن مجید پڑھتے رہیں گے اس کا اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملتا رہے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ جب نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے کی وجہ سے مکہ میں مشرکین نے ان کے خلاف ہنگامہ کیا اور وہ مکہ چھوڑ کر جانے لگے تو ابن الدغنہ نے ان کو پناہ دی، پھر جب دوبارہ انہوں نے بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ابن الدغنہ نے اپنی پناہ واپس لے لی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ابن الدغنہ کی پناہ کو رد کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی پناہ پر راضی ہوں۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں مذکور ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۲۹۷)

نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ (البینہ: ۲) وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں O

اس آیت میں پاک صحیفوں سے مراد قرآن مجید ہے، ہر چند کہ وہ ایک صحیفہ ہے لیکن اس کو تعظیماً جمع کے ساتھ تعبیر فرمایا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید صحیفوں میں لکھا ہوا تھا لیکن یہ صحیفے متفرق تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام صحیفوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اس کے بعد یہ مصحف محفوظ رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق مصاحف لکھنے کا حکم دیا، پس چند مصاحف لکھے گئے اور ان کو مختلف شہروں میں بھیج دیا: اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید کو جمع کرنا کوئی نیا کام اور بدعت نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دینے کی خصوصیت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جوان مرد ہیں، عقل مند ہیں ہم آپ پر کوئی تہمت نہیں لگاتے اور آپ وحی کو لکھا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر نے حضرت زید بن ثابت کی چار ایسی صفات کو ذکر کیا ہے جو ان کی خصوصیت کا تقاضا کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ جوان مرد ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سے جس کام کے لیے کہا جائے گا آپ اسے خوشی سے کریں گے اور کہا کہ آپ عقل مند ہیں یعنی قرآن مجید کو زیادہ یاد رکھنے والے ہیں اور کہا کہ ہم آپ پر کوئی تہمت نہیں لگاتے تو نفوس آپ کی طرف مائل ہوں گے اور کہا کہ آپ وحی لکھا کرتے تھے یعنی آپ کو وحی کے لکھنے کی مہارت حاصل ہے اور یہ صفات حضرت زید بن ثابت میں مجتمع تھیں اور دوسرے صحابہ میں بھی یہ صفات تھیں لیکن متفرق تھیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے ابتداءً قرآن مجید کو جمع کرنے سے گریز کی توجیہ

علامہ ابن بطال نے کہا کہ ابتداء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کرنے سے گریز کیا، پھر دوبارہ حضرت زید بن ثابت نے اس سے گریز کیا کیونکہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا تو انہوں نے دین میں احتیاط کی وجہ سے اس کام کے کرنے کو مکروہ جانا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے فائدے پر متنبہ کیا اور یہ بتایا کہ اگر قرآن مجید کو جمع نہیں کیا گیا تو یہ خطرہ ہے کہ قرآن مجید اپنی شہرت کے بعد مخفی ہو جائے گا تو ان دونوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف رجوع کر لیا، نیز علامہ ابن بطال نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو کرنا یا کسی کام کو ترک کرنا جب قرائن سے خالی ہو تو آپ کا فعل اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا اور آپ کا ترک کرنا اس کی تحریم پر دلالت نہیں کرتا۔ (علامہ ابن ابطال کی عبارت ختم ہوئی)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قرآن کو جمع کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط سے زیادہ احتیاط نہیں تھی بلکہ ان کا یہ فعل ان قواعد کے مطابق ہے جن کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔

قرآن مجید کو جمع کرنے کے مزید دلائل اور جمع القرآن کا واجب علی الکفایہ ہونا

علامہ ابن الباقلانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو قرآن مجید کو جمع کیا وہ فرض کفایہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے سن کر قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز نہ لکھو''۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامۃ: ۱۷)	بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ۝
اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۸)	بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے ۝
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ (البینہ: ۲)	وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں ۝

ان آیات میں بھی قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو لکھنے کا ثبوت ہے۔

پس ہر وہ کام جس کا رجوع قرآن مجید کی حفاظت اور اس کے حفظ کی طرف ہو وہ واجب علی الکفایہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمین کی خیر خواہی ہے۔

نیز علامہ ابن الباقلانی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے جمع کرنے کو جو ترک فرمایا تھا اس میں جمع قرآن کی ممانعت پر دلیل نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کی طرف رجوع کر لیا کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ ان کی رائے درست ہے اور عقل اور نقل میں ان کے منافی کوئی چیز نہیں ہے اور اس کو ترک کرنے سے بعض قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا، پھر حضرت زید بن ثابت اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی رائے کی تصویب اور تائید کی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک جملہ میں جمع اور واحد کے دو صیغے لانے کی توجیہ اور جمع قرآن کو پہاڑ کے منتقل کرنے سے زیادہ دشوار قرار دینے کا سبب

اس حدیث میں مذکور ہے: اگر وہ لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے تو وہ مجھ پر اتنا دشوار نہ ہوتا

جتنی مجھے ان کے اس حکم کی تعمیل دشوار تھی کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں۔

اس حدیث میں پہلے جمع کا صیغہ ہے (کَلَّفُوْنِی) اس کے بعد واحد کا صیغہ ہے (مَا اَمَرَنِیْ) اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابوبکر اور ان کے موافقین کے اعتبار سے جمع کا صیغہ کہا یعنی اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے پھر اس کے بعد صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے واحد کا صیغہ کہا کہ انہوں نے جو مجھے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کو پہاڑ منتقل کرنے سے زیادہ دشوار قرار دیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان سے قرآن مجید کو جمع کرنے میں کوئی تقصیر نہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ کام آسان کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ (القمر: ۱۷) اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔

قرآن مجید کو جمع کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا اور دو گواہوں کی اس گواہی کو ضروری قرار دینا کہ یہ حصہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا

امام ابن داؤد نے المصاحف میں یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس فرمایا: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کا کچھ حصہ محفوظ کیا ہو وہ اس کو لے کر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو صحیفوں میں اور تختیوں میں اور کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں میں لکھتے تھے اور حضرت زید کسی شخص سے اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دے دیتے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت زید محض لکھے ہوئے قرآن مجید کے پانے کو کافی نہیں قرار دیتے تھے حتیٰ کہ اس پر گواہی پیش کر دی جاتی حالانکہ حضرت زید خود بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور وہ ایسا صرف احتیاط میں مبالغہ کے لیے کرتے تھے۔

نیز امام ابن ابوداؤد نے عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ، پس جب تمہارے پاس دو گواہ کتاب اللہ کے کسی حصہ کے لکھے ہوئے ہونے کی گواہی لے کر آئیں تو تم اس کو لکھ لینا، اس حدیث کی سند منقطع ہے مگر اس کے رجال ثقات ہیں، اور دو گواہوں سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ گواہی دیں کہ یہ مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا یا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ یہ مکتوب اس طرح ہے جس طرح قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی غرض یہ تھی کہ صرف اسی چیز کو لکھا جائے جس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے اور انہوں نے فقط حفظ کا اعتبار نہیں کیا تھا۔

اس کی تحقیق کہ سورۃ التوبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ سے ملی تھی یا حضرت خزیمہ بن ثابت سے اور سورۃ الاحزاب کی آیت کس سے ملی تھی

اس حدیث میں مذکور ہے: حتیٰ کہ میں نے سورۃ التوبہ کی آخری آیت کو حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا۔

عبد الرحمن بن مہدی نے از ابراہیم بن سعد روایت کی ہے کہ اس آیت کو حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس پایا، اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور زہری کی روایت میں ہے کہ اس آیت کو حضرت خزیمہ انصاری کے پاس پایا اور امام

طبرانی نے ''مسند الشامیین'' میں اپنی سند سے روایت کی ہے جس میں مذکور ہے: میں نے اس روایت کو حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پایا، اسی طرح اس کی امام ابن داؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے اور جس نے یہ کہا کہ ابراہیم بن سعد کی روایت میں ابوخزیمہ ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

اور سورۃ التوبہ کی تفسیر میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جس صحابی کے پاس سے سورۃ التوبہ کی آخری آیت ملی وہ اور ہے اور جس صحابی کے پاس سورۃ الاحزاب کی آیت ملی وہ دوسرا صحابی ہے، پس پہلی روایت میں راویوں کا اختلاف ہے، پس کسی نے کہا: وہ آیت حضرت خزیمہ سے ملی اور کسی نے کہا: وہ آیت حضرت ابوخزیمہ سے ملی اور کسی نے اس میں شک کیا اور کہا: وہ آیت حضرت خزیمہ یا حضرت ابوخزیمہ سے ملی اور راجح یہ ہے کہ جس صحابی کے پاس سے سورۃ التوبہ کی آخری آیت ملی وہ حضرت ابوخزیمہ ہیں (کنیت کے ساتھ) اور جس صحابی کے پاس سے سورۃ الاحزاب کی آیت ملی وہ حضرت خزیمہ ہیں اور ابوخزیمہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اوس بن یزید بن اصرم کے بیٹے ہیں، وہ کنیت کے ساتھ مشہور تھے نہ کہ نام کے ساتھ، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ الحارث بن خزیمہ ہیں۔ رہے حضرت خزیمہ تو وہ ابن ثابت ہیں جن کی ایک گواہی دو گواہیوں کے برابر ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں صراحتاً گزر چکا ہے۔

صحابہ نے آیات کی ترتیب اپنے اجتہاد سے نہیں کی بلکہ اس میں حدیث کی اتباع کی ہے، ہاں سورتوں کی ترتیب ان کے اجتہاد سے ہے

امام ابن ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ الحارث بن خزیمہ سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں کو لے کر آئے، پس کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ان کو یاد رکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان دو آیتوں کو سنا ہے، پھر کہا: اگر یہ تین آیتیں ہوتی تو میں ان کو الگ سورت میں رکھتا۔

رہا حضرت عمر کا یہ کہنا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کو الگ سورت میں رکھتا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سورتوں کی آیات کو اپنے اجتہاد سے جمع کرتے تھے اور باقی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اپنی طرف سے آیات کو مرتب نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں حدیث کی اتباع کرتے تھے، ہاں! بعض سورتوں کو بعض کے بعد رکھنا یہ ان کے اجتہاد سے ہوتا تھا جیسا کہ تالیف القرآن کے باب میں آئے گا۔

حضرت زید بن ثابت نے جو یہ کہا: مجھے یہ آیت کسی اور کے پاس نہیں ملی، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ کسی اور کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی نہیں ملی

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اور میں نے اس آیت کو اور کسی کے پاس نہیں پایا، وہ آیت یہ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ (التوبہ:۱۲۸)	بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آگئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت زید بن ثابت کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کو ان کے سوا کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا تھا کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ فقط حفظ کو کافی نہیں قرار دیتے تھے بلکہ اس آیت کا لکھا ہوا ہونا بھی ضروری قرار دیتے تھے اور انہوں نے جو اس آیت کو کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ آیت ان کے

نزدیک ان سے متواتر نہ ہو جنہوں نے اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور حضرت زید دوسروں کے پاس اس آیت کو اس لیے تلاش کرتے تھے تا کہ اس بات کے ثبوت میں اور احتیاط میں مبالغہ ہو کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔

علامہ خطابی کا یہ گمان کہ حضرات صحابہ قرآن مجید کے اثبات کے لیے ایک شخص کی خبر کو کافی نہیں قرار دیتے تھے اور اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کہ صحابہ اثبات قرآن کے لیے خبر واحد کو کافی نہیں قرار دیتے تھے

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی مخفی ہے اور اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت زید کسی آیت کے اثبات کے لیے ایک شخص کی خبر کو کافی قرار نہیں دیتے تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے اثبات میں حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوخزیمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم مجتمع ہو گئے تھے اور علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے اثبات میں حضرت ابو خزیمہ منفرد نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ حضرت زید بن ثابت بھی شریک تھے، اس لحاظ سے یہ آیت دو مردوں سے ثابت ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: گویا کہ علامہ خطابی نے یہ گمان کیا ہے کہ متکلمین نے جو یہ کہا ہے کہ قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اس قول کا مطلب انہوں نے یہ سمجھا کہ قرآن شخص واحد سے ثابت نہیں ہوتا اور ان کا یہ گمان درست نہیں ہے، بلکہ یہاں خبر واحد سے اس کا اصطلاحی معنی مراد ہے جو خبر متواتر کے خلاف ہو خواہ اس کے راویوں کا عدد کثیر ہو اور متواتر کی ایک شرط بھی نہ ہو تو وہ خبر، خبر واحد سے خارج نہیں ہوتی۔

اور تحقیق یہ ہے کہ حضرت زید نے جو کہا تھا کہ انہیں یہ آیت کسی اور کے پاس سے نہیں ملی اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ آیت ان کو کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملی۔ یہ مراد نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور کو حفظ نہیں تھی، اور امام ابوداؤد نے یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب سے روایت کی ہے کہ پس حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے دو آیتوں کو ترک کر دیا ہے تم نے ان کو نہیں لکھا ہے، صحابہ نے پوچھا: وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سنی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ: ۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں۔

انہوں نے یہ آیت آخر سورت تک پڑھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں، پس تمہاری کیا رائے ہے ہم کس طرح ان آیتوں کو لکھیں؟ تو حضرت خزیمہ نے کہا: آپ لوگ اس سورت کو اس آیت پر ختم کر دیں۔

اور ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ کرام نے قرآن مجید کو جمع کیا جو ان کو حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ لکھوا رہے تھے، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے O (التوبہ: ۱۲۷)

تو صحابہ نے یہ گمان کیا تھا کہ یہی سورۃ التوبہ کی آخری آیت ہے، تب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو آیتیں پڑھائی ہیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ: ۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب نے یہ دو آیتیں سورۃ توبہ کے آخر تک پڑھیں۔

اس کی تحقیق کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد میں قرآن مجید کو کاغذوں اور صحائف میں لکھا گیا تھا نہ کہ چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں پر

اس حدیث میں مذکور ہے: یہ مصحف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی پوری حیات تک رہا، پھر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے ان جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

موطا ابن وہب میں امام مالک کی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے متعدد کاغذوں میں قرآن مجید کو جمع کیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کو جمع کرنے کے لیے کہا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا تھا حتیٰ کہ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں مدد طلب کی تو پھر انہوں نے حامی بھر لی۔

اور امام موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں ابن شہاب سے روایت ہے کہ جب یمامہ میں مسلمان شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور ان کو یہ خطرہ ہوا کہ قراء کی ایک جماعت ہاتھ سے نکل جائے گی، پھر انہوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو کاغذوں میں جمع کیا گیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے صحیفوں میں قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ تمام احادیث عمارہ بن غزیہ کی اس روایت سے زیادہ صحیح ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے کہا: پس حضرت ابوبکر نے مجھے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا، پس میں نے قرآن مجید کو کھالوں اور چمڑوں کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا، پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو میں نے قرآن مجید کو ایک صحیفہ میں لکھا اور وہ صحیفہ حضرت عمر کے پاس رہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع کیے جانے سے پہلے قرآن مجید چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھا ہوا تھا اور (سب سے پہلی مرتبہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن مجید صحیفوں میں جمع کیا گیا، جیسا کہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے، پھر یہ جمع شدہ مصحف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان کی خلافت میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو نقل کر کے لکھوانا شروع کیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ مصحف اس لیے رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی وصیت کی تھی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۴-۱۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس بات کی تحقیق کہ قرآن مجید کاغذوں اور صحیفوں پر لکھا گیا ہے نہ کہ کھجوروں کی چھلی ہوئی شاخوں پر اور کھالوں پر

میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو کھجور کی شاخوں اور چمڑے کے ٹکڑوں اور پتھر کی سلوں سے لکھ کر جمع کیا تھا جیسا کہ مشہور ہے، اور یہ چیز عقلاً مستبعد ہے کہ اس زمانہ میں کاغذ ایجاد نہ ہوا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تورات کتابی شکل میں لکھی ہوئی محفوظ تھی اور بعض صحابہ تورات کی تلاوت کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کی تلاوت کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا تھا اور آپ نے فرمایا: "یہ تو تورات ہے، اگر حضرت موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا"۔ (مسند احمد: ج ۳ ص ۳۳۸، سنن دارمی: ۵: ۴۳۵، مشکوٰۃ: ۱۹۴)

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: ''جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں، پھر ان کو چکر لگوایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ، وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا''۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۹، الرقم المسلسل: ۴۳۵۷، صحیح البخاری: ۶۸۴۱، ۷۵۴۳، سنن ابوداؤد ۴۴۴۶، سنن ترمذی: ۱۴۴۱، صحیح ابن حبان: ۴۴۳۵، مصنف عبد الرزاق: ۱۳۳۳۲، شرح السنۃ: ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۱۴)

ان احادیث صحیحہ میں یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تورات کتابی شکل میں موجود تھی اور یہ ظاہر ہے کہ وہ کتاب کاغذوں اور صحائف میں لکھی ہوئی تھی اور یہود اور نصاریٰ کو جو اہل کتاب کہا جاتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل کتابی شکل میں موجود تھی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں کاغذوں اور صحیفوں کی صورت میں کتاب لکھی جاتی تھی تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام قرآن مجید کی آیات کو کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں، پتھر کی سلوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے۔

عہد رسالت، دور صحابہ اور زمانہ تابعین میں کاغذوں اور صحیفوں پر لکھنے کا رواج

قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بھی اس کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید صحائف میں لکھا ہوا تھا:

رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ (البینۃ:۲) — وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں ۝

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ (الاعلیٰ:۱۸) — بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے ۝

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الشعراء:۱۹۶) — اور بے شک اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے ۝

نیز امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس کتاب لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے''۔ (صحیح البخاری: ۱۱۴)

نیز امام بخاری مشرکین کے ساتھ صلح کے باب میں روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں چھوڑنے سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے ان سے اس پر صلح کر لی کہ آپ مکہ میں تین دن رہیں گے، پس جب صحابہ نے صلح نامہ لکھا تو اس میں لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے، پس مشرکین نے کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کریں گے، پس اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو (مکہ سے) نہ روکتے لیکن آپ محمد بن عبد اللہ ہیں: آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ (کے الفاظ) کو مٹا دو، حضرت علی نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں آپ (کے نام) کو نہیں مٹاؤں گا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب (مکتوب) کو پکڑ کر اس پر لکھ دیا۔ یہ وہ (شرط) ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی ہے''۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۲۶۹۹، صحیح مسلم: ۱۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۹۸۶، مسند احمد: ۵۰۶۹)

نیز امام بخاری حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں صرف اللہ کی کتاب ہے یا وہ فہم ہے جو ہر مسلمان مرد کو عطا کی گئی ہے یا جو اس صحیفہ میں (لکھا ہوا) ہے۔ میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو حضرت علی نے فرمایا: اس میں دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو رہا کرانے کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰، سنن ترمذی: ۲۱۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۲۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اس صحیفہ کو اپنی تلوار کی میان سے نکالا، اسی طرح علامہ عینی نے بھی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۵۵، دار المعرفہ، بیروت، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صحیفہ کاغذات پر مشتمل تھا جب ہی تو وہ تلوار کی میان میں آ گیا تھا ورنہ اگر کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں یا پتھر کی سلوں یا کھالوں اور چمڑے پر وہ احکام لکھے ہوئے ہوتے تو وہ تلوار کی میان میں کیسے آ سکتے تھے!

ہم نے اس بحث میں سب سے پہلے قرآن مجید کی آیات پیش کی ہیں جن میں صُحُف اور زُبُر کے الفاظ ہیں اور صحف اور زبر کتابوں کو کہتے ہیں کھجور کی شاخوں اور پتھر کی سلوں کو نہیں کہتے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حدیبیہ میں صلح نامہ لکھوایا اور اس میں آپ نے محمد بن عبد اللہ لکھا اس کے لیے بھی آپ نے کتاب کا لفظ فرمایا اور حدیث قرطاس میں بھی آپ نے فرمایا: مجھے کتاب لا کر دو تا کہ میں اس میں لکھ دوں۔

ان آیات، احادیث اور آثار سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں کاغذات اور صحائف میں لکھنے کا رواج تھا نہ کہ کھجور کی شاخوں، ہڈیوں، پتھر کی سلوں اور چمڑوں پر اور اس بحث کی مزید وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے: امام دارمی اپنی سند کے ساتھ ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس عمر بن عبد العزیز ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے آئے اور ان کے پاس ایک کاغذ تھا، پھر وہ ہمارے پاس عصر کی نماز پڑھانے کے لیے آئے اس وقت بھی اُن کے پاس وہی کاغذ تھا، میں نے پوچھا: اے امیر المومنین! یہ کیسی کتاب ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے عون بن عبد اللہ نے ایک حدیث بیان کی تھی جس کو میں نے ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ (سنن دارمی: ۵۱۴)

نیز امام دارمی کی درج ذیل روایات میں بھی کاغذات میں لکھنے کا ثبوت ہے:

ابن سیرین بیان کرتے ہیں: اگر میں کوئی کتاب بناتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسائل کو بناتا۔ (سنن دارمی: ۴۵۹)

ابراہیم نخعی کہتے تھے کہ حدیث کو کاغذوں اور کاپیوں پر لکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے حدیث مصحف کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ (سنن دارمی: ۴۶۸)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنی اسرائیل نے کتاب کو لکھا اور اس کی پیروی کی اور تورات کو چھوڑ دیا۔ (سنن دارمی: ۴۸۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ہر اس چیز کو لکھ لیتا تھا جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا، پس مجھ کو قریش نے منع کیا اور انہوں نے کہا: تم ہر اس چیز کو لکھ لیتے ہو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، آپ غضب میں بھی کلام کرتے ہیں اور رضا میں بھی تو میں لکھنے سے رک گیا، پھر میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہن مقدس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "لکھو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے: اس منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۴۶، سنن دارمی: ۴۸۸)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور ایک صحیفہ میں لکھتا تھا۔ (سنن دارمی: ۵۰۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جاتا ہو تو وہ یہ کہے:

اعوذ بکلمات الله التامة من غضبه وسوء عقابه ومن شر الشياطين وان يحضرون۔

میں اللہ کے غضب اور اس کی بری سزا سے اور شیاطین کے شر سے اور ان کے حاضر ہونے سے، اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور نا سمجھ بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۹۳، سنن ترمذی: ۳۵۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱، کتاب الدعا للطبرانی: ۱۰۸۶، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۸، کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۳۰۴)

اور ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اپنے بچوں کے گلوں میں کھجور کی چھلی ہوئی شاخ، پتھر کی سل اور کسی کھال کا تعویذ بنا کر تو نہیں لٹکاتے تھے بلکہ کاغذ کے اوپر ان کلمات کو لکھ کر ان کا تعویذ بنا کر بچوں کے گلے میں لٹکاتے تھے۔

کافی عرصہ سے میری یہ خواہش تھی کہ میں اس کی تحقیق کروں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں اور پتھر کی سلوں پر اور کھالوں پر قرآن مجید کو نہیں لکھتے تھے بلکہ کاغذات اور صحائف پر لکھتے تھے، اور میرا اس سے مقصد صرف قرآن مجید کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس درجہ قرآن مجید کا ادب اور احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور میرے گناہوں کو اپنے فضل سے بخش دے اور قیامت کے دن قرآن مجید کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی شفاعت نصیب فرمائے، امین، یا رب العالمین بجاہ حبیبك سیدنا محمد سید المرسلین۔

۴۹۷۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّأْمِ فِي فَتْحِ إِرْمِينِيَةَ وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت حضرت حذیفہ اہل شام کے ساتھ مل کر ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے لیے اہل شام سے مل کر جہاد کر رہے تھے، تب حضرت حذیفہ مسلمانوں کے قرآن مجید پڑھنے میں اختلاف سے گھبرا گئے تھے۔ پس حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت کتاب میں یہود و نصاریٰ کے اختلاف کی طرح اختلاف کرنے لگے آپ اس کا تدارک کر لیجئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس وہ مصحف بھیج دیں ہم ان کے موافق مصاحف لکھیں گے، پھر ہم اس کو آپ کی طرف واپس کر دیں گے،

بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ وَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ۔ (سنن ترمذی: ۳۱۰۴)

پس حضرت حفصہ نے وہ مصحف حضرت عثمان کی طرف بھیج دیا، پھر حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نسخہ کے موافق مصاحف لکھیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین قرشی صحابہ سے یہ کہا کہ جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کسی لفظ میں اختلاف ہو تو تم اس لفظ کو قریش کی زبان کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے، سو انہوں نے اسی طرح کیا حتیٰ کہ جب انہوں نے مصاحف میں اس مصحف کے موافق لکھ لیا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس کر دیا، پھر انہوں نے تمام شہروں میں اس مصحف کی نقل بھیج دی جس کو انہوں نے لکھا تھا اور یہ حکم دیا کہ اس کے سوا قرآن مجید کے ہر صحیفہ کو یا مصحف کو جلا دیا جائے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۰۶ میں گزر چکی ہے، تاہم اس حدیث کے مزید کچھ مباحث ذکر کیے جا رہے ہیں:

اہل عراق اور اہل شام کے لشکروں کے امیروں کے نام

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ارمینیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا اور اس وقت اہل عراق کے لشکر کے امیر سلمان بن ربیعہ الباہلی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل شام اور اہل عراق کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس لشکر میں جمع ہو جائیں اور اہل شام کے لشکر کے امیر حبیب بن مسلمہ الفہری تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ جہاد کرنے میں شریک تھے اور وہ اہل مدائن کے امیر تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف کی تفصیل

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب جہاد کر کے آئے تو وہ اپنے گھر نہیں گئے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! مسلمانوں کا تدارک کر لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا: میں ارمینیہ کی فتح کے لیے جہاد کر رہا تھا، اس وقت اہل شام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق قرآن پڑھ رہے تھے اور وہ اس طرح قرآن پڑھتے تھے جس طرح اہل عراق نے قرآن مجید نہیں سنا تھا اور اہل عراق اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق قرآن پڑھتے تھے اور وہ اس طرح قرآن پڑھتے تھے جس طرح اہل شام نے نہیں سنا تھا، پس وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔

امام ابن ابوداؤد نے یزید بن معاویہ النخعی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں الولید بن عقبہ کے زمانہ میں ایک مسجد کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے تو انہوں نے سنا: ایک مرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھ رہا تھا اور دوسرا مرد حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھ رہا تھا، تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غصہ میں

کھڑے ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر کہا: اسی طرح تم سے پہلے لوگ اپنی کتاب میں مختلف ہو گئے تھے، اللہ کی قسم! میں ضرور امیر المومنین کے پاس جاؤں گا، اور دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ دو مردوں نے سورۃ البقرۃ کی ایک آیت میں اختلاف کیا، ایک نے پڑھا: وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ ۱۹۶) اور دوسرے نے پڑھا: واتموا الحج والعمرۃ للبیت (البقرہ: ۱۹۶) تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور ان کی دونوں آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ابوالشعثاء کی سند سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور اہل بصرہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابوموسیٰ کی قراءت ہے اور اللہ کی قسم! میں ضرور امیر المومنین کے پاس جا کر یہ کہوں گا کہ ان سب کو ایک قراءت پر متفق کر دیں۔

اور امام ابن ابوداؤد نے المصاحف میں ابوقلابہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک معلم لڑکوں کو ایک صحابی کی قراءت کے موافق تعلیم دیتا اور دوسرا معلم کسی اور صحابی کی قراءت کے موافق تعلیم دیتا، پھر جب معلمین تک یہ اختلاف پہنچتا تو وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا کہ تم میرے سامنے اختلاف کر رہے ہو اور مصعب بن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا: تم قرآن مجید میں جھگڑ رہے ہو اور تم کہتے ہو کہ یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہے اور محمد بن سیرین کی سند سے روایت ہے کہ ایک مرد قرآن پڑھتا اور دوسرے مرد سے قرآن سن کر اس کو کافر کہتا۔ جب یہ خبریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو انہوں نے بات کو بہت سنگین جانا اور مصعب بن سعید بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پندرہ (۱۵) سال ہوئے ہیں اور تم قرآن مجید پڑھنے میں اختلاف کرنے لگے اور حضرت عثمان کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیئس (۲۳) ہجری کو ذی الحج کے اواخر میں شہید ہوئے تھے اور ارمینیہ کی فتح ان کی خلافت کے ایک سال بعد ہوئی تھی یعنی چوبیس (۲۴) ہجری میں اور پچیس (۲۵) ہجری کے اوائل میں اور اس کے بعد ہی مسلمانوں میں قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف ہوا تھا۔

صحیفہ اور مصحف کا فرق اور حضرت عثمان کی رائے کے مطابق تمام صحیفوں کو ایک مصحف کے مطابق کرنا

یونس بن زید کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفہ منگوایا جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید نے جمع کیا تھا، پس اس کے موافق مصاحف لکھے اور ان کو مختلف شہروں میں بھیج دیا۔

اور صحف اور المصحف میں یہ فرق ہے کہ صحف ان اوراق مجردہ کو کہتے ہیں جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا تھا اور ان میں سورتیں متفرق تھیں۔ ہر سورت میں اس کی آیات الگ الگ مرتب تھیں لیکن سورتوں کی ترتیب نہیں تھی، پھر جب اس صحیفہ کے موافق مصاحف لکھے گئے تو ان سورتوں کو ترتیب دی گئی اور پھر یہ مجموعہ مصحف ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے کیا تھا۔

امام ابن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوائے خیر کے اور کچھ نہ کہو، پس اللہ کی قسم! انہوں نے جو مصاحف مرتب کیے ہیں وہ ہماری ایک جماعت کے مشورے سے کیے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کے قریب ہے۔ ہم نے کہا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ میں تمام لوگوں کو ایک مصحف

پر جمع کر دوں، پس نہ کوئی فرق رہے گا اور نہ کوئی اختلاف رہے گا تو ہم نے کہا: ٹھیک ہے آپ وہی کریں جو آپ کی رائے ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھنے والوں میں حضرت ابن مسعود کو شامل نہیں کیا، اس پر ان کا اعتراض اور حضرت عثمان کی طرف سے توجیہ

امام ابن ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مغفل اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہمارے مصاحف میں سوائے قریش اور ثقیف کے جوانوں کے اور کوئی نہ لکھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم نے اس صحیفہ کے موافق مصاحف کو لکھا، اور جن کے ہم نے نام ذکر کیے ہیں ان میں سے کوئی صحابی بھی ثقیف سے نہیں تھا بلکہ وہ سب یا تو قرشی تھے یا انصاری تھے اور مصاحف میں لکھنے کی ابتداء حضرت زید بن ثابت اور حضرت سعید بن العاص سے ہوئی تھی اور بعد میں ان کی مدد کے لیے حضرت ابی بن کعب کو بھی ان کے ساتھ ملا لیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ ان کو مصاحف میں لکھنے والوں میں شامل نہیں کیا گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت کے مصاحف کے لکھنے پر اعتراض کیا اور امام ترمذی کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے مسلمانو! مجھے مصاحف کے لکھنے سے معزول کر دیا گیا ہے اور اس شخص کو لکھنے پر مقرر کیا گیا ہے کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو وہ ایک کافر کی پشت میں تھا، اس سے ان کی مراد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔

اور امام ابن ابوداؤد نے خمیر بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر (۷۰) سورتیں سنی ہیں اور اس وقت زید بن ثابت بچوں میں سے ایک بچہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مصاحف لکھنے والوں میں شامل نہیں کیا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے یہ کام مدینہ منورہ میں کیا تھا اور اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے اور انہوں نے اس میں تاخیر نہیں کی کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو بلائیں اور وہ آئیں کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد حضرت ابوبکر کے صحیفے کے موافق صحائف تیار کر لیے جائیں اور ان کو اسلامی شہروں میں بھیج دیا جائے، حضرت عثمان نے اس کام کا سربراہ حضرت زید بن ثابت کو بنایا کیونکہ حضرت ابوبکر نے ان ہی کو قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت ابوبکر نے ان کو اس لیے حکم دیا تھا کہ وہ کاتب وحی تھے اور ان کو اس میں سبقت حاصل تھی۔

مروان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ صحائف لے کر ان کو پھاڑا، پھر ان کو دھویا، پھر ان کو جلا دیا

اس حدیث میں مذکور ہے: حتیٰ کہ جب انہوں نے ان صحائف کے موافق مصاحف میں لکھ لیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحائف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابوعبید نے اور امام ابن ابوداؤد نے ابن شہاب کی سند سے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب مروان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا تو اس نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپ وہ صحائف دے دیں تو حضرت ام المومنین نے اس کو وہ صحائف دینے

سے انکار کر دیا۔ حضرت سالم نے بتایا کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور ہم ان کی تدفین سے فارغ ہو کر آئے تو پھر مروان نے سخت تاکید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ صحائف ان کو دے دیں، پس حضرت عبداللہ بن عمر نے وہ صحائف ان کو دے دیئے، پھر مروان کے حکم سے ان صحائف کو پھاڑ دیا گیا اور مروان نے کہا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد لوگ ان صحائف میں شک کریں گے اور امام ابن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس نے صحائف کو پھاڑ کر جلا دیا اور عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے کہ اس نے پہلے ان صحائف کو دھویا، پھر ان کو جلا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں بھیجے ہوئے مصاحف کی تعداد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کی نقول تمام شہروں میں بھیج دیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ان مصاحف کی تعداد میں اختلاف ہے جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں بھیجا تھا، پس مشہور یہ ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی اور امام ابوداؤد نے حمزہ الزیات کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار مصاحف بھیجے تھے اور ابوحاتم السجستانی نے بتایا کہ میں نے سات مصاحف لکھے تھے: (۱) مکہ کی طرف (۲) الشام کی طرف (۳) الیمن کی طرف (۴) البحرین کی طرف (۵) البصرہ کی طرف (۶) الکوفہ کی طرف (۷) المدینہ کی طرف۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحائف کو جلانے سے ان کتابوں کے جلانے کے جواز پر استدلال جن میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو اور اس مسئلہ میں فقہاء کی عبارات اور قرآن کے الفاظ و نقوش کے قدیم نہ ہونے پر دلیل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کے سوا ہر صحیفہ اور مصحف کو جلانے کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: سوید بن غفلہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف کو جلوایا تھا ان کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔

قاضی عیاض نے وثوق سے کہا ہے کہ انہوں نے پہلے ان مصاحف کو پانی سے دھویا، پھر ان کو جلایا تا کہ ان مصاحف کو محو کرنے میں مبالغہ ہو جائے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان کتابوں کو جلانے کے جواز کی دلیل ہے جن میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو اور یہ ان کتابوں کی تکریم ہے تا کہ وہ قدموں تلے روندی نہ جائیں، اور امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ وہ ان رسائل کو جلا دیتے تھے جن میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہو، اور اسی طرح عروہ نے کہا ہے، اور ابراہیم نخعی نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ابن عطیہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت کا حکم ہے اور اب ایسے رسائل کو دھونا اولیٰ ہے جب ان کے ازالہ کی ضرورت ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ان صحائف کو جلایا تھا اس سے ان علماء کے خلاف استدلال کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے حروف اور نقوش اور ان کی آواز بھی قدیم ہے کیونکہ کلام اللہ کے قدیم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن اوراق میں وہ سطریں لکھی ہوئی ہوں وہ بھی قدیم ہوں اور اگر وہ اوراق قدیم ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان اوراق کو جلانے کی جرات نہ کرتے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۷۔۱۶۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس سلسلہ میں فقہاء کی مزید عبارات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحائف کو جلانے کی توجیہات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

علامہ ابو بکر بن الطیب نے کہا ہے کہ اگر امام کا اجتہاد یہ ہو کہ ان صحائف اور کاغذات کو جلا دیا جائے جن میں قرآن لکھا ہے تو یہ جائز ہے۔ علامہ ابن عطیہ نے کہا: جو شخص ان صحائف کو پھاڑے تو وہ بعد میں ان کو دفن کر دے اور اگر ان کو زائل کرنے کی ضرورت ہو تو ان کو دھونا اولیٰ ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صحائف کو اس لیے جلایا تھا کہ ان میں شاذ اور متواتر قراءتیں مختلط تھیں اور ان کو اس میں تحریف کا خدشہ تھا یا اس لیے کہ ان مصاحف کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ان کا ان صحائف کو جلانا حضرت عثمان کے مصحف کی حفاظت کی غرض سے تھا اور علامہ قرطبی نے حکیم ترمذی سے یہ نقل کیا ہے کہ جب قرآن مجید کا نسخہ پرانا ہو جائے تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے، اور حسن بصری نے کہا ہے کہ پرانے مصحف کو جلایا نہ جائے بلکہ اس کو دھو کر اس کے غسالہ کو پی لیا جائے۔

میں کہتا ہوں: پرانے مصحف کو دھونا اس صورت پر محمول ہے جب ان کو کچی سیاہی سے لکھا گیا ہو جس کو دھو کر زائل کرنا ممکن ہے اور اگر وہ پکی سیاہی سے چھپا ہوا ہو جیسا کہ آج کل مطبوعہ کتابیں ہوتی ہیں تو پھر پرانے مصحف کو قبرستان کے کسی کونے میں دفن کر دینا چاہیے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب با حوالہ آئے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۔ ۲۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

محدثین احناف کے نزدیک پرانے اور بوسیدہ قرآن کے اوراق کا شرعی حکم

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ جب مصحف پرانا ہو جائے اور اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے تو اس کو کسی پاک جگہ پر دفن کر دینا چاہیے جو جگہ لوگوں کی آمد و رفت سے بہت دور ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۔ ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ملا علی سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علماء کا مصحف کے بوسیدہ اوراق کے متعلق اختلاف ہے جب ان سے نفع نہ ہو سکے، اولیٰ یہ ہے کہ ان اوراق کو دھو دیا جائے یا جلا دیا جائے، پس کہا گیا ہے کہ جلانا مختار ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف دھونے سے ہو سکتا ہے اس کا دھوون قدموں کے نیچے آئے، دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا مختار ہے اور اس کا غسالہ (دھوون) کسی پاک جگہ میں ڈال دیا جائے کیونکہ قرآن مجید کے اوراق کو جلانے میں ان کی ایک قسم کی اہانت ہے۔ علامہ ابن حجر الہیتمی المکی الشافعی نے کہا ہے کہ جلانے کو ترجیح ہے کیونکہ حضرت عثمان نے بھی صحیفوں کو جلا دیا تھا اور حضرت عثمان کا جلانے سے مقصد یہ تھا کہ مصحف کو بالکلیہ محفوظ کر دیا جائے اور اس میں کسی قسم کی بے حرمتی نہیں تھی اور ہمارے ائمہ شافعیہ نے جو ان اوراق کے جلانے کو حرام کہا ہے یہ اس صورت میں ہے جب اس سے مال ضائع ہو بایں طور کہ جن اوراق میں قرآن لکھا ہوا ہے ان کی قیمت ہو اور جلانے سے وہ قیمت ضائع ہو جائے۔

ملا علی قاری الہروی فرماتے ہیں: یہ بہت عجیب و غریب تاویل ہے کیونکہ گفتگو اس صورت میں ہے جب ان اوراق کا کوئی نفع نہ ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جلانے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان نے ان اوراق کو جلایا تھا جن کے متعلق قطعیت سے یہ ثابت نہیں تھا کہ وہ قرآن ہیں یا ان اوراق کو جلایا تھا جن کا قرآن مجید ہونا مشکوک تھا اور انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا کہ اس سے یہ شک زائل ہو جاتا ہے کہ انہوں نے بعض قرآن کو ترک کر دیا کیونکہ اگر وہ اوراق قطعیت کے ساتھ قرآن ہوتے تو کسی مسلمان کے لیے ان کو جلانا جائز نہ تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ رکھنے کا حکم نہیں دیا مبادا وہ نجاست میں گر جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بہ ظاہر اہانت ہے، اس لیے ان

اوراق کو دھونا متعین ہے بلکہ اس کے غسالہ کو پی لینا چاہیے کیونکہ اس کا غسالہ ہر بیماری کی دوا ہے اور دلوں کی شفا ہے۔
(مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۳۳۷، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ ہر صحیفہ کو جلا دیا جائے یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، اس میں راوی کو شک ہے کہ یہ لفظ یُحْرَقَ ہے یا یُخَرَّقَ ہے اور اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو مصحف تھا اس کو بھی وعدہ کے مطابق واپس کرنے کے بعد جلا دیا گیا تھا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شیخ نورالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید اگر پرانا ہو جائے یا بوسیدہ ہو جائے تو اس کو ایسی پاک زمین میں دفن کر دینا چاہیے جو لوگوں کی آمد و رفت سے اور ان کے پاؤں کے روندنے سے محفوظ ہو۔ (تیسیر القاری ج ۴ ص ۶۷۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

فقہاء احناف کے نزدیک قرآن مجید کے پرانے اور بوسیدہ اوراق کا شرعی حکم

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی التوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب مصحف اتنا پرانا ہو جائے کہ اس سے پڑھا نہ جا سکے تو اس کو جلایا نہیں جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السیر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور جو اس کو دفن کرنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ اس کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹے اور اس کے لیے گڑھا کھودے اور لحد بنائے اور شق نہ بنائے کیونکہ جب اس گڑھے کو شق بنایا جائے گا تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے اور اللہ عزوجل کے کلام کا استخفاف ہے اور اگر وہ چاہے تو وہ ان اوراق کو پانی کے ساتھ دھولے اور اگر وہ چاہے تو ان اوراق کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھ دے جہاں بے وضو لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچیں اوران پر گرد و غبار نہ پڑے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم باقی رہے۔ (المحیط البرہانی ج ۵ ص ۱۰، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی التوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ نے کہا ہے کہ:

جن کتابوں سے نفع حاصل نہ ہو سکتا ہو ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کے اسماء کو مٹا دیا جائے۔ اور باقی کتابوں کو جلا دیا جائے اور اگر ان کو اس صورت میں جاری پانی میں ڈال دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے یا دفن کر دیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی تدفین کی جاتی ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ان بوسیدہ قرآن مجید کے اوراق کو دفن کر دینا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ان کی وفات کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے، اسی طرح تمام وہ کتابیں جو پرانی ہو جائیں اور ان سے نفع حاصل نہ ہو سکے تو ان کا یہی حکم ہے، یہ المجتبیٰ کی عبارت ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو تمام لوگوں سے افضل ہیں ان کو بھی دفن کر دیا جاتا ہے اور الذخیرۃ میں مذکور ہے کہ مصحف جب پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں جلایا نہیں جائے گا، امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اس پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر لحد بنا کر رکھنا چاہیے کیونکہ اگر اس کی قبر شق بنائی تو دفن کے وقت اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے۔ ہاں! اگر قبر کو بہ طور شق بنایا جائے اور اس پر چھت ڈال دی جائے تو پھر درست ہے اور اگر چاہے تو

ان بوسیدہ اوراق کو پانی کے ساتھ دھولے یا ان کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھ دے جہاں پر کسی بے وضو کا ہاتھ یا گرد و غبار یا نجاست نہ پہنچے تا کہ اللہ عزوجل کے کلام کی تعظیم باقی رہے۔ (رد المحتار مع الدر المختار ج ۹ ص ۵۱۹۔۵۱۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ملا نظام الدین حنفی مرتب فتاویٰ عالمگیری متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

مصحف جب پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھا نہ جا سکے اور یہ خطرہ ہو کہ یہ ضائع ہو جائے گا تو اس کو ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کو دفن کرنا اس سے بہتر ہے کہ اس کو کسی ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں اس پر نجاست وغیرہ پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور اس کی لحد بنائی جائے کیونکہ اگر اس کی قبر شق بنائی گئی تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے، ہاں اگر اس پر چھت بنا دی جائے بایں طور کہ ان اوراق پر مٹی نہ پہنچے تو یہ بھی مستحسن ہے، اسی طرح الغرائب میں مذکور ہے۔ مصحف جب پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو تو اس کو آگ میں نہیں جلایا جائے گا۔ امام محمد شیبانی نے اسی بات کی طرف ''السیر الکبیر'' میں اشارہ کیا ہے اور ہم بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اور اسی طرح الذخیرہ میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۳، مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

غیر مقلدین کے نزدیک جن کاغذوں میں خدا کا نام ہو ان کو جلانا جائز ہے

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ صحیح البخاری: ۴۹۸۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان کا صحائف قرآن کو جلانا عین مناسب اور مقتضائے مصلحت تھا۔ یہ حکم حضرت عثمان نے سب صحابہ کے سامنے دیا انہوں نے اس پر انکار نہیں کیا، بعضوں نے کہا: حضرت عثمان نے ان کو دھلوا ڈالا، پھر ان کو جلوا دیا، اس حدیث سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جن کاغذوں میں خدا کے نام ہوں ان کو جلا ڈالنا درست ہے۔ (تیسیر القاری ج ۴ ص ۷۸۰، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء)

دوسرے غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز میواتی نے بھی یہی عبارت نقل کی ہے۔ (ترجمہ و شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۵۲۱، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

۴۹۸۸۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔

ابن شہاب نے کہا اور مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا: جب ہم المصحف کو لکھ رہے تھے تو میں نے سورۃ الاحزاب کی ایک ایسی آیت کو گم پایا جس کو میں سنا تھا کہ ''رسول اللہ ﷺ اس آیت کو پڑھتے تھے پس ہم نے اس آیت کو تلاش کیا تو ہم نے اس آیت کو حضرت خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا وہ آیت یہ ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳) مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا'' پس ہم نے اس آیت کو مصحف میں اس سورت کے ساتھ ملا دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

درج ذیل روایت میں ابن شہاب زہری کا وہم

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شہاب کی اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سورۃ الاحزاب کی اس آیت کو صحیفوں سے اس وقت گم پایا جب وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مصحف کو لکھ رہے تھے، اور یہ ابن شہاب کا وہم ہے اور صحیح بات وہ ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی خلافت میں سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں کو گم پایا تھا اور سورۃ الاحزاب کی جس آیت کو انہوں نے گم پایا تھا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے جب انہوں نے مصحف کو لکھا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کے درمیان فرق

علامہ ابن التین وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ تھا کہ قراء اور حفاظ کی زیادہ تعداد میں شہادت سے کہیں اصل قرآن ان کے ہاتھ سے نہ جاتا رہے اور یہ فرق بھی تھا کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایک جگہ قرآن مجید کو نہیں جمع کیا گیا، پس قرآن مجید کو متعدد صحائف میں جمع کیا گیا جن میں سورتوں کی آیات اس طرح مرتب تھیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو اس وقت جمع کیا جب متعدد لغات کے موافق قرآن مجید پڑھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہوا اور وہ ایک دوسرے کو خطا پر قرار دینے لگے، پس حضرت عثمان کو یہ خطرہ ہوا کہ اس سے مسلمانوں میں تفرقہ ہو جائے گا، پس انہوں نے ان متعدد صحائف کو ایک مصحف میں جمع کر لیا اور ان کی سورتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب پر رکھا اور تمام لغات میں سے صرف لغت قریش پر قرآن مجید کو باقی رکھا کیونکہ قرآن مجید قریش کی لغت پر نازل ہوا ہے اور ابتدائے اسلام میں دوسری لغات پر بھی قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ مسلمانوں کو حرج اور مشقت نہ ہو، پس حضرت عثمان نے یہ دیکھا کہ اب ضرورت پوری ہو چکی ہے تو انہوں نے صرف ایک لغت پر اقتصار کیا اور چونکہ لغت قریش کو تمام لغات پر ترجیح تھی اس لیے انہوں نے قرآن مجید کو لغت قریش کے موافق جمع کیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابُ: كَاتِبِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب یعنی قرآن مجید لکھنے والا

۴۹۸۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ ابْنَ السَّبَّاقِ قَالَ إِنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ رضى الله عنه قَالَ إِنَّكَ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاتَّبِعِ الْقُرْآنَ فَتَتَبَّعْتُ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ إِلَى آخِرِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب کہ ابن السباق نے کہا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور کہا: بے شک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو لکھتے تھے، پس تم قرآن کو تلاش کرو، پس میں نے تلاش کیا حتیٰ کہ میں نے سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں کو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا جن کو میں نے ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں پایا تھا، وہ آیتیں یہ ہیں: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

(التوبہ:۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے۔ یہ آیتیں آخر سورت تک ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے۔

قرآن مجید کو جمع کرنا اور اس کو لکھنا اور اس کی حفاظت کرنا نبی ﷺ کی سنت ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو لکھنے کی سنت قائم کی اور اس کو لکھنے کا حکم دیا اور اپنے کاتبوں کو لکھنے کا حکم دیا اور بے شک حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور ائمہ کی جماعت نے قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو لکھنے اور اس کی حفاظت کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا اور انہوں نے اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔

سربراہ ملک کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے فلاحی امور اور احکام شرعیہ کی ترویج اور نفاذ کے لیے کوئی کاتب یا سیکریٹری رکھے

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ خلیفہ اور امام کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ کاتب کو رکھیں جو ان کے لیے ان ضروری امور کو لکھے جو عوام کے مفاد میں ہوں اور وہ کاتب سربراہ ملک کی احکام شرعیہ میں مدد کرے کیونکہ سربراہ ملک کے لیے یہ لازم ہے کہ عوام کی فلاح اور بہبود میں غور و فکر کرے اور لوگوں کو ان کاموں سے روکے جو ان کو کتاب اللہ سے غافل کریں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھ پر خلافت کا بوجھ نہ ہوتا تو میں اذان دیتا، ان کی مراد یہ تھی کہ خلافت کے کاموں نے مجھے مسلمانوں کے دوسرے امور سے مشغول رکھا یعنی اذان وغیرہ سے کیونکہ اذان میں تو کوئی ان کا نائب ہو سکتا ہے اور امامت میں کوئی ان کا نائب نہیں تھا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۷-۲۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن کثیر کا امام بخاری پر اعتراض کہ اس باب کی حدیث باب کے عنوان کے مطابقت نہیں ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: امام بخاری نے اس باب کا عنوان ''کُتَّابُ النَّبِیِّ'' بنایا ہے یعنی نبی ﷺ کے کاتبین، اور اس باب کی حدیث میں صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے اور یہ بہت عجیب بات ہے، پس گویا کہ امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق صرف حضرت زید بن ثابت کے کاتب ہونے کی حدیث ملی، پھر انہوں نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں دیگر کاتبین وحی کی طرف اشارہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حافظ ابن کثیر کا رد کرتے ہوئے امام بخاری کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اس باب کا عنوان ''کاتب النبی'' ﷺ ہے نہ کہ ''کُتّاب النبی'' ﷺ لہٰذا اس باب کی حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کاتبین وحی

بعض اوقات حضرت زید بن ثابت غائب ہوتے تھے تو دوسرے صحابہ وحی لکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وحی لکھتے تھے اور یہ مدینہ میں وحی لکھنے والے پہلے کاتب تھے اور مکہ مکرمہ میں جنہوں نے سب سے پہلے وحی کو لکھا وہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے، پھر وہ مرتد ہو گئے، پھر فتح مکہ والے دن انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا اور آپ کے دیگر کاتبین وحی میں خلفاء اربعہ ہیں اور حضرت الزبیر بن العوام ہیں اور حضرت خالد اور حضرت ابان ہیں جو سعید بن العاص بن امیہ کے بیٹے ہیں اور حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی ہیں اور حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن الارقم الزہری ہیں اور حضرت شرحبیل ابن حسنہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ہیں رضی اللہ عنہم، ان کے علاوہ اور بھی کئی کاتبین ہیں۔

امام احمد اور امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور اس کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا زمانہ آتا کہ آپ پر کئی کئی سورتیں نازل ہوتیں، پس جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اس سے فرماتے جو آپ کے پاس لکھتا تھا کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھو جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے"۔ (الحدیث) (فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۹۰- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ادْعُ لِي زَيْدًا وَلْيَجِئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ أَوِ الْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ ثُمَّ قَالَ اكْتُبْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ وَخَلْفَ ظَهْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَمْرُو بْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ الْأَعْمَى قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَمَا تَأْمُرُنِي فَإِنِّي رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ فَنَزَلَتْ مَكَانَهَا لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابواسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (النساء: ۹۵) بلا عذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے (کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے لیے زید کو بلاؤ اور وہ تختی اور دوات اور کندھے کی ہڈی لے کر آئیں یا کندھے کی ہڈی اور دوات لے کر آئیں، پھر آپ نے فرمایا: لکھو: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ (جہاد سے بیٹھنے والے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کے پیچھے حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے جو نابینا تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں میں تو نابینا مرد ہوں تو اس وقت اس کی جگہ یہ آیت نازل ہوئی: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (النساء: ۹۵) بلا عذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے (کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

غنی کا فقر سے افضل ہونا، تکلیف مالا یطاق کے جواز پر علامہ ابن ملقن کی فقہاء احناف کے خلاف دلیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام مالک نے کہا ہے: حضرت جبریل علیہ السلام غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والی آیت کو لے کر قلم خشک ہونے سے پہلے پہنچ گئے اور اس آیت کو پہلی آیتوں کے ساتھ ملا دیا گیا یعنی لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ کے ساتھ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے چڑھنے اور اترنے میں ایک ہزار سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ غنی، فقر سے افضل ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو مجاہدین اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کو خرچ کرتے ہیں وہ ان مسلمانوں سے افضل ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے اللہ کی راہ میں اور دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان اور مال کو خرچ نہیں کر سکے، لہٰذا اصحابان عذر اور فقراء ان اغنیاء اور مجاہدین کے درجوں کو نہیں پہنچ سکتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبان عذر اگر فرائض لازمہ کو ادا نہ کر سکیں جن کو تندرست اور قادرین ادا کرتے ہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس آیت میں جمہور فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ تکلیف مالا یطاق جائز ہے یعنی بندے کو ان کاموں کا مکلف کرنا جائز ہے جن کاموں کے کرنے کی اس میں طاقت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نابینا کو بھی جہاد کرنے کا مکلف کیا تھا حالانکہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، پھر بعد میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ فرما کر نابینا کو جہاد کرنے کے حکم سے مستثنیٰ فرما دیا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ایسے کاموں کا مکلف کرنا جائز نہیں ہے جن کو بندہ نہ کر سکتا ہو، دیکھیے! احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۴۳۳، المنثور فی القواعد ج ۱ ص ۲۰۳-۲۰۲، المستصفیٰ ص ۷۰، البحر المحیط للزرکشی ج ۲ ص ۱۱۱-۱۰۹۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔
لہٰذا جو کام بندوں کے کرنے کی طاقت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کا مکلف نہیں فرماتا اور علامہ ابن ملقن کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً جہاد کا حکم دینے کے بعد قلم کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے فوراً ہی غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کو نازل فرما دیا، اگر غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کو نازل نہ فرمایا ہوتا تو علامہ ابن ملقن کی دلیل مکمل ہوتی۔

صحیح البخاری: ۴۹۹۰ میں النساء: ۹۵ کا صحیح لکھا ہوا نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
صحیح بخاری میں یہ آیت اس طرح مذکور ہے کہ اس میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ کے بعد ہیں اور تلاوت میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ کے بعد ہیں، اور اسرائیل کی روایت میں یہ آیت درست طریقے سے لکھی ہوئی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۸، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸)
میں کہتا ہوں: ہم نے اس حدیث میں اس آیت کو اسی طرح لکھا ہے جس طرح یہ آیت قرآن مجید میں درج ہے۔ دار الفکر کے

مطبوعہ صحیح بخاری کے نسخہ میں النساء: ۹۵ کو صحیح نہیں لکھا، ہم نے اس آیت کو صحیح طریقہ سے لکھا ہے۔

۵- بَابٌ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ
قرآن مجید کو سات حرفوں پر نازل کیا گیا (یعنی سات قبیلوں کی لغات پر)

۴۹۹۱- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے قرآن مجید ایک قراءت (یا ایک قبیلہ کی لغت) پر پڑھایا، پس میں مسلسل ان سے اس قراءت میں (یا قبیلہ کی لغت میں) اضافہ کو طلب کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے سات قراءتوں (یا سات قبیلوں کی لغات) پر انتہاء کردی"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۱۹ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کا بیان کیا جارہا ہے:

سات حرفوں سے مراد سات لغات ہیں

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان سات حرفوں کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں ان کے پینتیس (۳۵) اقوال ہیں جن کو حافظ ابو حاتم بن حبان نے بیان کیا ہے لیکن جمہور نے ان کو اختیار نہیں کیا اور ہمارا مختار یہ ہے کہ اس حدیث میں حرف سے مراد لغت ہے، پس قرآن مجید لغات عرب میں سے سات فصیح لغات پر نازل ہوا ہے، پس بعض قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا اور بعض لغت ہزیل کے موافق نازل ہوا اور بعض لغت ہوازن کے موافق نازل ہوا اور دیگر فصیح لغات کے موافق نازل ہوا۔

بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا حضرت جبریل علیہ السلام ہر لفظ کو سات لغات کے موافق پڑھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا جب ہر لفظ میں سات لغات جمع ہوتیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں، پس بعض قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا اور بعض قرآن دوسروں کی لغت پر نازل ہوا اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر لفظ میں سات لغات ہیں تو ہم کہیں گے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر مرتبہ ایک لغت کے موافق قرآن مجید کو لے کر نازل ہوتے، پھر دوسری بار دوسری لغت میں لے کر قرآن مجید کو نازل کرتے یہاں تک کہ سات لغات مکمل ہوگئیں۔ (کشف المشکل ج ۲ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید کے بعض کلمات کو سات سے زیادہ طریقوں پر پڑھا گیا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر جملہ سات حروف پر پڑھا گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ کو مختلف طریقوں

کے مطابق پڑھنے کی تعداد سات کے عدد تک پہنچتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بعض کلمات سات سے زیادہ طریقوں کے مطابق پڑھے گئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب یہ ہے کہ ایک کلمہ زیادہ سے زیادہ سات طریقوں سے پڑھا گیا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سات سے زیادہ پڑھنے کا طریقہ ثابت نہیں ہے بلکہ یہ کسی کلمہ کی ادائیگی میں اختلاف ہے جیسے کسی کلمہ کو مد کے ساتھ پڑھنا یا امالہ کے ساتھ پڑھنا، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ سات کے لفظ سے عدد کی حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تسہیل، تیسیر اور آسانی ہے اور اکائی میں سات کا لفظ بول کر اس سے کثرت مراد لی جاتی ہے، اسی طرح دہائی میں ستر (۷۰) کے لفظ سے کثرت مراد لی جاتی ہے اور سینکڑہ میں سات سو کے عدد سے کثرت مراد لی جاتی ہے، پس چوتھے جواب کا حاصل یہ ہے کہ سات حروف سے مراد سات کا عدد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کثیر حروف ہیں، قاضی عیاض اور ان کے متبعین کا اسی طرف میلان ہے۔

علامہ قرطبی نے امام ابن حبان سے روایت کی ہے کہ ان حروف میں اختلاف سات سے لے کر پینتیس (۳۵) اقوال تک ہے اور علامہ قرطبی نے ان میں سے صرف پانچ اقوال نقل کیے ہیں اور میں صحیح ابن حبان میں بسیار تلاش کے باوجود ان پینتیس (۳۵) اقوال پر مطلع نہیں ہو سکا اور عنقریب میں اس باب کے آخر میں ان میں سے مقبول اور مردود اقوال کا بیان کروں گا۔

(فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سات حروف سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک لفظ کی جگہ اس کے مترادف دوسرے لفظ کو پڑھنا جائز ہے

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حروف سے کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: سات مختلف معانی جیسے امثال، احکام اور قصص وغیرہ اور یہ قول غلط ہے کیونکہ حدیث میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ان میں سے ہر حرف کے مطابق قرآن مجید کو پڑھنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے کہ امثال کی آیت کو احکام کی آیت کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ۔ آپ کہیے کہ اس قرآن کو تبدیل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

(یونس: ۱۵)

اور ابن شہاب نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایک آیت میں ہیں، پس اس میں حلال اور حرام کا اختلاف نہیں ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک کلمہ کی جگہ اس معنی کے دوسرے کلمہ کو پڑھنا جائز ہے اور اس کی مالک بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو پڑھایا:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ بے شک تھوہر کا درخت O گنہ گاروں کا کھانا ہے O

(الدخان: ۴۴-۴۳)

پس ایک مرد نے الاثیم کی جگہ اَلْيَتِيْم پڑھا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: طَعَامُ الْفَاجِرِ پڑھو یعنی گنہ گار کا کھانا، پس میں نے امام مالک سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ قرآن مجید میں اس طرح پڑھا جائے یعنی طعام الاثیم کی جگہ طعام الفاجر پڑھا جائے؟ تو امام مالک نے کہا: ہاں! اس کی گنجائش ہے اور "المدونۃ" میں مذکور ہے کہ امام مالک نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھنے سے منع کیا ہے اور کہا اس قراءت سے نکل جاؤ اور اس کو چھوڑ دو۔ (المدونۃ ج ۱ ص ۸۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سات حروف سے مراد سات قبیلوں کی لغات ہیں

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سات حروف سے مراد سات قبائل ہیں تا کہ مختلف قبائل پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان ہو جائے کیونکہ کسی لغت میں کوئی لفظ امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور دوسری لغت میں کسی لفظ کو ادغام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور تیسری لغت میں اس طرح نہیں پڑھا جاتا۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۴۹۹۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدِ الْقَارِيِّ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَصَبَّرْتُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ كَذَبْتَ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَرْسِلْهُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی کہ حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری (رضی اللہ عنہما) ان دونوں نے ان کو یہ حدیث بیان کی کہ ان دونوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں، میں نے سنا کہ ہشام بن حکیم سورۃ الفرقان کو پڑھ رہے تھے تو میں نے ان کی قراءت کو غور سے سنا، پس وہ اس میں اتنے زیادہ حروف پڑھ رہے تھے جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے، پس پھر قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر جھپٹ پڑتا (یا انہیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا)، پس میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا، پھر میں نے ان کو اپنی چادر میں پکڑ کر گھسیٹا، پھر میں نے کہا: میں نے ابھی تم کو جس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے تم کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے۔ انہوں نے کہا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھائی ہے، میں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورت اس طرح نہیں پڑھائی جس طرح تم پڑھ رہے ہو، پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، پھر میں نے کہا: میں نے ان کو اس طرح سورۃ الفرقان ان حروف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف کے ساتھ آپ نے مجھے سورۃ الفرقان نہیں پڑھائی" تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو چھوڑ دو (پھر فرمایا:) اے ہشام! پڑھو! پس ہشام نے اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے قراءت سنی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر فرمایا: اے عمر! تم پڑھو، پس میں نے اس طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھے پڑھایا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت اس طرح نازل ہوئی ہے، بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، پس تم کو جو حروف آسان لگیں تم ان پر پڑھو"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۹ میں گزر چکی ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم: ۸۱۸ میں بھی مذکور ہے۔

سات حروف پر قرآن مجید نازل ہونے کے متعلق دیگر احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث متعدد سندوں اور متون سے مروی ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) امام مسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، پس انہوں نے کہا کہ بے شک اللہ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیں، آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے اس کے عفو اور مغفرت کا سوال کرتا ہوں، بے شک میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی"، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس دوسری بار آئے اور اسی طرح بات ہوئی حتیٰ کہ حضرت جبریل نے سات حروف تک قراءت پہنچادی، اور کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو سات حروف پر پڑھائیں، پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے تو وہ صحیح پڑھیں گے۔ (صحیح مسلم: ۸۲۱، الرقم المسلسل: ۱۷۹۰)

(۲) امام حاکم اور امام ابن حبان نے از ابوسلمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(پہلی) کتاب ایک باب سے ایک طریقہ پر نازل ہوئی اور قرآن مجید سات ابواب سے سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس میں زجر (ڈانٹ ڈپٹ) ہے اور امر ہے اور حلال ہے اور حرام ہے اور محکم ہے اور متشابہ ہے اور امثال ہیں"، حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور امام نسائی نے اس کی اختصار سے موقوفاً روایت کی ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۵۳، صحیح ابن حبان: ۷۴۵، السنن الکبریٰ: ۷۹۸۴)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ حدیث اہل علم کے نزدیک ثابت نہیں ہے کیونکہ ابوسلمہ کی حضرت ابن مسعود سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (التمہید ج ۸ ص ۲۷۵) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۳) تاہم یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ (الصحیحۃ: ۵۸۷)

(۳) ابوالولید الطیالسی از حماد بن سلمہ از علی بن زید از عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! قرآن مجید کو ایک حرف پر پڑھیں تو حضرت میکائیل علیہ السلام نے کہا: آپ اس میں اضافہ طلب کریں، سو آپ نے اضافہ طلب کیا حتیٰ کہ سات حروف پر پہنچے اور ہر حرف شافی، کافی ہے، جب کوئی آیت رحمت پر ختم نہ ہو اور عذاب کی آیت کے ساتھ ہو اور عذاب کی آیت رحمت کی آیت کے ساتھ ہو تو آپ آگے بڑھیں اور جلدی جلدی پڑھیں"۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۱-۴۱)

(۴) حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے حضرت جبریل علیہ السلام

اضافہ طلب کیا تو وہ سات حروف تک پہنچے"۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۷۴۳)

(۵) عبید اللہ بن ابی یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے ایوب نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے"۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۳۳، مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۳۔ ۴۶۲، یہ روایت ام ایوب انصاری سے ہے)۔

(۶) حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید تین حروف پر نازل کیا گیا ہے" (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۔ ۱۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۱۱۵) حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

(۷) امام بزار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے"۔ (مسند البزار (البحر الذخار): ۳۰۰) امام بزار نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے اور یہ حدیث حضرت ابی بن کعب اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور ہم نے اس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ان کی جلالت شان کی وجہ سے کی ہے۔

سات حروف کے معانی اور مصادیق کے متعلق محدثین اور فقہاء کے اقوال

سات حروف کے معانی اور مصادیق میں علماء کا اختلاف ہے، علامہ منذری نے کہا ہے کہ اکثر کا قول یہ ہے کہ یہ حصر عدد کے لیے ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ سات حروف کو توسع اور تسہیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس سے حصر مقصود نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کی تعیین میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا: یہ سات حروف تلاوت کی صورت میں ہیں اور بعض نے یہ کہا کہ یہ سات حروف الفاظ اور حروف میں ہیں اور امام ابن حبان البستی نے کہا کہ ان کی تعیین میں پینتیس (۳۵) اقوال ہیں، تاہم ان میں سے اکثر ایک دوسرے میں داخل ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض حروف قریش کے موافق ہوں اور بعض کنانہ کے اور بعض اسد کے اور بعض ہذیل اور بعض تمیم کے اور الضبہ کے اور قیس کے، پس یہ مضر کے قبائل ہیں۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ سات لغات ان سات مراتب پر پوری ہوجاتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "قرآن مجید الکعبین کی لغت پر نازل کیا گیا ہے"، کعب قریش اور کعب خزاعہ کی لغت پر، کیونکہ دونوں کا دار ایک ہے۔ (اس حدیث کی امام ابوعبید نے فضائل القرآن ص ۳۴۰ میں از قتادہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، اور امام طبری نے جامع البیان ج ۱ ص ۵۱ میں روایت کی ہے اور امام طبری نے اس پر متنبہ کیا ہے کہ قتادہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی ہے اور نہ اس نے ان سے سماع کیا ہے)

اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سات حروف سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے معانی متفقہ اور متقارب ہوں، علامہ قرطبی نے اس قول کو بھی اکثرین سے نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۷۔ ۳۶) اور امام طحاوی کا بھی یہی قول ہے۔
(شرح مشکل الآثار ج ۸ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴)

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے ان سات حروف کو ان کے ساتھ سات مرتبہ دور کرتے ہوئے سنا یا ایک دفعہ میں ہی سنا اور حضرت جبریل نے آپ کو ان کی سات مختلف جگہوں پر مطلع کیا۔

پھر یہ شرط نہیں ہے کہ ان سات لغات کا اختلاف کلمات کی کیفیت ادا میں ہو مثلاً اظہار، ادغام، مد، قصر، امالہ، حذف سے اور تخفیف اور وقف کے ساتھ آخری کلمہ پر جزم اور ہمزہ سے پہلے زبان کا سکوت، اور جو اس کے مشابہ اختلاف اعراب کی وجوہ ہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ سات لغات ایک معنی کے اعتبار سے الفاظ مترادفہ میں ہوں جیسا کہ پڑھا گیا ہے:

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (الجمعہ ۹) پس تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔

اور یہ بھی قراءت کی گئی ہے:

فَامْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (الجمعہ ۹) پس تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جاؤ۔

علامہ قرطبی نے کہا: یہ سات حروف اب اس قرآن مجید میں نہیں ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا: یہ سات حروف یعنی سات لغات میں پڑھنے کی اجازت اس لیے تھی کہ صحابہ پر اپنی لغت کے علاوہ دوسری لغات سے قرآن مجید کو یاد کرنا مشکل اور دشوار تھا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ ان پڑھ تھے اور بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، پس ہر زبان بولنے والے پر یہ مشکل تھا کہ وہ دوسروں کی زبانوں اور لغات کی طرف منتقل ہوں اور اگر وہ اس کا قصد کرتے تو وہ ان کو سخت مشقت کے بغیر حاصل نہ ہوتا، پس ان کو دوسرے الفاظ کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی جب کہ معنی متفق ہو اور صحابہ کا یہی حال تھا حتیٰ کہ ان میں سے اکثر لکھنے پڑھنے لگے اور ان کی لغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغات کی طرف راجع ہوگئیں پھر وہ ان الفاظ کو یاد کرنے پر قادر ہو گئے اور اب ان کے لیے یہ جائز نہ رہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے خلاف اور آپ کی قراءت کے خلاف قرآن پڑھیں۔ (شرح مشکل الآثار ج ۸ ص ۱۲۵)

علامہ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا: جب یہ ضرورت پوری ہوگئی تو سات حروف پر قرآن مجید پڑھنے کا حکم ساقط ہوگیا اور قرآن مجید کو ایک حرف یعنی ایک لغت کے موافق پڑھنے کا حکم لوٹ آیا۔ (التمہید ج ۸ ص ۲۹۴، الاستذکار ج ۸ ص ۴۳)

سات مشہور قراءات ان سات حروف یا سات لغات کے علاوہ ہیں اور یہ قراءات اس حرف پر ہیں جس میں حضرت عثمان نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا

علامہ ابوالعباس القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے: وہ سات قراءات جو سات قراء کی طرف منسوب ہیں ان کے متعلق ہمارے اکثر علماء مثلاً علامہ داؤدی اور علامہ المہلب وغیرہما نے کہا ہے کہ یہ سات قراءات ان سات حروف میں سے نہیں ہیں جن پر قراءت کو صحابہ کرام نے کافی قرار دیا تھا، یہ سات قراءات ان سات حروف میں سے صرف اس حرف کی طرف راجع ہیں جس حرف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جمع کیا تھا، اس کا امام نحاس وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور یہ قراءات ان سات قراء کی اختیار کردہ ہیں کیونکہ ان میں سے ہر قاری نے اس قراءت کو اختیار کیا جس کی اس نے روایت کی تھی اور جس کا اس کو علم تھا اور جو اس کے نزدیک سب سے احسن اور سب سے اولیٰ قراءت تھی اور اس نے اس قراءت کو لازم کرلیا اور وہ اس قراءت کے ساتھ مشہور ہوگیا اور اس قراءت کی اس کی طرف نسبت کی گئی اور یہ کہا گیا کہ یہ نافع کی قراءت ہے اور یہ ابن کثیر کی قراءت ہے اور ان میں سے کسی نے دوسرے قاری کی قراءت کو اختیار کرنے سے منع نہیں کیا اور تمام قراءت صحیح ہیں اور کسی نے دوسرے کی قراءت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کو بھی جائز قرار دیا اور ان سات قراء میں سے ہر ایک نے ایک قراءت کو اختیار کیا اور تمام قراءات صحیح ہیں اور اس زمانے میں تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو قراءات ان ائمہ سے منقول ہیں وہ سب صحیح ہیں اور اس کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا، پس صحیح چیز پر اجماع مشہور ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوگیا۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۵۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

بعض علماء نے ان سات حروف کی پانچ وجوہ سے تاویل کی

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء نے اس حدیث کی بہت تاویلات کی ہیں اور میں نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی کا قول معارضہ سے خالی ہو اور ان میں سب سے اچھا قول وہ ہے جس کو ابو عمرو الدانی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے اور اس قول کے قائل کا نام نہیں لیا۔ اس قائل نے کہا: میں نے متقدمین اور متاخرین کے اقوال پر مطلع ہونے کے بعد اس حدیث کے معنی میں غور کیا تو میں نے اس کو پانچ وجوہ سے متعلق پایا اور یہ وجوہ اس حدیث کے تمام معانی کو محیط ہیں: (۱) حروف کا کیا معنی ہے اور ان کی کیسی تاویل ہے (۲) قرآن مجید کو ان سات حروف پر نازل کرنے کی کیا توجیہ ہے (۳) اور کس چیز میں ان کا اختلاف ہے (۴) یہ اختلاف کتنے معانی پر مشتمل ہے (۵) کیا یہ کل حروف قرآن مجید میں متفرق ہیں اور اس کو ایک بار ختم کرنے میں موجود ہیں حتیٰ کہ جب قاری جو ان ائمہ قراء میں سے ہو جن کی امامت پر تمام شہروں میں اجماع ہے وہ ان تمام حروف کو پڑھتا ہے یا تمام حروف کو نہیں پڑھتا اور وہ اس کے ایک بار ختم قرآن میں موجود ہیں۔

مذکور الصدر پانچ تاویلات پر علامہ ابن بطال کا تبصرہ

پہلی تاویل کی دو قسمیں ہیں: (۱) سات حروف سے مراد سال لغات ہیں اور اس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ۔ (الحج:۱۱) اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

اس آیت میں حرف کا معنی طرز اور طریقہ ہے یعنی سات حروف سے مراد سات لغات کے طریقے ہیں۔ (۲) شارع علیہ السلام نے قراءات سبعہ یعنی سات قراءات کو مجازاً حروف فرمایا جیسا کہ رسالہ اور خطبہ کو کلمہ کہا جاتا ہے حالانکہ کلمہ اس رسالہ اور خطبہ کا جزء ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۔ اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا۔ (الاعراف:۱۳۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو کلمہ فرمایا ہے حالانکہ وہ ایک جملہ ہے۔

اور مجاہد نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (الفتح:۲۶) اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس میں کلمہ تقویٰ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور یہ بھی ایک جملہ ہے۔

(تفسیر مجاہد ج ۲ ص ۶۰۳)

دوسری تاویل یہ ہے کہ ان سات حروف یا سات لغات کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر توسیع ہے کیونکہ امام ابو عبید نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری حضرت جبریل علیہ السلام سے احجار المراء پر ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں مرد، عورت، لڑکا اور لڑکی اور شیخ فانی ہیں جنہوں نے کسی کتاب کو بالکل نہیں پڑھا" تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

(فضائل القرآن ص ۳۳۸)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سات حروف سے مراد سات لغات ہوں کیونکہ عرب کی سات لغات ہیں اور الکلبی نے کہا: پانچ لغات

ہیں اور ان میں سے ایک ہوازن کی لغت ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا اور ان میں سے پانچ ہوازن کے قبیلے تھے۔ اور ابو حاتم نے کہا: ہوازن کے قبائل میں ثقیف ہیں اور بنو سعد بن بکر ہیں اور بنو جشم ہیں اور بنو نصر ہیں، ان کو مخصوص کیا گیا ہے نہ کہ ربیعہ کو اور عرب کے باقی قبائل کو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کے قریب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوار منزل الوحی ہے اور مضر اور ربیعہ دونوں بھائی ہیں اور قتادہ نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید اس قبیلہ کی لغت پر نازل ہوا ہے، یعنی ہوازن اور ثقیف کی لغت پر۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۳۴۴، تفسیر الطبری جلد ۱ ص ۳۵)

تیسری تاویل کی بہت اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں: (۱) فی نفسہ لفظ کو متغیر کرنا جیسے مَالِكِ يوم الدين اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (الفاتحہ: ۴) اور الصِّرَاطَ (الفاتحہ: ۶) یہ لفظ سین، صاد اور زاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۲) اثبات اور حذف جیسے وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (البقرہ: ۱۱۶) اس میں ہمزہ وصلی کو حذف کر دیا گیا ہے یا جیسے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا (التوبہ: ۱۰۷) اس میں بھی ہمزہ وصلی حذف کر دیا اصل میں تھا اتَّخَذُوْا۔

(۳) ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ (الشعراء: ۲۱۷) اس میں فاء کو واؤ سے بدل کر وَتَوَكَّلْ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ○ (الشمس: ۱۵) اس میں فاء کو واؤ سے بدل کر وَلَا يخاف بھی پڑھا گیا ہے۔

(۴) واحد کی بہ جائے جمع کا صیغہ لانا جیسے فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ: ۶۷) اس میں رِسَالَتَهٗ کی جمع رِسَالَاته کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (یوسف: ۷) اس میں اٰيَةٌ کی جمع اٰيٰتٌ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۵) مذکر کے صیغہ کی جگہ مؤنث کا صیغہ لانا جیسے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرہ: ۴۸) اس کو مؤنث کے صیغہ کے ساتھ وَلَا تُقْبَلُ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے فَنَادَاهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آل عمران: ۳۹) اس کو مؤنث کے صیغہ کے ساتھ فَنَادَتْهُ الملائكةُ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ (الانعام: ۷۱) اس کو مذکر کے صیغہ کے ساتھ واستهواه الشياطين بھی پڑھا گیا ہے۔

(۶) جیسے کسی لفظ پر تشدید پڑھنا اور تشدید نہ پڑھنا جیسے بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۰) یہ تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کو تشدید کے ساتھ بما كانوا يُكَذِّبُوْن بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ (البقرہ ۱۰۲) لٰكِنَّ تشدید کے ساتھ ہے اور اس کو تخفیف کے ساتھ لٰكِنْ بھی پڑھا گیا ہے، اور اسی طرح وَلٰكِنَّ الْبِرَّ (البقرہ: ۱۷۷) اس کو بھی تشدید اور تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۷) مخاطب کے صیغہ کو غائب کے صیغہ کے ساتھ بدلنا جیسے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (البقرہ: ۷۴) یہ مخاطب کا صیغہ تَعْمَلُوْن ہے اور اس کو غائب کا صیغہ يَعْمَلُوْن بھی پڑھا ہے اور جیسے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (البقرہ: ۷۶) یہ مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کو غائب کا صیغہ افلا يعقلون بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۳) یہ غائب کا صیغہ ہے اور اس کو مخاطب کا صیغہ لا تعلمون بھی پڑھا گیا ہے۔

(۸) متکلم کے صیغہ کو غائب کے صیغہ کے ساتھ بدلنا جیسے نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر: ۷۴) نتبوأ متکلم کا صیغہ ہے اور اس کو غائب کا يَتَبَوَّاُ بھی پڑھا گیا ہے اور نَشَآءُ متکلم کا صیغہ ہے اور اس کو يشآء بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے يَجْعَلُ الرِّجْسَ (یونس: ۱۰۰) یہ غائب کا صیغہ ہے اور اس کو متکلم کا صیغہ نجعل بھی پڑھا گیا ہے۔

(۹) مقدم کو مؤخر کرنا جیسے قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا (آل عمران: ۱۹۵) اس میں قٰتَلُوْا قُتِلُوْا پر مقدم ہے اور اس کو مؤخر کر کے بھی پڑھا گیا ہے جیسے قُتِلُوْا وَقٰتَلُوْا اور جیسے فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (التوبہ: ۱۱۱) اس میں فَيَقْتُلُوْن وَيُقْتَلُوْن پر مقدم ہے اور اس کو مؤخر کر کے

یُقْتَلُوْنَ فَیَقْتُلُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۱۰) نفی کے صیغہ کو نہی کے صیغہ کے ساتھ تبدیل کرنا جیسے وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ (البقرہ:۱۱۹) یہ نفی کا صیغہ ہے اور اس کو نہی کے صیغہ کے ساتھ تبدیل کر کے بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَلا تُسْئَلُ عن اصحٰبِ الجحیم پہلے صیغہ میں لَا تُسْئَلُ پر لام کے اوپر پیش ہے اور دوسری صورت میں لا تسئَلْ کے لام پر جزم ہے اور جیسے وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (الکہف:۲۶) یہ نفی غائب کا صیغہ ہے اور وَلَا یشرِكُ میں کاف پر پیش ہے، اس کو تبدیل کر کے نہی حاضر کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَلَا تُشْرِكْ اور اس میں کاف پر جزم ہے۔

(۱۱) امر کے صیغہ کو خبر کے صیغہ کے ساتھ تبدیل کرنا جیسے وَاتَّخِذُوْا (البقرہ:۱۲۵) یہ امر کا صیغہ ہے اور اس میں خاء کے نیچے زیر ہے، اس کو وَاتَّخَذُوْا بھی پڑھا گیا ہے، یہ خبر کا صیغہ ہے اور اس میں خا پر زبر ہے اور جیسے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ (بنی اسرائیل:۹۳) قُلْ امر کا صیغہ ہے، اس کو خبر کے ساتھ تبدیل کر کے قَالَ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ (الانبیاء:۴) یہ خبر کا صیغہ ہے اور اس کو تبدیل کر کے امر کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی قُلْ رَبِّی یَعْلَمُ۔

(۱۲) صرف اعراب میں تغیر کرنا جیسے وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ (البقرہ:۲۴۰) یہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کو پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَصِیَّةٌ لِاَزْوَاجِهِمْ اسی طرح ہے تِجَارَةً حَاضِرَةً (البقرہ:۲۸۲) یہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کو پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ اسی طرح ہے وَاَرْجُلَكُمْ (المائدہ:۶) یہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کو زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اَرْجُلِكُمْ۔

(۱۳) حرکات لازمہ میں تغیر کرنا جیسے وَلَا یَحْسَبَنَّ (آل عمران:۱۷۸) یہ لفظ سین پر زبر کے ساتھ ہے اور سین پر زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی وَلَا یَحْسِبَنَّ، اور جیسے وَمَنْ یَّقْنَطُ (الحجر:۵۶) اس میں نون پر زبر ہے اور اس کو نون کے نیچے زیر سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَمَنْ یَّقْنِطُ، اسی طرح یَقْنَطُوْنَ ہے (الروم:۳۶) یہ بھی زبر کے ساتھ ہے اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھی گی ہے یعنی یَقْنِطُوْنَ اسی طرح یَعْرِشُوْنَ ہے (الاعراف:۱۳۷) اس میں راء کے نیچے زیر ہے اور اس میں راء پر پیش بھی پڑھی گئی ہے یعنی یَعْرُشُوْنَ، اور اسی طرح یَّعْكُفُوْنَ ہے (الاعراف:۱۳۸) اس میں کاف پر پیش ہے اور اس میں کاف کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی یَعْكِفُوْن اور اسی طرح الْوَلَایَةُ ہے (الکہف:۴۴) اس میں واؤ پر زبر ہے اور اس میں واؤ کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی الْوِلَایَةُ۔

(۱۴) حرکت کو جزم کے ساتھ بدلنا جیسے خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (البقرہ:۱۶۸) اس میں طاء پر پیش ہے، اس کو طاء کی جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی خُطْوٰتِ الشیطٰن اسی طرح ہے عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (البقرہ:۲۳۶) اس میں قَدَرُہٗ کی دال پر زبر ہے اور اس میں دال پر جزم بھی پڑھا گیا ہے یعنی قَدْرُهٗ۔

(۱۵) غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جیسے وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا (الفرقان:۳۸) اور اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (ہود:۶۸) ان دونوں آیتوں میں ثمود کا لفظ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں منع صرف کے دو سبب ہیں علم اور عجمہ اور ان دونوں آیتوں میں اس کو منصرف پڑھا گیا ہے اور اس پر تنوین نہیں ہے اور اس کو تنوین کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ثَمُوْدًا۔

اور تحقیق یہ ہے کہ اس قسم کا اختلاف توقیفی ہے اور اس میں امت کو احادیث ثابتہ کے مطابق پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

امام ابوعبید نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں کے ساتھ پڑھو''۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۶۵)

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام سے (ماہ رمضان میں) قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام ہر دور میں ان مختلف قراءات کو بیان کرتے تھے، اس لیے آپ نے فرمایا کہ آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور وہ پورا قرآن کافی اور شافی ہے اور آپ نے اپنی امت کے لیے یہ جائز قرار دیا کہ وہ ان تمام قراءات میں سے جس قراءت کو چاہیں پڑھیں اور یہ تمام قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کی گئی ہیں اور آپ نے اپنی امت پر ان تمام قراءات کے حفظ کرنے کو لازم نہیں کیا اور نہ ان تمام قراءات کے پڑھنے کو لازم کیا ہے بلکہ امت کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان تمام قراءات میں سے جس قراءت کے موافق چاہیں پڑھیں جس طرح ان کو قسم توڑنے کے کفارہ میں اور فدیہ میں اختیار دیا گیا ہے، کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہشام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی قراءات کو درست قرار دیا جب کہ ان دونوں کی قراءت ایک دوسرے کے مخالف تھی اور آپ نے ان دونوں کی قراءات کو برقرار رکھا اور فرمایا: یہ سورت مجھ پر اسی طرح نازل کی گئی ہے۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ ان حروف کا اختلاف درج ذیل تین معانی پر مشتمل ہے

(۱) فقط لفظ میں اختلاف ہو اور معنی ایک رہے جیسا کہ السراط، الصراط اور الزراط ان تینوں الفاظ کا معنی ایک ہے، اور جیسے عَلَيْهِمْ اس میں ہاء کے نیچے زیر ہو اور اِلَيْهُمْ اس میں ہاء پر پیش اور میم پر بھی پیش ہو یا میم پر جزم ہو۔

(۲) لفظ اور معنی دونوں میں اختلاف ہو اور ان کا ایک لفظ میں اجتماع جائز ہو جیسے مٰلِكِ اور مَلِكِ، مٰلِكِ کا معنی ہے: رب اور مَلِكِ کا معنی ہے: بادشاہ اور دونوں سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ (البقرہ:۱۰) ہے، اس کا معنی ہے: وہ جھوٹ بولتے تھے اور بِمَا كَانُوْا يُكَذِّبُوْنَ اس کا معنی ہے: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور آپ کی دی ہوئی خبروں کو جھٹلاتے تھے اور دونوں سے مراد منافقین ہیں۔

(۳) لفظ اور معنی دونوں میں اختلاف ہو جیسے وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (یوسف:۱۱۰) اس آیت میں كُذِبُوْا بغیر تشدید کے ہے اور اس کا معنی ہے: اور لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا اور وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا، كُذِّبُوْا کی تشدید کے ساتھ یعنی رسولوں نے یہ گمان کیا کہ لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور ان دونوں کا اجتماع جائز نہیں ہے کہ ظَنُّوْا کا فاعل لوگ بھی ہوں اور رسول بھی ہوں۔

پانچویں تاویل یہ ہے کہ ان تمام مختلف حروف کو پڑھنا ممکن نہ ہو

کیونکہ پڑھنے والا صرف کسی ایک قراءت کے ساتھ پڑھے گا نہ کہ کل قراءات کے ساتھ، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ سات حروف سے مراد سات لغات ہیں یا جیسے ہم نے بیان کیا کہ کسی قراءت میں ایک لفظ پر حرکت ہو اور دوسری قراءت میں اس پر جزم ہو جیسے خُطُوٰتِ اور خُطْوٰتِ، پس بہ یک وقت طا پر پیش اور جزم پڑھنا ممکن نہیں یا کسی قراءت میں ایک لفظ مقدم ہو اور دوسری قراءت میں وہ لفظ مؤخر ہو اور ایک لفظ کو بہ یک وقت مقدم اور مؤخر پڑھنا ممکن نہیں ہے یا ایک قراءت میں کسی لفظ میں ادغام ہو اور دوسری قراءت میں ادغام نہ ہو تو بہ یک وقت اس لفظ میں ادغام کرنا اور ادغام نہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہاں!! ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کون سی قراءت کو پیش کیا تھا، تاہم یہ تمام قراءات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور مشہور ہیں اور ان میں سے ہر قراءت کے موافق قرآن مجید کو پڑھنا جائز ہے۔ یہاں تک علامہ ابن بطال کی عبارت ختم ہوگئی۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۷ ۲۲۳۔۲۲۹ متصرفاً) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۹۔۲۹ دزاۃ

الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی نہایت محقق اور سہل شرح کی ہے، اس کے برخلاف علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ اور علامہ محمد فضیل زرھونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس اہم، مشکل اور غامض حدیث کی بہت زیادہ مختصر شرح کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اپنے اسلوب کے مطابق اس حدیث کی نہایت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ شرح کی ہے۔ ہم اس عظیم شرح کے بعض مباحث کو وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ کا قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کے پڑھنے میں باہم نزاع

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ ''ایک شخص نے قرآن پڑھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مُغَیَّرْ کیا، پس ان دونوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھگڑا ہوا، اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا تھا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ شک ہوا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے سے پہچان لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور تین دفعہ فرمایا: اے شیطان دور ہو جا! پھر فرمایا: اے عمر! قرآن مجید کو ہر طرح پڑھنا درست ہے جب تک کہ رحمت کی آیت کو عذاب سے نہ بدلا جائے یا عذاب کی آیت کو رحمت سے نہ بدلا جائے''۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، پھر اسی طرح حدیث ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ قرآن مجید کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر حرف کافی، شافی ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کے درمیان سورۃ الفرقان کی قراءت میں جو نزاع ہوا تھا اس کی نظیر دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ ان میں سے بعض ازاں یہ ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرد نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تو اس سے حضرت عمرو بن العاص نے کہا: یہ آیت تو اس طرح اور اس طرح ہے، پھر ان دونوں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس تم ان میں سے جس قراءت کے موافق بھی پڑھو تو وہ درست ہے، پس تم اس میں جھگڑا نہ کرو''۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

امام احمد نے ابوجہم بن الصمۃ سے دوسری روایت کی ہے کہ دو مردوں کا قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنے میں اختلاف ہوا، ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم تھا کہ اس نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے، پھر یہ حدیث حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے۔

امام طبری اور امام طبرانی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا، پس اس نے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک سورت پڑھائی، اس کو حضرت زید نے بھی مجھے پڑھایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے پڑھایا، سو ان کی قراءت میں اختلاف ہو گیا، پس میں کس کی قراءت سے قرآن مجید یاد کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: تم میں سے ہر شخص اس طرح پڑھے جس طرح

اس کو پڑھایا گیا ہے، پس یہ قرآن حسین اور جمیل ہے۔

امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حٰم کی ایک سورت پڑھائی، پس میں مسجد کی طرف گیا، پس میں نے ایک مرد سے کہا: اس سورت کو پڑھو تو وہ اس سورت کو ان حروف کے ساتھ پڑھ رہا تھا جن حروف کے ساتھ میں اس سورت کو نہیں پڑھتا تھا تو اس مرد نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ہے، پس ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، پھر ہم نے آپ کو اس کی خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ کتاب میں اختلاف کرتے تھے، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چپکے سے کوئی بات فرمائی تب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم میں سے ہر مرد اس طرح قرآن پڑھے جس طرح اس کو قرآن سکھایا گیا ہے"۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم گئے اور ہم میں سے ہر مرد اس طرح قرآن پڑھتا تھا جس طرح اس کا صاحب، قرآن نہیں پڑھتا تھا۔

سات حروف سے مراد سات لغات ہیں اور قرآن پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے ان کو سات لغات پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی

اس حدیث میں مذکور ہے: تم کو آسانی سے جو قرآن مجید میسر ہو اس کو پڑھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کو ان سات حروف پر نازل کرنا قرآن پڑھنے والے کی آسانی اور سہولت کے لیے ہے اور اس سے ان علماء کا قول قوی ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان حروف سے مراد یہ ہے کہ معنی کو لفظ مترادف کے ساتھ ادا کیا جائے خواہ وہ مترادف ایک لفظ سے ہو کیونکہ حضرت ہشام کی لغت قریش تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لغت بھی قریش تھی، اس کے باوجود ان دونوں کی قراءت میں اختلاف ہوا، اس پر حافظ ابن عبد البر نے تنبیہ کی ہے اور اکثر اہل علم سے منقول ہے کہ سات حروف سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو سات لغات کے موافق پڑھا جائے اور امام ابو عبید اور دوسروں نے یہ کہا کہ سات حروف سے مراد ان لغات کا اختلاف ہے اور یہی ابن عطیہ کا مختار ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ لغات عرب کی تعداد تو سات سے زیادہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد سب سے فصیح لغات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا، ان میں سے پانچ لغات ہوازن کی عجز ہیں، انہوں نے کہا: اور عجز سعد بن بکر، جشیم بن بکر، نصر بن معاویہ اور ثقیف ہیں اور یہ کل ہوازن ہیں اور ان کو علیا ہوازن کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے ابو عمرو بن العلاء نے کہا: سب سے فصیح عرب علیا ہوازن ہیں اور سفلی تمیم ہیں یعنی بنی دارم۔ امام ابو عبید نے دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید دو کعب کی لغت پر نازل ہوا ہے، ایک کعب قریش ہے اور دوسرا کعب خزاعہ ہے۔ کہا گیا: یہ کیسے ہوا؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ دار ایک ہے یعنی خزاعہ قریش کے پڑوسی تھے، پس ان پر ان کی لغت آسان ہو گی اور ابو حاتم السجستانی نے کہا: قرآن مجید قریش، ہزیل، تمیم الرباب، ازد، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر کی لغت پر نازل ہوا ہے۔

ابن قتیبہ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ (ابراہیم: ۴) اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں مبعوث کیا ہے تاکہ وہ ان کو بیان کر سکے۔

اس بنا پر یہ سات لغات قریش کے بطون میں ہیں۔
اور امام ابوعبید نے کہا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے بلکہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں پس بعض قرآن لغت قریش پر ہے اور بعض قرآن لغت ہذیل پر ہے اور بعض قرآن لغت ہوازن پر ہے اور بعض قرآن یمن وغیرہم کی لغت پر ہے، امام ابوعبید نے کہا: بعض لغات کا دوسری لغات سے زیادہ حصہ ہے اور کہا گیا ہے کہ خصوصاً مضر کی لغت کا زیادہ حصہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید مضر کی لغت پر نازل ہوا ہے اور حافظ ابن البر نے کہا ہے کہ یہ سات لغات مضر کی ہیں اور مضر کے یہ قبائل ہیں: ہذیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش، پس یہ سب مضر کے قبائل ہیں جن میں یہ سات لغات ہیں۔
اور ابوشامہ نے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ اولاً قرآن مجید قریش پر نازل ہوا اور جو فصیح قبائل ان کے قریب تھے ان پر نازل ہوا، پھر عربوں کو اجازت دی گئی کہ وہ قرآن مجید کو اپنی اپنی ان لغات پر پڑھیں جن کے موافق پڑھنے کی ان کو عادت ہے خواہ ان کے الفاظ اور اعراب میں اختلاف ہو اور ان میں سے کسی کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ ایک لغت سے دوسری لغت کی طرف منتقل ہوں کیونکہ اس میں مشقت ہے اور دوسرے قبیلہ کی لغت پر پڑھنا ان کے لیے عار کا سبب ہے اور ان سے تسہیل اور آسانی کو طلب کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب دوسری لغت پر پڑھنے سے قرآن مجید کا معنی برقرار رہے اور اسی وجہ سے صحابہ کے قرآن پڑھنے میں اختلاف ہوتا تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی قراءت کو درست قرار دیا تھا اور اس بحث کا تتمہ یہ ہے کہ یہ اجازت لوگوں کی خواہش پر موقوف نہیں ہے یعنی ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق قرآن مجید کے ایک لفظ کو اس کے مترادف دوسرے لفظ کے ساتھ پڑھے بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس نے یہ سنا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو اس کے مترادف لفظ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور اس کی طرف اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما دونوں نے یہ کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھایا ہے لیکن متعدد صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ قرآن مجید کے کسی لفظ کی بہ جائے اس کے مترادف کو پڑھتے تھے خواہ انہوں نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی اس قراءت پر انکار کیا ہے کہ وہ حتیٰ حین کی بہ جائے عتّی حین پڑھتے تھے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود کی طرف لکھا کہ قرآن مجید ہذیل کی لغت پر نازل نہیں ہوا تم لوگوں کو قریش کی لغت پر پڑھاؤ اور ان کو ہذیل کی لغت پر نہ پڑھاؤ۔
یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا تھا، حافظ ابن عبدالبر نے اس حدیث کو امام ابوداؤد کی سند سے روایت کرنے کے بعد کہا: ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر نے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہو یعنی ہذیل کی لغت پر قرآن پڑھنا مختار نہیں ہے، ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت ابن مسعود نے جو پڑھایا وہ جائز نہیں ہے اور امام ابن عبدالبر نے کہا کہ جب قرآن مجید کو سات طریقوں کے موافق پڑھنا جائز ہے تو پھر پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ وہ کسی بھی نازل شدہ قراءت پر قرآن پڑھے۔
ابوشامہ نے کہا: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کہا کہ قرآن مجید قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے ہوسکتا ہے اس سے ان دونوں کی مراد یہ ہو کہ پہلے قرآن مجید قریش کی لغت پر نازل ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے سہولت کر دی اور ان کے لیے یہ جائز قرار دیا کہ وہ قرآن مجید کو اپنی اپنی لغات پر پڑھیں بہ شرطیکہ وہ لغات عرب سے باہر نہ نکلیں کیونکہ قرآن مجید عربی مبین کی زبان میں نازل ہوا ہے نہ کہ قریش کی زبان میں اور جو لوگ غیر عرب ہیں ان کے لیے مختار یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو قریش کی زبان کے موافق پڑھیں کیونکہ وہ اولیٰ ہے۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی طرف جو مکتوب لکھا تھا اس کا محمل یہ ہے

کہ غیر عرب تمام لغات تعبیر کرنے میں برابر ہیں، پس اس صورت میں ایک لغت کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ لغت ہونی چاہیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہو۔

رہا وہ شخص جو عربی ہے اور اس کی فطرت اپنی زبان کے موافق پڑھنا ہے تو اگر اس کو لغت قریش کے موافق پڑھنے کا مکلف کیا جائے تو یہ اس پر دشوار ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو لغت قریش کے علاوہ دوسری لغت پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی اور قرآن جو سات حروف یا سات لغات پر نازل ہوا ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ قرآن مجید کے ہر لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے گا، حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس پر اجماع ہے بلکہ ہر لفظ کو سات لغات کے موافق پڑھنا غیر ممکن ہے بلکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا کلمہ نہیں پایا جاتا جس کو سات طریقوں سے پڑھا گیا ہو۔

اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ اولاً قرآن مجید لغت قریش کے موافق نازل ہوا، پھر امت پر آسانی کی گئی کہ وہ اس کو لغت قریش کے علاوہ بھی پڑھیں کیونکہ بعد میں عرب کے بہت سے قبائل اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور یہ بات ثابت ہے کہ تخفیف کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والے پر یہ توسیع کی گئی ہے کہ قرآن مجید کو سات طریقوں سے پڑھے کیونکہ اگر ایک طریقہ اور ایک لغت سے قرآن مجید پڑھنا لازم ہوتا تو لوگوں پر دشوار ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ آسانی کی کہ ہر قوم اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید کو پڑھ لے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۳۔۱۷۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہ شرح بہت طویل ہے لیکن اس میں سے اکثر کام کی باتیں ان کے استاذ علامہ ابن ملقن کی شرح میں آ چکی ہیں اس لیے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس حدیث کی باقی شرح کو ترک کر رہے ہیں اور اب صحیح بخاری کی دوسری حدیث کو شروع کر رہے ہیں۔

۶۔ بَابُ: تَأْلِيفِ الْقُرْآنِ　قرآن مجید کی تالیف

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: تالیف قرآن کا معنی ہے: ایک سورت کی آیات کو جمع کرنا یا تمام سورتوں کو ترتیب سے مصحف میں جمع کرنا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۹۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ وَأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكَ قَالَ إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی الله عنها إِذْ جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ فَقَالَ أَيُّ الْكَفَنِ خَيْرٌ قَالَتْ وَيْحَكَ وَمَا يَضُرُّكَ قَالَ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرِينِي مُصْحَفَكِ قَالَتْ لِمَ قَالَ لَعَلِّي أُوَلِّفُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ قَالَتْ وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ان کو ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یوسف بن ماہک نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب ان کے پاس ایک عراقی آیا، پس اس نے پوچھا: کون سا کفن سب سے بہتر ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم پر افسوس ہے (کفن کسی قسم کا بھی ہو) اس سے تم کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا: اے ام المؤمنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: شاید میں اس کے مطابق

الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا لَقَالُوا لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلَى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ (القمر:٤٦) وَمَا نَزَلَتْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا وَأَنَا عِنْدَهُ قَالَ فَأَخْرَجَتْ لَهُ الْمُصْحَفَ فَأَمْلَتْ عَلَيْهِ آيَ السُّوَرِ۔

اپنے قرآن کو مرتب کروں گا کیونکہ قرآن مجید کو غیر مرتب پڑھا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس سے تم کو کیا تکلیف ہے تم جس آیت کو چاہو پہلے پڑھ لو، سب سے پہلے مفصل کی سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے حتیٰ کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر حلال اور حرام کے احکام نازل ہو گئے اور اگر ابتداء میں یہ حکم نازل ہو جاتا کہ تم شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب پینا کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم نازل ہو جاتا کہ تم زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کرنا کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور تحقیق یہ ہے کہ مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا اور اس وقت میں لڑکی تھی (لڑکیوں کے ساتھ) کھیلتی تھیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (القمر:٤٦) بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ○ اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ کے پاس آپ کے نکاح میں تھی۔ راوی نے کہا: پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے مصحف نکالا اور اس کو سورت کی آیتیں لکھوائیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٤٨٧٦ میں گزر چکی ہے۔

اس عراقی کے کفن کے متعلق سوال کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس عراقی نے پوچھا: کون سا کفن سب سے افضل ہے؟

شاید اس عراقی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سفید کپڑے پہنو اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو کیونکہ یہ کپڑے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ پسندیدہ ہیں''۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے، پس شاید کہ اس عراقی نے اس حدیث کو سنا اور اس حدیث کی تحقیق کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور اہل عراق سختی کے ساتھ سوالات کیا کرتے تھے اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا: تمہیں اس سے کیا تکلیف ہے یعنی تم کو جو کفن بھی پہنا دیا جائے گا وہ تمہارے لیے کافی ہوگا، اور ایک عراقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا کہ اگر محرم کے احرام پر مچھر کا خون لگ جائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: اس عراقی کو دیکھو کہ یہ مچھر کے خون کے متعلق سوال کر رہا ہے حالانکہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو شہید کر دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر کے اس قول کا رد کہ عراقی کا قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہروں میں مصاحف بھیجنے سے پہلے کا ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس عراقی نے کہا کہ آپ مجھے اپنا مصحف دکھائیں شاید کہ میں قرآن مجید کو مرتب کر کے لکھوں گا کیونکہ قرآن مجید کو بغیر ترتیب کے پڑھا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: اس عراقی کا یہ قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں مصحف کو بھیجنے سے پہلے کا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث یوسف بن ماہک سے مروی ہے اور انہوں نے وہ زمانہ نہیں پایا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو مختلف شہروں میں بھیجا تھا کیونکہ المزی نے ذکر کیا ہے کہ یوسف بن ماہک کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب مصاحف بھیجنے کے بعد زندہ رہے اور یوسف نے اس حدیث میں یہ تصریح کی ہے کہ جب اس عراقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو وہ ان کے پاس تھے۔

اور جو چیز مجھے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ عراقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا تھا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مصحف کو پیش کیا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے اور انہوں نے اپنی قراءت سے رجوع کیا تھا اور نہ اپنے مصحف کو تلف کیا تھا جیسا کہ عنقریب اس باب کے آخر میں اس کا ذکر آئے گا، پس اس عراقی کے مصحف کی تالیف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کی تالیف کے مغائر تھی، اس وجہ سے اس عراقی نے یہ کہا کہ اس کا مصحف غیر مرتب ہے اور یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے جب اس کا سوال سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا کہ اگر تم کسی بھی سورت کو پہلے پڑھ لو تو اس سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ہے: ''پس میں نے اس عراقی کو سورتوں کی آیتیں لکھوائیں'' تو اس سے ان کی مراد یہ ہو کہ انہوں نے اس کو ہر سورت کی آیات کی تفصیل لکھوائی کہ مثلاً فلاں سورت میں اتنی اتنی آیات ہیں، پہلی آیت اس طرح ہے اور دوسری آیت اس طرح ہے اور اس کا رجوع آیات کے عدد کے اختلاف کی طرف ہے اور اس میں مدنی، بصری اور شامی آیات کا بھی اختلاف ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس عراقی کا سوال سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہو اور آیات کی ترتیب کے بھی متعلق ہو۔ واللہ اعلم

سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے باہر اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے صحابہ کے اجتہاد سے نہیں ہے

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے قرآن پڑھنے میں سورتوں کی ترتیب کو واجب کیا ہو نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے باہر بلکہ یہ جائز ہے کہ سورۃ الکہف کو سورۃ البقرہ سے پہلے پڑھا جائے اور سورۃ الحج کو سورۃ الکہف سے پہلے پڑھا جائے۔ رہا یہ کہ سلف سے منقول ہے کہ قرآن مجید کو الٹا پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ کسی سورت کو آخر سے شروع کرے اور اس سورت کے اول تک پڑھے، اور ایک جماعت قصائد کے اشعار کو الٹ کر پڑھتی تھی تاکہ ان اشعار کے حفظ میں مبالغہ ہو اور زبان پر اس کی روانی زیادہ ہو تو سلف نے قرآن مجید کو اس طرح پڑھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حرام ہے، اور قاضی عیاض مالکی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں سورۂ آل عمران سے پہلے سورۃ النساء پڑھی اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ان سورتوں کی یہی ترتیب ہے اور اس میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کے اجتہاد سے ہے اور یہ ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیف سے نہیں ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور یہی قاضی الباقلانی کا مختار

ہے۔ انہوں نے کہا: سورتوں کی ترتیب واجب نہیں ہے نہ تلاوت میں اور نہ نماز میں اور نہ درس میں اور نہ تعلیم میں، اسی وجہ سے مصاحف میں اختلاف تھا، پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف لکھ لیا گیا تو صحابہ نے اس مصحف کو اس ترتیب کے موافق لکھا جس ترتیب کے موافق وہ مصحف اب ہمارے پاس ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کی مصاحف کی ترتیب میں اختلاف تھا، پھر علامہ الباقلانی نے علامہ ابن بطال مالکی کے کلام کی مثل کو ذکر کیا، پھر کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر سورت کی آیات کی وہ ترتیب جواب ہمارے مصحف میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توقیف سے ہے اور اسی کے مطابق امت نے اس ترتیب کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر نقل کیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے حالانکہ سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی ہے اور اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے المفصل کی ایک سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول اس تحقیق کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ سب سے پہلے درج ذیل آیت نازل ہوئی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق:۱) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝

اور سورۃ العلق میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے، پس ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے پہلے یہ عبارت مقدر ہو کہ یہ سورت اوائل سورتوں میں سے ہو یا سب سے پہلی سورت سے ان کی مراد سورۃ المدثر ہو کیونکہ انقطاع وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی اور اس سورت کے آخر میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سورت کی آخری آیات سورۃ العلق کی باقی آیات سے پہلے نازل ہوگئی ہوں کیونکہ ابتداء میں سورۃ العلق کی صرف پانچ آیات نازل ہوئی تھیں۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا: اس حدیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے جو گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق:۱ نازل ہوئی اور اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے، پس شاید اس سے مراد ہے جو اس سورت کے آخر میں نازل ہوا کیونکہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۰، طبع لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اس پر علامہ عینی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ سب سے پہلے یا تو سورۃ المدثر نازل ہوئی ہے یا سورۃ العلق نازل ہوئی ہے اور ان میں سے ہر ایک میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ سورۃ المدثر میں تو صراحتاً ہے اور سورۃ العلق: ۱۳ اور العلق: ۱۸ میں التزاماً ذکر ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سورۃ العلق میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۷۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کی اس تاویل سے علامہ عینی کا اعتراض نہیں اٹھتا۔

قرآن مجید کے نزول کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے: حتیٰ کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہوگئے تو حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے نزول قرآن میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں توحید کی دعوت دی اور مومن اور اطاعت گزار کو جنت کی بشارت دی اور کافر اور گنہ گار کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا، پھر جب لوگوں کے دل اس سے مطمئن ہو گئے تو پھر ان کے اوپر احکام نازل کیے گئے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر پہلے یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو ضرور لوگ کہتے کہ ہم شراب کو نہیں چھوڑیں گے، پھر جب لوگوں کی طبیعتیں ان احکام پر عمل کرنے سے مانوس ہو گئیں اور وہ اپنی بری عادتوں کے ترک کرنے کے عادی ہو گئے، تو پھر قرآن مجید میں احکام شرعیہ تفصیل سے نازل کیے گئے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء میں احکام کا نزول اور النحاس کے اس قول کا رد کہ سورۃ النساء مکی ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے O (القمر:۴۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے اس حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ سورۃ القمر ابتدائی سورت ہے اور اس میں کوئی حکم نازل نہیں کیا اور سورۃ القمر، سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء پر مقدم ہے اور ان میں بہ کثرت احکام نازل کیے گئے ہیں۔ اس کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو میں اس وقت آپ کے پاس مدینہ میں تھی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے بعد گئی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے نحاس کے اس قول کا رد ہو جاتا ہے کہ سورۃ النساء مدنی ہے اور نحاس کی اپنے زعم پر یہ دلیل ہے کہ سورۃ النساء میں یہ آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۔ بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کر دو۔ (النساء:۵۸)

اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کعبہ کی چابیوں کو حوالہ کرنے کا قصہ تھا لیکن ان کی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ جب کسی طویل مدنی سورت کی ایک آیت یا چند آیات مکہ میں نازل ہوئی ہوں تو یہ اس سورت کے مدنی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔

نزول کے اعتبار سے مدنی سورتوں کی ترتیب اور بعض مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کا نازل ہونا

علامہ ابن الضریس نے فضائل قرآن میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں: البقرہ پھر الانفال پھر الاحزاب پھر المائدہ پھر الممتحنہ پھر النساء پھر اذا زلزلت پھر الحدید پھر القتال (سورۃ محمد) پھر الرعد پھر الدہر پھر الطلاق پھر سورۃ النصر پھر النور پھر المنافقون پھر المجادلہ پھر الحجرات پھر التحریم پھر الجاثیہ پھر التغابن پھر الصف پھر الفتح پھر سورۃ التوبہ اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ سورۃ الکوثر مدنی ہے اور یہی قول معتمد ہے اور سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الرحمٰن اور المطففین اور اذا زلزلت اور الغدیت اور سورۃ القدر اور سورۃ الماعون اور سورۃ الاخلاص اور سورۃ المعوذتین کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، اسی طرح سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن میں بھی اختلاف ہے۔ یہ ان سورتوں کا بیان ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں اور ان میں مکی آیات بھی ہیں اور ان میں سے سورۃ الاعراف بھی ہے۔ یہ بھی مکی

سورت ہے اور اس میں ۱۷۲۔ ۱۶۳ مدنی آیات ہیں، اسی طرح سورۂ یونس بھی مکی ہے اور اس میں یونس: ۹۴ مدنی آیت ہے، اسی طرح سورۂ ہود مکی ہے اور اس میں تین آیتیں مدنی ہیں، اسی طرح سورۂ اسرائیل مکی ہے اور اس میں تین آیتیں مدنی ہیں۔ اسی طرح سورۃ الکہف مکی ہے مگر اس کے شروع کی چند آیتیں مدنی ہیں، اسی طرح سورۂ مریم مکی ہے اور اس میں آیت سجدہ مدنی ہے اور اسی طرح سورۃ العنکبوت اور سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص اور سورۂ لقمان اور سورۃ الزمر اور سورۂ شوریٰ اور سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف اور سورۃ النجم اور سورۃ الواقعہ اور سورۃ المرسلات مکی سورتیں ہیں اور ان میں چند آیات مدینہ میں بھی نازل ہوئیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۳۔۱۸۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۹۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ بْنِ قَيْسٍ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفِ وَمَرْيَمَ وَطٰه وَالْأَنْبِيَاءِ إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف اور سورۃ المریم اور سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء یہ سورتیں العتاق الاول سے ہیں اور یہ سورتیں تلادی ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۸ میں گزر چکی ہے۔

مذکور الصدر سورتوں کے خصوصی ذکر کی توجیہ، اور العتاق الاول اور تلادی کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور یہ سورتیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اسی طرح مرتب ہیں جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں مرتب ہیں۔

اس حدیث میں العتاق الاُول کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جو سورتیں ابتداء میں نازل ہوئیں اور نہایت عمدہ ہیں۔

اور اس حدیث میں تِلَادِی کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جو سورتیں قدیم زمانہ میں نازل ہوئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عتاق عتیق کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: ہر عمدہ چیز اور تِلاد کا معنی ہے: قدیم موروثی مال۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان پانچ سورتوں کو اپنا بہترین سرمایہ قرار دیتے تھے۔

۴۹۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رضی الله عنه قَالَ تَعَلَّمْتُ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ (الاعلیٰ: ۱) قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے خبر دی، انہوں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (مدینہ) آنے سے پہلے یہ آیت سیکھ لی تھی: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ (الاعلیٰ: ۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۲۴ میں گزر چکی ہے۔

ترتیب مصحف کا ترتیب نزول سے مختلف ہونا

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ یہ سورت نزول میں مقدم ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے مصحف کے اواخر میں ہے اور قرآن مجید کی تالیف تقدیم اور تاخیر کے ساتھ ہوئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی ترتیب نزول ترتیب مصحف سے مختلف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۹۶ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَقَدْ تَعَلَّمْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَؤُهُنَّ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ وَدَخَلَ مَعَهُ عَلْقَمَةُ وَخَرَجَ عَلْقَمَةُ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ عِشْرُونَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ آخِرُهُنَّ الْحَوَامِيمُ حم الدُّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزۃ از الاعمش از شقیق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میں ان سورتوں کی) نظائر کو جانتا ہوں جن سورتوں کو "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو دو کر کے ہر رکعت میں پڑھتے تھے" پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (گھر میں داخل ہو گئے) اور ان کے ساتھ علقمہ بھی داخل ہوئے اور علقمہ باہر نکلے تو ہم نے ان سے ان نظائر کے متعلق سوال کیا، پس انہوں نے کہا: مفصل کی پہلی بیس (۲۰) سورتیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تالیف کے موافق ہیں اور ان کی آخری سورتیں الحوامیم ہیں (حم الدخان، عم یتساءلون)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۷۵ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

المفصل کی تعریف اور اقسام

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں المفصل کا ذکر ہے اور المفصل کے متعلق دس اقوال ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ البروج تک جو سورتیں ہیں وہ طوال مفصل ہیں یعنی ان میں بہت طویل آیات ہیں اور سورۃ البروج سے لے کر سورۃ البینہ تک اوساط مفصل ہیں یعنی ان کی آیات متوسط ہیں اور سورۃ البینہ سے لے کر آخر قرآن تک جو آیات ہیں وہ قصار مفصل ہیں کیونکہ ان سورتوں میں بہت چھوٹی چھوٹی آیات ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس رکعات میں بیس (۲۰) سورتیں پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے" اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کی ترتیب کے موافق سورتیں تھیں، دو سورتیں تو الدخان اور عم یتساءلون ہیں اور اٹھارہ سورتیں مفصل کی ہیں اور دو سورتیں آل (حم) کی ہیں۔

نظائر سے مراد یہ ہے کہ ایسی دو سورتیں جو مضمون اور طول اور اختصار کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ اور نظیر ہوں، ایسی سورتوں کی بیس (۲۰) نظائر یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے ان سورتوں کی تفصیل

(۱) آپ سورۃ النجم اور سورۃ الرحمٰن کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۲) اور سورۃ القمر اور سورۃ الحاقہ کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۳) سورۃ والطور اور سورۃ والذاریات کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۴) سورۃ الواقعہ اور سورۃ النون کو ایک رکعت میں

پڑھتے تھے (۵) اور سورۃ المعارج اور سورۃ النازعات کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۶) سورۃ المطففین اور سورۂ عبس کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۷) آپ سورۃ المدثر اور سورۃ المزمل کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۸) آپ سورۃ الدہر اور سورۃ القیامۃ کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۹) آپ سورۃ النبا اور سورۃ المرسلات کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۱۰) اور آپ سورۃ الدخان اور سورۃ التکویر کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ (سنن ابوداؤد:۱۳۹۶)

ایک رکعت میں دو یا دو سے زائد سورتیں پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور ان کے ثبوت میں احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں دو سورتوں کے نظائر پڑھتے تھے۔

ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی اجازت دی ہے اور وہ ایک رکعت میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۸۹)

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق:۵۹۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۹۱۔۳۶۹۰)

اسی طرح سعید بن جبیر اور امام ابوحنیفہ اور عطاء ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے یا ایک سورت کو فرض کی دو رکعت میں پڑھتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق:۵۹۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۹۶)

ابوجعفر ایک رکعت میں دو سورتوں کے ملانے کو مکروہ کہتے تھے، اسی طرح زید بن خالد الجہنی اور ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام اور ابوعبد الرحمن السلمی اور ابوالعالیہ بھی اس کو مکروہ کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۷۱۰۔۳۷۰۸۔۳۷۰۵)

امام مالک نے کہا کہ اگر ایک رکعت میں دو یا تین سورتیں پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہمارے نزدیک ایک سورت کو پڑھنا زیادہ مستحب ہے اور ایک سورت کو دو رکعتوں میں نہ پڑھے اور اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس کے لیے کافی ہے اور دوسری بار یہ کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ عمدہ نہیں ہے۔ (النوادر والزیادات ج۱ ص۱۷۶)

الربیع بن خثیم، النخعی اور عطا نے کہا ہے کہ کوفہ کے فقہاء احناف نے ان تمام صورتوں کی اجازت دی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج۱ ص۳۴۹۔۳۴۷، البنایہ شرح الہدایہ للعینی ج۲ ص۳۶۵، منیۃ المصلی: ص۳۰۶)

امام ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قیام ہو"۔ (سنن ابوداؤد:۱۳۲۵، سنن نسائی:۲۵۲۵، مسند احمد:۱۵۴۰۱)

اور یہ حدیث ایک رکعت میں دو یا دو سے زائد سورتوں کے جمع کرنے پر واضح دلیل ہے کیونکہ تمام نمازوں میں افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قراءت ہو اور طویل قراءت اس صورت میں ہوگی جب ایک رکعت میں کثیر سورتوں کو جمع کیا جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام نے ایسا کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہوں نے بھی ایسا کیا ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک رکعت میں دس سورتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھا کرتے تھے اور قیاس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت بھی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، پس قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام سورتوں کا یہی حکم ہو اور حضرت معبد بن خالد سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات لمبی سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۹۹)

اور عبد اللہ بن شقیق نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کئی سورتوں کو جمع

کرتے تھے؟'' انہوں نے کہا: ہاں! المفصل کی سورتوں کو جمع کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۰۲)
نیز اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے'' پس انہوں نے المفصل کی بیس (۲۰) سورتوں کا ذکر کیا کہ آپ ہر رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے۔
(صحیح البخاری: ۷۷۵، مسند البزار: ۱۷۱۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۱۱۱۔۱۱۰۔۱۰۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے تیار کیے ہوئے مصاحف کا باہمی فرق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میں ان سورتوں کی) نظائر کو جانتا ہوں جن سورتوں کو ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو دو کر کے ہر رکعت میں پڑھتے تھے''۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تیار کیا ہوا مصحف اس مصحف کے مغائر تھا جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیار کیا تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ ہے، پھر سورۃ البقرہ ہے، پھر سورۃ النساء ہے، پھر سورۃ آل عمران ہے اور یہ مصحف ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مصحف ترتیب نزول کے مطابق تھا۔ اس میں سب سے پہلے سورۃ العلق تھی، پھر سورۃ المدثر، پھر سورۃ القلم، پھر سورۃ المزمل، پھر سورۃ التکویر، پھر سورۃ الاعلیٰ اور اسی طرح آخری مکی سورتوں تک پھر مدنی سورتیں۔ واللہ اعلم۔
رہی اس مصحف کی ترتیب جو اس وقت ہمارے پاس ہے تو اس کے متعلق قاضی ابو بکر الباقلانی نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کا حکم دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ہو اور پہلے قول کو ترجیح ہے کیونکہ اس کے بعد جو باب آئے گا اس میں یہ حدیث ہے کہ ''حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے اور وہ آپ کے ساتھ سورتوں کی اسی ترتیب کے ساتھ دور کرتے تھے''۔ ابن الانباری نے اس کو وثوق کے ساتھ کہا ہے اور اس پر اعتراض ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ترتیب نزول کے مطابق سورتوں کا دور کرتے تھے، ہاں! یہ ممتنع نہیں ہے کہ بعض سورتوں یا اکثر سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اگرچہ بعض سورتوں کی ترتیب صحابہ کرام کے اجتہاد سے ہے، اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:
امام احمد، اصحاب السنن، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ آپ نے جو سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کو ملا کر لکھا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ جب کہ سورۃ الانفال مثانی سے ہے (یعنی جن سورتوں میں سو (۱۰۰) سے کم آیات ہیں) اور سورۃ التوبہ المئین میں سے ہے (یعنی جن سورتوں میں سو سے زائد آیات ہیں)۔ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا ہے اور ان دونوں سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں لکھا اور آپ نے ان دونوں سورتوں کو سات (۷) لمبی سورتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ کثرت متعدد آیات پر مشتمل سورتیں نازل ہوتیں، پس جب آپ پر ان میں سے کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلاتے، پس فرماتے: ان آیات کو فلاں فلاں سورت میں لکھ دو اور سورۃ الانفال ان اوائل سورتوں میں سے تھی جو مدینہ میں نازل ہوئی تھیں اور سورۃ التوبہ آخر قرآن میں نازل ہوئی تھی اور اس کا قصہ سورۃ الانفال کے مشابہ تھا تو میں نے یہ گمان

کیا کہ سورۃ التوبہ بھی سورۃ الانفال کا حصہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کا حصہ ہے اھ۔

پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر سورت میں آیات کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ التوبہ کو سورۃ الانفال کے ساتھ ملانے کا حکم نہیں دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے سورۃ التوبہ کو سورۃ الانفال کے ساتھ ملا دیا اور صاحب ''الاقناع'' نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ التوبہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کا لکھنا ثابت ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے نزول سے ہر سورت کی ابتداء ہونا

اور ہر سورت کی ابتداء کی علامت بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کا نزول ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابوداؤد، امام ابن حبان اور امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک کسی سورت کے ختم ہونے کا علم نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نازل ہو جائے''۔ دوسری روایت میں ہے: پس جب بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نازل ہوتی تو صحابہ کو علم ہو جاتا کہ یہ سورت ختم ہوگئی۔

مصحف کی ترتیب کے توقیفی ہونے پر درج ذیل حدیث بھی ہے:

قرآن مجید کی تلاوت کے لیے حزب کو مقرر کرنا

امام احمد اور امام ابوداؤد وغیرہما نے اپنی سند کے ساتھ حضرت اوس بن ابی اوس حذیفہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے اسلام لانے والے وفد میں شامل تھا اور انہوں نے اس حدیث میں کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر قرآن مجید کی تلاوت کا میرا حزب (تلاوت قرآن کا مقررہ حصہ) ابھی باقی ہے، پس میرا ارادہ ہے کہ میں اس وقت تک باہر نہ نکلوں حتیٰ کہ میں اس حزب کو پورا کرلوں''، حضرت اوس نے کہا: پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا کہ آپ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کا حزب کس طرح مقرر کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تین سورتوں اور پانچ سورتوں اور سات سورتوں اور نو سورتوں اور گیارہ سورتوں اور تیرہ سورتوں کا حزب مقرر کرتے ہیں اور المفصل میں سے سورۃ ق کا حزب اس کے اختتام تک ہے۔

اس پر دلیل کہ مصحف عثمانی کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترتیب کے مطابق ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اب جو ہمارے پاس مصحف ہے اس میں سورتوں کی وہی ترتیب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف المفصل کی حزب مقرر ہو نہ کہ ان کے علاوہ قرآن مجید کی سورتیں مرتب ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس ترتیب میں تقدیم اور تاخیر ہو جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ البقرۃ کے بعد سورۃ آل عمران سے پہلے سورۃ النساء کی تلاوت فرمائی۔

اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ راجح یہ ہے کہ المفصل کی سورتیں سورۃ ق سے لے کر آخر قرآن تک ہیں لیکن یہ اس پر مبنی ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو قرآن مجید کے پہلے ثلث میں شمار نہیں کیا گیا، پس جس نے المفصل کو سورۃ الحجرات سے شمار کیا ہے اس پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ المفصل کو سورۃ ق سے شمار کرے اور ائمہ کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابٌ: كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ
حضرت جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کو ایک سال میں جتنا قرآن پہنچاتے تھے ہر سال اس کا دور کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳)

وَقَالَ مَسْرُوقٌ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي۔

اور مسروق نے کہا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از حضرت فاطمہ علیہا السلام، وہ بیان فرماتی ہیں کہ "نبی ﷺ نے مجھ سے یہ سرگوشی کی کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے ہیں اور اس سال انہوں نے میرے ساتھ دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا ہے اور میں اس سے صرف یہی گمان کرایا گیا ہوں کہ اب میری وفات کا وقت آ گیا ہے"۔

قرآن مجید کے معارضہ اور دور کرنے کا معنی

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق اس حدیث کا ایک حصہ ہے جس مکمل حدیث کو امام بخاری نے سند موصول کے ساتھ کتاب علامات النبوت میں روایت کیا ہے اور اس کی شرح کتاب المغازی کے آخر میں الوفاۃ النبویۃ کے باب میں صحیح البخاری: ۴۴۳۰، میں گزر چکی ہے اور معارضہ یا دور کرنے کا معنی یہ ہے کہ دونوں قرآن مجید کو پڑھیں ایک مرتبہ ایک پڑھے، دوسرا سنے اور دوسری بار دوسرا پڑھ اور پہلا سنے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس باب کا عنوان ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے سامنے قرآن مجید کا معارضہ کرتے تھے، معارضہ باب مفاعلہ ہے، اس کا معنی ہے: ہر ایک کا دوسرے کے سامنے (قرآن کو) عرض کرنا اور پیش کرنا، حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال جتنا قرآن مجید نازل کرتے رمضان کے مہینہ میں اس کا آپ کے ساتھ دور کرتے تا کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہر سورت میں کون کون سی آیات ہیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کتنی آیات منسوخ ہو چکی ہیں اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دو مرتبہ تقریر اور تاکید کے لیے قرآن مجید کا دور کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۹۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لِأَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی ﷺ سب سے زیادہ خیر کی سخاوت کرتے تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان کے مہینہ میں کرتے تھے"، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے رمضان کے مہینہ کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے حتیٰ کہ رمضان کا مہینہ

الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ۔ (صحیح مسلم:۲۳۰۸)

ختم ہو جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پس جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس حدیث کی پانچ جگہ روایت کی ہے: (صحیح البخاری: ۳۵۵۴، صحیح البخاری: ۱۹۰۲، صحیح البخاری: ۴۹۹۷، صحیح البخاری: ۳۲۲۰ نیز دیکھیں صحیح مسلم: ۲۳۰۸، سنن نسائی: ۲۰۹۱، مسند احمد: ۲۶۱۶)

حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کے دور کی حکمت

اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا بیان ہے۔
قاضی عیاض نے کہا ہے کہ فرشتہ سے ملاقات کے ساتھ ایمان اور یقین کی تجدید ہوتی ہے اور اس کے ساتھ قرآن کا دور کرنے سے مقامات میں ترقی ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اپنی امت کی تعلیم کے لیے تھا تاکہ وہ بھی صالحین کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کا دور کریں۔

قرآن مجید کے دور کے لیے رمضان کے مہینہ کی تخصیص کی وجوہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور قرآن مجید کے دور کے لیے رمضان کے مہینہ کی تخصیص کی حسب ذیل وجوہ ہیں:
(۱) اس مہینہ کی باقی مہینوں پر فضیلت ہے اور اس مہینہ میں صدقات کا ثواب دگنا چگنا کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اس میں عبادت کا ثواب بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "جس نے اس مہینہ میں کوئی (نفلی) نیک کام کیا وہ ایسا ہے جس طرح اس نے دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا ہو اور جس نے اس مہینہ میں فرض ادا کیا ہو وہ اس طرح ہے جس طرح اس نے دوسرے مہینہ میں ستر فرائض ادا کیے ہوں"۔ (شعب الایمان: ۳۶۰۸، مشکاۃ المصابیح ۱۹۶۵)
زہری نے کہا: رمضان کے مہینہ میں ایک بار تسبیح پڑھنا دوسرے مہینہ میں ستر بار تسبیح پڑھنے سے افضل ہے۔
(سنن ترمذی: ۳۴۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۸۴۳، تہذیب الکمال ج ۳۴ ص ۷۹۔۷۸)
(۲) یہ روزوں کا مہینہ ہے تو آپ اس مہینہ میں لوگوں کو عطا فرماتے اور ان کے ساتھ احسان کرتے تاکہ ان کی سحری اور ان کی عید میں اعانت ہو۔
(۳) اس مہینہ میں انعام زیادہ کیا جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اس مہینہ میں مومن کا رزق زیادہ کر دیا جاتا ہے۔
(صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۸۷، شعب الایمان ۳۶۰۸)

نیز حدیث میں ہے کہ اس مہینہ میں ہر روز دوزخ سے دس لاکھ لوگوں کو آزاد کر دیا جاتا ہے۔

(شعب الایمان: ۳۶۹۵، الفردوس لدیلمی: ۴۹۶۰)

تو اس وجہ سے شارع علیہ السلام نے اس مہینہ میں زیادہ سخاوت فرمائی تاکہ آپ کی سخاوت آپ کے رب کے کرم کے موافق ہو جائے۔

(۴) زیادہ سخاوت کرنا شکر ادا کرنے کی طرح ہے اور شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ نعمت کو زیادہ عطا کرتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (ابراہیم: ۷) اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا۔

تو آپ اس لیے رمضان کے مہینہ میں زیادہ صدقہ کرتے تھے تاکہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس قرآن مجید کا دور کرنے کے لیے آتے تاکہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اور زیادہ کرے اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس ہر سال آتے رہیں۔

(۵) جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو آپ آخرت کا زیادہ معاینہ اور مشاہدہ کرتے، اس لیے آپ کے پاس دنیا کا جو مال ہوتا اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیتے۔

(۶) اس حدیث میں قرآن مجید اور اسی طرح دیگر علوم شرعیہ کے تکرار کرنے کے استحباب کا ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس بات کا ضامن ہے کہ آپ قرآن مجید کو نہ بھولیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۝ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝

اور اس کے لیے رمضان کے مہینہ کو اس لیے خاص کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نازل کیا، اس کے بعد حسب ضرورت اور مصلحت کے مطابق قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرماتا رہا اور تیئس (۲۳) سال میں تدریجاً قرآن مجید کو نازل فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں اٹھائیس (۲۸) سورتیں نازل ہوئیں اور بقیہ سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور چوبیس (۲۴) رمضان میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرہ: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (القدر: ۱) بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے ۝

اور حضرت ابراہیم کے صحیفے رمضان کی پہلی رات میں نازل کیے گئے ہیں اور تورات اور انجیل تیرہ رمضان میں نازل کی گئیں۔

(۷) حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرنے میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کے ساتھ مجلس میں بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے۔

(۸) اس میں یہ ثبوت ہے کہ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کی بہ کثرت تلاوت کرنا مستحب ہے تاکہ آپ کی امت اس پر عمل کرے۔

(۹) اس میں اس پر برانگیختہ کرنا ہے کہ ہر چند کے جود اور سخا ہر وقت میں مستحب ہے لیکن رمضان کے مہینہ میں اور خیر کے مواقع میں اور صالحین کے ساتھ مجلس کے وقت اور ان سے جدا ہونے کے وقت جود و سخا کرنا زیادہ مستحب ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں صالحین اور اہل فضل کی زیارت اور ان کے ساتھ مجالست کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت ہے کہ ان کی بار بار زیارت کرنی چاہیے جب کہ جس کی زیارت کی جائے وہ اس کو ناپسند نہ کرے اور زائر کی زیارت کی وجہ سے اس کا کوئی اہم اور افضل کام ترک نہ ہو ورنہ پھر مستحب یہ ہے کہ اس کی زیادہ زیارت نہ کی جائے۔

(۱۱) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ فقط رمضان کہنا بھی جائز اور درست ہے اور رمضان کا مہینہ کہنا ضروری نہیں ہے کیونکہ

بہ کثرت احادیث میں صرف لفظ رمضان کا ذکر ہے، دیکھیے (صحیح البخاری: ۱۹۰۰۔۱۸۹۸)

(۱۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا تسبیح اور دیگر وظائف پڑھنے سے زیادہ افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام کا بار بار قرآن مجید کے دور کرنے کا اجتماع ہوتا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۳۶۲۔۳۵۲، ملخصاً ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مزید فوائد حسب ذیل ہیں:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بار بار دور کی مجلس کے فوائد اور مسائل

(۱) اس حدیث میں صالحین کے ساتھ مجلس کی برکت کا ثبوت ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ نیک عمل کو بار بار کرنا چاہیے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم فرمایا ہے اور ذکر کے حلقوں کو لازم رکھنے کا حکم فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو چرلیا کرو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! جنت کی کیاریوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ذکر کے حلقے''۔ (سنن ترمذی: ۳۵۱۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۰، مسند ابو یعلیٰ: ۳۴۳۲، کتاب الدعا للطبرانی: ۱۸۹۰، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۳۱۲۔۳۱۱، شعب الایمان: ۵۲۹)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صالح مرد کی مجلس کو عطار کے ساتھ تشبیہ دی ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیک ہم نشیں اور برے ہم نشیں اس طرح ہیں جیسے مشک اٹھانے والا ہو اور لوہار کی بھٹی پھونکنے (دھونکنے) والا ہو، پس مشک اٹھانے والا یا تو تم کو مشک عطا کرے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے یا تم اس سے عمدہ خوشبو حاصل کرو گے اور لوہار کی بھٹی پھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم اس سے بدبو محسوس کرو گے''۔ (صحیح البخاری: ۲۱۰۱، صحیح مسلم: ۲۶۲۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے علماء کی مجلس میں بیٹھو اور ان کے سامنے اپنے زانو تہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۱۰، الفردوس للدیلمی: ۴۵۵۰، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۵، کتاب الزہد لابن المبارک: ۱۳۸۷)

اور دوسری بار حضرت لقمان نے کہا: شاید تمہیں بھی ان کی رحمت پہنچے، پس یہ اہل فضل کی مجلس اور ان کی ملاقات کا ثمرہ ہے۔

(۲) اس حدیث میں نیک اعمال کی برکت کا ثبوت ہے اور یہ کہ نیک اعمال ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں: کیا تم نہیں دیکھتے کہ روزے کی برکت اور حضرت جبریل علیہ السلام کی ملاقات اور ان کے ساتھ قرآن مجید کے دور کی برکت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور آپ کا صدقہ زیادہ ہو گیا حتیٰ کہ آپ برسنے والی بارش سے زیادہ فیاض اور جواد ہو گئے۔

(۳) اور حضرت جبریل علیہ السلام کا رمضان میں نازل ہونا۔ رمضان میں قرآن کریم کی تلاوت عظیم دلیل ہے اور ہر رمضان میں لوگوں کے قرآن پڑھنے کی اصل ہے کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔

(۴) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ مومن جب بھی نیک عمل زیادہ کرے گا تو اس کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیا جائے گا، سو اس کو چاہیے کہ وہ نیکی کا دوسرا دروازہ طلب کرے اور خیر کی طلب میں اپنا ہاتھ بڑھائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور خوف زدہ رہے اور اپنے نیک عمل پر فخر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ درجات کی ترقی کو طلب کرتا رہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۶۷۔۴۷، ملخصاً و مخرجاً و موضحاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار حضرت عثمان کی قراءت کے موافق قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا آخری دور حضرت ابن مسعود کی قراءت کے موافق تھا، ان حدیثوں میں حافظ ابن حجر کی تطبیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رمضان کے مہینہ کی ہر رات میں اس ماہ کے ختم ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آخری بار قرآن مجید کا دور کیا آیا اس میں قرآن مجید کے نازل شدہ ان تمام حروف کا دور کیا تھا جن کے موافق آپ کو قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی یا کسی ایک حرف کے موافق انہوں نے آپ کے ساتھ قرآن کا دور کیا تھا اور اگر کسی ایک حروف کے ساتھ آپ سے دور کیا تھا تو آیا یہ وہ حرف تھا جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں پر جمع کیا تھا یا کوئی اور حرف تھا؟

امام احمد اور امام ابن ابوداؤد اور امام طبری نے عبیدہ بن عمرو السلمانی سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس حرف پر لوگوں کو جمع کیا تھا وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے آخری دور کے موافق ہے۔

اور محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور لوگوں کا یہ گمان تھا کہ ہماری قراءت آخری دور کے موافق ہے۔

اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت سمرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا گیا اور لوگ کہتے تھے کہ ہماری قراءت وہ ہے جو آخری دور کی قراءت ہے۔

اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم کیا گمان کرتے ہو کہ کون سی قراءت آخری قراءت ہے، لوگوں نے کہا: حضرت زید بن ثابت کی قراءت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر سال حضرت جبریل قرآن مجید کو پیش کرتے تھے، پس جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے دو مرتبہ قرآن مجید کو پیش کیا'' اور حضرت ابن مسعود کی قراءت ان میں سے آخری قراءت تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت سمرہ اور ان کے موافقین کی حدیث کے خلاف ہے۔

اور امام مسدد نے اپنی مسند میں ابراہیم النخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرد کو یہ کہتے ہوئے سنا: الحرف الاول یعنی پہلے حرف کے موافق قراءت، حضرت ابن عباس نے فرمایا: حرف اول کون سا ہے؟ تو اس نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں معلم بنا کر بھیجا تو لوگوں نے ان کی قراءت کو حاصل کیا، پس حضرت ابن مسعود نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءت کو بدل دیا، پس وہ لوگ کہتے تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہی حرف اول ہے یعنی پہلی قراءت ہے، تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہی وہ آخری حرف ہے جس کے موافق حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا تھا۔

اور امام نسائی نے ابوظبیان سے روایت کی ہے کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا تم کون سی قراءت کے موافق

پڑھتے ہو؟ تو میں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بلکہ یہی آخری قراءت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پیش کرتے تھے، اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اس موقع پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور ان کو علم ہو گیا کہ قرآن مجید کی کون کون سی آیت کو منسوخ کیا گیا ہے اور کون کون سی آیت کو تبدیل کیا گیا ہے۔

اب یہ دو حدیثیں ہیں، حضرت سمرہ اور ان کے موافقین کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جو آخری بار قرآن مجید کا دور کیا وہ اس حرف یا اس لغت کے موافق تھا جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس صحیح السند حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار جو قرآن مجید کا دور کیا تھا وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا، ایک مرتبہ وہ دور حضرت عثمان کی قراءت کے موافق تھا اور دوسری مرتبہ وہ دور حضرت ابن مسعود کی قراءت کے موافق تھا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

مصنف کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی تطبیق سے شدید اختلاف

میں بڑے ادب اور احترام کے ساتھ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تطبیق سے اختلاف کرتا ہوں کیونکہ تمام امت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کیے ہوئے مصحف کو قبول کیا ہے اور تمام دنیا میں اسی مصحف کے مطابق قرآن مجید کے نسخے تیار کیے گئے ہیں اور اب دنیا میں کہیں بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق کوئی قرآن مجید نہیں ہے اور امام مالک اور دوسرے ائمہ نے حضرت ابن مسعود کے مصحف کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، نیز ان کے مصحف کے مطابق تو سورۃ الفلق اور سورۃ الناس قرآن مجید نہیں ہیں حالانکہ ان کے قرآن مجید ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے، نیز حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں تھے کہ قرآن مجید کے کسی لفظ کو اس کے مترادف لفظ کے ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے مثلاً طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ (الدخان: ۴۴) کی جگہ وہ طَعَامُ الْفَاجِرِ پڑھاتے تھے اور ان کی اس بات کو کسی نے قبول نہیں کیا اور اگر ان کی قراءت کو مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا نہیں ہوگا کیونکہ اس طرح لوگ قرآن مجید کی بہت ساری آیات کو اپنی رائے سے تبدیل کر لیں گے۔ العیاذ باللہ

(سعیدی غفرلہ) ہر چند کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت جبریل نے جو آخری دور کیا وہ حضرت ابن مسعود کی قراءت کے موافق تھا لیکن اس حدیث میں یہ علت قادحہ ہے کہ یہ حدیث امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے سامنے شرمندہ نہ کرے اور ان کے مراتب کو اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو مقبول اور مشکور فرمائے۔ (آمین)

علامہ بدر الدین عینی حنفی اور شیخ سلیم اللہ دیوبندی کا حیرت انگیز سکوت

علامہ بدر الدین عینی عموماً حافظ ابن حجر عسقلانی پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور ان کی غلطیاں نکالتے رہتے ہیں اور ان پر طعن کرتے رہتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ اس باب کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دو حدیثوں میں جو تطبیق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں کے تیار کیے ہوئے مصحفوں کو صحیح قرار دیا اس سے انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اپنے حلقہ میں جامع المعقول والمنقول شمار کیے جاتے ہیں اوران کے حلقہ میں ان کو اس دور کا سب سے بڑا حنفی عالم کہا جاتا ہے۔ انہوں نے فتح الباری کا مطالعہ کر کے اور اس سے استفادہ کر کے صحیح البخاری کی شرح کشف الباری لکھی ہے اوراپنی شرح کے ہر باب میں اور اس باب میں بھی فتح الباری کے حوالے دیئے ہیں لیکن انہوں نے اس سنگین مسئلہ پر قلم نہیں اٹھایا حالانکہ جب حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں کے تیار کیے ہوئے مصحفوں کو صحیح کہا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں قرآن مجید ہوں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کا تقاضا ہے اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس قرآن مجید نہ ہوں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کا تقاضا ہے اور یہ اجتماع نقیضین ہے، پس حیرت ہے کہ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی جن کو ان کے حلقہ میں معقولی عالم کہا جاتا ہے انہوں نے اس اجتماع نقیضین سے کیسے صرف نظر کر لیا۔

(دیکھیے: کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۶۷۔ مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو جو بارش برسانے والی ہواؤں سے تشبیہ دی ہے اس میں آپ کی سخاوت کو بہت زیادہ بتانا مقصود ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو بارش برسانے والی ہواؤں سے تشبیہ دی ہے اور اس تشبیہ میں مبالغہ ہے اور معنوی چیز کو محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے تاکہ سننے والے کی فہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا زیادہ ہونا قریب ہو جائے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلے کہا کہ آپ بہت زیادہ جواد تھے، پھر اس میں زیادہ مبالغہ کا ارادہ کیا تو آپ کی یہ صفت بیان کی کہ آپ بارش برسانے والی ہواؤں کی طرح جواد تھے، پھر اس میں اس سے بھی زیادہ مبالغہ کا ارادہ کیا تو کہا: آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ جواد تھے کیونکہ ہوائیں تو کبھی نہیں بھی چلتیں اور بند ہو جاتی ہیں اور ہواؤں میں سے بعض بانجھ اور نقصان دہ ہوتی ہیں اور بعض خیر کی بشارت دینے والی ہوتی ہیں، پس حضرت ابن عباس نے آپ کی سخاوت کو مطلقاً ہواؤں کے ساتھ تشبیہ نہیں دی بلکہ بارش برسانے والی ہواؤں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو خیر کی بشارت دیتی ہیں اور اس میں درج ذیل آیات مبارکہ کی طرف اشارہ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝

(الفرقان: ۴۹۔۴۸)

اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا O تاکہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں O

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے، پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک

مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمُبۡلِسِيۡنَ ۝ (الروم:۴۹۔۴۸) وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں O اور بے شک وہ اس بارش کے نازل کیے جانے سے پہلے ضرور مایوس تھے O

پس پانی برسانے والی ہوائیں اپنی بھیجے جانے والی مدت میں مسلسل پانی برساتی رہتی ہیں اور منقطع نہیں ہوتیں، اسی طرح رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا عمل بھی دائمی ہے منقطع نہیں ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسناد حقیقی اور مجازی دونوں میں اسم تفضیل کا استعمال فرمایا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی حقیقی ہے اور بارش کی سخاوت مجازی ہے، پس انہوں نے بارش کو اس اعتبار سے جواد فرمایا کہ وہ خیر کو لاتی ہے، پس اس کو سخاوت کرنے والے کے قائم مقام کیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ، اس عبارت میں انہوں اجود کے معمول یعنی بالخیر کو مفضل علیہ یعنی بارش برسانے والی ہواؤں پر مقدم کیا ہے اور اس میں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضرت ابن عباس بالخیر کو الریح المرسلہ یعنی بارش برسانے والی ہواؤں کے بعد ذکر کرتے تو اس سے یہ وہم ہوتا کہ بارش برسانے والی ہوائیں خیر کو لانے والی ہیں اور انہوں نے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے، یعنی آپ مطلقاً بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد اور خصوصاً رمضان کی راتوں میں قرآن مجید کے دور کی حکمتیں

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے درج ذیل فوائد اور مسائل لکھے ہیں:

(۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ اس لیے عظیم ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہے اور اس مہینہ میں حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے اس وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ کثرت نزول ہوتا تھا۔

(۲) حضرت جبریل علیہ السلام کے بہ کثرت نازل ہونے سے وہ برکات حاصل ہوئیں جن کا شمار اور احاطہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ کی فضیلت صرف اس زمانہ میں زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

(۴) دائماً قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے زیادہ خیر حاصل ہوتی ہے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمر کے آخری حصہ میں زیادہ عبادت کرنی چاہیے غالباً اس لیے ہمارے زمانہ میں لوگ بڑھاپے میں حج کرتے ہیں اور نماز کی جماعت سے پہلے مسجدوں میں آجاتے ہیں اور دیر تک مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں۔

(۶) عالم اور فاضل کے ساتھ علم کا مذاکرہ اور تکرار کرنے سے زیادہ حفظ اور نصیحت کا حصول ہوتا ہے۔

(۷) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رمضان کی راتیں رمضان کے دنوں سے زیادہ افضل ہیں کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے رمضان کی راتوں میں قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سے قرآن مجید کی آیات کو ذہن میں حاضر کرنا اور ان کو سمجھنا مطلوب ہے اور دن کی بہ نسبت رات کا وقت اس کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دن کے وقت انسان دینی اور دنیاوی عوارض میں مشغول ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر سال قرآن مجید رمضان کی راتوں میں نازل ہوتا تھا تو آپ رات کے ہر جزء میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ہر رات میں قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور اپنے بدن کو آرام پہنچاتے تھے اور اپنی اہلیہ کے حقوق ادا کرتے تھے اور آپ رات کے اس جزء میں بار بار قرآن مجید کی تلاوت کرتے

تھے تا کہ رمضان کے تمام مہینہ میں قرآن مجید کی برکات شامل رہیں اور اگر یہ تصریح نہ ہوتی کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال ایک بار آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے اور آخری بار انہوں نے دوبار آپ کے ساتھ قرآن کا دور کیا تو یہ ہو سکتا تھا کہ اس سال جتنا قرآن مجید نازل ہوتا آپ اس کو رمضان کی بقیہ راتوں میں دہراتے، اور امام ابو عبید نے داؤد بن ابی ہند سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے شعبی سے کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔ (البقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید کو نازل کیا گیا۔

کیا قرآن مجید سارا سال آپ پر نازل نہیں ہوتا تھا؟ تو شعبی نے کہا: کیوں نہیں! لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی جن آیات کو چاہا محکم کر دیا اور جن کو چاہا ثابت رکھا، اور اس میں قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت جبریل آپ کو محکم اور منسوخ آیات کی تفصیل بتاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۶۔۱۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۹۸۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِينَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں)۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بکر نے حدیث بیان کی از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال میں آپ پر دو بار قرآن مجید پیش کیا گیا اور آپ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۴ میں گزر چکی ہے۔

وفات کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس (۲۰) دن اعتکاف کرنے کی توجیہ

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال دگنا اعتکاف اس لیے کیا تھا کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب آپ کی مدت حیات پوری ہو گئی ہے تو آپ نے عبادت اور نیکی کے کام میں کثرت کا ارادہ کیا تا کہ آپ کی امت کے لیے یہ سنت ہو جائے کہ جب وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں پہنچیں تو عبادت اور نیک کاموں میں زیادہ کوشش کریں تا کہ وہ اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کریں جو ان کی زندگی کے بہترین احوال ہیں اور عبادت کرتے ہوئے ان کو موت آئے اور اس کی دوسری وجہ حسب ذیل حدیث میں ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشروں میں اعتکاف کرتے تھے، پس ایک سال آپ سفر پر گئے اور اعتکاف نہ کر سکے تو اس کے اگلے سال آپ نے بیس راتیں اعتکاف کیا یعنی اعتکاف کی قضا کر لی"۔

(سنن ابو داؤد، ۲۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۰، زوائد المسند ج ۵ ص ۱۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۳۸۹، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۲۵، صحیح ابن حبان: ۳۶۶۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۳۹، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۱۴)

اعتکاف کا سنت مؤکدہ ہونا، بعض صحابہ کے ترک اعتکاف کی توجیہ اور اعتکاف کی حکمت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اعتکاف سنت موکدہ ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اعتکاف پر دوام کیا ہے، پس مومن کو بھی چاہیے کہ وہ اعتکاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور اتباع کرے اور ابن شہاب سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کو ترک کر دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ میں داخل ہوئے آپ نے رمضان کے آخری عشروں میں اعتکاف کو ترک نہیں کیا حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گئے۔

ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ میں ہمیشہ اس پر سوچ و بچار کرتا رہا کہ صحابہ کرام نے اعتکاف کو ترک کر دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائماً اعتکاف کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اور صحابہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرنے والے ہیں حتیٰ کہ میرے دل میں اس کی یہ توجیہ آئی کہ صحابہ کے نزدیک اعتکاف وصال کے روزوں کی طرح ہے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منع فرمایا تھا اور میرا گمان ہے کہ صحابہ نے اعتکاف کو اس کی شدت اور سختی کی وجہ سے ترک کر دیا اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے سوا کسی نے اعتکاف نہیں کیا جن کا نام مغیرہ یا محمد ہے۔

امام ابن المنذر نے کہا ہے: ہم نے عطاء خراسانی سے روایت کی ہے کہ معتکف کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے گرادیا ہو، پھر اس نے کہا ہو: اے میرے رب! میں اس وقت تک یہاں سے نہیں اٹھوں گا حتیٰ کہ تو مجھ پر رحم فرمادے اور اے میرے رب مجھے بخش دے۔

(الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۶۹، شعب الایمان: ۳۹۷۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۶۶۸۔ ۶۶۷، وزارۃ الاوقات، قطر، ۱۴۲۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس (۲۰) دن اعتکاف کرنے میں دو احتمال ہیں یا تو آپ نے آخری سال بیس دن اعتکاف کیا یا جس سال آپ نے رمضان کے وسط میں دس دن اعتکاف کیا تھا تو آپ نے پھر دوبارہ آخری عشرہ میں دس دن اعتکاف کیا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینہ میں بیس دن اعتکاف کیا اور یہ حضرت جبریل علیہ السلام کے فعل کے مناسب ہے کیونکہ انہوں نے اس سال دو مرتبہ آپ کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب وہ ہو جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس دن اعتکاف کرتے تھے، پس ایک سال آپ سفر پر گئے، پس آپ اعتکاف نہ کر سکے تو آپ نے اگلے سال بیس دن اعتکاف کیا اور یہ اس وقت ہوا جب آپ نے رمضان کے مہینہ میں سفر کیا اور یہ تو (۹) ہجری کا واقعہ ہے جب آپ رمضان کے مہینہ میں غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور یہ قصہ اس قصہ کے خلاف ہے جو صحیح بخاری کتاب الصیام میں پہلے گزر چکا ہے (صحیح البخاری: ۲۰۴۵) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرہ کے اول میں اعتکاف کیا اور جب آپ نے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کے لیے مسجد میں اپنے اپنے خیمے لگا دیے تو آپ نے اس اعتکاف کو ترک کر دیا، پھر آپ نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بھی قصہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ قصہ ہو جس کو امام مسلم نے اس باب کی حدیث

میں روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں درج ذیل ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ کے وسط میں اعتکاف کرتے تھے، پس جب اکیس (۲۱) تاریخ آئی تو آپ نے اس مہینہ میں دوبارہ اعتکاف کیا، پھر فرمایا کہ میں نے اس مہینہ کے وسط میں اعتکاف کیا تھا، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ میں مہینہ کے آخر میں اعتکاف کروں، پس آپ نے مہینہ کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا"۔ (صحیح البخاری: ۲۰۴۰۔۲۰۳۶)

پس ہوسکتا ہے ان بیس دنوں کے اعتکاف سے یہ مراد ہو کہ دس دن رمضان کے وسط میں اعتکاف کیا اور دس دن رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٨٧۔١٨٥، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٨۔ بَابُ: الْقُرَّاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرآن مجید کے قاری

اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو قرآن مجید کو حفظ کرنے اور اس کی تعلیم کے درپے ہونے میں مشہور تھے، یہ متقدمین کی اصطلاح ہے اور یہ بھی اصطلاح ہے کہ جو قرآن مجید میں تفقہ حاصل کرے اس کو قاری کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٨٨)

علامہ عینی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٤)

۴۹۹۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ ذَكَرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو از ابراہیم از مسروق حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، پس کہا کہ میں ہمیشہ ان سے محبت کرتا ہوں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "قرآن مجید کو چار مردوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود سے اور سالم سے اور معاذ بن جبل سے اور ابی بن کعب سے رضی اللہ عنہم"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٣٧٥٨ میں گزر چکی ہے۔

جن چار صحابہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا ان کا تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ان چار صحابہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے فارغ تھے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہو کہ آپ کے بعد یہ چار باقی رہیں گے اور ان سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جاسکے گی، لیکن علامہ کرمانی کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ عہد رسالت کے بعد صرف یہ چار صحابہ باقی نہیں تھے بلکہ قرآن مجید کے علم اور تجوید کے بہت زیادہ ماہرین موجود تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت سالم رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوگئے تھے اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوگئے تھے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہے اور ان ہی پر قرآن مجید کی قرات کی ریاست کی انتہاء ہوئی تھی اور حافظ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ان کی وفات پینتالیس (٤٥) ہجری میں ہوئی اور دوسرے قول کے مطابق ان کی وفات اکاون یا باون ہجری میں ہوئی، ان کی نماز جنازہ مروان نے پڑھائی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٥، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢١ھ)

ان چار صحابہ کے علاوہ عہد رسالت میں بے شمار صحابہ حفاظ قرآن تھے، اس پر علامہ ابن ملقن کے بہ کثرت دلائل اور نقول

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار صحابہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم تاکید کے لیے دیا ہے، آپ کی یہ مراد نہیں تھی کہ ان چار کے سوا اور کسی سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل نہ کی جائے۔

بعض شارحین نے ان چار کے علاوہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے، علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ اضافہ محفوظ نہیں ہے اور صحیح قول کے مطابق حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوالدرداء میں سے کسی ایک کا شمار کیا گیا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تمام قرآن کو محفوظ نہیں کیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں یاد کی تھیں اور بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ یہ چار وہ صحابہ ہیں جنہوں نے پورے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع کر لیا تھا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ چاروں خلفاء راشدین نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر اور ابوعمرو الدانی نے ذکر کیا ہے، ابوعمرو نے کہا کہ عہد رسالت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا تھا، حدیث میں ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''تم کتنے دنوں میں قرآن مجید کو ختم کرتے ہو؟''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۵۳)

دوسری روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک ماہ میں قرآن پڑھو، میں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت پاتا ہوں حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: پس قرآن کو سات دنوں میں ختم کرو اور اس میں اضافہ نہ کرو (یعنی سات سے کم دنوں میں قرآن مجید کو ختم نہ کرو)''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۵۴)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا جب ہی تو وہ تین دن میں قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ دوسرے صحابہ کو بھی قرآن مجید حفظ تھا، ان میں سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر حافظ ابن عبدالبر نے کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا گیا ہے، سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں قرآن مجید یاد کر چکا تھا اور اس وقت میری عمر دس سال کی تھی اور ابوعمرو الدانی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے اور حضرت مجمع بن جاریہ کا بھی ذکر کیا ہے، ان کو امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۴)

امام شعبی نے بیان کیا ہے کہ امام ابن عساکر سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت مجمع کی ایک سورت یا دو سورتیں باقی رہتی تھیں۔ (تاریخ دمشق ج ۱۹ ص ۳۱۰-۳۰۹)

اور ان صحابہ کے علاوہ حضرت قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید الانصاری البدری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر امام ابوعبید بن سلام نے ابن لہیعہ کی حدیث میں کیا ہے۔ حبان بن واسع از والد خود از حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: میں کتنے دنوں میں قرآن مجید کو ختم کروں تو آپ نے فرمایا: "پندرہ (۱۵) دن میں، انہوں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا: "ہر جمعہ میں"۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۷۷)

اور ابن لہیعہ کی حدیث میں واسع از عم خود از حضرت سعد بن المنذر الانصاری البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! میں تین دن میں قرآن مجید ختم کرلوں، آپ نے فرمایا: "ہاں! اگر تم کو طاقت ہو"۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۷۹)

اور حضرت عوف بن مالک بن الاوس الاوسی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر ابن حبیب نے المحبر میں کیا ہے۔ (المحبر ص ۲۸۶)

اور حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ہیں، دوسرا قول ہے: وہ بنت عبداللہ بن الحارث ہیں، ان کا ذکر امام محمد بن سعد نے کیا ہے۔
(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۵۷)

امام ابن الاثیر الجزری نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (اسد الغابہ: ۷۶۱۸)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن مجید میں پندرہ آیات سجدہ پڑھائیں جن میں سے تین آیات سجدہ المفصل میں ہیں اور دو آیات سجدہ سورۃ الحج میں ہیں"۔
(سنن ابوداؤد: ۱۴۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۰۵۷، المستدرک ج ۱ ص ۲۲۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۱۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات میں قرآن مجید کو حفظ کرلیا تھا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مشہور ہے کہ میں کم سن لڑکی تھی اور بہت زیادہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتی تھی۔
(صحیح البخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰)

اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جائے گا کہ انہوں نے قرآن مجید کو حفظ نہیں کیا تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چار مردوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، پس حضرت انس کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے علاوہ چار مردوں نے قرآن مجید جمع کیا تھا اور یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو تمام حفاظ قرآن کا علم ہو۔ (المعلم بفوائد مسلم للمازری ج ۲ ص ۳۴۶-۳۴۵)

نیز علامہ مازری نے کہا ہے: ہم نے پندرہ اصحاب کو نقل کیا ہے جن کو قرآن مجید حفظ تھا، پس بعض نے اس تعداد میں اضافہ کیا ہے اور بعض نے اس تعداد میں کمی کی ہے اور بعض نے کہا کہ کسی ایک نے بھی قرآن مجید جمع نہیں کیا ہے۔
(المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۴۵-۳۴۴)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "چار مردوں سے قرآن کو حاصل کرو" (صحیح مسلم: ۲۴۶۴، صحیح بخاری: ۴۹۹۹) اس سے یہ گمان کیا گیا کہ صرف چار صحابہ کو قرآن مجید حفظ تھا لیکن اس حدیث میں دلیل خطاب ہے اور ان چار صحابہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس پر نہیں دلالت کرتا کہ ان چار کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ ائمہ اصول کا اس پر اتفاق ہے کہ دلیل خطاب کی وجہ سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی اور جب دوسروں کی تصریح موجود ہو تو خطاب کی خصوصیت کی وجہ سے ان کی نفی نہیں کی جائے گی۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۳۷۹، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ قرطبی لکھتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ قاضی ابوبکر وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے قرآن مجید کو حفظ کرلیا

اوران میں سے خلفاء اربعہ ہیں اور خبر متواتر سے منقول ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر حفاظ صحابہ شہید ہو گئے تھے جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور جنگ یمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہوئی تھی، پس جو صحابہ اس لشکر میں باقی رہ گئے اور شہید نہیں کیے گئے تھے ان کی تعداد بہت زیادہ تھی جب کہ یہ ایک لشکر تھا تو غور کرو کہ اسلام کے دیگر شہروں میں جو صحابہ کرام مختلف لشکروں میں جہاد کر رہے تھے ان میں سے کتنے ایسے تھے جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا وہ بے شمار تھے اور کوئی عدد ان کی گنجائش نہیں رکھتا، پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ دلیل خطاب سے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان چار صحابہ سے قرآن مجید کو حاصل کرنے کا حکم دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان چار کے ذکر کرنے کی کوئی غرض ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے ذہن میں صرف یہ چار صحابہ مستحضر ہوں۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۳۸۰-۳۷۹، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۱۷ھ)

نیز قاضی ابوبکر نے ذکر کیا ہے کہ بہ کثرت روایات میں مذکور ہے کہ ائمہ اربعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا کیونکہ وہ سابقین اسلام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکریم کرتے تھے اور یہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محراب میں اتنی لمبی سورتیں پڑھتے تھے جن کو صرف وہی لوگ پڑھ سکتے ہیں جو قرآن مجید کے حافظ ہوں، ان میں سے ایک روایت حسب ذیل ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں سورۃ البقرہ پڑھی تو (نماز کے بعد) حضرت عمر نے کہا: سورج نکلنے والا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر سورج نکلتا تو تم ہم کو غافل نہ پاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۴۵، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۸۹)

اور یہ بات معلوم ہے کہ اکثر حفاظ اور قرآن پڑھنے کے مشتاق صحابہ لوگوں کو نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھاتے تھے اور اس کا یہ تقاضا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حافظ قرآن ہوں، اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا لی تھی یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور آپ اس مسجد میں کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت آپ بہت زیادہ روتے تھے جس کو مشرکین کے بچے اور ان کی عورتیں سنتی تھیں۔ (صحیح البخاری: ۴۷۶)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے حافظ ہیں، اسی لیے آپ نے حضرت ابوبکر کو نماز میں مقدم کیا تھا چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''امامت وہ لوگ کرائیں جو قرآن مجید کو سب لوگوں سے زیادہ پڑھنے والے ہوں''۔ (صحیح مسلم: ۶۷۳)

امام ابن ابی شیبہ نے بھی اس حدیث کی مثل حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۶۵)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر کی شہادت کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی جس میں مذکور ہے کہ عمرو بن میمون نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت صبح کی نماز میں سورۂ یوسف یا سورۃ النحل کی تلاوت کر رہے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۰۰)

امام حاکم نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں سورۂ یوسف کی تلاوت کی اور جب انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے ۝ (یوسف: ۸۴)

تو صفوں کے پیچھے بھی ان کی آواز سنی گئی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۹۰)

نیز امام حاکم نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۃ الحج کی تلاوت کی اور اس میں دو سجدے کیے۔
(المستدرک ج ۳ ص ۸۶)

عبدالملک بن عمیر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا علم رکھتے تھے اور ہم سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے اور ہم سب سے زیادہ اللہ کے دین کو سمجھنے والے تھے۔
(المستدرک ج ۳ ص ۸۶)

اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ صفت نہ ہوتی اور وہ سب سے زیادہ قرآن کے قاری نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو قرآن جمع کرنے کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ ملاتے اور حضرت زید بن ثابت کو ان کا تابع نہ کرتے کیونکہ قرآن مجید کو جمع کرنے کے لیے اس کو مقرر کرنا جائز نہیں ہے جو حافظ نہ ہو۔

رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا اور جب باغیوں نے ان کو قتل کرنے کے ارادے سے ان کے ہاتھ پر تلوار ماری تو حضرت عثمان نے کہا: اللہ کی قسم! یہ پہلا ہاتھ ہے جس نے المفصل کو لکھا ہے۔ (الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۱۳۲، المطبرانی: ۱۱۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۹۴)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: تم ان کو قتل کر رہے ہو یہ شب بیدار تھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔
(المطبرانی: ۱۳۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۹۴)

اسی طرح حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی فضیلت اور ان کے مناقب معروف اور مشہور ہیں اور ان کے علم کی وسعت مسلم ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے مشورے کرتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کی تھی اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم سب سے زیادہ قرآن کے قاری ابی بن کعب ہیں اور ہم سب سے عمدہ فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۴۸۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۵۵)

ابو عبدالرحمن السلمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن کا پڑھنے والا نہیں دیکھا، ایک دفعہ انہوں نے صبح کی نماز پڑھائی اور ان سے سورۃ الانبیاء کی ایک آیت رہ گئی تو انہوں نے دوبارہ رجوع کر کے اس آیت کو پڑھ لیا۔ (تقیید المہمل ج ۲ ص ۷۰۸)

پس جب ہمارا یہ قول ثابت ہے تو ثابت ہو گیا کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم کیا تو واجب ہے کہ وہ قرآن مجید کے حفاظ ہوں اور یہ ان روایات سے اولیٰ ہے جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار حفاظ قرآن تھے اور ان میں وہ صحابہ نہیں ہیں جو دین کے قائد ہیں اور مسلمانوں کے مقتداء ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۰۔ ۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ قرآن سے محبت رکھنی چاہیے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن مجید کو چار مردوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود سے اور سالم سے اور معاذ بن جبل سے اور ابی بن کعب سے رضی اللہ عنہم"۔

ان چار میں سے دو مہاجر ہیں جن سے اس حدیث میں ابتداء کی گئی ہے اور دو انصار میں سے ہیں اور وہ حضرت سالم بن معقل مولیٰ ابو حذیفہ ہیں اور حضرت معاذ بن جبل ہیں رضی اللہ عنہم۔

اور اس سے پہلے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے مناقب گزر چکے ہیں اور سب سے پہلے اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ان کے متعلق فرمایا کہ میں اس وقت سے ان سے محبت کرتا ہوں جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار مردوں سے قرآن حاصل کرو اور آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابتداء کی'' اور اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس مرد سے محبت کرنی چاہیے جو قرآن مجید پڑھنے میں ماہر ہو، آپ نے ان چار کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا حالانکہ دوسرے صحابہ بھی حفظ قرآن میں ان کے شریک تھے۔

صرف ان چار صحابہ سے حصول قرآن کے متعلق علامہ کرمانی کی توجیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس پر رد اور صحیح توجیہ کا بیان

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ ہو کہ آپ یہ خبر دیں کہ آپ کے بعد کون حافظ قرآن ہوں گے یعنی یہ صحابہ حفظ قرآن کے ساتھ باقی رہیں گے اور اس میں منفرد ہوں گے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صرف یہ چار صحابہ آپ کے بعد حفظ قرآن میں منفرد نہیں تھے بلکہ بے شمار صحابہ عہد رسالت میں تجوید قرآن کے ماہر تھے اور حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جنگ یمامہ میں شہید کر دیا گیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہو گئی اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آخر زمانہ تک زندہ رہے اور ان پر قراءت کی ریاست ختم ہو گئی اور وہ ان کے بعد ایک طویل زمانہ تک زندہ رہے، پس ظاہر یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار صحابہ سے قرآن مجید کو حاصل کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت دیگر حفاظ صحابہ بھی موجود تھے اور آپ کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت حفظ قرآن میں ان صحابہ کا کوئی اور شریک نہ ہو بلکہ اس وقت صحابہ میں حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جن کو ان چاروں کی طرح قرآن مجید حفظ تھا اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ غزوہ بئر معونہ میں جو صحابہ شہید کیے گئے ان کو القراء کہا جاتا تھا اور وہ ستر (۷۰) مرد تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح صحیح بخاری کی بیان کردہ تخصیص کی توجیہ

امام ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ان چار صحابہ کو اس لیے خاص فرمایا کہ ان کو قرآن مجید کے الفاظ زیادہ منضبط تھے اور دوسروں کی بہ نسبت ان کی ان الفاظ کی ادائیگی زیادہ مستحکم تھی اگرچہ دوسرے صحابہ کو قرآن مجید کے معانی کا زیادہ تفقہ حاصل تھا، یہ اس وجہ سے کہ یہ چار صحابہ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کو بالمشافہ حاصل کرنے کے لیے زیادہ فارغ تھے اور آپ کی یہ مراد نہیں تھی کہ ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا۔ (ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حفظ قرآن کا ان چار صحابہ میں حصر نہیں ہے، ان چار کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت یہ چار صحابہ زیادہ جید قاری تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

ان چار صحابہ کی اس لیے تخصیص فرمائی کہ یہ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت قرآن مجید کے الفاظ کو زیادہ منضبط کرنے والے تھے اور ان الفاظ کو زیادہ مستحکم طریقہ سے ادا کرنے والے تھے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۹ ص ۹۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۰۰۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ خَطَبَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ وَاللهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنِّي مِنْ أَعْلَمِهِمْ بِكِتَابِ اللهِ وَمَا أَنَا بِخَيْرِهِمْ قَالَ شَقِيقٌ فَجَلَسْتُ فِي الْحِلَقِ أَسْمَعُ مَا يَقُولُونَ فَمَا سَمِعْتُ رَادًّا يَقُولُ غَيْرَ ذَلِكَ

(صحیح البخاری: ۶۲۸۲، صحیح مسلم: ۲۴۶۲، سنن نسائی: ۵۰۷۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شقیق بن سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، پس فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زائد سورتیں حاصل کی ہیں اور اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے ان سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم ہے حالانکہ میں ان سے افضل نہیں ہوں شقیق نے کہا: پس میں صحابہ کے حلقوں میں بیٹھ کر سنتا تھا کہ وہ لوگ کیا کہتے تھے؟ لیکن میں نے کسی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات کا رد نہیں سنا جو اس کے سوا کوئی اور بات کہتا ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ مصحف پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تبصرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زائد سورتیں حاصل کی ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ نے اس حدیث کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس کے شروع میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ۔ (آل عمران: ۱۶۱) اور جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کس کی قراءت کے موافق مجھے قرآن پڑھنے کا حکم دیتے ہو؟ حالانکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھ چکا ہوں اور میں نے آپ کے دہن اقدس سے ستر (۷۰) سے زیادہ سورتیں سنی ہیں۔

اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیا اور آل عمران: ۱۶۱ کی تلاوت کی، پھر فرمایا: ان لوگوں نے تمہارے مصاحف میں خیانت کی ہے اور تم مجھے کس طرح حکم دیتے ہو کہ میں زید بن ثابت کی قراءت کے موافق پڑھوں حالانکہ میں نے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے سنی ہے۔

خمیر بن مالک نے بھی اس کی مثل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں مذکور ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گزشتہ مصاحف کو مٹانے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو برا لگا اور انہوں نے فرمایا: کیا میں ان آیات کو ترک کر دوں جن کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے، پھر فرمایا: ”جو شخص اپنے مصحف میں خیانت کرنا چاہتا ہے وہ خیانت کرے“۔

کتاب اللہ کا زیادہ علم مطلقاً فضیلت کو مستلزم نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے ان سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم ہے حالانکہ میں ان سے افضل نہیں ہوں۔

اعمش کی دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ کسی صحابی کو مجھ سے زیادہ علم ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا، نیز انہوں نے کہا: حالانکہ میں ان سے افضل نہیں ہوں یعنی کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ مطلقاً سب سے افضل ہوں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے صحابہ دوسرے علوم میں ان سے زیادہ افضل ہوں۔

امام بخاری کی اس حدیث کا زہری کی روایت سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے: شقیق بن سلمہ نے کہا کہ میں صحابہ کے حلقوں میں بیٹھ کر سنتا تھا کہ وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ لیکن میں نے کسی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کا رد نہیں سنا جو اس کے سوا کوئی اور بات کہتا ہو۔

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ شقیق نے کہا کہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے حلقوں میں بیٹھا، پس میں نے کسی سے نہیں سنا کہ وہ حضرت ابن مسعود کا رد کرتا ہو یا ان کی مذمت کرتا ہو، اور ابن شہاب کی دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت ابن مسعود منبر سے اترے تو میں حلقہ میں جا کر بیٹھ گیا، پس ان میں سے کوئی بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات کا رد نہیں کر رہا تھا، ان دونوں روایتوں میں یہ فرق ہے کہ اس روایت میں خصوصیت کے ساتھ اہل کوفہ کا ذکر ہے جہاں حضرت ابن مسعود نے خطبہ دیا تھا اور صحیح مسلم کی روایت میں مطلقاً صحابہ کا ذکر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت ابن مسعود کا انکار نہیں کرتا تھا خواہ وہ کوفی ہوں یا غیر کوفی ہوں۔

زہری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ناپسند کیا اور یہ روایت صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ ان کے قول کو کسی نے ناپسند نہیں کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت حضرت ابن مسعود کے ان اصحاب کے متعلق ہے جو کوفہ میں تھے اور زہری کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصحاب کے متعلق ہے جو کوفہ میں نہیں تھے۔

آخر کار حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءت کی طرف رجوع کر لینا

زہری نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے حضرت ابن مسعود کے قول کو ناپسند کیا تو اس سے زہری کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے حضرت عثمان رضی رضی اللہ عنہ کے گزشتہ مصاحف کو مٹانے کے حکم کو جو خیانت سے تعبیر کیا تھا اس کو بعض صحابہ نے ناپسند کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مصاحف میں خیانت سے مراد یہ تھی کہ ان مصاحف کو چھپایا جائے تا کہ ان کا ظہور نہ ہو اور وہ معدوم ہو جائیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف تھی اور ان کے موافقین کی رائے کے خلاف تھی جو یہ کہتے تھے کہ صرف اس ایک قراءت پر اقتصار کیا جائے جس کو حضرت عثمان نے مرتب کیا تھا اور باقی قراءات کو تلف کر دیا جائے یا ان کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت زید بن ثابت کی قراءت کو بغیر کسی دلیل کے ترجیح دینا ان کے نزدیک ترجیح بلا مرجح ہے اس لیے وہ اپنی قراءت پر قائم رہے اور امام ابن ابوداؤد نے ایک باب میں یہ روایت کی ہے کہ بعد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کیے ہوئے مصحف سے راضی ہو گئے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحابہ کرام کی باہمی تلخیوں اور ناراضگیوں کے متعلق مصنف کا موقف

میں کہتا ہوں کہ اس باب کی شرح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت تلخ باتیں کی ہیں اور اس سے پہلے صحیح البخاری: ۴۹۸۷، کی شرح میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت تلخ باتیں کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طنز کیا اور کہا: مجھے مصاحف کے لکھنے سے معزول کر دیا گیا اور اس مرد کو مصاحف کے لکھنے پر مامور کیا گیا ہے کہ اللہ کی قسم جب میں اسلام لایا تو وہ کافر مرد کی پشت میں تھا یعنی حضرت زید بن ثابت۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۶)

سو ہمیں ان باتوں میں نہیں پڑنا چاہیے، ہمارے نزدیک تمام صحابہ محترم ہیں، وہ سب دین کا ستون ہیں اور دین اسلام کے لیے ان کی عظیم الشان خدمات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ۔ (الحدید:۱۰)

(اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کی مساعی کو مشکور فرمایا ہے اور ان کو جنت کی اور فوز عظیم کی بشارت دی ہے، اگر دنیا میں بعض صحابہ کا بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رہا اور رنجشیں رہیں جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا یا جیسے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں اور دونوں طرف سے مسلمان شہید ہوئے تو ان کا یہ اختلاف صرف دنیا میں تھا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے کدورتوں اور باہمی رنجشوں کو مٹا دے گا اور وہ سب شیر وشکر ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ؕ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ (الحجر: ۴۷-۴۵)

بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے O (ان سے کہا جائے گا:) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ O اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے O

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متقین ہیں اور آخرت میں وہ سب جنت اور چشموں میں ہوں گے اور دنیا میں ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں جو رنجشیں تھیں اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے دلوں سے وہ رنجشیں نکال لے گا اور وہ سب جنت میں ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، پس حضرت ابن مسعود اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سب جنتوں میں ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر خوشی خوشی بیٹھے ہوں گے اور ایک دوسرے سے راضی ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور اس نے ان کو راضی کر دیا ہے اور ان کو جنت الفردوس اور عظیم کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ! ہم بھی ان کے نام لیوا اور ان کے عقیدت مند ہیں، ان کے متبع ہیں تو ہم سے بھی راضی ہو جانا اور ہمیں بھی ان کے توسل اور صدقہ سے جنت الفردوس اور عظیم

کامیابی سے نوازنا۔ (امین یا رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین)

۵۰۰۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ سُورَةَ يُوسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هَكَذَا أُنْزِلَتْ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحْسَنْتَ وَوَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَجْمَعُ أَنْ تُكَذِّبَ بِكِتَابِ اللهِ وَتَشْرَبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ

(صحیح مسلم: ۸۰۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۸۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حمص میں تھے، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو ایک مرد نے کہا: یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سورت پڑھی تو آپ نے فرمایا: "تم نے بہت عمدہ تلاوت کی ہے"، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے شراب کی بدبو محسوس کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو اللہ کی کتاب کی تکذیب کو اور شراب پینے کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے؟ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے اوپر شراب کی حد جاری فرمائی۔

شراب کی بدبو پانے پر حد جاری کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے شراب کی بدبو محسوس کی تو اس پر حد جاری کی۔

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام مالک اور ان کے اصحاب کی اور اہل حجاز کی ایک جماعت کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شراب کی بو سے حد واجب ہو جاتی ہے جب حاکم کے سامنے دو متقی مرد اس کی گواہی دیں اور امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا قول اس کے خلاف ہے، وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس مرد نے شراب پینے کا اعتراف کر لیا تھا اس لیے حضرت ابن مسعود نے اس پر حد جاری کی، دوسرا سوال یہ ہے کہ حد تو خلیفہ جاری کرتا ہے اور حضرت ابن مسعود تو خلیفہ نہیں تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود اس وقت خلیفہ کے نائب تھے۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۴۰، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۱۹۷۔۱۹۶، المنتقی ج ۳ ص ۱۴۲، الفروع ج ۶ ص ۸۲)

جس مرد نے قرآن مجید کی تکذیب کی تھی اس کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تکفیر نہیں کی، اس کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے: تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تکذیب کرتا ہے یعنی اپنی جہالت سے بعض آیات کا انکار کرتا ہے، اس سے حضرت ابن مسعود کی یہ مراد نہیں تھی کہ وہ حقیقی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اگر وہ حقیقی تکذیب کرتا تو کافر ہو جاتا اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہو جاتے کیونکہ قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۱۔۶۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابن مسعود نے اس شخص پر شراب نوشی کی وجہ سے جو حد لگائی اس کی علامہ نووی شافعی کی طرف سے تاویلات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی سوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے شراب کی بدبو محسوس کی تو اس پر حد لگائی۔
امام مسلم کی روایت میں ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم یہاں سے مت جانا حتیٰ کہ میں تم پر حد لگادوں، پس میں نے اس پر حد لگادی۔

علامہ نووی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس کو حد لگانا اس پر محمول ہے کہ ان کو حد لگانے کی ولایت حاصل تھی، بالعموم یا بالخصوص وہ اس میں خلیفہ کے نائب تھے اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس مرد نے بلاعذر شراب پینے کا اعتراف کرلیا تھا ورنہ صرف شراب کی بدبو سے کسی شخص پر حد واجب نہیں ہوتی اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس نے جہالت کی وجہ سے قرآن مجید کی بعض آیات کا انکار کیا تھا کیونکہ اگر وہ حقیقتاً ان آیات کی تکذیب کرتا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو کافر قرار دے دیتے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ جو شخص کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے جس کے قرآن ہونے پر اجماع ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ الی آخرہ۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس پر حد لگائی، اس سے مراد یہ ہے کہ حد لگانے کا حضرت ابن مسعود کی طرف اسناد مجازاً ہے یعنی انہوں نے خلیفہ تک اس کا یہ جرم پہنچایا، پھر خلیفہ کے حکم سے اس پر حد لگائی، پس وہ حد لگانے کا سبب تھے تو اس حدیث میں سبب کی طرف اسناد ہے اور یہ اسناد مجازی ہے اور پہلا احتمال زیادہ واضح ہے۔

حضرت ابن مسعود کے حد لگانے کی علامہ قرطبی مالکی کی طرف سے تاویلات اور ان پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اس لیے خود حد لگائی کیونکہ خلیفہ نے حد لگانے کا منصب ان کے سپرد کر دیا تھا اور ان کو اس پر ولایت حاصل تھی، دوسری تاویل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کی طرف سے اس واجب کام کو ادا کیا، تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتداء میں کوفہ کے گورنر تھے۔ علامہ قرطبی کی عبارت ختم ہوئی۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ قرطبی کی دوسری تاویل عمدہ ہے اور آخری تاویل میں علامہ قرطبی اس بات سے غافل رہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ حمص کا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حمص کے گورنر تھے بلکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حمص میں جہاد کرنے کے لیے گئے تھے۔

محض شراب کی بدبو کی وجہ سے شراب کی حد لگانے کے متعلق فقہاء مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے مذاہب

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان فقہاء کے خلاف حجت ہے جو صرف شراب کی بدبو کی وجہ سے حد لگانے کو منع کرتے ہیں جیسے فقہاء احناف ہیں اور امام مالک اور ان کے اصحاب اور اہل حجاز کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے کیونکہ فقہاء شافعیہ شراب کی بدبو کی وجہ سے حد لگانے کو واجب کہتے ہیں اور مانعین یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے شراب نوشی کا اقرار کرلیا ہو اس وجہ سے شراب کی بدبو کی وجہ سے حد لگانے کی دلیل ساقط ہوگئی اور علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے "المغنی" میں یہ بیان کیا ہے کہ محض شراب کی بدبو کی وجہ سے شراب کی حد لگانے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ صرف شراب کی بدبو کی وجہ سے حد نہ لگائی جائے بلکہ اس کے ساتھ قرینہ بھی ضروری ہے مثلاً یہ کہ وہ نشہ کی حالت میں پایا گیا ہو یا یہ کہ وہ ایسی جماعت کے ساتھ

پایا گیا ہو جو فسق میں مشہور ہوں اور ان سے شراب بھی ملی ہو اور ان میں سے کسی ایک سے شراب کی بدبو آ رہی ہو۔

علامہ ابن المنذر نے بعض متقدمین سے یہ نقل کیا ہے کہ محض شراب کی بدبو سے اس وقت حد واجب ہوتی ہے جب کسی شخص کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ دائماً شراب پیتا ہے۔

اور اسی تفصیل کے مطابق کہا گیا ہے کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو یہ شک ہو کہ آیا اس سے ہوا خارج ہوئی یا نہیں، پس اگر اس کو بدبو بھی آئی ہو تو یہ اس کے وضو ٹوٹنے کی دلیل ہوگی، پس وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اسی پر محمول ہے کہ جب اس کو صرف ہوا خارج ہونے کا شک ہو اور بدبو آنے کا قرینہ نہ ہو تو پھر وہ وضو نہیں کرے گا اور ہم ان شآء اللہ کتاب الحدود میں اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

اس شخص کی تکذیب قرآن کے باوجود اس کو کافر نہ قرار دینے کے متعلق علامہ نووی شافعی کے جواب پر حافظ ابن حجر کا تبصرہ

علامہ نووی نے تیسرے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص کے انکار قرآن کے باوجود اس کو اس لیے کافر نہیں قرار دیا کہ اس نے جہالت کی وجہ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تکذیب کی تھی ورنہ جو قرآن مجید کے ایک حرف کا بھی انکار کرے وہ کافر ہو جائے گا۔ علامہ نووی کا یہ جواب بہت عمدہ ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس مرد نے حضرت ابن مسعود کو جھوٹا کہا ہو اور قرآن مجید کی تکذیب نہ کی ہو اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے کہا: یہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس آیت کے نازل ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس کیفیت اور قراءت کے ساتھ اس آیت کو پڑھ رہے تھے اس نے حضرت ابن مسعود کی اس قراءت کا انکار کیا تھا اور اس کی مزید بحث ان شاء اللہ کتاب الطلاق میں آئے گی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۰۔۱۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کی اس شرح کو اپنے طریقہ سے لکھ دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۳۔۳۶)

۵۰۰۲۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَ أُنْزِلَتْ وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللّٰهِ تُبَلِّغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۴۶۳، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۶۱۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل کی گئی مجھے اس کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی اور کتاب اللہ کی جو آیت بھی نازل ہوئی مجھے اس کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق نازل کی گئی اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے اور وہ اونٹوں کے سفر کی مسافت پر ہوتا تو میں ضرور

سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔

ضرورت کے وقت بغیر فخر کے خود اپنی فضیلت بیان کرنے کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہوتا کہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے اور وہ اونٹوں کے سفر کی مسافت پر ہوتا تو میں ضرور سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔

امام ابوعبیدۃ نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اونٹ مجھے اس شخص تک پہنچا دیں گے جس کو مجھ سے زیادہ اللہ کی کتاب یاد ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اونٹوں پر سفر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ وہ سمندری سفر نہیں کرتے تھے اس لیے خشکی کے سفر کی قید لگائی یا اس وجہ سے کہ ان کو یہ یقین تھا کہ کوئی انسان ان سے زیادہ قرآن کا علم نہیں رکھتا، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان بہ قدر ضرورت اپنی فضیلت کو ظاہر کر سکتا ہے اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور جن احادیث میں اپنی فضیلت خود بیان کرنے کی مذمت ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ جب انسان فخر اور کبر کی وجہ سے اپنی فضیلت کو بیان کرے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے بھی بعینہٖ یہی شرح کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۰۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ تَابَعَهُ الْفَضْلُ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن مجید جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: چار مردوں نے وہ سب انصار میں سے تھے: حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم"۔

اس حدیث میں حفص بن عمر کی متابعت الفضل نے کی ہے از حسین بن واقد از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے والے جن چار صحابہ کا ذکر ہے ان میں سے چوتھے صحابی حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام قیس بن السکن بن قیس بن زعوراء بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار ہے۔

یہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں حاضر تھے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں چودہ (۱۴) ہجری میں شہادت پائی، اور امام

ذہبی نے الاسماء میں ان کا نام قیس بن سکن بن بنی عدی بن النجار لکھا ہے، اور ابوزید بدری صحابی ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور علامہ ذہبی نے ''الکنی'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابوزید اوسی ہیں اور دوسرا قول ہے کہ وہ معاذ انصاری ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

ان چار انصاری صحابہ میں سے تیسرے صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جو کاتب وحی تھے۔غزوۂ بدر کے وقت یہ کم سن تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں حاضر تھے۔

روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت عمارۃ بن حزم کے پاس تھا، پس وہ جھنڈا ان سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: ''ان کو تم سے بہت زیادہ قرآن یاد ہے''۔

(المستدرک ج ۳ ص ۴۲۱، الاستیعاب ج ۲ ص ۱۱) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۴۱۸۔۴۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۳۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت بن الضحاک بن زید بن لوذان ابن عمرو البخاری رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے اور انصار کے سرداروں میں تھے، بیعت الرضوان میں حاضر تھے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تلاوت کی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن مجید جمع کیا اور یرموک کی غنیمتوں کی تقسیم پر مامور کیے گئے، ان سے بانوے (۹۲) احادیث مروی ہیں۔ پانچ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور چار (۴) احادیث میں امام بخاری منفرد ہیں اور ایک (حدیث) میں امام مسلم منفرد ہیں۔ حضرت زید بن ثابت سے روایت کرنے والوں میں ابن عمر، انس، سلیمان یسار، خارجہ بن زید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

یحییٰ بن سعید نے کہا: جب حضرت زید کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: اس امت کے سب سے بہتر شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ پینتالیس (۴۵) ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور کہا گیا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اسی (۸۰) سال تھی اور یہ بھی قول ہے کہ اس وقت ان کی عمر اکاون (۵۱) سال تھی۔ (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۸۴۔۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث میں مذکور چاروں انصاری صحابہ کے اسماء اور حضرت ابوزید کے متعلق متعدد اقوال

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کا نام قیس بن السکن ہے، یہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور حضرت ابوعبید کے پل کے دن ان کو حضرت عمر کی خلافت میں شہید کیا گیا، ان کی اولاد نہیں تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور وہ ابن الضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک النجار ہیں۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، یہ ابن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ ہیں جو عدی بن عمرو بن مالک بن النجار کے بھائی ہیں، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان کے مناقب میں گزر چکا ہے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، ان کا نام عویمر بن زید بن قیس بن عبسہ بن امیہ بن مالک بن عامر ہے جو عدی کے بیٹوں کے بھائی ہیں جو ثعلبہ کے بھائی ہیں جو کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج کے بیٹے ہیں۔

بنو الحارث الخزرج میں الاوس ابن حارثہ کے بھائی ابوزید بھی ہیں اور ثابت بن زید غزوۂ احد میں اور اس کے بعد کے مشاہد میں حاضر تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا، پھر وہ بصرہ میں چلے گئے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے۔

اور حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میرے دادا ہیں اور وہ ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ میں فوت ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: اس زمین میں علم کو دفن کر دیا گیا۔

اور تیسرے ابوزید سعد بن عبید بن النعمان اوسی ہیں یہ وہی ہیں، جن کو سعد القاری کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ صحابہ میں سے اور کسی کو قاری نہیں کہا گیا اور انصار میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا اور قبیلۂ اوس میں ان کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر تھے، کہا گیا ہے کہ یہ جنگ قادسیہ میں سولہ ہجری میں شہید ہو گئے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۳۔ ۶۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کو جمع کرنے والے صرف قبیلہ خزرج، کے چار انصار مرد تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن مجید جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: چار مردوں نے وہ سب انصار میں سے تھے۔

امام طبری نے قتادہ کی سند سے اس حدیث کی ابتداء میں یہ ذکر کیا ہے کہ اوس اور خزرج کے دو قبیلوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا، پس اوس نے کہا: ہم میں سے چار مرد ہیں (جو بے نظیر ہیں): (۱) ان کے لیے عرش متحرک ہوا اور وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں (۲) ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے اور وہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں (۳) ان کو وفات کے بعد فرشتوں نے غسل دیا اور وہ حضرت حنظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں (۴) ان کی لاش کی شہد کی مکھیوں نے حفاظت کی اور وہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، پس خزرج نے کہا: ہم میں چار ایسے مرد ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا اور ان کے سوا کسی اور نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا یعنی حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان چار صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہے اور اس اشکال کے نو جوابات

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان چار انصاری مردوں کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہے، پھر اس حدیث میں مذکور حصر کس طرح صحیح ہوگا، اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس حدیث میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اس لیے ان چار صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ کا قرآن مجید جمع کرنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو ان جمیع وجوہ اور جمع قراءات کے ساتھ جمع نہیں کیا جن وجوہ اور قراءات کے ساتھ قرآن مجید نازل ہوا تھا۔

(۳) قرآن مجید کی ناسخ اور منسوخ آیات کی تصریح کے ساتھ ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔

(۴) اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ ان چار صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ اور آپ کے دہن اقدس سے سن کر قرآن مجید کو جمع کیا، اس کے برخلاف دوسرے صحابہ نے بالواسطہ سن کر قرآن مجید کو جمع کیا۔

(۵) ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کر کے اس کی تعلیم دی اور وہ قرآن مجید کو جمع کرنے میں مشہور ہو گئے، اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کا قرآن مجید کو جمع کرنا مخفی رہا، انہوں نے ریا کاری اور فخر کے خطرہ کی وجہ سے اپنے اس کام کو ظاہر نہیں کیا اور جن چار صحابہ نے اپنے اس کام کو ظاہر کیا تھا وہ ریا کاری اور فخر کے خطرہ سے مامون تھے۔

(۶) قرآن مجید کو جمع کرنے سے مراد ان کو لکھنا ہے اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ دوسرے صحابہ نے اپنے ذہن میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا اور ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو اپنے ذہن میں حفظ بھی کیا اور اس کو لکھ بھی لیا۔

(۷) اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ ان چار کے سوا کسی نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا، اس کے برخلاف دوسرے صحابہ نے آپ کی زندگی میں قرآن مجید کو حفظ نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی وفات کے وقت قرآن مجید کو حفظ کیا تھا یہاں تک کہ قرآن مجید کی آخری آیت نازل ہو گئی، نیز جب قرآن مجید کی آخری آیت نازل ہوئی تو ان چار صحابہ کے علاوہ ان دوسرے صحابہ میں سے کوئی حاضر نہیں تھا جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔

(۸) اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے قرآن مجید کو سن کر اطاعت کی اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا کیونکہ امام احمد نے کتاب الزہد میں ابو الزاہریہ سے یہ روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میرے بیٹے نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے تو انہوں نے کہا: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، قرآن کو جمع کرنے والا وہ ہے جو اس کو سن کر اس کی اطاعت کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ان اکثر جوابات میں تکلف ہے خصوصاً آخری جواب میں کیونکہ دوسرے قرآن کو جمع کرنے والے صحابہ بھی قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے والے تھے۔

(۹) یا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ صرف خزرج نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے نہ کہ اوس نے، پس یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ اوس اور خزرج کے علاوہ دیگر مہاجرین اور ان کے بعد تابعین نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہو اور اس جواب کا مستبعد ہونا مخفی نہیں ہے۔

ان چار صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ کے قرآن مجید جمع کرنے کے ثبوت میں احادیث صحیحہ

(۱) جو چیز بہ کثرت احادیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا اور یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے صحن میں قرآن مجید پڑھتے تھے (صحیح البخاری: ۲۲۹۷) اور یہ اس پر محمول ہے کہ جتنا قرآن مجید نازل ہوتا تھا اس کو حضرت ابوبکر پڑھتے تھے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے قرآن مجید حاصل کرنے کی شدید حرص تھی اور وہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لازم رہتے تھے جیسا کہ ہجرت کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر صبح اور شام آتے تھے (صحیح البخاری: ۳۹۰۵) اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قوم کی امامت وہ مرد کرے جو اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو (صحیح مسلم: ۶۷۳) اور یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہو گئے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری: ۶۸۲) پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔

(۲) یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ترتیب نزولی کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

(۳) امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے قرآن مجید کو

جمع کیا اور میں ہر رات میں پورا قرآن پڑھتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: "تم ایک مہینہ میں (پورا) قرآن پڑھو"۔ (الحدیث) (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۶، صحیح ابن حبان: ۷۵۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۶۴، سنن نسائی: ج ۳ ص ۱۴۹)

(۴) اور یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا۔
(صحیح البخاری: ۴۹۹۹)

اور یہ تمام صحابہ مہاجرین میں سے تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت سالم رضی اللہ عنہم۔

(۵) اور امام ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرآن مجید کے قاری تھے، پس انہوں نے مہاجرین میں سے خلفاء اربعہ کو شمار کیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مردوں میں سے شمار کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں میں سے شمار کیا، لیکن ان میں سے بعض حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کو جمع کیا، سو یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کے حصر کے خلاف نہیں ہے۔

(۶) اور امام ابن ابوداؤد نے "کتاب الشریعہ" میں مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر کو مہاجرین میں سے اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت معاذ ابو حلیمہ اور حضرت مجمع بن حارثہ اور حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد وغیرہم رضی اللہ عنہم کو شمار کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔

(۷) اور جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو عمرو الدانی رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور بعض متاخرین نے کہا کہ قرآن مجید کے قراء میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی تقریباً یہی تقریر لکھی ہے، اس کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں:

(۱) اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کو جمع کیا، اس کا امام ابن عساکر نے ذکر کیا ہے۔

(۲) امام ابو عبید بن سلام نے ایک طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ الدانی سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری اور حضرت مجمع بن جاریہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔

(۳) علامہ ابن حبیب نے "المحبر" میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کی ایک جماعت نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

(۴) اور ابن الاثیر نے کہا کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا وہ حضرت قیس بن السکن اور حضرت ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہما ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ بنت عبداللہ بن الحارث ہیں اور امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

(۵) اور امام ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرآن کے قاری تھے، انہوں نے چار خلفاء راشدین کا ذکر کیا اور حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت سالم، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن السائب،

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کا مردوں میں اور عورتوں میں سے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن کا ذکر کیا۔

(٦) امام ابن ابوداؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس الداری اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا ہے اور انصار میں سے حضرت معاذ ابوحلیمہ اور حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد کا ذکر کیا ہے۔

(٧) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میں قرآن مجید پڑھ چکا تھا اور اس وقت میری عمر دس سال تھی۔

اس سوال کا جواب کہ اگر قرآن کو جمع کرنے میں ان چار صحابہ کا حصر نہیں ہے تو پھر ان چار صحابہ کو خصوصیت سے کیوں ذکر کیا ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: قاضی ابوبکر نے کہا ہے کہ جب اس حدیث میں مفوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے تو ان چار صحابہ کا خصوصیت سے ذکر کرنے کا کیا سبب ہے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ متکلم کی اس میں کوئی غرض ہو یا یہ کہا جائے گا کہ یہ چار صحابہ بھی قرآن مجید کو جمع کرنے والوں میں سے ہیں۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ بعض ملحدین نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید کے قرآن ہونے کی شرط تواتر ہے اور خبر متواتر وہ ہوتی ہے جس کے بیان کرنے والے اتنے کثیر تعداد میں ہوں کہ عقل کے نزدیک ان کا کذب پر اتفاق محال ہو تو میں کہوں گا: تواتر کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کا یقینی علم ہو اور ان چار صحابہ کے قول سے یقین حاصل ہو جاتا ہے، نیز تواتر کی یہ شرط نہیں ہے کہ قرآن مجید کے ہر جز کو لوگ قبول کریں بلکہ اگر وہ اس کے مجموعہ کو بھی محفوظ کرلیں تو وہ تواتر ہو جائے گا اور قرآن مجید کے تمام اجزاء کو بے شمار لوگوں نے محفوظ کرلیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٩۔ ٣٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صرف چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، اس سے لازم آتا ہے کہ قرآن مجید متواتر نہ ہو

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور ان چار صحابہ کے سوا قرآن مجید کو اور کسی نے جمع نہیں کیا تھا یعنی حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم کے سوا اور یہ حدیث قتادہ کی اس روایت کے دو وجہ سے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور وہ سب انصار میں تھے، مخالفت کی یہ دو وجہیں حسب ذیل ہیں:

(١) (صحیح البخاری: ٥٠٠٤) میں حصر کی تصریح ہے جب کہ قتادہ کی روایت میں حصر کی تصریح نہیں ہے۔

(٢) (صحیح البخاری: ٥٠٠٣) میں قتادہ کی روایت میں حضرت انس نے حضرت ابوالدرداء کی جگہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: پہلے اعتراض کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاچکا ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں بھی اسی طرح ہو، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان چار کے سوا اور کسی کا علم نہیں تھا اور نہ وہ تمام صحابہ کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ

ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام بہت کثیر تھے اور متعدد شہروں میں متفرق تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ خبر اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب انہوں نے ہر صحابی سے الگ الگ ملاقات کی ہو اور ہر صحابی نے ان کو یہ خبر دی ہو کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور یہ بات عادتاً بہت بعید ہے اس لیے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا کہ ان چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور یہ بات نہیں ہے کہ نفس الامر اور واقع میں ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو نہیں جمع کیا۔

اور علامہ مازری نے کہا: حضرت انس کے اس قول سے بعض ملحدین نے استدلال کیا کہ صرف چار صحابہ نے قرآن کو جمع کیا تھا اور صرف چار کے عدد سے تواتر لازم نہیں آتا، پس قرآن مجید کا متواتر ہونا ثابت نہیں ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنے ظاہر پر محمول ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنے ظاہر پر محمول ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آئے گا کہ واقع اور نفس الامر میں بھی ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی صحابی نے قرآن مجید کو حفظ نہ کیا ہو کیونکہ ان چار صحابہ کے علاوہ صحابہ کرام کا ایک جم غفیر تھا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس جم غفیر میں سے کسی کو بھی قرآن مجید حفظ نہ ہو اور قرآن مجید کے متواتر ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ ہر فرد کو قرآن مجید حفظ ہو بلکہ جب کل صحابہ نے کل قرآن مجید کو حفظ کر لیا یعنی ہر ایک نے اپنے اپنے حصے کا قرآن مجید حفظ کر لیا تو یہ قرآن مجید کے متواتر ہونے کے لیے کافی ہے۔

علامہ قرطبی نے اس پر یہ دلیل دی ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر (۷۰) قاری شہید ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی بئر معونہ میں ستر قاری شہید ہو گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک سو چالیس (۱۴۰) سے زیادہ قرآن مجید کے حافظ اور قاری تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ صرف چار صحابہ قرآن کے حافظ تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ان چار صحابہ کے ساتھ شدید تعلق تھا یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کے ذہن میں صرف یہی چار صحابہ مستحضر تھے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحیح البخاری: ۵۰۰۳ میں حضرت ابوالدرداء کی جگہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۰۳) پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے ان چار صحابہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ الاسماعیلی نے کہا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں (صحیح البخاری: ۵۰۰۳ اور ۵۰۰۴) مختلف ہیں اور جب دو حدیثیں متباین ہوں تو دونوں صحیح نہیں ہو سکتیں بلکہ دونوں میں سے کوئی ایک صحیح ہوگی اور امام بیہقی نے وثوق سے کہا ہے کہ اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر محفوظ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں صحت میں برابر نہیں ہیں کیونکہ قتادہ کی سند امام بخاری کی شرط کے موافق ہے اور امام بخاری کی دو میں سے ایک روایت میں ثمامہ نے قتادہ کی موافقت کی ہے اور ثابت کی سند (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) بھی امام بخاری کی شرط کے موافق ہے اور اس دوسری روایت میں ثمامہ نے قتادہ کی موافقت کی ہے اور حضرت عمر کی حدیث پر قتادہ کی حدیث کو ترجیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور وہ حدیث اس باب کی احادیث کے آخر میں ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو دو وقتوں میں بیان کیا ہو، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور دوسری مرتبہ حضرت ابی بن کعب کی جگہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔

اور امام ابن ابوداؤد نے محمد بن کعب القرظی کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچ انصار نے قرآن مجید کو جمع کیا: (۱) حضرت معاذ بن جبل (۲) حضرت عبادہ بن الصامت (۳) حضرت ابی بن کعب (۴) حضرت ابو الدرداء (۵) حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہم۔ یہ حدیث مرسل ہے، اس کے باوجود اس کی سند حسن ہے اور یہ حدیث عبداللہ بن المثنیٰ کی حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) کی جید شاہد ہے کیونکہ اس میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اگرچہ عدد اور معدود میں اس کا اختلاف ہے۔

اور شعبی کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا، ان میں حضرت ابو الدرداء، حضرت معاذ اور حضرت ابو زید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ چار وہ صحابہ ہیں جن کا عبداللہ بن مثنیٰ کی روایت (۵۰۰۴) میں ذکر کیا گیا ہے۔

پس اللہ ہی کے لیے امام بخاری کی خیر کثیر ہو جو حدیث کی اکثر اسانید پر مطلع ہیں اور اس روایت مرسلہ سے عبداللہ بن المثنیٰ کی روایت (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) کی قوت ظاہر ہوگئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی روایت اصل ہے۔ واللہ اعلم

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ شاید سننے والے کا یہ اعتقاد تھا کہ ان چاروں نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس سننے والے کا رد کیا اور حصر کے صیغہ کے ساتھ کہا اور مبالغۃً یہ دعویٰ کیا کہ صرف ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا اور اس سے دوسرے صحابہ کے قرآن جمع کرنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ کے اعتراض کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح البخاری میں قتادہ کی یہ روایت ذکر کی ہے: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا: چار مردوں نے اور وہ سب انصار میں سے تھے: (۱) حضرت ابی بن کعب (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۰۳، ص ۹۰۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

پھر امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ایک اور سند سے ذکر کی، وہ یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور چار مردوں کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا:

(۱) حضرت ابو الدرداء (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۰۴، ص ۹۰۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں تکلف ہے:

(۱) صحیح البخاری: ۵۰۰۴، میں حصر کے صیغہ کی تصریح ہے اور صحیح البخاری ۵۰۰۳، میں حصر کے صیغہ کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) صحیح البخاری: ۵۰۰۴، میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی جگہ ذکر ہے۔

رہا صیغہ حصر کا اعتراض تو میں اس کے تقریباً دس جوابات لکھ چکا ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رہا دوسرا اعتراض کہ صحیح البخاری: ۵۰۰۴ میں حضرت ابی بن کعب کی جگہ حضرت ابوالدرداء کا ذکر ہے تو اس کے متعلق الاسماعیلی نے وثوق سے کہا ہے کہ ان دو حدیثوں میں سے لامحالہ کوئی ایک حدیث صحیح ہے اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ پہلی حدیث صحیح ہے یعنی صحیح البخاری: ۵۰۰۳، جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے، اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے بھی اس طرح کہا ہے، اور امام بخاری کا ان دونوں حدیثوں کی روایت کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان کی تو وہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کرنا بھول گئے یعنی صحیح البخاری: ۵۰۰۴، میں حضرت ابوالدرداء کا ذکر ہے اور حضرت ابی بن کعب کا ذکر نہیں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کا ذکر کرنا بھول گئے۔

اور جن محدثین نے صحیح بخاری کی اس روایت کو ترجیح دی ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی قرآن مجید کو جمع کرنے میں زیادہ شہرت تھی لیکن حضرت ابوالدرداء کا ذکر ایک روایت مرسلہ میں ہے جس کے تمام رجال ثقہ ہیں، پس ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک کی وجہ ترجیح ہے، پس یہ دونوں حدیثیں برابر ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی کے اعتراض کی تقریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے جو جواب لکھا ہے اس جواب کو ان سے پہلے علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ لکھ چکے ہیں، اور گویا کہ حافظ ابن حجر نے ان کے جواب کو پسند کیا اور ان پر اعتراض نہیں کیا حالانکہ حافظ ابن حجر کی عادت یہ ہے کہ جب وہ علامہ کرمانی کی عبارت کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں تو اس پر رد کرتے ہیں اور یہاں انہوں نے اپنی اس عادت کی مخالفت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ علامہ کرمانی کی اس شرح پر راضی تھے کہ یہ احتمال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو دو مرتبہ بیان کیا جب کہ اصل حدیث بھی واحد ہے اور راوی بھی واحد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۔ ۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کو ایک بات یاد رہی اور بہت سی باتیں ان کے ذہن سے غائب تھیں اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیثوں کا مخرج واحد ہو اور وہ حدیثیں مختلف ہوں تو پھر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اور جب ان کا مخرج واحد نہ ہو تو ان حدیثوں کو تعدد پر محمول کیا جاتا ہے اور ترجیح کا تقاضا یہ ہے کہ اس حدیث کو ترجیح دی جائے جس میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، لیکن اس کا معارض یہ ہے کہ ایسی روایات موجود ہیں جن میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے اور وہ بھی ثقہ روایات ہیں، لہٰذا اب حضرت ابی بن کعب والی روایت کو ترجیح دینے کی بجائے یہ متعین ہو گیا کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوالدرداء والی دونوں حدیثوں میں تطبیق دی جائے اور یہ کہا جائے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث دو مرتبہ بیان کی اور ہر مرتبہ وہ ایک صحابی کا ذکر کرنا بھول گئے کیونکہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچ صحابہ قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور حضرت ابوالدرداء کا ذکر کرنا بھول گئے جیسا کہ صحیح بخاری: ۵۰۰۳ میں ہے اور دوسری مرتبہ انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا بھول گئے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۷۷۔ ۲۷۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۷ھ)

قتادہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوزید کی وفات ہوگئی اور وہ بدری صحابی تھے اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ان کے وارث ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ وہ یعنی حضرت ابوزید میرے چچاؤں میں سے ایک ہیں، اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جنہوں نے کہا کہ اس ابوزید مذکور کا نام حضرت سعد بن عبید بن نعمان ہے جو عمرو بن عوف کے بیٹوں میں سے ایک ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خزرجی ہیں اور حضرت سعد بن عبید اوسی ہیں، اور جب یہ بات اس طرح ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد بن عبید بھی ان صحابہ میں سے ہوں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس پر مطلع نہیں ہوئے۔

اور ابواحمد العسکری نے کہا کہ حضرت سعد بن عبید کے سوا اوس میں سے کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور محمد بن حبیب نے ''المحبر'' میں بیان کیا کہ حضرت سعد بن عبید ان صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

اور امام ابن ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، ان میں سے حضرت قیس بن ابی صعصعہ ہیں اور وہ خزرجی ہیں اور پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی کنیت ابوزید ہے، اور حضرت سعد بن المنذر بن اوس بن زہیر وہ بھی خزرجی ہیں لیکن میں نے یہ تصریح نہیں دیکھی کہ ان کی کنیت بھی ابوزید ہو، پھر میں نے امام ابن ابوداؤد کی وہ روایت دیکھی جس سے اس اشکال کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ انہوں نے امام بخاری کی شرط کے موافق از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا ان کا نام قیس بن السکن ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوزید ہم بنوعدی بن النجار میں سے ایک مرد تھے اور وہ میرے چچاؤں میں سے ایک تھے اور وہ فوت ہو گئے اور انہوں نے اولاد نہیں چھوڑی اور ہم ان کے وارث ہیں۔

امام ابن ابوداؤد نے کہا: ہمیں انس بن خالد انصاری نے حدیث بیان کی اور کہا: وہ قیس بن السکن ہیں جو بنوعدی بن النجار کی شاخ زعوراء میں سے تھے، امام ابن ابوداؤد نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ان کی وفات ہوئی تھی، پس ان کا علم بھی رخصت ہو گیا اور اس کو ان سے حاصل نہیں کیا گیا اور حضرت ابوزید بیعت عقبہ کرنے والے تھے اور بدری صحابی تھے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں وہی سب لکھا ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی لکھ چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۰۴۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ وَثُمَامَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْآنَ غَيْرُ أَرْبَعَةٍ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ قَالَ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلیٰ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ثابت البنانی نے اور ثمامہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور چار صحابہ کے سوا کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا (وہ چار صحابہ یہ ہیں:) حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اور ہم ان کے وارث ہیں (یعنی حضرت ابوزید کے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۰ میں گزر چکی ہے۔

ان لوگوں کا رد جنہوں نے کہا: حضرت ابوزید کا نام حضرت سعد بن عبید ہے اور ان کا منشاء غلطی یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبید بھی قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے لیکن وہ اوسی ہیں اور حضرت انس خزرجی تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس نے کہا: ہم ابوزید کے وارث ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ میرے چچاؤں میں سے ایک ہیں اور غزوۂ بدر میں دوسری سند کے ساتھ۔

۵۰۰۵۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ أُبَيٌّ أَقْرَؤُنَا وَإِنَّا لَنَدَعُ مِنْ لَحَنِ أُبَيٍّ وَأُبَيٌّ يَقُولُ أَخَذْتُهُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَا أَتْرُكُهُ لِشَيْءٍ قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ (البقرہ: ۱۰۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی از سفیان از حبیب بن ابی ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابی (بن کعب) رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ قاری ہیں لیکن حضرت ابی جہاں غلطی کرتے ہیں ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں، (حضرت ابی بعض منسوخ التلاوت آیات کو بھی پڑھتے تھے) اور حضرت ابی یہ کہتے تھے کہ میں نے تو اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے سنا ہے میں اس آیت کو کسی کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ نے تو خود فرمایا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (البقرہ: ۱۰۶) جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۸۱ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابی بن کعب کے زیادہ قاری اور حضرت علی کے زیادہ عالم القضا ہونے کی حدیث بخاری کی مزید تخریج

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح البخاری: ۴۴۸۱، میں بھی مذکور ہے، اس میں یہ روایت اس طرح ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں سب سے عمدہ قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام بخاری نے اسی طرح یہ حدیث موقوف روایت کی ہے اور امام ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کا متن حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: "میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں اور اللہ کے دین میں سب سے زیادہ متشدد عمر ہیں اور سب سے زیادہ حیا کرنے والے عثمان ہیں اور سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے علی بن ابی طالب ہیں اور سب سے زیادہ کتاب اللہ کے قاری ابی بن کعب ہیں اور سب سے زیادہ حلال اور حرام کو جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور سب سے زیادہ علم وراثت کو جاننے والے زید بن ثابت ہیں، سنو! ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۴، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۱۰، المستدرک ج ۳ ص ۴۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۳۸۷، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۰۱، مشکوٰۃ: ۶۱۱۱، صحیح ابن حبان: ۲۲۱۸، کنز العمال: ۳۱۷۵۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۲۲، شرح السنہ للبغوی ج ۶ ص ۲۱۶، کامل ابن عدی ج ۶ ص ۲۰۹۷، مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۵۰)

نیز حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جس حدیث میں یہ اضافہ ہے "سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے" کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اکثر روایات میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب ہم میں سب سے زیادہ قاری ہیں۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ نے اپنی "کتاب الاطراف" میں لکھا ہے کہ صدقہ کی روایت میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ نسفی کی روایت میں امام بخاری کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ثابت ہے۔ اس حدیث کے شروع میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ قضا کے عالم تھے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ قرآن کے قاری تھے، اور الدمیاطی نے اپنے نسخہ میں اس باب کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور وہ درست نہیں ہے کیونکہ الفربری کی روایت میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔ انہی کے نسخہ پر الدمیاطی کے نسخہ کا مدار ہے اور سورۃ البقرہ کی تفسیر میں از عمرو بن علی از یحییٰ القطان کی سند سے یہ حدیث گزر چکی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر سب کے نزدیک ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورالصدر عبارت پر اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر کا یہ قول جید نہیں ہے کہ یہ عبارالفربری کے نسخہ سے ساقط ہے جس پر حافظ الدمیاطی کی روایت کا مدار ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ عبارت بہت عجیب ہے اور یہ حافظ الدمیاطی پر کیسے انکار کر رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے النسفی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور جو چیز حافظ الدمیاطی کے لیے ظاہر ہوئی ہے وہی چیز اس قائل کے لیے بھی ظاہر ہوئی ہے اسی لیے اس نے انکار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اگر علامہ عینی کے اعتراضات میں سے صرف یہی ایک اعتراض ہوتا تو وہ ان کی قوانین روایت سے جہالت کے

اقرار کے لیے کافی تھا کیونکہ حافظ الدمیاطی نے صحیح البخاری کی شرح کا قصد نہیں کیا اور نہ اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے جیسا کہ شارحین کی عادت ہے۔ وہ کبھی اپنے حاشیہ میں ایک فائدہ لکھ دیتے ہیں، پھر جب کبھی اس سے کوئی چیز رہ جائے تو اس کو بعد میں لکھ کر اس کی تلافی کرتے ہیں اور یہاں پر انہوں نے اس حدیث کے ساتھ حدیث کا یہ ٹکڑا املا دیا: ''ہم میں سب سے زیادہ قضا کے عالم حضرت علی تھے'' اس کو انہوں نے فربری کی سند سے ذکر کیا ہے ہر چند کہ یہ فربری کی روایت میں نہیں ہے اور اگر یہ معترض اس فن کے قوانین کی صرف اتنی ہی مقدار کو جانتا ہوتا تو وہ ہماری اس عبارت پر اعتراض نہ کرتا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۷۸-۷۷ ۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

شیخ سلیم اللہ خان کا یہ بیان کرنا کہ لحن کا معنی قراءت ہے اور مصنف کا اس پر تعاقب

صحیح البخاری: ۵۰۰۵ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضرت ابی بن کعب کے لحن کو چھوڑتے ہیں۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اپنی شرح میں لکھا ہے: لحن سے قراءت مراد ہے۔

(کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۲۷، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں: لغت کی کسی مستند کتاب میں لحن کا معنی قراءت نہیں ہے۔

مستند کتب لغت میں لحن کا معنی

امام اللغت خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: قراءت میں درست اور صحیح لفظ کو ترک کرنا۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۶۲۸، مطبعہ باقری، قم ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: اعراب میں خطا کرنا اور لَحَّانَۃٌ کا معنی ہے: جو بہت زیادہ خطا کرتا ہو، التلحین کا معنی ہے: کسی کی خطا نکالنا، جس شخص کی قراءت بہت اچھی ہو یا جو بہت اچھا گانا گاتا ہو اس کو اَلْحَنُ النَّاس کہتے ہیں، اور لَحَنَ فِیْ کَلَامِہٖ کا معنی ہے: اس نے اپنے کلام میں خطا کی اور لَاحَنْتُ النَّاس کا معنی ہے: میں نے لوگوں سے تعریض کی۔

(الصحاح ج ۶ ص ۲۱۹۴-۲۱۹۳، دار العلم للملایین، ۱۳۷۶ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: جہت استقامت سے عدول کرنا، جب کوئی شخص اپنے کلام میں صحیح لفظ سے عدول کرے تو کہا جاتا ہے: لحن فلانٌ فی کلامہ، اور اس کا معنی ہے: تعریض اور توریہ کرنا اور اس کا معنی ہے: عربی الفاظ کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھنا۔

حضرت عمر نے فرمایا تَعَلَّمُوا اللحن فی القرآن یعنی تم قرآن مجید کو لغت عرب کے اعراب کے ساتھ پڑھو۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۴۷۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۰۸)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابی بن کعب ہم میں سب سے اچھے قاری ہیں، ہم ان کے اکثر لحن سے اعراض کرتے ہیں یعنی ان کی لغت سے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۰۵)

ابو میسرہ نے سبا: ۱۶ کی تفسیر میں کہا: اَلْعَرِم کا معنی یمن کی لحن میں تند و تیز سیلاب ہے یعنی یمن کی لغت میں۔

اور لحن کا معنی لہجہ اور طرز ہے، حدیث میں ہے:

اقْرَؤُوا القرآن بِلُحُوْنِ العرب وَاَصْوَاتِهَا۔ قرآن مجید کو عرب کے لہجوں اور آوازوں میں پڑھو۔
(شعب الایمان للبیہقی: ۲۶۴۹، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۲۰۷)

(النہایہ ج ۴ ص ۲۰۹۔۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: بنائی ہوئی آوازیں اور جب کوئی شخص طرز سے قرآن پڑھے تو کہتے ہیں: لَحَنَ فی قراءتِہٖ اور لحن کا معنی ہے: درست قراءت کو ترک کرنا، رَجُلٌ لَاحِنٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو خطا کرے، اور لَحَنَ الرَّجُلُ کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنی زبان میں بات کرے، اور لَحَنَ کا معنی ہے: تعریض اور توریہ اور اَلْحَنَ فی کلامہ کا معنی ہے: وہ اپنے کلام میں خطا کرتا ہے۔ اس کے بعد وہی تفصیل ہے جو علامہ ابن الاثیر الجزری نے بیان کی ہے۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۸۳۔۱۸۲، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ محمد طاہر صدیقی پٹنی گجراتی التوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: کلام میں غلطی کرنا اور اس کا معنی ہے: تعریض اور توریہ اور کلام سے صحیح اعراب کو زائل کر کے پڑھنا اور اس کا معنی ہے: لغت اور زبان۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابی ہم میں سب سے اچھے قاری ہیں لیکن ہم ان کی اکثر لحن سے اعراض کرتے ہیں یعنی ان کی لغت سے، اور لحن کا معنی ہے: غلطی کرنا اور لحن کا معنی ہے: آواز اور لہجہ۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۴۸۷۔۴۸۶، ملخصاً مکتبہ دار الایمان، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۵ھ)

الامام اللغوی السید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی الحنفی المصری التوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ زبیدی نے لحن کے وہی معنی لکھے ہیں جو النہایہ اور لسان العرب میں مذکور ہیں۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۹ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

لوئیس معلوف الیسوعی التوفی ۱۸۶۷ء لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: اعراب کو غلط پڑھنا اور تعریض اور توریہ اور لحن کا معنی ہے: قراءت میں خطا کرنا اور ترنم اور لحن کا معنی ہے: لغت اور زبان۔ (المنجد فی اللغت ص ۷۱۷، انتشارات اسلام تہران، ایران، ۱۳۷۹ھ)

دس علماء دیوبند نے المنجد عربی کا ترجمہ کیا، اس میں لحن کے یہ معانی لکھے ہیں:

اعراب میں خطا کرنا، کسی سے کنایہ میں بات کرنا کہ وہی سمجھ سکے نہ کہ دوسرا، قصد کرنا، مائل ہونا، سمجھنا، دلیل جان لینا، قراءت میں ترنم کرنا اور سُر سے پڑھنا، بولنے کی طرز، اعراب کی غلطی، گانے کا ہنر۔ (المنجد اردو ص ۹۱۷۔۹۱۶، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۹۴ء)

الحاج مولوی فیروز الدین لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: آواز، سریلی آواز، خوش آوازی، خوش الحانی۔ (فیروز اللغات ص ۱۱۵۲، فیروز سنز، لاہور، کراچی)

ہم نے ان متعدد کتب لغت سے لحن کے معانی لکھے ہیں اور کسی لغت میں بھی لحن کا معنی قراءت نہیں ہے جیسا کہ شیخ سلیم اللہ خان نے لکھا ہے۔

قراءت کی کتاب فوائد مکیہ میں لحن کا معنی

قاری عبد الرحمٰن مکی لکھتے ہیں: اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے لفظ کا حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے صرف بعض صفات جو تحسین حرف سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر ممیزہ ہیں تو خوف عقاب اور تہدید کا ہے، پہلی قسم کی غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں (چونکہ یہ

ظاہری غلطیاں ہیں) اور دوسری قسم کی غلطیوں کو لحن خفی کہتے ہیں (یعنی جب کہ صفات غیر ممیزہ یا صفات عارضہ ادا نہ ہوں)
(فوائد مکیہ ص ۳۔۲، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کے کثیر الفاظ کو ان کے لحن یعنی ان کی لغت کی وجہ سے چھوڑ دیا اور حضرت ابی بن کعب کے الفاظ کو نہ چھوڑنے کی توجیہ

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری: ۴۴۸۱ کی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صدقہ کی روایت میں مذکور ہے (صحیح البخاری: ۵۰۰۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم حضرت ابی بن کعب کے قول کو ان کے لحن کی وجہ سے چھوڑتے ہیں" اور لحن کا معنی ہے: لغت اور ابن خلاد کی روایت میں ہے کہ ہم حضرت ابی بن کعب کی کثیر قراءات کو چھوڑتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابی یہ کہتے تھے کہ میں ان الفاظ کو نہیں چھوڑوں گا جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب کے ان الفاظ کو نہ چھوڑنے کا سبب یہ ہے کہ انہیں ان الفاظ کے قرآن ہونے کا علم قطعی تھا اور جب کسی صحابی نے ان کو اس کے خلاف دوسرے الفاظ کی خبر دی تو ان کے نزدیک یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے الفاظ کے معارض نہیں تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بعض اوقات منسوخ التلاوت آیات بھی پڑھتے تھے، اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو چھوڑ دیا کیونکہ حضرت عمر کے نزدیک بعض آیات کا منسوخ التلاوت ہونا ثابت اور واقع تھا

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ (البقرہ: ۱۰۶) جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں حضرت ابی بن کعب کی قراءت کو چھوڑنے کا سبب بیان کیا ہے کیونکہ حضرت ابی بعض اوقات ان آیات کی بھی تلاوت کرتے تھے جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی کیونکہ ان تک ان آیات کے منسوخ ہونے کی خبر نہیں پہنچی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے البقرہ: ۱۰۶ پڑھ کر یہ دلیل پیش کی کہ بعض آیات کا منسوخ التلاوت ہونا واقع ہو چکا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے یہ روایت کی ہے کہ بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں وحی نازل ہوتی اور آپ دن میں اس کو بھول جاتے تو اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۱۰۶ نازل فرمائی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝

اور البقرہ: ۱۰۶ میں مذکور ہے: یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے بھلا دیتے ہیں، اور امام ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ رات کو کوئی آیت نازل ہوتی اور دن میں آپ اس کو بھول جاتے اور یہ البقرہ: ۱۰۶ کے معارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ البقرہ: ۱۰۶ میں سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ یعنی مگر جو اللہ چاہے، بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز

کو جانتا ہے ○ (الاعلیٰ: ۷) (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹ ۴۔ ۷۸ ۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹۔ بَابُ: فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

سورۂ فاتحہ کی فضیلت کا بیان

۵۰۰۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فَدَعَانِي النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ أُجِبْهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي قَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الانفال: ۲۴) ثُمَّ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ قُلْتَ لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے حبیب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حفص بن عاصم از حضرت ابوسعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، پس میں آپ کے پاس نہیں گیا، (بعد میں) میں نے بتایا: یا رسول اللہ! بے شک میں نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال: ۲۴) اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن مجید کی عظیم سورت کی تعلیم نہ دوں''، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر جب ہم نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کی عظیم سورت کی تعلیم دوں گا، آپ نے پڑھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ یہ السبع المثانی ہے (یعنی ایسی سات آیات جو دوبارہ نازل ہوئیں) اور یہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۷۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید کی حدیث مذکور کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں، تاہم یہ حدیث سنن میں بھی مذکور ہے: سنن ابوداؤد: ۱۴۵۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۸۵۔

سورۂ فاتحہ کا نام ام الکتاب بھی ہے، اس کی توجیہ

ام کا معنی ہے، ہر چیز کی اصل اور ابتداء، اسی وجہ سے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے کیونکہ تمام زمینیں مکہ کی زمین کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہیں۔ (معانی القرآن للنحاس ج ۱ ص ۴۹۔ ۴۸) اور اسی وجہ سے اس کو الفاتحہ بھی کہتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اور بھی متعدد اسماء ہیں، حسن بصری اور ابن سیرین کے نزدیک یہ اسماء مکروہ ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۷)

سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اور دین کا معنی جزا اور حساب ہے اور اللہ تعالیٰ کو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک اور بادشاہ نہیں ہوگا اور نہ اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حضرت ابوسعید کے فوراً نہ آنے کی توجیہ اور کسی کے بلانے پر نماز چھوڑ کر جانے کی تفصیل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید کو بلایا اور اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوسعید نے یہ سمجھا کہ آپ نے ان کو نماز پڑھنے کے بعد بلایا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فوراً بلایا تھا اور نماز میں کسی کو بلانا اور اس پر فوراً آنے کا واجب ہونا یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اور کسی کے بلانے پر فرض نماز چھوڑ کر فوراً جانا واجب نہیں ہے، ہاں! اگر ماں بلائے تو نفل نماز کو چھوڑ کر جانا واجب ہے اور اگر باپ بلائے تو پھر نماز کو چھوڑ کر جانا جائز نہیں ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دوسری سورتوں پر فضیلت

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا''۔ اس کا معنی ہے: جس سورت کے پڑھنے کا سب سے عظیم ثواب ہے، محمد بن علی بن الحسین نے کہا: اس سورت کے اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور اس کے درمیان میں عبادت کے اخلاص کا ذکر ہے اور اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، امام مالک نے اپنی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے:

آپ نے فرمایا: ''یہ ایسی سورت ہے کہ اس کی مثل نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں ہے اور نہ قرآن مجید میں اس کی مثل نازل کی گئی ہے''۔

بعض سورتوں کی بعض دوسری سورتوں پر فضیلت اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا سورۂ فاتحہ کا جز نہ ہونا

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بعض کلام بعض دوسرے کلام سے افضل ہوتا ہے اور یہی قول صحیح ہے اگرچہ اس حدیث کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا سب سے عظیم ثواب عبادت کرنے والوں کو پہنچتا ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کو پڑھے بغیر کوئی نماز مکمل نہیں ہوتی اور اس کی وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۔ جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی ہم مثل آیت لے آتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۰۶)

اور اس آیت میں خیر سے مراد بہترین عبادت ہے اور علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں اعظم کا لفظ عظیم کے معنی میں ہے یعنی میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت نہ بتاؤں۔ (الموطا ص ۷۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم سورت کے متعلق فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اس سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور الحمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات جمیلہ اور رب کا معنی ہے: مدبر اور العالمین کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو۔

السبع المثانی والقرآن العظیم کا معنی

امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا کہ السبع المثانی یہ سات طویل سورتیں ہیں: (۱) البقرہ (۲) آل عمران (۳) النسآء (۴) المائدہ (۵) الانعام (۶) الاعراف (۷) یونس۔
(جامع البیان للطبری ج ۷ ص ۵۴۳)

امام حاکم نے امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے موافق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ السبع المثانی مذکورہ بالا سات سورتیں ہیں اور انہوں نے سورۂ یونس کی بہ جائے سورۃ الکہف کا ذکر کیا ہے۔

اور علامہ داؤدی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ سات سورتیں سورۃ البقرہ سے سورۃ التوبہ تک ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ السبع سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے کیونکہ اس میں سات آیات ہیں اور المثانی سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔ اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے۔ (الزمر: ۲۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور قرآن عظیم"۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن عظیم ہے اور والقرآن العظیم میں واؤ عاطفہ نہیں ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج ۴ ص ۳۹۰)

سورۂ فاتحہ کا نام مثانی رکھنے کی توجیہات

سورۂ فاتحہ کا نام المثانی رکھنے کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) مثانی کا معنی ہے، دو دو بار، چونکہ سورۂ فاتحہ کو فرض اور نفل کی ہر رکعت میں بار بار پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کا نام مثانی ہے اور یہ قتادہ کا قول ہے۔ (معالم التنزیل للبغوی ج ۴ ص ۳۹۰)

(۲) زجاج نے کہا ہے کہ اس کو مثانی اس لیے فرمایا ہے کہ مثانی کا لفظ ثنا سے بنا ہے اور سورۂ فاتحہ میں حمد و ثنا ہے۔
(معانی القرآن للزجاج ج ۳ ص ۱۸۵)

(۳) حسن بن الفضل نے کہا ہے: یہ سورت صرف اس امت کے لیے مستثنیٰ ہے، اس سے پہلے کسی امت پر یہ سورت نازل نہیں کی گئی گویا مثانی کا لفظ استثناء سے ماخوذ ہے اس لیے اس کو مثانی فرمایا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۹۱، زاد المسیر ج ۴ ص ۴۱۴)

(۴) ابو عبید نے کہا ہے: سورۂ فاتحہ کو مثانی اس لیے فرمایا کیونکہ قصص اور خبریں اس میں دو بار ذکر ہیں۔
(غریب الحدیث لابی عبید ج ۱ ص ۴۴۳)

سورۂ فاتحہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی اس لیے اس کو مثانی فرمایا

علامہ واحدی نے لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے۔
(اسباب النزول ص ۲۴، زاد المسیر ج ۱ ص ۱۰)

دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مدنی ہے اور اس کا دو مرتبہ مدینہ میں نزول ہوا۔ ابو اللیث سمرقندی نے اس کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور دیگر کتب حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۱۳۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۴۷۸۸، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۹۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۱۵۔ ۱۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ الفاتحہ کے متعدد اسماء اور دین کے متعدد معانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کے باب کا عنوان ہے: سورۃ الفاتحہ کے فضائل۔ اس سورت کے متعدد نام ہیں، ان میں سے ایک نام ہے: الحمدللہ اور اس سورت کا نام ام الکتاب ہے کیونکہ اس سورت سے قرآن مجید کی ابتداء کی گئی ہے اور ہر رکعت میں اس سورت کا اعادہ کیا جاتا ہے اور اس سورت کا نام فاتحۃ الکتاب ہے کیونکہ سورۃ الفاتحہ سے مصاحف کی ابتداء کی گئی ہے اور اس سورت کا نام ام الکتاب اور ام القرآن بھی ہے کیونکہ یہ سورت قرآن مجید کے معانی پر مشتمل ہے یعنی اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے اور عبادت کرنے کا حکم ہے اور وعد اور وعید کا حکم ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا ذکر ہے اور یہ سورت مبدأ، معاد اور معاش کے ذکر پر مشتمل ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ام القرآن یہی السبع المثانی ہے"۔ اور سورۃ الفاتحہ کا نام ام القرآن اور ام الکتاب ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور سورۃ الفاتحہ کے دیگر اسماء یہ ہیں:
الکنز، الوافیہ، الشافیہ، الکافیہ، سورۃ الحمد، سورۃ الحمدللہ، سورۃ الصلوٰۃ، سورۃ الشفاء، سورۃ الاساس، سورۃ الشکر اور سورۃ الدعاء۔
اس سورت میں یہ آیت ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (الفاتحہ: ۴) روز جزاء کا مالک ہے ۝
دین کا معنی ہے: الحساب اور الجزاء اور دین کے دیگر معانی بھی ہیں، وہ یہ ہیں: عادت، عمل، حکم، حال، خلق، طاعت، قہر، ملت، الشریعہ، الورع اور السیاسیہ وغیرہا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹ ۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی کی اس حدیث کی شرح پر مصنف کا تعاقب

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو پکاریں تو اسے آپ کی پکار میں لبیک کہنا چاہیے۔
(کشف الباری کتاب التفسیر ص ۸، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)
شیخ سلیم اللہ خان کی یہ عبارت صحیح نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ نماز چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر چلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ جب آپ کے بلانے پر نہیں آئے تو آپ نے عتاب فرمایا۔ حدیث میں ہے:
حضرت ابو سعید بن المعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے، پس مجھ کو بلایا، پس میں آپ کے پاس نہیں آیا حتیٰ کہ میں نے نماز پڑھ لی، پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: "تمہیں آنے سے کس چیز نے روکا تھا"۔ پس میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے کہا کہ "کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔ (الانفال: ۲۴) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو"۔ (صحیح البخاری: ۴۷۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی نے لکھا ہے: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو پکاریں تو اسے آپ کی پکار میں لبیک کہنا چاہیے۔
(کشف الباری کتاب التفسیر ص ۸)

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نمازی کو بلائیں تو اس کا نماز چھوڑ کر آنا مستحب ہے اور ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو نمازی کا نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے کیونکہ مستحب کے ترک پر ٹوکنا اور ملامت کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید بن المعلی کو بلایا اور وہ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے فوراً نہیں آئے تو آپ نے ان کو ملامت کی اور فرمایا: ''جب میں نے تم کو بلایا تھا تم کیوں نہیں آئے''۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے اور وہ اس دن نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''یا ابی''۔ حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے اور حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''وعلیک السلام! اے ابی! جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں حاضر ہونے سے روکا تھا؟''۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی؟ اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو''۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں!! اور میں ان شاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۱۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی، امام نسائی، امام حاکم، امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور علامہ عبدالوہاب مالکی اور علامہ ابوالولید مالکی نے لکھا ہے: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نماز میں بلائیں تو اس پر نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے اور اگر اس نے اس کو ترک کیا تو وہ گنہ گار ہوگا اور ان دونوں مالکی علماء نے جو کہا ہے کہ آپ کے بلانے پر نمازی کا آنا فرض ہے فقہاء شافعیہ کا بھی یہ ایک قول ہے اور آنے کے وجوب کے بعد ان کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کی نماز باطل ہوگی یا نہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ سنن ترمذی کی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ حضرت ابی بن کعب نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر آپ نے ان کو بلایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے بلانے پر آنا نماز پڑھنے سے زیادہ افضل اور زیادہ مؤکد ہے اور آپ کے بلانے پر آنے کا حکم قطعی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ آپ کے بلانے پر آئیں تو ان کی نماز برقرار رہے اور باطل نہ ہو۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۶ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اور علامہ السید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ (روح المعانی جز ۹ ص ۲۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اگر شیخ سلیم اللہ دیو بندی میں محبت رسول کی چاشنی ہوتی تو وہ صرف یہ نہ لکھتے: ''اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو پکاریں تو اسے آپ کی پکار میں لبیک کہنا چاہیے'' بلکہ یوں لکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے اور نہ آئے تو گنہ گار ہوگا جیسے قاضی عبدالوہاب مالکی، قاضی ابوالولید مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی ایسے اہل محبت نے لکھا ہے اور حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ مالکی نے لکھا ہے کہ نماز پڑھنے کی بہ نسبت آپ کے بلانے پر آنا زیادہ افضل اور زیادہ مؤکد ہے اور علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ آپ کے بلانے پر آنا واجب ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر نمازی آپ کے بلانے پر آئے تو اس کی نماز برقرار رہے گی۔

تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کی حدیث کی شرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین علماء اہلسنت کی عبارات

صحیح البخاری: ۸۳۱ میں مذکور ہے کہ نمازی تشہد میں کہے: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بر کاته ۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اہل عرفان کے طریقہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات پڑھ کر ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں اس ذات کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی جو زندہ ہے اور جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، پس ان کی آنکھیں اس سے مناجات کر کے ٹھنڈی ہوگئیں اور وہ اس پر متنبہ ہوئے کہ وہ نبی الرحمۃ کے واسطہ اور ان کی متابعت کی برکت سے اس بارگاہ میں پہنچے ہیں تو انہوں نے مڑ کر دیکھا تو اس وقت حبیب، حرم الحبیب میں حاضر تھے، پس وہ یہ کہتے ہوئے بڑھے: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بر کاته ۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی اپنی شرح میں اسی طرح لکھا ہے: (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۶۴۔۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ تشہد میں یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام ذرائر موجودات اور افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات میں بھی موجود اور حاضر ہیں، پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور غافل نہ ہو کہ وہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے منور ہو اور فائز ہو۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اور التحیات کا معنی یہ ہے کہ نماز میں ادب سے بیٹھو اور اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے شخص کریم کو حاضر کرو اور کہو: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بر کاته اور اس کی تصدیق کرو کہ یہ سلام آپ تک پہنچے گا اور آپ اس کا اس سے بہتر جواب دیں گے۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی امام غزالی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۶۳۱، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشافعی الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو تشہد میں اپنی ذات پر سلام پڑھنے کا اس لیے حکم دیا ہے تاکہ جب غافل لوگ اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہوں تو وہ اس پر متنبہ ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بارگاہ میں حاضر ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی جدا نہیں ہوتے، پس وہ بالمشافہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کریں۔

(المیزان الکبریٰ الشعرانیہ ج ۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ خطاب حقیقت شناس عارفین حقیقت محمدیہ کے نزدیک ہے جو کہ تمام حقائق موجودات میں جاری و ساری ہے، خصوصاً اس دعا کرنے والے کے نزدیک اور وہ صحیح اور صواب کا الہام کیے ہوئے ہے۔

(تیسیر القاری ج ۱ ص ۲۸۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۰۰۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے

الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا فِي مَسِيرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ إِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ سَلِيمٌ وَإِنَّ نَفَرَنَا غَيْبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ فَرَقَاهُ فَبَرَأَ فَأَمَرَ لَهُ بِثَلَاثِينَ شَاةً وَسَقَانَا لَبَنًا فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً أَوْ كُنْتَ تَرْقِي قَالَ لَا مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْكِتَابِ قُلْنَا لَا تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ أَوْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ حَدَّثَنِي مَعْبَدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ بِهَذَا

کہا ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از محمد از معبد از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے، پس ہم ایک جگہ ٹھہرے، پھر وہاں ایک لڑکی نے آ کر کہا: ہمارے قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے کاٹا ہوا ہے اور ہمارے مردوں کی جماعت حاضر نہیں ہے، پس کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے؟ پس اس کے ساتھ ایک مرد کھڑا ہوا جس کے متعلق ہمیں معلوم تھا کہ وہ دم کرنے والا نہیں ہے، پھر اس نے دم کیا تو وہ سردار تندرست ہو گیا، سو سردار نے اس مرد کے لیے تیس (۳۰) بکریاں دینے کا حکم دیا اور ہم سب کو دودھ پلایا، پس جب وہ مرد واپس ہوا تو ہم نے اس سے کہا: کیا تم کو اچھی طرح دم کرنا آتا تھا یا کیا تم پہلے بھی دم کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں! میں نے تو صرف سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کر دیا ہم نے کہا: تم کوئی نیا کام نہ کرو حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیں، پس جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''اس کو کس نے بتایا کہ سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا جاتا ہے؟ ان بکریوں کو تقسیم کرو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو''۔ ابو معمر کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے معبد بن سیرین نے حدیث بیان کی از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اسی حدیث کی مثل۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۷۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

صحیح البخاری: ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۰۰، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۲۷۔

دم کرنے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کے دلائل

یہ حدیث فقہاء احناف، زہری، ابن اسحاق اور حسن بن حی کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ دم کرنے کی اجرت لینا جائز نہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے جس میں آپ نے تعلیم قرآن پر کمان کو بہ طور اجرت لینے سے منع فرمایا، عنقریب ہم اس حدیث کا ذکر کریں گے اور یہ ان علماء کا عجیب و غریب استدلال ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے:

اشعث نے کہا: کتاب اللہ پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے اجرت پر شرط لگانے کو مکروہ کہا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۰۸۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: "جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"، اور شعبی نے کہا: معلم اجرت لینے کی شرط نہ لگائے لیکن اگر اسے از خود اجرت دی جائے تو وہ اس کو قبول کرلے اور حکم نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی معلم کی اجرت کو مکروہ کہا ہو اور حسن بصری کو دس درہم دیئے گئے اور ابن سیرین قسام کی اجرت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے کہا: گویا کہ کہا جاتا ہے کہ قضا کی اجرت لینا رشوت ہے اور ان کو اندازے سے اجرت دی جاتی تھی۔

صحیح البخاری کتاب الاجارہ، باب: ۱۶: عرب کے قبائل پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض اجرت لینا۔

(صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور ان کو اس کی اجرت میں تیس (۳۰) بکریاں دی گئی تھیں۔ اس کی روایت حسب ذیل کتب حدیث میں ہے:

(صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۰۔ ۳۴۱۸، سنن ترمذی: ۲۰۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۵۳۳۔ ۷۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۶)

اور عنقریب صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت آئے گی کہ صحابہ میں سے ایک شخص گیا اور اس نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض میں چند بکریاں لیں تو ان کے اصحاب نے اس کو مکروہ جانا اور کہا کہ تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے، پھر انہوں نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: "تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ تم نے درست کام کیا اور تم اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو"۔ (صحیح البخاری: ۵۰۰۷۔ ۵۷۳۶۔ ۵۷۳۷۔ ۵۷۴۹)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفاتحہ پڑھی اور دم کیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ دم کرنے والا کوئی دوسرا تھا۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۳۱۹)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: جس روایت میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے دم کیا اس روایت میں حضرت ابو سعید خدری نے خود اپنے آپ کو ایک مرد سے تعبیر کیا، پس ان دونوں حدیثوں میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔

دم کرنے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے خلاف اور معارض احادیث اور ان کے جوابات

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ کے چند اصحاب کو کتاب اللہ اور قرآن مجید کی تعلیم دی، پس ان میں سے ایک مرد نے مجھے کمان ہدیہ میں دی، میں نے دل میں کہا کہ یہ کمان مال نہیں ہے اور میں اس کمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا اور میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کے متعلق سوال کروں گا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کتاب اللہ اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ کمان مال نہیں ہے، میں اس کے ساتھ اللہ کی راہ میں تیر ماروں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے گلے میں دوزخ کی آگ کا طوق ڈالا جائے تو اس کمان کو قبول کرلو"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۴۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۷)

اور اسی طرح آپ نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا: اگر کوئی چیز تمہیں قرآن کے عوض تحفہ میں دی جائے تو اس میں کوئی خیر

نہیں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ:۲۰۸۳۸)

علامہ جورقانی نے اپنی موضوعات میں لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی مسلم اور ابوعبیدہ بن فضیل بن عیاض ہیں اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں، انہوں نے کہا: اسی طرح حضرت عبادہ بن الصامت کی طرف منسوب حدیث بھی باطل ہے کیونکہ اس کی سند میں ابن المغیرہ ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔(الاباطیل والمناکیر:۵۲۳_۵۲۴)

اسی طرح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے تعلیم قرآن پر ایک کمان کو لی اللہ تعالیٰ اس کمان کے بدلہ میں اس کو دوزخ کی کمان دے گا''۔(العلل المتناہیہ:۹۲_۹۱)

اور اسی طرح عبداللہ بن شقیق کا قول ہے کہ انہوں نے استاذ کے لگائے ہوئے جرمانہ کو مکروہ کہا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ابراہیم النخعی نے کہا کہ صحابہ لڑکوں سے کتاب اللہ کی اجر لینے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ امام احمد اور امام طحاوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی تعلیم دو اور اس میں غلومت کرو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور اس سے مال کی کثرت حاصل نہ کرو''۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۸، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۸)

اور امام ترمذی اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قرآن مجید پڑھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کیونکہ تمہارے بعد ایک قوم قرآن مجید پڑھے گی اور اس کے وسیلہ سے لوگوں سے سوال کرے گی''۔(سنن ترمذی:۲۹۱۷، جامع البیان ج ۱۸ ص ۱۶۷)

اور امام احمد اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ''۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ:۷۷۴۲، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۰، الصحیحہ للالبانی:۳۰۵۷)

(یہ حدیث ضعیف ہے۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ معلمین کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ان کی اجرت حرام ہے''۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مجہول ہے کیونکہ اس حدیث کی ابوجرہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور وہ مجہول بھی اور متروک بھی ہے۔(التمہید ج ۲۱ ص ۱۱۴_۱۱۳)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ معلم، مؤذن اور امام کی اجرت حرام ہے۔

علامہ الجورقانی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔(الاباطیل والمناکیر:۵۲۰)

دم کرنے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق احادیث

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: یہ تمام احادیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے کیسے معارض ہو سکتی ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے''۔

(صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب:۱۶، صحیح البخاری ص ۵۴۸، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خارجہ بن الصلت تمیمی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پس اسلام قبول کرلیا پھر آپ کے پاس سے واپس گئے، پس وہ اسی قوم کے پاس سے گزرے جہاں ایک دیوانہ مرد زنجیروں سے بندھا ہوا تھا تو اس کے گھر والوں نے کہا کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارے پیغمبر خیر لے کر آئے ہیں، کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تم اس کا علاج کرسکو تو میں نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس پر دم کردیا، پس وہ تندرست ہوگیا، پس انہوں نے مجھے سو بکریاں دیں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے پوچھا: ''کیا تم نے اس کے علاوہ بھی کچھ پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ان بکریوں کو لے لو، پس میری زندگی کی قسم! جس نے کسی باطل چیز کو پڑھ کر دم کیا (تو اس کی اجرت حرام ہے) بے شک تم نے حق چیز کو پڑھ کر دم کیا ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۹۶، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۹۷، الاذکار: ۱۲۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فاتحۃ الکتاب ہر زہر سے شفا ہے''۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۸، شعب الایمان للبیہقی: ۲۳۶۸، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲)

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز میں فقہاء کا اختلاف، فقہاء احناف کی ممانعت اور فقہاء ثلاثہ کا اس کو مباح قرار دینا

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، عطاء اور ابو قلابہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ ھ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دم کرنے کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اسحاق نے اور متقدمین اور متاخرین کی ایک جماعت نے، اور ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو صحیح بخاری کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ (المفہم ج ۵ ص ۵۸۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

زہری نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے بھی کہا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ دم کرنے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے خواہ وہ قرآن مجید کی آیات کو پڑھ کر دم کرے کیونکہ لوگوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر دم کریں اور لوگوں پر یہ واجب ہے کہ وہ قرآن کی ایک دوسرے کو تعلیم دیں جس طرح نماز کی تعلیم پر اجرت کو لینا جائز نہیں ہے اور اذان دینے کی اجرت کو دینا جائز نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۴۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مانعین فقہاء کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: ان فقہاء نے احادیث ضعیفہ سے استدلال کیا ہے جو احادیث حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ہم ان احادیث کو اور ان کے ضعف کی وجہ کو بیان کرچکے ہیں۔

نیز یہ احادیث ضعیفہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم کی احادیث صحیحہ کے کیسے معارض ہوسکتی ہیں جب کہ تعارض میں یہ شرط ہے کہ دونوں حدیثیں صحت میں برابر ہوں۔ رہا امام طحاوی کا یہ کہنا کہ لوگوں کا ایک دوسرے کو قرآن مجید کی تعلیم دینا فرض ہے، اس میں ان کو مغالطہ ہوا ہے کیونکہ مطلقاً قرآن مجید کا سیکھنا فرض نہیں ہے تو اس کی تعلیم دینا کیسے فرض ہوگا، قرآن مجید کی صرف اتنی مقدار سیکھنا فرض ہے جس سے نماز ادا ہوسکے اور اس کے علاوہ پورے قرآن کو سیکھنا افضل، مستحب اور نفل ہے، اسی طرح لوگوں کو نماز کی تعلیم دینا فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے اور دم کی اجرت لینے میں اور قرآن کی اجرت لینے میں فرق کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں منفعت ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سے سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ کی کتاب ہے''۔
(صحیح البخاری ص ۸۳۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور یہ حدیث عام ہے، اس میں تعلیم قرآن بھی داخل ہے، لہٰذا ان مانعین فقہاء کی دلیل ساقط ہو گئی۔

اور ہمارے اصحاب شافعیہ نے اذان پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور امام شافعی کی دلیل حضرت ابن عباس اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے اور نیز جواز کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے دم کرنے کی اجرت میں بکریاں لیں اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ بکریاں حلال ہیں اور دم کی اجرت لینا جائز ہے اور آپ نے فرمایا: ان بکریوں میں سے تم میرا حصہ بھی نکالو''۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۸۷۔۷۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ایصال ثواب کے نذرانہ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ کا موقف اور نذرانہ لینے کے جواز کے متعلق اعلیٰ حضرت کی توجیہ

اعلیٰ حضرت مجدد اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

جب کہ ان میں معہود و معروف یہی لینا دینا ہے تو یہ اجرت پر پڑھنا پڑھوانا ہوا فان المعروف عرفا کالمشروط لفظا، اور تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی پر اجرت لینا دینا دونوں حرام ہے، لینے والے دینے والے دونوں گنہ گار ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق فرمائی ہے اور جب یہ فعل حرام کے مرتکب ہیں تو ثواب کس چیز کا اموات کو بھیجے گا، گناہ پر ثواب کی امید اور زیادہ سخت واشد ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے، علماء کرام نے اس مسئلہ میں بہت شدت برتی ہے، ہاں! اگر لوگ چاہیں کہ ایصال ثواب بھی ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے نوکر رکھ لیں اور تنخواہ اتنی دیر کی ہر شخص کی معین کر دیں مثلاً پڑھوانے والا کہے: میں نے تجھے آج فلاں وقت سے فلاں وقت تک کے لیے اس قدر اجرت پر نوکر رکھا، جو کام چاہوں گا لوں گا، وہ کہے: میں نے قبول کیا، اب اتنی دیر کے واسطے وہ اس کا اجیر (نوکر یا مزدور) ہو گیا، جو کام چاہے لے سکتا ہے، اس کے بعد اس سے کہے: فلاں میت کے لیے اتنا قرآن عظیم یا اس قدر کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ دو، یہ صورت جواز کی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۲۳ ص ۵۳۷، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۲۳ھ)

ایصال ثواب پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق مصنف کی توجیہات

میں کہتا ہوں کہ اگر نفس قرآن مجید پڑھنے کا معاوضہ نہ طے کیا جائے بلکہ خاص قیود کے عوض معاوضہ طے کیا جائے مثلاً فلاں جگہ فلاں وقت فلاں شخص کے لیے ایصال ثواب کیا جائے، سو ان قیودات کے عوض معاوضہ لینا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا نفس قرآن کی اجرت نہ لے بلکہ قرآن پڑھنے سے اس کو جو تھکاوٹ ہوئی ہے اس کے ازالہ کے لیے معاوضہ لے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ قرآن کا معاوضہ تو نہیں لیتا لیکن اس وقت اگر وہ کوئی کار معاش کرتا تو اس کا جو معاوضہ ملتا وہ لیتا ہے، اسی تاویل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر اور دیگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو کار خلافت اور امامت کی اجرت دی اور اسی تاویل سے نماز کی امامت کی اجرت دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قاری للہ فی اللہ قرآن مجید پڑھے اور پڑھوانے والا للہ فی اللہ بلا تعیین کچھ خدمت کر دے اور آج کل اسی کا رواج ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ علامہ آلوسی اور دیگر علماء نے درج ذیل حدیث کے پیش نظر قرآن مجید کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جن چیزوں پر اجرت لی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔ (صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب: ۱۶ صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سوئم، تیجہ اور چالیسویں وغیرہ کے کھانے کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تصریحات

اعلیٰ حضرت مجدد ملت تیجہ اور چالیسویں کے کھانے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

سوئم، دہم و چہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے، برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی بات ہے۔
(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۳، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

نیز سوئم کے کھانے اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں کے متعلق اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اوس کا قلب سیاہ ہوتا ہے، مشرک یا چمار (مردار خور) کو اس کا دینا گناہ ہے، فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے، یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیاء کرام طعام موت نہیں وہ تبرک ہے، فقیر و غنی سب لیں جب کہ مانی ہوئی نذر بہ طور نذر شرعی نہ ہو، نذر شرعی ہو تو پھر غیر فقیر کو دینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز کے متعلق اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اور حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردہ میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں، انہیں اس سے باز رکھا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

کسی نے کہا: کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی (اسی طرح سوئم، چہلم اور عرس کے متعلق بھی سوال کیا جاتا ہے) اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت تحریر فرماتے ہیں:

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے؟ یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا؟ اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول نے منع نہ فرمایا ہو دوسرا کیوں منع کرے گا۔ اپنے دل سے شریعت گھڑے گا:

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
(یونس: ۷۰۔۶۹)

آپ کہیے: جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہوں گے ○ (یہ) دنیا کا عارضی فائدہ ہے، پھر ہماری ہی طرف انہوں نے لوٹنا ہے، پھر ہم ان کو ان کے کفریہ کاموں کی وجہ سے ان کو سخت عذاب چکھائیں گے ○
(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۶، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا تراویح کے نذرانہ کے متعلق موقف اور نذرانہ لینے کو ناجائز قرار دینا الا یہ کہ حافظ نذرانہ لینے سے خود منع کر دے

اعلیٰ حضرت مجدد ملت رضی اللہ عنہ سے تراویح کا نذرانہ لینے اور شیرینی پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا، اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں

تحریر فرماتے ہیں:

الجواب:

مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآن عظیم پر اجرت لینے سے بچیں، آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنت اور حصول ثواب کے لیے پڑھتا ہوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہوں، نہ ہوگا، اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اجرت نہیں ہو سکتی اس کا لینا حلال اور استاد کو دینا سعادت مندی، فتاویٰ امام قاضی خان میں مذکور ہے۔ الصریح یفوق الدلالۃ شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصاً اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار سمجھیں اور شرماشرمی شریک رہیں۔

(فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۷ ص ۴۷۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۵ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ کا تراویح کے نذرانہ کو ناجائز قرار دینا الا یہ کہ حافظ نذرانہ لینے سے خود منع کر دے

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ: آج کل اکثر رواج ہو گیا کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے دینے والا اور لینے والا دونوں گنہ گار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کر لیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط ہاں! اگر کہہ دے: کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا، پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ الصریح یفوق الدلالۃ۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۲۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ)

مصنف کے نزدیک تراویح کا نذرانہ لینے کے جواز کی توجیہات

- ہمارے نزدیک تراویح کے نذرانہ لینے کے جواز کی وہی پانچ توجیہات ہیں جو ہم نے اس سے پہلے ایصال ثواب کے نذرانہ کے متعلق بیان کی ہیں اور ان کی تائید حسب ذیل اثر سے ہوتی ہے:

حضرت سعید بن جبیر نے رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھائی، حجاج نے ان کی خدمت میں ایک ٹوپی بھیجی جس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۰، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

متقدمین فقہاء احناف کا عبادات پر اجرت لینے سے منع کرنا اور متاخرین فقہاء احناف کا ضرورت کی بنا پر عبادات کی اجرت لینے کی اجازت دینا

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اذان، حج اور اسی طرح امامت اور تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ عبادت جس کے ساتھ کوئی مسلمان خاص ہو ہمارے نزدیک اس پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہر وہ عبادت جو اجیر پر فرض عین نہ ہو اس پر اجرت کو طلب کرنا جائز ہے کیونکہ یہ ایک ایسے عمل پر اجرت کو طلب کرنا ہے جو اس پر فرض عین یا واجب عین نہیں ہے، سو اس پر اجرت کو طلب کرنا جائز ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید کی تلاوت کرو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ" (شعب الایمان، یہ حدیث ضعیف ہے، الدرایہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو یہ آخری وصیت کی کہ "اگر تم کو مؤذن بنایا جائے تو تم اذان پر اجرت نہ لینا" (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ،

مسند احمد، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکار ضعیف راوی ہیں، الدرایہ علی ہامش الہدایہ ج ۳ ص ۳۰۵) نیز اس لیے کہ جب کوئی عبادت ادا کی جائے تو وہ عامل کی طرف سے ادا ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس عبادت میں عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، پس اس عامل کے لیے اس عبادت کی اجرت لینا جائز نہیں ہے جس طرح روزہ اور نماز کی اجرت لینا جائز نہیں ہے اور تعلیم قرآن ان کاموں میں سے ہے جن پر معلم متعلم کی طرف سے قادر ہوتا ہے، پس وہ ایسی چیز کا التزام کرنے والا ہے جس کو وہ سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، پس اس لیے اس پر اجرت کا لینا جائز نہیں ہے اور ہمارے بعض مشائخ (بلخ) نے تعلیم قرآن پر اس زمانہ میں اجرت طلب کرنے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب دینی کاموں میں سستی ظاہر ہو چکی ہے، پس اس کو منع کرنے سے قرآن مجید کو حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے۔ (الہدایہ ج ۳ ص ۳۰۶-۳۰۵، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ سے مصنف کے اختلاف کا منشا اور محمل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ نے جو قرآن خوانی کے نذرانہ اور تراویح کے نذرانہ کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں نے متقدمین فقہاء احناف کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور مصنف (غفر اللہ لہ) نے جو ان کے نذرانے لینے کی توجیہات کی ہیں اور ان کے نذرانوں کو جائز قرار دیا ہے وہ متاخرین فقہاء احناف کے قول پر مبنی ہے۔

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق دیگر فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم اور امامت اور اذان پر اجرت لینا جائز ہے اور اجرت پر رکھنے والے کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۹ ص ۶۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علماء اصول نے کہا ہے کہ اجتہاد (افتاء) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مجتہد کو لوگوں کی عادت اور عرف کی معرفت ہو کیونکہ زمانہ کے بدلنے سے اکثر احکام بدل جاتے ہیں اور اس کی وجہ لوگوں کے عرف اور رواج کا بدلنا ہے یا کسی نئی ضرورت کا پیدا ہونا یا اہل زمانہ کا فساد ہے اور اگر عرف اور زمانہ کے بدلنے کے باوجود پہلا حکم باقی رکھا جائے تو لوگوں کو مشقت ہوگی اور ان کو ضرر پہنچے گا اور اس سے ان قواعد شرعیہ کی مخالفت ہوگی جو لوگوں کے لیے تخفیف اور آسانی اور ان سے ضرر اور فساد کو دور کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں تاکہ نظام عالم عمدہ احکام کے ساتھ برقرار رہے، اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ بہ کثرت مواقع پر مشائخ مذہب نے اپنے زمانہ کی ضروریات کی وجہ سے مجتہد کی تصریحات کے خلاف فتاویٰ جاری کیے کیونکہ ان کو یہ علم تھا کہ اگر وہ مجتہد بھی اس زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی قواعد مذاہب کے مطابق وہی کہتا جو انہوں نے کہا ہے۔ اس کی مثالوں میں سے ایک مثال تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ لینا ہے کیونکہ اسلام کے ابتداء عہد میں معلمین کو جو عطیات اور وظائف ملتے تھے اب وہ بند ہو گئے ہیں اور اگر معلمین بغیر اجرت کے تعلیم دیتے رہے تو اس سے وہ اور ان کے اہل وعیال ضائع ہو جائیں گے اور اگر وہ کوئی اور پیشہ یا کاروبار شروع کر دیں تو قرآن مجید اور دین کا علم ضائع ہو جائے گا، اس لیے انہوں نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا، اسی طرح امامت اور اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا حالانکہ یہ فتویٰ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی ان تصریحات کے خلاف ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا نماز، روزہ، حج اور تلاوت قرآن پر اجرت لینے کی طرح ناجائز ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۵، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

متقدمین فقہاء احناف نے تعلیم قرآن کی اجرت کو اس لیے مکروہ کہا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے اور ان عطیات کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات میں مستغنی تھے اور وہ لوگ محض ثواب کے لیے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے اور اب یہ چیز باقی نہیں ہے، امام ابوعبداللہ الخیز اخزی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام، موذن اور معلم کے لیے اجرت کا لینا جائز ہے، اس کا الذخیرہ میں ذکر ہے۔ (العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱۔ ۴۰، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اسی طرح علامہ خوارزمی حنفی نے لکھا ہے: (الکفایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی التوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے صدر اول میں تعلیم قرآن کی اجرت کو اس لیے مکروہ قرار دیا تھا کہ اس وقت حاملین قرآن بہت کم تھے اور تعلیم کا دینا واجب تھا تا کہ قرآن جاتا نہ رہے لیکن ہمارے زمانہ میں حاملین قرآن بہت زیادہ ہیں اور اب قرآن مجید کی تعلیم دینا واجب نہیں رہا، پس اس لیے قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت طلب کرنا جائز ہے۔

اور شیخ الاسلام امام ابوبکر محمد بن الفضل البخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے فقہاء متاخرین نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ متقدمین نے اس کو اس لیے مکروہ قرار دیا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات دیئے جاتے تھے، پس وہ اپنی معاشی ضروریات سے مستغنی تھے اور لوگ ثواب کی نیت سے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے اور متعلمین بغیر شرط کے احساناً ان کی خدمت کرتے تھے اور اس زمانہ میں معلمین کو بیت المال سے وظائف نہیں ملتے اور تعلیم دینے کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات کو کما کر حاصل نہیں کر سکتے اور محض ثواب کی نیت سے معلمین بھی تعلیم دینے میں رغبت نہیں رکھتے اور نہ متعلمین بغیر شرط کے احساناً ان کی خدمت کرتے ہیں، اس لیے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور تعلیم قرآن پر معلم کو رکھنے والے کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اجرت نہ دے تو اس کو قید کر لیا جائے گا۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

اور اسی طرح ہمارے زمانہ میں فقہ کی تعلیم پر اجرت کو طلب کرنا جائز ہے اور امامت اور اذان پر اجرت طلب کرنا جائز ہے، ہاں! حج، جہاد اور باقی عبادات پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کو بھی ان عبادات کی اجرت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(المحیط البرہانی ج ۱۱ ص ۳۴۴۔ ۳۴۳، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ)

فتاویٰ عالمگیری میں بھی المحیط کے حوالہ سے اسی طرح مذکور ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۴۴۹، مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری حنفی نے بھی اسی طرح المبسوط کے حوالہ سے لکھا ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۴، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۱، مطبع تیج کمار، لکھنؤ)

شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کو اور اس پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۰۷) سنن ابوداود میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المعوذتین پڑھ کر دم کرنے کو مکروہ فرمایا"۔ مؤلف کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن حرملہ ہے اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں معلوم نہیں ہے، نیز معوذتین سے دم کرنے کی ممانعت سورۃ الفاتحہ سے دم کرنے کی ممانعت کو مستلزم نہیں ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ: اطاعت وعبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لیے، امامت کے لیے، قرآن وفقہ کی تعلیم کے لیے اور حج کے لیے یعنی اس لیے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے متقدمین فقہاء کا یہی مسلک ہے مگر متاخرین نے دیکھا کہ دین کے کاموں میں سستی پیدا ہوگئی ہے، اگر اس اجارہ کی سب صورتوں کو ناجائز کہا جائے تو دین کے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہو گا، پس انہوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثناء فرما دیا اور یہ فتویٰ دیا کہ تعلیم القرآن، فقہ، اذان اور امامت پر اجارہ جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے، اسی طرح اگر مؤذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور اس سے شعار اسلامی میں زبردست کمی واقع ہو جائے گی، اسی طرح بعض علماء نے وعظ پر اجارہ کو بھی جائز کہا ہے، اس زمانہ میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اہل علم نہیں ہیں، ادھر ادھر سے کوئی عالم پہنچ جاتا ہے جو وعظ تقریر کے ذریعہ انہیں دین کی تعلیم دے دیتا ہے، اگر اس اجارہ کو ناجائز کر دیا جائے تو عوام کو جو اس ذریعہ سے کچھ علم کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اس کا انسداد ہو جائے گا، یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل مذہب یہی ہے کہ اجارہ ناجائز ہے ایک دینی ضرورت کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو جس بندہ خدا سے ہو سکے ان امور کو محض خالصاً لوجہ اللہ انجام دے اور اجر اخروی کا مستحق بنے تو اس سے بہتر کیا بات ہے، پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں بلکہ یہ تصور کرتے ہوئے کہ دین کی خدمت یہ کرتے ہیں ہم ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحق ثواب ہوگا اور لینے والے کا لینا جائز ہوگا کہ یہ اجرت نہیں ہے بلکہ اعانت اور امداد ہے۔

(بہار شریعت ج ۱۴ ص ۱۱۴۔ ۱۱۳، مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

اس سلسلہ میں ایک وہ حدیث ہے جس کو ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور قند مکرر کے طور پر دوبارہ ذہنوں میں تازہ کرنے کے لیے لکھ رہے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: "جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔ اور شعبی نے کہا: معلم اجرت لینے کی شرط نہ لگائے لیکن اگر اسے از خود اجرت دی جائے تو وہ اس کو قبول کر لے اور حکم نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی معلم کی اجرت کو مکروہ کہا ہو اور حسن بصری کو دس درہم دیئے گئے اور ابن سیرین قسام کی اجرت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے کہا: گویا کہ کہا جاتا ہے کہ قضا کی اجرت لینا رشوت ہے اور ان کو اندازے سے اجرت دی جاتی تھی۔ (صحیح البخاری کتاب الاجارہ باب: ۱۶، عرب کے قبائل پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض اجرت لینا صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور اس سلسلہ میں اس باب کی حدیث صحیح البخاری: ۵۰۰۷ حجت ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک قبیلہ کے سردار کو بچھو کے کاٹے ہوئے پر دم کیا، اس نے ان کو تیس (۳۰) بکریاں اس کے معاوضہ میں دیں اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل کو جائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے:

(صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۹، مسند احمد: ۱۶۷۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۰۰، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۲۷)

تیسری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین پانچوں وقت کی نمازیں پڑھاتے تھے، نماز جنازہ اور جمعہ پڑھاتے تھے، فتاویٰ جاری

کرتے تھے، قرآن مجید اور حدیث نبوی کی تفسیر وتشریح کرتے تھے، مسلمانوں کے دینی معاملات کا انتظام کرتے تھے، جہاد کے لیے لشکر روانہ کرتے تھے، اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے، حدود اور تعزیرات کو جاری کرتے تھے، قاضیوں کو معزول اور مقرر کرتے تھے اور دیگر اسلامی شہروں میں امراء اور حکام کا تقرر کرتے تھے اور ان تمام عبادات اور دینی امور انجام دینے پر خود بھی بیت المال سے وظائف لیتے تھے۔ اس کے ثبوت میں درج ذیل احادیث اور آثار ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے لیکن اب میں مسلمانوں کے ملکی انتظام سنبھالنے میں مشغول ہو گیا ہوں تو اب ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور ابوبکر مسلمانوں کے دینی اور ملکی امور انجام دے گا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۷۰)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء بن السائب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ صبح کو کپڑوں کی ایک گٹھڑی لے کر بیچنے کے لیے گئے۔ ان کی حضرت عمر اور حضرت عبیدہ بن الجراح سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے بتایا: بازار، ان دونوں نے کہا: آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا: پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا: چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں، پھر انہوں نے آپ کے لیے آدھی بکری اور سر اور پیر ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۴، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو صحابہ نے ان کے لیے دو ہزار (درہم) مقرر کیے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: اس میں اضافہ کرو کیونکہ میرے عیال (بال بچے) ہیں اور تمہاری مصروفیات نے مجھے تجارت سے روک دیا ہے، تب صحابہ نے پانچ سو (درہم) کا اضافہ کر دیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۵، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

حارثہ بن مضرب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے لیے بیت المال کو مال یتیم کے درجہ میں قرار دیا ہے، اگر میں مستغنی ہوں تو اس سے اجتناب کرتا ہوں اور اگر مجھے ضرورت ہو تو دستور کے مطابق بیت المال سے کھاتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷۶، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

الوضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں تین معلم تھے جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو پندرہ (۱۵) درہم ماہانہ دیتے تھے۔ (المصنف ج ۶ ص ۲۲۰، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کی امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۱۲۴، نشر السنہ، ملتان)

ان تمام احادیث اور آثار اور فقہاء احناف متاخرین کی تصریحات سے یہ مسئلہ الم نشرح ہو گیا کہ قرآن مجید احادیث اور فقہ کی تعلیم اور امامت، خطابت، وعظ وتذکیر اور تراویح پڑھانے کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے اور یہ صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے اسلاف میں مروج رہا ہے۔

ہم نے اس مسئلہ کو شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۵۷۵۔۵۶۸ میں بھی لکھا، پھر اس کے بعد شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۰۶۶۔۱۰۳۶ میں زیادہ تفصیل سے لکھا لیکن یہاں نعمۃ الباری ج ۹ میں اس مسئلہ کو بہت ضبط اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے اور تمام اکابر کے ادب

واحترام کو ملحوظ رکھا ہے اور ان کے اقوال میں تطبیق دینے کی بھر پور سعی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور مجھے بخش دے اور مجھے اور میرے قارئین کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے اور جنت الفردوس عطا فرمائے (آمین) اس بحث کو مکمل کرنے کے بعد ہم صحیح البخاری: ۵۰۰۸ کی شرح کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

۱۰۔ بَابُ: فَضْلِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ — سورۃ البقرۃ کی فضیلت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں سورۃ البقرۃ کی فضیلت کا بیان ہے اور سورۃ البقرۃ کا معنی ہے وہ سورت جس میں گائے کا ذکر کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲)

۵۰۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از سلیمان از ابراہیم از عبدالرحمٰن از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے دو آیتوں کو پڑھا۔

۵۰۰۹۔ (م) وحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضى الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

اور ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبدالرحمٰن بن یزید از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مرد نے رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کو کافی ہوں گی'' (تہجد کی نماز میں)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۸ھ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کا مصداق

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیتیں: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخیر سورت تک ہیں اور تہجد میں ان دو آیتوں کو پڑھنا کافی ہے جب کہ ان دو آیتوں کو سورۃ الفاتحہ کے ساتھ پڑھا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تہجد کی ایک رکعت میں کم از کم تین آیات پڑھے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۹۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ البقرۃ کی ان دو آیتوں کے متعلق دیگر کتب حدیث میں روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علی بن سعید عسکری نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ جس نے ان دو آیتوں کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھا تو وہ اسے کافی ہوں گی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورت تک۔
حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کتاب فرض کی اور اس میں دو آیتیں نازل کیں اور ان پر سورۃ البقرۃ کو ختم کیا''۔ اس حدیث کی اصل سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور امام ابوعبیدہ نے فضائل قرآن میں جبیر بن نفیر کی یہ مرسل روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ تم ان آیتوں کو پڑھو اور اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیویوں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ یہ دو آیتیں قرآن ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کے رات میں کافی ہونے کے متعدد محامل

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس مرد نے رات میں ان دو آیتوں کو پڑھا وہ اس کو کافی ہوں گی"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ان دو آیتوں کے رات میں کافی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) یعنی تہجد کی نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے یہ دو آیتیں کافی ہوں گی، ان دو آیتوں کا پڑھنا قیام اللیل کے لیے کافی ہے۔

(۲) ان دو آیتوں کا پڑھنا مطلقاً قرآن پڑھنے سے کفایت کرے گا خواہ ان دو آیتوں کو نماز کے اندر پڑھے یا نماز کے باہر پڑھے۔

(۳) یہ دو آیتیں ایمان اور اعمال سے متعلق اجمالی ایمان کے لیے کافی ہیں۔

(۴) ان دو آیتوں کا پڑھنا اس کو ہر برائی اور معصیت سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

(۵) ان دو آیتوں کا پڑھنا شیطان رجیم کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

(۶) یہ دو آیتیں شیاطین الانس اور شیاطین الجن کے شر کو دور کرتی ہیں اور ان سے بچاتی ہیں۔

(۷) یہ دو آیتیں حصول ثواب کے لیے کافی ہیں اور کسی دوسری چیز کو طلب کرنے سے کافی ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کی تخصیص کی توجیہات

ان دو آیتوں کی تخصیص کی توجیہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحسین کی گئی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے اور گریہ وزاری سے دعا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مطلوب انہیں عطاء فرما دیا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا وہ اس کے لیے رات کے قیام سے کافی ہوں گی"۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب لکھی اور اس میں دو آیتیں نازل کیں جن پر سورۃ البقرۃ کو ختم کیا، جس گھر میں یہ دو آیتیں پڑھی جائیں گی اس گھر میں تین راتوں تک شیطان داخل نہیں ہوگا، اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۱۰۔ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنهُ قَالَ وَكَّلَنِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَصَّ الْحَدِيثَ فَقَالَ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ لَنْ

اور عثمان بن الہیثم نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت کا وکیل مقرر کیا، پس میرے پاس ایک آنے والا آیا اور وہ مٹھی بھر کر طعام لے جانے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، پس میں نے کہا: میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا، پھر انہوں نے اس

يَزَالَ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ ذَاكَ شَيْطَانٌ۔

حدیث کا قصہ بیان کیا، پس اس آنے والے نے کہا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو تو ہمیشہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ رہے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچ کہا ہے حالانکہ یہ جھوٹا ہے، یہی شیطان ہے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۱ میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کی اختصار سے روایت کی ہے اور صحیح البخاری: ۲۳۱۱ میں اس حدیث کی مفصل روایت کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۱۰، ۲۳۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۳۸، سنن ترمذی: ۲۸۸۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۳۰۔ ۱۳۱، شرح السنۃ ج ۴ ص ۴۶۰۔ ۴۶۱، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۱۸، معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۶۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۱۰۷)

مفصل حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ نے اس مٹھی بھر طعام چرانے والے کو پکڑ لیا تو کہا: میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ضرور پیش کروں گا، پس اس نے کہا: میں محتاج ہوں اور میرے بال بچے ہیں اور مجھے شدید حاجت ہے، پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا، پس جب صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے پوچھا: ''اے ابو ہریرہ! تمہارے رات کے قیدی نے کیا کیا''، حضرت ابو ہریرہ نے جواب دیا: میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے شدید حاجت کی شکایت کی اور بال بچوں کی شکایت کی، پس میں نے اس پر رحم کیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''لیکن اس نے تم سے جھوٹ بولا وہ عنقریب پھر آئے گا'' پس میں نے جان لیا کہ وہ عنقریب پھر آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''وہ عنقریب پھر آئے گا''۔

جس مال کی حفاظت کا کسی کو وکیل بنایا جائے تو وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ از خود کسی کو اس میں سے کچھ دے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو اس چور کو چھوڑ دیا تھا اس کی توجیہ

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چور کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس فعل کو برقرار رکھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کو کسی چیز کی حفاظت کرنے کا وکیل بنایا جائے یا جس شخص کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، پس وہ اس میں سے کوئی چیز دوسرے کو دے دے تو اس کا یہ دینا جائز نہیں ہے خواہ اس نے عرف اور دستور کے مطابق تھوڑی سی چیز دی ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس لیے جائز تھا کہ شارع علیہ السلام نے بعد میں ان کو اجازت دے دی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کو صرف اس مال کی حفاظت کا وکیل بنایا تھا اور کسی کو کچھ عطا کرنے کا وکیل نہیں بنایا تھا اور نہ ان کو یہ اجازت دی تھی کہ اگر کوئی اس مال میں سے کچھ لوٹ کرلے جائے تو اس کو جانے دو اور اس تاویل کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں سے کچھ تلف کر دے اور اگر وہ اس میں سے کچھ تلف کرے گا تو وہ اس کا ضامن ہو گا سوا اس صورت کے کہ اس مال کا مالک اس کو اجازت دے دے اور اگر وہ اجازت نہیں دیتا تو پھر اس تلف شدہ چیز کا ضامن ہو گا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر اس نے اس مال میں سے کسی کو کچھ قرض دیا جس کی حفاظت کا اسے وکیل بنایا گیا تھا یا اس مال میں سے کسی کو کچھ قرض دیا جو مال اس کے پاس امانت تھا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں تھا

لیکن اگر اس نے ایسا کر لیا تو پھر مال کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اس کے اس فعل کو برقرار رکھے یا چاہے تو اس کو اس کا ضامن بنائے۔ (شرح ابن بطال ج ۶ ص ۴۴۹۔۴۴۸)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد و مسائل

(۱) اگر کوئی شخص شدید بھوک کی وجہ سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور امام کے پاس اس کا مقدمہ پیش کرنے سے پہلے اس کو معاف کرنا جائز ہے اور یہ کہ شیطان کو بھی بعض اوقات کسی نفع آور چیز کا علم ہوتا ہے کیونکہ شیطان نے کہا کہ تم اپنے بستر پر آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایک محافظ مقرر فرمائے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بات کی تصدیق کر دی۔

(۲) کذاب بھی شاذ و نادر سچ بولتا ہے کیونکہ شیطان نے یہ بات سچی کہی تھی۔

(۳) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے غیب کی خبر دی اور حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا: ''تمہارے رات کے قیدی کا کیا معاملہ ہوا''۔

(۴) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ (الاعراف: ۲۷)

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ جب کوئی شخص شیطان کو نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شیطان کو کیسے دیکھ لیا، اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو اس کی صورت میں جس صورت میں اس کو پیدا کیا گیا ہے کوئی نہیں دیکھ سکتا لیکن جب شیطان کسی جسمانی صورت میں متشکل ہو کر آئے جیسا کہ وہ شیطان چور کی صورت میں آیا تھا تو پھر اس کو دیکھنا ممکن ہے، اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ نے اس کو دیکھ لیا تھا۔

(۵) کبھی جنات انسانوں کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں اور انسانوں کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور یہ کہ جنات چوری بھی کرتے ہیں۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور کا عذر قبول کر لینا چاہیے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا عذر قبول کر کے اس کو چھوڑ دیا تھا۔

(۷) علامہ داؤدی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کو قیدی فرمایا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چور کو رسی سے باندھ دیا تھا۔

(۸) شیطان قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھ سکتا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ شیطان نے کہا: میں تمہیں ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ اس کے پڑھنے سے شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ شیطان نے کہا: میں اس کو پڑھ نہیں سکتا، وہ آیۃ الکرسی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۳)

(۹) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شیطان کو دھمکایا کہ میں تم کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا اور شیطان نے ان کو دھوکہ دیا، اس حدیث میں چور کو دھمکانے اور شیطان کے دھوکا دینے کا ثبوت ہے۔

(۱۰) وہ شیطان تین مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور چوتھی بار اس نے کہا: آپ مجھے چھوڑ دیں میں آپ کو ایک نفع آور چیز کی تعلیم دوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف تین بار کسی جرم کا عذر قبول ہو سکتا ہے۔

(۱۱) اس حدیث میں آیۃ الکرسی کی فضیلت کا ذکر ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں آیۃ الکرسی سے عظیم اور کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۴) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آیۃ الکرسی کا ثواب سب سے زیادہ عظیم ہے۔

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان سوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کا اس شخص میں حصہ ہوتا ہے اور اگر وہ قرآن کی کوئی آیت پڑھ لے تو پھر وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۲۰۰۔ ۱۹۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

آیت الکرسی کے فضائل

نیز علامہ ابن ملقن شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی آیتوں کی سردار آیۃ الکرسی ہے''۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۵۹)

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورۃ البقرۃ ہے اور اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیۃ الکرسی ہے''۔ (سنن ترمذی: ۲۸۷۸)

امام ابن حبان نے حضرت ابوصالح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اس سورت میں آیۃ الکرسی ہے اور وہ قرآن مجید کی آیات کی کوہان ہے اور جس گھر میں بھی آیۃ الکرسی پڑھی جائے گی شیطان اس گھر سے نکل جائے گا۔ (صحیح ابن حبان: ۷۸۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں آیۃ الکرسی سے زیادہ عظیم کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۴)

امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت یہ ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (الآیہ) (فضائل القرآن لابی عبید ص ۲۳۰۔ ۲۲۹، صحیح مسلم: ۸۱۰)

اور امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورۃ البقرۃ ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۱، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور یہ حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے)۔

امام ابن الضریس نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر سب سے عظیم کون سی آیت نازل ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: ''آیۃ الکرسی''۔ (فضائل القرآن لابن الضریس: ۸۶)

امام نسائی نے حضرت ابی ابن کعب سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ: ۹۶۶)

امام بیہقی نے بھی بریدہ بن الحسیب سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۱۱)

اور امام عبد الرزاق نے حضرت بریدہ بن الحسیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے: اس آیت یعنی آیۃ الکرسی کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں اور عرش کے پائے کے پاس ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس کرتا ہے''۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۷۸، شعب الایمان للبیہقی: ۲۳۸۷۔ ۲۳۸۶، صحیح مسلم: ۸۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آیۃ الکرسی قرآن عظیم کا چوتھا حصہ ہے''۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۱)

سورۃ البقرۃ کے دیگر فضائل

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ قرآن مجید قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا، تم سورۃ البقرۃ کو اور سورۃ آل عمران کو سیکھو اور تم الزَّهْرَاوَيْن کو سیکھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی گویا کہ وہ دو بادل ہیں یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو صفیں ہیں اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی اور سورۃ البقرۃ کو سیکھو کیونکہ اس کا سیکھنا برکت ہے اور اس کے ترک کرنے میں حسرت ہے اور باطل لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے''۔ (صحیح مسلم: ۸۰۴، سنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۴۰، المستدرک ج ۱ ص ۵۶۱) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۷۳۔۷۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے فرمایا: اس (چور) نے سچ کہا، پھر ازالہ وہم کے لیے فرمایا: لیکن وہ جھوٹا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچ کہا حالانکہ یہ جھوٹا ہے''۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تتمیم بلیغ ہے کیونکہ جب آپ نے فرمایا کہ اس نے تم سے سچ کہا تو اس سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کی مدح فرمائی ہو، پس آپ نے اس کو جھوٹا فرما کر اس کا تدارک فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ اس کی عادت ہمیشہ جھوٹ بولنا ہے لیکن اس دفعہ اس نے سچ بولا جیسے کہتے ہیں کہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بولتا ہے اور آپ نے فرمایا: یہ شیطان ہے، اس سے مراد وہ شیطان ہے جو معہود فی الذہن ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ہر آدمی کے لیے شیطان ہوتا ہے جس کے وہ سپرد کیا جاتا ہے یا آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ تمہارا شیطان ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو شیطان کو باندھنے سے رک گئے تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کیسے باندھ دیا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شیطان کو رسی سے باندھ دیا اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''بے شک ایک سرکش جن گزشتہ رات مجھ پر حملہ آور ہوا تا کہ میری نماز منقطع کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھے قادر کر دیا، پس میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ جب تم صبح کو اٹھو تو تم سب اس کو دیکھو، پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ۔ (ص: ۳۵) اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱، صحیح مسلم: ۵۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸، شرح السنۃ ج ۳ ص ۲۶۹، مشکوٰۃ: ۹۸۷، کنز العمال: ۳۱۹۵۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۳۰، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۶۴، مسند ابوعوانہ: ج ۲ ص ۱۴۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۹۷)

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو شیطان کو رسی سے باندھنے سے رک گئے تھے اور صحیح البخاری: ۲۳۱۱ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے اس شیطان کو رسی سے باندھ دیا تھا، اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شیطان کو باندھنے کا ارادہ کیا تھا وہ شیاطین کا سردار تھا اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرت سے یہ لازم آتا کہ تمام شیاطین پر آپ کو قدرت ہے اور یہ بہ ظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے خلاف تھا اس لیے آپ رک گئے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول نہیں ہوئی، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس شیطان کو باندھ دیا تھا وہ یہ شیطان نہیں تھا بلکہ اس کی ذریت میں کوئی اور شیطان تھا، دوسرا جواب یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطان کو باندھنے کا ارادہ فرمایا تھا یہ شیطان اپنی اصلی صفت میں تھا جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور اسی طرح جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ بھی اپنی اصلی شکل میں ہوتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو شیطان آیا تھا وہ انسان کی شکل میں آیا تھا، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو اس کو باندھا اور اس پر قادر ہوئے اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے خلاف نہیں ہوا کیونکہ ان کی دعا ان شیاطین پر منفرد سلطنت کے متعلق تھی جو اپنی اصلی شکل میں ہوتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس شیطان کو باندھا وہ انسانی شکل میں تھا، پس اشکال دور ہو گیا۔ والعلم عند اللہ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱- بَابُ: فَضْلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ

سورۃ الکہف کی فضیلت

۵۰۱۱- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے حدیث بیان کی از حضرت البراء ابن عازب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا اور اس کے پہلو میں ایک گھوڑا دو رسیوں سے باندھا ہوا تھا، پس اس مرد کو بادل نے ڈھانپ لیا، پس بادل اس کے قریب ہوتا اور زیادہ قریب ہوتا اور اس کا گھوڑا بدک رہا تھا، پس جب صبح ہوئی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ سکینہ ہے جو قرآن مجید کی وجہ سے نازل ہوا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۸۳۹، ۵۰۱۱، صحیح مسلم: ۷۹۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۴، الدر المنثور ج ۴ ص ۲۰۹)

بعض مشکل الفاظ کے معانی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد نے سورۃ الکہف پڑھی اور اس کے گھر میں گھوڑا بندھا ہوا بدک رہا تھا اس مرد کا نام حضرت اسید بن الحضیر رضی اللہ عنہ ہے۔

یہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جو نقباء تھے اور انہوں نے مدینہ سے مکہ جا کر ایک گھاٹی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

اس حدیث میں الضبابہ کا لفظ ہے، ابن فارس نے کہا: اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو غبار کی مثل ہو۔ (مجمل اللغۃ ج ۲ ص ۶۵۰)

علامہ الداؤدی نے کہا: الضبابہ بادل کے قریب ہے اور یہ بادل کو کہتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بنو آدم کے سوا حیوانات بھی قرآن مجید کو سنتے ہیں۔

اس حدیث میں السکینہ کا لفظ ہے، اس سے مراد لپٹی ہوئی ہوا ہے اور اس سے نازل ہونے والے فرشتے بھی مراد ہوتے ہیں جن پر السکینہ نازل ہوتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۱۹۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سکینہ کی تاویل اور تفسیر میں متعدد اقوال

حافظ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سکینہ تیز چلنے والی ہوا ہے جس کا انسان کی طرح چہرہ ہے۔
(تفسیر امام عبدالرزاق: ۳۱۳، تفسیر ابن جریر: ۵۶۷۱۔ ۵۶۶۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۲۴۷۳، المستدرک ج ۲ ص ۴۶۰)

مجاہد بیان کرتے ہیں: اس کا بلی کے سر کی طرح سر ہے اور اس کے دو پر ہیں اور بلی کی دم کی طرح اس کی دم ہے۔
(تفسیر عبدالرزاق: ۳۱۴، تفسیر طبری: ۵۶۷۸۔ ۵۶۷۵، تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۷۶)

العباس اور الربیع بیان کرتے ہیں کہ یہ بلی کی طرح ایک جانور ہے، اس کی دونوں آنکھوں میں شعاعیں ہیں، پس جب دو جماعتیں لڑتی ہیں اور یہ ان کی طرف دیکھتی ہے تو لشکر مرعوب ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور السدی نے بیان کیا ہے کہ یہ جنت میں سونے کا طشت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو دھویا جاتا ہے۔ (تفسیر طبری: ۵۶۸۱۔ ۵۶۸۰، تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۷۸)

ابو مالک بیان کرتے ہیں: یہ سونے کا طشت ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات اور عصا کو رکھا تھا۔
(تفسیر طبری: ۵۶۸۱)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے جو کلام کرتی ہے اور جب لوگوں کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو ان کو وہ مسئلہ بیان کرتی ہے۔ (تفسیر طبری: ۵۶۸۳۔ ۵۶۸۲)

ضحاک بیان کرتے ہیں: السکینہ رحمت ہے۔ (تفسیر طبری: ۵۶۸۵، تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۸۱)

سورۃ الکہف کے فضائل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''جس نے جمعہ کے دن سورۃ الکہف کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ دو جمعوں کے درمیان اس کے لیے ایک نور روشن کر دیتا ہے''۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔
(المستدرک ج ۲ ص ۳۶۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۹)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی نعیم بن حماد ہے، امام بخاری اس سے روایت کرتے ہیں اور امام احمد اور ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسرے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹)

نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے جمعہ کی رات میں سورۃ الکہف کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اور کعبہ کے درمیان ایک نور کو روشن کر دیتا ہے۔ (سنن دارمی: ۳۴۵۰، شعب الایمان للبیہقی: ۲۴۴۴)

علامہ ابن التین نے کہا: جو شخص جمعہ کے دن بغیر فصل کے سورۃ الکہف کی تلاوت کرے یہ سورت اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک اس کی حفاظت کرتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۷۷۔ ۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

السَّكِيْنَة کی تعریف میں مزید اقوال اور قرآن مجید میں مذکور سکینہ کی آیات میں ان اقوال کا اطلاق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں مذکور الصدر السکینہ کے متعلق

اقوال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ضحاک بن مزاحم کا قول ہے: السکینہ رحمت ہے اور اس سے مراد دل کا سکون ہے اور یہ امام طبری کا مختار ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ السکینہ سے مراد الطمانیت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وقار ہے اور الصنعانی نے ذکر کیا ہے: اس سے مراد ملائکہ ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ السکینہ کا اطلاق ان تمام معانی پر مشترک ہوتا ہے اور ہر جگہ جو اس کے مناسب معنی ہو اس کا ارادہ کیا جائے گا اور اس باب کی حدیث کے مناسب پہلا قول ہے، اور وہب نے جو کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے یہ قول بھی بعید نہیں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔ (التوبہ: ۴۰) سو اللہ تعالیٰ نے ان پر (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) طمانیت قلب نازل کی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ حضرت ابوبکر سے فرمارہے تھے: غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اللہ نے ان پر طمانیت قلب نازل کی۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الفتح: ۴) وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا۔

ان دونوں آیتوں میں متبادر یہ ہے کہ سکینہ سے مراد سکون اور طمانیت قلب ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (البقرہ: ۲۴۸) اور ان کے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) نے ان سے کہا: بے شک اس بادشاہ (یعنی طالوت) کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں، اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس آیت میں ہوسکتا ہے کہ سکینہ سے مراد جنت میں سونے کا طشت ہو جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب دھوئے جاتے ہوں جیسا کہ السدی نے ذکر کیا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سکینہ سے مراد وہ طشت ہو جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی الواح تورات اور اپنے عصا کو رکھا تھا جیسا کہ ابو مالک کا قول ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ السکینہ ایک ایسی مخلوق ہے جس میں طمانیت اور رحمت ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کی اس شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(تیسیر القاری ج ۵ ص ۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۱۲۔ بَابُ: فَضْلِ سُوْرَةِ الْفَتْحِ — سورۃ الفتح کی فضیلت

۵۰۱۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی،

زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عُمَرُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُكَ قَالَ عُمَرُ فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي حَتَّى كُنْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيتُ أَنْ يَنْزِلَ فِيَّ قُرْآنٌ فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ بِي قَالَ فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ قَالَ فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح:۱)

انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از والد خود کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں رات کو جا رہے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ رات میں جا رہے تھے، پس حضرت عمر نے آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو جواب نہیں دیا، حضرت عمر نے پھر آپ سے سوال کیا، پس آپ نے ان کو جواب نہیں دیا، حضرت عمر نے پھر آپ سے سوال کیا، آپ نے پھر جواب نہیں دیا، پس حضرت عمر نے اپنے دل میں کہا: تم پر تمہاری ماں روئے تم نے رسول اللہ ﷺ سے تین مرتبہ اصرار سے سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ہر بار تم کو جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر نے بیان کیا: پس میں نے اپنے اونٹ کو دوڑایا حتیٰ کہ میں تمام لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ میرے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوگی، پس میں تھوڑی دیر ٹھہرا تھا میں نے کسی چلانے والے کی آواز سنی، حضرت عمر نے بیان کیا: تو میں نے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ میرے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوگی، انہوں نے بیان کیا: پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا: ''بے شک آج رات مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (الفتح:۱) (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی O''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۷۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۱۷۷۔ ۴۸۳۳۔ ۵۰۱۲، صحیح مسلم: ۱۷۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۶۳، موطا امام مالک: ۲۰۴، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۱۵۴، کنز العمال: ۲۶۳۶۔ ۲۶۳۵، معالم التنزیل ج ۶ ص ۱۸۷)

نَذَرْتَ کا معنی اور الفتح:۱ کا مقام نزول

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نذرت کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: تم نے بہت اصرار اور شدت سے سوال کیا۔ (تہذیب اللغت ج ۴ ص ۳۵۴۹)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس جگہ نازل ہوئی، الاکلیل میں مذکور ہے: یہ آیت کراع الغمیم میں نازل ہوئی اور امام محمد سعد

متوفی ۲۳۰ھ نے لکھا ہے: یہ آیت عسفان میں نازل ہوئی۔
(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۳۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفتح: ۱ کو اشباع اور ترجیع کے ساتھ پڑھا، اس کی توجیہ

امام بخاری نے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن سورۃ الفتح کو پڑھا اور اس میں ترجیع کی (یعنی مبینا کے الف کو بہت کھینچ کر پڑھا)۔ (صحیح البخاری: ۵۰۴۷)

امام ابو عبید کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں اس لہجہ میں اس طرز میں پڑھتا جس طرز اور لہجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی قراءت کی تھی۔ (فضائل القرآن ص ۱۵۹)

بعض شارحین کا یہ زعم ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے اور اونٹنی کی حرکت کی وجہ سے آپ کی آواز میں اشباع ہوا یعنی آپ نے انا فتحنا اور مبینا میں الف کو بہت کھینچ کر اور لمبا کر کے پڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز بہت حسین تھی اور جب آپ قراءت کرتے تو کھینچ کر پڑھتے اور حروف پر وقف کرتے، اور کہا گیا ہے کہ ہر نبی کو خوش آوازی کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قراءت میں ترتیل اور خوش آوازی مستحب ہے جیسا کہ قاضی عیاض مالکی نے نقل کیا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۶۱، النہایہ ج ۲ ص ۲۰۲)

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ ترجیع کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ تحزین اور تشویق پر محمول ہیں۔ (فضائل القرآن ص ۱۶۴)

قرآن مجید کو خوش آوازی، سر اور ترنم کے ساتھ پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

خوش آوازی اور سریلے لہجے میں قرآن پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے، امام مالک اور جمہور علماء نے اس کو مکروہ کہا ہے۔
(المدونہ ج ۳ ص ۴۷۹)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خوش آوازی اور سریلے لہجے میں قرآن مجید پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور اسی طرح متقدمین نے، کیونکہ اس سلسلہ میں احادیث ہیں اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا رقت اور خشیت الٰہی کا سبب ہے اور لوگ اس کو زیادہ غور سے سنتے ہیں۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۹۱)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میں خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں اور دوسرے مقام پر کہا: میں اس کو مکروہ نہیں قرار دیتا اور امام شافعی کے اصحاب نے ان مختلف اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب خوش آوازی اور سر کے ساتھ پڑھنے کے سبب سے کوئی لفظ نحو اور تجوید کے قواعد سے خارج ہو جائے مثلاً أبی و استکبر کو اس طرح کھینچ کر پڑھے کہ وہ واحد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ ہو جائے یا جہاں ادغام نہ ہو وہاں ادغام ہو جائے یا کوئی حرف زیادہ یا کم ہو جائے تو پھر خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے اور جب خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے کسی لفظ کی ادائیگی میں تغیر نہ ہو تو پھر خوش آوازی اور سر کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۱۱ ص ۲۲۷)

امام مالک نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذکار اور قرآن مجید کی تلاوت کو گویوں یعنی گانے والوں کی طرزوں کی مشابہت سے منزہ رکھنا چاہیے کیونکہ قرآن مجید حق اور صدق ہے جب کہ غناء (یعنی گانا) لہو و لعب ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم بن القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا جائز نہیں ہے اور ہمیں تمام مشائخ سے تواتر کے ساتھ ایسی قراءت پہنچی ہے جس میں خوش آوازی اور سر نہیں ہوتا تھا اور یہ مشائخ مخارج حروف میں اور مد، ادغام اور اظہار میں بہت زیادہ غور وفکر کرنے والے تھے اور یہ قطعی حکم ہے اور اس لیے کہ خوش آوازی، ترنم اور ترجیع سے قرآن مجید کے کسی حرف میں زیادتی ہوگی یا کمی ہوگی اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں تو جو چیز اس ممنوع کا سبب ہو وہ بھی ممنوع ہوگی اور اس وجہ سے خوش آوازی اور ترنم سے پڑھنے سے قرآن مجید اشعار کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اشعار سے منزہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّمَاهُوَبِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ (الحاقہ:۴۱) اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۲۲۔۴۲۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۲۵۲۔۲۵۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اس اشکال کا جواب کہ سورۃ الفتح کا آپ کو تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کو دنیا سے بھی محبت ہو حالانکہ دنیا محبت کے لائق نہیں

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آج رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جن چیزوں پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ دنیا کی چیزیں ہیں اور دنیا کی چیزیں خسیس، گھٹیا اور حقیر ہیں۔ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دنیا کی یہ حقیر چیزیں بھی آپ کو محبوب ہیں اور یہ سورت ان سے زیادہ محبوب ہے حالانکہ دنیا تو اس لائق نہیں کہ وہ آپ کو محبوب ہو۔ حدیث میں ہے:

دنیا مردار ہے اور لوگ اس کے کتے ہیں: (کشف الخفاء ج ۱: ۴۹۳، الدر المنتثرہ: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے زیادہ حقیر ہے: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۵، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۷)

اس اشکال کے دو جواب ہیں:

(۱) آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ سورت آپ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

(۲) آپ کا یہ ارشاد لوگوں کے عرف کے مطابق ہے کیونکہ جب لوگ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کو فلاں چیز سے انتہائی محبت ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ چیز مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۹۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ الفتح کے زیادہ محبوب ہونے کی توجیہ

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سورت اس لیے زیادہ محبوب تھی کہ اس سورت میں آپ کی مغفرت کی نوید ہے اور فتح مکہ کی بشارت ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب نہ دینے کی توجیہ

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہ اصرار سوال کے باوجود اس لیے جواب نہیں دیا کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۱۹، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

اس اشکال کا جواب کہ یہ سورت حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت تو مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے: (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح عطا فرمائی O (الفتح:۱)
اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ سورت حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت تو مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مکہ کا فیصلہ فرما دیا ہے یا آپ سے فتح مکہ کا وعدہ کر لیا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۲۹، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: فَضْلِ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ — قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کی فضیلت

فِيهِ عَمْرَةُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس باب میں عمرۃ کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے۔

سورۂ اخلاص سے محبت کی وجہ سے جنت کی بشارت اور اس تعلیق کے مطابق دو حدیثیں اور علامہ کرمانی کا رد اور مصنف کی تقریر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے عمرۃ کی اس روایت کی کتاب التوحید میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، اس روایت کا متن حسب ذیل ہے: عمرۃ بنت عبد الرحمٰن جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پلی تھیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا اور وہ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتا تھا اور نماز میں قراءت کو سورۂ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پر ختم کرتا تھا، جب وہ لشکر والے واپس آئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''یہ کس وجہ سے ایسا کرتا تھا؟'' پس صحابہ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے اور میں اس سورت کے پڑھنے کو پسند کرتا ہوں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو خبر دو کو بے شک اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۷۳۷۵، صحیح مسلم: ۸۱۳، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۸۱، مشکوٰۃ: ۲۱۳۱، الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۳، تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۵۳۹، تفسیر قرطبی ج ۲۰ ص ۲۴۸)

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے یہاں پر پوری حدیث کی روایت نہیں کی کیونکہ یہ حدیث ان کی شرط کے موافق نہیں تھی اس لیے انہوں نے صراحتاً اس حدیث کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی طرف اجمالی اشارہ کو کافی سمجھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ کرمانی کا رد کرتے ہیں کہ علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ اس سے غافل تھے کہ عمرۃ کی یہ روایت صحیح البخاری کتاب التوحید میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، نیز یہ حدیث باب صفۃ الصلوٰۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد (حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ) مسجد قباء میں امامت کرتے تھے اور جب بھی نماز میں کسی سورت کو شروع کرتے تو سورۂ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کو شروع کرتے حتیٰ کہ اس سورت سے فارغ ہو کر پھر دوسری سورت پڑھتے اور وہ اس طرح ہر رکعت میں کرتے تھے، تو ان کے اصحاب (مسجد کی انتظامیہ) نے ان سے بات کی اور کہا: ''آپ

اس سورت کے پڑھنے کو شروع کرتے ہیں، پھر اس سورت کو کافی نہیں سمجھتے حتیٰ کہ دوسری سورت پڑھتے ہیں، پس یا تو آپ صرف یہی سورت پڑھیں یا اس کو چھوڑ دیں اور دوسری سورت پڑھیں''۔ تو انہوں نے کہا: ''میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، اگر تم کو میری امامت پسند ہے تو میں تمہیں نماز پڑھاؤں گا اور اگر تم کو میری امامت پسند نہیں ہے تو میں تم کو چھوڑ دوں گا''۔ ان کے اصحاب (مسجد کی کمیٹی والے) یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان سب سے افضل ہیں اور وہ ان کے علاوہ کسی اور کو امام بنانا ناپسند کرتے تھے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے پوچھا: ''اے فلاں! تمہیں اپنے اصحاب کی بات ماننے سے کیا چیز منع کرتی ہے اور تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے کے لزوم کو کیا چیز برانگیختہ کرتی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا: ''اس سورت سے تمہاری محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا''۔

(صحیح البخاری: ۷۷۴، سنن ترمذی: ۲۹۰۱، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۷، سنن بیہقی ج ۲ ص ۶۱، المستدرک ج ۱ ص ۲۴۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ہم نے اس حدیث کے فوائد اس حدیث کی شرح میں لکھے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ سورۂ اخلاص کی محبت سے مومن جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس میں یہ بشارت مضمر ہے کہ جب قرآن کی محبت سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو صاحب قرآن کی محبت سے جنت میں کیوں نہیں داخل ہوگا اور اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مومن اپنے اجتہاد سے نماز میں کسی عمل کو لازم کر سکتا ہے بہ شرط یہ کہ کسی حدیث کے خلاف نہ ہو کیونکہ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے نماز میں سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے پڑھنے کو لازم کر لیا تھا اور جب مسجد کی کمیٹی نے ان سے کہا کہ تم یہ سورت پڑھنا چھوڑ دو تو انہوں نے کہا: میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین کی اور ان کے اس عمل کو مقرر رکھا۔ (سعیدی غفرلہ)

٥٠١٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ۱) يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔ (صحیح البخاری: ۶۶۴۳-۷۳۷۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سنا کہ ایک مرد بار بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھ رہا تھا، (الاخلاص: ۱) پس جب صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس بات کا ذکر کیا اور گویا کہ وہ مرد اس آیت کو کم (مقدار کی) سمجھتا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یہ آیت ضرور تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

حدیث مذکور کی تخریج

(سنن ابوداؤد: ۱۴۶۱، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳-۳۵، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۱، مؤطا امام مالک: ۲۰۸، کنز العمال: ۲۷۴۲، شرح السنہ ج ۴ ص ۴۷۴، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۹)

حدیث مذکور کے معنی میں متعدد روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک رات حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی، پھر انہوں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یہ آیت تہائی قرآن یا نصف قرآن کے برابر ہے''۔
ابوعمر حافظ ابن عبدالبر التوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ یہ راوی کو شک ہوا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شک نہیں تھا کیونکہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر شک کے فرمایا کہ ''یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے''۔ (التمہید ج ۱۹ ص ۲۲۸)
اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہ سوئے حتیٰ کہ تہائی قرآن کو پڑھ لے''۔ صحابہ نے عرض کیا: ہم میں سے کوئی شخص تہائی قرآن پڑھنے کی کیسے طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ تم قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ پڑھو''۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۷)
اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے: سنو! یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۱۲)
یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری کے علاوہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، ان میں سے حضرت ابی بن کعب ہیں اور حضرت عمر ہیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ہیں اور حضرت ابن مسعود ہیں اور حضرت ابوالدرداء ہیں اور حضرت ابن عمر ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری ہیں اور حضرت ابومسعود انصاری ہیں اور حضرت النعمان بن بشیر ہیں اور حضرت انس ہیں رضی اللہ عنہم۔
(التمہید لابن عبدالبر ج ۷ ص ۲۵۸۔۲۵۲)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے تہائی قرآن کے برابر ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی متعدد تاویلات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور تہائی قرآن کے برابر ہونے کے حسب ذیل معانی ہیں:
(۱) قرآن مجید کے مضامین کی تین قسمیں ہیں: قصص، احکام اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس آیت میں محض اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، سو یہ آیت مضامین قرآن کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے، لہٰذا یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۲۲۶)
(۲) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھنے کا اجر وثواب تہائی قرآن پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔
(۳) قرآن مجید کے مضامین تین قسموں سے متجاوز نہیں ہیں: (ا) معرفت رب تعالیٰ (ب) رب تعالیٰ کے اسماء اور (ج) اس کی صفات کی معرفت اور یہ آیت ان تین قسموں میں سے ایک قسم پر مشتمل ہے، لہٰذا یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے: یہ تین اقسام اس طرح ہیں: (ا) قصص، عبرتیں اور مثالیں (ب) امر اور نہی اور ثواب اور عقاب (ج) توحید اور اخلاص۔
(۴) جس مسلمان نے توحید کا اقرار کیا اور خالق کی تصدیق کی۔
حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک شخص معین کا ارادہ کیا جو اس آیت کو بار بار پڑھ رہا تھا اور اس کی تکرار کر رہا تھا۔ اس شخص نے اس آیت کو اتنی بار پڑھا جو تہائی قرآن کے برابر تھا۔ نیز حافظ ابن عبدالبر نے کہا: ہم وہی بات کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اگرچہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ آیت کس اعتبار سے تہائی قرآن کے برابر ہے اور علامہ القابسی

نے کہا ہے کہ شاید جو شخص رات بھر اس آیت کو بار بار دہرا تا رہا تھا اس کو صرف اتنا ہی قرآن یاد تھا اور اس نے اپنے اس پڑھنے کو بہت کم سمجھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس آیت کو پڑھنا تہائی قرآن کو پڑھنے کے برابر ہے'' تا کہ اس مرد کو نیکی کے کام کی ترغیب ہو خواہ وہ عمل مقدار میں کم ہو، اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ کو تھوڑے عمل پر بھی کثیر عمل کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(٦) ابن راہویہ نے کہا ہے: اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو تین مرتبہ پڑھ لیا اس کا یہ پڑھنا پورے قرآن کے پڑھنے کے برابر ہوگا خواہ وہ اس کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھے بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض کلام کا ثواب دوسرے بعض کلام کے ثواب سے بہت زیادہ رکھا ہے تا کہ مسلمان قرآن مجید کو یاد کرنے اور بار بار پڑھنے میں رغبت کریں۔

علامہ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے: جس نے اس حدیث پر اشکال کا جواب نہیں دیا وہ اس کی بہ نسبت نجات پالے گا جس نے اس کا جواب دیا۔ (التمہید ج ١٩ ص ٢٣٢)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ٦٥٦ ھ نے لکھا ہے:

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو ایسے اسموں پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کمالیہ کو متضمن ہیں اور اس آیت کے علاوہ اور کسی آیت میں ایسے دو اسم نہیں ہیں، ان میں سے ایک اسم الاحد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس وجود خاص کی خبر دیتا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، اور دوسرا اسم الصمد ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کو متضمن ہے اور اس کا اطلاق اس پر صحیح ہے جس نے حقیقتاً تمام صفات کمال کو جمع کر لیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں حقیقتاً تمام صفات کمال جمع نہیں ہیں، پس واضح ہو گیا۔

ان دو اسموں کی جو خصوصیت ہے وہ کسی اور اسم میں نہیں ہے اور چونکہ اس آیت میں یہ خصوصیت ظاہر ہوئی اس وجہ سے یہ آیت تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ٢ ص ٣٤٢-٤٤١، دار ابن کثیر، بیروت، ١٤١٧ھ)

المہلب نے کہا ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنے والے کو تہائی قرآن مجید پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سورۂ اخلاص باقی دوسری سورتوں سے افضل ہے کیونکہ تمام سورتیں اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہیں اور اگر کسی سورت کو دوسرے سے افضل کہا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ دوسری سورت کم درجہ کی ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کسی کلام کا کم درجہ نہیں ہے۔

مسلم بن ابراہیم نے از حسن بن ابی جعفر از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو دو سو مرتبہ پڑھا اس کے دو سو سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے''۔ اس حدیث کی روایت میں حسن بن جعفر متفرد ہے۔ (فضائل القرآن لابن الضریس: ٢٥٧، شعب الایمان للبیہقی: ٢٥٤٦، تاریخ بغداد ج ٦ ص ١٨٧)

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور حسن بن ابی جعفر کوئی قابل ذکر شخص نہیں ہے اور الصفدی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے اور امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (العلل المتناہیہ: ١٥٢)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ٢٤ ص ٨٥-٨١، وزارۃ الاوقاف، قطر، ١٤٢٩ھ)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھنے والے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی حضرت قتادہ بن نعمان تھے اور سننے والے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے سنا کہ ایک مرد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھ رہا ہے (الاخلاص: ١) اور اس کو بار بار دہرا

رہا ہے گویا کہ وہ مرد اس سورت کو کم (مقدار کی) سمجھ رہا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام احمد نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ایک رات پوری رات تک قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) پڑھتے رہے اور اس آیت پر کوئی اضافہ نہیں کیا، الحدیث۔

اور جنہوں نے اس سے سنا تھا وہ شاید حضرت ابو سعید ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں کیونکہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ان کے ماں شریک بھائی ہیں، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے اس بات کو وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

امام دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو رات کو تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور وہ صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس مرد نے اس آیت کو کم سمجھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے اس کی تنقیص کی بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس کو پڑھنے میں کم عمل ہوتا ہے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے"۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۸۔۱۹۷ ملخصا دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی اس حدیث کی یہی شرح کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تیسیر القاری ج ۵ ص ۴ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۰۱۴۔ وَزَادَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ مِنَ السَّحَرِ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝﴾ (الاخلاص:۱) لَا يَزِيدُ عَلَيْهَا فَلَمَّا أَصْبَحْنَا أَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ۔

اور ابو معمر نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن جعفر نے یہ حدیث بیان کی ہے از مالک بن انس از عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے بھائی قتادہ بن النعمان نے یہ خبر دی کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سحری کے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) پڑھ رہا تھا اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کر رہا تھا، پس جب ہم نے صبح کی تو وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ اس حدیث کی مثل۔

اس حدیث سے یہی مراد ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) کو پڑھنے والے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے۔

۵۰۱۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَالضَّحَّاكُ الْمَشْرِقِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأَصْحَابِهِ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ وَقَالُوا أَيُّنَا يُطِيقُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ثُلُثُ الْقُرْآنِ قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے اور ضحاک المشرقی نے حدیث بیان کی از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ رات میں تہائی قرآن پڑھے؟" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ شاق گزرا

أبي حاتِمٍ ورَّاقِ أبي عبدِاللهِ يقولُ قالَ أبو عبدِاللهِ: عنِ إبراهِيمَ مُرسَلٌ وعنِ الضَّحَّاكِ المِشرقيِّ مُسنَدٌ

اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ تب آپ نے فرمایا: ''اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے''۔ الفربری نے کہا: میں نے ابوجعفر محمد بن ابی حاتم وراق ابوعبداللہ سے یہ سنا ہے، وہ کہتے تھے: امام ابوعبداللہ نے کہا: از ابراہیم مرسل روایت ہے، اور از الضحاک المشرقی مسند روایت ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(مسند احمد ج ۴ ص ۳، ج ۸ ص ۴۴۲، ۱۲۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۶۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۵۵، صحیح بخاری: ۵۰۱۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۷، مسند داری ج ۲ ص ۴۶۰، تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۱۱-۲۸۶)

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اور ان کی سوانح

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ مکہ کی گھاٹی (العقبہ) میں پہنچ کر اسلام لائے تھے اور غزوۂ بدر، احد اور باقی تمام مشاہد میں حاضر تھے۔ یہ حضرت رافع بن مالک کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ آئے تھے۔ اور یہ اکثر اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھتے تھے۔ غزوۂ احد میں ان کی آنکھ نکل گئی تھی، اور ان کی اس وقت نئی نئی شادی ہوئی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کے ڈھیلے کو اپنے دست مبارک سے پکڑا، پھر اس کو اس کی جگہ پر لوٹا دیا، پھر اس کو اپنی چادر مبارک سے دبایا، پھر دعا کی: ''اے اللہ اس کو حسن و جمال عطا فرما'' ان کی وہ آنکھ ان کے رخسار پر لٹک گئی تھی اور ان کے اصحاب اسے کاٹنا چاہ رہے تھے، پھر ان کی وہ آنکھ ان کی دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین تھی اور اس کی بینائی دونوں آنکھوں میں سے سب سے زیادہ تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۳۲۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۸، تاریخ دمشق ج ۴۹ ص ۲۷۹)

حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا حضرت رفاعہ بن زید بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ وہی ہیں جن کی زرہ اور ان کے طعام کو بنو ابیرق نے چرایا تھا، جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۔ (النساء: ۱۰۷)

اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ایک اندھیری رات میں جب بجلی چمک رہی تھی اور بارش ہو رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''جب تم واپس جاؤ تو میرے پاس آنا''، پس جب حضرت قتادہ واپس گئے تو آپ نے ان کو ایک درخت کی شاخ عطا کی، پھر آپ نے فرمایا: ''اس کو پکڑ لو، پس یہ عنقریب روشن ہوگی اور تمہارے آگے اور پیچھے دس دس فرشتے ہوں گے''۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۸، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۶۰)

فتح مکہ کے دن حضرت قتادہ کے پاس بنوظفر کا جھنڈا تھا اور یہی وہ صحابی ہیں جو رات کو تہجد میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ (الاخلاص: ۱) پڑھ رہے تھے اور اس کی مقدار کو کم سمجھ رہے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عاصم بن عمر بن قتادہ المحدث ہیں۔ (معرفۃ الصحابہ: ۲۳۶۳، الاستیعاب: ۲۱۳۱-۲۱۲۷، الاصابہ: ۷۰۷۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تیئس (۲۳) ہجری میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور ان کے

بھائی حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما اور حضرت الحارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان کی قبر میں اترے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۸۷۔۸۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہی تاریخ وفات ذکر کی ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: ۵۲۳۷، تہذیب التہذیب: ۵۷۴۷، تقریب التہذیب: ۶۲۰۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھ احادیث روایت کی ہیں اور امام بخاری نے ان میں سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۵۹ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے تہائی قرآن ہونے کے متعدد محامل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی موفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے، پس انہوں نے کہا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قرآن مجید کے معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہے اور اس کی تائید امام ابوعبیدۃ کی اس روایت سے ہوتی ہے، انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: انہوں نے کہا: ''قرآن مجید کے تین اجزاء ہیں اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قرآن مجید کے اجزاء میں سے ایک جز ہے''۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ قرطبی کی عبارت نقل کی ہے جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے''۔ اس سے مراد صرف حضرت قتادہ بن نعمان کی قراءت ہے کیونکہ وہ اس رات میں اس آیت کو بار بار دہرا رہے تھے، تو آپ نے اس پڑھنے کو تہائی قرآن کے برابر قرار دیا جب کہ اس کو دہرایا نہ گیا ہو۔

علامہ القابسی نے کہا ہے: ہو سکتا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو اس آیت کے علاوہ اور کوئی آیت یاد نہ ہو۔ اسی لیے وہ اس آیت کو ساری رات بار بار پڑھتے رہے اور انہوں نے اس کی قراءت کی مقدار کو کم سمجھا۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ عالم اپنے اصحاب کو مسائل کی تعلیم دے اور کسی لفظ سے وہ معنی مراد لیا جائے جو متبادر نہ ہو کیونکہ تہائی قرآن سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حجم میں تہائی قرآن کے برابر ہو حالانکہ یہ مراد نہیں ہے۔

بعض دوسری سورتوں کے متعلق نصف قرآن یا ربع قرآن ہونے کی روایات

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے'' اور ''الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے''۔

اور امام ترمذی اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روات کی ہے کہ ''الکافرون اور النصران میں سے ہر ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور اذا زلزلت چوتھائی قرآن کے برابر ہے''۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آیت الکرسی چوتھائی قرآن کے برابر ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ امام ترمذی کا تساہل ہے، کیونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے اور اس حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک ضعیف راوی ہے اور وہ سلمہ ہے۔ اسی طرح امام حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے

حالانکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی یمان بن المغیرۃ ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۹۔۱۹۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا پڑھنا تہائی قرآن مجید پڑھنے کے برابر ہے" اس حدیث کے متعلق دیگر شراح بخاری کی تقاریر

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس حدیث کی شرح میں وہی لکھا ہے جس کو ہم پہلے علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر سے نقل کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۷۔۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی تین قسمیں ہیں: قصص، احکام اور صفات باری، اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہے اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ اس سورت کی آیات ان پر بھی مشتمل ہے اور اس سے زیادہ صفات پر بھی مشتمل ہے اور یہ سورۃ الحشر کی ان تین آیتوں کی مثل ہے: هو الله الذی لا اله الا هو (الی اخرہ)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کے پڑھنے کا ثواب تمام قرآن پڑھنے کے تہائی ثواب کے برابر ہے، اور اللہ عزوجل کم مقدار کے عمل کے اوپر زیادہ عمل کا ثواب عطا فرماتا ہے اور اس آیت کے تہائی قرآن کے برابر ثواب کی تخصیص کی وجہ کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم لوگ ناقص فہم ہیں اپنے قیاس سے اس کی توجیہ نہیں کر سکتے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس مسلمان نے توحید کا اقرار کیا اور خالق کی تصدیق کی تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے تہائی قرآن کو پڑھ لیا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا۔ اس تاویل کو امام ابن عقیل نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا: اس کی یہ تاویل جائز نہیں ہے کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھ لیا اس کو تہائی قرآن کا ثواب مل جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے قرآن مجید کو پڑھا اس کو ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں ملیں گی"۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۲، کنز العمال: ۲۳۹۶)

(کشف المشکل علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہم نے لکھا ہے: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھا اس کو تہائی قرآن پڑھنے کا اجر ملے گا، لیکن امام ابن عقیل نے اس کو ضعیف قرار دیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے قرآن کو پڑھا اس کو قرآن کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی"۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۲۱، مکتبہ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثواب کی دو قسمیں ہیں: ایک ثواب اصلی ہے اور دوسرا وہ ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے، سو جو شخص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کرتا ہے اس کو اس کا اصلی ثواب بھی ملے گا اور وہ ثواب بھی ملے گا جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا اجر اصلی تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۷ ص ۱۲۳، مطبوعہ ریاض)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس نے قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کو ایک مرتبہ پڑھا تو اس کو تہائی قرآن مجید پڑھنے کا اجر ملے گا، دوسری بار پڑھا تو پھر اس کو اسی طرح تہائی قرآن مجید کا اجر ملے گا اور تیسری بار پڑھا تو وہی اجر تیسری بار ملے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تین مرتبہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنے سے اس کو پورا قرآن مجید پڑھنے کا اجر وثواب مل جائے گا۔

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۱۷ص ۱۳۸ مطبوعہ، ریاض)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کے اس حدیث کے ترجمہ پر مصنف کی گرفت

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یعنی سننے والے آدمی نے اس سورت کو قلیل سمجھا کہ یہ تو چھوٹی سی سورت ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یہ سورت تو ثلث قرآن کے برابر ہے''۔

(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۷۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ پڑھنے والے صحابی یعنی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بار بار صرف یہ آیت پڑھ رہے تھے: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) اس آیت میں ان کے سورت پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ''یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے بلکہ آپ نے قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کے متعلق فرمایا کہ یہ تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

دراصل عوام میں اس طرح مشہور ہے کہ سورۂ اخلاص کو پڑھنے کا اجر تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اسی اعتبار سے اس حدیث کا ترجمہ کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے حلقہ میں ماہر شیخ الحدیث بتائے جاتے ہیں تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ تحقیق کرکے اور متعدد شروح کا مطالعہ کرکے اس حدیث کا ترجمہ کرتے نہ کہ عوامی زبان کے اعتبار سے اس کا ترجمہ کرتے۔

علماء غیر مقلدین کا غلط ترجمہ اور اس پر مصنف کی گرفت

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۳۲)

حالانکہ حدیث میں سورت کا لفظ نہیں ہے اِنَّهَا کا لفظ ہے اور ضمیر قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس کے بعد دوسری حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے: یعنی سورۃ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ تہائی قرآن کے برابر ہے جب کہ حدیث میں سورت کا لفظ نہیں ہے بلکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے۔

اسی طرح دوسرے غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز میواتی نے بھی شیخ وحید الزمان کی نقل میں غلط ترجمہ کیا ہے اور لکھا ہے:

وہ رات کو سورۂ قُلْ هُوَاللّٰهُ بار بار پڑھ رہے ہیں۔ (ترجمہ وشرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۵۴۱، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء)

حالانکہ اس حدیث میں سورت کا لفظ مذکور نہیں ہے، صرف قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کے الفاظ ہیں۔

۱۴۔ بَابُ: فَضْلِ الْمُعَوِّذَاتِ   المعوذات کی فضیلت کا بیان

۵۰۱۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ   امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو خود پر المعوذات پڑھ کر دم کرتے، پس جب آپ کا درد شدت اختیار کر گیا تو میں معوذات کو پڑھ کر آپ پر دم کرتی اور آپ کے اوپر آپ کا ہاتھ پھیرتی تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۱۶، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹، مسند احمد: ۲۶۲۴۹، شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴، کنز العمال: ۱۸۳۶۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۷، کتاب الاذکار للنووی: ۱۲۳، مشکوٰۃ: ۱۵۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۶، تاریخ کبیر ج ۴ ص ۱۱۳: ۳۵۴، معالم التنزیل ج ۷ ص ۳۲۶، الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۷۔۴۱۴)

نَفْثَۃٌ کا معنی اور المعوذات کا مصداق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نَفْثَۃٌ کا لفظ ہے اور نفث کا معنی ہے: لعاب دہن کی کم سے کم چھینٹیں یعنی اس طرح دم کرے کہ لعاب کی معمولی چھینٹیں بھی نہ نکلیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: اس طرح دم کرے کہ اس سے لعاب دہن کی چھینٹیں نہ نکلیں، اور المعوذات سے مراد ہے: سورۃ الفلق اور سورۃ الناس، اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ المعوذات سے مراد ہے: سورۃ الاخلاص اور سورۃ المعوذتین۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۶۲۷۔۶۲۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بیماری میں اور سونے سے پہلے اپنے اوپر المعوذات پڑھ کر دم کرنے کا سنت ہونا

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا ہے آپ کے اس فعل میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان اپنی بیماری میں اور سوتے وقت معوذات کو پڑھ کر دم کرے اور جس چیز سے بھی وہ نیند میں ڈرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ پر چند ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل نہیں سنی گئی"۔ (تفسیر عبدالرزاق: ۳۷۵۹، صحیح مسلم: ۸۱۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ان کو پڑھ کر پناہ طلب کرو کیونکہ ان کی مثل سے پناہ نہیں طلب کی گئی"۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۲۵۴، صحیح مسلم: ۸۱۴) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۹۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۱۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں المفضل بن فضالہ نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان

لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۝﴾ وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۝﴾ وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝﴾ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۶، سنن ترمذی: ۳۴۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۵)

کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اپنے بستر پر جاتے تو اپنی دو ہتھیلیوں کو جمع کرتے، پھر ان میں دم فرماتے، پھر ان میں پڑھتے قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۝ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۝ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝، پھر ان دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک وہ جاسکتیں ان کو اپنے جسم پر پھیرتے، ان کو پھیرنے کی ابتداء اپنے سر اور اپنے چہرے سے کرتے اور جو آپ کے جسم کے سامنے کا حصہ ہوتا، اور آپ یہ فعل تین مرتبہ کرتے۔

اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث میں پہلے ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ذکر ہے اور پھر المعوذات کو پڑھنے کا ذکر ہے اور اس کا یہ جواب کہ اس حدیث میں راوی کو سہو ہوا ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر تین سورتوں کو پڑھتے، شاید کہ اس روایت میں راوی کو سہو ہوا ہے کیونکہ آپ پہلے ان تین سورتوں کو پڑھتے تھے تاکہ قرآن مجید کی برکت حاصل ہو، پھر اس کے بعد ہتھیلیوں پر دم فرماتے تھے، علامہ طیبی نے یہ کہا ہے کہ: صحیح روایت پر طعن اور اعتراض کرنا جائز نہیں ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے اور ان پر دم کرنے کا عزم فرماتے، پھر ان سورتوں کو پڑھتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ (النحل: ۹۸)

پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں O

اس آیت سے بھی بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرآن مجید کی تلاوت کریں، پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھیں حالانکہ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کریں تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھیں۔ اسی طرح اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اپنی ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ارادہ فرماتے تو ان سورتوں کو پڑھتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۰۔ ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث میں پہلے ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ذکر ہے اور پھر المعوذات کو پڑھنے کا ذکر ہے اور اس کا یہ جواب کہ یہ فاء تفسیریہ ہے

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس خدیث میں سورتوں کے پڑھنے سے پہلے دم کرنے کا ذکر ہے حالانکہ قراءت دم کرنے پر مقدم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں فاء تفسیریہ ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ۔ (ہود: ۴۵) اور نوح نے اپنے رب کو ندا کی تو کہا: اے میرے رب!

سو اسی طرح پہلے جو ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ذکر ہے اس کی تفسیر بعد میں مذکور ہے کہ آپ یہ تین سورتیں پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر دم کرتے تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۲، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی علامہ طیبی کا جواب ذکر کیا ہے۔
(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۲۴، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو المعوذات میں تغلیباً شامل کرنا اور مصنف کا اس پر تعاقب

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معوذات میں تغلیباً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۸۰، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ عقل اور درایت کا تقاضا یہ ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے پہلے چونکہ اعوذ کا کلمہ نہیں ہے اس لیے اس کا معوذات میں تغلیباً شمار ہو، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو بھی معوذات میں شمار فرمایا ہے اس لیے روایت کا تقاضا یہ ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا المعوذات میں حقیقتاً شمار ہو۔

جس حدیث میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو بھی معوذات میں شمار فرمایا ہے وہ درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو چلا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے عقبہ! کہو'' پس میں نے غور سے سنا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے عقبہ! کہو'' پھر میں نے غور سے سنا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے عقبہ! کہو'' تو میں نے غور سے سنا، پھر میں نے عرض کیا: میں کیا کہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حتیٰ کہ آپ نے یہ سورت پڑھ کر اس کو ختم کیا''، پھر آپ نے پڑھا: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' اور میں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھا حتیٰ کہ آپ نے اس سورت کو ختم کر دیا، پھر آپ نے پڑھا: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پس میں نے بھی یہ آپ کے ساتھ پڑھا حتیٰ کہ آپ نے اس سورت کو ختم کر لیا، پھر آپ نے فرمایا: ''ان سورتوں کی مثل کے ساتھ کسی نے پناہ طلب نہیں کی''۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۲۵۱، سنن نسائی: ۵۴۴۶۔۵۴۴۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اصحاب السنن الثلاث، امام احمد، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ان سورتوں کے ساتھ تعوذ کرو'' (پناہ طلب کرو) کیونکہ اس کی مثل کے ساتھ تعوذ نہیں کیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: ''المعوذات کو ہر نماز کے ساتھ پڑھو'' پھر آپ نے ان سورتوں کا ذکر کیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۰۔۱۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ المعوذات میں تغلیباً شامل ہے (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۹) تو میں کہوں گا کہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت ہے نہ کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول، اور ابن حجر عسقلانی کو بھی یہ نہیں لکھنا چاہیے تھا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ المعوذات میں تغلیباً شامل ہے جب کہ صریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے تعوذ کرنے کا حکم دیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان احادیث کی تصریح کی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: نُزُوْلِ السَّكِيْنَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ — قرآن مجید کی قراءت کے وقت سکینہ اور ملائکہ کا نازل ہونا

۵۰۱۸۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَزِيْدُ بْنُ الْهَادِ عَنْ — اور لیث نے کہا: مجھے یزید بن الہاد نے حدیث بیان کی از محمد بن

مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوطَةٌ عِنْدَهُ إِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَتَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ وَسَكَتَتِ الْفَرَسُ ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيَى قَرِيبًا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ تُصِيبَهُ فَلَمَّا اجْتَرَّهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى مَا يَرَاهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَأَشْفَقْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيبًا فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَانْصَرَفْتُ إِلَيْهِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَخَرَجْتُ حَتَّى لَا أَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِي مَا ذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ قَالَ ابْنُ الْهَادِ وَحَدَّثَنِي هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ۔

ابراہیم از اسید بن حضیر، انہوں نے کہا: جس وقت وہ رات کو سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے اور ان کے پاس ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا تو اچانک ان کا گھوڑا بدکنے لگا تو وہ خاموش ہو گئے، پس گھوڑا بھی پر سکون ہو گیا، وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر بدکنے لگا، وہ پھر خاموش ہوئے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو گیا، انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر بدکا، پس وہ مڑ گئے اور ان کا بیٹا یحییٰ اس گھوڑے کے قریب تھا تو ان کو خطرہ ہوا کہ ان کے بیٹے کو گھوڑے سے کوئی ضرر نہ پہنچے، پھر انہوں نے بچہ کو وہاں سے کھینچ لیا اور اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا حتیٰ کہ انہیں کوئی چیز دکھائی نہیں دی، پھر جب صبح ہوئی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ''اے ابن حضیر! پڑھو، اے ابن حضیر! پڑھو''، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس سے ڈرا تھا کہ وہ گھوڑا یحییٰ کو روند ڈالے گا اور یحییٰ اس کے قریب تھا، پس میں نے اپنا سر اٹھایا اور یحییٰ کی طرف مڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو وہاں پر بہت سے چراغ سائبان کی مثل تھے، پس میں وہاں سے نکل آیا حتیٰ کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا'' آپ نے پوچھا: تم جانتے ہو وہ کیسے چراغ تھے'' انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''وہ ملائکہ تھے جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آ گئے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح کو سب لوگ ان ملائکہ کی طرف دیکھتے اور وہ ان سے نہ چھپ سکتے''۔ ابن الہاد نے کہا: مجھے عبداللہ بن خباب نے یہ حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۱۸، صحیح مسلم: ۷۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۶۶، المستدرک: ۵۵۳، مصنف عبدالرزاق: ۴۱۸۳-۴۱۸۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۷۷، تاریخ کبیر للبخاری ج ۵ ص ۵۱۳، کنز العمال: ۳۶۸۱۴-۲۴۳۴-۲۴۳۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲۴۴-۸۰۷۴-۸۰۱۶)

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت سکینہ اور ملائکہ کے نزول میں تلازم

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں سکینہ اور فرشتوں کے نزول دونوں کا ذکر کیا ہے، گویا کہ امام بخاری کے نزدیک قرآن مجید کے پڑھنے کے وقت ان دونوں کے لزوم میں تلازم ہے اور یہ کہ سائبان میں جو چراغ دکھائی دے رہے تھے وہی سکینہ تھے

اور وہ چراغ ہمیشہ فرشتوں کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے بنو آدم سے قرآن کریم سننے کو پسند کرتے ہیں، خصوصاً ان مسلمانوں سے جو خوش آواز ہوں اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خوش آواز تھے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو قرآن مجید سننے کی حرص ہوتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''اگر تم قرآن پڑھتے رہتے تو صبح کو تمام مسلمان فرشتوں کو دیکھتے''۔ نیز ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہو وہ گھر آسمان والوں کے لیے اس طرح روشن ہو جاتا ہے جس طرح ستارے زمین والوں کے لیے روشن ہوتے ہیں اور فرشتے اس گھر میں حاضر ہوتے ہیں''۔ (شعب الایمان: ۱۹۸۲، سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۲۹)

(۳) اس حدیث میں قرآن مجید کو حفظ کرنے اور تہجد میں قرآن مجید کو پڑھنے اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے کی دلیل ہے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بنو آدم کے لیے فرشتوں کو دیکھنا جائز ہے جب کہ فرشتے ایسی صورت میں ہوں جس صورت میں آدمیوں کے لیے ان کو دیکھنا ممکن ہو جیسا کہ غزوۂ بدر میں صحابہ نے فرشتوں کو دیکھا، اور حضرت جبریل علیہ السلام مرد کی صورت میں آکر آپ سے کلام کرتے تھے اور بہت مرتبہ حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے، جیسا کہ صحیح البخاری: ۳۶۳۴ اور صحیح مسلم: ۲۴۵۱ میں اس کی صراحت ہے۔

(۵) مومنین کے لیے فرشتوں کا دکھائی دینا رحمت ہے اور کفار کے لیے فرشتوں کا دکھائی دینا عذاب ہے۔

(۶) اس میں یہ دلیل ہے کہ سکینہ کوئی جاندار چیز ہے یا ایسی چیز ہے جس میں روح ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید کو سننا ان ہی سے متصور ہو سکتا ہے جو ذوی العقول ہوں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۹۵۔ ۹۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کے عنوان کی وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں سکینہ اور فرشتوں کے نزول دونوں کو جمع کیا ہے اور اس باب کی حدیث میں سکینہ کا ذکر نہیں ہے اور اس سے پہلے سورۃ الکہف کی فضیلت میں جو حدیث گزری ہے اس میں ملائکہ کے نزول کا ذکر نہیں ہے، پس شاید کہ امام بخاری کی یہ رائے تھی کہ ان دونوں حدیثوں کا قصہ ایک ہو اور شاید کہ امام بخاری نے اس باب کی حدیث میں سکینہ کے ذکر سے سائبان کا ارادہ کیا ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس عنوان کا تقاضا یہ ہے کہ سکینہ ہمیشہ فرشتوں کے ساتھ نازل ہوتے ہیں، اور اس سے پہلے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سکینہ کی کیا تعریف ہے اور علامہ نووی نے سکینہ کے متعلق کیا کہا ہے۔

حضرت اسید بن حضیر کے قرآن مجید پڑھنے کے وقت نزول سکینہ کی مختلف روایات اور ان میں تطبیق

حضرت ابی بن کعب بن مالک نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جس وقت حضرت اسید رات کو سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے۔

اور ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے کہا: جب میں سورت پڑھ رہا تھا اور اس کو ختم کر کے آخر میں پہنچا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسید نے جس سورت سے پڑھنا شروع کیا تھا اس کو ختم کر لیا تھا۔

اور ابراہیم بن سعد کی روایت میں ہے کہ جس وقت وہ اپنے کھلیان میں قرآن پڑھ رہے تھے جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں، اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے گھر کی ایک جانب میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جس سے ان کو یہ خطرہ ہوا کہ وہ ان کے بچہ کو روندڈالے گا۔

یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت اسید گھر کی چھت پر قرآن پڑھ رہے تھے، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ گھر کی چھت سے مراد یہ ہو کہ وہ گھر کے باہر قرآن پڑھ رہے تھے جہاں قرآن تھا، پھر یہ روایات متحد ہو جائیں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرآن پڑھنے کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے رہو نہ اس وقت جب وہ یہ قصہ سنا رہے تھے

اس حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے حضیر! پڑھو''۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب حضرت اسید یہ قصہ آپ کو سنا رہے تھے اس وقت آپ نے ان کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں اس وقت کی صورت حاضر تھی جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے اسی وقت کے متعلق فرمایا کہ قرآن پڑھتے رہو، گویا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی قراءت جاری رکھو تا کہ فرشتوں کے نازل ہونے کی برکت دائماً تمہارے ساتھ جاری رہے اور حضرت اسید بن حضیر نے قراءت منقطع کرنے کے متعلق اپنا عذر بیان کیا کہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ گھوڑا میرے بچہ کو روندڈالے گا۔ حضرت اسید نے پہلی بار اپنے بچہ کو گھوڑے کے پاس سے نہیں کھینچا کیونکہ اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے، پس انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے پر اکتفاء کیا اور تین بار سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور ان کو چراغوں کی شکل میں سکینہ نظر آئی، پھر جب سورۂ بقرہ پوری پڑھنے کے بعد انہوں نے نماز ختم کر لی تو پھر اپنے بچہ کو گھوڑے کے پاس سے کھینچ لیا۔

حضرت اسید بن حضیر کی خوش آوازی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: تمہاری آواز سن کر فرشتے قریب آ گئے تا کہ تم سے قرآن کریم سنیں۔

اور ابن کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت اسید خوش آواز تھے۔

اسماعیلی سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت اسید سے فرمایا: ''اے اسید! تم پڑھتے رہو کیونکہ تمہیں آل داؤد کی مزامیر سے حصہ دیا گیا ہے''۔

حدیث مذکور کے فوائد و مسائل

(۱) علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس امت کے افراد فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ علامہ نووی نے مطلقاً کہا ہے لیکن اس میں یہ قید لگانی ضروری ہے کہ اس امت کے نیک مرد فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں، اور وہ مرد فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں جو خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھتے ہوں۔

(۲) اس حدیث سے قرآن مجید پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو پڑھنا نزول رحمت اور فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب ہے۔

میں (سعیدی غفرلہ) کہتا ہوں: اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝ (بنی اسرائیل:۷۸) بے شک فجر کی نماز کے وقت قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں O

(۳) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: فرشتوں کا حاضر ہونا اور سکینہ کا نازل ہونا اس خاص سورت کو خاص طریقے سے پڑھنے کی وجہ سے تھا اور اگر یہ علی الاطلاق ہوتا تو ہر قرآن پڑھنے والے کے لیے یہ حاصل ہوتا۔

(۴) اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر تم پڑھتے رہتے تو سب فرشتے حاضر ہوتے اور کوئی فرشتہ چھپ نہ سکتا، یعنی فرشتوں کی عادت لوگوں سے چھپنا ہے لیکن وہ قرآن سننے کے لیے اپنی عادت کے خلاف ظاہر ہو گئے۔

(۵) اس حدیث میں حضرت اسید بن حضیر کی فضیلت ہے اور تہجد کی نماز میں سورۃ البقرۃ پڑھنے کی فضیلت ہے اور نماز کو خشوع کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت ہے، کیونکہ حضرت اسید نے اپنے بچہ کو گھوڑے کے پاس سے نہیں ہٹایا اگرچہ نماز کی حالت میں ایسا کرنا مباح تھا، لیکن اس سے خیر کثیر فوت ہو جاتی اس لیے انہوں نے اپنے خشوع کو برقرار رکھا اور نماز کی محبت بچہ کی محبت پر غالب رہی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۱۔۲۰۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی اور شیخ نور الحق حنفی نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۱، تیسیر القاری ۵ ص ۷۔۶)

حدیث مذکور کی دیگر شراح سے کی ہوئی شرح

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی بہ طور تعلیق ابن الہاد سے روایت کی ہے اور فضائل قرآن میں امام ابو عبید نے اس کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۳۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل حنفی متوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس باب کے عنوان میں سکینہ کے نزول اور فرشتوں کے نازل ہونے دونوں کا ذکر ہے اور حدیث میں صرف فرشتوں کا ذکر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سکینہ سے مراد فرشتے ہیں۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۷، دار احیاء التراث، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اَلظُّلَّۃ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: سائبان اور اس سے مراد بادل ہے جس میں چراغوں کی مثلیں تھیں (یعنی فرشتوں کے چہرے) اور ان کے ساتھ فرشتے تھے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ۱۱ ص ۳۲۳، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ

جو قرآن اب دو گتوں کے درمیان میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی کو چھوڑا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی قرآن کو چھوڑا ہے جو اب مصحف میں ہے۔ اس عنوان سے امام بخاری کی یہ مراد نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع شدہ قرآن کو دو گتوں کے درمیان چھوڑا کیونکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو بکر

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن کو جمع کیا تھا اور یہ عنوان رافضیوں کے اس زعم کو رد کرنے کے لیے ہے کہ حاملین قرآن کے فوت ہو جانے سے اکثر قرآن جاتا رہا اور یہ وہ چیز ہے جس کو رافضیوں نے اس لیے گھڑلیا ہے تاکہ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے اور قرآن مجید میں ان کی امامت کی تصریح تھی جس کو صحابہ نے چھپالیا تھا اور ان کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ صحابہ نے تو اس حدیث کو بھی نہیں چھپایا جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"۔
(صحیح البخاری: ۳۷۰۶، صحیح مسلم: ۲۴۰۴)

تو جب صحابہ نے اس حدیث کو نہیں چھپایا جس میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی صریح فضیلت ہے تو ان کی امامت کے متعلق قرآن مجید کی آیت کو کیسے چھپالیتے، اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے متعلق کوئی آیت ہوتی تو ان کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اس کو ضرور ظاہر کرتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو ضرور ظاہر کردیتے کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عم زاد تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کے احوال پر مطلع تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

دَفَّتَيْنِ: کا لفظ دَفَّةٌ کا تثنیہ ہے۔ اس کا معنی ہے، پہلو، اور سواری کے اوپر جو زین ڈالی ہوئی ہوتی ہے اس زین کی جو دو طرفیں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں ان کو بھی دف کہتے ہیں۔ (المغرب) دَفَّةُ الشیءِ کا معنی ہے: ہر چیز کا پہلو اور دَفَّتَيْنِ کا معنی ہے: ہر چیز کے دو پہلو، ڈھول کے ہر دو رخ کے چمڑے جن پر بجانے کے لیے ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ (المنجد ص ۳۲۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور اس سے یہاں پر مراد مصحف کی دو جانبوں میں دو جلدیں یا دو گتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے علاوہ بہت زیادہ احادیث کو بھی چھوڑا ہے تو یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ آپ نے صرف اسی چیز کو چھوڑا ہے جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو قرآن مجید کے سوا لکھا ہوا نہیں چھوڑا یا جس کو آپ کے حکم سے لکھا گیا ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ باب کتابۃ العلم میں یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی چیز لکھی ہوئی ہے تو انہوں نے کہا: نہیں صرف قرآن مجید لکھا ہوا ہے یا وہ جو ہر مسلمان مرد کو فہم عطا کی گئی ہے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۱۱) اس کا یہ جواب دیا گیا ہے، شاید اس صحیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہیں لکھا گیا تھا۔

علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے: اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بعض لوگ یہ زعم کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی وصیت کی تھی تو حضرت ابو جحیفہ نے یہ سوال کیا تھا کیا: آپ کے پاس خلافت کی وصیت سے متعلق کوئی چیز لکھی ہوئی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، میرے پاس تو صرف قرآن مجید لکھا ہوا ہے، اور اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کا تعلق امامت کی وصیت سے ہو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بہت عمدہ جواب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۱۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَشَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما فَقَالَ لَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد العزیز بن رفیع، انہوں نے کہا: میں اور شداد بن معقل حضرت

شَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ أَتَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ شَيْءٍ قَالَ مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ قَالَ وَدَخَلْنَا عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، پس ان سے شداد بن معقل نے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز چھوڑی ہے؟ تو انہوں نے کہا: آپ نے صرف اسی چیز کو چھوڑا ہے جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان ہے۔ عبدالعزیز بن رفیع نے کہا، پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی چیز کو چھوڑا ہے جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان میں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تو ایک صحیفہ لکھا ہوا بھی تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتاب العلم میں یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس صحیفہ میں جو احکام لکھے ہوئے تھے ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس صحیفہ میں انہوں نے وہ احکام لکھے ہیں جن کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن حنفیہ نے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مصحف کو چھوڑا ہے اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا امامت کے احکام سے تعلق ہو۔ اس مصحف میں وہی لکھا ہوا ہے جو اب لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

قرآن مجید کی منسوخ التلاوت آیات

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیتیں نازل ہوئیں، پھر ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی، بعض آیات کا حکم باقی رہا اور بعض آیات کا حکم باقی نہیں رہا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی تھی:

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة۔

بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو یقینی طور پر سنگسار کرو۔

پھر بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم باقی رہا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو ستر (۷۰) قاری بئر معونہ میں شہید کر دیئے گئے تھے ان کے متعلق یہ آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی تھی:

بلغوا عنا قومنا انا لقد لقینا ربنا۔

ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک ہم نے اپنے رب سے ملاقات کر لی۔

اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے سورۃ الاحزاب سورۃ البقرۃ کے برابر تھی یعنی اس کی کچھ آیتوں کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور ان میں سے کوئی چیز اس باب کی حدیث کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تمام وہ آیات ہیں جن کی تلاوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں منسوخ ہو گئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مصحف کو چھوڑا وہ یہی ہے جو اب

ہمارے پاس ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس مصحف کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں چھوڑی تھیں

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس مصحف کو چھوڑا جو دو گتوں کے درمیان ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار چھوڑے تھے اور خچر چھوڑا تھا اور فدک کی زمین کو چھوڑا تھا اور ان سب چیزوں کو آپ نے صدقہ بنایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کی غرض یہ تھی کہ رافضی جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چند علوم کے ساتھ خاص کر لیا تھا، آیا اس کی کوئی اصل ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کی غرض کو جان کر اس کے سوال کے موافق جواب دیا۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو انہوں نے اپنی تلوار کی میان میں رکھا ہوا تھا تو میں کہوں گا کہ روافض کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی امامت کے متعلق وصیت لکھی ہوئی تھی اور اس صحیفہ میں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا صرف دیت سے متعلق اور قیدیوں کو چھڑانے کے متعلق احکام تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن حنفیہ کا یہ قول روافض کے خلاف، بہت قوی حجت ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات حضرت علی کے بہت قریب تھے۔ اور یہ امام بخاری کی خوبی ہے کہ وہ روافض کے خلاف بہ طور حجت ان دونوں کا قول لائے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۸۔ ۳۹۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ: فَضْلِ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ — قرآن مجید کی باقی تمام کلاموں پر فضیلت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن مجید کی تلاوت نے میرے ذکر سے مشغول رکھا اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا اس کو میں سوال کرنے والوں سے زیادہ افضل عطا کرتا ہوں اور اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت باقی مخلوق پر ہے“۔

اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے عطیہ العوفی کے، اس میں ضعف ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۹۲۶، تاریخ کبیر ج ۲ ص ۱۵، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۰۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۴۱، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۴۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۷۵، ج ۵ ص ۷، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۳۸)

نیز امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قرآن مجید کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے“۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمر بن سعید الاشج ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۹۸، مسند ابو یعلیٰ: ۲۹۴۳، سنن دارمی: ج ۲ ص ۴۴۱، کنز العمال: ۲۳۰۱)

اور امام ابن الضریس نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور قرآن کو سکھائے“ پھر آپ نے فرمایا: ”قرآن کی فضیلت تمام

کلاموں پر اس طرح ہے جس طرح اللہ کی فضیلت اس کی خلق پر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اس کی صفت ہے''۔
(سنن ترمذی: ۲۹۰۹، سنن دارمی: ۳۳۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۰۳، مسند البزار: ۶۹۸، فضائل القرآن لابن الضریس: ۱۳۶، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۶۱۴، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۵۹، زیادۃ المستدرج ۱ ص ۱۵۳)(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس کا خلاصہ لکھا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۲۰۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا

(صحیح البخاری: ۵۰۲۰، ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۵۷۶۰، صحیح مسلم: ۷۹۷، مسند احمد: ۱۹۶۸۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد ابو خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ''جو (مومن) قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال سنگترہ (نارنگی) کی طرح ہے، اس کا ذائقہ بھی لذیذ ہے اور اس کی خوشبو بھی پسندیدہ ہے اور جو (مومن) قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے اس کا ذائقہ تو لذیذ ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے اور جو فاسق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ (پھول) کی طرح ہے، اس کی خوشبو تو پسندیدہ ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور جو فاسق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کی طرح ہے اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور اس کی خوشبو بھی نہیں ہے''۔

قرآن مجید پڑھنے کے فضائل اور اس کی ترغیب کے متعلق مزید احادیث اور آثار

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال سنگترہ کے ساتھ دی ہے جس کا ذائقہ بھی لذیذ ہوتا ہے اور خوشبو بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید تمام کلاموں سے افضل ہے، اور قرآن مجید کے فضائل میں اور اس کی تلاوت کی ترغیب میں متعدد احادیث وارد ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی اور اس نیکی کا اجر دس گنا ہوگا اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے''۔ (سنن ترمذی: ۲۹۱۰، سنن دارمی: ۳۳۵۱، الصحیحہ للالبانی: ۳۳۲۷)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صاحب قرآن سے کہا جائے گا: قرآن پڑھو اور درجات پر چڑھو اور اس طرح قرآن کی تلاوت کرو جس طرح دنیا میں قرآن کی تلاوت کرتا تھا کیونکہ تمہارا ٹھکانا وہاں ہے جہاں تم قرآن مجید کی آخری آیت پڑھو گے''۔ (سنن ابو داؤد: ۱۴۶۴، سنن ترمذی: ۲۹۱۴، الصحیحہ للالبانی: ۲۲۴۰)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''جنت کے درجات قرآن مجید کی آیات کے برابر ہیں، جس نے تہائی قرآن پڑھا اس کو تین درجات ملیں گے اور جس نے نصف قرآن پڑھا اس کو نصف درجات ملیں گے اور جس نے پورا قرآن پڑھا وہ اعلیٰ علیین میں ہوگا یا صدیق کی منزل میں ہوگا یا شہید کی منزل میں ہوگا''۔

(تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۳۵۶-۳۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹۴۳، شعب الایمان: ۱۹۹۸)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن اور روزہ اپنے صاحب کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے، پس روزہ کہے گا: اے میرے رب! بے شک میں نے دن میں اس کے کھانے اور پینے کو روک دیا، پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا: میں نے اس کی رات کی نیند کو روک دیا، پس اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی''۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۵۴، امام حاکم نے اس حدیث کی مسلم کی شرط کے موافق روایت کی ہے)

(۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''قیامت کے دن جب مسلمان کی قبر شق ہوگی تو قرآن اپنے پڑھنے والے سے اس طرح ملاقات کرے گا جس طرح جوان مرد ہو پس وہ کہے گا کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا میں تم کو نہیں پہچانتا۔ قرآن کہے گا: میں تیرا وہ صاحب ہوں جو قرآن ہے جس نے تمہیں گرمیوں میں پیاسا رکھا اور جس نے تمہیں رات میں بیدار رکھا اور بے شک ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے اور بے شک تم ہر تجارت کے پیچھے ہو۔ پھر فرشتہ اس کو اپنا دایاں ہاتھ دے گا اور بائیں ہاتھ سے حلہ دے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھے گا اور اس کے والدین کو دو حلے پہنائیں جائیں گے جو ان کے پاس دنیا میں نہیں تھے وہ کہیں گے یہ حلے ہمیں کیوں پہنائے گئے ہیں تو ان سے کہا جائے گا کیونکہ تمہارے بیٹے نے قرآن حفظ کیا تھا۔ پھر اس قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا تم قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات اور بالا خانوں میں چڑھتے جاؤ۔ پھر وہ جب تک قرآن پڑھتا رہے گا جنت کے درجات میں چڑھتا رہے گا''۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۰۳۶، سنن دارمی: ۳۳۴۳، احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کو ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا''۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۹-۵۲۸، شعب الایمان: ۲۷۰۶، صحیح الترغیب للالبانی: ۱۴۳۵، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۰۱-۹۹، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

قرآن پڑھنے والے مومن کی سنگترہ کے ساتھ تشبیہ کی توجیہ اور سنگترہ کے فوائد

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال سنگترہ کی طرح ہے، اس کا ذائقہ لذیذ ہے اور اس کی خوشبو عمدہ ہے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی صفت کو ذائقہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اور تلاوت کی صفت کو خوشبو کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ ایمان مومن کو قرآن سے زیادہ لازم ہے کیونکہ قرآن کو پڑھنے کے بغیر ایمان کا حصول ممکن ہے۔ اسی طرح سے ذائقہ جوہر کے لیے خوشبو سے زیادہ لازم ہے۔ کئی مرتبہ جوہر کی خوشبو چلی جاتی ہے اور اس کا ذائقہ باقی رہتا ہے، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنگترہ کے ساتھ مثال دینے کی حکمت یہ ہے کہ یہ وہ پھل ہے جس میں ذائقہ بھی ہے اور اس میں خوشبو بھی ہے جیسے سیب کے چھلکوں سے دواء بنائی

جاتی ہے اور وہ فرحت پیدا کرتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس گھر میں سنگترے ہوں جنات اس گھر کے قریب نہیں جاتے، اس لیے سنگتروں کے ساتھ قرآن کو تشبیہ دینا زیادہ مناسب تھا، کیونکہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہو وہاں جنات نہیں جاتے، اور سنگتروں کے پھانکوں کا غلاف سفید ہے جو مومن کے دل کے مشابہ ہے اور سنگتروں کے بہت فوائد ہیں جو طب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں کہ: سنگترہ زود ہضم ہوتا ہے اور اس کا رس دماغ کی کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے، صالح خون پیدا کرتا ہے، اعصاب، مسوڑوں اور ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے وغیرہا۔

اس حدیث میں دو قسموں کا بیان ہے: وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا، اور وہ شخص جو نہ عمل کرتا ہے اور نہ قرآن پڑھتا ہے، اور یہ دونوں قسمیں منافق کے حال کے مشابہ ہیں، پس آپ نے اول کی تشبیہ ریحانہ کے ساتھ دی ہے اور ثانی کی تشبیہ اندرائن کے ساتھ دی ہے اور آپ نے منافق کے ذکر پر اکتفاء کر لیا اور آخری دو قسموں کو ذکر فرما دیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سنگترہ کا مزاج اس کے خواص اور اس کے وٹامن

سنگترہ کا مزاج سرد و تر بہ درجہ سوم ہے۔ یہ صفرا کو قطع کرتا ہے، مفرح اور مسکن ہے، حرارت جسمانی کو کم کرتا ہے، ہوا کی زہریلی تاثیر کو زائل کرتا ہے۔ اس سے چہرے میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اس میں وٹامن سی زیادہ مقدار میں ہے۔

(المفردات ص ۲۹۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۹۱ء)

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی چار قسمیں

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معقول چیز کو محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دی، پھر اللہ تعالیٰ کے کلام مجید کے ذریعے بندے کے باطن اور ظاہر میں تاثیر ہوتی ہے اور بندے اس تاثیر کے ظہور میں مختلف ہیں، پس بعض بندوں کو اس تاثیر میں سے زیادہ حصہ ملتا ہے اور وہ مومن قاری ہے اور بعض وہ ہیں جن کو اس سے بالکل حصہ نہیں ملتا اور وہ منافق حقیقی ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے ظاہر میں اثر ہوتا ہے اور باطن میں اثر نہیں ہوتا اور یہ ریاکار ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے باطن میں اثر ہوتا ہے اور ظاہر میں اثر نہیں ہوتا، یہ وہ ہیں جو قرآن مجید کی بالکل تلاوت نہیں کرتے۔

سنگترہ کے ساتھ مثال دینے کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھنے والے مومن کی سنگترہ کے ساتھ اس لیے مثال دی ہے کہ یہ تمام پھلوں میں سب سے افضل پھل ہے اور اس میں بہ کثرت صفات مطلوبہ ہیں اور خواص ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کا سائز بڑا ہوتا ہے اور یہ خوبصورت ہے، اس کا ذائقہ لذیذ ہے اور چھونے میں نرم ہے۔ اس کا رنگ ایسا ہے جس کو دیکھ کر دیکھنے والے خوش ہوتے ہیں اور طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس سے دماغ اور معدے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے قوت باصرہ، قوت ذائقہ، قوت شامہ اور قوت لامسہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے، پھر اس کے اجزاء کی مختلف تاثیرات ہیں، اس کا چھلکا گرم خشک ہے اور اس کا گودا گرم تر ہے اور اس کی کھٹاس سرد خشک ہے اور اس میں اور بہت فوائد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۴۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیگر شراح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں کوئی نئی اور اضافی بات نہیں لکھی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۲۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَمَغْرِبِ الشَّمْسِ وَمَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى ثُمَّ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ مِنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ بِقِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ قَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً قَالَ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ قَالُوا لَا قَالَ فَذَاكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ شِئْتُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت (عبداللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری مدت گزشتہ امتوں کی بہ نسبت اتنی ہے جتنا عصر کی نماز اور غروب آفتاب کی نماز کے درمیان وقت ہوتا ہے اور تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس طرح ہے جس طرح کسی مرد نے چند کام کرنے والوں کو اجرت پر کام کرنے کے لیے بلایا ہو، سو اس نے کہا: جو میرے لیے نصف النہار (دوپہر) تک کام کرے گا اس کو ایک ایک قیراط اجرت ملے گی، پس یہود نے عمل کیا، پھر اس مرد نے کہا: میرے لیے نصف النہار سے لے کر عصر تک کون ایک قیراط اجر کے عوض کام کرے گا تو نصاریٰ نے عمل کیا، پھر تم ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک دو دو قیراط اجر کے عوض عمل کیا، تو یہود اور نصاریٰ نے کہا: ہم نے عمل زیادہ کیا ہے اور ہمیں اجرت کم دی ہے، تو اس شخص نے کہا: کیا میں نے تم کو تمہارے حق سے کم دیا ہے، انہوں نے کہا: نہیں! تو اس شخص نے کہا: پس یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۵۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۲۶۸۔۲۲۶۹۔۳۴۵۹، سنن ترمذی: ۲۸۷۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۶۵۔۲۰۹۱۱، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۱۸، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۸۲۰، تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۲۴۴، مسند ابویعلیٰ: ۵۸۳۸، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۶۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۲۸۵، المعجم الصغیر للطبرانی: ۵۳، صحیح ابن حبان: ۶۶۳۹، تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲، رقم الحدیث: ۴۵۰۸، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۱۷۶)

اس امت کے تمام اعمال کا وقت دوسری امتوں کے اعمال کے وقت سے کم ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گزشتہ امتوں کا کیا مرتبہ تھا۔ اور یہ امت جس کی عمر سب سے کم ہے اور جس کے اعمال بھی سب سے کم ہیں اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ امام بخاری نے تکلف کے ساتھ اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عمل کا وقت غروب آفتاب تک ہے اور اس وقت میں جو سب سے قریب عمل ہے وہ نماز عصر ہے اور یہ بہ طریق اشارہ ہے نہ بہ طریق تصریح کیونکہ اس حدیث میں مثال بیان فرمائی ہے اور اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ نماز عصر کا وقت نہیں بیان فرمایا بلکہ اس حدیث سے مراد

اس امت کے تمام اعمال ہیں خواہ وہ پانچ وقت کی نمازیں ہوں یا دوسری عبادات ہوں اور اس مدت کی بقاء قیامت تک رہے گی۔
اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عصر کی نماز پہلے وقت میں پڑھنا آخیر وقت میں پڑھنے سے افضل ہے۔(التواری ص ۹۴-۹۲)

یہود اور نصاریٰ کے زمانہ کی مدت

حضرت ابوموسیٰ کی حدیث میں مذکور ہے کہ یہود کے عمل کا زمانہ طویل ہے اور نصاریٰ کی مدت پر زیادہ ہے، کیونکہ ایک روایت کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار چھ سو بتیس سال کا عرصہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔(تاریخ طبری ج ا ص ۴۹۵)

اور امام ابن اسحاق نے کہا ہے: ان کے درمیان ایک ہزار نو سو انیس سال کا عرصہ ہے، اور امام ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے، پس اسی وجہ سے یہود نے اول نہار سے ظہر کے وقت تک عمل کیا اور نصاریٰ نے ظہر کے وقت سے لے کر عصر کے وقت تک عمل کیا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہود کا زمانہ نصاریٰ کے زمانہ پر مقدم ہے جب کہ یہود کا عمل طویل تھا اور نصاریٰ کا عمل ان سے کم تھا، پس رہا مسلمانوں کا عمل تو آپ نے اس کو اس مثال میں عصر سے مغرب تک کو قرار دیا، اور اس کی مدت ان سب کی مدت سے کم ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ دنیا کی بقا کی مدت سات ہزار سال ہے مگر یہ قول ضعیف ہے

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: دنیا کی مدت سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری دن میں مبعوث ہوئے ہیں۔(الروض الانف ج ۲ ص ۲۹۵)

امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے، اس میں سے چھ ہزار دو سو سال گزر چکے ہیں۔(تاریخ طبری ج ا ص ۱۵)

علامہ سخاوی نے لکھا ہے: ہر وہ حدیث جس میں قیام کے وقت کی مدت معین طور سے بیان کی گئی ہے اس کی سند ثابت نہیں ہے۔(فتاویٰ حدیثیہ ج ا ص ۱۹۳، الضعیفہ للالبانی: ۳۶۱۱)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: قیامت کے وقوع کا وقت اس غیب کے ساتھ خاص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص کر لیا کیونکہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس بات کو سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔(صحیح البخاری: ۵۰)

محققین علماء اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت وقوع قیامت کا علم دیا گیا ہے

میں کہتا ہوں کہ محققین نے یہ تصریح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں (بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا، کون کہاں مرے گا، ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور قیامت کب واقع ہوگی) کا علم عطا فرمایا (سعیدی غفرلہ) اور حسب ذیل علماء نے اس کی تصریح کی ہے:

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(المفہم ج ا ص ۱۵۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد قسطلانی، ملا علی قاری اور شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ قرطبی کی اس عبارت کا ذکر کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ا ص ۲۹۰، فتح الباری ج ا ص ۱۲۴، ارشاد الساری ج ا ص ۱۳۸، مرقات ج ا ص ۶۵، فتح الملہم ج ا ص ۱۷۲)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورۂ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ فرمایا ہو، قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی شافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔(ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

علامہ زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا۔(شرح المواہب اللدنیہ ج ا ص ۲۶۵)

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔(شرح الصدور ص ۳۱۹، بیروت، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے متعلق مطلع نہیں فرمایا لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا۔(تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵، دار احیاء الکتب العربیہ، مصر)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو۔
(روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔
(شرح المقاصد ج ۵ ص ۶، ایران)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا، ہاں! ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب رسول ہیں۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ جائز ہے کہ مطلع فرمایا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو اور بعض علماء نے علم قیامت کے متعلق بھی یہی کہا ہے۔
(مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۰، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

سیدی عبدالعزیز دباغ عارف کامل فرماتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہوگا حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔ (الابریز ص ۴۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ (خالص الاعتقاد ص ۴۳، امام احمد رضا اکیڈمی، کراچی)

جھگڑا ختم کرنا چاہیے اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں تحریف کی طرف اشارہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھگڑا منقطع کرنا چاہیے اور لوگوں سے تھکاوٹ کو زائل کرنا چاہیے۔
یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی اور احکام شرعیہ کو تبدیل کر دیا اور کام ختم ہونے سے پہلے کام کو منقطع کر دیا تو وہ پوری اجرت سے محروم کر دیے گئے کیونکہ جس کام پر ان کو اجرت ملتی تھی انہوں نے وہ کام پورا نہیں کیا۔ (اعلام الحدیث ج ۱ ص ۴۴۳)

قیراط کا وزن

قیراط کا وزن نصف دانق ہے یعنی درہم کا چھٹا حصہ، القزاز نے کہا: یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرط فلان علی العطاء۔ جب کوئی شخص کسی کو بہت کم چیز دے۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۱۵۱)
میں کہتا ہوں کہ: علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے لکھا ہے: قیراط کی جمع قراریط ہے، اکثر شہروں میں قیراط دینار کا بیسواں حصہ ہے، اس سے مراد کسی چیز کا چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے، قیراط کا وزن بارہ (۱۲) چاولوں کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک قیراط دینار کے بیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور ہر قیراط تین دانوں کے برابر ہے اور ہر دانہ چار چاولوں کے برابر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دانہ دو جو کے برابر ہے اور ایک جو دو جوار کے برابر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)
(لسان العرب ج ۱۲ ص ۷۳، دار صادر، بیروت (مختار الصحاح ص ۳۱۱) عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یہود و نصاریٰ کو کم اجرت دینے سے امت مسلمہ کو زیادہ اجرت دینے کی توجیہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ تمام امتوں سے افضل ہے کیونکہ امت مسلمہ کو کم عمل کے باوجود زیادہ اجر دیا گیا اور ان کو اس لیے فضیلت دی ہے کہ ان کی تصدیق قوی ہے اور انہوں نے اصل دین کو محفوظ رکھا ہے اگرچہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں ان کے نفسانی تقاضوں کی وجہ سے بہت کوتاہیاں اور لغزشیں بھی ہوئی ہیں، جس کی تلافی وہ اپنے گناہوں کے اعتراف اور ان پر توبہ کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہودی اللہ تعالیٰ سے معاندانہ روش رکھتے تھے جیسا کہ انہوں نے کہا:

یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ (الاعراف: ۱۳۸)

اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو O

اور جب ان کو قوم جبارین سے جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا:

یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ: ۲۴)

اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ (جبارین) اس زمین میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں اور (ان سے) جنگ کریں بے

شک ہم یہیں بیٹھیں رہیں گے O

میں کہتا ہوں: نصاریٰ کی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا معبود بنالیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ) قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ (المائدہ:۱۷) بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

حدیث مذکور سے فقہاء احناف کا یہ استدلال کہ عصر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایا زوال کا سایا نکالنے کے بعد دو مثل کے برابر ہو جائے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نصاریٰ نے یہ کہا کہ ہم نے ان سے زیادہ عمل کیا ہے اور یہ قول اس وقت صحیح ہوگا جب یہ فرض کیا جائے کہ عصر کا وقت دو مثل سائے سے شروع ہوتا ہے، پھر ظہر سے عصر تک کا وقت دگنا ہوگا اور عصر سے مغرب تک کا وقت اس کا آدھا ہوگا اور تب حدیث میں مذکور نصاریٰ کا یہ اعتراض درست ہوگا کہ ہم نے عمل ان سے زیادہ کیا ہے اور اجر ہم کو کم ملا ہے۔ (سعیدی غفرلہ) نیز اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''ٹھنڈے وقت میں، ٹھنڈے وقت میں، یا فرمایا: انتظار کرو، انتظار کرو'' اور فرمایا: ''گرمی کی شدت دوزخ کے جوش سے ہے، پس جب شدید گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا''۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵، صحیح مسلم: ۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۱، سنن ترمذی: ۱۵۸، موطا امام مالک: ۲۸، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۴۴۵، صحیح ابن خزیمہ: ۳۹۴، صحیح ابن حبان: ۱۵۰۹، سنن بیہقی ج۱ ص ۴۳۸، شرح السنہ: ۳۶۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول برحق ہے خواہ آپ بہ طور مثال فرمائیں یا بہ طور احکام

علامہ جوینی نے کہا ہے کہ جن احادیث میں امثال بیان کی گئی ہیں ان سے احکام شرعیہ کو مستنبط کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ جوینی کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ شارع علیہ السلام حق بات کے سوا اور کچھ نہیں فرماتے۔

(عارضۃ الاحوذی ج۱۰ ص ۲۲۴، دار المعرفہ بیروت)

یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں امت مسلمہ کو دگنا اجر ملنا

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو مشروع کیا تاکہ لوگ اس پر عمل کریں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کیے جائیں، سو انہوں نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے، پس آپ نے یہود و نصاریٰ کو بھی اسلام کے احکام پر عمل کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کیا اور نافرمانی کی، پس اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو لے آیا، پس انہوں نے اسلام کے احکام پر عمل کیا، پس ان کو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اجر ملتا رہے گا جیسا کہ اس حدیث میں ہے: مسلمانوں نے عصر سے لے کر غروب آفتاب تک پورا دن عمل کیا تو ان کو یہود اور نصاریٰ دونوں کا اجر مل گیا۔ یہود اور نصاریٰ کو ایک ایک قیراط اجر دیا گیا اور امت مسلمہ کو دو قیراط اجر دیا گیا، اور یہود میں سے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت

تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کیا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو ان کو دو اجر ملیں گے اور اسی طرح سے جو نصاریٰ ہمارے نبی علیہ السلام پر بھی ایمان لائے ان کو بھی دو اجر ملیں گے جیسا کہ صحیح البخاری: ۹۷ میں اس کی تصریح ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۶ ص ۲۰۷۔۲۰۶ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن کا احناف پر رد اور مصنف کی طرف سے جواب

علامہ ابن ملقن نے فقہاء احناف کی اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے عصر کی نماز کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے شروع کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث سے مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کے اعمال یہود و نصاریٰ کے اعمال سے زیادہ ہیں نہ کہ آپ کا مقصد نماز کے اوقات بیان کرنا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۰۴، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: یہ علامہ ابن ملقن کا تحکم ہے یعنی ان کا اپنی طرف سے حکم لگانا ہے اور ان کی ذاتی رائے ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نصاریٰ نے کہا تھا کہ ہم نے کام زیادہ کیا ہے اور ہم کو اجرت کم ملی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۱) اور ان کا زیادہ کام کرنا اس کو مستلزم ہے کہ انہوں نے زیادہ وقت تک کام کیا ہو، اور اگر عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہو تو ظہر اور عصر کا وقت برابر ہوگا اور ان کا زیادہ کام اسی صورت میں ہوگا جب وہ زیادہ وقت میں کام کریں اور زیادہ وقت تب ہی ہوگا جب عصر کا وقت دو مثل سائے کے بعد شروع ہو اور ظہر کا وقت دو مثل سائے تک ہو تب یہ ہو سکے گا کہ یہود اور نصاریٰ نے زیادہ وقت میں زیادہ کام کیا ہو اور امت مسلمہ نے کم وقت میں کم کام کیا ہو، پس واضح ہو گیا کہ زیادہ کام کرنا زیادہ وقت کو مستلزم ہے اور یہ فقہاء احناف کی عصر کے وقت پر بہت قوی دلیل ہے کہ اس کی ابتداء دو مثل سائے کے بعد ہوتی ہے، اور علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ تو الگ رہے کسی شافعی فقیہ سے بھی اس دلیل کا جواب نہیں بن سکا، خصوصاً جب کہ ہم نے اس کی تائید میں صحیح البخاری: ۵۳۵، صحیح مسلم: ۶۱۶، وغیرہا کو بھی پیش کیا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ مر چکے تھے ان کے عاجز ہونے کا کیا معنی ہے اور جو دین میں تحریف کر چکے تھے ان کو ایک قیراط اجر دینے کا بھی کوئی معنی نہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: اہل تورات کو تورات دی گئی تو انہوں نے نصف النہار تک اس پر عمل کیا، پھر وہ عاجز ہو گئے تو ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے عصر تک کام کیا، پھر وہ عاجز ہو گئے اور انہیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر ہمیں قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا اور ہمیں دو دو قیراط دیئے گئے تو دونوں کتابوں والوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ان کو دو دو قیراط دیئے ہیں اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا ہے حالانکہ ہم نے زیادہ عمل کیا ہے تو اللہ عز و جل نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! فرمایا: پھر یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں۔ (صحیح البخاری: ۵۵۷)

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے یہ لکھا ہے کہ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان میں سے جو اسلام پر مر چکے تھے ان کو تو عجز کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کو جو احکام دیئے گئے تھے ان پر انہوں نے عمل کر لیا، اور اگر یہود و نصاریٰ سے وہ مراد ہیں جو اپنے دین میں تغیر اور تبدل کرنے کے بعد مرے تھے تو ان کو ایک ایک قیراط بھی اجر دینا کیسے درست ہوگا؟

علامہ ابن التین نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ دین

میں تغیر کرنے سے پہلے حالت اسلام میں فوت ہوئے اور یہ فرمایا کہ وہ عاجز ہو گئے کیونکہ وہ پورا دن کام نہیں کر سکے اگرچہ انہوں نے اتنا کام کیا جو ان کے لیے مقدر کیا گیا تھا لیکن ان میں سے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو دو مرتبہ اجر دیا گیا جیسا کہ کتاب الایمان میں اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے ہونے پر فقہاء احناف کی دلیل کے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے چار جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے زیادہ عمل کیا تھا:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: فقہاء احناف میں سے ابوزید نے کتاب الاسرار میں اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عصر کے وقت کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سائے سے ہو تو پھر عصر کا وقت ظہر کے وقت کے مساوی ہو جائے گا حالانکہ انہوں نے کہا تھا: ہم نے زیادہ عمل کیا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ظہر کے وقت سے کم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: ہم نہیں مانتے کہ اس صورت میں عصر کا وقت ظہر کے وقت کے برابر ہو جائے گا کیونکہ ظہر اور عصر کے درمیان کی مدت عصر اور مغرب کے درمیان کی مدت سے زیادہ طویل ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس صورت میں ظہر سے عصر تک کا وقت اس مدت کے برابر ہو جائے گا جو عصر سے مغرب تک کی مدت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مثال دی ہے اور مثال اور تشبیہ کا ہر جہت سے برابر ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق نے یہ کہا تھا کہ ہم نے مسلمانوں سے زیادہ عمل کیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں فریقوں نے مجموعی طور پر مسلمانوں سے زیادہ عمل کیا ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ فجر سے لے کر ظہر تک کا وقت تو بہر حال عصر کے وقت سے زیادہ طویل ہے جب کہ عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہو اور فجر سے ظہر تک یہود نے کام کیا تھا تو دراصل یہود نے یہ کہا تھا کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے اور حدیث میں نصاریٰ کو بھی ان کے ساتھ تغلیبا ملا دیا اور اب یہ اعتراض جڑ سے اکھڑ جائے گا، اور چوتھا جواب یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے یہ عمل زیادہ کیا ہے، اس حدیث سے یہی مقصود ہے کہ یہود و نصاریٰ کا عمل زیادہ ہے اور مسلمانوں کا عمل کم ہے اور اجر زیادہ ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کم زمانہ میں زیادہ عمل کیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ (البقرۃ: ۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۰-۱۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے جوابات پر تعاقب

میں کہتا ہوں کہ: حافظ ابن حجر عسقلانی کے پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دی ہے اور یہ لازم نہیں آتا کہ مثال اور تشبیہ ہر لحاظ سے مشبہ بہ کے مساوی ہو۔ یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس مثال میں یہی بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے زیادہ عمل کیا تھا اور زیادہ عمل کرنا اس کو مستلزم ہے کہ ان کا وقت بھی زیادہ ہو اور اگر عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سائے سے ہو تو پھر عصر اور ظہر کا وقت برابر ہو جائے گا حالانکہ حدیث میں یہ مقصود نہیں ہے۔

دوسرا جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر دو فریقین کا عمل زیادہ ہے اور ان کا اجر مسلمانوں سے کم ہے اور اگر حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول کے مطابق دونوں کا مجموعی عمل زیادہ ہو اور اجر کم ہو تو مسلمانوں کی ان دونوں میں سے ہر ایک پر برتری ثابت نہیں ہوگی بلکہ مجموعہ سے برتری ثابت ہوگی جب کہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک پر مسلمانوں کی برتری زیادہ ہے کیونکہ مسلمانوں کا عمل ان میں سے ہر ایک سے کم ہے اور اجر زیادہ ہے۔

تیسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: حدیث میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر تغلیباً ہے۔ دراصل صرف یہود نے زیادہ عمل کیا تھا جنہوں نے فجر سے ظہر تک عمل کیا اور یہ وقت بہر حال زیادہ ہے اور حدیث میں نصاریٰ کو بھی ان کے ساتھ تغلیباً ملا دیا اور تغلیباً جو قول ہو وہ مجاز ہوتا ہے اور بلا ضرورت حدیث کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے، اور جب کہ فقہاء احناف کے بیان کردہ محمل کے مطابق اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جا سکتا ہے تو بلا وجہ حدیث کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے، سو وہی بات صحیح ہے جو فقہاء احناف نے کہی ہے۔

حافظ ابن حجر کے چوتھے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ عمل کے لیے زیادہ وقت ہونا ضروری نہیں ہے کم وقت میں بھی زیادہ عمل ہو سکتا ہے جیسا کہ گزشتہ امتوں کا عمل زیادہ تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ (البقرۃ:۲۸۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس جواب میں شدید مغالطہ کھایا ہے کیونکہ گزشتہ امتوں کا عمل مقدار میں زیادہ نہیں تھا جس کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت ہو بلکہ ان کا عمل کیفیت میں زیادہ شدید اور بھاری تھا حتیٰ کہ ان کو تیمم کرنے کی اجازت نہیں تھی، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، ان کو قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں تھی، ان کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا، ان کی توبہ جب قبول ہوتی تھی جب وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں، ان کا کپڑا اگر نجس ہو جائے تو اس کی طہارت کے لیے دھولینا کافی نہیں تھا بلکہ نجس کپڑے کو کاٹنا ضروری تھا، سو ان کے یہ احکام بہت سخت اور دشوار تھے اور ان پر عمل کرنا بہت مشکل تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان کے عمل مقدار میں زیادہ تھے جس کے لیے کم وقت کافی نہ ہو اور زیادہ وقت کی ضرورت ہو۔

پس واضح ہو گیا کہ فقہاء احناف کی یہ دلیل کہ عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے کے بعد ہوتی ہے، اس کا توڑ نہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے ہو سکا اور نہ ان کے استاذ علامہ ابن ملقن سے ہو سکا تھا اور نہ ان شاء اللہ کسی اور غیر حنفی فقیہ سے ہو سکے گا۔

علامہ عینی کا یہ لکھنا کہ عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے ہوتی ہے یہ صرف امام ابوحنیفہ کا قول ہے ان کے باقی اصحاب کا قول ان کے خلاف ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہود کا قول ظاہر ہے کیونکہ صبح سے لے کر ظہر تک کے وقت کی مدت اس سے زیادہ ہے جو عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت کی مدت ہے، اور نصاریٰ کا قول صرف فقہاء احناف کے مذہب پر صحیح ہو سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کی ابتدا دو مثل سائے سے ہوتی ہے اور یہ ان کی اپنے مذہب پر ایک دلیل ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: علامہ کرمانی نے جو ذکر کیا ہے وہ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور ان کے دوسرے اصحاب (امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہا) یہ کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سائے سے ہوتی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ دونوں نے کہا کہ ہم نے زیادہ عمل کیا ہے جب کہ واقع میں ایک نے زیادہ عمل کیا تھا تو یہ تغلیب پر محمول ہے، اور کہا

جاتا ہے کہ ان کا عمل زیادہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا زمانہ بھی زیادہ ہو کیونکہ کم زمانہ میں بھی زیادہ عمل ہو سکتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ: علامہ عینی نے ہمیں بہت مایوس کیا، ایسا لگتا ہے کہ علامہ عینی علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تاویلات سے مرعوب ہو گئے؛ اور وہ ان کی تاویلات کا رد کرنے پر قادر نہ ہو سکے، کاش! وہ بھی ان کی تاویلات کا اس طرح رد کر دیتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نور الٰہی سے مصنف پر فیضان کیا اور اس نے ان دونوں عظیم شافعی فقیہوں کی تاویلات کا رد کیا اور ان کے تار عنکبوت کو توڑ دیا۔ وَ ذٰلِكَ فضل الله یوتیه مَنْ یَّشَآءُ۔ میں اگرچہ علامہ عینی کے علم کے مقابلے میں ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وسعت نظر دی کہ میں ان بزرگ شافعی فقیہوں کی تاویلات کا رد کروں اور فقہاء احناف کے مسلک کو اجاگر کروں۔ یہ میرا کمال نہیں دراصل میرے مولیٰ کا کمال ہے۔ اس تقریر کے بعد اب ہم عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے ہونے پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے مزید دلائل پیش کرتے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

عصر کے وقت کی دو مثل سائے سے ابتداء کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤذن ظہر کی اذان دینے لگا تو آپ نے فرمایا: ''ٹھنڈا کرو، ٹھنڈا کرو'' یا فرمایا: ''انتظار کرو، انتظار کرو'' اور فرمایا: ''گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا''۔
(صحیح البخاری: ۵۳۹، صحیح مسلم: ۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۱، سنن ترمذی: ۱۵۸، مسند احمد: ۲۱۴۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے''۔
(صحیح البخاری: ۵۳۴۔ ۵۳۳، مسلم: ۶۱۵، ابوداؤد: ۴۰۱، سنن ترمذی: ۱۵۷، سنن نسائی: ۴۹۶، سنن ابن ماجہ: ۶۷۸، مسند احمد: ۷۸۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اس حدیث کے بعد مذاہب فقہاء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ابوعیسیٰ نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم میں سے ایک قوم نے گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز کی تاخیر کو مختار قرار دیا ہے اور یہ ابن المبارک، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ (امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ترمذی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ سعیدی غفرلہ)
امام شافعی نے کہا: ظہر کی نماز کو اس وقت ٹھنڈا کیا جائے گا جب لوگ دور سے نماز پڑھنے کے لیے آئیں لیکن جب صرف ایک نمازی ہو یا قبیلہ کی مسجد میں نماز ہو تو مستحب یہ ہے کہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے نہ پڑھا جائے۔ (میں کہتا ہوں: حدیث میں عموم اور اطلاق ہے اور یہ تقیید حدیث کے عموم کے خلاف ہے۔ سعیدی غفرلہ)
امام ابوعیسیٰ نے کہا کہ گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا زیادہ اتباع کے لائق ہے، اور امام شافعی نے جو کہا ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کرنے کی رخصت دور سے آنے والوں کے لیے ہے اور لوگوں پر مشقت کی وجہ سے ہے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ظہر کی اذان دینے لگے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بلال! ٹھنڈا کرو ٹھنڈا کرو''۔

اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح امام شافعی کا مذہب ہے تو اس وقت میں نماز کو ٹھنڈا کرنے کا کوئی معنی نہیں تھا کیونکہ وہ سب اس سفر میں جمع تھے اور کوئی دور سے آنے والا نہیں تھا۔ (سنن ترمذی ص ۸۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

ان احادیث میں ٹیلوں کے سائے کے بعد ظہر کی اذان دینے کا آپ نے حکم فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ ایک مثل سائے کے بعد بھی ظہر کا وقت ہوتا ہے اور آپ نے ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ظہر کا وقت دو مثل سائے تک ہے اور عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے کے بعد سے ہوتی ہے اور یہ احادیث امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر قوی دلائل ہیں۔

۱۸- بَابُ: الْوَصِيَّةِ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

اللہ عزوجل کی کتاب کی وصیت

۵۰۲۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى آوْصَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ أُمِرُوا بِهَا وَلَمْ يُوصِ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن مغول نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں طلحہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے سوال کیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی تو انہوں نے کہا: نہیں! پس میں نے کہا: پھر کیسے لوگوں کے اوپر وصیت کو فرض کیا گیا ہے، لوگوں کو اس (وصیت) کا حکم دیا گیا اور آپ نے خود وصیت نہیں فرمائی؟ انہوں نے کہا: آپ نے اللہ کی کتاب کی وصیت کی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۴۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۷۴۰-۴۴۶۰-۵۰۲۲، صحیح مسلم: ۱۶۳۴، سنن ترمذی: ۲۱۱۹، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۴۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۴۴۷، صحیح ابن حبان: ۶۰۲۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۶، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۶، سنن دارمی: ۳۱۲۱، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۲)

وصیت اور کتب کا معنی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الوصایا وصیت کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جب کوئی شخص اپنی موت کے بعد کسی حکم کو بیان کرے۔ (التوضیح ج ۶ ص ۲۶-۲۵)

اس حدیث میں کُتِبَ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: فرض کیا گیا یا مستحب قرار دیا گیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم ایسے حال میں ہو کہ تم کو مرنے کا خوف ہو تو پھر تم وصیت کرو۔

وصیت کرنے کا شرعی حکم

پہلے اولاد اور والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا فرض تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اولاد اور والدین

اور عصبات کے حصے مقرر فرما دیئے اور ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لیے تہائی مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔
(جامع البیان للطبری ج ۲ ص ۱۴۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ جو وارث نہ ہوں ان کے لیے وصیت کی جائے مثلاً کافر ماں باپ اور غلام، اور الشعبی اور النخعی نے کہا کہ پہلے وصیت کرنا مستحب تھا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۶۳۳۲۔ ۱۶۳۲۹، جامع البیان للطبری ج ۲ ص ۱۲۵)

طاؤس نے کہا کہ اگر اس نے کسی اجنبی کے لیے وصیت کی اور ضرورت مند رشتہ دار کو چھوڑ دیا تو اس اجنبی سے مال چھین کر ضرورت مند رشتہ دار کو دیا جائے گا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۶۳۲۷۔ ۱۶۴۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷۷۴)

اور حسن بصری اور اسحاق نے کہا کہ جب اس نے غیر وارث کے لیے تہائی مال کی وصیت کی تو یہ جائز ہے اور باقی دو تہائی مال اس کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۶۴۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷۷۳، جامع البیان للطبری ج ۲ ص ۱۴۲)

وصیت کے متعلق دیگر احادیث، آثار اور اقوال تابعین

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس مسلمان مرد کے پاس مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو جب اس کی دو راتیں گزریں تو اس پر فرض ہے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہو“۔
(صحیح مسلم: ۱۶۲۷، الرقم المسلسل: ۴۰۹۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۲، مسند احمد: ۵۹۳۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی تو میں نے پوچھا: کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں“! میں نے پوچھا: کیا میں نصف مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں“! تو میں نے پوچھا: کیا میں تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! تہائی مال کثیر ہے“۔ (صحیح البخاری: ۴۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، الرقم المسلسل: ۴۱۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۸، مسند احمد: ۱۵۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرا باپ فوت ہو گیا ہے، اس نے مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی، اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا؟“ آپ نے فرمایا: ہاں“۔
(صحیح مسلم: ۱۶۳۰، الرقم المسلسل: ۴۱۱۰، سنن نسائی: ۳۶۵۲)

ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے وصیت فرض تھی، پس جب میراث کے احکام نازل ہو گئے تو ورثاء کے حق میں وصیت کرنا منسوخ ہو گیا اور ورثاء کے حق میں وصیت کرنا ثابت ہے، پس جس نے رشتہ داروں کے علاوہ کسی کے لیے وصیت کی تو اس کی وصیت جائز نہیں ہوگی۔ (سنن سعید بن منصور: ۲۵۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک مرد نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کر دیئے اور ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال نہیں تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کے تین حصے کیے، پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی، پس ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام برقرار رکھا اور اس شخص کے متعلق آپ نے سخت قول فرمایا“۔
(صحیح مسلم: ۱۶۶۸، الرقم المسلسل: ۴۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۵۹، ۳۹۵۸، سنن ترمذی: ۱۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۵)

امام شافعی نے کہا: اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن طاؤس کی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں میں بھی تیسرے حصہ کی وصیت نافذ فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے غیر کے لیے بھی تہائی مال سے وصیت کرنا جائز ہے۔
(الرسالہ ص ۱۴۵۔ ۱۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: آیت میراث سے وصیت منسوخ ہو گئی۔
(سنن ابوداؤد: ۲۸۶۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۵، جامع البیان للطبری: ۲۶۶۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰)

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۹۳۹، جامع البیان للطبری: ۲۶۶۱، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۵)

ضحاک اور طاؤس نے کہا: والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا نص قرآن سے واجب ہے جب وہ وارث نہ ہوں۔ طاؤس نے کہا: جس شخص کے رشتہ دار ہوں اور وہ اجنبی لوگوں کے لیے وصیت کرے تو اس کی وصیت رشتہ داروں کی طرف لوٹائی جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۴۲۷-۱۶۴۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷۷۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۵)

حسن بصری نے کہا: والدین کے لیے وصیت منسوخ ہو گئی اور جو رشتہ دار وارث نہ ہوں ان کے لیے وصیت باقی ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (جامع البیان للطبری: ۲۶۵۱-۲۶۵۲-۲۶۵۴)

ابراہیم نخعی اور الشعبی نے کہا: والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۶۴۳۲، جامع البیان للطبری: ۲۶۷۱-۲۶۷۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۶۴۲۹)

ضحاک نے کہا: جو شخص مر گیا اور اس کے پاس مال تھا اور اس نے اپنے رشتہ داروں کے لیے وصیت نہیں کی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مرا۔ (جامع البیان للطبری: ۲۶۴۴)

حسن بصری اور جابر بن زید اور عبدالملک بن یعلیٰ نے کہا: جب کوئی شخص غریب لوگوں کے لیے تہائی مال کی وصیت کرے اور اس کے رشتہ دار بھی ہوں تو اس کا تہائی مال غرباء کو دیا جائے گا اور باقی مال اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (جامع البیان: ۲۶۴۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے''۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۴-۶۷۲۷، شمائل ترمذی: ۳۸۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۷، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۲، مسند ابوعوانہ ج ۴ ص ۱۴۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۸۰۴-۳۷۲۹، مسند الشامیین للطبرانی: ۳۰۹۸، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۹۹، مصنف عبدالرزاق: ۹۷۷۳، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۵، 25125)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے وصیت فرمائی ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ امت پر صدقہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تین چیزوں کا حکم دیا: ''ایک یہ تھی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، دوسری چیز یہ تھی کہ وفد کو اسی طرح انعامات دیتے رہنا جس طرح میں دیتا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیسری وصیت کو میں بھول گیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۶۸، موطا امام مالک ص ۵۵۶، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۳۵، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کا وقت آیا اور آپ کا سانس اکھڑ رہا تھا تو آپ فرما رہے تھے: ''نماز کو لازم رکھنا اور زکوٰۃ کو لازم رکھنا (یا) اپنے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۲۵۸، مسند ابویعلیٰ ج ۵ ص ۳۰۹، المستدرک ج ۳ ص ۵۷، الارواء للالبانی: ۲۱۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہے تھے تو پوچھا: تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمیں یاد آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہم ہوتے تھے، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے انہوں نے بیان کیا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس حال میں کہ آپ نے سر کے اوپر ایک چادر کا کنارہ

باندھا ہوا تھا۔ انہوں نے بتایا: پھر آپ منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد آپ منبر پر نہیں چڑھے، پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اس کی ثناء کی پھر فرمایا: ''میں تمہیں انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے غم خوار ہیں اور میرے راز دار ہیں اور انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے اور ان کے حقوق باقی رہے، تم ان کے نیک لوگوں کی نیکیوں کو قبول کرنا اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا''۔ (صحیح البخاری: ۳۸۰۱۔ ۳۷۹۹) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۷ ص ۱۷۸۔ ۱۷۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہما کے اس قول کی توجیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نہیں کی

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ طلحہ بن مصرف نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت کی تھی تو انہوں نے کہا: نہیں! پس میں نے کہا: پھر لوگوں پر وصیت کو کیسے فرض کیا گیا؟ یا انہیں کس طرح وصیت کرنے کا حکم دیا گیا۔ (صحیح البخاری: ۴۴۶۰۔ ۵۰۲۲، سنن ترمذی: ۲۱۱۹، سنن نسائی: ۳۶۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۶)

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی، بعض شیعہ نے یہ زعم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے۔ جب آپ سے کسی نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد کیا تھا جس کا لوگوں سے عہد نہیں کیا تھا؟ تو حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور روح کو پیدا کیا! ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہے اور جو اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۹۰۳)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ شیعہ کے اس جھوٹ کا اکثر رد فرماتے تھے کہ آپ کو خلافت کی وصیت کی گئی تھی۔

رہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین اور آپ کے ہتھیار اور آپ کے خچر تو آپ نے ان کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی جس طرح لوگ اپنے اموال میں وصیت کرتے ہیں کیونکہ آپ نے فرمایا: ''ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے''۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۷، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۵، ۲۵۱۲۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۷ ص ۱۸۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

وصیت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الوصایا وصیت کی جمع ہے جیسے ہدایا ہدیۃ کی جمع ہے اور وصیت کا اطلاق وصیت کرنے والے کے فعل پر کیا جاتا ہے اور جس مال کی اس نے وصیت کی ہو اس پر بھی وصیت کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور الایصاء کالفظ الموصی کے معنی میں ہے، یہ وصیت کا لغوی معنی ہے اور اصطلاح شرع میں وصیت کا معنی ہے کہ مرنے سے پہلے کوئی شخص جو مخصوص عہد کرتا ہے اور اس کو وصیت اس لیے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں جن کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا اس کی موت کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا رہے۔ نیز اطلاقات شرع میں برے کاموں سے باز رہنے کی تاکید کو بھی وصیت کہتے ہیں اور نیک کاموں پر عمل کی ترغیب کو بھی وصیت کہتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۱۸۱، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کرنے کی نفی کی تھی اس کا محمل

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی مراد یہ تھی کہ آپ نے تہائی مال کی وصیت نہیں کی کیونکہ آپ نے اپنے بعد مال نہیں چھوڑا اور آپ نے فرمایا تھا کہ ''آپ نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے اس کا وارث نہیں بنایا جائے گا'' اور آپ نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، اور حضرت عبداللہ بن اوفیٰ نے جو کہا تھا کہ آپ نے وصیت نہیں کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے کسی کو خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی تھی اور حضرت عبداللہ بن اوفیٰ نے جو کہا تھا کہ آپ نے کتاب اللہ کی وصیت کی تھی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ کتاب اللہ کو لازم رکھو اور اس کے تقاضوں پر عمل کرو جیسا کہ صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے وفات کے وقت تین چیزوں کی وصیت کی کہ ''جزیرۂ عرب میں دو دین باقی نہیں رہیں گے'' یا فرمایا کہ ''یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دو'' نیز فرمایا: ''وفد کو اسی طرح انعام واکرام دیتے رہنا جس طرح میں دیا کرتا تھا''۔ اور تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی اور یا وہ جو سنن نسائی میں مذکور ہے: آپ نے آخری بات یہ فرمائی کہ ''نماز کی اور زکوٰۃ کی حفاظت کرنا'' یا فرمایا: ''غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خیال رکھنا'' تو حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے ایسی وصیتوں کی نفی نہیں کی۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۱۸۵ ملخصاً دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا جیسا کہ صحیح البخاری: ۳۷۹۹ اور ۳۸۰۱ میں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۹۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ — جو قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ پوری حدیث اس طرح سے ہے: جو خوش آوازی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے کامل طریقہ پر نہیں ہے۔ یہ حدیث سنن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۴)

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (العنکبوت: ۵۱)

کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری وغیرہ نے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کی ہے کہ کچھ مسلمان آئے جنہوں نے یہودیوں سے سنی ہوئی بعض باتیں لکھی ہوئی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی قوم کے گمراہ ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے جو ان کے پاس ان کا نبی لے کر آیا اور دوسری چیزوں کی طرف رغبت کرے''۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (العنکبوت: ۵۱)

کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

حافظ ابن کثیر وغیرہ پر اس آیت کو ترجمۃ الباب کے بعد لکھنے کی وجہ مخفی رہی اور انہوں نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی وجہ سے دوسری کتابوں سے مستغنی نہ ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۲۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمْ يَأْذَنِ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ يُرِيدُ يَجْهَرُ بِهِ

ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے نبی ﷺ کو خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا ہے''۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے ایک دوست نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کو بلند آواز سے پڑھا جائے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۲۴، ۷۴۸۲، ۷۵۴۴، صحیح مسلم: ۷۹۲، سنن داری ج ۲ ص ۴۷۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵، مصنف عبدالرزاق: ۴۱۶۷)

۵۰۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ قَالَ سُفْيَانُ تَفْسِيرُهُ يَسْتَغْنِي بِهِ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۳، صحیح مسلم: ۷۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے نبی ﷺ کے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو سنا ہے''، سفیان نے کہا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ قرآن کے سبب سے مستغنی ہو۔

تَغَنّی کے تین معانی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: مَا أَذِنَ، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا، اور حدیث میں ہے:

''جو قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۷، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۱)

اور دوسروں نے یہ اضافہ کیا ہے: ''جو قرآن مجید کو بلند آواز سے نہ پڑھے''۔

علامہ قرطبی کو وہم ہوا اور انہوں نے اس حدیث کی صحیح مسلم کی طرف نسبت کی۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۲۳-۴۲۲)

امام شافعی نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو سریلی آواز کے ساتھ پڑھا جائے یا خوش آوازی کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث میں ہے: عبیداللہ بن ابی یزید نے بیان کیا: ہمارے ساتھ حضرت ابولبابہ گزرے، ہم ان کے پیچھے گئے حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، پس ہم بھی ان کے گھر میں گئے اور وہاں پر ایک مرد تھا جس کی ہیئت پریشان تھی، وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو شخص خوش آوازی کے ساتھ قرآن کو نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ میں نے ابن ابی ملیکہ سے کہا: اے ابومحمد! یہ بتائیں کہ جب وہ خوش آواز نہ ہو؟ تو انہوں نے کہا: وہ جتنا ہو سکے خوش آوازی کے ساتھ پڑھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۷۱)

اور دوسروں نے کہا: یتغنی بالقرآن کا معنی ہے کہ: وہ قرآن مجید کے سبب سے مستغنی رہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید کے سبب سے گزشتہ امتوں کی خبروں سے اور ان کی کتابوں کو پڑھنے کی مشغولیت سے

مستغنی رہے۔

ابن الاعرابی نے تغنی کے معنی میں لکھا ہے کہ: عرب جب اونٹنی پر سوار ہوتے اور جب اونٹ ان کے گھروں کے صحن میں بیٹھتے اور اکثر احوال میں وہ خوش آوازی سے گاتے تھے، پس جب قرآن مجید نازل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند کیا کہ وہ خوش آوازی کے ساتھ گانے کے بجائے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھیں۔ (اعلام الحدیث ج ۳ ص ۱۹۴۵)

دوسرا قول یہ ہے کہ تغنی سے مراد ہے: فقر کی ضد یعنی خوش حالی، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ حدیث میں ہے: ''جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس فعل میں ہماری مثل نہیں ہے کیونکہ ہم اس طرح نہیں کرتے، پس جس نے ایسا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۱۲۰)

اور امام نے کہا ہے: اس حدیث کی تاویل میں سب سے واضح وجہ یہ ہے کہ جس کو قرآن نے غنی نہیں کیا اور اس کے ایمان نے اس کو نفع نہیں پہنچایا اور اس نے قرآن مجید کے وعد اور وعید کی تصدیق نہیں کی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: جس کو قرآن پڑھنے سے اور قرآن سننے سے راحت نہیں ملی وہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ جو ہم نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ انہوں نے تغنی کی تفسیر فقر کی ضد کے ساتھ کی ہے یعنی خوش حالی، اس کی تائید اسی حدیث سے ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۴۔۵۰۲۳)

مذکور الصدر سطور میں تغنی کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں: قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا، قرآن مجید کے سبب سے گزشتہ امتوں کی خبروں اور ان کی کتابوں میں مشغول ہونے سے مستغنی ہونا اور قرآن مجید پڑھنے کے سبب سے خوش حال ہونا یعنی محتاج نہ ہونا۔

خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور عبدالرحمٰن بن القاسم اور عبدالرحمن بن الاسود نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو الحان، ترجیع اور سریلی آواز اور طرز لگا کر پڑھنا مکروہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے کتاب الثواب میں لکھا ہے کہ فقہاء طرز لگا کر قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور جب وہ قرآن مجید پڑھتے تو بغیر طرز کے حدر اور ترتیل سے پڑھتے، یہ امام مالک کا قول ہے، اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام مالک سے نماز میں الحان کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ مجھے پسند نہیں ہے اور اس کے متعلق بہت سخت بات کہی اور کہا: یہ لوگ گاتے ہیں تاکہ دراہم حاصل کریں۔ (المدونہ ج ۱ ص ۱۹۴) اور ابن عیینہ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت توجہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے سبب سے دیگر آسمانی کتابوں میں مشغول ہونے سے مستغنی رہتے ہیں۔ اور امام بخاری نے جو حدیث (۵۰۲۴) روایت کی ہے اس سے ان کی بھی یہی مراد ہے۔

اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء متقدمین نے یہ کہا ہے کہ تغنی سے مراد ہے کہ: قراءت میں ترجیع کرنا (مد کو لمبا کرنا) اور خوش آوازی اور سریلی آواز اور لہجہ کے ساتھ پڑھنا۔ (کتاب الام ج ۶ ص ۲۱۵، شرح مشکل الآثار ج ۱ ص ۶۴، ۳، المغنی ج ۲ ص ۶۱۳)

عبدالجبار بن الورد کہتے ہیں: میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن ابی یزید نے کہا کہ: ہمارے ساتھ ابولبابہ کا گزر ہوا تو ہم بھی ان کے پیچھے گئے حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، پس ایک شخص کہ جس کے بال بکھرے ہوئے

تھے اس نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو شخص خوش آوازی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ عبدالجبار کہتے ہیں: میں نے ابن ابی ملیکہ سے پوچھا: اے ابو محمد! یہ بتائیں کہ جب وہ خوش آواز نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ انہوں نے کہا: جتنا ہو سکے وہ اچھی آواز بنا کر پڑھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۷۱)

عبدالرحمٰن بن السائب بیان کرتے ہیں کہ: ہمارے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے۔ اس وقت وہ نابینا ہو چکے تھے، میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ پس میں نے ان کو خبر دی تو انہوں نے کہا: مرحبا اے بھتیجے! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم خوش آوازی سے قرآن پڑھتے ہو اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یہ قرآن سختی اور غم کے ساتھ نازل ہوا ہے (یعنی ایسے مضامین کے ساتھ نازل ہوا ہے)، پس جب تم قرآن پڑھو تو روؤ اگر رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ اور خوش آوازی سے قرآن پڑھو، پس جس نے خوش آوازی کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۷، اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے اور یہ ضعیف اور متروک ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے سنا: ایک مرد قرآن مجید پڑھ رہا تھا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ کو بتایا گیا: یہ حضرت عبداللہ بن قیس ہیں یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ تب آپ نے فرمایا: ''اس کو آل داؤد کے مزامیر میں سے مزمار دیا گیا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۱، مسند احمد: ۹۸۱۳) مزمار کا معنی ہے: بانسری۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۸، سنن نسائی: ۱۰۱۴، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۲، مسند احمد: ۱۸۵۱۹)

سفیان بن عیینہ نے تغنی کی جو تاویل کی ہے اس کا رد اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مزید احادیث

عمر بن شبہ نے ذکر کیا کہ میں نے ابوعاصم النبیل سے کہا کہ سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ تغنی کا معنی ہے: قرآن مجید کے سبب سے دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی ہونا اور خوش حال ہونا تو انہوں نے کہا: ابن عیینہ کی یہ تاویل کچھ نہیں ہے لاشئ ہے اور انہوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش آوازی سے پڑھتے تھے اور روتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ستر طرزوں کے ساتھ زبور کو پڑھتے تھے اور اس طرح پڑھتے تھے کہ غم زدہ خوش ہو جاتا اور جب وہ رونا چاہتے تو زمین پر چلنے والا اور سمندر میں تیرنے والا ہر جاندار سنتا اور روتا۔ (غریب الحدیث للخطابی ج ۱ ص ۶۵۶-۶۵۵)

اس قول کی تائید میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۃ الفتح پڑھ رہے تھے اور اس میں ترجیع کر رہے تھے (مد کو لمبا کر رہے تھے)۔ انہوں نے کہا: پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی طرز اتاری اور کہا: اگر مجھے لوگوں کے جمع ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس طرح ترجیع کرتا جس طرح حضرت ابن مغفل نے ترجیع کی تھی۔ تو میں نے حضرت معاویہ سے پوچھا کہ ان کی ترجیع کس طرح تھی تو انہوں نے بتایا: آ آ آ۔ یعنی مد کو تین مد کے برابر لمبا کر کے پڑھا۔ (صحیح البخاری: ۴۲۸۱-۷۵۴۰، صحیح مسلم: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷)

امام شافعی سے سفیان بن عیینہ کی تاویل کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس حدیث کا زیادہ علم ہے۔ اگر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد استغناء ہوتی تو آپ یوں فرماتے:

من لم یستغن بالقرآن فلیس منا۔ جو قرآن مجید کے سبب سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

لیکن آپ نے فرمایا:

من لم یتغنّ بالقرآنِ فلیس مِنّا۔ جو قرآن کو غنا یعنی خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد غنا اور خوش آوازی ہے۔ (سنن بیہقی ج ا ص ۵۵۹) اسی طرح ابن ابی ملیکہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد آواز کو اچھا کرنا ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۵۲۹) اور یہی امام ابن المبارک اور نضر بن شمیل کا قول ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ا ص ۹)

امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ جنہوں نے قرآن مجید میں خوش الحانی کو اختیار کیا ہے ان میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے: ہمارے سامنے ہمارے رب کا ذکر کیجئے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۲۵۸) پس حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سریلے لہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو شخص حضرت ابوموسیٰ کی طرح خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو وہ پڑھے، اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے، تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے سامنے فلاں سورت پڑھو تو انہوں نے وہ سورت پڑھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور کہا: میں یہ گمان کر رہا تھا کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے، اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مختار ہے اور عطا بن ابی رباح سے بھی یہی مروی ہے اور انہوں نے حضرت عبید بن عمیر کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید رمضان کے مہینہ میں مساجد میں حسین آواز کی پیروی کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنے غور سے نہیں سنتا جتنے غور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو سنتا ہے''۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن صوت کے ساتھ خوش آوازی سے بلند آواز سے قرآن مجید کو پڑھا جائے''۔ (صحیح البخاری: ۷۵۴۴، صحیح مسلم: ۲۳۳)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یہ حدیث خوش آوازی سے قرآن کریم پڑھنے پر بہت واضح دلیل ہے۔
(شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۶۱۔۲۶۰)

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بہت زیادہ غور سے اس مرد کو سنتا ہے جو حسین آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو کسی گانے والی سے گانا سنتا ہے۔ (المستدرک ج ا ص ۵۷۱۔۵۷۰، اخلاق حملۃ القرآن ص ۲۰۹۔۲۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۰، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۰)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں کہ: اسماعیل اور فضالہ کے درمیان میسرۃ ہے جو فضالہ کا مولیٰ ہے، مگر امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج ۵ ص ۴۲۵)، اور اس حدیث کی صحیح ابن حبان: ۷۵۴ میں روایت کی ہے، تاہم حافظ ذہبی نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ا ص ۵۷۱، اور البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، الضعیفہ: ۲۹۵۱)

علامہ ابن بطال نے کہا: اگر اس حدیث میں تغنّی کا معنی وہ ہوتا جو سفیان بن عیینہ نے کیا ہے تو پھر حسین آواز اور خوش آوازی کا

کوئی معنی نہ ہوتا، اور کلام عرب میں معروف یہ ہے کہ تغنی خوش آوازی کو اور حسین آواز کے ساتھ ترجیع یعنی مد کے لمبا کرنے کو کہتے ہیں، اور جس کا یہ زعم ہے کہ تغنی کا معنی استغنا ہے اس نے کلام عرب میں فحش غلطی کی ہے۔ ہمیں کلام عرب میں کسی کا علم نہیں جس نے غنی کا معنی استغنا کیا ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۶۴)

اور امام طبری نے کہا کہ سفیان بن عیینہ نے جو یہ تاویل کی ہے کہ غنی سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی ہو، کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنا غور سے نہیں سنتا جتنا قرآن کو تغنی کے ساتھ سنتا ہے، اور سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر کی ہے: جو قرآن کے سبب سے مستغنی ہوتا ہے اور یہ بداہۃً غلط ہے اور لغت کے خلاف ہے کیونکہ اذن کا معنی ہے جس نے کسی بات کو سنا اور چپ رہا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ (الانشقاق:۲) اور اپنے رب کا حکم سن کر (آسمان) اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے ۝

اور اس لیے کہ قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی ہونا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: درج ذیل حدیث سے اس مسئلہ میں بالکل اشکال نہیں رہتا:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو سیکھو اور اس کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھو اور اس کو لکھو، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ قرآن رسی سے باندھے ہوئے اونٹ سے زیادہ بھاگنے والا ہے''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹۸۲)

اور اہل تاویل نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی کتاب لے کر آئے جس میں گزشتہ امتوں کی خبریں تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ (العنکبوت:۵۱) کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

پس قرآن مجید کے سبب سے مستغنی ہونے سے مراد پچھلی امتوں کی خبریں ہیں جیسا کہ اسحاق بن راہویہ نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے اور اس استغنا سے وہ استغنا مراد نہیں ہے جو فقر کی ضد ہے اور امام بخاری کا عنوان میں اس آیت کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا بھی اس حدیث میں یہی مذہب ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۶۳۔۲۵۹)

خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کے متعلق احادیث

عنقریب یہ حدیث آئے گی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۴۸) اور ابوسلمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ ہمارے سامنے اللہ کا ذکر کیجئے اور ابوعثمان النہدی کہتے تھے: میں نے کسی ساز کی آواز حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز سے زیادہ حسین نہیں سنی۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۷۵)

ابوعبید بن القاسم بن سلام نے کہا ہے کہ جن احادیث میں قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ لوگوں کو عذاب سے ڈرانے اور بداعمالیوں پر غمگین کرنے اور نیک اعمال کا شوق دلانے کے لیے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھا جائے، اور بے شک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے بھی سنا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۲)

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے کون سب سے اچھی آواز کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جس سے تم قرآن سنو تو تم پر اللہ کا خوف اور خشیت طاری ہو''۔(فضائل القرآن ص ۱۶۵۔۱۶۴)

سو خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کا یہ محمل ہے نہ کہ ایسی خوش آوازی جس کے ساتھ لہو ولعب کے گانے ہوتے ہیں۔

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں از عبد الرحمٰن بن السائب کہ ہمارے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے، جب ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے مجھ سے میرا نام ونسب پوچھا تو میں نے ان کو بتایا۔ انہوں نے کہا: میرے بھتیجے کو مرحبا ہو۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم خوش آوازی کے ساتھ سر میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہو، اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''یہ قرآن غم گین کرنے والی آیتوں کے ساتھ نازل ہوا ہے، پس تم اس قرآن کو پڑھو تو روؤ، پس اگر تم کو رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۷، ضعیف ابن ماجہ للالبانی: ۲۸۱)

میں کہتا ہوں کہ: ہر چند کہ البانی کے نزدیک اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں احادیث ضعیف السند کا اعتبار کیا جاتا ہے۔(سعیدی غفرلہ)

امام عبید نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ہم چھت کے اوپر تھے اور ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایک مرد تھا اور میرا گمان ہے کہ وہ حضرت عبس الغفاری تھے، پس انہوں نے دیکھا کہ لوگ طاعون کے ڈر سے گھروں سے بھاگ رہے ہیں تو انہوں نے کہا: اے طاعون! مجھے اپنی گرفت میں لے لے، ان سے کہا گیا: آپ موت کی تمنا کر رہے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: میں چند ایسی خصلتوں میں سبقت کر رہا ہوں جن خصلتوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر خوف تھا: مقدمہ کے فیصلہ کو فروخت کرنا، قتل کو معمولی سمجھنا، رحم کو منقطع کرنا اور وہ قوم جو قرآن کو مزامیر بنائے گی (قرآن کو گا گا کر پڑھے گی)، ان میں سے کوئی ایک شخص مقدم کیا جائے گا جو ان سب سے افضل نہیں ہوگا اور نہ وہ سب سے زیادہ فقیہ ہوگا مگر اس وجہ سے کہ ان سب سے زیادہ خوش آوازی سے قرآن کریم پڑھتا ہوگا۔(فضائل القرآن ص ۱۶۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو سب سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے والا وہ شخص ہے جب تم اس کو قرآن پڑھتے ہوئے سنو تو تم یہ گمان کرو کہ یہ اللہ سے ڈرتا ہے''۔(اخلاق حملۃ القرآن ص ۲۱۰)

اور عنقریب یہ حدیث آئے گی جس کو امام بخاری نے الماہر بالقرآن کے باب میں بغیر سند کے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو''۔(صحیح البخاری: ۷۵۴۴)

ہر چند کہ امام بخاری نے اس حدیث کی بغیر سند کے روایت کی ہے مگر امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کی حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور پوری سند بیان کی ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۸۸، ۸۰۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۲، صحیح ابن حبان: ۷۴۹) امام بخاری نے اپنی کتاب خلق افعال العباد میں اس حدیث کی روایت کی ہے: (۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۱) اور امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے: (صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۵۱، ۱۵۵۶) اور حاکم نے بھی اس کی روایت کی ہے (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۱) امام دارقطنی نے بھی اس کی روایت کی ہے (علل دارقطنی ج ۱۰ ص ۱۴۸) اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۸) اور البانی نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (صحیح سنن ابوداؤد ج ۱۰

ص ۱۴۸) اور امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (صحیح ابن حبان: ۷۵۰) اور امام ابو عبید نے بھی اس کی روایت کی ہے (فضائل القرآن ص ۱۶۰) اور البانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (صحیح ابوداؤد ج ۵ ص ۲۰۹) اور امام بزار نے بھی اس حدیث کی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لیکن انہوں نے اسے معلل قرار دیا ہے (مسند البزار: ۱۰۳۵) اور علامہ الہیثمی التوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں صالح بن موسیٰ ہے اور وہ متروک راوی ہے (مجمع الزوائد ص ۷ ص ۱۷۱) اور امام حاکم نے حضرت البراء کی حدیث کی بیس سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ان سندوں کی وضاحت کی ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۵۔۵۷۱)

امام ابن حبان نے کہا ہے: اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں بعض احادیث میں ہے کہ ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ ''اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو''۔ (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۶)

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی التوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا معنی ہے: ''اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو''۔ اسی طرح اس کی متعدد ائمہ حدیث نے تفسیر کی ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے یعنی اصل حدیث اس طرح ہے: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔ جس طرح یہ قول مقلوب ہے کہ اونٹنی کو حوض پر پیش کیا گیا ورنہ اصل میں ہے کہ حوض کو اونٹنی پر پیش کیا گیا اور طلحہ کی روایت میں آوازوں کا لفظ قرآن مجید پر مقدم ہے یعنی اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو اور یہی صحیح ہے۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۲۵۲)

امام حاکم نے اس حدیث کی چھ سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ان میں اس طرح ہے کہ ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۲)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کی دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک روایت میں ہے کہ ''اپنی آوازوں کو قرآن سے مزین کرو''، (المعجم الکبیر: ۱۱۱۱۳) اور دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: ''اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے حسین بناؤ''، (المعجم الکبیر: ۱۲۶۳۴) امام طبرانی نے پہلی حدیث کی عبداللہ بن خراش سے روایت کی ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر: ۲۱۹)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ متعین ہو گیا کہ صحیح روایت یہ ہے کہ قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو اور جس روایت میں ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو، تو اس کا محمل یہ ہے کہ جس حال میں تم قراءت کر رہے ہو اپنی آوازوں کو مزین کرو اور ترکیب کلام میں بالقرآن حال ہے اور امام دارمی اور امام حاکم کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو کیونکہ اچھی آواز سے قرآن مجید کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے''۔ (سنن دارمی: ۳۵۴۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۷۵)، اور البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الصحیحۃ: ۷۷۱)

اس حدیث میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی قلب کی اور اس حدیث میں قرآن سے مراد کلام قدیم نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں قرآن سے مراد وہ کلام ہے جو حروف اور آوازوں پر مشتمل ہے۔

ان کثیر احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کو خوش آوازی اور طرز سے اور سریلے لہجہ میں پڑھنا مستحسن اور مستحب ہے۔ اور یہی امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے، اور امام مالک کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ

پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ قول بہ کثرت احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۱۸۔۱۰۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تغنی کے معنی کی تحقیق، اور سفیان بن عیینہ کی تفسیر کی تائید

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کسی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے نبی ﷺ کو تغنی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنتا ہے"۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ تغنی کی تفسیر ہے: قرآن مجید کے سبب سے مستغنی ہو۔
(صحیح البخاری: ۵۰۲۴، صحیح مسلم: ۷۹۲، سنن ترمذی: ۱۰۱۷)

امام ابن ابوداؤد نے علی بن مدینی سے نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے اس حدیث کی یہ تفسیر ہرگز نہیں کی (جس طرح صحیح بخاری میں مذکور ہے) میں کہتا ہوں کہ: اس حدیث کی امام حمیدی نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے اور حمیدی سفیان کی حدیث کو سب سے زیادہ پہچاننے والے ہیں، اور ابن ابی ملیکہ نے عبداللہ بن نہیک سے روایت کی ہے کہ میری حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور میں اس وقت بازار میں تھا، انہوں نے کہا: تجار کسب کرتے ہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: "وہ ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن مجید کے سبب سے غنی نہ ہو"۔ اور امام ابوعبید اس سے راضی تھے کہ غنی کی تفسیر مستغنی کے ساتھ کی جائے۔ انہوں نے کہا: اس بنا پر اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص قرآن مجید کے سبب سے دنیا کی کثرت سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں ہے اور امام ابوعبید نے اس معنی پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا وہ غنی ہے۔

تغنی بالقرآن کے متعدد معانی

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ تغنی بالقرآن کے چار معانی ہیں: (۱) خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا (۲) قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی ہونا (۳) غم گین آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے (۴) قرآن مجید کے ساتھ مشغول ہونا۔ ان چار اقوال کے علاوہ ایک قول ابن الانباری نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: تغنی بالقرآن سے مراد ہے: قرآن مجید پڑھنے سے لذت حاصل کرنا اور اس کی مٹھاس کو محسوس کرنا جیسا کہ موسیقی کے دل دادہ لوگ سازوں سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

اور قرآن مجید کی آواز پر غنا کا اطلاق کیا کیونکہ اس کے پڑھنے سے اسی طرح خوشی حاصل ہوتی ہے جس طرح غنا سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے عرب کہتے ہیں: عمائم عربوں کے تاج ہیں کیونکہ عمامہ تاج کے قائم مقام ہے، اور یہاں ایک اور قول بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تغنی کا معنی ہو: ھجیراء جیسا کہ مسافر اور فارغ شخص تنہائی میں گانا گاتا ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا کہ عرب جب اونٹوں پر سوار ہوتے تو گانا گاتے تھے اور جب ان کے صحن میں اونٹنیاں بیٹھتیں تو وہ گاتے تھے، اور جب قرآن مجید نازل ہوا تو نبی ﷺ نے پسند کیا کہ آپ گانے کی بجائے قرآن مجید پڑھیں، پس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو لازم رکھنے پر برانگیختہ کیا جائے اور قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ کی جائے، اور اس کا رجوع اس طرف ہوتا ہے جو امام بخاری کا مختار ہے کہ قرآن مجید کے سبب سے دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی ہوا جائے۔

"جو تغنی سے قرآن مجید نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے" کے متعدد محامل

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس کو قرآن مستغنی نہ کرے اور اس کو اس کے ایمان میں نفع نہ دے اور وہ اس کی

وعد اور وعید کی تصدیق نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے اور سننے سے راحت حاصل نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور اس سے وہ مراد نہیں ہے جو امام ابو عبید کا مختار ہے کہ قرآن مجید سے غنا حاصل ہوتا ہے جو فقر کے خلاف ہے اور امام ابو عبید کی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ محض قرآن مجید کو لازم رکھنے سے غنا حاصل نہیں ہوتا اور اس توجیہ میں تکلف ہے گویا کہ امام ابو عبید نے یوں کہا کہ جو قرآن مجید کی تلاوت کو لازم رکھنے سے غنا حاصل نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور وہ معنی جو امام شافعی سے منقول ہے کہ ''تغنی کا معنی ہے: غم گین لہجے میں قرآن مجید کو پڑھنا'' میں نے امام شافعی کا ایسا صریح قول نہیں دیکھا، ہاں! ''مختصر المزنی'' میں یہ مذکور ہے کہ امام شافعی اس کو پسند کرتے تھے کہ قرآن مجید کو حدر اور تحزین کے ساتھ پڑھا جائے۔

اور امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ: امام شافعی سے سوال کیا گیا کہ سفیان بن عیینہ نے تغنی کی تفسیر استغنا کے ساتھ کی ہے تو انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا اور کہا: اگر آپ کا ارادہ استغنا ہوتا تو آپ من لم یتغن بالقرآن کی بجائے من لم یستغن بالقرآن فرماتے اور آپ کا تغنی بالقرآن سے ارادہ تحسین صوت تھا یعنی ''جس نے قرآن مجید کو خوش آوازی سے نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: کلام عرب میں غنی کا معنی استغنا نہیں ہے۔

اور عمر بن شبہ نے سفیان بن عیینہ کی تفسیر کا رد کیا اور کہا: یہ لاشی ہے اور کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی قراءت میں تغنی کرتے تھے اور خود روتے تھے اور لوگوں کو رلاتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور کو ستر طرزوں میں پڑھتے تھے اور اسی طرح خوش آوازی سے پڑھتے تھے کہ غم زدہ خوش ہو جاتا تھا اور عنقریب صحیح بخاری میں یہ حدیث آئے گی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مزامیر داؤد سے ایک مزمار دی گئی تھی۔

تغنی کے متعدد محامل میں تطبیق اور ان کی اجتماعی صورت

خلاصہ یہ ہے کہ ان تاویلات مذکورہ میں سے اکثر کو جمع کرنا اور ان میں تطبیق دینا ممکن ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے بلند آواز کے ساتھ ترنم سے پڑھے اور غم گین لہجہ میں پڑھے اور قرآن مجید کے سبب سے دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی رہے اور اس سے اپنے نفس میں غنا کو طلب کرے اور اپنے ہاتھ کو لوگوں کے سامنے پھیلانے سے مستغنی رکھے۔

خوش الحانی اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے میں اختلاف فقہاء

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نفوس ترنم کے ساتھ قرآن مجید کو سننے کی طرف ان کی بہ نسبت زیادہ مائل ہوتے ہیں جو ترنم کے ساتھ نہ پڑھیں کیونکہ ترنم کے ساتھ پڑھنے میں قلب کی رقت پر عمل ہوتا ہے اور اس سے آنسو بہتے ہیں، اور سلف میں یہ اختلاف رہا ہے کہ قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا اس پر مقدم ہے جو اچھی آواز سے قرآن نہ پڑھے۔

عبد الوہاب مالکی نے امام مالک سے یہ نقل کیا ہے کہ جو خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھے وہ حرام ہے اور اس قول کی حکایت ابو الطیب الطبری اور الماوردی الشافعی اور ابن حمدان الحنبلی نے متعدد اہل علم سے کی ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی اور قاضی عیاض مالکی اور علامہ قرطبی المالکی اور الماوردی الشافعی اور امام غزالی الشافعی اور فقہاء احناف میں سے صاحب الذخیرہ نے خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور ابو یعلی اور ابن عقیل حنبلی نے اس قول کو مختار قرار دیا ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا جائز ہے اور امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے اور فقہاء احناف میں سے امام طحاوی نے اسی کو نقل کیا ہے اور علامہ الفورانی شافعی نے الابانہ میں لکھا ہے کہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق

اس اختلاف کا محل یہ ہے کہ جب خوش الحانی کی وجہ سے قرآن مجید پڑھنے سے کوئی لفظ اپنے مخرج سے متغیر نہ ہوتو پھر جائز ہے اور اگر کوئی لفظ اپنے مخرج سے متغیر ہو جائے تو علامہ نووی نے ''التبیان'' میں یہ لکھا ہے کہ یہ حرام ہے اور ان کی عبارت یہ ہے کہ: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا مستحب ہے، جب تک کہ کوئی لفظ زیادہ کھینچنے کی وجہ سے اپنی حد سے نہ نکلے حتیٰ کہ کوئی لفظ زیادہ کھینچنے کی وجہ سے اپنی حد سے زیادہ نکل گیا تو پھر یہ حرام ہے۔ اسی طرح الماوردی الشافعی نے لکھا ہے، اور اسی طرح امام غزالی شافعی نے لکھا ہے اور اسی طرح ابن حمدان الحنبلی نے ''الرعایہ'' میں لکھا ہے اور اسی طرح فقہاء احناف میں سے صاحب ذخیرہ نے لکھا ہے۔

خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے کے متعلق حرف آخر

ان مختلف اقوال اور دلائل میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھنا مطلوب ہے، پس اگر کسی کی آواز اچھی نہیں ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ کوشش کر کے جہاں تک ہو سکے قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھے کیونکہ اچھی آواز کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے سے قرآن مجید کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۰۷۔۷۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق دیگر شراح کی شروح

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا اس وقت مستحب ہے جب خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے لفظ اپنے مخرج سے نہ نکلے اور جب وہ خوش الحانی کی وجہ سے قراءت میں افراط یا تفریط کرے حتیٰ کہ کوئی حرف زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے تو پھر یہ حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص تغنی سے قرآن مجید نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص لذت کے ساتھ قرآن مجید کو نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور آپ کا یہ ارشاد بہ طور ترغیب ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۹، ملخصاً مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

تغنی بالقرآن میں علماء کے چار قول ہیں: (۱) خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا (سنن ابوداؤد: ۱۴۷۱) (۲) قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو قرآن مجید کے سبب سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۲۹) (۳) قرآن مجید کو غم گین لہجہ میں ترنم سے پڑھے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ (۴) جو قرآن مجید پڑھنے میں مشغول رہے۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہاں تک ہو سکے قرآن پڑھنے والا خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ غم گین لہجہ میں قرآن مجید پڑھے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے مستغنی رہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر کا طالب رہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۴۵، ملخصاً دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس حدیث میں غنا سے مراد خوش آوازی ہے کیونکہ امام احمد اور امام بیہقی نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ اس مرد سے خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنے کو اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنتا ہے جتنا کوئی شخص کسی گانے والی سے گانے کو توجہ سے سنتا ہے۔ (مسند احمد: ۲۳۴۲۹، بیہقی ج ۱۰، ص ۲۳۰) (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ فقہاء شافعیہ اور اکثر فقہاء نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی ہے: قرآن مجید کو خوش الحانی اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھا جائے (اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۵۸) اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی نے لکھا ہے کہ حسین آواز سے بلند آواز کے ساتھ ترنم سے غم گین لہجہ میں قرآن مجید پڑھے اس حال میں کہ وہ دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی ہو اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے مستغنی ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷)

۲۰- بَابُ: اِغْتِبَاطِ صَاحِبِ الْقُرْآنِ

صاحب قرآن پر رشک کرنا

۵۰۲۵- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَرَجُلٌ أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”حسد صرف دو خصلتوں میں کیا جائے: ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی ہو اور وہ اس کتاب کے ساتھ رات کے اوقات میں قیام کرے اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، سو وہ اس مال کو رات کے اوقات میں اور دن کے اوقات میں صدقہ کرے“۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح مسلم: ۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۸، مسند الحمیدی: ۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۴۰، مسند ابو یعلیٰ: ۵۰۷۸، صحیح ابن حبان: ۱۰۹۰، المعجم الاوسط: ۳۳۷، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۳۶۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۸۸، شعب الایمان: ۷۵۲۸، شرح السنۃ: ۱۳۸، مسند ابو داؤد الطیالسی: ۳۶۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵، کنز العمال: ۲۴۴۶، مشکل الآثار ج ۱ ص ۹۱، سنن دارمی: ۳۵۳، ۳۲۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۶، ج ۳ ص ۱۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۵۷، مشکاۃ: ۲۰۲، المطالب العالیہ: ۳۵۰۴، مصنف عبد الرزاق: ۵۹۷۴، تاریخ بغداد ج ۷ ص ۸۵، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاسماعیلی نے اس باب کے عنوان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صاحب قرآن خود اپنے فعل پر رشک نہیں کرتا بلکہ اس کے اوپر دوسرے رشک کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جب کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ صاحب قرآن کا غیر صاحب قرآن پر رشک کرتا ہے کیونکہ صاحب قرآن خود عمل کرتا ہے تو صاحب قرآن کا خود اپنے عمل پر رشک کرنا زیادہ اولیٰ ہے جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے متعلق بشارتوں کو سنتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی مذکور الصدر شرح پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ توجیہ صحیح نہیں ہے اور اس کلام کی یہ توجیہ کس طرح کی جائے گی جب کہ غبطہ کا معنی یہ ہے کہ فلاں آدمی کو جو نعمت دی گئی ہے اس کو بھی وہ نعمت دی جائے اور یہ کیسے متصور ہوگا کہ کسی شخص کو جو نعمت دی گئی ہے وہ اس پر خود رشک کرے اور اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ باب کے عنوان میں عبارت محذوف مانی جائے یعنی کسی قرآن پڑھنے والے کا قرآن پر رشک کرنا اور پھر ان تاویلات کی حاجت نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: علامہ عینی کی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے الغبط اور الاغتباط کا فرق نہیں کیا اور یہ عین الفساد ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۰۔۲۷۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر سے علامہ عینی کے اعتراض کا جواب نہیں بن سکے گا۔ (سعیدی غفرلہ)

حسد اور رشک کا معنی، اور حسد کی ایک قسم کا جواز، اور قرآن مجید اور حدیث صحیح سے رشک کا جواز

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسد کا اصل معنی یہ ہے کہ کوئی مرد یہ تمنا کرے کہ کسی دوسرے شخص کے پاس سے نعمت چلی جائے اور اس کو مل جائے، اور اس حدیث میں حسد کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی شدید حرص ہو اور اس کی طرف شدید رغبت ہو اور یہ تمنا نہ ہو کہ کسی شخص سے یہ نعمت جاتی رہے، اس کو المنافسۃ اور الغبطۃ کہتے ہیں اور اس حدیث میں اس پر حسد کا اطلاق مجازاً ہے۔

(تہذیب اللغت ج ۱ ص ۸۱۲، لسان العرب ج ۲ ص ۸۶۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ (النساء: ۳۲)

اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ (النساء: ۳۲)

اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسد صرف دو خصلتوں میں کیا جائے: ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم دیا ہو، پس وہ قرآن مجید کی رات اور دن میں تلاوت کرے''۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے سنا تو انہوں نے کہا: کاش! مجھے اس کی مثل دی جاتی جو فلاں شخص کو دی ہے۔ تو میں اس کی مثل عمل کرتا اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، سو وہ اس کو راہ حق میں خرچ کرتا ہے تو ایک مرد نے کہا: کاش! مجھے اس مال کی مثل دی جاتی جو فلاں شخص کو مال دیا گیا ہے تو میں اس شخص کی مثل عمل کرتا۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۶)

اس حدیث میں بھی حسد کا اطلاق رشک پر ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے اس شخص سے نعمت کے زوال کی

تمنا نہیں کی، اس نے صرف یہ تمنا کی ہے کہ اس کو بھی صرف ایسی ہی نعمت مل جائے اور اسی طرح کی تمنا صالحین اور اخیار نے کی ہے۔
اس حدیث میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں حسد کی ایک قسم کو مباح قرار دیا جیسا کہ کذب کی ایک نوع میں رخصت دی گئی اگرچہ کذب کی باتیں تمام انواع ممنوع ہیں۔ اسی طرح حسد کی بھی تمام انواع ممنوع ہیں اور صرف اس نوع کا حسد کرنا جائز ہے۔

حسد کے احکام

(۱) حسد اجماعاً حرام ہے اور مذموم ہے اور جو حسد مباح ہے وہ دراصل غبطۃ اور رشک ہے، پس جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی کو کوئی نعمت دی ہو اور تم اس نعمت کو ناپسند کرو اور تم چاہو کہ اس کی وہ نعمت ختم ہو جائے تو یہ حرام ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کسی فاجر یا کافر کو کوئی نعمت دی گئی ہو اور وہ اس نعمت سے فتنہ اور فساد کرتا ہو تو پھر اس کافر یا فاجر سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنا جائز ہے۔

(۲) جب غنی کے پاس مال ہو اور وہ اس مال کو اللہ کی رضا کے موافق خرچ کرے تو وہ غنی فقیر سے افضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳ ص ۳۶۳۔۳۶۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

راہ حق میں مال خرچ کرنے کی اقسام

نیز علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
مال کو راہ حق میں خرچ کرنے کی تین قسمیں ہیں:
(۱) مال کو اپنے نفس پر خرچ کرنا اور جن کا نفقہ ان پر فرض ہے ان پر خرچ کرنا بغیر اسراف کے اور بغیر تقتیر (بخل) کے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی مرد اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ بھی صدقہ ہے"۔ (صحیح البخاری: ۵۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو بھی خرچ کرو گے اس پر تم کو اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو چیز اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے اس پر بھی تمہیں اجر دیا جائے گا"۔

(صحیح البخاری: ۵۶، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، مسند احمد: ۱۵۴۶)

(۲) زکوٰۃ کو ادا کرنا، اور حدیث میں ہے: جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی وہ بخیل نہیں ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۴۰۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۶)

(۳) دور کے رشتہ داروں پر خرچ کرنا اور نفلی صدقہ کرنا، دوست کی غم گساری کرنا اور بھوکے کو کھانا کھلانا۔ حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بیوہ عورت اور مسکین مرد پر خرچ کرتا ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثل ہے یا رات میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی مثل ہے"۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۸۲، مسند احمد: ۸۷۴۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۲۶۲۔۲۶۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حامل قرآن کے لیے نصائح

حافظ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو حفظ کیا اس نے بہت عظیم امر کا بار اٹھایا ہے اور اس کے دونوں پہلوؤں میں نبوت درج ہے مگر اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی، پس جو شخص حافظ قرآن ہو اور قرآن مجید کا عالم ہو وہ فحش باتیں اور بے حیائی کا کلام نہ کرے اور نہ کوئی جاہلانہ بات کرے کیونکہ اس کے سینہ میں اللہ کا کلام ہے۔

اور سفیان بن عیینہ نے کہا: جس شخص کو قرآن عطا کیا گیا اور اس نے کسی ایسی چیز کی طرف آنکھیں پھیلائیں یعنی دنیا کی زیب و زینت کی طرف جن کی قرآن مجید نے تحقیر کی ہے تو اس نے قرآن مجید کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدۃ:١٦)

ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں O

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حامل قرآن کو چاہیے کہ وہ رات اور دن کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیام کرے اور جس نے اس پر عمل کیا وہی اس کا مصداق ہے جس کے اس فعل پر حسد (رشک) کیا جائے، اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس مال کو دن اور رات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ بھی اس کا مستحق ہے کہ اس پر حسد (رشک) کیا جائے اور جس نے اللہ کی راہ میں مال کو صدقہ نہیں کیا اور بخل کیا وہ حسد کیے جانے کا مستحق نہیں ہے اور اس کی بری عاقبت کا خطرہ ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۲۱۔۱۲۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۲۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ فَقَالَ رَجُلٌ لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ بِهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان، انہوں نے کہا: میں نے ذکوان سے سنا از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حسد صرف دو خصلتوں (کے حامل) میں ہے: ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا کیا، پس وہ رات اور دن کے اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے'' پس حضرت ابو ہریرہ کے ایک پڑوسی نے اس حدیث کو سنا تو اس نے کہا: کاش! مجھے بھی اتنا علم دیا جاتا جتنا فلاں کو دیا گیا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا، اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، پس وہ اس مال کو راہ حق میں صدقہ کرتا ہے تو ایک مرد نے کہا: کاش! مجھے بھی اتنا مال دیا جاتا جتنا فلاں کو دیا گیا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۵ میں گزر چکی ہے۔

۲۱۔ بَابُ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور قرآن مجید کو سکھائے

۵۰۲۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ قَالَ وَأَقْرَأَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي إِمْرَةِ عُثْمَانَ حَتّٰى كَانَ الْحَجَّاجُ قَالَ وَذَاكَ الَّذِي أَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هٰذَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے علقمہ بن مرثد نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا از ابو عبدالرحمٰن السلمی از حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور اس کو سکھائے“۔ اور انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابو عبدالرحمٰن نے قرآن مجید پڑھایا حتیٰ کہ حجاج کا دور حکومت آیا، تب انہوں نے کہا: میں جو اس جگہ بیٹھا ہوا ہوں (یعنی اس جگہ بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ رہا ہوں) تو اس کی وجہ صرف یہ حدیث ہے۔

۵۰۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از علقمہ بن مرثد از ابو عبدالرحمٰن السلمی از حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے سب سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۷ کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(سنن ترمذی: ۲۹۰۹، سنن دارمی: ۳۳۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۰۳، مسند البزار: ۳۹۸، فضائل القرآن لابن الضریس: ۱۳۶، فضائل القرآن للفریابی: ۱۹، فضائل القرآن لابی الفضل الرازی: ۳۹۔۳۸، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۶۱۳، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۵۹)

حدیث مذکور کی مزید تخریج

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے فضائل قرآن میں اس حدیث کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تفصیل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو پڑھے اور پڑھائے“۔ اور سفیان نے کہا: تم میں سب سے افضل وہ ہے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۳۷)

اور امام ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر

وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور قرآن مجید پڑھائے''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۵۲ سنن ترمذی: ۲۹۰۹)

بعض راویوں نے اس کے بعد اس جملہ کو درج کر دیا ہے: قرآن مجید کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے خالق کی مخلوق پر فضیلت ہے۔ (الاسماء والصفات للبیہقی: ۵۰۶، فضائل القرآن لابن الضریس: ۳۵)

یہ جملہ دراصل ابوعبدالرحمٰن کا قول ہے، (خلق افعال العباد للبخاری: ۴۷) حافظ اسحاق بن راہویہ اور دوسروں نے بھی اس پر متنبہ کیا ہے کہ حدیث کے بعد یہ جملہ مدرج ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۰۹، علل دارقطنی ج ۳ ص ۵۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کسی ایسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے جو قرآن مجید سے افضل ہو''۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۵۵)

قرآن مجید کو سیکھنے سے فقہ کو سیکھنے کا افضل ہونا

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ تمام نیک کاموں میں سب سے افضل قرآن مجید کو پڑھنا ہے کیونکہ جب قرآن مجید کو پڑھنے والا اور پڑھانے والا سب سے بہتر اور سب سے افضل ہے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سب سے افضل عمل ہے اور جب تک علوم باقی رہیں گے قرآن مجید کی تعلیم سب سے افضل رہے گی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید کو سیکھنا زیادہ افضل ہے یا فقہ کو سیکھنا زیادہ افضل ہے تو میں کہوں گا فقہ کو سیکھنا زیادہ افضل ہے۔

علامہ ابن الجوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ نے کہا ہے: بہ قدر ضرورت مسائل فقہیہ کو سیکھنا فرض عین ہے اور تمام مسائل فقہیہ کو سیکھنا فرض کفایہ ہے کیونکہ فقہ کو پڑھنا قرآن مجید کو پڑھنے سے افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سب سے بڑا قاری وہی ہوتا تھا جو سب سے بڑا فقیہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قاری کو مقدم کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے''۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۲۷۔ ۱۲۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے والے کے سب سے افضل اور سب سے بہتر ہونے پر دلائل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید اشرف العلوم ہے، پس جو شخص قرآن مجید سیکھے اور دوسروں کو سکھائے وہ اس سے زیادہ اشرف ہوگا جو غیر قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو قرآن مجید کی تعلیم اور تعلم کو جمع کرنے والا ہو وہ اپنے نفس کی بھی تکمیل کرتا ہے اور دوسروں کی بھی تکمیل کرتا ہے اور وہ النفع القاصر اور النفع المتعدی کا جامع ہے، اس وجہ سے وہ سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (حم السجدۃ: ۳۳)

اور اس سے عمدہ کلام کس کا ہوسکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں ۝

اور ان امور کی دعوت دینے میں سے قرآن مجید کی تعلیم بھی ہے اور وہ سب سے افضل ہے اور اس کے برعکس وہ کافر ہے جو دوسروں کو اسلام لانے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۔ تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے
(الانعام:۱۵۷) اور ان سے اعراض کرے۔

اس سوال کا جواب کہ کیا قرآن مجید کو پڑھنا اور پڑھانا فقہ کو پڑھنے اور پڑھانے سے افضل ہے

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ قرآن مجید پڑھانے والا فقیہ سے افضل ہو، تو ہم کہیں گے: نہیں! کیونکہ ان آیات اور احادیث کے مخاطبین وہ حضرات تھے جو خود فقہاء تھے، وہ اہل زبان تھے، پس وہ قرآن مجید کے معانی کو اپنی زبان اور محاورہ سے ان کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے جو بعد میں لغت، صرف، نحو اور علم معانی کو پڑھ کر قرآن مجید کے معانی کو جانتے تھے کیونکہ علم فقہ کی ایک فضیلت ہے اور جو شخص محض قرآن مجید کے الفاظ پڑھنے والا ہو یا محض الفاظ پڑھانے والا ہو اور ان کے معانی کو نہ سمجھتا ہو تو وہ ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ ان آیات اور احادیث سے یہ لازم آئے گا کہ قرآن کریم پڑھانے والا مجاہد فی الاسلام اور سرحدوں کے محافظ اور نیکی کا حکم دینے والوں اور برائی سے روکنے والوں سے بھی افضل ہو، تو ہم کہیں گے: یہ مسئلہ نفع متعدی پر موقوف ہے، پس جو زیادہ نفع پہنچائے گا وہ زیادہ افضل ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان احادیث میں اگرچہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے کو مطلقاً افضل فرمایا ہے لیکن اس سے مراد وہ مخصوص لوگ ہیں جو اس خطاب کے لائق ہیں یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کے علاوہ کسی اور علم کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ قدر ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے کے بعد قرآن کریم کو پڑھتے اور پڑھاتے ہوں وہ دوسروں سے افضل ہیں کیونکہ قدر ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور اس سے زیادہ کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

ابو عبد الرحمٰن کے قرآن پڑھانے کی مدت

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابو عبد الرحمٰن نے قرآن مجید پڑھایا حتیٰ کہ حجاج کا دور حکومت آیا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اول میں اور حجاج کی ولایت کے آخر میں بہتر (۷۲) سال ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں اور حجاج کی ولایت کے اول میں اڑتیس (۳۸) سال ہیں اور میں اس پر واقف نہیں ہو سکا کہ ابو عبد الرحمٰن کے قرآن پڑھانے کے اول اور آخر کی کتنی مدت ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس مقدار کو جاننے والا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۱۔ ۲۱۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی تین مخفی علتیں اور ان کا جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابو الحسن القشیری نے کہا ہے: اس حدیث میں تین علت خفیہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:
(۱) اس حدیث کے متن میں یہ اختلاف ہے کہ صحیح البخاری: ۵۰۲۷ میں شعبہ کی روایت میں مذکور ہے کہ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے"، اور حدیث: ۵۰۲۸ میں سفیان کی روایت میں مذکور ہے کہ "تم میں سب سے افضل وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے"
(۲) بعض راویوں نے اس حدیث کی موقوفاً روایت کی ہے اور بعض نے اس کی مرسلاً روایت کی ہے۔

(۳) شعبہ سے روایت ہے کہ ابو عبد الرحمٰن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا اور ابو حاتم سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سماع کرنے والے ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف سے حدیث میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ سفیان اور شعبہ کا حدیث میں اختلاف ہو تو سفیان کی حدیث راجح ہے، وکیع نے کہا: شعبہ نے ایک حدیث روایت کی تو ان سے کہا گیا کہ سفیان نے تمہاری مخالفت کی ہے تو انہوں نے کہا: میری حدیث کو چھوڑ دو، سفیان مجھ سے زیادہ حافظ ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرسل اور حدیث موقوف میں جب اختلاف ہو تو وہ حدیث میں قباحت کو پیدا نہیں کرتا کیونکہ ثقہ راوی کا اضافہ اجماعاً مقبول ہوتا ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صدر اول کے بعض اکابر نے کہا ہے کہ ابو عبد الرحمٰن نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں قرآن مجید کو پڑھا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۱۔ ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی باقی شرح وہی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عبد الرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ بہ قدر ضرورت دین کے مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور اس سے زائد مسائل کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور محض قرآن مجید کے الفاظ کو پڑھنا اور پڑھانا مستحب ہے۔
(تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۰۲۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ فَقَالَ مَا لِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِيهَا قَالَ أَعْطِهَا ثَوْبًا قَالَ لَا أَجِدُ قَالَ أَعْطِهَا وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَاعْتَلَّ لَهُ فَقَالَ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی تو اس نے کہا کہ اس نے اپنا نفس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے عورتوں کی کوئی ضرورت نہیں'' پس ایک مرد نے کہا: اس کا مجھ سے نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: ''اس کو کوئی کپڑا دو'' اس نے کہا: میں نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: ''اس کو کچھ دو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو''، اس نے پھر عذر پیش کیا، آپ نے فرمایا: ''تمہیں قرآن مجید سے کچھ یاد ہے؟'' اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے تو آپ نے فرمایا: ''تمہیں جو قرآن یاد ہے میں نے اس کے سبب سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۳۱۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، الرقم المسلسل: ۳۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۳۳۶، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، شرح مشکل

الآثار: ۴۷۲۲، صحیح ابن حبان: ۴۰۹۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۴، شرح السنۃ: ۲۳۰۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۰، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۲، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۶۴، معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۰۹، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰۹، کنز العمال: ۴۴۷۲۷)

بغیر ولی کی اجازت کے جو نکاح کیا گیا ہو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث سے استنباط کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تو گویا اس عورت نے آپ کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنا دیا خواہ آپ خود اس سے نکاح فرمائیں یا کسی اور سے اس کا نکاح کر دیں اور عورت کے ہر ولی کا یہی شرعی حکم ہے کہ وہ اس عورت کا اس وقت تک کسی سے نکاح نہ کرے جب تک کہ وہ عورت اس کی اجازت نہ دے، سوائے باپ کے کہ وہ کنواری لڑکی کا بغیر اجازت کے نکاح کر سکتا ہے اور سوائے مالک کے کہ وہ اپنی باندی کا کسی سے نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر سکتا ہے اور یہ وکالت باقی وکالات کی طرح نہیں ہے جن میں وکیل جو کام کرتا ہے تو موکل بھی اس کی مثل کام کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وکالت میں نکاح کو خاص فرما لیا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے''۔ (سنن ابو داؤد: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۹، مسند احمد ج ۶ ص ۶۶)

اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ عورت عقد نکاح کی کسی حال میں ولی نہیں ہوتی نہ اپنے نکاح کی اور نہ دوسرے کے نکاح کی۔ یہ امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، ثوری اور اللیث اور امام شافعی کا قول ہے۔

اور امام اوزاعی نے کہا: جب کوئی عورت اپنا خود نکاح کر لے تو مستحسن یہ ہے کہ ولی اس پر اعتراض نہ کرے سوا اس صورت کے کہ وہ عورت عربیہ ہو اور وہ کسی غلام سے نکاح کر لے تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور امام زفر نے کہا ہے کہ عورت اپنا عقد نکاح خود کر سکتی ہے بہ شرطیکہ وہ کفو میں نکاح کرے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۵۰، المبسوط ج ۵ ص ۱۱، المدونہ ج ۲ ص ۱۵۲، الذخیرہ ج ۴ ص ۲۰۳-۲۰۱، مختصر مزنی ص ۲۳۲، الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۵۷-۱۵۵)

نیز علامہ ابن بطال نے کہا: جب کسی عورت کا ولی نہ ہو اور وہ اپنے نکاح کا وکیل اس مرد کو بنا دے جو اس کا ولی نہ ہو اور یہ معاملہ سربراہ ملک کے پاس پیش نہ کیا گیا ہو تو امام مالک سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سربراہ ملک کے لیے جائز ہے کہ وہ اس مسئلہ میں غور کرے، پھر وہ چاہے تو اس نکاح کی اجازت دے دے اور چاہے تو اس نکاح کو مسترد کر دے جیسا کہ ولی کو اس کا اختیار ہوتا ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ عورت جب کسی ایسے مرد کو وکیل بنا دے جس کی ولایت جائز نہ ہو اور وہ اس کا نکاح کر دے اور شوہر اس کے ساتھ دخول کر لے اور شوہر اس کا کفو ہو تو پھر یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، اور سحنون مالکی نے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے خواہ اس کو سربراہ ملک یا ولی نے جائز قرار دیا ہو کیونکہ یہ وہ نکاح ہے جو بغیر ولی کے منعقد کیا گیا، اور ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو ابھی گزری ہے۔ (اس کی مفصل بحث کتاب النکاح میں آئے گی۔ سعیدی غفرلہ)

(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۴۴۶-۴۴۵، المدونہ ج ۲ ص ۱۵۲، المنتقیٰ ج ۳ ص ۲۷۰)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) علامہ ابن ملقن شافعی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نکاح اسی وقت صحیح ہوگا جب لفظ نکاح یا لفظ تزویج کے ساتھ نکاح کیا

جائے (البیان ج ۲ ص ۲۳۲) اور امام ابوحنیفہ نے اس کے برخلاف کہا ہے کہ لفظ ہبہ سے بھی نکاح صحیح ہے۔ (الہدایہ ج ا ص ۲۰۶)

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: لفظ تملیک کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۱۳۳) اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ اگر پہلے تزویج کا لفظ ہو اور پھر تملیک کا لفظ ہو تو پھر صحیح ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۹ ص ۲۱۴)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ بغیر مہر کے اور بغیر عوض کے آپ کا نکاح کرنا صحیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی (آپ کے لیے حلال ہے) جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیک آپ کا نکاح بغیر گواہ کے اور بغیر ولی کے منعقد ہو جاتا ہے اور لفظ ہبہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر انکار نہیں کیا گیا۔

(۳) ابن حبیب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے منسوخ ہو گئی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بغیر ولی کے اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔ (صحیح ابن حبان: ۴۰۷۵، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۰، مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۹۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۱۴۲)

امام ابن عدی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن موسیٰ بصری ہے، اس کے متعلق امام بخاری نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے، اور علامہ الزیلعی حنفی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ثابت بن زہیر ہے، اس کے متعلق امام بخاری نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۸۹) اور مصنف عبد الرزاق اور امام طبرانی کے متعلق حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عبد اللہ بن محرر ہے اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۷)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ ابن حبیب کا یہ دعویٰ بہت عجیب ہے کہ حضرت سہل بن سعد کی یہ حدیث منسوخ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت دیگر صحابہ بھی حاضر ہوں کیونکہ اس وقت حضرت سہل رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ دیگر صحابہ ہوں، رہا یہ کہ اس عورت کا کوئی ولی نہیں تھا تو شارع علیہ السلام خود ولی ہیں اور آپ کے ہوتے ہوئے کسی مخصوص ولی کی ضرورت نہیں تھی۔

(۴) ابن ابی زید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث اس مرد کے ساتھ خاص ہے اور انہوں نے کہا کہ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا اور عورت سے مشورہ نہیں لیا اور اس حدیث سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ عورت اس مرد کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتی ہو۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نکاح لفظ اجارہ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تعلیم قرآن کے عوض تمہارا نکاح اس سے کر دیا'') اور اس میں امام مالک کے اصحاب کے تین قول ہیں: الاباحت، الکراہت اور المنع۔ (النوادر والزیادات ج ۴ ص ۴۶۶-۴۶۵)

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ: غلام کے لیے جائز ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ اس کے عوض اس کی خدمت کرے گا، اور تعلیم قرآن کے عوض نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک تعلیم قرآن کی اجرت جائز نہیں اور رہا آزاد تو اس کے لیے یہ

جائز نہیں ہے کہ وہ خدمت کے عوض کسی عورت سے شادی کرے۔ (الہدایہ ج ا ص ۳۲۴)

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا اس عورت سے نکاح کر دو اور اس کا ولی کہے کہ میں نے تمہارا نکاح کر دیا تو اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے خواہ شوہر دوسری بار یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کر لیا اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔ (تقویم النظر ج ۴ ص ۹۹۔۹۶) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بیع کا بھی یہی حکم ہے (مواہب الجلیل ج ۶ ص ۱۳، التہذیب ج ۵ ص ۱۴) اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس وقت تک بیع صحیح نہیں ہو گی جب تک کہ خریدار یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کر لیا۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۳)

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر عقد نکاح سے پہلے خطبہ نکاح نہ پڑھا جائے تب بھی نکاح صحیح ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف داؤد ظاہری نے کہا کہ خطبہ نکاح واجب ہے۔

(۸) امام شافعی، ابوعبید، داؤد وغیرہم نے کہا کہ اگر تزویج یا نکاح کے لفظ پر انحصار کیا جائے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری اور حسن بن صالح نے کہا ہے کہ لفظ ہبہ سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اس کو مقرر شدہ مہر دیا جائے گا اور اگر اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس کو مہر مثل دیا جائے گا۔

(الہدایہ ج ا ص ۲۰۶، احکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۱۳۶۸، بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۹۴۰، التہذیب ج ۵ ص ۳۱۱)

(۹) ہمارے نزدیک مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ ایسی چیز کا مہر مقرر کیا جائے جو مال نہیں ہے تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہو گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے اور ربیعہ اور ابوالزناد اور ابن ابی ذئب اور یحییٰ بن سعید اور ابواللیث اور الثوری اور اوزاعی اور الزنجی اور ابن ابی لیلیٰ اور داؤد اور ابن وہب کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالک نے کہا: اور مہر کی کم از کم مقدار چوتھائی دینار ہے اور یہ ان کا منفرد قول ہے جیسا کہ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے۔ (اکمال المعلم ج ۴ ص ۵۷۹) اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: کم از کم مہر کی مقدار دس درہم ہے اور ابن شبرمہ نے کہا ہے کہ کم از کم مہر کی مقدار پانچ درہم ہے۔ (اکمال المعلم ج ۴ ص ۵۸۰) اور النخعی نے کہا کہ کم از کم مہر کی مقدار چار درہم ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۸۳۔۴۸۲) اور اوزاعی اور ابن وہب سے منقول ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار ایک درہم ہے اور ربیعہ سے منقول ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار ایک قیراط ہے اور ابن حزم نے کہا: ہر چیز جس کا نصف اور ثمن ہو سکے خواہ وہ گندم کا ایک دانہ ہو یا جو کا ایک دانہ ہو وہ مہر ہو سکتا ہے۔ (المحلی ج ۹ ص ۴۹۴) اور ابن جبیر سے مروی ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار پچاس (۵۰) درہم ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۱۲۹)

(۱۰) اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم اس کو کچھ دو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اس مسئلہ میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے، بعض اسے مکروہ کہتے ہیں اور اس کی ممانعت کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۱۹۴۔۱۹۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کے عنوان کی وجہ سے علامہ داؤدی کا امام بخاری پر اعتراض اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب النکاح میں آئے گی۔ علامہ داؤدی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور مرد سے نکاح کرنے کی اجازت دی اور نہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے آپ کو اس مرد سے نکاح کرنے کا وکیل بنایا تھا۔ آپ نے اس عورت کا نکاح اس مرد سے اسی لیے کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب:٦) نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں۔

اس لیے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں ہے کہ عورت امام کو نکاح کا وکیل بنا سکتی ہے جیسا کہ امام بخاری نے (صحیح البخاری: ۲۳۱۰) کا یہ عنوان قائم کیا ہے۔ یہ علامہ داؤدی کا امام بخاری پر اعتراض ہے اور امام بخاری کی طرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ اس عورت نے یہ کہا تھا کہ میں نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا ہے تو اس سے امام بخاری نے یہ مسئلہ نکالا کہ اس عورت نے اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۹۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی مفصل روایت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آ کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا: جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں سنایا تو وہ بیٹھ گئی، پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس سے میرا نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: "تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟" انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آپ نے فرمایا: "تم گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے"۔ اور وہ گھر گئے اور واپس آ گئے اور کہا: اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو اور وہ گئے" اور پھر واپس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! مجھے لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے پاس صرف میرا یہ تہبند ہے، اس کا آدھا حصہ میں اس عورت کو دے دوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس مرد کے جسم کے اوپر کے حصہ پر کوئی چادر نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم نے اس کو پہن لیا تو اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا اور اگر اس کو یہ پہن لے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں رہے گا"۔ تو وہ مرد مجبوراً بیٹھ گئے حتیٰ کہ جب ان کو بیٹھے بیٹھے بہت دیر ہو گئی تو پھر وہ کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا وہ پیٹھ موڑ کر جا رہے تھے، پھر آپ نے ان کو بلانے کا حکم دیا، جب وہ آئے تو آپ نے پوچھا: "تمہیں قرآن مجید کتنا حفظ ہے؟" انہوں نے بتایا کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں حفظ ہیں اور انہوں نے وہ سورتیں گن کر بتائیں، آپ نے پوچھا: "تم یہ سورتیں زبانی پڑھ سکتے ہو" انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: "جاؤ! تم کو جو قرآن مجید یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا"۔
(صحیح مسلم: ۱۴۲۵، الرقم المسلسل: ۳۴۷۷)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد اور علامہ ابن ملقن شافعی کے دلائل کے مصنف کی طرف سے جوابات

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کوئی عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ (الاحزاب:٥٠) اور وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال ہے جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا، اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

(۲) جو عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ بغیر مہر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیں اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ لفظ ہبہ سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگر اس نے مہر مقرر کیا تو وہ اس پر لازم ہوگا اور اگر مہر مقرر نہیں کیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔

(۴) عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی نیک مسلمان کے ساتھ نکاح کے لیے خود کو پیش کرے۔

(۵) اگر کسی شخص کو اس پیش کش کی ضرورت نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور فوراً منع کر کے اس کو شرمندہ نہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نکاح کی ضرورت نہیں تھی لیکن آپ نے اس کو فوراً منع نہیں کیا۔

(۶) جس عورت نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا، اس کو نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، جیسے اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیں۔

(۷) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ فقط ایجاب سے بھی نکاح ہو جاتا ہے خواہ دوسرا فریق قبول نہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: ''ہم نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کر دیا''، اور اس عورت کے قبول کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

(۸) ولی اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی عورت کا تنگ دست شخص سے نکاح کر دے جب کہ وہ عورت راضی ہو۔

(۹) اگر تنگ دست کو نکاح کی حاجت ہو تو وہ نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ اس مرد نے کہا تھا کہ میرے پاس صرف ایک تہبند ہے۔

(۱۰) نکاح میں مہر کا معین کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے جھگڑا منقطع ہوتا ہے اور اس میں عورت کا زیادہ نفع ہے اور اگر اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اس کے لیے نصف مہر واجب ہوگا۔ اور اگر پہلے مہر معین نہیں کیا گیا تو اس کو صرف کپڑوں کا جوڑا ملے گا۔

(۱۱) جب اس شخص نے کہا کہ میرے پاس تو صرف ایک تہبند ہے تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس کو تہبند دے دیا تو تم برہنہ رہو گے''۔ اس میں امام شافعی کے اس قول کی دلیل ہے کہ عورت دخول سے پہلے مکمل مہر کی مستحق ہوتی ہے اور ہمارا اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ عورت دخول سے پہلے نصف مہر کی مستحق ہوتی ہے۔ ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے (یعنی دخول سے پہلے) انہیں طلاق دے دی جب کہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے۔

(۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''کچھ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو'' اس ارشاد میں امام شافعی کے اس قول کی دلیل ہے کہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور جو چیز اجرت یا ثمن بن سکتی ہے وہ مہر بن سکتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار معین ہے اور وہ دس درہم ہے (اس سال یعنی دس اکتوبر ۲۰۱۰ء میں اس کی مقدار تین ہزار ایک سو (۳۱۰۰) پاکستانی روپے ہے) ہماری دلیل درج ذیل صحیح حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کیا جائے''۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۷۔۲۴۶، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۱، ۲۴۰)

اور آپ نے اس شخص کو انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم اس کی تالیف قلب تلاش کرنے کے لیے دیا تھا۔

(۱۳) امام شافعی کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورت کے عوض اس کا نکاح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''باء'' عوض کی نہیں ہے بلکہ یہ ''باء'' سبب کے لیے ہے یعنی چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اور تم مسلمان ہو اس لیے ہم نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا، اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نکاح

کے جواز کی شرط صرف اسلام ہے اور مال، نسب، حرفت اور کفو میں مساوات نکاح کے جواز کی شرط نہیں ہے۔

(۱۴) اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح کی ولایت حکمران اور سربراہ ملک کو حاصل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے ہم نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا''۔

(۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو''۔ اس سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ صریح حدیث ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں''، وہ دوبارہ آیا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں''، اس نے وہ انگوٹھی بھی پھینک دی، پھر پوچھا: یا رسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ آپ نے فرمایا: ''چاندی کی اور وہ پورے ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ) کی نہ ہو''۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۲۳، سنن ترمذی: ۱۷۸۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹، سنن نسائی: ۵۲۱۰)

میں کہتا ہوں کہ: علامہ ابن ملقن کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، (التوضیح ج ۱۵ ص ۱۹۰) کیونکہ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے اور امام ابوداؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، اور اس حدیث پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ نیز یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور علامہ شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کی تحقیق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کی الادب المفرد: ۱۰۲۱ میں روایت کی ہے اور امام طحاوی نے اس حدیث کی شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۲۶۱ میں دو سندوں سے روایت کی ہے اور حافظ الہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۱ میں اس کی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کی ہے اور امام احمد کی ایک سند میں سب ثقہ راوی ہیں، (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۳، رقم الحدیث: ۶۵۱۸) نیز جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو اہل علم کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۶۳، استنبول، ۱۳۲۷ھ) اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے، نیز امام عبدالوہاب شعرانی شافعی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ابوحنیفہ کے دلائل میں سے کوئی حدیث ضعیف ہے تو یہ ضعف امام اعظم کی سند میں ان نیچے کے راویوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے امام اعظم کی وفات کے بعد اس حدیث کی روایت کی ہے اور ہمیں اس حدیث کی صحت کے لیے یہ حدیث کافی ہے کہ ایک امام مجتہد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۵، مصر، ۱۳۵۱ھ) نیز ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۹۸، ملتان، ۱۳۹۰ھ)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ علامہ ابن ملقن شافعی کا یہ کہنا کہ فقہاء احناف نے لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت پر جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فقہی تعصب اور احناف کے خلاف بغض کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

(۱۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی عورت کا جس مرد سے نکاح کر دیں اس کو انکار کا حق نہیں ہے خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر، معزز ہو یا گھٹیا، تندرست ہو یا بیمار، کفوء ہو یا غیر کفوء۔

(۱۷) نکاح سے پہلے مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے محاسن میں تدبر کر سکتا ہے کیونکہ آپ نے اس عورت کی طرف دیکھا

اور پھر نظر جھکالی۔

(۱۸) اس حدیث میں تعلیم قرآن کی اجرت کا جواز ہے کیونکہ امام شافعی کے قول کے مطابق تعلیم قرآن کو اس عورت کا مہر بنایا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء شافعیہ کی اس دلیل کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دیا اور تعلیم قرآن کے عوض اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی صحت کے لیے دس درہم کا ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء شافعیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جتنی مقدار پر فریقین راضی ہو جائیں اس مقدار کا مہر مقرر کرنا صحیح ہے خواہ اس کی قیمت ایک درہم ہو اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو" اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں: دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا جائز نہیں ہے اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ دس درہم سے کم مہر رکھنا جائز نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ اس مسئلہ میں رائے اور قیاس کا دخل نہیں ہے اور امام شافعی نے جو کہا ہے کہ حدیث میں ہے: خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہ طور مبالغہ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: "صدقہ کرو خواہ بکری کا جلا ہوا پایا دے دو" نیز اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پورا اور مکمل مہر ہے ہو سکتا ہے کہ وہ مہر معجل کا ایک حصہ ہو اور جب نکاح میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح صحیح ہوتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کو فی الوقت لوہے کی انگوٹھی لانے کے لیے فرمایا ہو اور بعد میں اس پر مہر مثل لازم ہو جائے، نیز آپ نے تعلیم قرآن کو جو اس کا مہر فرمایا اس کا بھی یہی محمل ہے کہ چونکہ تمہیں قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہیں اس لیے میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا لیکن بعد میں تمہیں مہر مثل دینا ہوگا جس طرح آپ نے اس مفلس شخص کو فرمایا جس نے رمضان کے روزہ میں جماع کر لیا تھا: تم یہ کھجوریں لے جاؤ اور کھا لو اور یہ اس پر محمول ہے کہ جب تمہیں روزہ کا کفارہ دینے کی قدرت ہو تو پھر بعد میں تم روزہ کا کفارہ دے دینا۔ اسی طرح اس حدیث کا محمل ہے کہ اس وقت تو میں نے تمہارے حافظ قرآن ہونے کے سبب سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا لیکن تم اس پر اس کا مہر مثل لازم ہے جو تم بعد میں ادا کر دینا۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۲۔۱۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۲۲۔ بَابُ: الْقِرَاءَةِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ — قرآن مجید کو دیکھے بغیر حافظہ کی مدد سے پڑھنا

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ قرآن مجید کو حافظہ سے پڑھنا قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنے سے افضل ہے۔ اس پر مفصل بحث عنقریب آ رہی ہے۔

۵۰۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ جِئْتُ لِأَهَبَ لَكَ نَفْسِي فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَعَّدَ النَّظَرَ إِلَيْهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَأْسَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابو حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس لیے آئی ہوں تا کہ اپنا نفس آپ کو ہبہ کر

فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَالَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى طَالَ مَجْلِسُهُ ثُمَّ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّهَا قَالَ أَتَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۵، مسند احمد: ۲۲۱۹۳)

دوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پس اس کی طرف نظر اٹھائی اور نظر نیچے کی، پھر اپنا سر جھکا یا، جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی، پس آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس ضرورت نہیں ہے تو میرا اس سے نکاح کر دیں، آپ نے اس سے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟'' تو اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''جاؤ اپنے گھر کی طرف، پس دیکھو شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے''، پس وہ گیا، پھر لوٹ آیا، پس اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! مجھے کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے فرمایا: ''دیکھو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو''، پس وہ گیا، پھر لوٹ آیا، پھر اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے لیکن میرا یہ تہبند ہے، حضرت سہل نے کہا: اس کے جسم کے اوپر والے حصے پر چادر نہیں تھی، پس اس عورت کے لیے آدھا تہبند ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ما تصنع بازارك یہ تمہارے تہبند کے ساتھ کیا کرے گی؟ اگر اس نے تہبند کو پہن لیا تو تمہارے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہوگا اور اگر تم نے اس کو پہن لیا تو اس عورت کے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہوگا''، پھر وہ مرد بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کا بیٹھنا طویل ہو گیا، پھر وہ کھڑا ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا ہے تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا، سو اس کو بلایا گیا، پس جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا: ''تم کو کتنا قرآن یاد ہے؟'' اس نے کہا: مجھے فلاں سورت اور فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے اس نے وہ سورتیں گنوائیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تم ان سورتوں کو اپنے حافظہ سے پڑھتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''جاؤ، پس میں نے یہ عورت تمہاری ملک کر دی کیونکہ تم کو قرآن یاد ہے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن ملقن، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی حنفی اور علامہ نور الحق محدث دہلوی حنفی کی شروح کے حوالہ سے ہم پہلے اس حدیث کی شرح لکھ چکے ہیں، اب حافظ ابن حجر کے حوالہ سے اس عنوان کی شرح کے متعلق لکھ رہے ہیں۔

قرآن مجید کو آیا دیکھ کر پڑھنا افضل ہے یا زبانی اور اس مسئلہ میں روایت اور درایت کے اعتبار سے دلائل اور حافظ ابن حجر کا محاکمہ اور حافظ ابن کثیر کے امام بخاری پر اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ: امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ قرآن مجید کو حافظہ سے پڑھنا قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنے سے افضل ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مخصوص مرد کا واقعہ ہے، پس ہوسکتا ہے کہ اس مرد کو لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہو، لہٰذا یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ حافظہ سے قرآن مجید پڑھنا دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، نیز اس حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ چند سورتیں حفظ کرنی چاہئیں تاکہ مرد اپنی بیوی کو وہ سورتیں یاد کروا سکے، اور اس حدیث میں یہ دلالت نہیں ہے کہ دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا افضل ہے یا نہیں، اور حافظ ابن کثیر کا کوئی اعتراض امام بخاری پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ امام بخاری کے عنوان سے یہ مراد ہے کہ حافظہ سے قرآن مجید پڑھنا مشروع ہے یا مستحب ہے اور یہ حدیث اس عنوان کے مطابق ہے اور اس حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا کہ حافظہ سے پڑھنا دیکھ کر پڑھنے سے افضل ہے اور بہ کثرت علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔
امام ابوعبید نے فضائل قرآن میں اپنی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ بعض صحابہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت زبانی پڑھنے پر ایسی ہے جیسے فرض کی فضیلت نفل پر''، اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔
اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مصحف پر دائمی نظر دیکھو، اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
اور معنوی اعتبار سے یہ دلیل ہے کہ مصحف میں دیکھ کر پڑھنے سے انسان غلط پڑھنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن زبانی پڑھنا ریا سے زیادہ دور ہے اور خشوع کے زیادہ قریب ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ فضیلت اشخاص اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ امام ابن ابوداؤد نے سند صحیح سے حضرت ابوامامہ سے یہ روایت کی ہے اور تم کو یہ لٹکے ہوئے مصاحف دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دیتا جس نے قرآن مجید حفظ کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے جواب پر علامہ عینی حنفی کا اعتراض اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں: سبحان اللہ! یہ جواب صحت وثواب سے کس قدر بعید ہے کیونکہ یہ باب فضائل قرآن کے متعلق ہے، پس حافظ ابن حجر نے یہ کیسے کہہ دیا کہ امام بخاری دل سے قرآن مجید پڑھنے کی افضلیت کے درپے نہیں ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کے احوال مختلف ہوتے ہیں، کبھی دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا افضل ہوتا ہے اور کبھی اپنے حافظہ سے قرآن مجید پڑھنا افضل ہوتا ہے۔ علامہ عینی نے اس بات کو ذکر نہیں کیا تاکہ وہ حافظ ابن حجر پر اعتراض کرسکیں اور اس کا باعث یہ ہے کہ وہ حدیث سے امام شافعی کے اس استدلال کا رد کرنا چاہتے ہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا صحیح ہے۔ واللہ المستعان
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۱-۲۸۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

دیگر شراح کی شروح

علامہ عبدالرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو وہ اس کو دیکھ سکتا ہے۔ نیز امام ابوحنیفہ اور

امام مالک نے کہا ہے کہ لفظ تملیک سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور تعلیم قرآن کے عوض انعقاد نکاح کے متعلق امام احمد بن حنبل کی دو روایتیں ہیں: ایک جواز کی اور ایک عدم جواز کی۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کی مذکور الصدر شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۵۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ تم کو یہ لٹکے ہوئے مصاحف دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دیتا جس نے قرآن مجید کو یاد کیا ہو۔ (سنن دارمی: ۳۳۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۳)

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں اس کے ہاتھوں کا اور اس کی آنکھوں کا اور اس کے منہ کا اور اس کی گود کا استعمال ہوتا ہے کیونکہ دیکھ کر پڑھنے سے وہ اس میں زیادہ غور کر سکتا ہے اور اکثر سلف کا یہی مسلک ہے اور بعض نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حافظہ سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں دیکھ کر پڑھنے کی بہ نسبت زیادہ تدبر ہوتا ہے۔ یہ عضد الدین بن عبد السلام کا قول ہے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۳۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۲۳۔ بَابُ: اسْتِذْكَارِ الْقُرْآنِ وَتَعَاهُدِهٖ — قرآن مجید کو پڑھتے رہنا اور اس کی حفاظت کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ استذکار کا معنی ہے: قرآن مجید کے حفظ کو طلب کرنا اور تعاھُد کا معنی ہے: قرآن مجید کی دائماً تلاوت کر کے اس سے کیے ہوئے عہد کو تازہ کرتے رہنا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۳)

۵۰۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن پڑھنے والے کی مثال صرف اس شخص کی طرح ہے جس کے اونٹ باندھے ہوئے ہوں، اگر اس نے ان اونٹوں کی حفاظت کی تو ان کو روکے رکھے گا، اگر اس نے ان اونٹوں کو کھلا چھوڑ دیا تو وہ چلے جائیں گے''۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۳۱، صحیح مسلم: ۷۸۹، موطا امام مالک: ۴۰۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹۵، الترغیب والترہیب: ج ۲ ص ۳۶۴، شرح السنۃ ج ۳ ص ۴۹۴، مشکوٰۃ: ۲۱۸۹)

قرآن مجید کی باندھے ہوئے اونٹوں کے ساتھ تشبیہ کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے اونٹ باندھے ہوئے ہوں،

مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سینوں سے نکلنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ (المزمل:۵) بے شک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے O

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ثقیل اور بھاری کی صفت سے موصوف کیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد نہ فرماتا تو وہ اس کو حفظ نہ کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامۃ:۱۷) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ (القمر:۱۷) اور بے شک ہم نے حفظ کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔

اور صحیح البخاری: ۵۰۳۲۔۵۰۳۱ ان آیات کی تفسیر کرتی ہے، یعنی جب قرآن مجید کو دائماً پڑھا جاتا رہے تو اس کا حفظ برقرار رہے گا۔

تَفَصِّی کا معنی

اس حدیث میں فرمایا ہے: قرآن مجید اشدّ تفصیًا ہے یعنی قرآن مجید بہت زیادہ اپنے آپ کو چھڑانے والا ہے اور جانے والا ہے۔

امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ تَفَصِّی کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب ہڈی سے گوشت چھڑا لیا جائے تو کہتے ہیں: فصی اللحم من العظم اور انسان جب کسی چیز سے چھٹکارا پالے تو اس سے جلدی بھاگتا ہے۔ اس کا مصدر تفصی ہے اور ابل اور البقر اور الغنم کا ان کے لفظ سے واحد نہیں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے سینہ سے نکلنے کو اس اونٹنی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو رسی کھلنے کے بعد بھاگ جاتی ہے۔ (کتاب العین ج ۷ ص ۱۶۵، ایران)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۳۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صاحب القرآن کا معنی

علامہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں صاحب القرآن فرمایا: اور صاحب سے مراد ہے: جو قرآن مجید سے الفت رکھتا ہو، قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ المصاحبۃ کا معنی ہے: المؤالفۃ جیسے قرآن مجید میں اصحاب الجنۃ فرمایا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن مجید کی تلاوت سے الفت رکھتا ہو عام ازیں کہ وہ قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرے یا زبانی تلاوت کرے۔ پس جو شخص دائماً قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو اس پر قرآن مجید کے الفاظ سہل اور آسان ہو جائیں گے، اور جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دے گا تو اس کے اوپر قرآن مجید کی تلاوت مشکل اور دشوار ہو جائے گی اور انما کا لفظ حصر کا تقاضا کرتا ہے اور یہ حصر مخصوص ہے یعنی قرآن مجید اسی کو حفظ رہے گا جو اس کی دائماً تلاوت کرے گا اور جو قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دے گا تو وہ قرآن مجید کو بھول جائے گا بلکہ قرآن مجید اس کو بھول جائے گا۔

باندھے ہوئے اونٹوں کے ساتھ قرآن مجید کی مثال کی وضاحت

قرآن مجید کے درس اور اس کی تلاوت کے دوام کو اس اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے بھاگنے کے خطرہ کی وجہ سے اس

رسی سے باندھا جاتا ہے، پس جب تک قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی رہے گی وہ محفوظ رہے گا اور جب اس کی تلاوت چھوڑ دی جائے گی وہ بھول جائے گا۔ اسی طرح اونٹ جب تک بندھا رہے گا تو وہ محفوظ رہے گا اور اونٹوں کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ تمام جانوروں میں انسان سے سب سے زیادہ غیر مانوس ہوتا ہے اور اس پر قابو پانے کے بعد اس کو بھاگنے سے روکنے میں مشکل ہوتی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے روایت کی ہے کہ جب صاحب قرآن رات اور دن قرآن مجید پڑھتا رہے تو وہ اس کو یاد رہتا ہے اور جب وہ قرآن مجید پڑھنا چھوڑ دے تو وہ اس کو بھول جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی اس شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۷، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۳)

۵۰۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُولَ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ مِثْلَهُ تَابَعَهُ بِشْرٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ شُعْبَةَ وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدَةَ عَنْ شَقِيقٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کسی شخص کے لیے یہ کہنا بہت برا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں بلکہ وہ اس کو بھلا دی گئی ہے۔ قرآن مجید کو دہراتے رہو کیونکہ وہ مردوں کے سینوں سے اونٹوں کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے بھاگنے والا ہے"۔ ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور اسی حدیث کی مثل اور بشر نے محمد بن عرعرہ کی متابعت کی ہے از ابن المبارک از شعبہ اور عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے محمد بن عرعرہ کی متابعت کی ہے از عبدہ از شقیق، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۳۲، صحیح مسلم: ۷۹۰، سنن نسائی: ۹۴۳، سنن ترمذی: ۲۹۴۲، مشکوٰۃ: ۲۱۸۸، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۴۵۳)

قرآن مجید کی آیتوں کے بھولنے کے دو محمل: ایک یہ کہ وہ آیت اسے یاد نہیں رہی، دوسرا یہ کہ وہ آیت اسے بھلا دی گئی یعنی اس کے سینہ سے نکال دی گئی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: کسی شخص کا یہ کہنا بہت برا ہے کہ وہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ وہ شخص بھلا دیا گیا ہے، یعنی اس شخص کو قرآن مجید کو نہ دہرانے اور اس کو بھلانے کی یہ سزا دی گئی کہ قرآن نے اس کو بھلا دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ عہد رسالت میں قرآن مجید کی آیات منسوخ ہوتی رہتی

تھیں اوران آیات کوسینوں سے محو کر دیا جاتا تھا، پس ان کی تلاوت اور کتابت باقی نہیں رہی تھی اور یہ چیز حاملین قرآن پر بہت سخت گزرتی تھی تو وہ کہتے تھے: میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا تو آپ نے ان کو یہ کہنے سے منع فرمایا تا کہ لوگ قرآن مجید کے متعلق ضائع ہونے کا وہم نہ کریں، پس آپ نے ان کو یہ بتایا کہ وہ جو ان آیات کو بھول گئے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقدیر سے ہے اور ان آیات کے منسوخ ہونے اور دلوں سے ان کے محو ہونے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے، اور رہا کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں آیت بھول گیا ہوں سو یہ جائز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاگرد یوشع بن نون نے کہا:

فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ۔ (الکہف:۶۳) پس میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔

اس قول کا جواز کہ مجھے فلاں آیت بھول گئی

علامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کو یاد نہ رکھنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: انسان کا اپنی طرف بھولنے کی نسبت کرنا جائز ہے کیونکہ اس بھولنے میں اس کا دخل نہیں ہے، پس اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میں بھلا دیا گیا ہوں لیکن یہ قول درست نہیں ہے۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے اس مرد نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جن کو میں فلاں سورت سے چھوڑ چکا تھا''۔ (صحیح البخاری:۵۰۳۷)

دوسری روایت میں ہے: ''جو آیات مجھے بھلا دی گئی تھیں''۔ (صحیح البخاری:۵۰۳۸)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک مرد کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جن کو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا''۔ اور عباد بن عبداللہ نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے پوچھا: ''اے عائشہ! کیا یہ عباد کی آواز ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! عباد پر رحم فرما''۔ (صحیح البخاری:۲۶۵۵)

اور اللہ عزوجل نے بھی درج ذیل آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسیان کی طرف نسبت کی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ۔ ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعلیٰ:۷۔۶)

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ۔ جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔ (البقرہ:۱۰۶)

تو آپ نے یہ کہنے سے منع فرمایا کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا تا کہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے قرآن مجید کی بہ کثرت آیات ضائع ہو گئیں۔

قرآن مجید کی آیات کے بھولنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ اس نے بھلا دیا یا بندہ کی طرف کی جائے یا شیطان کی طرف تینوں نسبتوں کا جواز

یہ توجیہ بعید ہے کیونکہ کبھی انسان بھلانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور اس کے تمام

افعال کا خالق ہے اور کبھی بھولنے کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کا، کاسب ہے اور کبھی اس کی نسبت شیطان کی طرف کرتا ہے جیسا کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے کہا تھا:

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۔ (الکہف: ۶۳) اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے شیطان کے وسوسوں کو مقدر فرمادیا ہے، پس ہر ایک نے ایک مخصوص وجہ سے نسیان کی اضافت کی ہے، کسی نے کہا: چونکہ اللہ تعالیٰ نسیان کو پیدا کرتا ہے: لہٰذا نسیان کی نسبت اس کی طرف ہے، کسی نے کہا: بندہ کسب کرتا ہے، لہٰذا نسیان کی نسبت بندے کی طرف ہے اور کسی نے کہا: شیطان بندوں کو وسوسے میں ڈالتا ہے اس لیے نسیان کی نسبت شیطان کی طرف ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کا بھولنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگ قرآن مجید کو یاد کرنے سے غفلت کرتے ہیں اور بار بار دہراتے نہیں ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر صاحب قرآن دن، رات قرآن پڑھتا رہتا ہے تو وہ اس کو یاد رکھتا ہے اور اگر وہ قرآن مجید کے ساتھ نمازوں میں قیام نہیں کرتا تو وہ اس کو بھول جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۷۷، ۲۲، الرقم المسلسل: ۷۸۹)

پس جب کسی انسان نے کہا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا تو اس نے اپنے نفس کے خلاف تقصیر کی گواہی دی اور قرآن مجید کی حفاظت کو ترک کرنے کی گواہی دی اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی مرد کو قرآن مجید کی کوئی سورت دی گئی ہو یا کوئی آیت دی گئی ہو اور وہ اس کو بھول گیا ہو''۔ (سنن ترمذی: ۲۹۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۶۱)

اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ قرآن مجید کے دہرانے کو ترک کرنا اور اس کی حفاظت کو ترک کرنا لائق مذمت ہے اور قرآن مجید کے دہرانے کو ترک کرنے کی وجہ سے انسان بھولتا ہے، اس لیے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

پورا قرآن مجید حفظ کرنا فرض عین نہیں ہے تو پھر اس میں غفلت کی وجہ سے اس کی مذمت کیوں ہے اور اس کو عذاب کیوں ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پورے قرآن کو حفظ کرنا واجب علی العین یا فرض عین نہیں ہے تو جس نے اس کو دہرانے میں تقصیر کی تو اس پر اس کو مذمت کیوں کی جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے قرآن مجید کو حفظ کیا اس کے دونوں پہلوؤں میں نبوت مندرج ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ کے عباد خواص اور اہل اللہ میں سے ہوگیا، اس لیے مناسب یہ ہے کہ جو اس مرتبہ میں کمی کرے اس کا ایسا مواخذہ کیا جائے جیسا دوسروں کا مواخذہ نہیں ہوتا اور قرآن مجید کی حفاظت کو ترک کرنا قرآن مجید سے جہالت کی طرف پہنچاتا ہے اسی وجہ سے قرآن مجید کو یاد کرنے کی تقصیر کی وجہ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۔ (التوبہ: ۶۷) انہوں نے اللہ کو بھلادیا، سو اللہ نے بھی ان کو نظر انداز کر دیا۔

علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی ان کو عذاب میں چھوڑ دیا یا ان پر رحمت کو ترک کر دیا۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۱۹۔۴۱۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۴۰۔ ۱۳۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

جس شخص نے کہا: میں فلاں آیت کو بھول گیا اس کی مذمت کی چھ توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بہت بری بات ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا بلکہ وہ شخص خود بھلا دیا گیا۔

ایسا کہنے والے کی مذمت کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) چونکہ انسان نے اس قول میں بھولنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے اس لیے اس کی مذمت کی گئی کیونکہ وہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے، پس اس کو چاہیے تھا کہ وہ کہتا کہ مجھے یہ آیت بھلا دی گئی ہے اور اس کے اس قول سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ اس بھولنے میں مستقل ہے یا متصرف ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ آیت بھلائی ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں بندہ کے فعل کی نفی کی گئی ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷) اور (اے رسول معظم!) آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی جس وقت وہ خاک پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال: ۱۷) سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ (الواقعہ: ۶۴) کیا (اس زراعت کو) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O

علامہ ابن بطال کا ذہول اور تسامح

اسی اعتبار سے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے وثوق سے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ بندوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام افعال کی نسبت ان افعال کے خالق کی طرف کریں تاکہ اس سے ان کی عبودیت کا اقرار ہو اور اس کی قدرت کو ماننے کا اظہار ہو اور یہ اس لیے اولیٰ ہے کہ بندہ اپنے افعال کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے کیونکہ وہ ان افعال کا، کاسب ہے ہر چند کہ اس کا جواز بھی کتاب اور سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ نسیان کی نسبت اپنی طرف کی اور دوسری مرتبہ شیطان کی طرف کی، پس فرمایا:

فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ۔ (الکہف: ۶۳) پس بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا۔

ان میں سے ہر نسبت کا معنی صحیح ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ تمام افعال کا خالق ہے اور نفس کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ افعال کا، کاسب ہے اور شیطان کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔ (علامہ ابن بطال کا کلام ختم ہوا)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ ابن بطال کو اس عبارت میں ذہول ہوا ہے جو انہوں نے اس کلام کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی ہے حالانکہ یہ کلام ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ہے۔

اپنی طرف بھولنے کی نسبت کے متعدد شواہد، اور اس بھول کا لائق مذمت نہ ہونا

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کی طرف نسیان کی نسبت کی ہے جیسا کہ عنقریب نسیان القرآن کے باب میں آئے گا، اس طرح حضرت یوشع علیہ السلام نے بھی اپنی طرف نسیان کی نسبت کی ہے جب انہوں نے کہا: فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ (الکہف: ۶۳) (بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا ہوں) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی طرف نسیان کی

نسبت کی ہے جب انہوں نے کہا:

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ۔ (الکہف: ۷۳) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے۔

اور اس سے پہلے صحابہ کرام کی اس دعا کا ذکر گزر چکا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ۔ (البقرہ: ۲۸۶) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں تو ہماری گرفت نہ کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ۔ (الاعلیٰ: ۷۔۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔

پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس قسم کی بھول لائق مذمت نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید کی آیات کو بھولنے پر مذمت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس بھول پر اس لیے مذمت فرمائی گئی کہ قرآن پڑھنے والے نے غفلت کی اور اس کو یاد کرنے اور بار بار دہرانے میں مشغول نہیں رہا جس کے نتیجہ میں وہ قرآن مجید کی ان آیات کو بھول گیا، اگر وہ ان آیات کی حفاظت کرتا اور نمازوں میں ان کو پڑھتا رہتا تو وہ ان آیات کو نہ بھولتا، پس یہ مذمت اس کی حفاظت نہ کرنے اور غفلت کی وجہ سے ہے اور جب اس نے کہا: میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا تو اس نے اپنی تقصیر کا اعتراف کیا تو یہ مذمت اس کے قرآن کو یاد نہ کرنے اور نہ دہرانے کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے نسیان پیدا ہوا۔

(۳) الاسماعیلی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھنے والے کے اس قول کو اس لیے ناپسند کیا ہو کہ اس نے کہا کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا یعنی میں نے اس کو ترک کر دیا اور یہ بھول سہو کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ۔ (التوبہ: ۶۷) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

یہ توجیہ امام ابوعبید اور ایک جماعت کی مختار ہے۔

(۴) نیز الاسماعیلی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نسیت کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گویا کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی نسخ کی حکمت کی وجہ سے مجھے وہ آیت بھلا دی ہے اور اس کی تلاوت میرے سینہ سے اٹھالی ہے اور اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو ان آیات کو بھلا دیتا ہے اور سینوں سے نکال دیتا ہے جن کو وہ منسوخ فرماتا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ۔ (الاعلیٰ: ۷۔۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔

پس اس بھول سے مراد وہ ہے جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس آیت کو بھلا دیا جس کو اس نے منسوخ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔

(۵) علامہ احمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ ھ نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ اس وقت نسخ کی ایک قسم یہ تھی کہ ایک آیت نازل ہوتی، پھر وہ منسوخ ہوجاتی اور اس کے نقوش مٹ جاتے اور اس کی تلاوت اٹھالی جاتی اور حاملین قرآن کے ذہنوں سے وہ آیت ساقط ہوجاتی، پس کہنے والا کہتا کہ میں فلاں آیت بھول گیا تو اس کو اس سے منع کر دیا گیا تاکہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ کچھ قرآن ضائع ہوگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ

محض اللہ کے اذن سے تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت تھی۔

(۲) الاسماعیلی نے کہا: اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ جو نسیان حفظ کے خلاف ہے اس کی اضافت حامل قرآن کی طرف مجاز ہے کیونکہ یہ نسیان اس کو عارض ہوا ہے وہ قصداً نہیں بھولا کیونکہ اگر وہ قصداً بھولا ہوتا تو بھول کے وقت وہ اس کو یاد ہوتا اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص مرا نہیں اس کو مار دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ توجیہ پہلی توجیہ کے زیادہ قریب ہے اور ان تمام توجیہات میں دوسری توجیہ راجح ہے یعنی جس نے کہا: میں فلاں آیت کو بھول گیا اس کی مذمت اس لیے فرمائی کہ اس نے اس آیت کو یاد رکھنے میں غفلت اور کوتاہی کی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دراصل یہ اس کے قول کی مذمت نہیں ہے اس کے حال کی مذمت ہے کہ وہ غافل تھا۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے کہا ہے کہ کسی شخص کا یہ کہنا کہ مجھے فلاں آیت بھول گئی، یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۵۔ ۲۱۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ ھ نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۸، بیروت، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

دیگر شراح کی شروح

علامہ عبد الرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس قول کی مذمت کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے جب آیات کی تلاوت منسوخ ہوتی رہتی تھی تو ان کو اس قول سے منع فرما دیا تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس قول کی مذمت اس وجہ سے کی کہ اس نے قرآن مجید کی آیات کو یاد رکھنے میں غفلت کی جس کی وجہ سے وہ بھول گیا۔

(کشف المشکل ج ۶ ص ۳۳۷۔ ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اس حدیث کے معنی میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حاملین قرآن کو وہ آیات بھلا دیں، دوسرا یہ کہ نسیان کے معنی ہیں: ترک کرنا، تو جب کسی نے کہا: میں فلاں آیت کو بھول گیا تو اس سے یہ وہم ہوگا کہ اس نے اس آیت کو ترک کر دیا، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اس قول کی مذمت فرمائی۔

علامہ کورانی حنفی فرماتے ہیں: پہلے قول پر یہ اعتراض ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر اس قول کی کیا تخصیص ہے؟ اور تحقیق یہ ہے کہ نسیان کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے جو حفظ کے خلاف ہو، دوسرا معنی ہے: ترک جب کہ یہ لفظ قرآن کو ترک کرنے کا وہم پیدا کرتا تھا اس لیے آپ نے اس کو ناپسند فرمایا اور یہ نسیان قرآن کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو"۔ (صحیح البخاری: ۴۰۱، صحیح مسلم: ۵۷۳)

کیونکہ یہاں نسیان کا معنی ہے: ذہول یعنی عدم توجہ کیونکہ کبھی نسیان کسی فعل کو زیادہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے ترک کرنے کی وجہ سے نہیں ہوتا جیسے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز میں پانچ رکعات پڑھا دیں۔ (صحیح البخاری: ۴۰۴)

یہ وہ تحقیق ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور احسان سے مجھ پر الہام فرمایا۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ ھ)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ محمد الفضیل الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی اختصار سے فتح الباری کی تقریر لکھی ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۵۳۔۳۵۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۳۶۔۳۳۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۰ھ)

۵۰۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ”قرآن مجید کی حفاظت کرو، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! قرآن مجید رسی سے باندھے ہوئے اونٹ کی بہ نسبت زیادہ بھاگنے والا ہے“ (یعنی رسی تڑا کر)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۳۱ میں گزر چکی ہے۔

۲۴۔ بَابُ: الْقِرَائَةِ عَلَى الدَّابَّةِ سواری پر (بیٹھے ہوئے) قرآن مجید کی تلاوت کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو شخص سواری پر سوار ہونے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کو مکروہ کہے اس کا یہ قول مکروہ ہے اور امام ابن ابوداؤد نے بعض سند سے اس کے جواز کو نقل کیا اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی سنت موجود ہے اور اس سنت کی اصل درج ذیل آیت سے ثابت ہوتی ہے:

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ (الزخرف: ۱۴۔۱۳)

تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو، پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے ○ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں ○

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۳۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِيَاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَى رَاحِلَتِهِ سُورَةَ الْفَتْحِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو ایاس نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن دیکھا رسول اللہ ﷺ سواری پر سوار تھے اور آپ سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۸۱ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے یہاں پوری حدیث ذکر نہیں کی، پوری حدیث اس طرح ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہیں اور آپ سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے ہیں اور اس میں آپ ترجیع کر رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مغفل نے کہا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے گرد جمع ہو جائیں گے تو میں ضرور اس طرح ترجیع کرتا جس طرح آپ نے ترجیع کی تھی۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۲۸۱، ۵۰۳۴، صحیح مسلم: ۷۹۴، الرقم المسلسل: ۱۷۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۷۰)

ترجیع کے معنی کی تحقیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یُرَجِّعُ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ترجیع ہے اور رَجَّعَ کا معنی ہے قراءت کو لوٹانا یا دہرانا اور دوسرا قول ہے۔ آواز میں حرکات کو بڑھانا، اور تیسرا قول ہے کہ آپ کی ترجیع اس طرح تھی کہ آپ پڑھتے: آآآآآآ (صحیح البخاری: ۷۵۴۰)

(یعنی آپ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح: ۱) میں مُّبِيْنًا کے الف کو چار مدات کے برابر کھینچ کر پڑھتے۔ سعیدی غفرلہ)

اور ''الاکلیل'' میں یہ اضافہ ہے کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں اس لہجہ میں یہ آیت پڑھتا جس لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تھی۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۵۹)

بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ یہ ترجیع آپ سے اس وجہ سے صادر ہوئی کہ اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے تو اونٹنی کی حرکت کی وجہ سے آپ نے مبینا کے الف کو چار مدات کے برابر لمبا کر کے پڑھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت حسین تھی، جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آیات کو کھینچ کر پڑھتے اور حروف پر وقف کرتے۔ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ جو نبی بھی مبعوث کیا گیا اس کی آواز بہت حسین اور مترنم تھی، اور اس پر اجماع ہے کہ خوش آوازی اور ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۶۱، النہایہ فی غریب الحدیث ج ۲ ص ۲۰۲)

امام ابو عبید نے کہا ہے کہ اس قسم کی احادیث تحزین اور تشویق پر محمول ہیں (یعنی غم گین لہجہ میں پڑھنے اور مسرت کے لہجہ میں پڑھنے میں۔) (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۶۴)

ترجیع میں مذاہب فقہاء

امام مالک اور جمہور نے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کو مکروہ کہا ہے، کیونکہ ترجیع کی وجہ سے قرآن مجید کی قراءت اپنے طریقہ سے خارج ہو جاتی ہے اور مخارج میں فرق ہو جاتا ہے۔ (المدونہ ج ۳ ص ۳۷۹)

اور امام ابو حنیفہ نے ترجیع کو یا خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کو مباح قرار دیا ہے اور سلف کی جماعت کا بھی یہی ایک قول ہے کیونکہ اس سے رقت اور خشیت پیدا ہوتی ہے اور نفوس اس کو غور سے سننے کی طرف متوجہ اور راغب ہوتے ہیں (جیسے ہمارے زمانے میں لوگ قاری عبدالباسط مصری اور دوسرے مصری قراء کی تلاوت کو ذوق وشوق سے سنتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۹۱)

اور امام شافعی نے کہا: میں خوش آوازی کے ساتھ قراءت کو مکروہ کہتا ہوں اور دوسرے مقام پر کہا: میں اس کو مکروہ نہیں کہتا۔

(روضۃ الطالبین ج ۱۱ ص ۲۲۷)

اور امام شافعی کے اصحاب نے ان میں تطبیق دی ہے اور کہا ہے: پہلے قول کا محمل یہ ہے کہ جب ترجیع کی وجہ سے کسی لفظ میں

زیادتی یا کمی ہو جائے یا جس لفظ میں مدنہ کرنی ہو اس میں مد کی جائے یعنی جس کو کھینچ کر نہ پڑھنا ہو اس کو کھینچ کر پڑھا جائے یا اس لفظ کا ادغام کیا جائے جس میں ادغام جائز نہیں ہے وغیرہ اور دوسرے قول کا محمل یہ ہے کہ جب لفظ کے مخرج میں تغیر نہ ہو تو پھر ترجیع کرنا جائز ہے، اور امام مالک نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے اذکار کو اور قرآن عظیم کو گویوں کے احوال اور باطل چیزوں کی تشبیہ سے منزہ کرنا چاہیے کیونکہ قرآن کریم حق اور صدق ہے اور غنا اور گانا لہو ولعب ہے۔

علامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے امام مالک کے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ مشائخ کی جو قراءت شارع علیہ السلام تک پہنچی ہے اس میں تطریب اور تحسین (ترنم اور ترجیع) نہیں ہے حالانکہ یہ لوگ بہت زیادہ مخارج میں گہرائی کے ساتھ کوشش کرتے تھے اور مد، ادغام اور اظہار وغیرہ میں، اور اس لیے کہ تطریب اور ترجیع قرآن مجید کی ادائیگی میں زیادتی یا کمی کی طرف پہنچاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں اور جو چیز کسی ممنوع کام کی طرف پہنچائے وہ بھی ممنوع ہے اور اس کی حفاظت یہ ہے کہ تطریب اور تحسین (خوش آوازی اور مد کو لمبا کرنا) مد کی ضروریات میں سے ہے اور نقص وزن کی رعایت کی وجہ سے جیسا کہ اس فن کو جاننے والے کو معلوم ہے، اور اس لیے کہ اس سے قرآن مجید کو پڑھنا شعر کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو شعر سے منزہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۔ (الحاقۃ: ۴۱) اور یہ قرآن کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔

علامہ قرطبی کی عبارت ختم ہوئی۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۲۲۔۴۲۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۴۵۲۔۴۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ترجیع کی کیفیت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی طرز میں (الفتح: ۱) کو پڑھا اور کہا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے گرد جمع ہو جائیں گے تو میں اس طرح ترجیع کرتا جس طرح حضرت ابن مغفل نے ترجیع کی تھی۔ راوی نے حضرت معاویہ سے پوچھا: ان کی ترجیع کس طرح تھی، انہوں نے کہا: وہ اس طرح پڑھتے تھے ا ا ا یعنی مبینا کے الف کو تین مدات کے برابر لمبا کرتے تھے۔ اس حدیث کی شرح ان شاء اللہ (صحیح البخاری: ۷۵۴۰) میں آئے گی۔ (سعیدی غفرلہ)

(فتح الباری ج ۵ ص ۳۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ترجیع کی تعریف اور قرآن مجید میں ترجیع کا شرعی حکم

علامہ احمد بن اسماعیل حنفی الکورانی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ترجیع کی تعریف ہے: قراءت میں آواز کو کھینچ کر پڑھنا۔

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ کی جو تلاوت کی تھی اس میں مُّبِيْنًا کے لفظ میں ترجیع کی تھی اور ترجیع کا معنی ہے: قراءت کو دہرانا اور اسی سے اذان میں ترجیع ہے یعنی شہادتین کو دوبار پڑھنا اور اس کی دوسری تعریف ہے کہ آواز کو کھینچ کر پڑھنا۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ آپ آ آ آ، تین مرتبہ مد کے برابر کھینچ کر پڑھتے تھے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ فتح مکہ کے دن سواری پر سوار تھے اس وجہ سے ترجیع کی کیفیت پیدا ہوئی، اور

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ترجیع سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس وقت سواری پر سوار نہیں تھے۔
(النہایہ ج ۲ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ کورانی لکھتے ہیں: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع حد سے متجاوز نہ ہوتی اور آپ مد کو بہت زیادہ لمبا کرتے تو آپ قراءت کو چھوڑ دیتے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ نے ترجیع میں ممانعت سے جو منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مد کو بہت زیادہ لمبا کیا جائے جیسا کہ قراء کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع اس طرح نہیں تھی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءت میں کھینچ کر پڑھتے تھے یعنی مدات کو، حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو عرب کے لحون میں پڑھو''۔ (المعجم الاوسط: ۷۲۲۳، شعب الایمان: ۲۶۴۹)

اس حدیث میں لحون کا لفظ ہے اور لُحُون لَحَن کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: آواز میں ترجیع کرنا یعنی مدات کو لمبا کر کے پڑھنا۔ (الکوثر الجاری ج ۷ ص ۲۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابُ: تَعْلِيمِ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ — بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھانا مکروہ ہے۔ سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ بچوں کو قرآن پڑھانا مکروہ ہے، اس کی امام ابن ابوداؤد نے ان دونوں سے روایت کی ہے اور ابراہیم النخعی کی عبارت یہ ہے کہ جب تک لڑکے کو عقل نہ آجائے اس وقت تک اس کو قرآن مجید پڑھانا مکروہ ہے، اور سعید بن جبیر کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بچوں کو قرآن پڑھانا اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ بچے اکتا جاتے ہیں، اور امام ابن ابوداؤد کی عبارت بھی اسی طرح ہے کہ فقہاء اس کو پسند کرتے تھے کہ بچوں کو قرآن مجید کچھ عرصہ کے بعد پڑھایا جائے۔ امام ابن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ الاشعث بن قیس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا لڑکا پیش کیا تو فقہاء نے ان کی مذمت کی، پس انہوں نے کہا: میں نے اس کو مقدم نہیں کیا اس کو تو قرآن نے مقدم کیا ہے۔

جو فقہاء کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن پڑھانا جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ بچپن میں جس چیز کو یاد کر لیا جائے وہ ذہن میں راسخ ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: بچپن میں علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے پتھر پر نقش ہو، اور سعید بن جبیر کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے پہلے بچے کو اس کی خوشی سے چھوڑ دیا جائے، پھر تدریجاً اس کو سنجیدگی کی طرف مائل کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ یہ حکم اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوا ہے یعنی اگر بعض بچے شروع میں پڑھائی کی طرف مائل ہوں تو انہیں شروع میں قرآن مجید کی تعلیم دینی چاہیے اور اگر بعض بچے شروع میں قرآن مجید کی طرف مائل نہ ہوں تو پھر انہیں کچھ عرصہ کے بعد قرآن مجید پڑھانا چاہیے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ الْمُفَصَّلَ هُوَ الْمُحْكَمُ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِينَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر انہوں نے کہا: تم قرآن کے جس حصہ کو مفصل کہتے ہو (یعنی سورۃ الحجرات سے آخر قرآن تک) وہ محکم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر دس سال کی تھی اور میں

المحکم کو پڑھ چکا تھا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۳۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۵۷۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۳، مسند الطیالسی ۲۶۴۰، المستدرک ج ۳ ص ۵۳۳، الاحاد والمثانی: ۴۷۳-۴۷۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۵۷۸، المستدرک ج ۳ ص ۵۳۴، مسند احمد: ۳۵۴۳-۲۲۷۳-۲۳۷۹)

مفصل اور محکم سورتوں کی تعریف

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: روایت ہے کہ بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اس کا ابن زید نے ذکر کیا ہے، اور المفصل سے مراد سورۃ الحجرات سے لے کر آخر قرآن مجید کی سورتیں ہیں کیونکہ ان سورتوں میں بہ کثرت فواصل ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں منسوخ آیات بہت کم ہیں۔ ان سورتوں کو محکم بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس کی اکثر سورتوں میں منسوخ آیات نہیں ہیں۔ یہ علامہ ابن التین کی شرح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کی تحقیق

صحیح البخاری: ۴۹۳، میں مذکور ہے کہ حجۃ الوداع کے سال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بلوغت کے قریب تھے اور امام ابن اسحاق نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی اور ان سے دوسری روایت یہ ہے جیسا کہ اس باب میں ہے، انہوں نے کہا: اس وقت میری عمر دس سال تھی، علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ وہم ہے حالانکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر چودہ (۱۴) سال تھی۔ اور الزبیر اور الواقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے تھے اور یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر (تیرہ) سال تھی، اور امام ابن حبان نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر چودہ (۱۴) سال تھی۔

(ثقات ابن حبان ج ۳ ص ۲۰۷)

اور عمرو بن علی نے کہا کہ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تیرہ (۱۳) سال پورے کر چکے تھے اور چودھویں (۱۴) سال میں داخل ہوئے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۴۳-۱۴۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

المفصل کے مصداق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
مفصل سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں بہ کثرت فواصل ہوں اور صحیح قول کی بناء پر ان کا مصداق سورۃ الحجرت سے لے کر آخر قرآن تک ہے، اور شاید کہ امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان سے حضرت ابن عباس کے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مجھ سے تفسیر کے متعلق سوال کرو کیونکہ میں نے قرآن کریم کو اس وقت حفظ کر لیا تھا جب میں کم عمر تھا۔ اس حدیث کی امام ابن سعید نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی اور اس سلسلہ میں انہوں نے مختلف روایات نقل کی ہیں۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶۔۲۱۷، ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بچوں کو قرآن مجید کس عمر میں پڑھانا چاہیے

شیخ محمد صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ بچوں کو کس عمر میں قرآن شریف پڑھانے کی ابتداء کی جائے، سو یہ حکم بچوں کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور بعض بچے ذہین ہوتے ہیں، ان کو پانچ یا چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھانے کی ابتداء کرنی چاہیے اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں یا کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کو مار پیٹ کے بغیر پڑھانا ممکن نہیں ہوتا اور غالباً اس وجہ سے شریعت کی حکمت یہ ہے کہ جب انسان تھک جائے یا اکتا جائے تو اس عمل کو موقوف کر دینا چاہیے اور اپنے آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے حتیٰ کہ نمازوں میں اور عبادات میں بھی جب انسان اکتانے لگے تو ان کو چھوڑ دینا چاہیے اور اپنے آپ کو تھکانا نہیں چاہیے، یہ صرف نوافل اور مستحباب کا حکم ہے اور فرائض اور واجبات کو ہر صورت میں ادا کرنا چاہیے، اسی طرح قرآن مجید کی جتنی آیات کی مقدار صحت نماز کے لیے ضروری ہے وہ ہر صورت میں بچوں کو یاد کرانی چاہئیں خواہ ان کو مارنا پڑے۔
(شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۳۸۹، مکتبۃ الطبری، مصر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ کا اس حدیث کو امام بخاری کا وہم قرار دینا اور قاضی عیاض کا اس حدیث کی تاویل کرنا اور علامہ عینی کا اس پر رد کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی اس حدیث میں ابو بشر کی یہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت میری عمر دس سال تھی۔ علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کو اس روایت میں وہم ہوا ہے، قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے صحیح بخاری کی اس روایت کی تاویل کی ہے اور کہا ہے: اس روایت میں تقدیم اور تاخیر ہے۔ علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں دو جملے ہیں کہ میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس سال تھی اور میں المحکم کو پڑھ چکا تھا اور یہ دونوں جملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سے حال ہیں، سو ان میں تقدیم اور تاخیر کیسے ہوسکتی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ

نیز علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق ممکن ہے بایں طور کہ جب وہ بلوغت کے قریب تھے تو ان کی عمر تیرہ (۱۳) سال کے قریب تھی، جب وہ بالغ ہو گئے تو تیرہ سال مکمل ہو گئے، پھر عمر کے متعلق باقی روایات ہیں اور پندرہ سال کی عمر کی روایت میں دو کسروں کو پورا کر دیا ہے اور تیرہ سال کی روایت میں بعد کی کسر کو لغو قرار دیا ہے اور دس سال کی عمر کی روایت میں کسر کو اصلاً لغو قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۷)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان روایات میں تو کسر کا ذکر ہی نہیں ہے (جیسے ساڑھے دس سال یا ساڑھے بارہ سال وغیرہ) حتیٰ کہ کسر کو پورا کیا جائے یا کسر کو لغو قرار دیا جائے اور کسر کی دو قسمیں ہیں جذر اصم جو اپنا عدد نہ بتا سکے اور جذر منطق جو اپنا عدد بتا سکے اور

یہاں کسی قسم کی کسر نہیں ہے اور صحیح بات وہی ہے جو علامہ داؤدی نے کہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۱۔۷۰ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب، اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اعتراض کا یہ جواب لکھا ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں کسر کو پورا کرنے اور کسر کو لغو کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو عدد مہینوں میں چھ سے زائد ہو وہ کسر ہے اور جو عدد سالوں میں دس سے زائد ہو وہ کسر ہے اور جب کہ علامہ عینی اس اصلاح پر مطلع نہیں تھے تو انہوں نے اعتراض کرنے کی محبت میں اہل حساب کی اصطلاح سے اس عبارت پر اعتراض کیا اور اگر علامہ داؤدی کے کلام کو درست مان لیا جائے کہ ''دس سال کی عمر کی روایت امام بخاری کا وہم ہے'' تو ان باقی روایات کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں تیرہ سال سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک کا ذکر ہے، پس ان روایات کے متعلق اس تطبیق کے سوا اور کوئی مفر نہیں ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ پندرہ سال کی روایت میں دو کسروں کو پورا کر دیا ہے اور تیرہ سال کی عمر کی روایت میں بعد کی کسر کو لغو قرار دیا ہے اور دس سال کی عمر کی روایت میں کسر کو اصلاً لغو قرار دیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: جب کسی عدد کو اس کے نفس میں ضرب دی جائے تو اس کے حاصل کو مربع کہتے ہیں مثلاً چار کو چار سے ضرب دی جائے تو اس کا جواب سولہ ہے، پس سولہ اس کا مربع ہے اور چار اس کا جذر صحیح ہے اور اس کو جذر منطق کہتے ہیں کیونکہ سولہ کا عدد بتا دیتا ہے کہ اس کا جذر چار ہے اور جب کوئی مربع اپنا جذر صحیح نہ بتا سکے بلکہ کسر کے ساتھ جذر بتائے تو اس کو جذر اصم کہتے ہیں کیونکہ وہ یہ نہیں بتا سکا کہ کس عدد کو اس کے نفس میں ضرب دی گئی تو اس کا حاصل سات آیا، سو یہ ایسا مربع ہے جو اپنا بلا کسر صحیح جذر نہیں بتا سکا اس لیے اس کو جذر اصم کہتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر اور المحکم کی تعریف کے متعلق علامہ کورانی کی تحقیق

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر تیرہ سال تھی اور اس حدیث میں المحکم سے مراد وہ ہے جو متشابہ کے خلاف ہو۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۳۶۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما جَمَعْتُ الْمُحْكَمَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ لَهُ وَمَا الْمُحْكَمُ قَالَ الْمُفَصَّلُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں المحکم کو جمع کر لیا تھا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: المحکم کی کیا تعریف ہے؟ تو انہوں نے کہا: المفصل۔

اس حدیث پر مفصل بحث صحیح البخاری: ۵۰۳۵ کی شرح میں ابھی گزری ہے۔

۲۶۔ بَابُ: نِسْيَانِ الْقُرْآنِ وَهَلْ يَقُولُ نَسِيتُ آيَةَ كَذَا وَكَذَا

قرآن مجید کو بھولنا اور کیا کوئی یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: امام بخاری نے اس پر متنبہ کیا ہے کہ حدیث میں جو اس کہنے کی ممانعت ہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں وہ اس صورت پر محمول ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کے بھولنے کے اسباب کو ترک کرے کیونکہ انسان قرآن مجید کی آیات کو اس وقت بھولتا ہے جب وہ ان آیات کو زیادہ یاد نہیں کرتا یا ان کا تکرار اور دور نہیں کرتا، پس حدیث میں قرآن مجید کی آیات کو بھولنے کی مذمت نہیں ہے کیونکہ بھولنا تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں بھولنے کے اسباب کی مذمت ہے کہ اس نے قرآن مجید کی آیات کو زیادہ یاد کیوں نہیں کیا، تکرار کیوں نہیں کیا۔ دوسری تنبیہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں قرآن مجید کی آیات کو بھولنے کی ضرورت ہے اور بعض احادیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ ''میں فلاں آیت کو بھول گیا تھا'' حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ان مختلف روایات کے محمل مختلف ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کو بھولنے کی مذمت اس صورت میں ہے جب انسان دنیاوی امور میں زیادہ مشغول اور منہمک ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات کو بھول جائے مثلاً کاروبار یا بال بچوں کی مصروفیات میں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو بعض اوقات کسی آیت کو بھول گئے تھے تو وہ عبادات میں زیادہ اشتغال اور انہماک کی وجہ سے تھا یا تعلیم یا تبلیغ دین میں زیادہ مصروفیت کی وجہ سے تھا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۸۔۲۱۷۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے مذکورہ دو وجہوں میں سے صرف پہلی وجہ کا ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۱)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ (الاعلیٰ: ۷۔۶)

ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝ مگر جو اللہ چاہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاعلیٰ: ۶ میں جو لفظ ''لا'' ہے اس کے متعلق دو قول ہیں، اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ لا نافیہ ہے یعنی آپ اللہ کے پڑھائے ہوئے میں سے اس کو بھولیں گے جس کو اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا اور بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ ''لا'' نہی کے لیے ہے اور اصل میں یہ لفظ لَا تَنْسَ ہے، اخیر میں الف کو اشباع کے لیے بڑھا دیا ہے تا کہ تمام آیات ایک وزن پر ہو جائیں اور استثناء میں بھی اختلاف ہے۔ الفراء نے کہا: یہ استثناء تبرک کے لیے ہے اور حقیقت میں کوئی استثناء نہیں ہے اور یہی حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ بھلانا چاہے آپ بھول جائیں گے تا کہ آپ کا بھولنا سنت ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ طبائع بشریہ کے تقاضوں کے مطابق آپ بھول جاتے ہیں، لیکن ہم اس کی تفصیل بعد میں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے: آپ اس کے ساتھ عمل کو ترک نہ کریں مگر اللہ تعالیٰ جن آیات کو منسوخ فرما دے گا تو آپ ان پر عمل کو ترک کر دیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت جلدی جلدی قرآن پڑھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ جلدی جلدی نہ پڑھا کریں کیونکہ حضرت جبریل آپ کے سامنے آیات کو مکرر پڑھیں گے حتیٰ کہ آپ ان آیات کو نہیں بھولیں گے

اور "لا" کے لفظ میں دو احتمال ہیں: یا نفی کے لیے ہے یا نہی کے لیے ہے اور اگر نہی کے لیے ہو تو آخیر میں الف کو اشباع کے لیے بڑھایا ہے جیسے تم اَلسَّبِیلَ کی بجائے اَلسَّبِیلَا کہو تا کہ تمام آیات ایک وزن پر ہوں اور استثناء کے متعلق الفراء نے کہا: یہ تبرک کے لیے ہے اور یہ حسن اور قتادہ کا قول ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا آپ بھول جائیں تا کہ سنت ہو جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ عمل کو ترک نہ کریں مگر جن آیات کو اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دے گا ان پر عمل کو آپ منسوخ کر دیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۔۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۳۷۔ حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً مِنْ سُورَةِ كَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ربیع بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو مسجد میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں فلاں آیات یاد دلا دی جس کو میں فلاں سورت سے بھولا ہوا تھا"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۵۵ میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى عَنْ هِشَامٍ وَقَالَ أَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةِ كَذَا تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ۔

ہمیں محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "میں ان آیات کو فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا"۔ اس حدیث کی علی بن مسہر اور عبدۃ نے متابعت کی ہے از ہشام۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۵۵، صحیح مسلم: ۷۸۸، سنن ترمذی: ۲۹۴۲، سنن نسائی: ۹۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۳۳۱، ۳۹۷۰، السنن الکبری للنسائی: ۸۰۰۶، مسند ابو یعلیٰ: ۴۴۹۲، صحیح ابن حبان: ۱۰۷، سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۲، شعب الایمان: ۲۶۰۵، مصنف عبد الرزاق: ۵۹۷۵، الادب المفرد: ۵۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۱۷۶، المستدرک ج ۴ ص ۱۵۹۔۱۵۸، الاسماء والصفات للبیہقی: ۷۸۷، مسند احمد ج ۶ ص ۶۲، مسند احمد: ۲۴۴۳۵)

قرآن مجید اور احادیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کا ثبوت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے بندہ کی طرف نسیان کی اضافت کی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۝ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝

اور اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف نسیان کی نسبت کی ہے، اور قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنی طرف نسیان کی نسبت کی اور دوسری مرتبہ شیطان کی طرف نسیان کی نسبت کی، اور حدیث میں ہے:

اور بے شک میں ضرور کوئی حکم بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ کوئی حکم سنت ہو جائے۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۱۰۰)

اور جس نے نسیان کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نسیان کا خالق ہے بلکہ تمام افعال کا خالق

ہے اور جس نے نسیان کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ اس کا فعل اور اس کا کسب ہے، نیز حدیث میں ہے:
حضرت عبدالرحمن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور ایک آیت چھوڑ دی، پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا: ''کیا لوگوں میں ابی بن کعب تھے؟'' انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! کیا فلاں فلاں آیت منسوخ ہوگئی ہے یا آپ اس کو بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں اس کو بھول گیا ہوں''۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۷، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۴۷، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۹)

حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کے تمام رجال صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۹)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی کوئی آیت بھول جاتے تھے، پھر آپ کو وہ یاد آجاتی تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۴۷۔۱۴۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان کی دو قسمیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاسماعیلی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کے بھولنے کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے کہ آپ کسی آیت کو بھول جائیں، پھر عنقریب آپ کو وہ آیت یاد آجائے اور یہ بشری تقاضے سے ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سجدہ سہو میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اس طرح میں بھی بھولتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۴۰۱، صحیح مسلم: ۵۷۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۲۰، سنن نسائی: ۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۱)

اور آپ کے قرآن مجید کی کسی آیت کو بھولنے کی دوسری قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے محو کر دے اور اس آیت کی تلاوت کو منسوخ فرما دے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ۔ (الاعلیٰ: ۶۔۷)
ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔

رہی قسم اول تو اس میں نسیان عارضی ہوتا ہے اور بہت جلد زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞ (الحجر: ۹)
بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

اور رہی قسم ثانی تو وہ اس آیت کے مطابق ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا۔ (البقرہ: ۱۰۶)
جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نسیان کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ نسیان امور تبلیغیہ کے ماسوا میں ہے اور امور تبلیغیہ میں نسیان کی دو شرطیں ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ تبلیغ کے بعد نسیان ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ نسیان دائمی نہ ہو اور آپ کو بعد میں یاد آجائے از خود یا کسی کے یاد دلانے سے، اور تبلیغ سے پہلے آپ پر نسیان اصلاً جائز نہیں ہے۔

بعض صوفیاء کا یہ زعم ضعیف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل نسیان نہیں ہوا

اور بعض اصولیین نے اور بعض صوفیاء نے یہ زعم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل نسیان نہیں ہوا اور آپ سے صورتاً نسیان ہوا ہے تا کہ کوئی حکم سنت ہو جائے۔ قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ اصولیین میں سے ابوالمظفر الاسفرائینی کے سوا اور کسی نے یہ نہیں کہا اور یہ ضعیف قول ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کو بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے اور مسجد میں قرآن پڑھنا جائز ہے اور جس شخص سے کوئی خیر پہنچی ہو اس کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

قرآن مجید کو پڑھ کر بھولنا گناہ کبیرہ ہے، اس پر قرآن کریم اور احادیث اور آثار سے استدلال

قرآن مجید کے بھولنے کے حکم میں متقدمین فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ امام ابوعبید نے الضحاک بن مزاحم سے موقوفاً روایت کی ہے کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید سیکھا، پھر اس کو بھول گیا تو اس نے ایک گناہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰)

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرما دیتا ہے O

اور قرآن مجید کا بھولنا سب سے بڑی مصیبت ہے، حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے، پس میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی سورت کا علم دیا گیا ہو، پھر وہ اس کو بھول گیا ہو''۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابوالعالیہ نے موقوفاً روایت کی ہے: ہم سب سے بڑا گناہ اس کو شمار کرتے تھے کہ کوئی مرد قرآن مجید سیکھے، پھر اس کو یاد کیے بغیر سو جائے حتیٰ کہ اس کو بھول جائے۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قرآن مجید پڑھا، پھر اس کو بھول گیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ کوڑھ میں مبتلا ہوگا''۔ اس حدیث کی سند میں بھی کلام ہے۔

قرآن مجید کو پڑھ کر بھولنے کے متعلق علماء مذاہب کے اقوال

علماء شافعیہ میں سے ابوالمکارم اور الرویانی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے اعراض کرنا اس کے بھولنے کا سبب ہے اور قرآن مجید کو بھولنا اس کی دلیل ہے کہ وہ قرآن کریم کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس معاملہ میں سستی کرتا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: جس نے پورا قرآن مجید حفظ کیا یا بعض قرآن کریم حفظ کیا اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جس نے قرآن مجید حفظ نہیں کیا اور جس نے اس بلند مرتبہ میں خلل ڈالا اور اس سے نیچے گر گیا تو وہ سزا کے لائق ہے، پس اگر اس نے قرآن مجید کے تکرار کو ترک کر دیا تو وہ جہل کی طرف لوٹے گا اور علم کے بعد جہل بہت بڑی مصیبت ہے۔

اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ کسی شخص کے لیے یہ مکروہ ہے کہ اس پر چالیس دن ایسے گزریں جن میں اس نے قرآن مجید نہ پڑھا ہو۔

امام ابوداؤد کی حدیث میں یہ گزرا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھ کر بھول گیا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اَجْذَم ہوگا۔
اجذم کے حسب ذیل معانی ہیں:
(۱) جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں (۲) جس کی حجت منقطع ہو (۳) جس کے لیے خیر کا کوئی سبب نہ ہو (۴) جس کے ہاتھ خیر سے خالی ہوں (۵) جو حقیقت میں کوڑھی ہو۔
امام ابوداؤد نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی ہے کہ یہ نہ کہو کہ میں نے فلاں آیت کو ساقط کر دیا بلکہ یہ کہو: میں فلاں آیت سے غافل ہو گیا اور یہ کہنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۹۔۲۱۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۳۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي سُورَةٍ بِاللَّيْلِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً كُنْتُ أُنْسِيتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک مرد رات کو قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے کہ تحقیق یہ ہے کہ اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھول چکا تھا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۳۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۰۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ يَقُولُ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ هُوَ نُسِّيَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے یہ کہنا بہت برا ہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا بلکہ وہ شخص خود بھلا دیا گیا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۳۲ میں گزر چکی ہے۔

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ نورالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۳۔۷۲، بیروت، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۵۔۱۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ تبلیغ سے پہلے آپ کا نسیان جائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر تبلیغ سے پہلے ان پچاس نمازوں کو منسوخ کر دیا گیا کیونکہ نسخ اور بھلانے کا ایک معنی ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ نسخ اور بھلانے کا معنی ایک نہیں ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بیان کیا گیا ہے، نیز آپ نے تبلیغ تو کر دی تھی کہ مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ان کو پانچ نمازیں کر دیا گیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)
اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ پر نسیان کیونکر جائز ہوگا حالانکہ نسیان نقص ہے تو میں کہوں گا کہ نسیان میں نقص نہیں ہے کیونکہ آپ

کے نسیان سے مراد ذہول ہے یعنی حافظہ سے کوئی بات نکل جائے اور جب اس کی طرف توجہ کی جائے تو وہ یاد آ جائے۔
(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۵۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۳۸-۳۳۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مرد کا رات کے وقت مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے اگر چہ افضل یہ ہے کہ نوافل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ عہد رسالت میں بہ کثرت لوگوں کے گھر نہیں تھے اور وہ مسجد میں رات گزارتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی انسان کو اس کام پر بھی اجر دیا جاتا ہے جس کے کرنے کا اس نے قصد نہ کیا ہو کیونکہ اس مرد نے یہ قصد نہیں کیا تھا کہ اس کی تلاوت کے سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھولی ہوئی آیت یاد آ جائے لیکن چونکہ اس کی تلاوت کی وجہ سے آپ کو بھولی ہوئی آیت یاد آ گئی تو آپ نے اس کے حق میں رحمت کی دعا کی۔

(۳) جس انسان سے کوئی نیک فائدہ پہنچے اس کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس پر رحم فرمائے، کیونکہ آپ نے اس مرد کے لیے رحمت کی دعا کی تھی۔

(۴) کیا اس کے لیے یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جزاء خیر دے یا یہ کہنا چاہیے: اللہ اس پر رحم فرمائے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو افضل وہی کہنا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۵) جس آدمی نے آپ کو کوئی آیا دولائی تو اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا اور نیکی کی تو اس کا صلہ اس صورت میں دیں کہ اس کے حق میں رحمت کی دعا کریں۔ بعض لوگ ایسا نہیں کرتے اور یہ تکبر ہے۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھے فلاں آیت بھول گئی بلکہ یہ کہے کہ میں اس آیت سے بھلا دیا گیا۔

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے علم کے بعد اس کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کی تبلیغ فرماتے تھے اور یہ ناممکن ہے کہ آپ تبلیغ سے پہلے قرآن کریم کو بھول جائیں ورنہ یہ ممکن ہے کہ کوئی مدعی یوں دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کئی آیات کی تبلیغ کو بھول گئے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۱-۳۹۰، مکتبۃ الطبری، ۱۴۲۹ھ)

۲۷- بَابٌ: مَنْ لَمْ يَرَ بَأْسًا أَنْ يَقُولَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَسُورَةُ كَذَا وَكَذَا

جس کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ کہے کہ سورۃ البقرۃ یا فلاں فلاں سورت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان علماء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ یا سورۃ النساء وغیرہ نہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے پہلے کتاب الحج میں گزر چکا ہے کہ حجاج نے کہا کہ یہ وہ سورت ہے جس میں فلاں فلاں سورت کا ذکر کیا گیا ہے، تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا رد کیا، قاضی عیاض نے کہا: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سورۃ البقرۃ وغیرہا کہنے کے جواز کی دلیل ہے۔

سورة البقرة وغیرہ کہنے کے جواز اور اس کی ممانعت میں احادیث، آثار اور اقوال علماء اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان کے درمیان محاکمہ

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اور کہا ہے کہ سورۃ البقرۃ نہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ کتاب الحج کے ''ابواب الرمی'' میں یہ گزر چکا ہے کہ ابراہیم النخعی نے حجاج کے اس قول کا انکار کیا: ''سورۃ البقرۃ نہ کہو'' اور صحیح مسلم میں ہے کہ سورۃ البقرۃ کہنا سنت ہے اور انہوں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا اور سب سے قوی دلیل وہ ہے جس کی امام بخاری نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ اور فلاں فلاں سورت فرمایا''۔

علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں یہ لکھا ہے کہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ العنکبوت وغیرہ کہنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ کہنا مکروہ ہے اور صحیح قول پہلا ہے اور وہی جمہور علماء کا قول ہے اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر احادیث مروی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار بھی بے شمار ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: جن علماء نے سورۃ البقرۃ وغیرہا کہنے سے منع کیا ہے ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۃ البقرۃ نہ کہو اور نہ سورۃ آل عمران اور نہ سورۃ النساء اور اس طرح پورے قرآن کے متعلق نہ کہو''۔

اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کی ہے، اور اس کی سند میں ایک راوی ہے: عیسیٰ بن میمون اور وہ ضعیف راوی ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو کتاب الموضوعات میں درج کیا ہے، اور امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ تالیف القرآن کے باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر کیا گیا ہے''۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، لیکن المصاحب اور التفاسیر میں سورۃ البقرۃ وغیرہا لکھنے کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ابو محمد، محمد بن ابی حاتم، الکلبی اور امام عبد الرزاق وغیرہم نے بھی اس احتیاط کو ذکر کیا ہے اور علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں حکیم ترمذی سے یہ نقل کیا ہے کہ قرآن مجید کے احترام میں سے ہے کہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ سورۃ البقرۃ ہے یا سورۃ النحل ہے یا سورۃ النساء ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرۃ کا اور نحل کا اور نساء کا ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ قرطبی نے اس قول پر رد کیا ہے کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے معارض ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ وغیرہا کہنے سے منع فرمایا''۔ تو آپ کا یہ منع فرمانا خلاف اولیٰ پر محمول ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے اپنے عنوان کو ثابت کرنے کے لیے اپنی سند کے ساتھ تین حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی شرح تفصیل سے گزر چکی ہے، اور تیسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس پر اس سے پہلے باب میں تنبیہ گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۰-۲۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ نہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرۃ کا ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۷۔ ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۴۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از علقمہ وعبدالرحمٰن بن یزید از حضرت ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان آیتوں کو ایک رات میں پڑھ لیا تو یہ اس کو کافی ہوں گی''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۰۰۸ میں گزر چکی ہے۔

اس سورت میں سورۃ البقرۃ فرمانے کی تصریح ہے اور اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

۵۰۴۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ حَدِيثِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَؤُهَا عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ كَذَبْتَ فَوَاللّٰهِ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَهُوَ أَقْرَأَنِي هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَقُودُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا وَإِنَّكَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ يَا هِشَامُ اقْرَأْهَا فَقَرَأَهَا الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہما کی حدیث سے، ان دونوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا، پس میں ان کی قراءت کو بہ غور سننے لگا تو وہ اس سورت میں بہ کثرت ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے تو قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر جھپٹ پڑتا، پس میں نے ان کا انتظار کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر دیا، پھر میں نے ان کو چادر سے پکڑ کر گھسیٹا، پھر میں نے پوچھا: آپ کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے جس کو میں نے آپ سے ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی ہے تو میں نے ان سے کہا: آپ جھوٹ بولتے ہیں، پس اللہ کی قسم! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ سورت پڑھائی ہے جس کو میں نے ابھی آپ سے سنا ہے۔ پس میں ان کو ہنکاتا ہوا رسول اللہ

فَقَرَأْتُهَا الَّتِي أَقْرَأَنِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

ﷺ کے پاس لے گیا، پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ان سے سورۃ الفرقان کو ان حروف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف کے ساتھ آپ نے مجھے یہ سورت نہیں پڑھائی حالانکہ آپ نے مجھے سورۃ الفرقان پڑھائی ہے، آپ نے فرمایا: ''اے ہشام! اس سورت کو پڑھو''۔ تو انہوں نے وہ سورت اس طرح پڑھی جس طرح میں نے سنا تھا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے''، پھر آپ نے فرمایا: ''اے عمر! تم پڑھو''، تو میں نے اس سورت کو اسی طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سورت اس طرح نازل ہوئی ہے'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، پس تم کو جو حرف آسان لگے اس پر پڑھو''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۹ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں سورۃ الفرقان فرمانے کی تصریح ہے اور اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

۵۰۴۲۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ قَارِئًا يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ کوئی قرآن پڑھنے والا رات کو مسجد میں قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے! بے شک اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۵۵ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں فلاں فلاں سورت کہنے کی تصریح ہے اور اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

۲۸۔ بَابُ: التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ — قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (المزمل: ۴)

اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ۝

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب موقع نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے ۝

وَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُهَذَّ كَهَذِّ الشِّعْرِ فِيهَا يُفْرَقُ يُفَصَّلُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَرَقْنَاهُ فَصَّلْنَاهُ۔

اور وہ جو مکروہ ہے کہ قرآن کریم کو شعر (مجلس میں ترنم کے ساتھ اشعار پڑھے جاتے ہیں اور یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں) اسی طرح قرآن مجید کو طرح جلدی جلدی پڑھا جائے، اس سورت میں جو فَرَقْنٰهُ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کہ ہم نے اس کو کئی حصوں میں تفصیل سے نازل کیا۔

قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر اور جلدی جلدی پڑھنے میں سے ہر ایک کی فضیلت اور ان میں تطبیق اور ممانعت کا محل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے: قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا یعنی اس کے حروف کو بیان کرنا اور ان کی ادائیگی ٹھہر ٹھہر کر کرنا تا کہ اس کا معنی سمجھ میں آسکے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھنا مکروہ ہے۔ امام بخاری نے اس قول سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے اور یہ جلدی جلدی پڑھنے کی کراہت کو مستلزم نہیں ہے۔ مکروہ صرف یہ ہے کہ قرآن کو بہت تیزی اور جلدی کے ساتھ پڑھا جائے حتیٰ کہ بعض حروف مخفی رہیں یا اپنے مخارج سے نہ نکلیں اور اس باب میں امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن مجید کو شعر کی طرح جلدی جلدی نہ پڑھا جائے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کا پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا، پس وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے سے پہلے قرآن (زبور) پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے''۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۷)

امام بخاری نے عنوان میں بنی اسرائیل: ۱۰۶ کو ذکر کیا ہے۔

ابو حمزہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں بہت جلدی جلدی قرآن پڑھتا ہوں اور میں پورا قرآن تین دن میں پڑھ لیتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں سورۃ البقرۃ کو ٹھہر ٹھہر کر تدبر کے ساتھ پڑھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں اس طرح قرآن پڑھوں جس طرح تم کہتے ہو۔

اور امام ابن ابوداؤد نے دوسری سند کے ساتھ ابو حمزہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں تیزی سے قرآن پڑھنے والا امر دہوں اور میں ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم نے ضرور تیزی سے پڑھنا ہو تو اس طرح پڑھو کہ تمہارے دونوں کان سنیں اور تمہارا دل اس کو یاد رکھے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ قرآن جلدی پڑھنے میں سے اور قرآن آہستہ پڑھنے میں سے ہر ایک کی فضیلت ہے بہ شرطیکہ جو کچھ سنا گیا ہو اس کے حروف اور حرکات وسکنات میں کوئی خلل نہ ہو، پس ان میں سے کسی ایک صورت کو دوسری پر ترجیح دی جائے تو یہ جائز ہے۔ اور جس نے ٹھہر ٹھہر کر اور تامل کر کے پڑھا یہ اس شخص کی مثل ہے جس نے ایک قیمتی جوہر کو پرکھا اور جس نے جلدی جلدی پڑھا یہ اس شخص کی مثل ہے جس نے ایسے متعدد جواہر کو پرکھا جن کی قیمت ایک جوہر کے برابر ہے، اور کبھی ایک جوہر کی قیمت متعدد جواہر کی قیمتوں سے زیادہ ہوتی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، پھر امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٥٠٤٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ غَدَوْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ رَجُلٌ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ الْبَارِحَةَ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ إِنَّا قَدْ سَمِعْنَا الْقِرَائَةَ وَإِنِّي لَأَحْفَظُ الْقُرَنَاءَ الَّتِي كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ وَسُورَتَيْنِ مِنْ آلِ حم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں واصل نے حدیث بیان کی از ابی وائل از حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ، ابو وائل نے کہا کہ ہم صبح کو حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ایک مرد نے کہا: میں نے گزشتہ رات المفصل کو پڑھا تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم نے شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا؟ بے شک ہم نے قراءت کو سنا ہے اور بے شک مجھے ان سورتوں کی نظیریں حفظ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ اٹھارہ سورتیں المفصل میں سے اور دو سورتیں آل حم میں سے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٧٧٥، ٥٠٤٣، صحیح مسلم: ٨٢٢، سنن ترمذی: ٦٠٢، سنن نسائی: ١٠٠٤، سنن ابوداؤد: ١٣٩٦، مسند ابویعلیٰ: ٥٢٢٢، صحیح ابن خزیمہ: ٥٣٨، مسند ابوداؤد الطیالسی: ٢٥٩، السنن الکبریٰ: ١٠٧٦، المعجم الکبیر: ٩٨٦٤، مسند احمد ج ١ ص ٣٨٠)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٧٧٥ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

نماز اور غیر نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنے میں اختلاف فقہاء اور مصاحف میں سورتوں کی موجودہ ترتیب کا توقیفی ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ٨٠٤ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی ایک رکعت سے پہلے سورۃ النساء پڑھی، پھر سورۂ آل عمران پڑھی۔ (صحیح مسلم: ٧٧٣)

امام مالک نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھی جائیں پہلے ایک سورت پڑھی جائے اور اس کے بعد اس سے پہلے والی سورت پڑھی جائے۔ مسلمانوں کا عمل اسی طریقہ سے جاری رہا ہے اور ہمارے نزدیک بعد والی سورت کو پڑھنا مستحب ہے۔ (مواہب الجلیل ج ١ ص ٢٤١)

اور علامہ بدرالدین عینی حنفی المتوفی ٨٥٥ھ نے لکھا ہے: ہمارے نزدیک اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔
(البنایہ شرح الہدایہ ج ٢ ص ٣٦٦)

نیز علامہ عینی نے کہا: جمہور فقہاء کا بھی یہی مختار ہے۔ (المغنی ج ٢ ص ١٦٩)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ٥٤٤ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سورۃ البقرۃ پڑھی، پھر سورۃ النساء پڑھی، پھر سورۂ آل عمران پڑھی۔ اس میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب مسلمانوں کے اجتہاد سے ہے جب انہوں نے سورتوں کو مصحف میں درج کیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب اور تحدید نہیں ہے اور آپ نے اس ترتیب کو امت پر چھوڑ دیا تھا اور یہی جمہور علماء کا

قول ہے اور امام مالک کا مختار یہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب نہ لکھنے میں واجب ہے نہ نماز میں اور نہ درس اور تدریس میں اور نہ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی تصریح ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہو، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کیے ہوئے مصحف سے پہلے مصاحف کی تالیف میں اختلاف تھا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نمازی کے لیے دوسری رکعت میں اس سورت کو پڑھنا جائز ہے جو پہلی رکعت میں پڑھی ہوئی سورت پر مقدم ہو اور ایک رکعت میں ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے یا جو شخص قرآن مجید کی تلاوت میں ایسا کرے تو یہ مکروہ ہے، یعنی پہلے ایک سورت کی تلاوت کرے اور اس کے بعد اس سے پہلی والی سورت کی تلاوت کرے اور سلف صالحین نے جو کہا ہے کہ قرآن مجید کو الٹا پڑھنا مکروہ ہے اس کا محمل یہ ہے جو قرآن مجید کی کسی سورت کی آخری آیت پڑھے اور اس کے بعد اس سے پہلی آیت پڑھے اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر سورت کی ترتیب اور ہر سورت کی آیات کی ترتیب جیسا کہ اب ہمارے مصاحف میں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی توقیف سے ہے جس سے اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واقف کیا اور آپ نے اپنی امت کو واقف کیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۱۰۵۔۱۰۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کو تیز تیز پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ مباح ہے

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: جب ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے المفصل کو پڑھا ہے تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم نے اس طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا جس طرح شعر پڑھتے ہیں اور مجھے قرآن مجید کی ایسی سورتیں یاد ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھتے تھے، ان میں سے اٹھارہ سورتیں المفصل کی ہیں اور دو سورتیں آل حم کی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۰۴۳)

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا ہے حالانکہ سلف صالحین کی ایک جماعت ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتی تھی اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب قرآن مجید کو جلدی جلدی پڑھا جائے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کے قرآن پڑھنے میں تخفیف کی گئی تھی، وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالی جانے سے پہلے قرآن مجید مکمل پڑھ لیتے تھے۔
(صحیح البخاری: ۳۴۱۷)

اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب سرعت کے ساتھ قراءت کی جائے اور اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام ان انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (الانعام: ۹۰) سو آپ بھی ان نبیوں کے طریقہ کے موافق عمل کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فعل بہ طور فضیلت کے بیان فرمایا اور اگر آپ نے اس کو بہ طور فضیلت نہ بیان فرمایا ہوتا تو ان کا یہ فعل آپ کے ارشاد کی مخالفت کی وجہ سے منسوخ ہو جاتا، سو اب قرآن مجید کا تیز تیز پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ایک رات میں المفصل کی سورتوں کو ملا کر پڑھنے والے صحابی کا نام اور حدیث مذکور کے صحیح بخاری کی دوسری حدیث سے تعارض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا کہ میں نے گزشتہ رات المفصل کو ایک رکعت میں پڑھا ہے اس مرد کا نام نہیک بن سنان ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھذا ان کھذ الشعر۔ یعنی تم نے بغیر غور وفکر کے تیزی سے قرآن مجید کو پڑھا ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم المفصل کی اٹھارہ سورتوں کو اور آل حم کی دو سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے، اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیس سورتیں ملا کر پڑھتے تھے، پہلی مفصل کی سورت تھی اور آخری الحوامیم میں سے تھیں، حم الدخان اور عم یتساءلون۔ (صحیح البخاری: ۴۹۹۶) اور اس حدیث میں اٹھارہ سورتوں کا ذکر ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اٹھارہ سورتیں المفصل کی ہیں، سورۃ الدخان اور عم یتساءلون کے بغیر اور ان سب پر المفصل کا اطلاق تغلیبا ہے، ورنہ راجح قول یہ ہے کہ سورۃ الدخان المفصل میں سے نہیں ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنے مصحف کی ترتیب کے اعتبار سے ہو جس میں حم الدخان اور عم یتساءلون بھی المفصل میں شامل ہیں اور اس صورت میں یہ قول تغلیب پر محمول نہیں ہوگا اور آل حم سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں حم کا لفظ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح کی شرح

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اور علامہ عبدالرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اور علامہ محمد المفصیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ سب نے اسی طرح اختصار اور تفصیل سے لکھا ہے جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۷، الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۰، کشف المشکل ج ۱ ص ۲۱۲، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۴، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۷۔۱۶)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مغرب سے عشاء کے دوران پورے قرآن کریم کو ختم کر لینا

شیخ محمد صالح العثیمین (النجدی) المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رافضیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مغرب اور عشاء کے دوران قرآن مجید کو ختم کر لیتے تھے اور اس چیز کو انہوں نے مولیٰ علی کے مناقب میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ لوگ کس قدر جاہل اور احمق ہیں، کیا یہ قرآن مجید کے ساتھ کھیلنے کو حضرت علی بن ابی طالب کے مناقب میں شمار کرتے ہیں!!! یعنی حضرت علی مغرب کے فرض پڑھتے، پھر اس کے بعد سنت مؤکدہ پڑھتے اور اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ کے وقت میں پورا قرآن ختم کر لیتے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے یا آپ کی مذمت ہے؟ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۹۴۳، مکتبۃ الطبری، مصر، ۱۴۲۹ھ)

شیخ العثیمین کی شرح پر اور شیخ ابن تیمیہ کے جواب پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ ایک گھنٹہ میں پورے قرآن کریم کو ختم کر لینا عادۃً تو ممکن نہیں ہے لیکن یہ طور کرامت ممکن ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح میں نہیں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالے جانے سے پہلے زبور کو ختم کر دیتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۷) اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور جو کام نبی علیہ السلام کا معجزہ ہو وہ ولی سے یہ طور کرامت ہوسکتا ہے، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حضرت آصف بن برخیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں ولی تھے وہ پلک جھپکنے سے پہلے تین ماہ کی مسافت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس کو لے آئے جب کہ عفریت من الجن نے بھی یہ کہا تھا کہ میں آپ کے اس مجلس سے اٹھنے

سے پہلے اس تخت کو لا سکتا ہوں اور حضرت آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس لا کر حاضر کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۔ (النمل: ۴۰)

اور جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا: میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

سو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کا ولی تین ماہ میں کیے جانے والے کام کو پلک جھپکنے سے پہلے کر سکتا ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ولی حضرت موسیٰ علی رضی اللہ عنہ تین راتوں میں ترتیل سے پڑھے جانے والے قرآن کریم کو ایک گھنٹہ میں پڑھ لیں تو یہ کب مستبعد ہو سکتا ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا اس کو قابل مذمت کہنا بجائے خود قابل مذمت ہے کیونکہ اس سے کرامات اولیاء کا انکار لازم آتا ہے جو کہ دراصل معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت کا مذہب نہیں ہے، باقی روافض (شیعوں) کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرنا اور انہیں معاذ اللہ خدا بنا کر پیش کرنا اپنی جگہ قابل مذمت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۴۴۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مُوْسَى بْنِ أَبِیْ عَائِشَةَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما فِیْ قَوْلِهٖ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝﴾ (القیامۃ: ۱۶) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا نَزَلَ جِبْرِیْلُ بِالْوَحْیِ وَكَانَ مِمَّا یُحَرِّكُ بِهٖ لِسَانَهٗ وَشَفَتَیْهِ فَیَشْتَدُّ عَلَیْهِ وَكَانَ یُعْرَفُ مِنْهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْاٰیَةَ الَّتِیْ فِیْ لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝﴾ ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیامۃ: ۱۷) فَإِنَّ عَلَیْنَا أَنْ نَجْمَعَهٗ فِیْ صَدْرِكَ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیامۃ: ۱۸) فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ۝﴾ (القیامۃ: ۱۹) قَالَ إِنَّ عَلَیْنَا أَنْ نُبَیِّنَهٗ بِلِسَانِكَ قَالَ وَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِیْلُ أَطْرَقَ فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهٗ كَمَا وَعَدَهُ اللّٰهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان از موسیٰ بن ابی عائشہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (القیامۃ: ۱۶) آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ ان کے پاس اپنی زبان کو اور اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے تو یہ آپ پر سخت گزرتا تھا اور اس کی سختی آپ سے پہچانی جاتی تھی، تب اللہ تعالیٰ نے سورۂ لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ میں یہ آیت نازل فرمائی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (القیامۃ: ۱۶) اور فرمایا: اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامۃ: ۱۷) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ○ یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں۔ اس کے بعد فرمایا: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامۃ: ۱۸) سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ○ یعنی جب ہم

قرآن مجید کو نازل کریں تو آپ غور سے سنیں، پھر فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؁ (القیامہ:۱۹) پھر اس کا (معنی) بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کی زبان سے بیان فرمائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو آپ سر جھکا کر بیٹھ جاتے، پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ قرآن مجید پڑھتے جس طرح اس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض امور کی شرح کی جا رہی ہے:

شیخ محمد صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المفوضہ کے اس نظریہ کا رد کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم نہیں تھا چہ جائیکہ دوسروں کو ان کا علم ہو

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کا معنی بیان نہ کیا گیا ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کا معنی بیان کیا گیا ہو لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ اس کا معنی امت کے ہر فرد کو معلوم ہو بلکہ امت کو اجتماعی طور پر اس کا معنی معلوم ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کا کوئی معنی امت سے مخفی ہو، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کا قرآن کریم میں معنی معلوم نہیں ہے اور یہ ایسے الفاظ ہیں جیسے حروف ابجد ہیں، ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید کے معانی کے بیان کرنے کا ذمہ لیا ہے (القیامہ:۱۸) لہٰذا قرآن کریم میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا معنی بھی نہ معلوم ہو اور یہ لوگ جن کو المفوضۃ کہا جاتا ہے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کے معانی معلوم نہیں ہیں اور یہ امت میں کسی کو معلوم نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو بھی اس کا علم نہیں تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کرتے تھے اور آپ کو ان کا معنی معلوم نہیں تھا۔ یہ المفوضۃ کا نظریہ تھا جس کو اکثر متاخرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سلف صالحین کا مذہب تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مذہب باطل ہے اور ہم کو یہ علم نہیں کہ کوئی شخص ایسے کلام سے بات کرے جس کا معنی اس کو معلوم نہ ہو سوا اس کے جو مجنون ہو اور جو صاحب عقل ہو وہ اسی کلام کے ساتھ بات کرے گا جس کا معنی اسے معلوم ہو گا۔

(شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۹۵۔ ۳۹۴، مکتبۃ الطبری، مصر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: کہ شیخ عثیمین کی تقریر سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید میں جو حروف مقطعات ہیں جیسے الٓمٓ وغیرہ تو ضروری ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معنی بھی معلوم ہو، اسی طرح جو آیات متشابہات ہیں ان کا معنی بھی آپ کو معلوم ہو اور یہ کہ قرآن مجید میں قیامت کے آنے کا ذکر ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ قیامت کب آئے گی۔ (سعیدی غفرلہ)۔

۲۹۔ بَابُ: مَدِّ الْقِرَاءَةِ — قرآن کریم میں جس حرف پر مد ہو اس حرف کو کھینچ کر پڑھنا

حروف اصلیہ اور حروف زائدہ میں مد کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قراءت کو لمبا کر کے یا کھینچ کر پڑھنے کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم اشباع ہے یعنی جس حرف کے بعد الف ہو، واؤ ہو یا یاء ہو تو اس کو کھینچ کر پڑھا جائے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں: اصلی اور غیر اصلی۔ اصلی کی مثال یہ ہے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں لفظ اللہ کی مد کو کھینچ کر پڑھا جائے اور اس طرح رحمٰن میں الف کی مد کو کھینچ کر پڑھا جائے اور رحیم میں یاء کی مد کو کھینچ کر پڑھا جائے اور غیر اصلی وہ ہے کہ جس لفظ میں ان حروف کے بعد ہمزہ متصل اور ساکن لازم کی ملاقات ہو جیسے اُولٰٓئِكَ اور اَلْحَآقَّةُ اس میں مد کو زیادہ کر کے پڑھنا واجب ہے یا ہمزہ منفصل ہو یا سکون یعنی جزم عارضی ہو جیسے يَآ اَيُّهَا یا اَلرَّحِيْم پر وقف کیا جائے تو یہ جائز ہے اور معتدل مذہب یہ ہے کہ ہر حرف کو دو ضعف (یعنی تین یا چار گنا) کے برابر کھینچ کر پڑھا جائے اور بہت کم اس پر اضافہ کیا جاتا ہے اور جو اس سے کم کھینچا جائے تو وہ مذموم ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۲، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۶۵۔ ۳۶۴، الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۱)

۵۰۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ يَمُدُّ مَدًّا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم الازدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی قراءت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ جس لفظ پر مد ہو آپ اس کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۴۶۔ ۵۰۴۵، صحیح مسلم: ۱۰۱۴۰، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۵۲، سنن نسائی: ۱۰۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۱، ۱۹۲، ۲۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۲۰، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲، ص ۹۸، کنز العمال: ۱۸۶۸۴)

۵۰۴۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کس طرح قرآن پڑھتے تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ آپ کھینچ کر پڑھتے تھے، پس انہوں نے پڑھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے (یعنی بسم اللہ میں لفظ اللہ کے الف کو کھینچ کر پڑھتے) اور الرحمٰن کو کھینچ کر پڑھتے (یعنی رحمٰن کے الف کو کھینچ کر پڑھتے) اور الرحیم کو کھینچ کر پڑھتے (یعنی الرحیم کی یاء کو کھینچ کر پڑھتے)۔

نبی ﷺ کے قرآن مجید میں مد کرنے کا سبب اور مد کرنے اور ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی کیفیت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں: نبی ﷺ ان حروف کو کیوں کھینچ کر پڑھتے تھے اس کے سبب کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور یہ کہ آپ جلدی پڑھنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دیں، سو آپ نے اپنے رب

کے حکم پر عمل کیا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا تا کہ آپ کی امت کے لیے سنت ہو جائے کہ وہ کس طرح قرآن مجید کو پڑھیں اور وہ کس طرح قرآن مجید میں تدبر کریں اور سمجھ کر پڑھیں۔

امام ابو عبید نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی کیفیت کو بیان کرتی تھیں کہ آپ ایک ایک حرف کو تفصیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔

(فضائل القرآن ص ۱۵۶، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۶، سنن ترمذی: ۲۹۲۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱، ج ۳ ص ۲۱۴)

نیز حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹکڑے ٹکڑے کر کے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ (مثلاً ایک لفظ کو پڑھ کر وقف کرتے، پھر دوسرا لفظ پڑھتے)۔

اور ابراہیم نے بیان کیا کہ علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید پڑھا، پس گویا کہ انہوں نے جلدی جلدی پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں! قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھو یعنی ٹھہر ٹھہر کر، اور علقمہ بہت خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ (فضائل القرآن ص ۱۵۷۔۱۵۶)

قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور تیزی کے ساتھ پڑھنے میں لوگوں کے مختلف طریقے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم الرحمٰن الرحیم کو کھینچ کر پڑھتے تھے ان میں دوسرے حروف کی طرح مد نہیں کرتے تھے کیونکہ بسم اللہ میں ہمزہ نہیں ہے جو حروف مدہ اور حروف لین میں مد کو واجب کرتا ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھنے کی کیفیت میں لوگوں کا اختلاف ہے، پس ماہر قرآن مجید کو جلدی جلدی بھی پڑھتا ہے اور ٹھہر ٹھہر کر بھی پڑھتا ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو ترتیل سے پڑھتے ہیں اور جب تیزی سے پڑھتے ہیں تو وقف کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تیزی سے پڑھتے ہیں اور جب ترتیل سے پڑھتے ہیں تو وقف کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دونوں طریقوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔

جو لوگ تیزی سے قرآن پڑھ کر ایک دن میں یا ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھتے تھے

اور جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تیزی سے قرآن پڑھتے تھے وہ محمد بن کعب اور ابوعثمان النہدی ہیں اور امام شافعی ہر دن میں ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے اور جب رمضان کا مہینہ آتا تو ہر روز دو قرآن کریم ختم کرتے تھے اور نمازوں میں ان کے علاوہ قرآن مجید پڑھتے تھے۔

اور ابن القاسم مالکی سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی عمر کے آخر میں رمضان کے مہینہ میں دو سو (۲۰۰) قرآن کریم ختم کرتے تھے، حتیٰ کہ جب وہ مغرب کی نماز پڑھتے تو وہ نماز پڑھتے رہتے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی۔

میں کہتا ہوں: اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ کیا ابن القاسم عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے؟ (سعیدی غفرلہ)

پھر وہ سو جاتے حتیٰ کہ سورج بلند ہو جاتا، پھر وہ عصر کی نماز پڑھتے، پھر سو جاتے حتیٰ کہ سورج غروب ہو جاتا، وہ چار مہینہ تک اسکندریہ کی سرحد پر پہرہ دیتے رہتے اور حج کے تین مہینوں میں حج کرتے اور لوگوں کو مسائل بتانے کے لیے پانچ مہینہ بیٹھتے۔

اور ابن وہب مالکی دو مہینہ سرحد پر پہرہ دیتے اور حج کے تین مہینوں میں حج کرتے اور لوگوں کو مسائل بتانے کے لیے سات مہینے بیٹھتے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کرتے اور دوسری رکعت میں قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ پڑھتے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں مقام (یعنی مقام ابراہیم) کے پاس یہ عمل کرتے اور وہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۵۔ ۱۵۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی کیفیت میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے مد کرنے کو بیان کیا یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ آپ سورۃ الفاتحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے

حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ بسم اللہ میں مد کرتے، الرحمٰن میں مد کرتے اور الرحیم میں مد کرتے۔ اس سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے تھے اور ان کی یہ حدیث صحیح مسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے تھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید کو پڑھنے کی کیفیت کو ایک مثال سے بیان کیا ہے کہ آپ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے اور الرحمٰن کو کھینچ کر پڑھتے اور الرحیم کو کھینچ کر پڑھتے، اور اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ متعین نہیں کیا کہ آپ سورۃ الفاتحہ کے اول میں کس طرح بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے تھے اور نہ یہ متعین کیا ہے کہ آپ ہر رکعت کے شروع میں سورۃ الفاتحہ کو پڑھتے تھے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فقہاء احناف کے مذہب کی دلیل

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح میں یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں پڑھتے تھے اور یہی فقہاء احناف کا مذہب ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۃ الفاتحہ کا جز نہیں ہے اور یہ بات ایک عظیم شافعی کے قول سے ثابت ہوگئی۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۰۔ بَابُ: التَّرۡجِیۡعِ — الترجیع یعنی جملہ کو دہرانا یا حرف کو لمبا کر کے پڑھنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ترجیع کا معنی ہے: قرآن پڑھتے وقت حرکت کو لمبا کرنا اور اس کا معنی ہے: آواز کو حلق میں لوٹانا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۷)

۵۰۴۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بۡنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعۡبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو إِيَاسٍ قَالَ سَمِعۡتُ عَبۡدَ اللهِ بۡنَ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيۡتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقۡرَأُ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ أَوۡ جَمَلِهِ وَهِيَ تَسِيرُ بِهِ وَهُوَ يَقۡرَأُ سُورَةَ الۡفَتۡحِ أَوۡ مِنۡ سُورَةِ الۡفَتۡحِ قِرَاءَةً لَيِّنَةً يَقۡرَأُ وَهُوَ يُرَجِّعُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں ہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر یا اپنے اونٹ پر سوار تھے اور وہ اس وقت آپ کو لے کر چل رہی تھی اور آپ اس وقت سورۃ الفتح پڑھ

رہے تھے یا سورۃ الفتح کی بعض آیتوں کو پڑھ رہے تھے آپ نرمی اور ملائمت سے پڑھ رہے تھے اور آواز کو حلق میں دہرا رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۸۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۲۸۱، ۴۸۳۵، ۵۰۳۴، ۵۰۴۷، ۷۵۴۰، صحیح مسلم: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷)

ترجیع کی کیفیت

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح البخاری: ۷۵۴۰، میں اس اضافہ کے ساتھ گزری ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے گرد جمع ہو جائیں گے تو میں اس طرح ترجیع کے ساتھ قراءت کرتا جس طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ترجیع کے ساتھ قراءت کی تھی، راوی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے کس طرح ترجیع کی تھی، انہوں نے کہا: وہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ کے الف کو تین الف کے برابر کھینچ کر پڑھ رہے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ترجیع کے دو معنی اور راجح یہ ہے کہ اس سے مراد اشباع ہے یعنی حروف مد کو کھینچ کر پڑھنا اور گانے کی طرز سے قرآن پڑھنے کا ممنوع ہونا اور بعض اوقات عبادت کو ظاہر کرنا اس کو چھپانے سے افضل ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنقریب کتاب التوحید میں یہ حدیث آئے گی کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پڑھتے تھے اٰ اٰ اٰ یعنی مبینا کے الف کو تین الف کے برابر مد کر کے پڑھتے تھے۔

علماء نے کہا ہے کہ آپ کی اس ترجیع کی دو وجہیں ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے ہلنے کی وجہ سے آپ الف کو لمبا کر کے پڑھ رہے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ الف میں اشباع کر رہے تھے یعنی اس کو کھینچ کر پڑھ رہے تھے اور یہ دوسری توجیہ حق کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ بعض سندوں کے ساتھ یہ روایت ہے کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں اسی طرح سریلی آواز میں پڑھتا، اور اس مقام کے علاوہ بھی ترجیع کا ثبوت ہے:

امام ترمذی نے شمائل میں اور امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام ابن داؤد نے اپنی سندوں کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہی تھی اور آپ اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے اور میں اس وقت اپنے بستر پر سو رہی تھی اور آپ قرآن مجید میں ترجیع کر رہے تھے۔

اور جو چیز ظاہر ہوتی ہے کہ ترجیع میں ترتیل سے زیادہ اضافہ ہوتا ہے کیونکہ امام ابن ابوداؤد نے علقمہ سے روایت کی ہے کہ میں رات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر میں تھا، پس وہ سو گئے، پھر وہ کھڑے ہوئے، پھر وہ اپنے محلہ کی مسجد میں قرآن پڑھ رہے تھے، اپنی آواز کو زیادہ بلند نہیں کر رہے تھے اور ارد گرد کے لوگوں کو سنا رہے تھے اور ترتیل سے پڑھ رہے تھے اور ترجیع نہیں کر رہے تھے۔

اور الشیخ ابو محمد الجمرۃ نے کہا ہے کہ ترجیع کا معنی ہے: تحسین کے ساتھ تلاوت کرنا، اس سے مراد گانے کی طرز نہیں ہے کیونکہ گانے کی طرز میں قرآن پڑھنا خشوع کے منافی ہے جو کہ تلاوت کا مقصود ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث میں عبادت کو ہر حال میں لازم رکھنے کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں بھی تلاوت کے ساتھ عبادت کرنے کو ترک نہیں کیا اور آپ نے جو بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی اس میں یہ ثبوت ہے کہ بعض اوقات عبادت کو ظاہر کرنا عبادت کو چھپانے سے افضل ہوتا ہے اور یہ تعلیم کے وقت ہوتا ہے اور غافل کو بیدار کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

گانے کی طرز میں قرآن مجید کو پڑھنا حرام ہے

علامہ ابو یحییٰ زکریا انصاری مصری شافعی متوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع میں دو احتمال ہیں: ایک یہ ہے کہ اونٹنی کی حرکت اور اس کے ہلنے کی وجہ سے آپ کی آواز میں اشباع ہو گیا یعنی آپ نے مبینا کے الف کو تین مد کے برابر کھینچ کر پڑھا، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے مبینا کے مد میں اشباع کیا اور یہ دوسرا احتمال سیاق کے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳)

دوسرے احتمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو"۔

(خلق افعال العباد: ۱۹۵، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۸، سنن النسائی ج ۲ ص ۱۷۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۲، المستدرک ج ۱ ص ۵۷۱، البانی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، صحیح ابوداؤد: ۱۳۲۰)

اور امام نسائی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہی تھی اور آپ قرآن مجید کو ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۸)

علامہ زکریا انصاری کہتے ہیں کہ: یہ دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے ترجیع کرتے تھے اضطراراً ترجیع نہیں کرتے تھے تا کہ لوگ آپ کی سنت پر عمل کریں اور اگر اونٹنی کی حرکت کی وجہ سے آپ کی آواز میں ترجیع ہوتی تو یہ ترجیع اضطراراً ہوتی نہ کہ اختیاراً اور ہر صورت میں ترجیع سے مراد ہے: مد کو اپنے محل میں لمبا کر کے پڑھنا۔ اس سے مراد گانے کی طرز نہیں ہے جس کو بعض قراء نے ایجاد کر لیا ہے کیونکہ گانے کی طرز حرام ہے اور خشیت الٰہی کے منافی ہے اور تلاوت سے مقصود خشیت الٰہی ہے۔ (منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۱۴۔ ۳۱۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۶۶۔ ۳۶۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ترجیع سے مراد ہے: اپنی جگہ پر قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا لیکن اس میں افراط کرنا ممنوع ہے جیسا کہ بعض قاری کرتے ہیں۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۱۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا سریلی آواز اور طرز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا تو یہ مکروہ ہے، شیخ خلیل نے کہا ہے: قرآن مجید کو لحن سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (مختصر خلیل ص ۳۷)

اور اگر قرآن مجید کو گانے کی طرز پر پڑھا جائے اور طرز بنانے کے لیے بعض حرکات کا اضافہ کیا جائے یا بعض حرکات کو نکالا

جائے یا ممدود کو قصر کیا جائے یا قصر کو ممدود کیا جائے تو یہ حرام ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔
(شرح النووی علی مسلم ج ٦ص ٨٠)

اور علامہ زرقانی مالکی نے لکھا ہے کہ اس طرح قرآن مجید پڑھنے والا فاسق ہے اور اس کو سننے والا گناہ گار ہے۔
(شرح الزرقانی علی خلیل ج ١ص ٧٤)

علامہ زرقانی نے کہا: یہی امام مالک کا مذہب ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے، علامہ قرطبی مالکی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔
(المفہم ج ٢ص ٤٢١)

اور علامہ السجستانی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس طرح کی قراءت کو سننا حرام ہے اور قاری کو ڈانٹ ڈپٹ کی جائے گی اور اس کو مارا جائے گا، اور علامہ ابن الجزری نے کہا ہے: اس طرح قرآن پڑھنے والا ملعون ہے اور شیخ زکریا نے کہا ہے: اس پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور فرشتے بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام لوگ بھی لعنت کرتے ہیں۔ (تحفۃ الباری ج ٩ص ٢٨٤)
(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ١١ص ٣٤٣، مکتبۃ الرشد، ١٤٣٠ھ)

علامہ عبدالرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی التوفی ٥٩٧ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو اچھی آواز اور تجوید کے ساتھ تلاوت کرنا جائز ہے تا کہ سامعین کو فائدہ ہو اور یہ نہ کہا جائے کہ تجوید میں زیادتی ریا کاری ہے کیونکہ اس سے مقصود اس سے نفع حاصل کرنا ہے لیکن قرآن مجید کو گا گا کر پڑھنا جیسا کہ اس زمانہ میں قاری کرتے ہیں تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ گانے کا طریقہ ہے۔ (کشف المشکل ج ٦ص ٣٤١، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

٣١۔ بَابُ: حُسْنِ الصَّوْتِ بِالْقِرَائَةِ لِلْقُرْآنِ

اچھی آواز سے قرآن پڑھنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اچھی آواز والے سے قرآن مجید سننے کے استحباب پر اجماع ہے اور امام ابن ابی داؤد نے اپنی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش آواز نوجوان کو اس کی خوش آوازی کی وجہ سے مقدم کرتے تھے۔
(فتح الباری ج ٦ص ٢٢٣، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٥٠٤٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن خلف ابوبکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابویحییٰ الحمانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں برید بن عبداللہ بن ابی بردہ نے حدیث بیان از جد خود ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”اے ابوموسیٰ! بے شک تمہیں مزامیر آل داؤد میں سے ایک مزمار دی گئی ہے“۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٥٠٤٨، صحیح مسلم: ٧٩٣، سنن ترمذی: ٣٨٥٥، سنن دارمی: ٣٤٩٨، مصنف عبدالرزاق: ٤١٧٨، سنن ابوداؤد: ١٤٩٣، سنن ترمذی: ٣٤٧٥، السنن الکبریٰ للنسائی: ٨٠٥٨، مسند ابوعوانہ: ٣٨٩٠، شرح مشکل الآثار: ١٧٤٣، صحیح ابن حبان: ٨٩٢، کتاب الدعا للطبرانی: ١١٣، المستدرک ج ١ص ٥٠٤، حلیۃ الاولیاء ج ١ص ٢٥٨۔٢٥٧، شعب الایمان: ٢٦٠٤، تاریخ بغداد ج ٨ص ٣٤٣۔٣٤٢، شرح السنۃ: ١٢٥٩۔

۱۲۶۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۸۶، الادب المفرد: ۱۰۸۷۔ ۸۰۵، الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۳۴۵۔ ۳۴۴، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۹، رقم الحدیث: ۲۲۹۵۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آل کے معنی اور مصداق کی تحقیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آل داؤد سے مراد خود حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آل داؤد میں سے کسی شخص کو اچھی آواز دی گئی تھی اور عرب کے نزدیک آل کا معنی شخص ہے اور علامہ خطابی نے امام ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے: جس شخص نے آل فلاں کے لیے وصیت کی وہ شخص خود بھی اس وصیت میں داخل ہوگا اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (مومن: ۴۶) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو O

اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو۔

کسی مرد کی آل کا معنی ہے: اس کے اہل وعیال جب کہ وہ درمیانی طبقہ سے ہو اور جو شخص رئیس ہو اس کی آل اس کے متبعین ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے آل اس کے اہل بیت ہیں۔ اعمش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کون ہے تو انہوں نے کہا: وہ آل علی ہیں، آل جعفر ہیں اور آل عباس ہیں اور آل عقیل ہیں۔

(اعلام الحدیث ج ۳ ص ۱۹۵۳۔ ۱۹۵۱)

امام شافعی کے نزدیک آپ کی آل وہ ہے جن کو صدقہ دینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلاۃ پڑھتے تو یوں دعا کرتے:

اللّٰھم اجعل صَلَوٰتِکَ علی آلِ احمد کما جعلتھا علی آلِ ابراھیم انک حمید مجید O

اے اللہ! آل احمد پر اس طرح صلوات نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر صلوات نازل کی ہیں بے شک تو تعریف کیا گیا ہے اور بلند ہے O

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آل احمد سے اپنی ذات کا ارادہ کرتے تھے۔ (یہ حضرت حسن کی انفرادی رائے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: آیت کریمہ میں ہے:

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ (البقرہ: ۴۹) اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی۔

انہوں نے کہا: اس سے مراد اس کے دین میں پیروکار ہیں اور یہ اس رئیس میں جائز نہیں ہے جس کے باقی لوگ اس کے پیروکار نہ ہوں اور اس کی طرح آل محمد سے مراد آپ کی امت ہے اور دین میں آپ کے پیروکار ہیں، اور جب تم اس سے تجاوز کرو تو مرد کی آل سے مراد خصوصاً اس کے اہل بیت ہیں اور ابوعبیدہ کا یہ قول فقہاء کے نزدیک خطا ہے اور فقہاء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۸۔ ۱۵۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش آوازی کے متعلق متعدد احادیث اور مزمار کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوموسیٰ! بے شک تمہیں آل داؤد کی مزامیر میں سے مزمار دی

گئی ہے''۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم مجھے اس وقت دیکھتے جب میں گزشتہ رات تمہاری قراءت سن رہا تھا بے شک تمہیں آل داؤد کی مزامیر میں سے مزمار دی گئی ہے''۔ (صحیح مسلم: ۷۹۳)

اور امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، پس آپ دونوں ان کی قراءت کو سنتے رہے، پھر وہ دونوں چلے گئے، پھر جب صبح ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، پس آپ نے فرمایا: ''اے ابو موسیٰ! میں تمہارے پاس سے گزرا تھا'' الحدیث۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھتا۔

(میں کہتا ہوں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے یا سنانے کے لیے کسی عبادت کو اچھی طرح ادا کرنا ریا کاری نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور امام محمد بن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک رات کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے ان کی آواز سنی اور ان کی آواز بہت شیریں تھی تو وہ کھڑی ہو کر سننے لگیں، جب صبح ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ کو یہ بات بتائی گئی تو انہوں نے کہا: اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ میری قراءت سن رہی ہیں تو میں اور خوش آوازی سے قرآن پڑھتا۔

(ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ کی مراد یہ ہو کہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو موسیٰ کی حسن قرأت کے بارے میں بتاتیں تو آپ خوش ہوتے اس لیے ازواج مطہرات کو سنانے کے لیے بھی اچھی آواز سے پڑھنا ریا کاری نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اچھی طرح عبادت کرنا ریا کاری نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا: ''یہ آواز آل داؤد کی مزامیر سے ہے''۔

اور امام ابن ابوداؤد نے ابو عثمان نہدی سے روایت کی ہے کہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوا تو میں نے کسی بربط اور کسی صنج کی آواز ان کی آواز سے حسین نہیں سنی۔ (بربط اور صنج دونوں ایک قسم کے ساز ہیں اور بربط کو اردو میں سارنگی کہتے ہیں اور صنج کو اردو میں جانجھ کہتے ہیں۔ المنجد اردو: ۶۸۹۔۵۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مزمار سے مراد اچھی آواز ہے اور اس کی اصل موسیقی کا آلہ ہے (بانسری) اور اچھی آواز پر اس کا اطلاق خوش آوازی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۲۔ بَابُ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْمَعَ الْقُرْآنَ مِنْ غَيْرِهِ

جو شخص دوسرے سے قرآن مجید سننے کو پسند کرے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس عنوان میں قراءت سے مراد قرآن مجید کا بعض حصہ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴)

۵۰۴۹۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی

اقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔

از عبیدہ از حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے سامنے قرآن مجید پڑھو''، میں نے کہا: میں آپ کے سامنے قرآن مجید پڑھوں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ''میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے سے قرآن مجید سنوں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۸۲ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۵۸۲، ۵۰۵۰، ۵۰۵۵، ۵۰۵۶، صحیح مسلم: ۸۰۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۸، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰، ۴۳۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۱، مشکاۃ: ۲۱۹۵، حلیۃ الاولیاء: ج ۷ ص ۲۰۳، کنز العمال: ۲۸۲۶، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۴، ۲، شمائل ترمذی: ۱۵۹، ۱۶۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۲۷۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۷۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۶۳، ج ۱۳ ص ۲۵۴ ج ۱۴ ص ۱۱۔۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۹۸، ۵۱۸، ۵۵۱، کتاب الزہد لابن المبارک: ۳۶)

دوسرے شخص سے قرآن مجید سننے کے فوائد اور مسائل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے: ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس لیے دوسرے سے قرآن مجید سننے کو پسند فرمایا ہوتا کہ دوسرے سے قرآن مجید کو سننا سنت ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے تا کہ آپ قرآن مجید کے معانی میں غور کریں اور تدبر کریں کیونکہ سننے والا تدبر کرنے کی زیادہ طاقت رکھتا ہے اور اس کو زیادہ شیرینی اور زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پڑھنے والا تو قراءت میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آپ نے خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید کو پڑھا، جیسا کہ یہ حدیث کتاب المناقب میں گزری ہے کیونکہ اس وقت آپ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ حضرت ابی بن کعب کو قراءت کی ادائیگی اور مخارج حروف وغیرہ کی تعلیم دیں اور عنقریب اس حدیث کی شرح آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے بھی یہی شرح لکھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۹)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی یہی شرح لکھی ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۸)

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سننے والا قرآن مجید میں قرآن مجید کو پڑھنے والے کی بہ نسبت زیادہ تدبر کرسکتا ہے کیونکہ قرآن مجید کے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے کہ کہیں اس سے لفظ میں غلطی نہ ہو جائے لیکن قرآن مجید کو سننے والا الفاظ کی طرف توجہ سے فارغ ہوتا ہے تو وہ قرآن مجید کے معانی میں تدبر اور تامل کرتا ہے اور بعض اوقات جب انسان دوسرے سے قرآن سنتا ہے تو اس کے اوپر زیادہ خشوع طاری ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ آپ کو قرآن مجید سنانے سے انکار کر رہے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ

تھا کہ وہ آپ سے اس کی حکمت دریافت کریں کہ آپ کیوں انہیں سنانے کا حکم دے رہے ہیں۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۹۸، مکتبۃ الطبری، ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابُ: قَوْلِ الْمُقْرِءِ لِلْقَارِءِ حَسْبُكَ

قرآن پڑھوانے والے کا قرآن پڑھنے والے سے یہ کہنا: ”تمہیں اتنا کافی ہے“

۵۰۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ نَعَمْ فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا۝﴾ (النساء: ۴۱) قَالَ حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از عبیدۃ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرے سامنے قرآن پڑھو“ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ تو میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا۝ (النساء: ۴۱) تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ تو آپ نے فرمایا: ”اب تمہیں اتنا پڑھنا کافی ہے“۔ پس میں نے آپ کی طرف مڑ کر دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۸۲ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث کی وہی تخریج ہے جو صحیح البخاری: ۵۰۴۹ کی تخریج ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جن کے متعلق گواہی دی ان کا مصداق اور آپ کے رونے کی توجیہات

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔
اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ان سب سے مراد آپ کی امت کے کفار ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس امت سے مراد کفار قریش ہیں۔
آپ کا اس آیت کو سن کر رونا اس وجہ سے تھا کہ جس کے خلاف شہادت دی جاتی ہے اس کے خلاف جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ شاہد کے قول پر مبنی ہوتا ہے اور جب کہ نبی ﷺ شاہد بھی ہیں اور تقصیر کرنے والوں کے حق میں شافع بھی ہیں، اس لیے آپ رو رہے تھے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں سے اس لیے آنسو بہہ رہے تھے کہ قیامت کی ہولناکیوں پر آپ مطلع ہیں۔
تیسرا قول یہ ہے کہ یہ خوشی کے آنسو تھے کیونکہ آپ کو اس پر خوشی تھی کہ آپ کی امت کی شہادت قبول ہوگئی اور آپ نے اپنی

امت کو جو شہادت کے قابل قرار دیا وہ مقبول ہو گیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۲۹۔۲۲۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا نسیان

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث از اعمش از عمرو بن مرۃ از ابراہیم مروی ہے جو فضائل قرآن میں وضاحت سے مذکور ہے، ہم اس کی وہاں شرح کریں گے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۴۸)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فضائل قرآن میں اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۵۰) کی شرح کرنا بھول گئے اور وہاں اس حدیث کی بالکل شرح نہیں کی اور نہ (صحیح البخاری: ۴۵۸۲) میں اس کی شرح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴)

سورۃ النساء کی آیت مذکور کو سننے سے آپ کے آنسو بہنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کی کیا توجیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمہارا اتنا پڑھنا کافی ہے'' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا تا کہ اس کی نصیحت کرنے پر اور اس آیت پر اعتبار کرنے پر تنبیہ ہو اور اسی وجہ سے آپ روئے اور آپ کے رونے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کے سامنے قیامت کی ہولناکیاں متمثل ہو گئی تھیں اور اس وقت کے حال کی سختی اس کی داعی تھی کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت فرمائیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حشر کے دن کے طول اور اس کی سختیوں سے راحت میں رکھے اور اس وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور آپ غم گین رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں کچھ خاص نہیں لکھا۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۶۹، دارالفکر، بیروت، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۴۶، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۴۱)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا رونا اس غم کی وجہ سے تھا کہ اس دن آپ کی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے اپنے گناہوں کی وجہ سے مشکل میں گرفتار ہوں گے اور چونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے آپ اپنی امت کی اس مشکل کے غم میں رو رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اس پر غور کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے رو رہے تھے، اور ہمارے آج کل کے نعت خوان اپنی نعتوں سے لوگوں کو قبر کے عذاب اور قیامت کی ہولناکیوں سے بے خوف کر رہے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۴۔ بَابٌ: فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ — کتنی مدت میں قرآن مجید پڑھ کر ختم کیا جائے

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔ (المزمل: ۲۰) — پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔

امام بخاری کا اس حدیث کے عنوان سے امام اسحاق بن راہویہ اور حنابلہ کی تعیین قراءت کے رد کی طرف اشارہ کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان علماء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں: ہر دن اور رات میں قرآن مجید کا کم سے کم چالیسواں حصہ پڑھنا چاہیے۔ یہ قول اسحاق بن راہویہ اور حنابلہ سے منقول ہے۔ امام بخاری نے اس تعلیق سے اس قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو (المزمل: ۲۰) اور یہ آیت ہر روز قرآن مجید کے چالیسویں حصہ سے کم پر مشتمل ہے اور جو شخص قرآن مجید پڑھنے کی مدت میں تحدید کا مدعی ہو اس پر بیان لازم ہے، اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میں کتنی مدت میں قرآن مجید کو ختم کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ''چالیس دن میں''، پھر آپ نے فرمایا: ''ایک مہینہ میں''۔ اور اس حدیث میں ان علماء کے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے نزدیک حنابلہ کے استدلال میں منشاء غلطی

میں کہتا ہوں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ختم کرنے کی کم سے کم مدت چالیس دن فرمائی اس وجہ سے ان علماء نے یہ سمجھا کہ ایک دن میں کم از کم قرآن مجید کا چالیسواں حصہ پڑھنا چاہیے لیکن ان کا منشا غلطی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم سے کم قرآن پڑھنے کی مدت ایک ماہ بھی بیان فرمائی ہے، سو یہ حدیث ان پر مخفی رہی اور المزمل: ۲۰ بھی ان سے مخفی رہی جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ (سعیدی غفرلہ)

امام اسحٰق بن راہویہ اور حنابلہ کے قول کے رد کی مزید وضاحت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان اور تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان علماء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر روز کم از کم قرآن مجید کا چالیسواں حصہ تلاوت کرنا چاہیے کیونکہ قرآن مجید میں قرآن مجید پڑھنے کی کسی مدت کا تعین نہیں ہے نہ کم سے کم کا نہ زیادہ سے زیادہ کا، نہ تلاوت قرآن کے لیے کسی جزء معین کا ذکر ہے اور نہ محدود کا اور نہ وقت محدود کا ذکر ہے نہ معین کا، اور تلاوت قرآن کے متعلق جو احادیث اور آثار ہیں ان میں کسی مقدار اور وقت کا تعین نہیں ہے۔ فافہم (سو اس کو غور سے سمجھ لو)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے اسی طرح اس عنوان اور تعلیق کی شرح کی ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۹)

۵۰۵۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ لِي ابْنُ شُبْرُمَةَ نَظَرْتُ كَمْ يَكْفِي الرَّجُلَ مِنَ الْقُرْآنِ فَلَمْ أَجِدْ سُورَةً أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ فَقُلْتُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقْرَأَ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ قَالَ عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ عَلْقَمَةُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ وَلَقِيتُهُ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی (بن مدینی) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے ابن شبرمہ نے کہا کہ میں نے غور کیا کہ مرد کے لیے کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے تو مجھے تین آیات سے کم کی کوئی سورت نہیں ملی تو میں نے کہا: کسی شخص کو بھی قرآن مجید کی تین آیات سے کم نہیں پڑھنی چاہیے۔ علی (بن مدینی) نے کہا: ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے خبر دی از ابراہیم از عبد الرحمٰن بن یزید، ان کو علقمہ نے خبر دی از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اور میری ان سے اس وقت ملاقات ہوئی جب وہ کعبہ

کا طواف کر رہے تھے، پس انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ جس مرد نے ایک رات میں سورۃ البقرۃ کی دو آخری آیتیں پڑھیں تو وہ اس کے لیے کافی ہیں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۸ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۰۰۸، ۵۰۰۸، ۵۰۰۹، ۵۰۴۰، صحیح مسلم: ۸۰۷، سنن ترمذی: ۲۸۸۱، سنن ابوداؤد: ۱۳۹۷، سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۱۔۲۰، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۴۱، مسند حمیدی: ۴۵۲، مصنف عبدالرزاق: ۶۰۲۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۳۳، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۱)

تہجد کی نماز میں قراءت کے متعلق علماء کے اقوال اور تہجد کی نماز کی فرضیت کے متعلق حسن بصری کے قول کا رد

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
غالباً ابن شبرمہ کی مراد یہ ہے: جو شخص تہجد کی نماز یا مطلقاً نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو وہ کم از کم قرآن مجید کی تین آیتیں پڑھنے کا ارادہ کرے اور علامہ ابن بطال نے (المزمل: ۲۰) کی تفسیر میں کہا ہے کہ کم از کم تین آیات یا اس سے زیادہ پڑھی جائیں اور کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت میں کم از کم تین آیات ہیں، اور علامہ ابن التین نے ایک جماعت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تہجد کی نماز میں کم از کم تین آیات پڑھنا مستحب ہے، اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز میں کم از کم دو آیتیں پڑھے وہ بھی (المزمل: ۲۰) کے عموم میں داخل ہے، اور حسن بصری اور محمد بن سیرین کا یہ عجیب قول ہے کہ تہجد کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ اتنے وقت میں تہجد پڑھی جائے جتنے وقت میں دودھ دوہا جاتا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۶۵۔۱۶۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، اس سے مراد علی بن المدینی ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور ابن شبرمہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے اور یہ کوفہ کے قاضی ہیں۔ امام بخاری نے ان سے صرف کتاب الادب میں بہ طور شاہد روایت کی ہے اور اس سند میں جو ان کا کلام ذکر ہے اس کے علاوہ ان کا اور بھی کلام ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے عنوان کے متعلق امام بخاری پر حافظ ابن کثیر کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے: کتنی مدت میں قرآن مجید کو پڑھ کر ختم کیا جائے اور اس کے بعد جو تعلیق ذکر کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ذکر کیا ہے کہ: ''جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو'' (المزمل: ۲۰) حالانکہ اس آیت میں اور باب کی حدیث میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور باب میں جو حدیث ذکر کی ہے دونوں میں یہ امر مشترک ہے: جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے وہ پڑھ لو۔ ہاں! ابن شبرمہ کا قول اس کے مناسب نہیں ہے جس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ابن شبرمہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شبرمہ کا پورا نام ہے: عبداللہ بن شبرمہ بن الطفیل الضبی ابوشبرمہ الکوفی القاضی فقیہ اہل الکوفہ، ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے، یہ بہت پاک باز، عاقل، بہادر اور فقیہ تھے، روایت حدیث میں ثقہ تھے، شاعر تھے، بہت بلند اخلاق اور جواد تھے اور ابوجعفر علی کی طرف سے کوفہ کی مفتوحہ زمینوں پر قابض تھے، ایک سو چوالیس (۱۴۴ھ) میں ان کی وفات ہوئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے استشہاد کیا ہے اور کتاب الادب میں ان سے ایک حدیث کی روایت کی ہے اور امام ترمذی کے سوا باقی ائمہ ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۱۔۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

اس حدیث کے عنوان میں مذکور ہے: قرآن مجید سے کتنا پڑھنا کافی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ''یعنی نماز میں''۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵)

علامہ عینی حافظ ابن حجر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے بلکہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ دن اور رات میں کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے یعنی مطلقاً قرآن میں نہ کہ نماز میں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۱)

مصنف کا حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے درمیان محاکمہ

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر علامہ عینی کا یہ اعتراض صحیح ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے ''انتقاض الاعتراض'' میں اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا اور نہ علامہ قسطلانی شافعی نے حافظ ابن حجر کی طرف سے ان کی توجیہ میں کچھ لکھا، اور امام بخاری نے اپنی تعلیق میں (المزمل: ۲۰) سے جو استدلال کیا ہے وہ بھی اس پر دلیل ہے کہ یہاں دن اور رات میں مطلقاً قرآن مجید پڑھنے پر یہ استدلال کیا ہے کہ دن اور رات میں قرآن پڑھنے کے متعلق حنابلہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دن اور رات میں قرآن مجید کا چالیسواں حصہ پڑھنا چاہیے جب کہ (المزمل: ۲۰) سے دن اور رات میں قرآن مجید پڑھنے کا عموم اور اطلاق معلوم ہوتا ہے، لہٰذا علامہ عینی کا اعتراض صحیح ہے اور حافظ ابن حجر سے اس کا جواب نہیں بن سکا۔ (سعیدی غفرلہ)

قاضی ابن شبرمہ پر علامہ زکریا انصاری شافعی کا اعتراض

علامہ ابویحییٰ زکریا الانصاری المصری الشافعی الانصاری المتوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شبرمہ نے کہا ہے کہ تین آیات سے کم قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے، اگر ان کی مراد یہ ہے کہ دن اور رات میں تین آیات سے کم قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے تو ان کا یہ کلام امام بخاری کے کلام کے مطابق نہیں ہے اور نہ اس باب کی حدیث کے ساتھ مطابقت ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ تہجد کی نماز میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کو پڑھنا کافی ہے اس لیے ان کا یہ کلام حدیث کے مطابق نہیں ہے اور امام بخاری کے عنوان کے لیے اس لیے مطابق نہیں ہے کہ امام بخاری کی مراد عموم اور اطلاق ہے کیونکہ انہوں نے اپنی تعلیق میں (المزمل: ۲۰) سے استدلال کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ جتنا قرآن پڑھنا آسان لگے پڑھ لو خواہ

وہ ایک آیت ہو، دو آیات ہوں یا تین آیات ہوں۔ باقی انہوں نے جو قیاس کیا ہے کہ قرآن مجید کی چھوٹی سورت بھی تین آیات سے کم نہیں ہے تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ نماز میں یا غیر نماز میں قرآن مجید کی کسی سورت کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔
(منحۃ الباری بشرح البخاری ج ۸ ص ۳۱۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح کی شرح

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۰۷، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔
(کشف المشکل ج ۶ ص ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی اس کی شرح میں لکھا ہے کہ تہجد میں ایک آیت کا پڑھنا بھی کافی ہے۔
(الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۴۶، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
سفیان بن عیینہ نے اس حدیث میں ابن شبرمہ کا قول ان کا رد کرنے کے لیے لکھا ہے۔
(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۱۴، دار احیاء التراث العربی)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی اس کی شرح میں تین آیات کی تعیین کا رد کیا ہے۔
(تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۹، مکتبۃ رشیدیہ)

شیخ محمد صالح العثیمین (النجدی) المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے امام بخاری کا استدلال واضح ہے کیونکہ انسان کے لیے دو یا تین آیتیں پڑھنا جائز ہے بلکہ ایک آیت طویلہ بھی پڑھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے رات میں آیۃ الکرسی پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا''۔ اور امام بخاری نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے رات میں سورۂ بقرہ کی دو آیتیں پڑھیں تو وہ اس کے لیے کافی ہیں، ہمارا یہ استدلال امام بخاری کے اس استدلال سے زیادہ واضح ہے کیونکہ ابن شبرمہ کی طرف سے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ نماز میں تین آیتوں سے کم پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے، کیونکہ یہاں پر مطلقاً قرآن پڑھنے کے متعلق بحث ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۹، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عبد اللہ بن باز نے لکھا ہے: اگر نماز میں ایک آیت بھی پڑھ لی تو وہ کافی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے عموم مراد ہے۔
(شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۹)

نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے فرض نہ ہونے پر فقہاء احناف کی طرف سے مصنف کی دلیل

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور دیگر شراح بخاری نے تاکید سے کہا ہے کہ (المزمل: ۲۰) کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت کی تحدید مراد نہیں ہے بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ نماز میں قرآن مجید کو عموم اور اطلاق سے پڑھنا مراد ہے اور کوئی تحدید اور تقیید مراد نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵)

پھر پتا نہیں کیوں یہ شافعی، مالکی اور حنبلی علماء بھول جاتے ہیں کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کی تعیین اور اس کا پڑھنا فرض نہیں ہے جب

کہ قرآن مجید کی (المزمل: ۲۰) سے امام بخاری سمیت تمام شافعی علماء اور عثیمین اور عبداللہ بن باز حنبلی علماء بھی یہ تصریح کر رہے ہیں کہ (المزمل: ۲۰) سے عموم اور اطلاق مراد ہے تو پھر نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی تعیین اور اس کو فرض کہنا کس طرح درست ہوگا، فیاللعجب۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۵۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَنْكَحَنِي أَبِي امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ فَكَانَ يَتَعَاهَدُ كَنَّتَهُ فَيَسْأَلُهَا عَنْ بَعْلِهَا فَتَقُولُ نِعْمَ الرَّجُلُ مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَطَأْ لَنَا فِرَاشًا وَلَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا مُنْذُ أَتَيْنَاهُ فَلَمَّا طَالَ ذَلِكَ عَلَيْهِ ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْقَنِي بِهِ فَلَقِيتُهُ بَعْدُ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ وَكَيْفَ تَخْتِمُ قَالَ كُلَّ لَيْلَةٍ قَالَ صُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةً وَاقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قَالَ قُلْتُ أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْجُمُعَةِ قُلْتُ أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ أَفْطِرْ يَوْمَيْنِ وَصُمْ يَوْمًا قَالَ قُلْتُ أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَإِفْطَارَ يَوْمٍ وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً فَلَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَذَاكَ أَنِّي كَبِرْتُ وَضَعُفْتُ فَكَانَ يَقْرَأُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ السُّبْعَ مِنَ الْقُرْآنِ بِالنَّهَارِ وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ يَعْرِضُهُ مِنَ النَّهَارِ لِيَكُونَ أَخَفَّ عَلَيْهِ بِاللَّيْلِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَقَوَّى أَفْطَرَ أَيَّامًا وَأَحْصَى وَصَامَ مِثْلَهُنَّ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتْرُكَ شَيْئًا فَارَقَ النَّبِيَّ ﷺ عَلَيْهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فِي ثَلَاثٍ وَفِي خَمْسٍ وَأَكْثَرُهُمْ عَلَى سَبْعٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از مغیرہ از مجاہد از حضرت عبداللہ بن عمرو، انہوں نے کہا: میرے والد نے میرا نکاح ایک معزز خاندان کی عورت سے کر دیا اور وہ اپنی بہو سے ہمیشہ اس کے حالات معلوم کرتے تھے اور بار بار اس کے شوہر (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو) کے متعلق پوچھتے رہتے تھے، میری بیوی بتاتی کہ وہ بہت عمدہ مرد ہیں، البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں اس مدت میں انہوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا اور نہ اس مدت میں کبھی میرے کپڑے کو کھولا، جب اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا تو انہوں نے (یعنی حضرت عمرو بن العاص نے) نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''میری اس سے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو سے) ملاقات کراؤ''، لہٰذا میں اس کے بعد آپ سے ملا تو آپ نے پوچھا: ''تم کس طرح روزے رکھتے ہو؟'' تو انہوں نے بتایا: ہر روز بروزہ رکھتا ہوں، آپ نے پوچھا: ''اور تم قرآن مجید کتنے دنوں میں ختم کرتے ہو؟'' تو انہوں نے بتایا: ہر رات میں (ایک قرآن ختم کرتا ہوں)، تب آپ نے فرمایا: ''ہر مہینہ میں تین روزے رکھو اور قرآن مجید کو پورے مہینے میں ختم کرو''۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم ہر جمعہ (یعنی ہر ہفتہ میں) تین روزے رکھو''، میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''دو دن روزے نہ رکھو ایک دن روزہ رکھو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''پھر تم سب سے افضل روزہ رکھو اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو یعنی روزہ نہ رکھو، اور ہر سات دنوں میں ایک مرتبہ قرآن مجید کو ختم کرو''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہما نے کہا: کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی رخصت کو قبول کر لیتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کمزور ہو گیا ہوں۔ راوی نے بتایا: حضرت عبد اللہ بن عمرو دن میں اپنے گھر کے کسی فرد کو قرآن مجید کا ساتواں حصہ سنا دیا کرتے تھے اور جتنا قرآن وہ دن میں سناتے رات کو وہ اتنا نماز میں پڑھ لیتے تھے تاکہ ان کو آسانی رہے اور جب وہ (کمزوری کی وجہ سے) قوت حاصل کرنا چاہتے تو کئی کئی دن روزہ نہ رکھتے، پھر ان دنوں کو شمار کرتے اور اتنے دن مسلسل روزے رکھتے، وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اس عمل کو ترک کریں جس عمل کے ساتھ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تھی۔ امام ابو عبد اللہ بخاری فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے تین دن میں ختم قرآن کا ذکر کیا ہے اور بعض نے پانچ دن میں ختم قرآن کا ذکر کیا ہے اور اکثر نے سات دن میں ختم قرآن کا ذکر کیا ہے۔ (جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱۱۳۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۲۰ ۳۴، ۵۰۵۳، ۵۰۵۴، ۶۲۷۷، (یہ چند احادیث کا ذکر ہے ورنہ امام بخاری نے اس حدیث کی اٹھارہ جگہ روایت کی ہے) صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن ترمذی: ۷۷۰، سنن نسائی: ۱۶۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۶۹۶، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۸۷، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۰۵، صحیح ابن حبان: ۳۶۴۰، مسند احمد: ۶۴۹۱، ۶۵۰۶، ۶۵۱۶ (مسند احمد میں اس کی چالیس (۴۰) جگہ روایت ہے) اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۸، رقم الحدیث: ۶۴۷۷)

ختم قرآن کی مدت کے متعلق احادیث، آثار اور اقوال تابعین

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت سے سات دن میں قرآن مجید ختم کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ اچھا ہے اور اگر میں بیس دن میں قرآن مجید ختم کروں یا دس دن میں تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں قرآن مجید کو سات دنوں میں ختم کروں۔ (فضائل قرآن: ۱۵۸)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو آٹھ دن میں ختم کرتے تھے اور اسود چھ دنوں میں قرآن مجید کو ختم کرتے تھے اور علقمہ پانچ دنوں میں قرآن مجید کو ختم کرتے تھے۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۷۸۔۱۷۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہیں کرتے تھے۔ (فضائل القرآن ص ۱۷۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا"۔ (سنن ابو داؤد، ۱۳۹۰، ۱۳۹۴، سنن ترمذی: ۲۹۴۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۴، ۱۶۵،

۱۸۹، ۱۹۵، صحیح ابن حبان: ۷۵۸۔ شیخ احمد شاکر نے اپنی تعلیق میں لکھا ہے کہ مسند احمد کی احادیث کی سندیں صحیح ہیں)

ایک دن میں پورا قرآن ختم کرنے کی روایات اور اس کا مکروہ ہونا

ایک جماعت پورا قرآن رات میں یا ایک رکعت میں پڑھ لیتی تھی، یہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما اور تابعین میں علقمہ اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ وہ ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے اور ثابت البنانی رمضان کے مہینہ میں ایک دن اور رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے اور سلیم ایک رات میں تین مرتبہ قرآن مجید کو ختم کر لیتے تھے۔ یہ روایات امام ابو عبید نے ذکر کیں اور انہوں نے کہا: میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ قرآن مجید کو تین دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے اس کا مکروہ ہونا منقول ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۶۷۔ ۱۶۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مبہم جملوں کے معانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: کَنَّتَہٗ اس کا معنی ہے: اس کی بہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: انہوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم نہیں رکھا اور نہ اس مدت میں کبھی میرے کپڑے کو کھولا: ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے ابھی تک ان سے جماع نہیں کیا۔

جب اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا تو حضرت عبد اللہ کے والد حضرت عمرو بن العاص نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا: یعنی پہلے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انتظار کرتے رہے کہ شاید ان کا بیٹا یعنی حضرت عبد اللہ تلافی کر لے اور جب انہوں نے تدارک نہیں کیا تو حضرت عمرو بن العاص کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ان کی بہو کے حقوق ضائع نہ ہو جائیں، تب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیٹے کی شکایت کی۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کی مجھ سے ملاقات کراؤ''، ہشیم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا، پھر بعد میں ان کی اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا: تم کس طرح روزے رکھتے ہو تو انہوں نے بتایا: میں ہر دن روزہ رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم ایک جمعہ (یعنی ہفتہ میں) تین دن روزے رکھو''، انہوں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''ایک دن روزہ رکھو اور دو دن روزہ نہ رکھو''۔

اس کی شرح کتاب الصوم میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

قرآن مجید کو ختم کرنے کی مدت کے متعلق مختلف روایات اور ان میں مختار قول

امام دارمی نے اپنی مسند میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں کتنے دنوں میں قرآن مجید کو ختم کروں تو آپ نے فرمایا: ''تم ایک مہینہ میں قرآن مجید کو ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم پچیس (۲۵) دن میں قرآن مجید ختم کرو'' میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: بیس (۲۰) دنوں میں قرآن مجید ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''پھر پندرہ (۱۵) دنوں میں ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''پانچ (۵) دن میں ختم کرو''

میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ایک مہینے میں قرآن ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم دس (۱۰) دن میں قرآن مجید کو پڑھو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم ہر تین دن میں قرآن مجید کو ختم کرو''۔

اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو پڑھا تو اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا''۔

امام سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید کو سات دن میں پڑھو اور تین دن سے کم میں نہ پڑھو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو تین دن سے کم میں ختم نہیں کرتے تھے۔

یہ امام احمد، امام ابوعبید اور اسحاق بن راہویہ اور دوسروں کا مختار ہے اور یہ کثرت سلف سے منقول ہے کہ وہ تین دن سے کم میں بھی قرآن مجید کو ختم کرتے تھے۔ علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ یہ مدت مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہوتی ہے، پس جو اہل فہم سے ہوں اور ان کی فکر دقیق ہو، تو ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اتنی کم مدت میں قرآن کریم کو ختم کر لیں جس سے فکر، تدبر اور استخراج معانی میں نہ خلل ہو اور جو لوگ تعلیم اور تدریس اور دیگر دین کے اہم کاموں میں اور عام کاموں کی مصلحتوں میں مصروف رہتے ہیں ان کے لیے بھی کم مدت میں قرآن مجید کو ختم کرنا جائز ہے اور جو لوگ اس طرح نہ ہوں ان کے لیے زیادہ مدت میں قرآن مجید کو ختم کرنا اولیٰ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر علامہ بدرالدین عینی حنفی کا اعتراض اور علامہ ابن حجر کا جواب اور مصنف کا محاکمہ

ابن شبرمہ نے ابن عیینہ سے پوچھا مرد کے لیے کتنی قراءت کافی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا: یعنی نماز میں۔

علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے: بلکہ ابن شبرمہ کی مراد یہ ہے کہ مرد کے لیے دن اور رات میں کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے، انہوں نے مطلقاً قراءت کے مطابق سوال کیا ہے نہ کہ نماز میں قراءت کے متعلق۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کا جواب لکھا ہے کہ ابن شبرمہ نے نماز میں قرآن پڑھنے کی مقدار کے متعلق سوال کیا تھا کیونکہ اسی مقدار کی تحدید کی ضرورت تھی۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۸۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کا جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ مرد کو دن اور رات میں کتنا قرآن مجید پڑھنا چاہیے نہ کہ نماز میں قراءت کی مقدار کے متعلق ان کا سوال ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کی باقی شرح بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

ختم قرآن کی مدت کے متعلق بعض اصحاب ظواہر کے قول کا رد اور اس مسئلہ میں مختار قول

بعض اصحاب الظواہر کا یہ غریب قول ہے کہ تین دن سے کم مدت میں قرآن مجید کو ختم کرنا حرام ہے اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا مختار یہ ہے کہ قرآن مجید کو ختم کرنے کی کوئی مدت معین نہیں ہے۔ یہ انسان کی اپنی قوت اور اس کی تر و تازگی پر موقوف ہے، اس لیے یہ مدت اختلاف احوال اور اشخاص سے مختلف ہوتی ہے۔

تنبیہ: اس باب کی احادیث میں قرآن مجید کو پڑھنے اور اس کو ختم کرنے سے مراد ہے: پورا قرآن پڑھنا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ یہ قصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کافی پہلے کا ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کی بہت آیتیں نازل ہوئیں کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ہم

اس کو مانتے ہیں لیکن اعتبار اس کا ہے کہ حدیث میں مطلقاً قرآن پڑھنے کا ذکر ہے، پس مراد یہ ہے کہ اس وقت جتنا قرآن نازل ہوا تھا حدیث میں اس کے پڑھنے کی مدت کا ذکر ہے اور اس وقت اکثر قرآن نازل ہو چکا تھا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۸۔۲۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۵۳۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي كَمْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از محمد بن عبدالرحمٰن از ابو سلمہ از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم کتنی مدت میں قرآن مجید پڑھتے ہو؟''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۰۵۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى بَنِي زُهْرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ وَأَحْسِبُنِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَا مِنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً حَتَّى قَالَ فَاقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ وَلَا تَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے خبر دی از شیبان از یحییٰ از محمد بن عبدالرحمٰن جو زہرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں از ابی سلمہ، انہوں نے کہا: یحییٰ نے بتایا اور میرا یہ گمان ہے کہ میں نے یہ حدیث ابو سلمہ سے سنی ہے از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو ایک مہینہ میں ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت پاتا ہوں حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: ''سات دنوں میں قرآن مجید ختم کرو اور اس سے زیادہ میں ختم نہ کرو''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

دیگر شراح کی شروح

علامہ احمد القسطلانی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زکریا الانصاری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ نے فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۳۔۳۷۱، منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۱۸۔۳۱۷)

علامہ محمد الفضیل الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کی ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن میں کم از کم قرآن مجید کی دو آیتیں پڑھنی چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ مدت یہ ہے کہ قرآن مجید کو پانچ دن میں یا سات دن میں یا تین دن میں ختم کیا جائے۔

اور علامہ نووی نے یہ کہا ہے کہ اکثر علماء کا مختار یہ ہے کہ قرآن مجید کو پڑھ کر ختم کرنے کی کوئی مدت معین نہیں ہے اور یہ مدت اختلاف اشخاص اور احوال سے مختلف ہوتی ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۸۶)

بعض صالحین کا مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن کریم ختم کر لینا ان کی کرامت ہے

اور بعض عابدین دن اور رات میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیتے تھے اور بعض تین مرتبہ ختم کر لیتے تھے اور بعض پندرہ مرتبہ ختم کر لیتے تھے اور سیدی عمرو سے مروی ہے (جو بہت بڑے ولی اللہ تھے اور فقیہ اور زاہد تھے اور نوسو پینتالیس (۹۴۵) ہجری میں فوت ہوئے تھے) وہ مغرب اور عشاء کے درمیان ایک قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے اور یہ اس پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کے لیے زمانہ کو لپیٹ دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ کرامت عطا فرماتا ہے۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۴۹۔۳۴۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ: حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن مجید کو پڑھ کر ختم کر لینا بھی اسی طرح کی کرامت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں وہی لکھا ہے جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۰۲۔۴۰۰، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۵۔ بَابٌ: اَلْبُكَاءِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ — قرآن مجید پڑھتے وقت رونا

قرآن مجید پڑھتے وقت رونے کے متعلق آیات اور رونا نہ آئے تو رونے کا طریقہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: قرآن مجید پڑھتے وقت رونا عارفین کی صفت ہے اور صالحین کا شعار ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (مریم:۵۸)	جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے گر پڑتے ہیں O
وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل:۱۰۹)	اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع اور خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے O

اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ امام غزالی نے کہا ہے: قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے اور رونے کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں جو تہدید ہے اور عذاب کی وعید شدید ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہود ہیں ان میں غور کرے، پھر اپنی تقصیرات کے متعلق سوچے تو اس کو رونا آئے گا اور اگر اس پر یہ کیفیت حاضر نہ ہو تو پھر وہ غم گین ہو کہ وہ کیسی مصیبت میں مبتلاء ہے اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ قرآن پڑھتے وقت رونا عارفین کی صفت ہے اور صالحین کا شعار ہے، پھر یہی دو آیتیں لکھی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۵۵۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَحْيَى بَعْضُ الْحَدِيثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ (ح) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ	امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی از سفیان از سلیمان از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یحییٰ نے کہا: بعض حدیث عمرو بن مرہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ الْأَعْمَشُ وَبَعْضُ الْحَدِيثِ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَعَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قَالَ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي قَالَ فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ۴۱) قَالَ لِي كُفَّ أَوْ أَمْسِكْ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ۔

مجھ سے فرمایا (ح) اور ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از سفیان از الاعمش از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، الاعمش نے کہا: بعض حدیث مجھے عمرو بن مرۃ نے بیان کی ہے از ابراہیم اور از والد خود از ابی الضحیٰ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے سامنے قرآن مجید پڑھو"، میں نے عرض کیا: میں آپ کے سامنے پڑھوں حالانکہ آپ پر خود قرآن مجید نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "میری خواہش ہے کہ میں اپنے غیر سے قرآن کریم سنوں"۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: پھر میں نے آپ کے سامنے سورۃ النسآء پڑھی حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النسآء: ۴۱) تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O آپ نے مجھ سے فرمایا: "رک جایا ٹھہر جاؤ" پس میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۵۸۲، ۵۰۴۹، ۵۰۵۰، ۵۰۵۶، صحیح مسلم: ۸۰۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۸، سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۴، اس حدیث کی بقیہ تخریج صحیح البخاری: ۵۰۴۹ کی شرح میں کردی گئی ہے)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۸۲ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

النسآء: ۴۱ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے اور رونے کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت رونا مستحسن ہے، خود شارع علیہ السلام اور بڑے بڑے صحابہ قرآن پڑھتے وقت روئے اور شارع علیہ السلام خصوصاً اس آیت کو پڑھتے وقت اس لیے روئے کہ آپ کے ذہن مبارک میں قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور اس دن کی شدتیں مستحضر ہوگئیں جس کا تقاضا تھا کہ آپ اپنی امت کے ایمان اور ان کی شہادت کی تصدیق کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کرنے کا سوال کریں تاکہ وہ حشر کے دن کے طول اور اس دن کی ہولناکیوں سے راحت پائیں اور یہ ایسی چیز ہے جس کے سبب بہت زیادہ گریہ اور غم ہوتا ہے۔

امام ابوعبید نے مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے از والد خود روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ کے رونے کی وجہ سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی ابل رہی ہو۔

سلف صالحین کا قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے رونا

اور اعمش سے از ابی صالح روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اہل یمن آئے اور انہوں نے قرآن سنا تو وہ رونے لگے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم بھی ایسے تھے، پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔

اور حسن بصری نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ۝ (الطور: ۸-۷)

بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو گا O اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے O

پھر اس کے خوف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس دن بیمار رہے۔

اور عبید بن عمیر نے کہا کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی، پس اس میں سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو جب وہ اس آیت پر پہنچے:

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ (یوسف: ۸۴)

اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے O

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے، پھر قراءت منقطع کر کے رکوع کر لیا اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ۔ (یوسف: ۸۶)

میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

تو حضرت عمر روئے حتیٰ کہ ان کے رونے کی آواز پچھلی صفوں سے بھی سنی گئی۔

اور عبد اللہ بن مبارک نے عبد الاعلیٰ التیمی سے روایت کی ہے کہ جس شخص کو علم دیا گیا اور وہ قرآن پڑھ کر نہ روئے تو اس کا علم، علم نافع نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۷)

بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں O

اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے سورۂ مریم پڑھی، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝ (مریم: ۵۸)

جب وہ سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے گر پڑتے ہیں O

پس انہوں نے اس آیت پر سجدہ کیا تو جب انہوں نے سر اٹھایا تو کہا: یہ سجدہ تو ہو گیا رونا کہاں ہے؟

(فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۴۰-۱۳۵)

قرآن مجید سن کر بے ہوش ہو جانے کے متعلق سلف صالحین کا تبصرہ

سلف صالحین قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہونے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ ابو حازم سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عراق کے ایک مرد کے پاس سے گزرے جو بے ہوش پڑا ہوا تھا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ انہوں نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے یا یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم ضرور اللہ سے ڈرتے ہیں اور ہم نہیں گرتے، اور عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی سلف صالحین میں قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتا تھا؟ تو انہوں نے کہا: نہیں لیکن وہ روتے تھے۔

اور ہشام بن عصام بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ایک شخص قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قرآن مجید اس سے زیادہ مکرم ہے کہ وہ لوگوں کی عقلوں کو زائل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ (الزمر: ۲۳)

اس (قرآن) سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔

(فضائل القرآن لابی عبید ص ۲۱۵۔ ۲۱۴) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ص ۱۷۱۔ ۱۶۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اس اشکال کا جواب کہ آپ نے اپنی امت کے جن لوگوں کو نہیں دیکھا آپ ان کے متعلق کیسے گواہی دیں گے؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محمد بن فضالہ الظفری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو ظفر کے کچھ لوگ آئے اور ان کے پاس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کے اصحاب تھے تو آپ نے کسی قاری کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا اور جب وہ اس آیت پر پہنچا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۴۱)

تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ۝

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے حتیٰ کہ آپ کے دونوں رخساروں پر آنسو گر گئے اور آپ نے کہا: ''اے میرے رب! یہ تو اس وقت کی بات ہے جب میں ان کے درمیان ہوں تو اس وقت کیا حال ہوگا جب میں ان کو نہیں دیکھوں گا''۔

اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح اور شام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت پیش کی جاتی ہے اور آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں، اسی لیے آپ ان کے متعلق گواہی دیں گے۔

محمد بن فضالہ کی روایت سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے رب! یہ تو اس وقت کی بات ہے جب میں ان کے درمیان میں ہوں تو اس وقت کیا حال ہوگا جب میں ان کو نہیں دیکھوں گا''۔

اس پر یہ اشکال تھا کہ جب آپ نے بعد والوں کو نہیں دیکھا تو آپ ان کے متعلق کیسے گواہی دیں گے؟ اور ابن مسیب کی اس مرسل روایت سے یہ اشکال اٹھ جاتا ہے کہ ہر روز صبح اور شام آپ کے سامنے آپ کی امت کو پیش کیا جاتا ہے اور آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔

النساء: ۴۱ سن کر آپ کے رونے کی توجیہ علامہ ابن بطال سے اور پھر حافظ ابن حجر سے

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کے وقت اس لیے روئے کہ آپ کے لیے قیامت کی ہولناکیاں اور اس دن کی شدتیں متمثل کر دی گئیں جو اس بات کی محرک تھیں کہ آپ اپنی امت کی شہادت کی تصدیق کریں اور اہل محشر کی شفاعت کا سوال کریں اور اس وجہ سے آپ زیادہ دیر تک روئے۔ ابن بطال کا کلام ختم ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جو زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنی امت پر رحمت کی وجہ سے روئے کیونکہ آپ کو معلوم

تھا کہ آپ ضرور اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے اور آپ کو یہ معلوم تھا کہ آپ کی امت کے بعض لوگوں کے اعمال درست نہیں ہوں گے جن کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوں گے، اس لیے آپ ان کے غم میں روئے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابن المبارک کی روایت سے علامہ عینی اور علامہ قسطلانی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر استدلال، اور شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا اس روایت کو ذکر نہ کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محمد بن فضالہ کی حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے: اے میرے رب! جو میرے سامنے موجود ہیں ان کی تو میں شہادت دوں گا اور جن کو میں نے نہیں دیکھا تو ان کی شہادت کیسے دوں گا؟ اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں جو روایت کی ہے اس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کیونکہ ابن المسیب نے بیان کیا: ہر روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت کو صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور آپ ان کی پیشانیوں کو اور ان کے اعمال کو پہچانتے ہیں، اسی وجہ سے آپ ان کے متعلق گواہی دیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن المبارک نے کتاب الزہد کے حوالہ سے سعید بن المسیب کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے: چونکہ آپ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اس لیے آپ ان کے متعلق گواہی دیں گے اور ''فتوح الغیب'' میں زمخشری سے منقول ہے کہ آپ کے یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو تمام امتوں پر گواہ بنایا۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: دراصل اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے پیش کیا ہے اور باقی شراح نے ان کی پیروی کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی باقی شرح تو نقل کی ہے لیکن امام ابن المبارک کی جس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے اعمال کا علم تھا کیونکہ ہر روز صبح و شام ان کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں، اس وجہ سے آپ اپنی امت کی گواہی دیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کو دیوبندی شیخ نے نہیں لکھا، دیکھیے:

(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۲۰۔۱۱۹)

شیخ عثیمین کا قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ''صدق اللہ العظیم'' کو بدعت قرار دینا

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے النساء: ۴۱ پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''رک جاؤ'' یا فرمایا: ''بس کرو''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۵۵)

اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے قراءت ختم کر کے صدق اللہ مولانا العظیم پڑھا۔ اس کے برخلاف اس زمانہ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے قراء نے یہ ایجاد کر لیا ہے کہ وہ قراءت کو ختم کر کے کہتے ہیں: ''صدق اللہ مولانا العظیم'' اس پڑھنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کہنا بدعت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کیا تم العیاذ باللہ، اللہ کو صادق نہیں مانتے حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ۔ (آل عمران:۹۵) آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا۔

اور تم صدق اللہ نہیں کہتے تو میں کہوں گا: اس آیت کا یہ منشا نہیں ہے کہ جب بھی تم قراءت ختم کرو تو صدق اللہ کہو کیونکہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے جس طرح عام لوگ سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اللہ کے کلام کو صدق اللہ پڑھ کر کیوں ختم نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام صادق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قراءت ختم کرنے کے بعد صدق اللہ پڑھنا کسی حدیث یا اثر سے ثابت نہیں ہے اور کسی چیز کے عبادت نہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم کہو: اس کا حدیث اور اثر میں ثبوت نہیں ہے کیونکہ عبادت میں اصل ممانعت ہے اور صدق اللہ کہنا عبادات میں سے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ثناء ہے اور بغیر کسی خصوصی ثبوت کے عبادت جائز نہیں ہے۔

پھر کسی آیت میں خبر کے بعد تو صدق اللہ کا ایک محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خبر صادق ہے لیکن کبھی قراءت امر یا نہی پر بھی ختم ہوتی ہے اور وہاں خبر نہیں ہوتی تو وہاں صدق اللہ پڑھنے کا کیا موقع ہے۔ یہاں تو سَمْعًا اور طَاعَةً کہنا مناسب ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ قراءت کے بعد سمعًا وَ طَاعَةً کہنے کے متعلق کون سی حدیث یا اثر ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے سورۃ النجم پڑھی اور انہوں اس میں سجدہ نہیں کیا اور نہ اس کے آخر میں صدق اللہ العظیم پڑھا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی تلاوت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی لیکن فقہاء نے کہا ہے کہ یہ مستحب ہے اور انہوں نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ ہر عبادت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا مستحب ہے لیکن میرا دل اس سے مطمئن نہیں ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۴۰۴۔۴۰۳، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تعاقب اور یہ تحقیق کہ جس فرض کی تحدید اور تعیین ہو اس میں اضافہ جائز نہیں اور نوافل میں اضافہ جائز ہے

میں کہتا ہوں کہ: جس عبادت کی شارع علیہ السلام نے تعیین اور تحدید کر دی ہے اس میں کوئی اضافہ کرنا بدعت ہے اور مذموم ہے اور اس سے منع کیا جائے گا لیکن جس عبادت کی شارع علیہ السلام نے کوئی تحدید اور تعیین نہیں کی ہے اس میں اضافہ کرنا جائز ہے اور اطلاقات شرعیہ میں داخل ہے مثلاً صبح کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعات کی شارع علیہ السلام نے تعیین اور تحدید کی ہے۔ اب اگر کوئی صبح کی نماز میں تین رکعت پڑھے یا ظہر کے فرض میں پانچ رکعت پڑھے تو یہ بدعت سیئہ ہے اور اس سے منع کیا جائے گا لیکن نوافل کی رکعات میں شارع علیہ السلام کی کوئی تعیین اور تحدید نہیں ہے تو نوافل خواہ دو رکعت، چار رکعت یا چھ رکعت پڑھے جائیں، یہ ہر طرح جائز ہے اور بدعت نہیں ہیں۔ اسی طرح تراویح کی رکعات ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنف ابن ابی شیبہ کی ضعیف روایت کے مطابق بیس رکعت تراویح پڑھی ہیں اور تین وتر پڑھے، اور مکہ مکرمہ میں معمول ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد نمازی طواف کرتے ہیں اور پھر دو رکعت نماز طواف کے بعد پڑھتے ہیں اور مدینہ منورہ میں چونکہ طواف نہیں ہوتا اس لیے وہاں طواف کے قائم مقام دو رکعت پڑھتے ہیں، پھر دو رکعت طواف کے بعد پڑھتے ہیں، اس طرح وہ ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت پڑھتے ہیں، سو بیس (۲۰) رکعت تراویح اور سولہ رکعات اس پر زائد پڑھتے ہیں اور ان کی تراویح کی رکعات چھتیس رکعات ہیں، اور تین وتر ملا کر انتالیس رکعات ہیں، اور بعض ائمہ پانچ رکعت وتر پڑھتے ہیں اور کل اکتالیس رکعات پڑھتے ہیں۔

نوافل میں اضافہ کے جواز پر تراویح کی رکعات میں متعدد حوالوں سے مصنف کا استدلال

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۷۹ھ قیام رمضان کی حدیث: ۸۰٦ کے تحت تراویح کی رکعات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:
قیام رمضان (تراویح) کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کا اجتہاد یہ ہے کہ بہ شمول وتر اکتالیس رکعات پڑھی جائیں اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے نزدیک مدینہ میں اس پر عمل ہے۔
اکثر اہل علم کے نزدیک رکعات تراویح کی تعداد وہ ہے جو حضرت عمر اور حضرت علی اور دیگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مروی ہے یعنی بیس (۲۰) رکعات، اور یہ ثوری، ابن المبارک اور شافعی کا قول ہے (امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور امام شافعی نے کہا: ہم نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے پایا، اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔
اور امام اسحاق نے کہا: بلکہ ہم اکتالیس رکعات کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
اور ابن المبارک اور امام احمد اور اسحاق کا مختار یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں امام کے ساتھ تراویح پڑھی جائے۔ (اور امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن امام ترمذی نے ان کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہ)
اور امام شافعی کا مختار یہ ہے کہ جب کوئی مرد قاری ہو تو وہ تنہا نماز پڑھے۔ (سنن ترمذی ص ۳۵۳۔۳۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

تراویح کی رکعات کے عدد کے متعین نہ ہونے کے متعلق فقہاء مذاہب اربعہ کی تصریحات

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر المالکی الاندلسی المتوفی ۴٦۳ھ لکھتے ہیں:
ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ تراویح کی انتالیس رکعات ہیں بہ شمول وتر۔
(الاستذکار ج ۵ ص ۱۵۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی الاندلسی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:
رمضان کی نماز یا دیگر نمازوں کے لیے کسی عدد کی تعیین نہیں ہے، عدد کی تعیین صرف فرائض کے لیے ہوتی ہے اور بعض مسلمان انتالیس رکعات بہ شمول وتر پڑھتے ہیں۔ (القبس فی شرح موطا ابن انس ج ۱ ص ۲٦۷، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ)
علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ٦۲۰ھ لکھتے ہیں:
امام مالک نے کہا کہ تراویح کی چھتیس رکعات ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ اہل مدینہ کا قدیم عمل ہے، (الی قولہ) اہل مدینہ نے چھتیس رکعات اس لیے پڑھیں کیونکہ وہ اہل مکہ کے ساتھ مساوات کا ارادہ رکھتے تھے اور اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان طواف کے سات (۷) چکر لگاتے ہیں تو اہل مدینہ نے طواف کے سات چکروں کے قائم مقام چار رکعات پڑھیں، یوں تراویح کی چھتیس (۳٦) رکعات ہو گئیں۔ (المغنی ج ۲ ص ۳٦۷۔۳٦٦ ملخصاً، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)
نیز علامہ شمس الدین عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦۸۳ھ لکھتے ہیں:
تراویح کی تعداد رکعات بیس ہیں، ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام مالک نے کہا کہ چھتیس رکعات ہیں کیونکہ صالح نے کہا: میں نے دیکھا کہ لوگ مدینہ میں اکتالیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں بہ شمول پانچ رکعات وتر۔
(المغنی ج ۲ ص ۳۰۳۔۳۰۲، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

السائب کی روایت ہے کہ لوگ رمضان میں تیئس (۲۳) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ (۱۱) رکعات تراویح پڑھوائیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات تراویح پڑھی تھیں، پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں اضافہ کر کے تیئس (۲۳) رکعات بہ شمول وتر پڑھوائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر رکعت میں سو آیات پڑھواتے تھے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی معمول رہا، پھر لوگوں پر قیام دشوار ہوا تو انہوں نے قراءت میں تخفیف کی اور رکعات کی تعداد میں اضافہ کر دیا تو وہ انتالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے جن میں تین رکعات وتر کی تھیں، پھر یہی معمول برقرار رہا اور اسی پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا اور یہی امام مالک کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تراویح کی احادیث میں تناقض اور اختلاف ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف زمانہ کے اختلاف سے ہوا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۵۵۹۔۵۵۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن نصر نے داؤد بن قیس سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگوں کا یہ معمول پایا کہ وہ چھتیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک یہی امر قدیم ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مشہور مذہب چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر ہے اور اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک چھتیس رکعت تراویح مستحب ہے، وہ اہل مکہ کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں جو ہر دو ترویحوں کے درمیان طواف کرتے ہیں اور دو رکعت طواف پڑھتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۳۸۱، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المصری الازہری المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن نصر نے محمد بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگوں کا یہ معمول دیکھا کہ وہ چھتیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور امام مالک نے کہا: اور ہمارے نزدیک یہی امر قدیم ہے۔ (شرح الزرقانی علی موطا امام مالک ج ۱ ص ۳۶۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ: ان کثیر مستند حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ فرائض میں تحدید اور تعیین ہوتی ہے اور ان میں کمی اور بیشی جائز نہیں ہے اور نوافل میں توسیع ہے، ان میں کمی اور بیشی جائز ہے اور قرآن مجید پڑھنے کے آخر میں صدق اللہ العظیم بہ طور نفل اور استحباب پڑھا جاتا ہے، لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے کسی حدیث کا وارد ہونا ضروری نہیں ہے اور شیخ عثیمین کا اس کو بدعت قرار دینا قطعاً باطل ہے اور ان تمام تصریحات کے خلاف ہے۔

صحیح اور صریح حدیث سے اس پر استدلال کہ نفلی عبادت کا اپنے اجتہاد سے وقت معین کرنا جائز اور مستحب ہے اور شرعاً مطلوب ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نماز فجر کے وقت فرمایا: اے بلال! مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام میں تمہارا وہ کون سا عمل ہے جس کو تم نے کیا اور تمہیں اس کے اجر کی سب سے زیادہ توقع ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہاری جوتیوں کی کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کے اجر کی مجھے بہت زیادہ توقع ہو سوا اس کے کہ میں جب بھی دن یا رات میں وضو کرتا ہوں تو میں اس وضو کے ساتھ اس نماز کو پڑھ لیتا ہوں جس کا پڑھنا میرے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری:۱۱۴۹، صحیح مسلم:۲۴۵۸، مسند احمد:۹۶۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی:۸۲۳۶، الجمع بین الصحیحین للحمیدی:۲۴۸۷، المستدرک ج ۱ ص ۳۱۳)

تلاوت قرآن کے بعد صدق اللہ العظیم پڑھنے اور دیگر معمولات اہل سنت کا جواز اور استحباب

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت ہے تا کہ وضو اپنے مقصود سے خالی نہ رہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ عمل اس لیے کرتے تھے کہ ان کو معلوم تھا کہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل نماز پڑھنا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۱۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو چیز زیادہ ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے جو ان کے اس عمل کے متعلق دریافت کیا تھا جس کے اجر کی ان کو سب سے زیادہ توقع ہے اس سے مراد نفلی اعمال ہیں ورنہ فرائض سب سے زیادہ افضل عمل ہیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کا وقت اپنے اجتہاد سے معین کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے استنباط اور اجتہاد سے وضو کے بعد نماز پڑھنے کا وقت مقرر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین (حنبلی نجدی) متوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں دلیل ہے کہ وضو کے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے خواہ کوئی وقت ہو دن ہو یا رات، صبح ہو یا عصر۔

شیخ ابن باز نے کہا ہے اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ جو بندہ بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے.... سو یہ حدیث ممانعت کے وقت اور غیر ممانعت کے وقت دونوں کو شامل ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۹۵، مکتبۃ الطبری ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ نفلی عبادات میں اپنے اجتہاد سے اس عبادت کا وقت مقرر کرنا جائز ہے اور اس کو تمام علماء نے مستحب لکھا ہے حتیٰ کہ نجدی علماء میں سے شیخ عثیمین اور ان کے استاذ عبداللہ بن باز نے بھی اس کو مستحب لکھا ہے، پس واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم کہنا مستحب ہے کیونکہ یہ بھی نفلی عبادت ہے اور اسی طرح علماء اہل سنت کے دیگر معمولات بھی مستحب ہیں جیسے میلاد شریف کا انعقاد، جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام عرض کرنا اور کھڑے ہو کر آپ پر صلاۃ وسلام عرض کرنا اور

اذان سے پہلے یا بعد میں صلاۃ وسلام پڑھنا اور اموات کی فاتحہ، سوئم، چہلم اور عرس وغیرہ یہ سب نفلی عبادات ہیں اور مذکور الصدر دلائل کی روشنی میں مستحب ہیں اور ان کو دیوبندی اور نجدی علماء کا بدعت کہنا قطعاً باطل اور بے اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر برقرار رکھے اور ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

۵۰۵٦۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم از عبیدہ السلمانی از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے سامنے قرآن پڑھو''، میں نے عرض کیا: میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر خود قرآن کریم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن مجید سنوں''۔

اس حدیث کی مفصل شرح ابھی صحیح البخاری: ۵۰۵۵ میں گزر چکی ہے۔

۳٦۔ بَابُ: إِثْمُ مَنْ رَائَى بِقِرَائَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَأَكَّلَ بِهِ أَوْ فَخَرَ بِهِ

(اس شخص کی مذمت) جس نے دکھاوے کے لیے یا شکم پروری کے لیے قرآن مجید پڑھایا جس نے اظہار فخر کے لیے قرآن مجید پڑھا

۵۰۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ عَلِيٌّ رضی الله عنه سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے خبر دی از خیثمہ از سوید بن غفلۃ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو کم عمر ہوں گے، کم عقل ہوں گے وہ خیر البریہ کی حدیث بیان کریں گے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کریں گے)، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ان کا ایمان ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا، تم ان کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو کیونکہ ان کا قتل کرنا قیامت کے دن اس کے لیے باعث اجر ہوگا جو ان کو قتل کر دے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳٦١١ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری:۳۶۱۱، ۵۰۵۷، ۶۹۳۰، صحیح مسلم:۱۰۶۶، سنن نسائی:۴۱۰۲، سنن ابوداؤد:۴۷۶۷، مسند البزار:۵۶۸، مسند ابویعلی:۲۶۱، سنن بیہقی ج۸ ص۱۷۰، دلائل النبوۃ ج۶ ص۴۳۰، المعجم الصغیر للطبرانی:۱۰۴۹، شرح السنۃ:۲۵۵۴، مسند ابوداؤد الطیالسی:۱۶۸، مسند احمد ج۱ ص۸۱، رقم الحدیث:۶۱۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور منافق کے قرآن پڑھنے کے متعلق متعدد روایات اور ان سے قتال کرنے کی تفصیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث (صحیح البخاری:۳۶۱۱) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ لوگ خیر قول البریہ کو بیان کریں گے: یعنی ان کے اقوال بہت اچھے ہوں گے اور ان کے اعمال بہت خراب ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو قتل کرنا اس شخص کے لیے باعث اجر ہوگا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ کفار کے خلاف جہاد سے اعراض کریں گے اور زمین میں فساد کریں گے اور مسلمانوں کی وحدت کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ان کا ایمان ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا: کیونکہ وہ مومن نہیں ہوں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج۲۰ ص۱۹۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری:۵۰۵۷، کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ان کا ایمان ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا: یعنی ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی طرف بلند نہیں ہوگا اور نہ ان کو اس پر اجر دیا جائے گا، کیونکہ ان کے قرآن پڑھنے میں اخلاص نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے قرآن پڑھنے کو ریحان (پھول) کے ذائقہ سے تشبیہ دی ہے جس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے، اس سے کھانے والے کو لذت حاصل نہیں ہوتی جس طرح منافق اور ریاکار کو اس کی قراءت سے اجر اور ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہ دکھاوے اور سنانے کے لیے قرآن پڑھتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: منافق سب سے زیادہ قرآن مجید پڑھتا ہے، وہ محبت سے قرآن مجید نہیں پڑھتا اور اس کی قراءت اس کے حلقوم سے متجاوز نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۸۷)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قرآن مجید پر اعراب لگاؤ کیونکہ وہ عربی ہے، پس عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو مہارت سے قرآن مجید پڑھیں گے اور وہ تم سے بہتر نہیں ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج۹ ص۱۳۹)

اور امام ابوعبید نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید سیکھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اس سے پہلے کہ وہ لوگ قرآن مجید کو سیکھیں جو اس کے وسیلہ سے دنیا کا سوال کریں کیونکہ تین قسم کے لوگ قرآن مجید کو سیکھتے ہیں: (۱) وہ مرد جو قرآن مجید پر فخر کرتا ہے (۲) وہ مرد جو قرآن کے ذریعہ مال کھاتا ہے (۳) وہ مرد جو قرآن مجید کو خالص اللہ کے لیے پڑھتا ہے۔

نیز امام ابوعبیدہ نے زاذان سے روایت کی ہے: جس نے قرآن مجید کو حصول مال کے لیے پڑھا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر ہڈیاں ہوں گی اور گوشت نہیں ہوگا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ قرآن کے ذریعہ سوال کریں گے، پس جب وہ تم سے سوال کریں تو تم ان کو مت دینا۔ (فضائل القرآن ص ۲۰۹۔۲۰۶)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کا ایمان ان کے حناجر سے تجاوز نہیں کرے گا: حناجر حنجرۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: حلقوم کا نچلا حصہ اور ان کا ایمان ان کے حلقوم سے اس لیے تجاوز نہیں کرے گا کیونکہ ایمان کا محل دل ہے اور دل تک ایمان نہیں پہنچے گا، اس کا مطلب ہے کہ وہ مومن نہیں ہوں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب تمہارا ان سے مقابلہ ہو تو ان کو قتل کر دو کیونکہ ان کو قتل کرنے کا ایسا اجر ہے جیسے قیامت کے دن قتل کرنے کا اجر ہے: اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، امام مالک نے کہا: جو شخص ان کو گرفتار کرے وہ ان سے توبہ کو طلب کرے، اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔

سحنون مالکی نے کہا: جو شخص ان میں سے قرآن مجید کو پڑھے اور اپنی بدعت کی طرف دعوت دے اس سے قتال کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کرے ورنہ اس کو مار دیا جائے گا، اور جو شخص ان میں سے اپنی بدعت کی دعوت نہ دے اس کو قید کر لیا جائے گا اور قید خانہ میں اس کو مارا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷۲۔۱۷۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدثاء الاسنان اور سفہاء الاحلام کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۵ھ حدیث صحیح البخاری: ۳۶۱۱، کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث خوارج کے متعلق ہے اور اس کی مفصل شرح باب: ''استتابۃ المرتدین'' میں آئے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ حُدَثَاءُ الاسنان ہوں گے: یعنی کم عمر ہوں اور وہ سفھاء الاحلام ہوں گے: یعنی ان کی عقول ضعیف ہوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ خیر البریہ کے قول کو بیان کریں گے: یعنی وہ قرآن مجید پڑھیں گے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: وہ قرآن پڑھیں گے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۷۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس زمانہ میں اس حدیث کا مصداق طالبان ہیں

میں کہتا ہوں کہ: اس حدیث میں کم عمر اور بے عقل لوگوں سے مراد طالبان ہیں جو اس زمانہ میں ظاہر ہوئے، یہ پاکستانی فوج اور پاکستان کی پولیس پر حملہ کرتے ہیں اور جس فوجی یا سپاہی کو گرفتار کر لیتے ہیں تو اس کا گلا دبا کر بے دردی سے کاٹتے ہیں اور گلا کاٹتے وقت اور اس کو ذبح کرتے وقت قرآن مجید کی درج ذیل آیات پڑھتے ہیں:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو تم ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو۔

یہ لوگ مسلمانوں پر کفار کی آیتوں کو چسپاں کرتے ہیں، سکولوں، تھانوں، اہلسنت کی مساجد، مدارس، اولیاء کرام کے مزارات اور قومی اداروں کو تباہ کرتے ہیں اور خودکش دھماکوں میں بے دریغ مسلمانوں (مفتی سرفراز نعیمی شہید اور ۱۱ اپریل ۲۰۰۶ء کو نشتر پارک میں ہونے والے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کراچی میں منعقد جلسے کے شرکاء) کو شہید کرتے ہیں، یہ لوگ

بھارت کے ایجنٹ ہیں اور پاکستان کو اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ان سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

سوید بن غفلۃ کا تذکرہ اور تعارف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ (صحیح البخاری: ۵۰۵۷) کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر سوید بن غفلہ سے مروی ہے، سوید کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ سوید بن غفلۃ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ سوید بن غفلہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نہیں سنی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ بھی صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مدینہ میں اس وقت آئے تھے جب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہو گئے تھے اور ان کا خلفاء راشدین سے اور کبار صحابہ سے سماع صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اپنے مال کا صدقہ دیا تھا۔ ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ اسی (۸۰) ھ میں فوت ہوئے تھے، اور عمرو بن علی نے کہا ہے کہ یہ ایک سو تیس ہجری میں فوت ہوئے تھے ان کی کوفہ میں رہائش تھی اور یہ وہیں فوت ہو گئے تھے۔

(فتح الباری ج ۲۴ ص ۲۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر شافعی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خوارج کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد اور حدیث کے عنوان کی حدیث سے مطابقت

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شرح السنۃ میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ ان آیات کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کا اللہ کی کتاب پر نہ ایمان ہے نہ عمل ہے۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خوارج اپنی گمراہی کے باوجود مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، ان سے نکاح کرنا اور ان کے ذبیحوں کو کھانا اور ان کی شہادت کو قبول کرنا جائز ہے۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا خوارج کفار ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ کفر سے بھاگے تھے، پھر پوچھا گیا کیا: یہ منافق ہیں؟ تو مولیٰ علی نے فرمایا: منافق اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور یہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، پوچھا گیا: پھر یہ کون ہیں؟ حضرت علی نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو آزمائش میں مبتلا ہوئے، پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث کے عنوان کا دوسرا جزء ہے: جو قرآن کو دکھاوے کے لیے پڑھے یا اس کے ذریعہ سے کھائے تو اس حدیث میں اس جزء پر دلالت کہاں ہے؟ تو میں کہوں گا کہ جب قرآن کا پڑھنا اخلاص سے اللہ کے لیے نہ ہو تو پھر وہ دکھاوے کے لیے ہے اور حصول مال کے لیے ہے اور خوارج اخلاص سے قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۷۔۳۷۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خوارج کے متعلق دیگر شراح کی شرح

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قرآن مجید کے ذریعہ حصول رزق کی مذمت ہے اور صحیح بخاری میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تیس (۳۰) بکریوں کے عوض ایک شخص پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کو بچھو نے کاٹا ہوا تھا، کیا ان کا یہ فعل مذموم نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اجرت لینے پر اس شخص کی مذمت ہے جو بلاضرورت قرآن مجید پڑھنے کی اجرت لے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو ضرورت تھی جیسا کہ اس زمانہ میں معلمین کو قرآن پڑھانے کی اجرت لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۲۱۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

امام الحرمین سے خوارج کی تکفیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(کشف المشکل ج ۶ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ زرہونی مالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۵۲-۳۵۱، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

شیخ عثیمین اور شیخ سلیم اللہ کی خیر البریہ کے قول کی شرح اور اس پر مصنف کا مواخذہ

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہ لوگ خیر البریہ کا قول بیان کریں گے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کریں گے کیونکہ آپ خیر البریہ ہیں یعنی افضل الخلق ہیں اور آپ کے اقوال احادیث ہیں۔

اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ لوگ انتہائی فصیح و بلیغ کلام کریں گے اور جب انسان ان کا کلام سنے گا تو کہے گا یہ لوگ مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں معنی صحیح نہیں ہے، صحیح معنی وہ ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کریں گے اور خیر البریہ کے قول سے مراد آپ کی تلاوت کی ہوئی آیات ہیں۔

نیز شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ: وہ لوگ حدیث رسول بیان کریں گے اور یا اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۲۱، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں کہ: یہ شرح بھی صحیح نہیں ہے، صحیح شرح وہی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ بہ کثرت قرآن مجید کی تلاوت کریں گے کیونکہ حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہے جو صحابی نے کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ عثیمین کی شرح کے مطابق حرمت لانے والے مہینوں میں قتال کا منسوخ ہونا اور اس پر مصنف کا مواخذہ

جب تمہارا ان سے مقابلہ ہو تو تم ان کو قتل کردو: حتیٰ کہ اگر حرمت والے مہینوں (یعنی ذی قعد، ذی الحج، محرم، رجب) میں ان سے ملاقات ہو تب بھی ان کو قتل کردو۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ عثیمین کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت اب منسوخ ہو چکی ہے۔

حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (التوبہ: ۵) سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام مشرکین کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کردو خواہ ان کو حرم میں پاؤ یا غیر حرم میں، اور ان کو حرمت والے

مکان میں قتل کرنے کا حکم اس کو مستلزم ہے کہ ان کو حرمت والے زمانہ میں بھی قتل کر دیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف میں حرمت والے مہینوں میں قتال جاری رکھا تھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۰۳ھ لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال آٹھ ہجری میں طائف پر حملہ کیا اور اٹھارہ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن تک ان پر منجنیق کو نصب کیے رکھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۱-۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (المنتظم ج ۲ ص ۴۰۷، دار الفکر، بیروت)

اور حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طائف کا محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۵۰، دار الفکر، بیروت)

اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں کہ: صحت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس محرم تک طائف کا محاصرہ کیا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۰۱، دار صادر، بیروت)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں طائف پر حملہ جاری رکھا اور یہ اس کی ظاہر دلیل ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی حرمت منسوخ ہو چکی ہے، نیز اس کی ممانعت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

شیخ عثیمین نے جو لکھا ہے: ''حتیٰ کہ اگر حرمت والے مہینوں میں بھی ان سے ملاقات ہو تب بھی ان کو قتل کر دو''۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حرمت والے مہینوں میں بالعموم قتال کرنا جائز نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ عثیمین کی تصریح کہ جو لوگ اپنے عقائد کے مخالفین مسلمانوں کو جائز القتل قرار دیتے ہیں وہ خود واجب القتل ہیں

لیکن اس حدیث پر اشکال عظیم ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ظاہر پر عمل کریں اور ہم اس کے مکلف نہیں ہیں کہ ہم باطن کی کھوج کریں، پس جو لوگ خیر البریہ کے قول کو پڑھتے ہوں گے ہمیں ان کے حال پر کیسے واقفیت ہو گی کہ ہم ان کو واجب القتل قرار دیں۔

شیخ عثیمین اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ان لوگوں کی علامات ہیں اور سب سے اہم علامت یہ ہے کہ یہ مومنین کو کافر قرار دیں گے کیونکہ ان کا ایک مخصوص طریقہ ہے اور جو ان کے طریقہ کے مخالف ہو وہ اس کو کافر کہتے ہیں، سو ان لوگوں کو قتل کرنا واجب ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا عام لوگوں کے لیے ان کو قتل کرنا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حدود کو قائم کرنا اور مرتدین کو قتل کرنا سربراہ ملک کی طرف مفوض ہے کیونکہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہر شخص مباح الدم کو قتل کر دے گا۔

اور اگر بالفرض سربراہ ملک اس حکم پر عمل نہ کرے تو عام مسلمان کے لیے بھی ان کو قتل کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ اس کو اس سے ضرر نہ ہو۔

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی نے اس حدیث کی تعلیق میں لکھا ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں اور یہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور بت پرستوں کو چھوڑتے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۴۰۶-۴۰۵، مکتبۃ الطبری، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی مذکور الصدر شرح پر مصنف کا تبصرہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے کفر پر علماء عرب وعجم کا اتفاق

میں کہتا ہوں کہ: جن لوگوں کو شیخ عثیمین نے واجب القتل قرار دیا ہے ان کے اولین مصداق شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں اور ان میں شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ عثیمین بھی داخل ہیں، دیکھیے:

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

و عرفت ان اقرارهم بتوحید الربوبیة لم یدخلهم فی الاسلام، وان تصدهم الملائکة والانبیاء یریدون شفاعتهم و تقرب الی الله بذلك، هو الذی احل دمائهم و اموالهم۔

(کشف الشبہات ص ۹، مکتبۃ السلفیہ بالمدینۃ المنورۃ، ۱۳۸۹ھ)

تم جان چکے ہو کہ ان لوگوں کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا، اور یہ جو ملائکہ اور انبیاء کا قصد کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کا ارادہ کرتے ہیں اور اس سے اللہ کے تقرب کا ارادہ کرتے ہیں اس چیز نے ان کے قتل کرنے کو اور ان کے مال لوٹنے کو مباح کر دیا ہے۔

اس عبارت میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے تصریح کر دی ہے کہ جو ان کے عقیدہ کا مخالف ہے وہ جائز القتل ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بھائی صحیح العقیدہ مسلمان تھے، وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تکفیر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں تمہارا موقف اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور نذر و نیاز قطعاً کفر نہیں حتیٰ کہ اس کے مرتکب مسلمان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہات کی بنا پر حدود ساقط کر دو۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۳۰۳)۔ اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور ابوعوانہ نے البزار میں سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی شخص کی سواری کسی بے آب و گیاہ صحراء میں گم ہو جائے تو وہ تین بار کہے: اے عباد اللہ! مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں''۔ (مسند البزار: ۳۱۲۸، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۵۵۸) اور طبرانی کی روایت ہے کہ ''اگر وہ شخص مدد چاہتا ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو''۔ (المعجم الکبیر: ۱۰۵۱۸) اس حدیث کو فقہاء اسلام نے کتب جلیلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی اشاعت کی ہے اور معتمد فقہاء میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ امام نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے ''کتاب الاذکار'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (کتاب الاذکار: ۸۰۷) اور ابن القیم نے اپنی کتاب الکلم الطیب میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن مفلح نے کتاب الآداب میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (یعنی امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ) سے سنا، وہ فرماتے تھے: ''میں نے پانچ بار حج کیے ہیں، ایک بار میں پیدل جا رہا تھا اور راستہ بھول گیا، میں نے کہا: اے عباد اللہ! مجھے راستہ دکھاؤ، میں یوں ہی کہتا رہا حتیٰ کہ میں صحیح راستہ پر آ گیا''۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی غائب یا فوت شدہ بزرگ کو پکارتا ہے اور تم اسے کافر کہتے ہو بلکہ تم محض اپنے قیاس فاسد سے یہ کہتے ہو کہ اس شخص کا شرک ان مشرکین کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے جو بحر و بر میں عبادت کی غرض سے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور اس کے رسول کی برملا تکذیب کرتے تھے، کیا تم اس حدیث یا اس کے مقتضا پر علماء اور ائمہ کے عمل کو اس شخص کے لیے اصل نہیں قرار دیتے جو بزرگوں کو پکارتا ہے اور محض اپنے فاسد قیاس سے اس کو شرک قرار دیتے ہو۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ جب کہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں تو اس مضبوط اصل کی بنا پر ایسے شخص سے تکفیر کیونکر نہ ساقط نہ ہو گی۔ نیز مختصر الروضہ میں کہا ہے: جو شخص توحید اور رسالت کی گواہی دیتا ہو اس کو کسی بدعت کی بنا پر کافر نہیں کہا جائے گا۔ (الصواعق الالٰہیہ ص ۳۵۔۳۴، مکتبہ ایشیق، استنبول)

شیخ حسین احمد مدنی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند متوفی ۱۳۷۷ھ، محمد بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۶ھ کے متعلق لکھتے ہیں:

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکذیب دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال

اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کو باعث ثواب اور رحمت شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً تکلیف شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کے فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم اور باغی، خونخوار، فاسق شخص تھا، اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے، اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے اور نہ ہنود سے۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۲، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس طرح ہمارے زمانے میں محمد بن عبد الوہاب کے متبعین ہیں، جو نجد سے نکلے اور حرمین پر غالب ہو گئے اور وہ خود کو مذہب حنابلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد میں مخالف ہو وہ مشرک ہے اور اس وجہ سے انہوں نے اہل سنت کے قتل کو اور علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔ (رد المحتار للشامی ج ۶ ص ۳۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

سعودی حکومت نے اپنی مملکت میں علامہ شامی کی ''رد المحتار'' کا اس عبارت کی وجہ سے سعودی مملکت میں داخلہ ممنوع قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: انہوں ''رد المحتار'' کا داخلہ تو اپنی حکومت میں بند کر دیا ہے لیکن وہ اس حدیث کا کیا کریں گے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں؟ آپ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں؟ آپ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔ (صحیح البخاری: ۱۰۳۷، ۷۰۹۴، صحیح ابن حبان: ۷۳۰۱، شرح السنہ: ۴۰۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۸، جامع المسانید لابن الجوزی: ۳۵۱۹)

نجد کی جنوبی وادی حنیفہ کے ایک مقام عیینہ میں مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا، اور اسی جگہ محمد بن عبد الوہاب نجدی پیدا ہوا، اور اس کی پھیلائی ہوئی بدعقیدگیوں سے مسلمانوں کے عقائد میں زلزلہ اور زبردست فتنہ پیدا ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ عبد اللہ بن باز متوفی ۱۴۲۰ھ اور شیخ عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کا معاملہ اور حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن ان کے متبعین اور ان کے حامیوں کو چاہیے کہ وہ اس بحث کو بہ غور پڑھیں ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی پیروی کو چھوڑ دیں اور مسلک اہل سنت و جماعت کو اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر قائم رکھے اور ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

۵۰۵۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از یحییٰ بن سعید از محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی از ابی سلمۃ بن عبد الرحمن از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے اور تم اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں اور تم اپنے عمل کو ان کے عمل کے مقابلہ میں حقیر جانو گے، وہ قرآن

الرَّمِيَّةِ يَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا يَرٰى شَيْئًا وَيَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا يَرٰى شَيْئًا وَيَنْظُرُ فِي الرِّيشِ فَلَا يَرٰى شَيْئًا وَيَتَمَارٰى فِي الْفُوقِ۔

مجید پڑھیں گے اور وہ ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے، تیر کی نوک کو دیکھا جائے گا تو اس پر (خون کا اثر) نہیں ہوگا، تیر کی لکڑی کو دیکھے گا تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا اور تیر کے پر کو دیکھے گا تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا، ہاں! تیر کے منہ پر کچھ شک ہوگا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۳۴۴، ۳۶۱۰، ۴۳۵۱، ۴۶۶۷، ۵۰۵۸، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲، ۷۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، موطا امام مالک: ۴۴۱، مسند احمد ج ۳ ص ۶۰، خلق افعال العباد للبخاری: ۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۹، جامع الاصول: ۷۵۵۳)

مشکل الفاظ کے معانی اور خوارج کی تکفیر میں علماء کا اختلاف

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: قرآن ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا۔

یعنی ان کے اعمال صالحہ کو بلند نہیں کرے گا، علامہ ابن التین اور قاضی عیاض نے کہا ہے: یعنی ان کے دل قرآن مجید کو نہیں سمجھیں گے اور نہ اس کی تلاوت سے نفع حاصل کریں گے اور منہ سے پڑھنے کے سوا نہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کا کوئی عمل صالح اوپر نہیں جائے گا اور نہ عمل صالح مقبول ہوگا اور الحنجرۃ کے معنی ہیں: حلق سے باہر۔

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ دین سے نکل جائیں گے، دوسری روایت میں ہے: وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ (صحیح البخاری: ۷۴۳۲) یعنی جس طرح تیر شکار میں ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اور تیر پر خون کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح وہ دین سے نکل جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے: وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

اور خوارج نے اسی طرح کیا تھا۔

علماء کا خوارج کو کافر قرار دینے میں اختلاف ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے بعض نے ان کو کافر قرار دیا ہے اور اکثر نے توقف کیا ہے۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۱۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۳۲۹-۳۳۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کو دکھاوے کے لیے پڑھنے اور اس کو کمائی کا ذریعہ بنانے کی ممانعت اور اس کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی اور اس سے پہلے والی حدیث (۵۰۵۷-۵۰۵۸) کی عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث کا عنوان ہے: ''اس شخص کا گناہ جو ریاکاری کے لیے قرآن پڑھے یا قرآن کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنائے'' اور جو شخص قرآن مجید کو غیر اللہ کے لیے پڑھے گا تو وہ ریاکاری کے لیے ہے یا کھانے کا ذریعہ بنانے کے لیے لہٰذا اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

امام ابوعبید نے اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو سیکھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اس سے پہلے کہ ایسے لوگ آئیں جو قرآن مجید کے وسیلہ سے دنیا کا سوال کریں گے کیونکہ تین قسم کے لوگ قرآن مجید کو سیکھتے ہیں: ایک وہ مرد جو قرآن مجید کے سبب سے لوگوں کے سامنے فخر کرتا ہے، دوسرا وہ مرد جو قرآن مجید کو کمائی کا ذریعہ بناتا ہے اور تیسرا وہ مرد جو قرآن کو اللہ کے لیے پڑھتا ہے۔

اور امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور نہ اس میں کمی کرو اور نہ اس کو کمائی کا ذریعہ بناؤ۔

اور امام ابوعبید نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ قرآن مجید کے سبب سے سوال کریں گے، اگر وہ تم سے سوال کریں تو تم ان کومت دینا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح صحیح بخاری کی شروح

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی نے اس حدیث کی شرح میں مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۷، تیسیر القاری ج ۵ ص ۲۱)

اسی طرح علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اور علامہ القسطلانی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۸، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۸)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔ (الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۵۲)

۵۰۵۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ وَرِيحُهَا مُرٌّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو مومن قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اس کی مثال سنگترہ کی ہے جس کا ذائقہ خوش گوار ہے اور خوشبو پسندیدہ ہے اور جو مومن قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا لیکن اس کے تقاضوں پر کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ خوش گوار ہے اور اس کی خوشبو نہیں ہے اور جو منافق قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال ریحان پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو خوش گوار ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور جو منافق قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال اندرائن کی طرح ہے، اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور اس کی بدبو ناگوار ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۰ میں گزر چکی ہے۔

۳۷- بَابُ: اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ

قرآن مجید کی اس وقت تک تلاوت کرو جب تک اس میں تمہارا دل لگا رہے

۵۰۶۰- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابی عمران الجونی از حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تک تم اتفاق سے قرآن پڑھتے رہو تو پڑھو اور جب تم اس میں اختلاف کرنے لگو تو اٹھ جاؤ۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۱، ۵۰۶۰، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۶۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۳، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۴۱، شرح السنۃ ج ۴ ص ۵۰۰، مشکوٰۃ: ۲۱۹۰، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۸، کنز العمال: ۲۷۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۵۲۰)

۵۰۶۱- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلام بن ابو مطیع نے حدیث بیان کی از ابی عمران الجونی از حضرت جندب رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ جب تک تم اتفاق سے قرآن پڑھتے رہو تو پڑھو، پس جب تم اس میں اختلاف کرنے لگو تو اٹھ جایا کرو۔

تَابَعَهُ الْحَارِثُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَبَانُ وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَوْلَهُ وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ عُمَرَ قَوْلَهُ وَجُنْدَبٌ أَصَحُّ وَأَكْثَرُ۔

اس حدیث میں سلام بن ابی مطیع کی حارث بن عبید اور سعید بن زید نے متابعت کی ہے از ابی عمران اور اس حدیث کی حماد بن سلمہ اور ابان نے مرفوع روایت نہیں کی اور غندر نے کہا از ابی شعبہ از ابی عمران کہ میں نے حضرت جندب سے اس کی حدیث سنی اور ابن عون نے کہا از ابی عمران از حضرت عبداللہ بن الصامت از حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی حدیث اور حضرت جندب کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ اکثر ہے۔

قرآن کریم میں کس قسم کا اختلاف ممنوع ہے اور کس قسم کا اختلاف جائز ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اتفاق پر برانگیختہ کیا ہے اور دین میں تفرقہ کرنے سے منع فرمایا ہے گویا کہ آپ نے فرمایا: قرآن مجید کو پڑھو اور اس کے معانی کی دلالت پر متفق رہو اور جب تمہارا اس میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ یعنی جب کوئی ایسا شبہ پیدا ہو جو تفرقہ کا داعی ہو تو اٹھ جاؤ اور کسی سے محاکمہ کراؤ تا کہ اتفاق رہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف قراءت کو ترک کر دو کیونکہ اختلاف قراءت مباح ہے جیسا کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی کا قراءت میں اختلاف ہوا تو آپ نے فرمایا: تم دونوں درست پڑھ رہے ہو، آپ نے اس اختلاف سے منع فرمایا ہے جو دین میں تفرقہ اور ہلاکت کا موجب ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

آیات متشابہات کو ترک کرنا اور آیات محکمات کو لازم کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب تمہارا کسی لفظ کے معنی کی فہم میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ تا کہ یہ اختلاف تمہیں کسی شر کی طرف نہ پہنچائے۔

قاضی عیاض نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہو تا کہ اس اختلاف کی وجہ سے کوئی ایسی آیت نازل نہ ہو جو ان کے لیے باعث رنج ہو، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۔ (المائدہ: ۱۰۱) ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ قرآن مجید پڑھو اور اتفاق کو لازم رکھو اور جب تم کو کسی آیت متشابہ میں شبہ ہو تو پھر قرآن مجید کی آیت محکمہ کو لازم رکھو اور آیت متشابہ سے اعراض کرو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے اجتناب کرو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح کے تین محمل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب تک تم خوش دلی سے قرآن پڑھ سکتے ہو تو پڑھو اور جب تم اکتا جاؤ تو چھوڑ دو کیونکہ قرآن کریم اس سے بہت بلند ہے کہ تم اس کو بغیر حضور قلب کے پڑھو۔ اس حدیث کی یہ تفسیر علامہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ نے کی ہے۔

اور علامہ کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک کہ اصحاب قراءت میں اتفاق رہے اور جب ان میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ۔

علامہ ابن الجوزی حنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کا قراءات اور لغات میں اختلاف ہوتا تھا، پس ان کو یہ حکم دیا گیا کہ جب تمہارا اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ تا کہ اس اختلاف کی وجہ سے تم ایک دوسرے کی قراءت کا انکار نہ کرو جس سے قرآن مجید کا انکار لازم آئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کو تر و تازگی کے ساتھ پڑھنے کی نظیر

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی نظیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جب تک تر و تازگی کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دینے سے نہیں اکتاتا جب تک تم عبادت کرنے سے نہ اکتاؤ۔ (صحیح البخاری: ۱۱۰۵) نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات متشابہات کے درپے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۷) (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۹، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت پڑھنے والوں کا کس قسم کا اختلاف ناجائز ہے اور کس قسم کا اختلاف جائز اور مستحب ہے

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں جو اختلاف اٹھ جانے کا حکم دیا ہے وہ ایسے اختلاف پر محمول ہے جو ناجائز ہے جیسے کوئی قرآن مجید کے ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کرے یا ایسے معنی میں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد جائز نہیں یا ایسا اختلاف جو شک، شبہ، فتنہ یا خصومت یا جھگڑے کو واقع کرے، سو ایسے اختلاف کے وقت اٹھنا ضروری ہے، اور وہ اختلاف جو مسائل شرعیہ فرعیہ میں ہو یا اہل علم کا اظہار حق کے لیے مناظرہ ہو تو وہ اختلاف ممنوع نہیں ہے بلکہ مامور ہے اور اس کی فضیلت ظاہر ہے اور مسلمانوں کا عہد صحابہ سے لے کر اب تک اس کی صحت پر اجماع ہے۔ (شرح النووی علی مسلم ج ۱۶ ص ۲۱۹۔۲۱۸)

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلاوت میں اختلاف اجتہاد کے وقت اٹھنے کا حکم دیا ہے اور تلاوت کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے خواہ پڑھنے والا اس کو سمجھ سکے یا نہ سمجھے۔

ایصال ثواب کے لیے اجتماعی قرآن خوانی کے جواز اور استحباب کے متعلق مالکی اور شافعی علماء کی تصریحات

(۱) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایک جماعت کا مل کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے اور امام مالک نے ''المدونہ'' میں اس کو مکروہ کہا ہے لیکن امام مالک کے متبعین کا عمل اس کے جواز پر جاری ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جب لوگ جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اس کا تکرار کرتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے اور جو اپنے عمل میں تاخیر کرے تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کر سکتا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۲۵)

امام مازری مالکی نے لکھا ہے: اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مساجد میں قرآن خوانی کے لیے اجتماع جائز ہے اگرچہ امام مالک نے ''المدونہ'' میں اسے مکروہ کہا ہے اور شاید انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ سلف صالحین ایسا نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ کار خیر پر بہت حریص تھے۔ (اکمال المعلم ج ۳ ص ۲۳۴)

بعض شیوخ نے کہا ہے کہ شاید یہ فعل بدعت حسنہ ہے جیسا کہ رمضان کی تراویح اور ہمارے شہروں میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔

علامہ زرہونی لکھتے ہیں: تمام مغرب کے اسلامی ممالک میں اس پر عمل ہوتا ہے بلکہ مشرق میں بھی جس طرح ہمیں معلوم ہوا ہے اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا کیونکہ یہ نیکی کے کاموں میں تعاون ہے۔ (المعیار ج ۱ ص ۱۵۵)

علامہ ابو عبد اللہ الابی نے کہا ہے کہ قرآن خوانی کے لیے جو اجتماع ہوتا ہے اور افریقی ممالک میں اس کا معمول ہے تو ابن عرفہ نے اپنے لیے قرآن خوانی کی اور اپنی بیوی کے لیے بھی قرآن خوانی کی اور اس سلسلہ میں ان کا جواب مختلف ہے، کبھی انہوں نے کہا کہ اس کا ثواب پڑھنے والوں کو ہوگا اور کبھی انہوں نے کہا کہ اس کا ثواب قرآن پڑھوانے والوں کو ہوگا۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے کہا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کے لیے قرآن مجید کے ادب کی رعایت کرنا واجب ہے۔ اول یہ کہ وہ اخلاص سے پڑھے۔ ثانی یہ کہ وہ ذہن کو حاضر کر کے پڑھے کیونکہ وہ اللہ سے مناجات کر رہا ہے اور اس طرح ادب سے پڑھے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ کہ وہ باوضو قرآن پڑھے اور اگر اس نے زبانی قرآن بے وضو پڑھا تو یہ بھی اجماع مسلمین سے جائز ہے۔ (الاذکار ص ۹۰) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۵۵۔۳۵۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ ھ)

۵۰۶۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از

عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ آيَةً سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خِلَافَهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَاقْرَأَا أَكْبَرُ عِلْمِي قَالَ فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَأُهْلِكُوا۔

عبدالملک بن میسرہ از نزال بن سبرۃ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے ایک مرد کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا جو اس قراءت کے خلاف تھا جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، انہوں نے کہا: میں اس کا ہاتھ پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا: آپ نے فرمایا: تم دونوں درست پڑھ رہے ہو، پس تم دونوں (اپنے اپنے طریقے کے مطابق) پڑھو، میرا گمانِ غالب یہ ہے کہ جو تم سے پہلے تھے انہوں نے اپنی کتابوں میں اختلاف کیا سو وہ ہلاک کیے گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۱۰، ۳۴۷۶، صحیح مسلم: ۲۶۶۷، سنن ابوداؤد الطیالسی: ۳۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۹۴، مسند ابویعلیٰ: ۵۲۶۳، شرح السنۃ: ۱۲۲۹، صحیح ابن حبان: ۷۴۶، المستدرک ج ۲ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۳، مسند احمد: ۳۷۲۴، ۳۹۸۱، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

کتاب اللہ میں جھگڑنے کی ممانعت کا محمل

یہ حدیث صحیح البخاری: ۲۴۱۰ میں گزری ہے، وہاں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں یہ لکھا تھا کہ ہم اس حدیث کی مفصل شرح فضائل قرآن میں کریں گے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۷۶۰)

اور فضائل القرآن کے اس باب میں اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں اختلاف کرنے اور ناحق جھگڑنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس کا شریہ ہے کہ کسی آیت کی دلالت کسی شخص کی رائے کے خلاف ہو اور وہ غور و فکر کر کے اس آیت کی ایسی تاویل کرے جو اس کی رائے کے موافق ہو اور اس آیت کو اپنی رائے کے موافق محمول کرے اور اس وجہ سے جھگڑا ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کتاب فضائل القرآن کی تکمیل

کتاب فضائل القرآن میں ننانوے احادیث مرفوعہ ہیں جن میں تعلیقات اور متابعات انیس احادیث ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں اور ان میں تہتر احادیث مکررہ ہیں اور باقی خالص احادیث ہیں۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھ سے صحیح البخاری کی کتاب فضائل القرآن مکمل کرالی ہے اسی طرح صحیح البخاری کی باقی کتب اور ابواب کی بھی مجھ سے تکمیل کرا دیں اور اس کی شرح میں مجھے صراط مستقیم پر برقرار رکھیں اور موافقین کے لیے اس کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت بنا دیں، مجھے شفا اور توانائی عطا فرمائیں، میری مغفرت فرمائیں اور مجھے، میرے معاونین اور قارئین کو اپنے فضل سے جنت الفردوس عطا فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٦٧۔ كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کے احکام کا بیان

نکاح کا لغوی معنی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
لغت میں نکاح کا معنی ہے: ضم یعنی ملنا، اور ہمارے نزدیک نکاح عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے۔
(النجم الوہاج ج ۷ ص ۸۔۷)
اور امام ابو حنیفہ نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے، اور ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کا بھی یہی قول ہے۔ (کشف الاسرار ج ۱ ص ۸۶، ج ۲ ص ۴۶۔۴۵)
اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے اور دونوں میں حقیقت ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۸۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نکاح کے متعلق احادیث

علامہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ تم کو دین کا علم عطا فرمائے اور تم کو ایمان پر ثابت قدم رکھے، جان لو کہ نکاح مخلوق کی مصلحت اور ان کی فلاح کا ایک عظیم رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو مخلوق کی آزمائش کے لیے مشروع فرمایا ہے اور اس کو اپنے دین کی شریعت اور منہاج بنایا ہے اور اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا ہوں اور رات کو نماز پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سعید بن جبیر سے پوچھا: ''کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو تم نکاح کرو کیونکہ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی زیادہ بیویاں ہوں''۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوانو! تم گھر بساؤ کیونکہ یہ نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت رکھتا ہے، پس تم میں سے جو شخص اس کی طاقت نہ رکھے تو وہ لازماً روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لیے خصی ہونے کے قائم مقام ہے''۔
حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں، مہندی لگانا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا''۔ سو یہ حدیث حجاج کی روایت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نکاح کے متعلق فقہاء مذاہب کے اقوال

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے اور یہ بہت کم لوگ ہیں اور غیر متعین ہیں، اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح کرنا

مباح ہے اور یہ امام شافعی ہیں، اور بعض فقہاء نے کہا کہ نکاح کرنا مستحب ہے اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں۔

نکاح کے مباح ہونے پر امام شافعی کی دلیل

امام شافعی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس آیت میں مدح فرمائی ہے، فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے فرمایا:

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران: ۳۹)

(اے زکریا!) بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے، جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے O

امام شافعی نے کہا: اگر نکاح کرنا فضیلت کا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح نہ فرماتا۔

امام شافعی کی دلیل کے جوابات

(۱) آپ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور آپ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئے اور ان کا نسب آپ کے نسب سے زیادہ قریب ہے اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بہ نسبت آپ کے لیے زیادہ اولیٰ بالاتباع ہیں۔

(۲) آپ خود اس بات کے قائل ہیں کہ ہم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت ہماری شریعت نہیں ہے اور ان کی اقتداء نہیں کی جائے گی۔

(۳) آپ اور آپ کے موافقین نے آل عمران: ۳۹ سے جو استدلال کیا ہے تو آپ لوگ اس آیت کو امام مالک سے زیادہ سمجھنے والے نہیں ہیں جو نکاح کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔

(۴) الحصور اس شخص کو کہتے ہیں جو نکاح پر قدرت کے باوجود نکاح نہ کرے اور اپنے نفس کو روکے اور یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شریعت ہے اور ہماری شریعت کا حکم نکاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے۔

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل یعنی انقطاع نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور امام ابوعیسیٰ ترمذی اور امام نسائی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تَبَتُّل سے منع فرمایا ہے اور قتادہ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (الرعد: ۳۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے تھے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی۔

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین مردوں کا اللہ تعالیٰ پر (اس کے کرم سے) حق ہے کہ وہ ان کو غنی کر دے: (۱) وہ مکاتب جو اپنے حصہ کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ کرے (۲) جو شخص پاک بازی کی نیت سے نکاح کرے (۳) جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے''۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ابن العربی لکھتے ہیں کہ مختلف زمانوں میں لوگوں کے مختلف احوال ہوتے ہیں، کسی زمانہ میں نکاح نہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کسی زمانہ میں نکاح کرنا افضل ہوتا ہے، ائمہ حدیث نے درج ذیل حدیث روایت کی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت سے نکاح اس کے مال اور دولت کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور اس کے خاندان کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کیا جاتا ہے، تم دین کی وجہ سے عورت سے نکاح کرو''۔ اس حدیث کی تصدیق درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (النور: ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے با صلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بہت وسعت والا بہت جاننے والا ہے O

اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہیں ایسا مرد نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم اس کے ساتھ نکاح کر دو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فساد ہوگا''۔

علامہ ابن العربی مالکی فرماتے ہیں: ہم نے اس موضوع پر اپنی تفسیر (احکام القرآن) میں بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی ج ۲، جز ۴، ص ۲۴۱۔ ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے یا اس کے برعکس ہے یا دونوں میں مشترک ہے اور دلائل اس پر ہیں کہ نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے

علامہ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی المتوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

لغت میں نکاح کا معنی ہے: ملنا، عرب کہتے ہیں: تناکحت الاشجار یعنی درخت ایک دوسرے سے مل گئے۔

(القاموس المحیط ج ۱ ص ۲۵۴)

زجاج سے منقول ہے: کلام عرب میں نکاح کا معنی وطی ہے (یعنی عورت کو روندنا) اور اس کا معنی عقد بھی ہے یعنی ایجاب اور قبول، پس جب عرب کہتے ہیں کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا یا فلاں کی بیٹی سے نکاح کیا تو وہ اس سے عقد نکاح کا ارادہ کرتے ہیں اور جب وہ کہتے ہیں: اس نے اپنی بیوی سے نکاح کیا تو وہ اس سے صرف مجامعت کا ارادہ کرتے ہیں کیونکہ بیوی کے ذکر سے عقد نکاح سے استغناء ہو جاتا ہے۔

اور نکاح کا لفظ عقد نکاح میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے کیونکہ قرآن اور احادیث میں یہی مشہور ہے۔

نکاح کا لفظ درج ذیل آیت میں عقد کے معنی میں ہے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ۔ (البقرہ: ۲۳۰) یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

نیز حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا، اور دوسرے خاوند کے پاس کپڑے کے پلو کی مثل تھا جس سے اس عورت کی خواہش پوری نہیں ہو سکی، پھر کچھ دنوں بعد اس دوسرے خاوند نے اس کو طلاق دے دی، پس وہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دے دی اور میں نے اس کے علاوہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا، پس اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور اس کے پاس صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، پس وہ مجھ سے مقاربت نہیں کر سکا اور اس کی کوئی چیز میرے اندر نہیں پہنچی، کیا پس میرے لیے میرا پہلا خاوند حلال ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو حتیٰ کہ دوسرا خاوند

تمہاری مٹھاس چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس چکھ لو"۔
(صحیح البخاری: ۵۲۶۵، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۹، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۱۸، موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۳۱)

اس حدیث میں بھی نکاح کا لفظ عقد کے معنی میں ہے وطی کے معنی میں نہیں ہے، نیز کہا جاتا ہے کہ یہ نکاح ہے زنا نہیں ہے یعنی یہ عقد ہے وطی نہیں ہے اور وطی کی نفی اس کی دلیل ہے کہ وطی کا معنی مجازی ہے اور جب بھی نکاح کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے متبادر عقد ہوتا ہے اور اس سے واضح ہوا کہ نکاح کا معنی عقد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے اور قاضی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ نکاح کا لفظ عقد اور وطی دونوں میں مشترک ہے۔
(کشاف القناع ج ۵ ص ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

راجح یہ ہے کہ نکاح کا لفظ عقد اور وطی دونوں میں مشترک ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کتاب النکاح کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاح کا لغوی معنی ہے: ملنا اور ایک دوسرے میں داخل ہونا۔ الفراء نے کہا: اَلنُّکْحُ فرج کا نام ہے اور نکاح کے لفظ کا زیادہ استعمال وطی میں ہے اور عقد کو نکاح اس لیے کہتے ہیں کہ عقد وطی کا سبب ہے اور ابوالقاسم الزجاجی نے کہا ہے کہ نکاح کا لفظ دونوں میں حقیقت ہے اور فارسی نے کہا ہے کہ جب لوگ کہتے ہیں کہ میں نے فلاں عورت سے یا فلاں مرد کی بیٹی سے نکاح کیا تو اس سے مراد عقد نکاح ہے، اور جب وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے نکاح کیا تو اس سے مراد وطی ہے، اور شریعت میں نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے اور یہی صحیح مذہب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کتاب اور سنت میں نکاح کے لفظ کا اکثر استعمال عقد کے معنی میں ہے اور ابوالحسن بن فارس نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں نکاح کا لفظ صرف عقد کے معنی میں ہے جیسا کہ البقرہ: ۲۳۰ میں ہے سوا اس آیت کے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ۔ (النساء: ۶) اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

اور شافعیہ کا دوسرا قول فقہاء احناف کی مثل ہے کہ نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نکاح کا لفظ دونوں میں مشترک ہے اور اسی کو الزجاج نے وثوق سے کہا ہے اور میری نظر میں یہی راجح ہے اگرچہ اس کا اکثر استعمال عقد میں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ جماع کا لفظ عموماً کنایہ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کی صراحت قبیح ہے، اس لیے نکاح سے جماع کا مراد ہونا بعید ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نکاح کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ کتاب احکام النکاح کے بیان میں ہے، الازہری نے کہا ہے: کلام عرب میں نکاح کا لفظ وطی میں اصل ہے اور تزویج کو نکاح اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ وطی کا سبب ہے، اور المغرب میں مذکور ہے کہ نکاح کا لفظ وطی کے معنی میں مجاز ہے اور الزجاج نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نکاح کا لفظ وطی اور عقد دونوں میں مشترک ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس پر دلائل کے نکاح کا لفظ حقیقت میں وطی کے لیے ہے اور اس سے عقد نکاح کا ارادہ کرنا مجاز ہے

علامہ شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

نکاح کا لفظ لغت میں وطی کے معنی میں ہے، عرب کہتے ہیں: تناکحت العری یعنی برہنہ بدن ایک دوسرے سے مل گئے اور کہتے ہیں: انکحنا العری یعنی ہم نے برہنہ افراد کو ملا دیا، اب دیکھتے ہیں کہ ان سے کیا پیدا ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کا معنی ہے: ملنا، پھر اس لفظ کو عقد کے لیے مجازاً استعمال کیا گیا کیونکہ عقد حصول وطی کا سبب شرعی ہے اور اس لیے بھی کہ عقد نکاح میں ایجاب اور قبول ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں اور عقد کرنے والے شریعت کے مصالح کو قائم کرنے میں شخص واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا زعم یہ ہے کہ نکاح کا لفظ شریعت میں صرف عقد نکاح کے لیے ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۔ (النساء: ۶) حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

یعنی وہ بلوغت کو پہنچ جائیں کیونکہ بالغ خواب میں وطی کی صورت دیکھتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً ۔ (النور: ۳) زانی مرد صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے گا۔

اور اس سے مراد وطی ہے اور جس جگہ نکاح کے لفظ کو عقد پر محمول کیا جاتا ہے وہ کسی ایسی دلیل کی بناء پر ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے، اس میں عقد کا ذکر ہوتا ہے یا اولیاء کے پیغام نکاح کا ذکر ہوتا ہے۔

احادیث اور قرآن مجید سے اس پر دلائل کہ نکاح کا لفظ حقیقت میں وطی کے لیے وضع کیا گیا ہے

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ نکاح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نکاح کا لفظ حقیقت میں وطی کے لیے موضوع ہے، اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں سفاح سے پیدا نہیں ہوا''۔
(اعلام النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۱۱، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۸ ص ۲۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۰، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱)

اس حدیث کا معنی ہے: میں وطی حلال سے پیدا ہوا ہوں وطی حرام سے پیدا نہیں ہوا۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: یہودی عورتیں جب حائضہ ہو جاتیں تو وہ نہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور نہ ان کے ساتھ گھروں میں جماع کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ہر کام کرو سوا نکاح کے''۔
(صحیح مسلم: ۳۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۵۸، سنن ترمذی: ۲۹۷۷، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۲، سنن ابن ماجہ: ۶۴۴، سنن دارمی: ۱۰۴۳، صحیح ابن حبان: ۱۳۶۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۰۵۲، السنن بیہقی ج ۱ ص ۳۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۶)

اس حدیث میں بھی نکاح سے مراد جماع ہے کیونکہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ صرف جماع کی ممانعت ہے اور کھانے پینے اور دیگر کاموں کی ممانعت نہیں ہے، اور قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ۝ (النساء: ۲۲)

اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ، دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو گزر چکا، بے شک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے ۝

اس آیت میں نکاح سے مراد عقد نہیں ہے وطی ہے کیونکہ اس آیت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس عورت سے کسی شخص کا باپ زنا کر چکا ہو اس عورت سے اس کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۷۔۱۷۵، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عقد نکاح کے مصالح اور فوائد

علامہ شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

عقد نکاح کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) عقد نکاح سے عورتوں کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے حقوق ثابت ہوتے ہیں (۲) نکاح میں مال خرچ کرنے سے انسان اپنے آپ کو زنا سے محفوظ رکھتا ہے (۳) اس سے اللہ کے بندوں کی کثرت ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہوتا ہے (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمایا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

سعید بن ابی ہلال بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نکاح کرو، نسل بڑھاؤ، کثیر اولاد حاصل کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا"۔

(علامہ العجلونی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام عبدالرزاق اور امام بیہقی (سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۷) نے روایت کی ہے۔
(کشف الخفاء للعجلونی ج ۱ ص ۳۸۰)

(۵) نکاح کی وجہ سے یہ جہان قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ نوع انسانی کی بقاء تناسل کے سبب سے ہے اور تناسل عادۃً مردوں اور عورتوں کے ملاپ سے حاصل ہوتا ہے اور یہی ملاپ وطی ہے اور شریعت نے اس وطی کے حصول کے لیے نکاح کا طریقہ مقرر کر دیا ہے کیونکہ اگر مرد عورت پر غلبہ پا کر اس سے وطی کرے گا تو اس سے فساد لازم آئے گا (۶) اگر بغیر نکاح کے وطی کی جائے اور ایک عورت متعدد مردوں کا محل بنے تو اس سے نسب مشتبہ ہو جائے گا اور اس سے نسل انسانی ضائع ہو جائے گی (۷) جب کہ خواتین حصول رزق کا کسب کرنے سے اور اپنی اولاد کو پالنے کے لیے حصول مال سے عاجز ہیں تو اس لیے شریعت نے یہ مقرر کر دیا کہ جس کا بچہ ہوگا وہ اپنی بیویوں اور بچوں کا خرچ اٹھائے گا اور یہ صرف عقد نکاح سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ عالم کی بقاء نکاح پر موقوف ہے۔ (المبسوط ج ۴ ص ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء مذاہب کے نزدیک نکاح کی شرعی تعریفات

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ وہ عقد ہے جس کو عورتوں پر وطی کی ملکیت کے قصداً حصول کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

اور اس وضع سے مراد شارع علیہ السلام کا وضع فرمانا ہے نہ کہ ایجاب وقبول کرنے والوں کا وضع کرنا مراد ہے۔
(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نکاح کے متعلق لکھتے ہیں:

نکاح کی حقیقت وطی ہے اور اس کی اصل داخل کرنا ہے اور اس کا مشہور اطلاق عقد نکاح پر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

یعنی مشرکات سے عقد نکاح نہ کرو اور نہ ان سے وطی کرو۔ (المفہم ج ۴ ص ۸۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ معاوضہ کے بدلہ میں فرج کا عقد ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف تو زنا کی بعض صورتوں میں بھی صادق آتی ہے اس لیے یہ تعریف مانع نہیں ہے اور یہ تعریف نکاح متعہ پر بھی صادق آتی ہے، لہٰذا یہ مانع نہیں ہے اور یہ کثرت نکاح فاسد کی صورتوں پر بھی صادق آتی ہے اور یہ تعریف جامع بھی نہیں ہے کیونکہ جو نکاح صحیح ہو اور اس میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس پر نکاح کی یہ تعریف صادق نہیں آئے گی۔

اور ابن الحاجب مالکی نے کہا ہے کہ نکاح کے متعدد ارکان ہیں: (۱) ایجاب اور قبول کا صیغہ (۲) ولی (۳) شوہر اور بیوی (۴) مہر۔

علامہ ابن عبد السلام نے کہا کہ علامہ ابن الحاجب نے نکاح کی تعریف نہیں کی کیونکہ انہوں نے نکاح کے ارکان کے ذکر پر اکتفاء کر لیا، کیونکہ حد کا صرف یہی معنی ہے کہ اس کے جمیع اجزاء کا صرف ذکر کر دیا جائے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ بات صرف حد حقیقی میں درست ہے حد شرعی میں درست نہیں ہے، پھر انہوں نے خود نکاح کی حد شرعی بیان کی اور کہا:

نکاح عورت کے ساتھ ایسے متعۃ التلذذ کے عقد کا نام ہے جس کی قیمت واجب نہ ہو اور وہ عقد گواہوں کے ساتھ ہو اور اس کو حرمت متعہ کا علم نہ ہو۔

اس تعریف میں لکھا ہے: جس کی قیمت واجب نہ ہو یہ قید متعہ کو خارج کرنے کے لیے ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۴، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد الشربینی الشافعی من القرن السابع ہجری نکاح کی شرعی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ وہ عقد ہے جو لفظ نکاح یا تزویج کے ساتھ اباحت وطی کو متضمن ہو اور یہ مذہب صحیح کے مطابق عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے۔ (مغنی المحتاج ج ۳ ص ۱۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت) (تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۱۹ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

شریعت میں نکاح تزویج کا عقد ہے اور جب لفظ نکاح مطلقاً بولا جائے تو اس سے یہی عقد مراد ہوتا ہے، اور ہمارے نزدیک نکاح عقد اور وطی دونوں میں حقیقت ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۱۳، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

علامہ شمس الدین عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۸۲ھ نے بھی یہی تعریف لکھی ہے۔

(الشرح الکبیر ج ۹ ص ۱۱۳، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

نکاح عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مذاہب کی تصریحات، (نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب)

علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حالت توقان میں نکاح فرض ہے یعنی جب انسان پر شہوت کا شدید غلبہ ہو حتیٰ کہ وہ عورتوں سے مجامعت کے بغیر صبر نہ کر سکے اور وہ مہر ادا کرنے پر اور بیوی کا خرچ اٹھانے پر قادر ہو اور پھر وہ نکاح نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

اور داؤد بن علی الاصفہانی الظاہری المتوفی ۲۷۰ھ اور دیگر اصحاب ظواہر نے کہا ہے کہ نکاح کرنا اسی طرح فرض عین ہے جس طرح نماز، روزہ، فروض اعیان میں سے ہیں حتیٰ کہ جو شخص وطی کرنے پر قادر ہو اور مہر اور نفقہ کو ادا کرنے پر قادر ہو اور پھر وہ نکاح نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور اصحاب شافعیہ کے نکاح کے شرعی حکم کے متعلق تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نکاح کرنا خرید و فروخت کی طرح مباح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا مطلوب اور مستحب ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ میں سے امام کرخی کا بھی یہی مذہب ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا فرض کفایہ ہے حتیٰ کہ جب بعض مسلمان نکاح کر لیں تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے جیسے تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، اور بعض فقہاء شافعیہ نے کہا کہ نکاح کرنا واجب ہے، پھر بعض نے یہ کہا کہ یہ واجب کفایہ ہے جیسے سلام کا جواب دینا اور بعض نے کہا: یہ واجب عملی بر سبیل عین ہے جیسے صدقہ فطر ادا کرنا، قربانی کرنا اور وتر کی نماز پڑھنا۔

نکاح کے فرض ہونے پر اصحاب الظواہر کے دلائل

نکاح کی فرضیت پر وہ حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۳) — تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ ؕ۔ (النور: ۳۲) — اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے با صلاحیت غلاموں اور باندیوں کا۔

نیز اصحاب ظواہر کا استدلال درج ذیل احادیث سے بھی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق دینے سے رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے''۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۹۱، کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۶۱، الشوکانی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے، الفوائد الموضوعہ ص ۱۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم آپس میں نکاح کرو اور اولاد کی کثرت حاصل کرو کیونکہ میں تمہارے سبب سے قیامت کے دن دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۳، علامہ بوصیری نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ضعیف ہے: الزوائد لابن ماجہ ج ۲ ص ۷۳)

یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۰۵۰ میں بھی مذکور ہے اور سنن نسائی ج ۶ ص ۶۶۔۶۵ میں بھی مذکور ہے اور المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲ میں بھی مذکور ہے اور حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔

نیز یہ حدیث مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸، ۲۴۵ اور سنن سعید بن منصور: ۴۹۰، اور صحیح ابن حبان: ۱۲۲۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۲۔۸۱ اور حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۹ میں بھی مذکور ہے اور دیگر کتب حدیث میں بھی مذکور ہے۔

اصحاب ظواہر کی وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نکاح کرنے کا مطلقاً حکم دیا ہے اور امر مطلق فرضیت اور وجوب کے لیے ہوتا ہے ماسوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ صارفہ ہو، نیز زنا سے اجتناب کرنا واجب ہے اور زنا سے اجتناب کرنا نکاح کرنے پر موقوف ہے اور جس پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

نکاح کے مباح ہونے پر فقہاء شافعیہ کے دلائل اور اصحاب ظواہر کے اس قول کا رد کہ نکاح کرنا فرض یا واجب ہے

امام شافعی نے کہا: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ — اور ان (محرمات) کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں کہ تم

(النساء: ۲۴) اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو۔

اس آیت میں احل کا لفظ ہے کہ تمہارے لیے ان عورتوں کو حلال کیا گیا اور یہ لفظ مباحات میں استعمال ہوتا ہے اور اس لیے کہ نکاح قضاء شہوت کا سبب ہے، سو یہ مباح ہے جیسے قضاء شہوت کے لیے باندیوں کو خریدنا مباح ہے، نیز اس لیے کہ نکاح کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو نفع پہنچاتا ہے اور اپنے آپ کو نفع پہنچانا واجب نہیں ہے بلکہ مباح ہے جیسے کھانا، پینا واجب نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔

اور نکاح کے واجب نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وہ سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے ۝ (آل عمران: ۳۹)

اور حصور اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو قدرت کے باوجود عورتوں سے جماع نہ کرے، اگر نکاح کرنا واجب ہوتا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نکاح کو ترک کرنے کی وجہ سے مدح کے مستحق نہ ہوتے کیونکہ واجب کے ترک پر مذمت کی جاتی ہے نہ کہ مدح۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح کرنا مباح ہے فرض یا واجب نہیں ہے تو اصحاب ظواہر کے اس قول کا رد ہو گیا کہ نکاح کرنا فرض اور واجب ہے، نیز اصحاب ظواہر نے جن احادیث سے نکاح کی فرضیت پر استدلال کیا ہے وہ سب اخبار آحاد ہیں اور اخبار احاد ظنی ہیں قطعی الثبوت نہیں ہیں اور فرضیت اس دلیل سے ثابت ہوتی ہے جو قطعی الثبوت ہو، نیز ان احادیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو نکاح کے لزوم پر دلالت کرتا ہو، لہٰذا یہ احادیث قطعی الدلالۃ بھی نہیں ہیں، پس ان احادیث سے نکاح کی فرضیت کیسے ثابت ہوگی۔

نکاح کے مطلوب اور مستحب ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے اور جو شخص گھر بسانے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھے''۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰۵، ۵۰۶۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۶، سنن نسائی ج ۴ ص ۱۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۵، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷، ۴۲۷، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۵۴۵، مسند ابویعلیٰ: ۵۱۱۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷، شعب الایمان: ۵۴۷۶، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو نکاح کے قائم مقام قرار دیا اور رمضان کے روزوں کے علاوہ روزہ واجب نہیں ہے، لہٰذا نکاح بھی واجب نہیں ہے کیونکہ غیر واجب، واجب کا قائم مقام نہیں ہوتا اور اس لیے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض کی بیوی نہیں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا واجب نہیں ہے، اور نکاح کے مطلوب اور مستحب ہونے پر دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''نکاح میری سنت میں سے ہے، پس جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے''۔ الحدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، مسند احمد: ۱۳۵۴۳)

ان حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نکاح پر وعید فرمائی ہے اور ترک نوافل پر کوئی وعید نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا مطلوب اور مستحب ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور اس پر دوام رکھا اور آپ نے متعدد نکاح کیے اور ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی ایسے افضل کام کو ترک نہیں کرتے جس کی حد معلوم ہو اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح کرنا افضل ہوا تو آپ کی امت کے حق میں بھی نکاح کرنا نکاح نہ کرنے سے افضل ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نکاح نہ کرنے پر مدح کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شریعت میں نکاح ترک کر کے عبادت کے لیے زیادہ وقت نکالنا افضل تھا اور ان کی شریعت ہماری شریعت سے منسوخ ہو گئی۔
(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۳۱۷۔۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

تمام علماء کے نزدیک نکاح کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور ہمارے علم میں داؤد بن علی ظاہری کے سوا کسی نے نکاح کو واجب نہیں کیا (الی ان قال) پس امام شافعی اور ہمارے جمہور اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کو ترک کرنا اور عبادت کے لیے فارغ ہونا افضل ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ نکاح کرنا مکروہ ہے بلکہ نکاح کرنا افضل کام کو ترک کرنا ہے اور امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۶ ص ۳۴۷۸، ۳۴۷۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف مالکی المتوفی ۸۹۷ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

جس شخص کو نکاح کی ضرورت ہو اور وہ نکاح کا خرچ اٹھا سکتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے، اور ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے نکاح نہیں کیا تو پھر وہ زنا کرے گا تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے، اور اگر اس کو زنا کا خوف نہ ہو لیکن وہ وطی کرنے پر یا بیوی کا خرچ اٹھانے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے، اور اللخمی مالکی نے کہا ہے: جس کو نکاح کی خواہش نہ ہو اور وہ بانجھ ہو یا بہت بوڑھا ہو یا خصی ہو تو پھر اس کے لیے نکاح کرنا مباح ہے۔
(التاج والاکلیل لمختصر الخلیل ج ۳ ص ۴۰۳، مکتبۃ النجاح، لیبیا، طرابلس)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الطرابلسی المغربی المالکی المتوفی ۹۵۴ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاح مباح ہونے کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ نکاح کی وجہ سے اس کی عبادت منقطع نہ ہو۔
(مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل ج ۳ ص ۴۰۳، مکتبۃ النجاح، لیبیا، طرابلس)

نکاح شرعی کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موسیٰ بن احمد الحجاوی الصالحی الحنبلی المتوفی ۹۶۰ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

جس شخص کو شہوت ہو اور اس کو زنا کا خطرہ نہ ہو خواہ وہ تنگ دست ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا سنت ہے اور نکاح میں مشغول ہونا عبادت کے لیے فارغ ہونے سے افضل ہے اور جس کو شہوت نہ ہو اس کے لیے نکاح کرنا مباح ہے اور جس کو زنا کا خطرہ ہو اس کے لیے نکاح کرنا واجب ہے۔ (متن الاقناع ج ۵ ص ۵۔۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح میں مشغول ہونا نفلی عبادت کے لیے فارغ ہونے سے افضل ہے، اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل درج ذیل حدیث ہے:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص میرے دین پر ہو اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے دین پر ہو تو وہ نکاح کرے''۔
(کنز العمال: ۴۴۴۳۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے میں مشغول ہوئے حتیٰ کہ آپ نے ایک سے زائد نکاح کیے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے استدلال کرنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حال سے استدلال کرنے سے افضل ہے، اور ہماری شریعت میں گھرداری رہبانیت سے افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ (کشف الخفا للعجلونی ج ۲ ص ۵۱۰) اور نکاح کرنا بہت سی مصلحتوں کا جامع ہے، پس نکاح میں مشغول ہونا نفلی عبادت میں مشغول ہونے سے افضل ہے اور یہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مختار ہے۔ عقد نکاح سے مقصود صرف قضاء شہوت نہیں ہے لیکن اس سے مقصود معیشت کی مصلحت کے اسباب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو قضاء شہوت پر موقوف کر دیا ہے تاکہ مطیع اور عاصی دونوں نکاح کرنے میں راغب ہوں، اور نکاح کی منفعت صرف نکاح کرنے والے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی منفعت دوسروں تک بھی پہنچتی ہے۔
(المبسوط ج ۴ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کتاب النکاح کے ان ضروری مباحث کو لکھنے کے بعد اب ہم صحیح بخاری کی اس کتاب میں مذکور حدیث کو درج کر رہے ہیں اور اس کی شرح کو لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہی اس شرح میں راہ ہدایت اور اس پر استقامت مطلوب ہے۔

۱۔ بَابُ: التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۳)

نکاح کی طرف راغب کرنا کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔
(النساء: ۳)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں امر کا صیغہ ہے جو طلب کا تقاضا کرتا ہے، اور طلب کا کم سے کم درجہ استحباب ہے، پس اس آیت سے نکاح کی ترغیب ثابت ہوگئی اور یہی باب کا عنوان ہے۔
اور نکاح میں اختلاف ہے، پس فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ نکاح عبادت نہیں ہے اس لیے اگر کوئی شخص نکاح کی نذر مان لے تو وہ منعقد نہیں ہوگی، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ نکاح کرنا عبادت ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جن صورتوں میں نکاح کرنا مستحب ہے ان صورتوں میں نکاح کرنا عبادت ہے اور فی حد ذاتہ نکاح کرنا عبادت نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی شرح پر علامہ عینی کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں نکاح کی ترغیب پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس آیت میں نکاح کی اباحت کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ: ۲) اور اس آیت میں شکار کی اباحت کو بیان فرمایا، اور حافظ ابن حجر نے جو کہا ہے کہ امر طلب کا تقاضا کرتا ہے ان کا یہ کلام اصول کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ علامہ عینی نے اس کے بعد اپنی شرح میں لکھا ہے کہ النور: ۳۲، نکاح کی طلب اور استحباب پر دلالت کرتی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۳۔۹۲) (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۸۴، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۵۰۶۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ الطَّوِيلُ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه يَقُولُ جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا فَقَالُوا وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن ابی حمید الطویل نے خبر دی، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ تین مرد نبی ﷺ کی ازواج کے گھروں میں گئے اور ان سے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا، پس جب ان کو بتایا گیا تو گویا انہوں نے اتنی عبادت کو کم سمجھا، پس انہوں نے کہا: کہاں ہم کہاں نبی ﷺ؟ آپ کے تو تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کردی گئی ہے، ان میں سے ایک نے کہا: رہا میں تو میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہوں گا اور روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے اجتناب کروں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ ﷺ آ گئے تو آپ نے فرمایا: تو تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا تھا؟ سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور بے شک میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، مسند عبد بن حمید: ۱۳۱۸، صحیح ابن حبان: ۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۱، مسند احمد: ۱۳۵۳۴، کنز العمال: ۵۸۱۳، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵، در منثور ج ۲ ص ۲۱۰، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۴، سنن نسائی ج ۶ ص ۶۰)

جس نے آپ کی سنت سے اعراض کرنے کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا تو وہ مذموم ہے اور جس نے عبادت میں مدد کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا تو اس پر ملامت نہیں ہے

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ''نکاح کرنا اسلام کی سنتوں میں سے ہے (سنن ترمذی: ۱۰۸۰) اور ہماری شریعت میں رہبانیت نہیں ہے اور جس نے سیدنا محمد علیہ السلام کی سنت سے اعراض کرتے ہوئے نکاح کو ترک کیا تو وہ مذموم اور مبتدع ہے اور جس نے اس وجہ سے نکاح کو ترک کیا کہ نکاح نہ کرنا اس کی عبادت میں زیادہ موافق اور مددگار ہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی سنت سے اعراض نہیں کیا اور عبادت کرنے میں ائمہ کی اقتداء ہے اور دن

اور رات میں ان کی سیرتوں اور ان کے احوال سے بحث ہے۔ ہاں! جس نے ان کی سیرتوں پر اضافہ کا ارادہ کیا تو وہ مفسد ہے کیونکہ عبادت میں متوسط طریقہ اور میانہ روی کو اختیار کرنا اولیٰ ہے حتیٰ کہ وہ کسی کام سے عاجز نہ ہو جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین عمل وہ ہے جس پر کوئی شخص دوام کرے''۔

(صحیح البخاری: ۶۴۶۴) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۷، دار الکتب علمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بعض صورتوں میں فقہاء حنبلیہ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک نکاح کرنا واجب ہے

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اکثر علماء کے نزدیک نکاح کرنا واجب نہیں ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۶۸۔ ۴۶۶، احکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۱۳۷۷)

اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے یا پابندیاں رکھنا واجب ہے جب اس کو زنا کا خطرہ ہو۔ (طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۳۲۸) اور یہ ہمارا بھی ایک قول ہے۔

(النجم الوہاج ج ۷ ص ۱۲) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ: اگر زنا کا خطرہ ہو تو فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی نکاح کرنا واجب ہے جیسا کہ ابھی باحوالہ گزر چکا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رہط اور نفر کا فرق اور جن تین صحابہ نے ازواج مطہرات سے سوال کیا تھا ان کے اسماء اور اس سلسلہ میں دیگر روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ تین رہط آئے اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے: تین نفر آئے، اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ رہط کا اطلاق تین سے دس تک پر ہوتا ہے اور نفر کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوتا ہے اور یہ دونوں اسم جمع ہیں اور ان کا اس لفظ سے کوئی واحد نہیں آتا۔

سعید بن المسیب سے امام عبد الرزاق نے مرسلاً روایت کی ہے کہ جن تین مردوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھے: حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم۔

اسباب واحدی میں بغیر سند کے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ کیا اور اللہ سے ڈرایا، پس دس صحابہ جمع ہوئے اور وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابو بکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت علی (۴) حضرت ابن مسعود (۵) حضرت ابوذر (۶) حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ (۷) حضرت مقداد (۸) حضرت سلمان (۹) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (۱۰) حضرت معقل بن مقرن رضی اللہ عنہم۔ یہ تمام صحابہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے اور یہ اس پر متفق ہوئے کہ یہ دن میں روزہ رکھیں گے اور رات بھر قیام کریں گے اور بستروں پر نہیں سوئیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے اور بیویوں سے مجامعت نہیں کریں گے اور اپنے آلات کو کاٹ دیں گے۔

اگر یہ روایت محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ جن تین مردوں کے سوال کا صحیح بخاری میں ذکر ہے ان کا ذکر ان کی خصوصیت کی وجہ سے کیا گیا ہو اور کبھی ان سب کی طرف نسبت کی گئی کیونکہ یہ سب طلب عبادت میں مشترک تھے۔

یہ لوگ تین سے زیادہ تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے سعید بن ہشام سے روایت کی ہے کہ وہ مدینہ میں آئے اور

انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی زمینوں کو بیچ کر اللہ کی راہ میں وقف کر دیں گے اور رومیوں سے تا حیات جہاد کریں گے، پھر ان کی مدینہ میں چند صحابہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کو اس کام سے منع کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں چھ مردوں نے اس کام کا ارادہ کیا تھا تو آپ نے انہیں اس کام سے منع فرمایا ہے، پس جب ان کو یہ حدیث معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا جس کو وہ طلاق دے چکے تھے۔

صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنہائی میں عبادت کو کم کیوں سمجھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہائی میں زیادہ عبادت کرنے کی کیا وجہ بیان فرمائی

اس حدیث میں مذکور ہے: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا: امام مسلم نے علقمہ سے روایت کی ہے: یعنی ان کا سوال تنہائی میں آپ کی عبادت کے متعلق تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرما دی ہے: اس کا معنی یہ ہے: یعنی جس کو اپنی مغفرت کا علم نہ ہو اس کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اس کو مغفرت حاصل ہو اور جس کو مغفرت حاصل ہو چکی ہے اس کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ بتایا کہ یہ لازم نہیں ہے، پس اشارہ کیا کہ آپ ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اور حضرت عائشہ سے جو روایت ہے اس میں مذکور ہے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں! یعنی آپ اس لیے عبادت میں زیادہ کوشش کرتے تھے کہ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت کلی کی نوید اور اس وجہ سے آپ کی تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلی مغفرت کر دی گئی ہے اور یہ آپ کی عظیم خصوصیت ہے کیونکہ حشر کے دن تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور وہ سب کہیں گے: نفسی نفسی لیکن آپ مطمئن ہوں گے اور جب آپ سے شفاعت کا سوال کیا جائے گا تو آپ کہیں گے انا لها انا لها میں ہی اس شفاعت کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں۔ اگر دنیا میں پہلے ہی آپ کو یہ نوید نہ سنا دی گئی ہوتی کہ آپ کی مغفرت کلی کر دی گئی ہے تو جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام سے جب شفاعت کرنے کا سوال کیا گیا تو انہوں نے نفسی نفسی کہا اور شفاعت کرنے سے گریز کیا اور آپ کو دنیا میں مطمئن نہ کر دیا ہوتا تو آپ بھی اسی طرح کہتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن کر دیا اور دنیا میں آپ کی مغفرت کلی کا اعلان کر دیا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دو زانو بیٹھے ہوں گے، ہر امت اپنے اپنے نبی کے پاس جائے گی، وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر ختم ہوگی، پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۱۸)

صحیح البخاری: ۴۷۱۸ پر بعض لوگوں کا یہ اعتراض کہ یہ اسماعیل بن ابان کی روایت ہے اور وہ شیعہ ہے اس لیے یہ روایت مقبول نہیں

صحیح البخاری کی اس روایت پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث اسماعیل بن الوراق الازدی سے مروی ہے اور

اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شخص شیعہ اور رافضی تھا اس لیے اس کی روایت مقبول نہیں ہے، اس کے متعلق حافظ یوسف المزی المتوفی ۷۴۳ھ نے لکھا ہے کہ: ابواحمد العدی نے کہا کہ یہ کوفیوں میں سے تشیع کے عقیدے پر تھا، اور رہا صدق تو یہ روایت میں صادق تھا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۱۲۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اس اعتراض کا جواب اور متشیع اور شیعہ کا فرق

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شیعہ اور متشیع میں فرق ہے، اسماعیل بن ابان متشیع تھا شیعہ نہیں تھا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

متقدمین کے عرف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تفضیل اور تقدم کے اعتقاد کو تشیع کہتے ہیں اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور ان کے مخالفین خطا پر تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی پر مقدم رکھتے ہیں اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں اور ان میں سے بعض یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل خلق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور جب اس کا معتقد متقی، دین دار، صادق اور مجتہد ہو تو اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی، خصوصاً جب کہ وہ اپنے عقیدہ کی دعوت نہ دیتا ہو اور رہا وہ تشیع جو متاخرین کے عرف میں ہے تو وہ محض رفض ہے اور رافضی غالی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۸۶۔۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک بدعت صغریٰ ہے جیسے تشیع ہو یا تشیع بلا غلو ہو اور ایسے لوگ تابعین میں بہ کثرت ہیں اور تبع تابعین میں بھی ہیں اور یہ متقین اور صادق ہیں، اگر ان لوگوں کی حدیث رد کر دی جائے تو تمام آثار نبویہ ساقط ہو جائیں گے اور یہ بہت بڑی خرابی ہے اور دوسری بدعت کبریٰ ہے جو کامل رافضی ہو اور رفض میں غلو کرتا ہو اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا مقام کم کرتا ہو، پس اس قسم کے راویوں کی روایت قبول نہیں ہوگی۔

متقدمین کے زمانہ اور ان کے عرف میں شیعی غالی وہ ہیں جو حضرت عثمان اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے تھے، اور ہمارے زمانہ میں شیعی غالی وہ ہیں جو ان عظیم صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، پس یہ لوگ گمراہ ہیں اور ابان بن تغلب حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بالکل تعرض نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۱۹۔۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اسماعیل بن ابان الورّاق کی تعدیل، ثقاہت اور اس کی روایت کے مقبول ہونے کے متعلق ائمہ رجال کی تصریحات

حافظ ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ اسماعیل بن ابان کے متعلق لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ ثقہ ہے، امام بخاری نے کہا یہ بہت سچا ہے، امام نسائی نے کہا: اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۱۲۰۔۱۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اسماعیل بن ابان کے متعلق لکھتے ہیں:

اسماعیل بن ابان الازدی الکوفی الوراق امام بخاری کے شیخ ہیں اور ان سے یحییٰ اور احمد روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے کہا کہ یہ بہت سچے ہیں اور دوسروں نے کہا: یہ تشیع کرتے تھے، اور دار قطنی نے کہا: میرے نزدیک یہ قوی نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اسماعیل بن ابان کے متعلق لکھتے ہیں:
امام احمد بن حنبل، امام احمد بن منصور الرمادی، امام ابوداؤد اور مطین نے کہا: یہ ثقہ ہے اور امام بخاری نے کہا: یہ بہت سچے ہیں اور امام نسائی نے کہا: ان کی روایت میں حرج نہیں اور ابن معین نے کہا: اسماعیل بن ابان الوراق ثقہ ہیں، الجوز جانی نے کہا: اسماعیل الوراق حق سے انحراف کرتے تھے اور حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے، ابن عدی نے کہا: یہ کوفیوں کی طرح تشیع کرتے تھے اور روایت میں بہت صادق تھے۔ یہ دو سو سولہ (۲۱۶)ھ میں فوت ہو گئے تھے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بزار نے کہا ہے: ان کا عیب تشیع میں شدت تھا، ان کے سماع میں عیب نہیں ہے، اور الدار قطنی نے کہا: یہ ثقہ مامون ہیں، امام احمد نے ان کی ثناء کی ہے اور ابن شاہین نے کہا: یہ ثقہ ہیں اور عثمان بن ابی شیبہ نے کہا: اسماعیل بن ابان الوراق ثقہ صحیح الحدیث ہیں، ان سے کہا گیا: اسماعیل بن ابان ہمارے نزدیک غیر محمود ہے، انہوں نے کہا کہ وہ دوسرا اسماعیل ہے جو الوراق نہیں الغنوی ہے اور وہ کذاب ہے اور امام حاکم نے کہا: الوراق ثقہ ہے اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن المدینی نے کہا: ان کی روایت میں حرج نہیں اور رہا غنوی تو میں نے اس کو ترک کر دیا، وہ بہت ضعیف ہے اور جعفر بن محمد نے کہا کہ اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۱ ص ۲۴۵۔ ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: اسماعیل بن ابان الوراق الازدی ابو اسحاق کوفی ثقہ ہیں، ان میں تشیع کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ ان سے امام بخاری نے اور امام ابوداؤد نے مراسیل میں اور امام ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے۔
(تقریب التہذیب ج۱ ص ۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

صحیح البخاری: ۴۷۱۸ کی امام احمد رضا سے تائید اور توثیق

ہم نے صحیح البخاری: ۴۷۱۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام لوگوں کی شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کی شفاعت فرمائیں گے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ بھی اسی طرح لکھتے ہیں:
اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام "نفسی نفسی" فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "انا لہا انا لہا" میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے فرمائیں گے، انبیاء و مرسلین و ملائکۃ المقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم، سب سر بہ گریباں وہ ساجد و قائم، سب محل خوف میں وہ امن و ناعم سب، اپنی فکر میں انہیں فکر عوالم، سب زیر حکومت وہ مالک و حاکم، بارگاہ الٰہی میں سجدہ کریں گے۔ ان کا رب انہیں فرمائے گا: یا محمد ارفع راسک وقل تسمع۔
(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ص ۴۵، فرید بک اسٹال، لاہور)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس افضلیت کو بیان کرنے کے بعد ہم پھر صحیح البخاری: ۵۰۶۳ کی شرح کی طرف رجوع کر رہے ہیں:
حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے: ان صحابہ میں سے ایک نے کہا: رہا میں تو میں ساری رات ہمیشہ نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور انہوں نے اس کو مؤکد نہیں کیا کیونکہ رمضان کی راتوں میں روزہ نہیں ہوتا اور ایام عید میں بھی روزہ نہیں ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو یہ بتلایا کہ اعتدال سے عبادت کرنا عبادت میں شدت اور مبالغہ کرنے سے افضل ہے

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔

اس ارشاد میں ان صحابہ کے اس خیال کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی مغفرت کر دی گئی ہو اس کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے برخلاف جس کی مغفرت کا حال معلوم نہ ہو اس کو زیادہ عبادت کرنی چاہیے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ جو لوگ عبادت میں زیادہ شدت اور مبالغہ کرتے ہیں آپ ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ متقی ہیں کیونکہ شدت کے ساتھ عبادت کرنے کی وجہ سے کبھی انسان اکتا جاتا ہے اور تھک جاتا ہے اس کے برخلاف جو میانہ روی اور اعتدال سے عبادت کرتا ہے وہ اس طریقہ سے دائماً عبادت کر سکتا ہے اور بہترین عمل وہی ہے جس پر عمل کرنے والا دوام کرے۔

''جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ مجھ سے نہیں ہے'' اس حدیث کے دو محمل، اور آپ کی میانہ روی کی فضیلت

اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے: سنت سے مراد یہاں پر طریقہ ہے، سنت سے مراد وہ معنی نہیں ہے جو فرض کے بالمقابل ہو اور یہاں مراد یہ ہے کہ جس نے میرے طریقہ کو ترک کر دیا اور کسی اور کے طریقہ کو اختیار کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اس ارشاد میں آپ نے رہبانیت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ عیسائی راہبوں نے اپنی طرف سے دین میں شدت کی، پھر وہ دین پر قائم نہ رہ سکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ - (الحدید: ۲۷)

اور رہبانیت کو انہوں از خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا)، پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا حق تھا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ الحنیفیہ السمحہ ہے یعنی معتدل طریقہ ہے، آپ روزے چھوڑتے ہیں تاکہ روزے رکھنے پر طاقت حاصل ہو اور رات کو نیند کرتے ہیں تاکہ رات کے قیام پر قوت حاصل ہو، اور شہوت توڑنے کے لیے نکاح کرتے ہیں اور نفس کی پاکیزگی کے لیے اور نسل بڑھانے کے لیے۔

آپ نے فرمایا: وہ مجھ سے نہیں ہے یعنی اگر کسی نے کسی تاویل سے میرے طریقہ سے اعراض کیا تو وہ میرے طریقہ محمودہ پر نہیں ہے اور اگر اس نے میرے طریقہ کو غلط سمجھ کر اس سے اعراض کیا تو پھر وہ میری ملت پر نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

حدیث مذکور کے درج ذیل فوائد اور مسائل ہیں:

(۱) اس حدیث میں نکاح کی فضیلت اور اس پر ترغیب ہے (۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکابر کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے تاکہ ان کے افعال کی اتباع ہو سکے اور اگر مردوں سے ان کے احوال معلوم نہ ہو سکیں تو عورتوں سے معلوم کرنا چاہیے جیسے ان صحابہ نے ازواج مطہرات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی مقدار کو معلوم کیا (۳) جو شخص کسی نیک عمل کا عزم کرے اور اس کو ریاکاری کا خطرہ نہ ہو تو اسے اپنے عزم کا اظہار کرنا چاہیے جیسے ان صحابہ میں سے کسی نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کسی نے کہا: میں رات بھر نماز میں قیام کروں گا (۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو مسائل کی تعلیم دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہیے اور لوگوں کے شبہات کو زائل کرنا چاہیے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے شبہ کو زائل فرمایا کہ میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں روزے رکھتا بھی ہوں اور روزے چھوڑتا بھی ہوں۔ الحدیث۔ (۵) کوئی مباح کام کبھی حسن نیت سے مستحب ہو جاتا ہے اور کبھی حسن نیت کے بغیر مکروہ ہو جاتا ہے جیسے زیادہ عبادت کرنا اگر میانہ روی سے ہو تو مستحب ہے اور اگر بہت شدت سے ہو اور تقشف کی طرف مفضی ہو تو مکروہ ہے (تقشف کا معنی ہے: اپنے نفس کو مشکل میں ڈال کر زیادہ عبادت کرنا) (۶)

امام طبری نے کہا: اس حدیث میں ان زاہدین کا رد ہے جو اچھے کھانوں اور اچھے کپڑوں سے منع کرتے ہیں اور موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور سخت غذا کھاتے ہیں (۷) قاضی عیاض نے کہا: اس میں سلف صالحین کے احوال مختلف ہیں، بعض کا وہی نظریہ ہے جو امام طبری نے کہا ہے اور بعض نے کہا ہے: دنیا کی لذیذ چیزوں کو ترک کر دینا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَاۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ۔ (الاحقاف: ۲۰)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں کو نہیں چھوڑا ان کو آخرت میں عذاب ہوگا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی اور سختی دونوں پر عمل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: حق یہ ہے کہ دنیاوی لذائذ پر دوام کرنا عیش و عشرت اور تکبر کی طرف لے جاتا ہے اور جو شخص ایسا ہو وہ شبہات میں واقع ہونے سے مامون نہیں ہے اور اس طرح جو شخص کبھی کبھار دنیاوی لذائذ کو استعمال کرنے سے منع کرے وہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِؕ۔ (الاعراف: ۳۲)

(اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو۔

جیسا کہ عبادت میں شدت کو اختیار کرنا اس ملال اور اکتاہٹ کی طرف لے جاتا ہے جس سے اصل عبادت اور فرائض کے منقطع ہونے کا خطرہ ہے اور نفلی عبادات کو ترک کرنا عبادات میں تر و تازگی کے اندر سستی کو پیدا کرتا ہے اور بہترین امور وہ ہیں جو درمیانے ہوں اس لیے انسان نہ ترک لذائذ پر دوام کرے اور نہ ہمیشہ سختیاں برداشت کرے اور نہ ہمیشہ عیش و عشرت میں رہے، اس طرح نہ عبادت میں زیادہ شدت کو اختیار کر لے اور نہ صرف فرائض پر اکتفاء کرے اور نفلی عبادات کو ترک کر دے بلکہ ہر دو شعبوں میں میانہ روی اور اعتدال سے کام لے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۵۔ ۲۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

دیگر شراح بخاری کی شرح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۳۔ ۹۲، تیسیر القاری ج ۵ ص ۲۵۔ ۲۴)

علامہ ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی مصری متوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا شروط مخصوصہ کے ساتھ سنت ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ عبادات میں سے ہے یا مباحات میں سے ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ مباحات میں سے ہے، اسی لیے کافر کا نکاح صحیح ہے۔

(منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۲۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق سے زیادہ عبادت کرنے کی قوت عطا کی گئی تھی لیکن آپ کا مقصد شریعت سازی اور امت کی

تعلیم تھا اور عبادت کا ایسا طریقہ بتانا تھا جس سے عبادت کرنے والے کو ملال اور اکتاہٹ نہ ہو، ابن المنیر نے کہا کہ ان صحابہ نے عبادت کرنے کو عذاب کے خوف میں منحصر سمجھا اور جب ان کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں تو انہوں نے آپ کی عبادت کی کم مقدار کو اس پر محمول کیا کہ آپ کو زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے جلال ذات کا خوف شدید عبادت کرنے سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ شدت عبادت پر دوام نہیں ہو سکتا اور جو عمل قلیل ہو اور دائمی ہو وہ اس کثیر عمل سے بہتر ہے جو اکتاہٹ کی وجہ سے منقطع ہو جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت بہ طور شکر کرتے ہیں اور بہ طور تعظیم کرتے ہیں، اور آپ عذاب کے خوف سے عبادت نہیں کرتے کیونکہ آپ معصوم ہیں اور عذاب سے مامون ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۸۵۔۳۸۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

نکاح کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی مکروہ اور کبھی سنت، جو شخص نکاح کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور اس کو زنا کا خطرہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ نکاح کرے اور جو شخص نکاح کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور اس کو زنا کا خطرہ نہ ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا سنت ہے اور جس شخص کو زنا کا خطرہ نہ ہو لیکن وہ نکاح کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو یا نکاح کے حقوق ادا نہ کر سکتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۲۲۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت بہ طور شکر کرتے ہیں اور اس کے جلال ذات کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں

علامہ القاضی بدر الدین الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان صحابہ نے یہ سمجھا تھا کہ عبادت صرف عذاب کے خوف سے کی جاتی ہے اور جب کہ انہیں معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں اور آپ کو عذاب کا خوف نہیں ہے تو انہوں نے آپ کی عبادت کی کم مقدار کو اسی پر محمول کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف کی بہ نسبت اس کی جلال ذات کی وجہ سے عبادت کرنا زیادہ لائق ہے اور یہ بتایا کہ قلیل عبادت کو دائماً کرنا اس سے افضل ہے کہ کثیر عبادت کی جائے جو ملال کی وجہ سے منقطع ہو جائے، اور اس حدیث میں قاضی کے مذہب کی صحت پر دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کو واجب کر دے تو وہ واجب ہو جائے گا، خواہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ترک کرنے پر عذاب سے نہ ڈرایا ہو اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بہ طور شکر عبادت کرتے ہیں اور اس کے جلال ذات کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ عذاب کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ آپ معصوم ہیں اور عذاب سے مامون ہیں۔ (مصابیح الجامع ج ۸ ص ۸۔۷، دار النوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

داؤد ظاہری کا نکاح کی فرضیت پر استدلال اور مصنف کا اس پر مواخذہ

غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ اور اس کے متبعین نے کہا ہے کہ نکاح کرنا اس پر فرض عین ہے جو وطی پر قادر ہو اور خرچ اٹھا سکتا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف بن ہلالی سے پوچھا: کیا تمہاری بیوی ہے اے عکاف!؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تمہاری باندی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم تندرست اور مال دار ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! والحمد للہ۔ آپ نے فرمایا: تب تم شیاطین کے بھائیوں میں سے ہو یا تم عیسائیوں کے راہبوں میں سے ہو، اور اگر تم ہم میں سے ہو تو تم اس طرح کرو جس طرح ہم کرتے ہیں کیونکہ نکاح کرنا ہماری سنتوں میں سے ہے اور تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو کنوارے ہوں اور تم میں

سے بدترین مردے وہ ہیں جو کنوارے ہوں، اے عکاف! تم پر افسوس ہے تم شادی کرو، تم نکاح کرو، پس حضرت عکاف رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس وقت تک نکاح نہیں کروں گا جب تک کہ آپ میرا نکاح کسی عورت سے نہ کر دیں جس سے آپ چاہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا نکاح اللہ کے نام اور اس کی برکت سے کریمہ کلثوم الحمیری سے کر دیا۔ اس حدیث کی امام ابو یعلیٰ الموصلی نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ بقیہ سے روایت کی ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۱۲ ص ۲۶۱، الا حاد والمثانی ج ۳ ص ۹۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۸۱، تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۶۸)

میں کہتا ہوں کہ: اس حدیث سے بالعموم نکاح کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، یہ آپ کا صرف اس مخصوص صحابی کے لیے ارشاد ہے۔ ثانیاً: یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ ثالثاً: بہ کثرت احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نکاح کرنا سنت ہے، امام ترمذی کی روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: الحیاء، التعطر، السواک اور النکاح۔

(سنن ترمذی: ۱۰۸۰، مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۱)

لہٰذا نواب صدیق حسن کا اس حدیث سے نکاح کو فرض قرار دینا ثابت نہ ہوا۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا اس حدیث کے ترجمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار لکھنا اور مصنف کا اس پر مواخذہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تین آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس آپ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کی غرض سے آئے۔ جب گھر والوں نے انہیں صورت حال بتائی تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا لیکن پھر انہوں نے کہا: ہمارے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ الی آخرہ

(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۳۲، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت سے احتراز لازم تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ سے کوئی گناہ نہیں ہوا نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہ سہواً نہ عمداً نہ حقیقتاً نہ صورتاً، اور اس حدیث کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے جو سلیم اللہ خان دیوبندی نے کیا ہے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو معاف فرما دیا اور معاف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے کوئی خطا ہوئی تھی جس کو معاف کر دیا کیونکہ خلاف اولیٰ کام خطا اور گناہ نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات کو بلند کر دیا اور دنیا میں آپ کی مغفرت کا اعلان اس لیے تھا کہ آپ قیامت کے دن تسلی اور اطمینان سے اپنی امت کی شفاعت کریں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح نفسی نفسی نہ کہیں بلکہ انا لھا انا لھا کہیں یعنی میں ہی اس شفاعت کے لیے مقرر کیا گیا ہوں۔ (سعیدی غفرلہ)

خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہوتا، اس پر اعلیٰ حضرت کی تصریح

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ کی صراحت کرتا ہے، کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، وہ صرف خلاف اولیٰ ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کا کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ ردالمحتار میں ابوالسعود سے منقول ہے اور گناہ اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، پھر علماء اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور گناہ

سے بڑھ کر کون سا عظیم حرج ہوگا اس لیے کہ جو کام گناہ ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے اور جس کام کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی کراہت تحریم کا معنی ہے اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیسا کہ تلویح میں ہے، اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ سات (۷) دلائل ہیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض ابناء زمانہ نے رسالہ شرب الدخان (حقہ پینے کی حرمت پر رسالہ) میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بنا کر فاحش غلطی اور عظیم خطا کی ہے، البتہ صاحب بحر نے اپنی البحر الرائق میں تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے، پس اس بحث کو سمجھ لو اور دیوانہ نہ بنو۔

(فتاویٰ رضویہ (جدید) ج۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، اپریل ۱۹۹۶ء)

الحمد للہ رب العلمین! کتاب النکاح کی پہلی حدیث کی شرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہوگئی اور اس شرح میں یہ عظیم مباحث آ گئے اور اب ہم کتاب النکاح کی دوسری حدیث کو شروع کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق

۵۰۶۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَ إِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا ۝﴾ (النساء: ۳) قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا يُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ صَدَاقِهَا فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فَيُكْمِلُوا الصَّدَاقَ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے حسان بن ابراہیم سے سنا از یونس بن یزید از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (النساء: ۳) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو، دو دو سے تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو (صرف) ایک سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ باندیوں سے نفع اٹھاؤ، یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ O حضرت عائشہ نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یتیم لڑکی اپنے سرپرست کی گود میں ہوتی تھی، پس وہ اس کے مال و دولت میں اور اس کے حسن و جمال میں رغبت رکھتا اور یہ چاہتا کہ اس کا مہر رواج کے مطابق مہر سے کم رکھے تو ان کو اس سے منع کیا گیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ بے انصافی نہ کریں، پس ان کو پورا پورا مہر دیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ان یتیم لڑکیوں کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور کو بیان کیا جا رہا ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۲۷۶۳، ۴۵۷۳، ۴۵۷۴، ۴۶۰۰، ۵۰۶۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، الرقم المسلسل: ۷۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۳)

ضروری ہے کہ یتیم لڑکی کا مہر رواج کے مطابق مقرر کیا جائے اور امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے النسآء: ۳ کی جو تفسیر کی ہے اس سے امام مالک نے یہ فقہی مسائل مستنبط کیے ہیں کہ رواج کے مطابق مہر مقرر کرنا چاہیے اور اس میں جو کمی یا زیادتی ہو اس کو پورا کرنا چاہیے، پس واجب ہے کہ لوگوں کے عرف اور رواج میں ان کے احوال کے مطابق مہر کی مقدار مقرر کی جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ یتیم لڑکی کا مہر رواج کے مطابق مہر سے کم رکھا جائے اس لیے واجب ہے کہ تنکوں یا لکڑی کے گٹھڑ یا غیر قیمتی چیزوں کو مہر نہ بنایا جائے اور امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار وہ ہے جس کے عوض کسی مسلمان عورت کے عضو کو مباح کیا جائے اور یہ اس سے کم نہ ہو جس کے عوض مسلمان چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اس کی مقدار چوتھائی دینار ہے اور اس شرح کے بعد اس مسئلہ میں مذاہب علماء کو بیان کیا جائے گا (میں کہتا ہوں کہ: فقہاء احناف کے نزدیک مہر کی کم از کم رقم دس درہم ہے جو آج کی تاریخ ۵ نومبر ۲۰۱۱ء کے مطابق تین ہزار چھ سو (۳۶۰۰) پاکستانی روپے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

(۱) قرآن مجید کی تفسیر صرف اسی سے معلوم کی جائے جس کو اس آیت کا علم ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس آیت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علم تھا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں۔

(۲) جو عورت یتیم نہ ہو اس کا مہر رواج کے مہر سے کم رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یتیم لڑکی کے لیے رواج کے مطابق مہر کو لازم قرار دیا ہے اور یہ اس آیت کے مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔

(۳) جب یتیم لڑکی کا سرپرست اس کا مہر رواج کے مطابق رکھے تو وہ خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

یتیم لڑکی کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

النساء: ۳ اس مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کے زیر پرورش یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ لڑکی مال دار ہوتی تھی، پس وہ اس کے مال و دولت کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا لیکن اس لڑکی کے مال کی وجہ سے اس کی اور کوئی چیز اس مرد کو پسند نہ ہوتی، پھر وہ اس کو ضرر پہنچاتا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتا۔

الواحدی نے سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ لوگ یتیموں کے مالوں میں حرج سمجھتے تھے، پس جب انہوں نے یتیموں کے مالوں کے متعلق سوال کیا تو (النساء: ۳) نازل ہوئی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۶ ص ۸۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری کے شیخ علی کا پورا نام

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس حدیث کی علی سے روایت کی اور میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا کہ یہ علی کس کی طرف منسوب ہے لیکن المزی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ علی بن المدینی ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ علی بن المدینی امام بخاری کے مشائخ میں ہیں، پس جب امام بخاری نے مطلقاً علی کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کو علی بن المدینی پر محمول کر دیا لیکن حسان نے ذکر کیا ہے کہ یہ علی بن حجر ہیں اور وہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں اور یہ حسان کرمان کے قاضی ہیں، ابن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام بخاری نے ان سے صرف یہی روایت کی ہے، ابن عدی نے کہا: یہ صادق ہیں مگر بسا اوقات غلطی کرتے ہیں، امام بخاری کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی، یہ امام بخاری کی وفات سے پہلے دو سو چھ (۲۰۶) ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اس حدیث کی مفصل شرح سورۃ النساء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

النساء: ۳ کا شان نزول

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سورۃ النساء کی تفسیر میں اس حدیث کی حسب ذیل شرح لکھی ہے:
عروہ بیان کرتے ہیں کہ: کسی یتیم لڑکی کے کھجور کے درختوں میں کھجوروں کے خوشے ہوتے تھے تو اس کا سرپرست اس لڑکی کو اپنے پاس روکے رکھتا تھا، پس یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی جو یتیم لڑکی سے نکاح کرنے سے اعراض کرتا تھا اور جو یتیم لڑکی حسین وجمیل ہوتی اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اس لڑکی کو اس کے رواج کے مطابق مہر نہ دے اور اس سے نکاح کرے اور اس وجہ سے اس کو اپنے پاس روکے رکھتا تھا تو ایسے مردوں کو یہ حکم دیا گیا کہ جب تم ان یتیم لڑکیوں سے نکاح نہیں کر رہے تو تم کسی اور لڑکی کو پسند کر لو جو تم کو پسند ہو، پس ان مردوں کو حکم دیا گیا کہ جن یتیم لڑکیوں کے حسن وجمال اور مال ودولت میں تم رغبت رکھتے ہو اور ان کو رواج کے مطابق مہر نہ دینا چاہتے ہو یا جن لڑکیوں کے پاس مال کم اور حسن وجمال بھی کم ہو اور تم ان سے نکاح میں رغبت نہ رکھتے ہو تو پھر ان کا نکاح کسی اور سے کر دو۔

حدیث مذکور کے فوائد اور مسائل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ عدل کرنا چاہیے اور ان کو رواج کے مطابق مہر دینا چاہیے اور ان کے سرپرست کے علاوہ بھی کوئی ان سے نکاح کر سکتا ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ بالغہ لڑکی کو یتیمہ نہیں کہا جاتا الا یہ کہ اس پر مجازاً یتیمہ کا اطلاق کیا جائے اور اس حدیث کے بقیہ مباحث کتاب النکاح میں آئیں گے (مگر کتاب النکاح میں حافظ ابن حجر عسقلانی ان مباحث کا ذکر کرنا بھول گئے۔ سعیدی غفرلہ)
(فتح الباری ج ۵ ص ۵۳۹۔ ۵۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شرح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ، علامہ القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ سب نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں علی کا پورا نام نہیں ہے اور ان کا پورا نام علی بن عبد اللہ المدینی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۴، منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۲۶، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۸۵)

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ علم کی فضیلت ہے خواہ وہ مردوں میں ہو یا عورتوں میں ہو کیونکہ حضرت عروہ بن الزبیر اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قرآن مجید کی تفسیر پوچھتے تھے، اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مرد عورت سے علم حاصل کر سکتا ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۱۸، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ لِأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَهَلْ يَتَزَوَّجُ مَنْ لَا أَرَبَ لَهُ فِي النِّكَاحِ

نبی ﷺ کا ارشاد: تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح نظر نیچی رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت رکھتا ہے اور جس شخص کو نکاح کی حاجت نہ ہو آیا وہ نکاح کرے یا نہ کرے

جس شخص پر غلبۂ شہوت نہ ہو اس کے نکاح کرنے متعلق علماء کا اختلاف

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس شخص پر شہوت کا غلبہ نہ ہو اس کے نکاح کرنے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے آیا اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے یا نہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۶، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۴)

۵۰۶۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ فَلَقِيَهُ عُثْمَانُ بِمِنًى فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً فَخَلَوَا فَقَالَ عُثْمَانُ هَلْ لَكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي أَنْ نُزَوِّجَكَ بِكْرًا تُذَكِّرُكَ مَا كُنْتَ تَعْهَدُ فَلَمَّا رَأَى عَبْدُ اللهِ أَنْ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى هٰذَا أَشَارَ إِلَيَّ فَقَالَ يَا عَلْقَمَةُ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ أَمَا لَئِنْ قُلْتَ ذٰلِكَ لَقَدْ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از علقمہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، پس ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں ملاقات کی تو کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! مجھے آپ سے کام ہے، پھر ان دونوں نے تنہائی میں باتیں کی، پس حضرت عثمان نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! تمہاری کیا رائے ہے کہ ہم تمہارا ایک کنواری لڑکی سے نکاح کر دیں جو تمہیں گزشتہ ایام کی یاد دلائے، پس جب حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ سمجھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سے صرف یہی کام تھا تو انہوں نے میری طرف اشارہ کیا، پس کہا: اے علقمہ! تو میں ان کی طرف پہنچا اور وہ اس وقت یہ بیان کر رہے تھے کہ اگر آپ یہ کہہ رہے ہیں (تو سنو!) ہم سے نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے: "اے جوانو! کے گروہ تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ نکاح کرے اور تم میں سے جو شخص نکاح

کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزے رکھنا اس کے لیے خصی ہونے کے قائم مقام ہے"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۹۰۵ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱۹۰۵، ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، صحیح مسلم: ۱۴۰۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۶، سنن ترمذی: ۱۰۸۱، سنن نسائی ۳۲۰۶۔ ۳۲۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۸، مسند احمد: ۳۵۹۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۳۸۰، مسند الحمیدی: ۱۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۷۔ ۱۲۶، سنن کبریٰ: ۲۵۴۷، المعجم الکبیر: ۱۰۱۶۸، شرح السنہ: ۲۲۳۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۹۶)

جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح کرنا مستحب ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک نکاح کرنا فرض ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ نکاح کرنا مستحب اور مرغوب ہے اور اہل الظاہر (غیر مقلدین) کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا مرد اور عورت پر فرض عین ہے بہ شرطیکہ مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ باندی سے نکاح کرے اور انہوں نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اس کو وجوب پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ حکم ان خاص مردوں کے متعلق ہے جن کو اپنے نفوس پر نکاح نہ کرنے کی وجہ سے زنا کا خطرہ ہو لیکن جن کو اپنے اوپر زنا کا خطرہ نہ ہو تو وہ اس حدیث کے حکم میں مراد نہیں ہیں۔

نکاح کے استحباب اور عدم فرضیت پر جمہور فقہاء کے دلائل

فقہاء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا یہ سبب بیان فرمایا ہے کہ وہ نظر نیچی رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے تو جو شخص محرمات سے اپنی نظر نیچی رکھنے پر قادر ہو اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے پر قادر ہو تو اس پر نکاح کرنا فرض نہیں ہے اور جو شخص اس پر قادر نہ ہو اور اس کو زنا کرنے کا خطرہ ہو تو اس پر نکاح کرنا فرض ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا۔ جن فقہاء نے کہا ہے: نکاح کرنا فرض نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے اور رمضان کے علاوہ روزے رکھنا واجب نہیں ہے تو اس کا بدل یعنی نکاح کرنا بھی واجب نہیں ہے، علاوہ ازیں صحابہ کی ایک جماعت نے نکاح کو ترک کر دیا حالانکہ وہ نکاح پر قادر تھے اور وہ دائماً عبادت کرتے رہے، پس اگر نکاح کرنا فرض ہوتا تو نکاح کو ترک کرنا گناہ ہوتا اور یہ جائز نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوئی گناہ کا کام کریں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان میں تشریف فرما تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور نہ بعد کے ائمہ سے اس پر انکار منقول ہوا تو معلوم ہوا کہ نکاح کرنا فرض نہیں ہے۔

نکاح کی فرضیت پر غیر مقلدین کے دلائل

اگر اہل الظاہر یہ کہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میرا نکاح کرو تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے بے نکاح ملاقات نہ کروں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالزوائد رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ کیوں نکاح نہیں کرتے اور آپ کو کس چیز نے نکاح سے منع کیا ہے حالانکہ آپ کو علم ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے سو اس شخص کے جو نکاح کرنے سے عاجز ہو یا فاسق ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کامل احوال میں ملاقات کریں کیونکہ نکاح کرنا بہر حال مستحب ہے اور حضرت عمر نے جو کہا

کہ نکاح واجب ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ ان کی انفرادی رائے ہو کیونکہ حضرت ابوالزوائد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور انہوں نے نکاح نہیں کیا۔

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

اس پر دلیل کہ نکاح فرض نہیں ہے یہ ہے کہ نکاح سے قضاء شہوت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق کے اوپر قضاء شہوت کو فرض نہیں کیا جس کو شہوت کے ترک سے ہلاکت کا خوف ہو، پس اگر کوئی کہے کہ غذا بھی شہوت ہے اور اللہ تعالیٰ نے غذا کے ساتھ نفوس کے زندہ رکھنے کو فرض کیا ہے تو کہا جائے گا کہ جماع کے ترک کرنے سے ہلاکت کا خوف نہیں ہے جس طرح غذا کے ترک کرنے سے ہلاکت کا خطرہ ہے، پس یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور جب ترک جماع سے ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے تو جماع کو ترک کر کے صبر کرنے میں فضیلت ہے کیونکہ لذات کو ترک کرنے میں فضیلت ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جس نے نکاح نہ کرنے پر صبر کیا اور کسی حرام کام میں نہیں پڑا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور یہ ہمارے اس قول پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا حکم بہ طور استحباب دیا ہے بہ طور فرض نہیں دیا اور یہ امام طبری اور امام ابن القصار کا قول ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۹۔۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کے فوائد اور مسائل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے درج ذیل مسائل اور فوائد ہیں:

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان دواؤں کے ذریعے قوت مردمی کو کم یا ختم کر سکتا ہے جس طرح روزے رکھنے سے قوت مردانہ کم یا ختم ہوتی ہے۔

(۲) علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو نامرد ہونے کا اختیار ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۸۵)

(۳) جس شخص کو نکاح کا شوق ہو اور وہ اس کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے فرض نہیں ہے خواہ اس کو زنا کا خطرہ ہو۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے نکاح کو مستحب قرار دیا ہے تا کہ ان کا دین کامل ہو، ان کی نظر محرمات سے نیچی رہے اور ان کی شرم گاہوں کی حفاظت ہو اور چونکہ آپ کو یہ خطرہ تھا کہ وہ غلبہ شہوت سے زنا کا ارتکاب کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ وہ روزے رکھیں کیونکہ روزے رکھنے سے خون کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور شہوت جماع کی حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۸۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۸ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جو کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا تھا اس کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ ہم آپ کا نکاح کسی کنواری لڑکی سے کر دیں؟ تا کہ وہ آپ کو گزشتہ ایام کی یاد دلائے۔

غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ ان کی بیوی فوت ہونے کے بعد ان کے بال پریشان تھے اور کپڑے صاف ستھرے نہیں تھے جب کہ پہلے ان کی بیوی ان کو سنوارتی تھی اور ان کا بناؤ سنگھار کرتی تھی تو انہوں

نے مشورہ دیا کہ نوجوان بیوی کی رفاقت سے آپ میں تروتازگی اور فرحت پیدا ہوگی۔ اس کے جواب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔ الحدیث۔

نکاح کی فضیلت میں احادیث

امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

جس کو نکاح کے فوائد حاصل ہوں اور اس سے نکاح کی آفات منتفی ہوں تو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اور اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث ہیں۔

(۱) امام بیہقی نے "المعرفۃ" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نکاح کرو اور کثیر تعداد حاصل کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا حتیٰ کہ نا تمام بچوں کی وجہ سے بھی"۔

(۲) امام ابویعلیٰ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نکاح میری سنت ہے، پس جو میری سنت سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت پر عمل کرے"۔

(۳) ابومنصور الدیلمی نے "مسند الفردوس" میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "جس نے تنگ دستی کے خوف سے نکاح کو ترک کر دیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے"۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور امام دارمی نے اپنی مسند میں اور امام بغوی نے اپنی معجم میں اور امام ابوداؤد نے المراسیل میں حضرت ابی نجیح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "جو شخص نکاح کرنے پر قادر ہو، پھر وہ نکاح نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے" اور حضرت ابونجیح کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

(۴) امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص مال دار ہو وہ نکاح کرے"۔

(۵) امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور امانت داری پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو، اگر تم نے اس طرح نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا"۔ اس حدیث کو امام ابوحاتم المزنی نے بھی بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس کی المراسیل میں روایت کی ہے۔

(۶) امام احمد نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اللہ کے لیے عطا کیا اور اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اور اللہ کے لیے نکاح کیا تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا"۔

(۷) امام ابن الجوزی نے "العلل المتناہیہ" میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا، پس اس کو چاہیے کہ وہ دوسرے نصف دین میں اللہ سے ڈرے"۔

(۸) امام حاکم نے "المستدرک" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نصف دین پر مدد فرمائی"۔ الحدیث

(۹) امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین اعمال کے سوا ابن آدم کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے: جس علم سے نفع حاصل کیا گیا ہو، صدقہ جاریہ اور نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا ہے"۔

نکاح کی فضیلت میں آثار

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ اگر میری عمر میں صرف دس دن بھی باقی رہ جائیں تو میں نکاح کرنا پسند کروں گا تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے بے نکاح ملاقات نہ کروں۔

(۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون میں فوت ہوگئیں اور وہ خود بھی طاعون میں مبتلاء تھے تو انہوں نے کہا: میرا نکاح کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے بے نکاح ملاقات کرنا، ناپسند کرتا ہوں۔

(۳) حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے اور رات کو بھی آپ کی ضرورت کی وجہ سے آپ کے پاس رہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے اور اگر میں نے نکاح کیا تو پھر میں آپ کی خدمت نہیں کر سکوں گا، پھر دوبارہ آپ نے سوال کیا تو دوبارہ انہوں نے یہی جواب دیا، پھر انہوں نے دل میں سوچا اور کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور علم ہے کہ میری دنیا اور آخرت میں کیا چیز میرے لیے مفید ہے اور اگر آپ نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو میں ضرور نکاح کرلوں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تیسری بار فرمایا: تم نکاح کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرا نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: تم بنوفلاں کی طرف جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی باندیوں کا مجھ سے نکاح کر دو، انہوں نے کہا: پھر میں نے بتایا: یا رسول اللہ! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم اپنے بھائی کے لیے ایک گٹھلی کے برابر سونا جمع کرو، سو انہوں نے سونا جمع کیا اور وہ اس سونے کو ان لوگوں کے پاس لے گئے تو انہوں نے حضرت ربیعہ اسلمیہ کا نکاح کر دیا، پس آپ نے ان نے فرمایا: تم ولیمہ (دعوت) کرو اور اصحاب نے ان کو ولیمہ کے لیے ایک بکری لا کر دی۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(۴) گزشتہ امتوں سے حکایت ہے کہ ایک شخص اپنے زمانہ کی عبادت میں سب پر فائق تھا تو اس زمانہ کے نبی سے اس کی حسن عبادت کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اچھا مرد ہے مگر یہ سنت کا تارک ہے۔ عابد یہ سن کر مغموم ہوا تو اس نے نبی سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: تم نے نکاح کو ترک کیا ہے، اس نے کہا: میں نکاح کو حرام نہیں سمجھتا مگر میں تنگ دست ہوں تو حضرت نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کرتا ہوں تو انہوں نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔

(۵) سفیان بن عیینہ نے کہا: کثیر بیویوں کا ہونا دنیا سے نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور ان کی چار بیویاں تھیں اور سترہ (۱۷) باندیاں تھیں، پس نکاح سنت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے۔

نکاح کے فوائد، محاسن اور ثمرات

نکاح کے حسب ذیل محاسن اور ثمرات ہیں:

(۱) نکاح کے ذریعے اولاد کا حصول ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نکاح کو مشروع کیا گیا ہے اور اس سے مقصود نسل انسانی کو باقی رکھنا ہے اور تا کہ یہ جہان انسان کی جنس سے خالی نہ ہو اور جماع کے ذریعہ اولاد کے حصول سے پانچ وجوہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے: (الف) نکاح کی وجہ سے انسان فسق و فجور اور گناہوں سے بچا رہتا ہے (ب) بچوں کی پرورش کے لیے جو وہ مال کا کسب کرتا ہے اور تجارت یا ملازمت کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے (ج) کیونکہ وہ اولاد کی کثرت کو حاصل کرتا ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہوتی ہے کیونکہ آپ امت کی کثرت کی وجہ سے فخر فرماتے ہیں (د) اولاد کی وجہ سے اس کو

نیک بیٹے کی دعا حاصل ہوتی ہے (ہ) جب اس کے کم سن نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کریں گے۔
(۲) نکاح کی وجہ سے وہ شخص شہوت کے فساد سے بچا رہتا ہے، محرمات سے اس کی نظر نیچی رہتی ہے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت رہتی ہے۔
(۳) نکاح کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے مانوس ہوتا ہے اور اس کو دیکھنے سے اور اس کے ساتھ دل لگی کرنے سے اس کے دل کو راحت ہوتی ہے اور اس سے اس کو عبادت پر طاقت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ امام نسائی اور امام حاکم نے سند جید کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے: (۱) خوشبو (۲) عورتیں (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔
(۴) نکاح کرنے سے دل گھر کی مصلحتوں کی تدبیر کرنے کے لیے، کھانے پکانے میں کفالت کی مشغولیت کے لیے، بستروں اور برتنوں کو صاف کرنے کے لیے اور اسباب معیشت کو حاصل کرنے کے لیے فارغ نہیں ہو سکے گا، پس نیک بیوی اس کے گھر کی مصلحتوں کو مہیا کرنے کے لیے اور اس کی عبادات میں مددگار ہے۔
امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص شکر کرنے والا دل اور ذکر کرنے والی زبان بنائے اور ایسی بیوی حاصل کرے جو آخرت میں اس کی مددگار ہو''۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ایمان باللہ کے بعد بندے کو نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دی گئی۔
(۵) نکاح کے وجہ سے انسان خود بھی رزق حلال حاصل کرتا ہے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے رزق حلال حاصل کرتا ہے۔
امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کسی شخص کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا صدقہ ہے اور مرد جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتا ہے اس پر بھی اس کو اجر دیا جائے گا''۔
امام ابو یعلیٰ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص عمدہ طریقہ سے نماز پڑھتا ہو اور اس کے اہل وعیال زیادہ ہوں اور مال کم ہو اور وہ مسلمانوں کی غیبت نہ کرے تو وہ جنت میں میرے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح ہوگا''۔
امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس تنگ دست سے محبت کرتا ہے جو بال بچوں والا ہو اور سوال کرنے سے احتراز کرتا ہو''۔
امام ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی اور ان کو ادب سکھایا اور ان کا نکاح کیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، سو اس شخص کے لیے جنت ہے''۔
اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

نکاح کی آفات اور اس کے مضر اثرات

نکاح کی آفات اور اس کے مضر اثرات حسب ذیل ہیں:
(۱) نکاح کی وجہ سے انسان کو اپنے بال بچوں کو پالنے کی فکر ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ●

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون:۹)

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O.

(۲) بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے علاج معالجہ کے لیے اور ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے بعض اوقات انسان کی جائز آمدنی کافی نہیں ہوتی تو پھر وہ آمدنی کے ناجائز ذرائع حاصل کرتا ہے، رشوتیں لیتا ہے، امانتوں میں خیانتیں کرتا ہے، سودی لین دین کرتا ہے، قرض لیتا ہے اور پھر ادا نہیں کرتا، چوری کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے اور لوٹ مار کرتا ہے اور جیب کاٹتا ہے، اشیاء خوردنی میں ملاوٹ کرتا ہے اور دیگر حرام کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آل عمران:۱۴)

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے، یہ (سب) دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے O

حدیث میں ہے کہ: بندہ میزان کے پاس کھڑا کر دیا جائے گا اور اس کی نیکیاں پہاڑوں کی طرح ہوں گی، پھر اس سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے زیر کفالت لوگوں کے حقوق ادا کیے اور اس نے اپنا مال کہاں سے کمایا اور کن لوگوں پر اپنے مال کو خرچ کیا حتیٰ کہ ان مطالبات کے بدلہ میں اس کے تمام نیک اعمال خرچ ہو جائیں گے اور اس کی کوئی نیکی باقی نہیں بچے گی، پھر فرشتے ندا کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اس کے اہل و عیال اس کی نیکیوں کو دنیا میں کھا گئے اور آج اس کے نیک اعمال گروی رکھے ہوئے ہیں۔

علامہ عراقی نے کہا ہے کہ میں اس حدیث کی اصل پر مطلع نہیں ہو سکا۔

(۳) بعض اوقات انسان اپنے اہل و عیال کا خرچ نہیں اٹھا سکتا اور اس کے اہل و عیال ضائع ہو جاتے ہیں:

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مرد کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کے اہل و عیال ضائع ہو جائیں''۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے کہا: میں عورتوں سے اس لیے نکاح نہیں کرتا کہ میں ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتا اور میں ان کا خرچ اٹھانے سے عاجز ہوں، اسی طرح بشر رحمہ اللہ نے کہا: مجھے نکاح کرنے سے قرآن کی یہ آیت منع کرتی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (البقرہ:۲۲۸)

اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ۔ (البقرہ:۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

(۴) جو شخص شادی شدہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نیکی پر قائم رہے اور خود بھی گناہوں سے بچے اور اپنے اہل و عیال کو بھی گناہوں سے روکے اور منع کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (التحریم:۶)

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور حدیث میں ہے:

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق پرسش ہوگی، پس سربراہ ملک محافظ ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق پرسش ہوگی اور مرد اپنی بیوی اور بچوں کا محافظ ہے اور اس سے اس کے متعلق پرسش ہوگی۔ الحدیث

انسان کے لیے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا مشکل ہوتا ہے اور جب اس کے اوپر اپنی بیوی اور بچوں کو بھی گناہوں سے بچانے کی ذمہ داری ہو اور بیوی اور بچوں کے گناہوں کی وجہ سے اس سے بھی مواخذہ ہو تو یہ اس کے لیے اور مشکل ہے اور یہ نکاح کی بہت بڑی آفت ہے۔

(۵) جس کی بیوی اور بچے ہوں تو وہ ان کے خرچ اٹھانے میں اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں مشغول رہے گا اور اس کے لیے تدبیر معیشت کو بہ روئے کار لائے گا اور دن رات محنت کر کے مال جمع کرے گا اور اس وجہ سے وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں بسا اوقات کوتاہی کرے گا اور نفلی عبادات کرنے سے قاصر رہے گا اور یہ مذموم طریقہ ہے اور یہ بھی نکاح کی بڑی آفت اور مصیبت ہے۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۳۔۲۲، ملخصا وموضحا ومخرجا ومزیدا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

تنبیہ: ہم نے امام غزالی کی ذکر کردہ احادیث اور آثار کی جو تخریج کی ہے وہ علامہ زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی کتاب المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار سے ماخوذ ہے۔

۳۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْبَاءَةَ فَلْيَصُمْ

جو شخص گھر بسانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو روزے رکھنے چاہئیں

۵۰۶۶۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم شَبَابًا لَا نَجِدُ شَيْئًا فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمارۃ نے حدیث بیان کی از عبد الرحمن بن یزید، انہوں نے کہا: میں علقمہ اور الاسود کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نوجوان تھے اور ہمارے پاس کوئی چیز نہیں تھی تو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوانو کے گروہ! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے اس کو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح (محرمات سے) نظر نیچی رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص گھر بسانے کی طاقت نہیں رکھتا اس کو روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ روزہ اس کے لیے خصی کرنے کے قائم مقام ہے۔

اس حدیث کی شرح ابھی صحیح البخاری ۵۰۶۵ میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابُ: كَثْرَةِ النِّسَاءِ — بیویوں کی کثرت

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جو شخص زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کر سکتا ہو اس کے لیے ایک سے زائد نکاح کرنا جائز ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۰، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۷)

۵۰۶۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُونَةَ بِسَرِفَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَذِهِ زَوْجَةُ النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُزَعْزِعُوهَا وَلَا تُزَلْزِلُوهَا وَارْفُقُوا فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ تِسْعٌ كَانَ يَقْسِمُ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عطا نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں مقام سرف میں تھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو جنازہ کو جھٹکا نہ دینا اور نہ زور زور سے حرکت کرنا اور نرمی کے ساتھ ان کے جنازہ کو لے کر چلنا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات کے وقت) آپ کے عقد میں نو ازواج مطہرات تھیں۔ آٹھ کے لیے تو آپ نے باریاں مقرر کی ہوئی تھیں اور ایک کی باری مقرر نہیں کی تھی (اور وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں)۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۷، صحیح مسلم: ۱۴۶۵، سنن نسائی: ۳۱۹۶، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۳۱، ۳۴۸، ۳۴۹، مسند الحمیدی: ۵۲۴، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۴۰، مصنف عبد الرزاق: ۶۲۵۲)

اس حدیث کے متن میں حضرت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے اور اس حدیث کے متن میں حضرت ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، اس لیے ہم دونوں امہات المومنین کا تذکرہ لکھ رہے ہیں:

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن قرطبی بن مالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کی والدہ کا نام ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث ہے، ان کی سگی بہن حضرت ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت الحارث ہیں جو حضرت العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں اور ان کی دوسری بہن لبابہ صغریٰ بنت الحارث ہیں جن کا نکاح الولید بن المغیرہ المخزومی سے ہوا تھا اور یہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہنوں میں حضرت اسماء بنت عمیس ہیں جو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے عبد اللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا تو پھر ان سے محمد بن ابو بکر پیدا ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تو ان سے یحییٰ پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلے نام برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل میمونہ رکھ دیا۔

امام ابوعبیدہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہوئے تو سات ہجری میں آپ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی سرزمین حبشہ سے مکہ مکرمہ آ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ کے ساتھ اپنا نکاح کرنے کا پیغام دیا اور ان کی ماں شریک بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں تھیں اور حضرت سلمہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، پس حضرت جعفر بن ابی طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو قبول کر لیا اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نکاح پڑھانے کے لیے کہا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کر دیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام سرف میں واپس آئے تو آپ احرام کھول چکے تھے، پھر آپ نے وہیں ان سے شب باشی کی اور حضرت میمونہ اس سے پہلے ابورہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں اور حضرت میمونہ کی مقام سرف میں ہی وفات ہوئی۔ یہ پوری عبارت امام ابوعبیدہ کی ہے۔

اور موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے سال سات ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینہ میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مشرکین نے آپ کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا، پھر جب آپ مقام سرف پر پہنچے تو آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو حضرت میمونہ کے ساتھ اپنے نکاح کا پیغام دیا، پھر حضرت جعفر کے کہنے سے حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ سے کیا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مقام سرف میں اسی جگہ فوت ہو گئی تھیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تھی اور یہ اکاون ہجری کا واقعہ ہے اور دوسرا قول چھیاسٹھ (٦٦) ہجری کا ہے اور تیسرا قول تریسٹھ ہجری کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے بھانجوں یزید بن الاصم اور عبد اللہ بن شداد الہادی نے انہیں قبر میں اتارا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عز الدین ابن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزری الشافعی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اس وقت آپ محرم تھے۔
(صحیح مسلم: ۱۴۱۰)

اس وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہوا ہے کہ محرم نکاح کر سکتا ہے یا نہیں، بعض فقہاء نے کہا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میمونہ سے نکاح کیا اس وقت آپ احرام کھول چکے تھے اور جب آپ کے نکاح کا معاملہ ظاہر ہوا اس وقت آپ محرم تھے، پھر جب آپ نے ان کے ساتھ مقام سرف میں شب زفاف گزاری اس وقت آپ احرام کھول چکے تھے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۵)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پنیر کھانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو چھری سے کاٹو اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۴)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق علامہ ابن الاثیر نے وہی اقوال لکھے ہیں جو علامہ ابن عبد البر نے لکھے ہیں۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۷ ص ۲۶۳-۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے چھیالیس (۴۶) احادیث مروی ہیں، جن میں سے سات احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور پانچ احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور یزید بن الاصم اور ایک جماعت نے روایت کی ہے، الزہری نے کہا: یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا، المزی نے کہا: یہ مقام سرف میں اکاون (۵۱) ہجری میں فوت ہوئیں۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۵۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حافظ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقد سے پہلے مکہ مکرمہ میں نکاح کیا، عبد اللہ بن محمد بن عقیل کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ سے عقد کے بعد ان سے نکاح کیا اور ابن شہاب سے روایت ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سے نکاح کیا، اور آپ کے ساتھ نکاح سے پہلے یہ اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو کے عقد نکاح میں تھیں۔ یہ بہت بھاری بدن کی فربہ خاتون تھیں اور ان کا دراز قد تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بوڑھی ہوگئیں، آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو حضرت سودہ نے کہا: آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میرے معاملہ میں آپ مختار ہیں، میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا حشر آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہو اور بے شک میں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی ہے اور میں آپ سے وہ ارادہ نہیں کرتی جس کا عورتیں اپنے شوہروں سے کرتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا حتیٰ کہ آپ کے نکاح میں ہی فوت ہوئیں۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ۔ (النساء: ۱۲۷)

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خطرہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: مجھے سب سے زیادہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا محبوب تھیں مگر یہ کہ ان کی زبان تیز تھی، احمد بن زہیر نے کہا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوت ہوئیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۴۲۲۔ ۴۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عز الدین ابن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزری الشافعی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آ کر کہا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے جو حج نہیں کر سکتا؟ آپ نے فرمایا: "یہ بتاؤ اگر تمہارے باپ پر قرض ہوتا اور تم اس کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دیتے تو کیا وہ تمہاری طرف سے قبول ہوتا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحیم ہے تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو"۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۹) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئیں۔

اس کے علاوہ علامہ ابن الاثیر نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں وہی لکھا ہے جس کو ہم حافظ ابن عبد البر سے نقل کر چکے

ہیں۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۷ ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان سے متعدد احادیث مروی ہیں، امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں، ابن خیثمہ نے کہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئیں۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۴۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

چار تک عورتوں سے نکاح کرنا مستحب اور مطلوب ہے

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، صحیح البخاری: ۵۰۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ مسلمانوں میں سے جن کی ازواج زیادہ ہوں وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں بلکہ انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ لوگوں کو نکاح کرنے پر برانگیختہ کریں اور بتائیں کہ نکاح کرنا مستحب ہے اور اسلام میں رہبانیت متروک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرنا اور آپ کی سنت کی اتباع کرنا اہم تر واجب ہے اور آپ کی امت کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان میں سے نو عورتوں کے ساتھ نکاح کو مباح قرار دیا اور آپ کی امت کے لیے چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

(۱) مرنے کے بعد بھی مسلمان کا اسی طرح احترام ہے جس طرح زندگی میں اس کا احترام ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کی اسی طرح تعظیم اور توقیر کی جس طرح ان کی حیات میں تعظیم اور توقیر تھی اور یہ کہا کہ ان کے جنازے کو جھٹکے نہ دینا، زور زور سے نہ چلنا اور ان کا جنازہ لے کر آہستگی سے چلنا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے جن کی باری مقرر نہیں فرمائی تھی وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی، انہیں معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت فرماتے ہیں اور ان کا یہ ارادہ تھا کہ ان کا حشر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں ہو، پس وہ آپ کی ازواج میں باقی رہیں اور رات گزارنے میں ان کا حصہ نہیں تھا۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۱۔۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کے اسماء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، صحیح البخاری: ۵۰۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے اسماء یہ ہیں: (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲) حضرت سودۃ بنت زمعۃ (۳) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۴) حضرت حفصہ بنت عمر (۵) حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ (۶) حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابو سفیان، یہ تمام ازواج مطہرات قرشیات ہیں (۷) حضرت میمونہ الہلالیہ بنت الحارث (۸) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۹) حضرت جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ (۱۰) حضرت صفیہ بنت حیی الاسرائیلیہ (۱۱) حضرت زینب بنت خزیمہ۔

اور حضرت ریحانہ میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی زوجہ تھیں یا آپ کی باندی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔ یہ وہ نو ازواج ہیں جو حضرت عائشہ سے لے کر حضرت صفیہ تک ترتیب سے مذکور ہیں اور حضرت زینب بنت خزیمہ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی ہوگئی تھی۔ یہ آپ سے نکاح کے تین ماہ بعد تین ہجری میں فوت ہوگئی تھیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

عطاء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی باری کو ساقط کیا تھا اور یہ اس کا وہم ہے، دراصل آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کو ساقط کیا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری: ۵۰۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ ازواج مطہرات کے لیے باریاں مقرر فرماتے تھے اور ایک زوجہ کے لیے باری مقرر نہیں فرماتے تھے۔ مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عطاء نے کہا: جس زوجہ کے لیے آپ باری مقرر نہیں فرماتے تھے وہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب تھیں۔ قاضی عیاض نے کہا کہ امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ یہ عطاء کا وہم ہے اور درست یہ ہے کہ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی، اور ابن جریج کو اس روایت میں عطاء سے مغالطہ ہوا ہے، اسی طرح قاضی عیاض نے کہا ہے۔

اور مفسرین نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ۔ ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔ (الاحزاب: ۵۱)

آپ نے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن کو اپنے پاس جگہ دی اور آپ ان کے لیے باریوں کو تقسیم کرتے تھے اور حضرت سودہ، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن کو مؤخر کر دیا، پس آپ ان کے لیے جس طرح چاہتے باریوں کو تقسیم کرتے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا: ہوسکتا ہے کہ ابن جریج کی روایت صحیح ہو اور یہ آپ کی آخری عمر کا واقعہ ہو جب آپ نے تمام ازواج مطہرات کو اپنے پاس جگہ دی اور حضرت صفیہ کے سوا آپ سب کے لیے باریاں تقسیم فرماتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام محمد بن سعد نے تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے لیے بھی اسی طرح باریاں تقسیم کرتے تھے جس طرح باقی ازواج کے لیے باریاں تقسیم کرتے تھے لیکن ان تین سندوں میں واقدی کی سند حجت نہیں ہے، پس راجح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ جس زوجہ کے لیے آپ باری مقرر نہیں فرماتے تھے وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت عائشہ کے لیے مقرر کرتے تھے جو ان کی باری کا تھا اور ایک دن حضرت سودہ کا ان کی باری کے لیے مقرر فرماتے تھے جیسا کہ اس کی تصریح کتاب الطلاق سے چوبیس (۲۴) باب پہلے آئے گی، لیکن ہوسکتا ہے کہ آپ حضرت سودہ کے لیے باری مقرر کرتے ہوں لیکن رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے ہوں اور میرے نزدیک راجح وہ ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اور شاید امام بخاری نے اس اضافہ کو عمداً ساقط کر دیا (یعنی عطاء کے قول کو)۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے سال کے متعلق متعدد اقوال اور صحیح قول کی تعیین

عطاء نے کہا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخر میں مدینہ میں فوت ہوئی تھیں، اور امام محمد بن سعد نے بھی اس کی موافقت کی ہے اور کہا کہ ان کی وفات اکسٹھ (۶۱) ہجری میں ہوئی تھی اور دوسروں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ ان کی وفات چھپن (۵۶) ہجری میں ہوئی تھی اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد زندہ تھیں اور ان کی شہادت دس محرم اکسٹھ ہجری میں ہوئی تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات انسٹھ (۵۹) ہجری میں ہوئی تھی اور پہلا قول راجح ہے یعنی اکسٹھ ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا قول اور یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ دونوں ایک سال میں فوت ہوئی ہوں لیکن حضرت میمونہ کی وفات مؤخر ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت میمونہ تریسٹھ (۶۳) ہجری میں فوت ہوئیں اور ایک قول ہے کہ وہ چھیاسٹھ (۶۶) ہجری میں فوت ہوئیں، اور ان اقوال کی تقدیر پر حضرت میمونہ کے سب سے آخر میں فوت ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے اور اس میں مذکور ہے کہ وہ مدینہ میں فوت ہوئیں، اس پر قاضی عیاض نے بحث کی ہے اور کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں اور یہ کیسے درست ہوگا جب کہ حدیث کے اول میں ہے کہ حضرت میمونہ مقام سرف میں فوت ہوئیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرف مکہ میں ہے، پس راوی کا یہ قول کہ وہ مدینہ میں فوت ہوئیں وہم ہے۔

حضرت میمونہ کی وفات مکہ میں ہوئی تھی اور جس روایت میں ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی اس روایت میں مدینہ سے مراد شہر ہے خاص مدینہ نہیں

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ سے مراد شہر ہو اور وہ شہر مکہ ہے اور اس حدیث کے شروع میں ہے کہ صحابہ مقام سرف میں ان کے جنازے پر حاضر ہوئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی وفات بھی سرف میں ہوئی ہو۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات مکہ کے اندر ہوئی ہو اور انہوں نے یہ وصیت کی ہو کہ ان کی تدفین اس جگہ کی جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر کی تھی، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی وصیت کو نافذ کر دیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام محمد بن سعد نے ابن جریج کی حدیث کو اس کے بعد ذکر کیا اور ابن جریج کے علاوہ دوسروں نے اس حدیث میں کہا کہ حضرت میمونہ مکہ میں فوت ہوئیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے جنازے کو اٹھا کر مقام سرف میں لے گئے اور وہاں ان کی تدفین کی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی، علامہ قسطلانی، علامہ الکورانی، علامہ زرہونی وغیرہم شارحین بخاری نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا۔

۵۰۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَهُ تِسْعُ نِسْوَةٍ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس طواف کرتے تھے اور اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں اور مجھ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

سے خلیفہ نے کہا کہ ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو نبی ﷺ سے حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی شرح بسط و کمال کے ساتھ صحیح البخاری: ۲۶۸ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے صحیح البخاری ۲۶۷ اور ۲۶۸ کی شرح بہت تفصیل سے کی ہے اور اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) نبی ﷺ جو ایک شب میں تمام ازواج کے پاس گئے اس کی وجوہ (۲) آیا آپ کی ازواج گیارہ تھیں یا نو، اس کی تحقیق (۳) ہمارے نبی ﷺ کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر تھی۔ (دیکھیے: نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۴۷۔ ۷۴۵)

نیز ہم نے صحیح البخاری: ۲۸۷ کی جو شرح کی ہے اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) نبی ﷺ کی کل ازواج کی تعداد اور ان کی ترتیب اور ان کی تعداد جو آپ سے پہلے فوت ہو گئیں، اور جن کے ساتھ آپ نے دخول کیا اور جن کے ساتھ دخول نہیں کیا اور جن کو صرف نکاح کا پیغام دیا اور ان کے ساتھ نکاح نہیں کیا، اور جن خواتین نے خود کو آپ پر پیش کیا ان کے اسماء۔ (۲) ازواج مطہرات کے سنین وفات اور مقام تدفین۔ (۳) نبی ﷺ کا متعدد نکاح کرنا تبلیغ اسلام، احکام شرعیہ کی ترویج اور ان کے لیے نمونہ فراہم کرنے، دوست نوازی اور تشریعی مقاصد کے لیے تھا نہ کہ شہوت کا تقاضا پورے کرنے کے لیے۔ (دیکھیے: نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۷۴۔ ۷۷۱)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا نسیان یا مغالطہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کتاب الغسل میں گزر چکی ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۴۱)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے کتاب الغسل کی احادیث کی شرح نہیں کی۔ کشف الباری کی پہلی جلد ''بدء الوحی و کتاب الایمان'' میں ہے۔ دوسری جلد ''کتاب الایمان'' میں ہے اور تیسری جلد اور چوتھی جلد ''کتاب العلم'' میں ہے اور پانچویں جلد ''الجہاد والسیر'' میں ہے۔

۵۰۶۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ رَقَبَةَ عَنْ طَلْحَةَ الْيَامِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ هَلْ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ لَا قَالَ فَتَزَوَّجْ فَإِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَكْثَرُهَا نِسَاءً۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الحکم انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از رقبہ از طلحہ الیامی از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں تو آپ نے فرمایا: تم نکاح کرو کیونکہ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی زیادہ بیویاں ہوں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۳۱۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۲، مسند احمد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۲۰۴۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷، سنن سعید بن منصور: ۴۹۳)

امت کے لیے بہ یک وقت چار عورتوں سے زیادہ کی نکاح کی اجازت کا نہ ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نکاح کرنے پر برانگیختہ کیا اور ان کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ جس کی زیادہ بیویاں ہوں وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ اسلام میں نکاح کی ترغیب ہے اور رہبانیت کو ترک کرنا ہے اور ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کریں اور آپ کی سنت کی پیروی کریں اور آپ کی امت کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے اس لیے آپ نے ان میں سے نو عورتوں کے ساتھ بہ یک وقت نکاح کیا اور امت کے لیے بہ یک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۱، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ نکاح کرنا خصی ہونے سے بہتر ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ نکاح کرنا عورتوں میں مسائل شرعیہ کی تبلیغ کے لیے ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس امت کے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کی سب سے زیادہ بیویاں ہیں اور اس امت کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام خارج ہو جائیں کیونکہ ان کی سو بیویاں تھیں (صحیح البخاری: ۲۸۱۹) اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی ننانوے (۹۹) بیویاں تھیں (ص: ۲۳) اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ اس امت کے لیے خصی ہونے سے بہتر یہ ہے کہ وہ نکاح کریں اور گویا کہ انہوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نکاح کو ترک کرنا مرجوح ہے کیونکہ اگر یہ راجح ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کو اختیار نہ کرتے جب کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ شریعت کو جاننے والے تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور آپ نے صحابہ کرام کو یہ بتایا کہ زیادہ نکاح کرنے میں تبلیغ کی مصلحت ہے کیونکہ کئی احکام شرعیہ ایسے ہیں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اس لیے آپ نے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا تاکہ وہ ان مسائل کی تبلیغ کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ نکاح کرنا آپ کا عظیم معجزہ ہے

اور اس میں آپ کے اس عظیم معجزہ کا اظہار ہے کیونکہ آپ اکثر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور اگر آپ کو زیادہ کھانا مل جاتا تو آپ دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور آپ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے اور وصال کے روزے رکھتے تھے، اس کے باوجود آپ ایک رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس جا کر ان سے جماع کرتے تھے اور یہ بغیر بدن کی طاقت کے نہیں ہو سکتا اور بدن کی طاقت تو کھانے، پینے کی مقویات سے حاصل ہوتی ہے اور ایسی چیزیں آپ کے پاس بالکل نہیں تھیں یا بہت کم تھیں۔

زیادہ نکاح کرنے کی مدح کی توجیہ

بلکہ ''الشفاء'' میں مذکور ہے کہ عرب کثرت نکاح کی اس لیے مدح کرتے تھے کیونکہ اس سے قوت مردانگی پر دلالت ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت نکاح آپ کی اپنے رب کی عبادت میں حارج نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوا کیونکہ آپ اپنی بیویوں کی حفاظت کرتے اور ان کے حقوق ادا کرتے اور ان کو عورتوں کے مخصوص مسائل کی تعلیم دیتے اور اہل علم نے کثرت نکاح کے بہت فوائد بیان کیے ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج کے فوائد، مصلحتیں اور حکمتیں

(۱) آپ نے بہ کثرت نکاح کیے تاکہ ازواج مطہرات آپ کے احوال باطنہ کا مشاہدہ کریں اور مشرکین کے اس زعم کی نفی ہو کہ آپ معاذ اللہ ساحر یا کاہن ہیں۔

(۲) کثرت نکاح کی وجہ سے متعدد قبائل کے ساتھ آپ کی رشتہ داریاں ہوئیں اور وہ آپ کے قرب سے مشرف ہوئے۔

(۳) متعدد قبائل سے رشتہ داری کی وجہ سے ان کی آپ کے ساتھ الفت ہوئی اور تبلیغ دین کی راہ میں آسانی ہوئی۔

(۴) ازواج کے ساتھ تعلق کے ساتھ ساتھ آپ تبلیغ اسلام میں مسلسل مشغول رہے اور کثرت نکاح تبلیغ دین کی راہ میں حارج نہیں ہوئی۔

(۵) نکاح کی وجہ سے آپ کے رشتہ دار زیادہ ہوئے جس کی وجہ سے جہاد کرنے میں وہ بھی شامل ہوئے۔

(۶) نکاح کی وجہ سے آپ نے ایسے احکام شرعیہ اپنی ازواج کو بیان فرمائے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے کیونکہ ازدواجی تعلقات پر مشتمل معاملات دوسروں سے مخفی رکھے جاتے ہیں۔

(۷) آپ کے اخلاق باطنہ پر صرف آپ کی ازواج مطہرات ہی مطلع ہو سکتی تھیں کیونکہ آپ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب ان کے والد حضرت ابوسفیان آپ سے عداوت رکھتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب غزوۂ خیبر میں ان کے والد اور ان کے چچا اور ان کے خاوند قتل کیے جا چکے تھے، پس اگر آپ تمام مخلوق سے زیادہ کامل اخلاق کے مالک نہ ہوتے تو یہ ازواج آپ سے متنفر ہوتیں بلکہ ہوا یہ کہ ان کے نزدیک آپ ان کے تمام خاندان والوں سے زیادہ محبوب تھے۔

(۸) پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کثرت نکاح میں آپ کا عظیم معجزہ ہے کیونکہ آپ بہ کثرت جماع کرتے تھے حالانکہ آپ کا کھانا، پینا بہت کم تھا اور آپ بہت روزے رکھتے تھے اور وصال کے روزے رکھتے تھے۔

(۹) اور آپ نے یہ حکم دیا کہ جو نکاح کی مشقتوں پر قادر نہ ہو وہ روزے رکھے، اور آپ نے فرمایا: روزوں کی کثرت شہوت جماع کو توڑتی ہے، اس کے برعکس روزوں کی کثرت کے باوجود آپ کا بہ کثرت جماع کرنا خلاف عادت اور آپ کا معجزہ ہے۔

(۱۰) کثرت نکاح کی وجہ سے آپ پر ازواج کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی ضروریات کے اخراجات اٹھانا اور ان کی حفاظت کرنا آپ کے اوپر ایک الگ اور مستقل ذمہ داری تھی اور جتنی ازواج زیادہ تھیں اتنی ہی یہ ذمہ داریاں زیادہ تھیں اور آپ نے ان کو بہ حسن و کمال پورا کیا اور ان ازواج میں عدل و انصاف قائم رکھا جب کہ عام لوگ دو بیویوں میں بھی یہ ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ان میں عدل و انصاف نہیں کر سکتے بلکہ بعض لوگ تو صرف ایک بیوی کے ساتھ رہتے ہیں اور دوسری بیوی کو خود سے الگ کر دیتے ہیں پس سلام ہو اس نبی پر جس نے نو بیویوں کو ساتھ رکھتے ہوئے ان کی ذمہ داریاں پوری کیں اور ان میں عدل و انصاف کو قائم رکھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۲ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت نکاح کی مصلحتیں اور حکمتیں

میں کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات کو بے حساب بلند فرمائے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کی بہت عمدہ مصلحتیں اور حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور ان یہودی اور عیسائی مستشرقین کے اعتراضات کے دنداں شکن جوابات فراہم کیے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویوں پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کو غلبہ شہوت کا طعنہ

دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جن نبیوں کو وہ مانتے ہیں یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ہیں ان کی بالترتیب ننانوے اور سو بیویاں تھیں اور یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ آپ نے جو پہلی شادی کی وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی جو بیوہ خاتون تھیں اور آپ نے پچیس سال تک ان کو اپنے نکاح میں رکھا اور ان کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کے تیرہ سالوں میں آپ نے دس نکاح کیے جن میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کنواری خاتون تھیں اور باقی ازواج یا بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں۔ اگر آپ کا مقصود تقاضائے شہوت کو پورا کرنا ہوتا تو آپ زیادہ تر کنواری عورتوں سے نکاح فرماتے جب کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب نکاح بیوہ اور مطلقہ خواتین سے کیے تو معلوم ہوا کہ کثرت نکاح سے آپ کا مقصد کچھ اور تھا جن مقاصد میں سے دس کی طرف حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا ہے اور ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت نکاح کی انیس (۱۹) مصلحتیں اور حکمتیں لکھی ہیں۔ دیکھیے (نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۷۴۔ ۷۷۲) و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

دیگر شراح بخاری کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری: ۵۰۶۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ قید لگائی ہے کہ اس امت میں سب سے افضل وہ ہوگا جس کی سب سے زیادہ بیویاں ہوں گی اور اس امت کی قید اس لیے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ازواج تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی ایک ہزار بیویاں تھیں جن میں سے تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صرف دو نکاح کیے تھے تو بعد میں جنہوں نے زیادہ نکاح کیے تو وہ حضرت ابوبکر سے افضل ہو جائیں گے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام میں تین سو عورتوں سے نکاح کیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیے، لیکن اس سے ان کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس جہت سے افضلیت لازم نہیں آتی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے مطلقاً افضل ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ فضیلت جزوی ہے جو حضرت ابوبکر کی علی الاطلاق فضیلت کے منافی نہیں ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ اور علامہ القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرھونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں صرف فتح الباری کی شرح کی چند سطریں نقل کی ہیں۔

(منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۳۹، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۹۲، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۶۱)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے اس حدیث پر یہ تعلیق لکھی ہے کہ: حضرت حسن بن علی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کی بہت ازواج تھیں تاکہ وہ اپنے نفسوں کو پاک باز رکھیں اور کثرت اولاد کو حاصل کریں، ان کا مقصد عیاشی اور محض قضاء شہوت نہیں تھا۔ (شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۴۲۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابٌ: مَنْ هَاجَرَ أَوْ عَمِلَ خَيْرًا لِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ فَلَهُ مَا نَوَى

جس نے ہجرت کی یا کوئی نیک عمل کیا تا کہ کسی عورت سے نکاح کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا

۵۰۷۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْعَمَلُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از محمد بن ابراہیم بن الحارث از علقمہ بن وقاص از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عمل کا مدار نیت پر ہے اور مرد کو صرف وہی اجر ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو، پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جسے وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے، پس اس کی ہجرت اسی طرف سے ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری:۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن ترمذی:۱۶۴۷، سنن ابوداؤد:۲۲۰۱، سنن نسائی:۷۴۳۳، سنن ابن ماجہ:۴۲۲۷، مسند احمد:۱۶۸)

مہاجر ام قیس کا تذکرہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محمد بن الحسین الآجری نے کہا: جب نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ میں رہنے والے تمام مسلمانوں پر واجب ہو گیا کہ وہ مکہ سے ہجرت کریں اور اپنے گھر والوں، اپنے رشتہ داروں اور اپنے وطنوں کو چھوڑ دیں اور اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کریں تو لوگ اس نیت سے ہجرت کر رہے تھے کہ پھر ایک مرد مکہ سے ہجرت کرتا ہوا نکلا اور اس کی نیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا نہیں تھی۔ اس کی نیت اس عورت سے نکاح کرنا تھی جو اس سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ جا چکی تھی، سو اس مرد کو مہاجرین میں سے شمار نہیں کیا گیا اور اس کا نام مہاجر ام قیس رکھا گیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ علی ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اسی شرح کو نقل کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابوطلحہ کے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
مہاجر ام قیس کا قصہ امام طبرانی نے اپنی مسند میں اور امام آجری نے کتاب الشریعۃ میں بغیر سند کے لکھا ہے اور امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا: اے ابوطلحہ! تم جیسے مرد کے پیغام نکاح کو مسترد نہیں کیا جاتا مگر تم کافر مرد ہو اور میں مسلمان عورت ہوں اور میرے لیے تم سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، پس اگر تم نے اسلام قبول کرلیا تو یہی میرا مہر ہوگا، سو انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور یہی ان کا مہر ہوا۔ الحدیث۔

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام سلیم ابوطلحہ سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتی تھیں اور انہوں نے ان کے کفر کی وجہ سے انکار کیا اور انہوں نے اپنے نفس کو خرچ کر کے اس مطلوب کو حاصل کیا، سو انہوں نے اپنی نیت میں دو نیکیوں کو حاصل کرلیا۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

بعض علماء نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان عورتوں کے کافروں کے ساتھ نکاح کی حرمت حدیبیہ کے زمانہ میں ہوئی اور یہ حرمت حضرت ام سلیم کے ابوطلحہ کے ساتھ نکاح کے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی۔ اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کافر مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح حرمت سے پہلے ہوتا تھا اور جب حرمت کی آیت نازل ہوگئی تو پچھلے نکاحوں میں تفریق کردی گئی اور یہ محفوظ نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد کسی مسلمان عورت نے کسی کافر سے نکاح کیا ہو۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے: ہم اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۱میں کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۹)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
سنن نسائی: ۳۳۴۰، میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم کے کافر کے ساتھ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے ابوطلحہ اسلام لائے اور کفر ابتداءً مسلمان عورت کے ساتھ نکاح سے مانع تھا، لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ مسلمہ اور کافر کے درمیان تفریق کا حکم حدیبیہ کے بعد نازل ہوا اور ام سلیم کا نکاح صلح حدیبیہ سے کافی پہلے ہوا تھا۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۲۲۶، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۹ھ)

علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح اول کتاب میں گزر چکی ہے۔ (منحۃ الباری ج ۸ ص ۲۹، مکتبۃ الرشد ۱۴۲۶ھ)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔
(الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۲۲۶، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۳۰ھ)

شیخ عبد اللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے لکھا ہے: جو شخص نیت صالحہ سے شریعت کے موافق نکاح کرے یا اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کو اجر ملے گا۔ (شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۲۲۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

حدیث میں مذکور پہلے دو جملوں کا باہمی فرق اور کن کاموں میں عبادت کی نیت ضروری ہے اور کن کاموں میں عبادت کی نیت ضروری نہیں ہے

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں پہلا جملہ یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیات پر ہے اور دوسرا جملہ یہ ہے: مرد کو اسی کام کا اجر ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو اور پہلے جملہ میں اس پر تنبیہ ہے کہ عمل نیت کے تابع ہے اور نیت کے اعتبار سے عمل پر حکم مرتب ہوتا ہے اور دوسرے جملہ میں یہ تنبیہ ہے کہ عمل کرنے والے کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے جس کی اس نے نیت کی ہوتی ہے۔

علامہ ابن عبدالسلام نے کہا ہے کہ پہلے جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سے اعمال معتبر ہیں اور دوسرے جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان اعمال پر کیا چیز مرتب ہوتی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ نیت کرنا ان عبادات میں ضروری ہے جو بنفسہا متمیز نہیں ہوتیں جیسے وضو کرنا اور غسل جنابت کرنا اور جو عبادات بنفسہا متمیز اور ممتاز ہوتی ہیں اور ان میں یہ تردد نہیں ہوتا کہ یہ کام عادتاً ہیں یا عبادۃً ہیں جیسے اذکار، دعائیں اور تلاوت قرآن وغیرہ، اسی طرح نماز ہے، ان میں عبادت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ کام فی نفسہا عبادت کے لیے متعین ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ شرط اور جزا میں تغایر ہوتا ہے اور اس حدیث میں شرط اور جزا میں تغایر نہیں ہے

اس حدیث کے آخری دو جملے شرط اور جزاء پر مشتمل ہیں اور شرط اور جزاء میں تغایر ہوتا ہے اور ان میں تغایر نہیں ہے کیونکہ پہلا جملہ بہ طور شرط ہے، اس میں مذکور ہے: ''پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے''۔ اور دوسرا جو بہ طور جزاء ہے اس میں مذکور ہے: ''تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے''۔ اور ان دونوں جملوں میں تغایر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ کا حاصل یہ ہے: کہ ''جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف قصداً اور نیۃً ہجرت کی''۔ اور دوسرے جملہ کا حاصل یہ ہے: ''تو اس کی ہجرت شرعاً اور اجراً اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے''۔ سو شرط اور جزا میں تغایر حاصل ہو گیا۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۹۴-۹۳-۹۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦- بَابٌ: تَزْوِيجِ الْمُعْسِرِ الَّذِي مَعَهُ الْقُرْآنُ وَالْإِسْلَامُ

اس تنگ دست کا نکاح کرنا جس کے ساتھ قرآن اور اسلام ہو

فِيهِ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

۵۰۷۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَسْتَخْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہماری بیویاں نہیں تھیں، ہم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم خصی نہ ہو جائیں

تو آپ نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۱۵ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۶۱۵، ۵۰۷۱، ۵۰۷۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۴، مسند احمد: ۴۱۱۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۵۵۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۱، مصنف عبدالرزاق: ۱۴۰۴۸، مسند ابویعلیٰ: ۵۳۸۲، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۴)

جس تنگ دست شخص کے پاس قرآن اور اسلام ہو اس کے نکاح کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کا عنوان ہے کہ جس تنگ دست شخص کے پاس قرآن اور اسلام ہو اس کا نکاح کرنا، اس عنوان میں یہ دلیل ہے کہ آپ نے اس تنگ دست کو تعلیم کے عوض اس عورت کا مالک نہیں بنایا کیونکہ اگر آپ اس شخص کو تعلیم کے عوض اس عورت کا مالک بناتے تو پھر وہ تنگ دست نہ ہوتا، اور امام بخاری نے اسلام کا لفظ بھی لکھا ہے، وہ اس کی دلیل ہے کہ چونکہ وہ عورت مسلمان تھی، پس وہ اس کو اسلام کی تعلیم نہیں دیتا تھا بلکہ اجرت کے عوض اسے قرآن کی تعلیم دیتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے حفظ قرآن کی حرمت کی رعایت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست کو تعلیم سے پہلے اس عورت کا مالک بنا دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تنگ دست اصحاب کو خصی ہونے سے منع فرمایا، اس میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست کا نکاح کرنا جائز ہے اور اگر صرف مال دار لوگوں کے لیے نکاح کرنا جائز ہوتا تو آپ تنگ دست مسلمانوں کو نکاح کرنے سے منع فرما دیتے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اس تنگ دست کے نکاح کرنے کے جواز پر دلائل جس کے پاس قرآن اور اسلام ہو

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جیسا کہ علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ تنگ دست کا نکاح کرنا جائز ہے اور اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (النور: ۳۲)

تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، بہت جاننے والا ہے ۝

اور امام دارقطنی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست سے فرمایا: ''میں نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا اس سبب سے کہ تم اس کو قرآن پڑھاؤ اور اس کو تعلیم دو اور جب تمہیں اللہ تعالیٰ رزق دے تو تم اس کا مہر ادا کرو''۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۰۔۲۴۹)

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست سے فرمایا: ''جب کہ میں نے تمہیں اس عورت کے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے اور اس سے فرمایا: سورۃ البقرۃ اور اس سے ملی ہوئی سورتیں حفظ کرو، فرمایا: کھڑے ہو اور اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو اور یہ تمہاری بیوی ہے''۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۵۰۶)

امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔(سنن ابوداؤد: ۲۱۱۲)
اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مرد سے سوال کیا کہ کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، میرے پاس نکاح کرنا کے لیے مال نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہارے پاس قل ہو اللہ احد نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا: وہ چوتھائی قرآن ہے۔(مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۱) اور امام ترمذی کی روایت میں ہے: وہ تہائی قرآن ہے(سنن ترمذی: ۲۸۹۵) اور ابوشیخ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس آیۃ الکرسی نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! تو انہوں نے کہا: تمہارے پاس چوتھائی قرآن ہے۔(مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۱)
تنگ دست شخص کا اسلام اور قرآن مجید کی سورتوں کے سبب سے جس عورت کے ساتھ نکاح کیا گیا تھا اس کا نام خولہ بنت حکیم تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ام شریک تھا۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد کی حدیث کو ذکر نہیں کیا، اس کی علامہ کرمانی نے دو توجیہیں کیں جن میں سے دوسری توجیہ کو حافظ ابن حجر نے رد کر دیا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے کہا ہے: اس میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے یعنی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ ایک عورت نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو کوئی جواب نہیں دیا تو ایک تنگ دست نے کہا: اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیں۔(صحیح البخاری: ۵۰۲۹)
علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہاں پر حضرت سہل کی حدیث روایت نہیں کی کیونکہ وہ اس سے پہلے اس کی روایت کر چکے ہیں، اس لیے یہاں پر صرف اس کے حوالہ کو کافی قرار دیا، یا ان کے شیخ نے اس حدیث کے عنوان میں اس حدیث کی روایت نہیں کی تھی۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: علامہ کرمانی کی دوسری توجیہ بہت بعید ہے کیونکہ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ امام بخاری اپنی صحیح کے تراجم میں اور عنوانات میں اپنے مشائخ کے تراجم اور عنوانات کی پابندی کرتے ہیں بلکہ جمہور نے یہ تصریح کی ہے کہ امام بخاری کے تراجم ان کے اپنے تصرف سے ہوتے ہیں اس لیے اس احتمال کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

امام بخاری کا لطیف استنباط اور حدیث الباب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک جملہ نقل کیا ہے: ''ہم جہاد کرتے تھے اور ہماری بیویاں نہیں تھیں تو ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم خصی ہو جائیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا''۔
امام بخاری نے اس حدیث سے یہ لطیف استنباط کیا ہے کہ جب وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس مال نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس تنگ دست کے پاس مال نہ ہو اس کا نکاح کرنا جائز ہے اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تائید ہے کیونکہ آپ نے اس تنگ دست مرد کا ایک عورت سے نکاح کر دیا جس کے پاس قرآن اور اسلام تھا اور اسی سے ترجمۃ الباب کی مناسبت ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کفوء میں صرف اسلام کا اعتبار ہے اور خصی کرنے کی ممانعت کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفوء میں صرف دین اور اسلام کا اعتبار ہے مال کا اعتبار نہیں کیونکہ حضرت سہل کی حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تنگ دست کا نکاح ایک عورت سے کر دیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی ہونا آدمی کے لیے حرام ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو متغیر کرنا ہے اور اس میں نسل کو متغیر کرنا ہے اور جاندار کو عذاب دینا ہے۔ اسی طرح جس حیوان کا گوشت کھایا نہ جاتا ہو اس کو بھی خصی کرنا حرام ہے اور جس حیوان کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کو خصی کرنا جائز ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۰، دار الکتب، بیروت، العلمیہ ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۹ میں گزر چکی ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۶، بیروت)

علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۱۵ میں گزر چکی ہے۔

(منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۳۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور اگر تنگ دست کا شادی کرنا ممنوع ہوتا جب کہ اس کا خصی ہونا بھی ممنوع ہے تو اس سے تکلیف مالا یطاق لازم آتی۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۲۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

علامہ بدرالدین الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو خصی کرنے کی ممانعت ہے اس سے مراد خصیتین کو نکالنا نہیں ہے کیونکہ اس سے نفس کو ایذاء ہوتی ہے اور نسل منقطع ہوتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد ایسی دواؤں کو استعمال کرے جس سے اس کی قوت مردمی زائل ہو جائے اور وہ خصی کی طرح ہو جائے (جس طرح آج کل نس بندی کی جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(مصابیح الجامع ج ۹ ص ۱۱، دار النوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

شدید ضرورت کے بغیر مرد یا عورت کو بانجھ کر دینا جائز نہیں اور اس میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: عورت یا مرد کو کسی دوائی یا سرجری کے ذریعے بانجھ کر دینا جائز نہیں ہے، البتہ جب شوہر یا بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک کسی ایسے موروثی مرض میں مبتلاء ہو جو خطرناک یا متعدی ہو اور اس مرض میں مبتلاء شخص معاشرہ پر بوجھ اور موجب حرج ہو تو پھر یہ صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعض امراض وراثت میں منتقل ہوتے ہیں جیسے ذیابیطس، اس لیے جب یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص ایسے موروثی مرض میں مبتلاء ہے جو خطرناک یا متعدی ہے تو اس کو بانجھ کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مفاد عامہ کی خاطر واجب ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں مفاسد کو زائل کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔

(الفتاویٰ الاسلامیہ، مصر ج ۹ ص ۳۰۹۱-۳۰۸۷ ملخصاً القاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

بعض خواتین کے پیٹ میں بچہ آڑا ہوتا ہے جس کے سبب ولادت کے لیے سرجری ضروری ہوتی ہے اور جب اس کے پیٹ میں مزید سرجری کی گنجائش نہ رہے تو اس کو بھی سرجری کے ذریعے بانجھ کر دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی بالغ لڑکا بے عقل ہو اور خطرہ یہ ہو کہ یہ بڑا ہو کر جبراً لڑکیوں سے زنا کرے گا تو اس لڑکے کی نس بندی کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ

واجب ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (Sperm) گزرتے ہیں ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔نس بندی سے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے، انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خودکشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے، نہ اپنا کوئی عضو، کسی کو کاٹ کر دے سکتا ہے اس لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے اور صحیح البخاری کی حدیث:۵۰۷۱ میں یہ تصریح ہے کہ بعض صحابہ نے تنگ دستی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی۔ہاں! ہم نے جو صورت ذکر کی ہے کہ کوئی بالغ لڑکا بے عقل ہو اور یہ خطرہ ہو کہ وہ بڑا ہو کر جبراً زنا کرے گا تو اس کی ادویات کے ساتھ قوت مردانگی کو ختم کرنا ضروری ہے۔مجھ سے چند سال پہلے ایک خاتون نے سوال کیا تھا کہ ان کا بیٹا بے عقل ہے وہ برہنہ گھر سے نکل جاتا ہے اور اس کو ستر پوشی کا کوئی خیال نہیں ہوتا اور خطرہ ہے کہ وہ بڑا ہو کر جبراً زنا کرے گا تو میں نے یہ فتویٰ دیا کہ آپ اس لڑکے کی ادویات کے ساتھ قوت مردانگی ختم کرادیں۔عورت کو بانجھ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کے بیضہ دان کی نالی (Fellopian Tube) کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، اس عمل کو نل بندی کہتے ہیں اور اس عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی، یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے: ایک اس صورت میں جب سرجری کے ذریعہ عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید سرجری کی گنجائش نہ ہو اور دوسری وہ صورت جب کوئی ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ بتائے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے، سو ان صورتوں میں نل بندی صرف جائز نہیں بلکہ واجب ہے۔(سعیدی غفرلہ)

خصی بکرے کی قربانی کا استحباب

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جانور کو خصی کرنا حرام ہے اور صحیح یہ ہے کہ جب جانور کو خصی کرنے سے قطع نسل لازم نہ آئے تو خصی کرنا حلال ہے مثلاً کسی شخص کی بہت بکریاں ہوں تو وہ کسی ایک بکرے کو خصی کردے تو یہ جائز ہے اور اس لیے کہ خصی بکرے کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور خصی بکرا زیادہ قوی اور جسیم ہوتا ہے اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور خصی بکرے کی قربانی کرنا جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو خصی بکروں کی قربانی کی۔(سنن ابن ماجہ:۳۱۲۲)(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲۴، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۷۔بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ انْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ شِئْتَ حَتَّى أَنْزِلَ لَكَ عَنْهَا رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ

کسی مرد کا اپنے بھائی سے یہ کہنا: دیکھو تم میری جس بیوی کو چاہو حتیٰ کہ میں تمہارے لیے اس سے الگ ہو جاؤں، اس کے متعلق حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

۵۰۷۲۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَآخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ وَعِنْدَ الْأَنْصَارِيِّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از حمید الطویل، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (مدینہ میں) آئے تو نبی ﷺ نے ان کو اور

امْرَأَتَانِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ أَنْ يُنَاصِفَهُ أَهْلَهُ وَمَالَهُ فَقَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ فَأَتَى السُّوقَ فَرَبِحَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ وَشَيْئًا مِنْ سَمْنٍ فَرَآهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ أَيَّامٍ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ فَقَالَ تَزَوَّجْتُ أَنْصَارِيَّةً قَالَ فَمَا سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

حضرت سعد بن الربیع الانصاری کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور اس انصاری کی دو بیویاں تھیں، اس نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ پیش کش کی کہ وہ اپنی نصف بیوی اور نصف مال ان کو دے دیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی بیویوں اور مال میں برکت دے، آپ میری بازار کی طرف رہنمائی کریں، پس وہ بازار گئے اور پنیر اور گھی میں سے کچھ کو بیچ کر نفع حاصل کیا، چند ایام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور ان کے کپڑے پر زرد رنگ لگا ہوا تھا تو آپ نے ان سے پوچھا: اے عبدالرحمٰن! اس کا کیا سبب ہے؟ تو انہوں نے بتایا: میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے تو آپ نے پوچھا: تم نے ان کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، آپ نے فرمایا: ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹، میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷، صحیح ابن حبان: ۴۰۶۰، مسند احمد: ج ۳ ص ۱۶۵، ۱۹۰، ۲۰۵، ۲۷۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۸، ۲۳۷، ۲۵۸، ۲۳۶، ۲۷۴، ج ۹ ص ۱۱۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۲۶، ج ۶ ص ۱۳، سنن سعید بن منصور: ۶۰۹، ۶۱۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۹، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۲، مشکل الآثار ج ۴ ص ۱۴۵، شرح السنہ ج ۹ ص ۱۳۲، ۱۳۴، مسند الحمیدی: ۱۲۱۸، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۷۷، ۸۹، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۰۵، کنز العمال: ۱۰۴۱۰، ۱۰۴۱۱، ۴۴۶۱۸)

صحابہ کرام کا ایثار، رزق حلال کی تلاش میں جدوجہد، ولیمہ کا استحباب اور دوسرے مسائل اور فوائد حدیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کے صدر اول کے لوگ کس طرح اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث کے درج ذیل فوائد ہیں اور اس سے درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کا اپنی بیوی کو نیک مسلمان بھائیوں پر نکاح کے لیے پیش کرنا جائز ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ مرد کے لیے نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو پسند کرے اس سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وعدہ کر لے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مرد کو یہ پیش کش کی جائے اور اس کو مال کی بھی پیش کش کی جائے تو وہ اس پیش کش سے احتراز کرے اور اپنے نفس پر سختی کو اختیار کرے اور رزق حلال کی تلاش میں تگ و دو اور جدوجہد کرے۔

(۴) تجارت اور ملازمت کے ذریعے زندگی گزارنا اس سے بہتر ہے کہ انسان دوسروں کے صدقات اور ہبات اور ہدیوں پر

گزارہ کرے۔
(۵) تجارت کے لیے بازاروں میں جانا اور کسب معاش کے لیے کوشش کرنا مستحب ہے۔
(۶) کسی مرد سے استاذ یا شیخ کا یہ سوال کرنا کہ آیا تم نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے بیوی کا کتنا مہر رکھا ہے تا کہ لوگ ولیمہ میں اس کی مدد کریں، سو یہ سوال کرنا مستحب ہے۔
(۷) یہ سوال کرنا کہ تم نے کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے اور اس کو باکرہ سے نکاح پر برانگیختہ کرنا تا کہ وہ اپنی ہم عمر بیوی سے دل لگی اور خوش طبعی کرے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے اور ان شاء اللہ اس کی شرح عنقریب آئے گی۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نکاح کے بعد ولیمہ یعنی دعوت کرنا اور نکاح کے اعلان کے متعلق احادیث

علامہ امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ھ ولیمہ کے متعلق لکھتے ہیں:
ولیمہ کرنا مستحب ہے اور اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:
(۱) امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور اس میں ستو اور جو کھلائے''۔
(۲) امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''پہلے دن کی دعوت برحق ہے اور دوسرے دن کی دعوت سنت ہے اور تیرے دن کی دعوت سنانے کے لیے ہے اور جو سنانے کے لیے کوئی کام کرے تو اللہ بھی اس کے کام سنائے گا'' (لیکن اگر کسی عذر کی بناء پر دیر سے ولیمہ کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں)۔
(۳) امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے اور تم دونوں کو نیکی میں جمع کرے''۔
(۴) نکاح کا اظہار کرنا مستحب ہے۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے محمد بن حاطب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال اور حرام کے درمیان فرق دف اور گانے کی آواز ہے۔
(۵) امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نکاح کا اعلان کرو اور اس نکاح کو مساجد میں کرو اور اس پر دف بجاؤ۔
(۶) امام بخاری نے حضرت الربیع بنت معوذ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب زفاف کی صبح میرے پاس آئے اور میرے بستر پر بیٹھے اور لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۴۱-۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بازاروں میں تجارت کے لیے جانے کی اباحت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۲۰۴۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تجارت کو مباح کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور افاضل صحابہ تجارت کرتے تھے اور طلب معاش کے لیے صنعت و حرفت کرتے تھے اور علماء و حکماء نے اس سے منع کیا ہے کہ مرد کا کوئی پیشہ نہ ہو اور نہ وہ کوئی تجارت کرے کیونکہ اس میں خطرہ ہے کہ پھر وہ لوگوں کا محتاج ہو گا اور وہ اس کو رسوا کریں گے اور روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! اپنی ضرورت کے مطابق دنیا سے حصہ لو اور اپنی کمائی سے آخرت کے لیے خرچ کرو اور دنیا کو

بالکل ترک نہ کرو ورنہ تم اور تمہارے بال بچے لوگوں پر بوجھ بن جائیں گے۔

بازاروں میں جانے کی ممانعت کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام حاکم نے عمرو بن تغلب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ فتنوں کا ظہور ہوگا اور تجارت بہت زیادہ ہوگی''۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے آپ کو بازاروں کے اجتماع اور بازاروں کے شور سے بچاؤ''۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۴۴، الاحاد والمثانی: ۱۶۶۴)

ان احادیث میں ممانعت کا محمل یہ ہے کہ جو شخص بازاروں میں جانے اور تجارت کرنے میں زیادہ مشغول ہو حتیٰ کہ وہ اس انہماک کی وجہ سے فرائض اور واجبات سے غافل ہو جائے، جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ نمازوں کے اوقات میں بھی بازاروں میں خرید و فروخت میں مشغول رہتے ہیں اور نماز کی اذان سننے کے باوجود بازاروں سے نہیں اٹھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الجمعہ ۱۰۔۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ۝ پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو ۝

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷۔۱۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابوحفص ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے صحیح البخاری: ۲۰۷۵ کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۷۔۱۹۶، وزارۃ الاقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی صحیح البخاری: ۲۰۷۵ کی شرح میں علامہ ابن بطال کی شرح کی عبارت نقل کر دی ہے، تاہم انہوں نے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تجارت کے لیے سفر کرنے پر مقرر کرنا

الزبیر بن بکار نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف تجارت کے لیے گئے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کی وجہ سے ہمیشہ لازم رہتے تھے۔ اس محبت نے بھی ان کو تجارت کے سفر سے منع نہیں کیا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تجارت کے سفر سے منع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ تجارت کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تجارت کے ذریعے روزی حاصل کرنا ہدیوں پر گزارا کرنے سے بہتر ہے

نیز حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری ۲۰۴۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی مفصل شرح ان شاء

اللہ باب الولیمہ میں آئے گی۔ یہاں صحیح البخاری: ۲۰۴۸۔۲۰۴۹ کو درج کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ تجارت میں مشغول ہوتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجارت کے لیے کسب کرنا اور روزی حاصل کرنا ہبہ اور ہدیہ پر گزارا کرنے سے بہت بہتر ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

گٹھلی کے برابر سونے کا وزن

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم نے اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۸، ۲۰۴۹ میں کردی ہے، اور صحیح بخاری ۵۰۷۲ میں مذکور ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو گٹھلی کے برابر سونا مہر میں دیا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ گٹھلی کے برابر سونے کا وزن پانچ درہم کے برابر ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

گٹھلی کے برابر سونے کی مالیت

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گٹھلی کے برابر سونے کا وزن پانچ درہم کے برابر ہے اور اس کی مالیت بیس درہم کے برابر ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: کہ آج کی تاریخ (۳۱ اکتوبر ۲۰۱۱ھ) کے نرخ کے مطابق بیس درہم کی مالیت سات ہزار دو سو (۷۲۰۰) پاکستانی روپے ہیں۔

علامہ زکریا الانصاری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ نے بھی لکھا ہے کہ ایک گٹھلی کے برابر سونے کا وزن پانچ درہم ہے۔

(منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۳۱، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۰۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ المہلب مالکی کی شرح نقل کردی ہے۔

(الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۶۴)

ولیمہ کے شرعی حکم میں فقہاء کا اختلاف

شیخ عبد اللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں: ولیمہ سنت مؤکدہ ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء کے نزدیک نکاح کے بعد ولیمہ (دعوت) کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں نکاح کا اظہار اور اعلان ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ولیمہ کرنا مستحب ہے کیونکہ بہت سے صحابہ نے نکاح کے بعد دعوت نہیں کی جیسا کہ اس تنگ دست صحابی کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور تعلیم قرآن کے سبب سے کردیا تھا لیکن یہ حدیث حجت نہیں ہے (صحیح البخاری: ۵۰۳۰) کیونکہ وہ صحابی تنگ دست تھے۔(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۳۲۵، ملخصاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک ولیمہ کا معیار

تحقیق یہ ہے کہ ولیمہ شوہر کی گنجائش کے مطابق مشروع ہوتا ہے، سو اصحاب ثروت اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کریں اور متوسط لوگ اپنی گنجائش کے مطابق ولیمہ کریں اور تنگ دست لوگ اگر ہوسکے تو ایک بکری سے دعوت کردیں ورنہ چھوڑ دیں۔(سعیدی غفرلہ)

٨۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّبَتُّلِ وَالْخِصَاءِ
تجرد اور خود کو خصی کرنے کی کراہت

تَبَتُّل کے معنی کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے عنوان میں تبتل کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: تجرد اور نکاح سے منقطع ہو کر اور لذات کو ترک کر کے عبادت کرنا۔ امام بخاری نے اس کو مکروہ کہا ہے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (المزمل: ۸) اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: یعنی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ یہ اس کے معنی کی تفسیر ہے لیکن تَبَتُّل کی حقیقت یہ ہے کہ سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور حضرت مریم کو بتول کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نکاح سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھیں اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حسن اور شرف میں دوسری خواتین سے منقطع ہو گئی تھیں، امام بخاری نے اس باب میں چار احادیث روایت کی ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۴، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۱)

۵۰۷۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ رَدَّ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی، انہوں نے سعید بن المسیب سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے تبتل کرنے کو رد فرما دیا، اگر آپ ان کو تبتل کی اجازت دیتے تو ہم ضرور خصی ہو جاتے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۳، ۵۰۷۴، صحیح مسلم: ۱۴۰۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۳، رقم الحدیث: ۱۵۸۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۸، سنن ترمذی: ۱۰۸۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۵۸، سنن دارمی: ۲۱۷۳)

۵۰۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ لَقَدْ رَدَّ ذٰلِكَ يَعْنِي النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ وَلَوْ أَجَازَ لَهُ التَّبَتُّلَ لَاخْتَصَيْنَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی، انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر تبتل کو رد کر دیا تھا اور اگر آپ ان کو تبتل کی اجازت دیتے تو ہم سب خصی ہو جاتے۔

اس حدیث کی تخریج حسب سابق ہے۔

۵۰۷۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ كُنَّا نَغْزُو مَعَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از اسماعیل از

رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ لَنَا شَيْءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَسْتَخْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (المائدہ:۸۷)

قیس، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہماری ملکیت میں کچھ نہیں تھا تو ہم نے پوچھا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا، پھر ہم کو رخصت دی کہ ہم کسی عورت سے ایک کپڑے کے عوض نکاح کرلیں، پھر آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (المائدہ:۸۷) اے ایمان والو: تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا○

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۶۱۵، ۵۰۷۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۴، سنن نسائی ج ۶ ص ۵۹، مصنف عبد الرزاق: ۱۴۰۴۸، مسند الحمیدی: ۱۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۵۰، مسند ابو یعلیٰ: ۵۳۸۲، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۹، ۲۰۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵، رقم الحدیث: ۳۶۵۰، مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۲، رقم الحدیث ۴۱۱۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

۵۰۷۶۔ وَقَالَ أَصْبَغُ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي رَجُلٌ شَابٌّ وَأَنَا أَخَافُ عَلَى نَفْسِي الْعَنَتَ وَلَا أَجِدُ مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلَى ذَلِكَ أَوْ ذَرْ۔

اور اصبغ نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی از یونس بن یزید از ابن شہاب از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور میں اتنا مال نہیں پاتا جس سے میں عورتوں سے نکاح کرلوں تو آپ میری بات پر خاموش ہو گئے، میں نے پھر اسی طرح عرض کیا تو آپ پھر میری بات پر خاموش ہو گئے، میں نے پھر (سہ بارہ) اسی طرح عرض کیا تو آپ پھر مجھے جواب دینے سے خاموش رہے، میں نے پھر جب اسی طرح آپ سے عرض کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو، پس تم خصی ہو یا اس کو چھوڑ دو۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۶، سنن نسائی: ۳۲۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۰۲، سنن ترمذی: ۱۰۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۵، رقم الحدیث: ۱۵۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۹، سنن دارمی: ۲۱۶۷، مسند البزار: ۱۰۶۹، ابن الجارود: ۶۷۴، ابن حبان: ۴۰۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۶، رقم الحدیث: ۱۵۲۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

تبتل اور ترہب کا معنی اور پاک اور لذیذ چیزوں اور نکاح کو ترک کرنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل اور ترہب سے اس لیے منع فرمایا تا کہ قیامت کے دن آپ کی امت کی کثرت ہو اور وہ دنیا میں کفار کی جماعتوں سے قتال کریں اور آخر زمانہ میں دجال سے قتال کریں اس لیے آپ نے چاہا کہ مسلمانوں کی نسل میں افزائش ہو۔

علامہ طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ جس تبتل کا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ عورتوں کو ترک کر دیں اور لذیذ چیزوں کو کھانا چھوڑ دیں، جن پاک اور لذیذ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے وہ ترہب کی وجہ سے ان کو چھوڑنا چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۸۔۸۷)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو O

یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

موٹا اور سخت لباس پہننا اور سبزیاں اور دال کھانا اور گوشت کو ترک کرنا اور اپنے اوپر مشقت کو برداشت کرنا خلاف اولیٰ ہے

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے وہ ان کو حرام قرار دے، اور لذیذ کھانوں، قیمتی کپڑوں اور خواتین کے ساتھ نکاح کو ترک کر دے خواہ اس کو ان چیزوں کے استعمال سے زنا کا خطرہ ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل اور ترہب یعنی ان چیزوں کے ترک سے منع فرما دیا، پس ثابت ہوا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے اس کے ترک کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے، فضیلت اور نیکی صرف ان کاموں کے کرنے میں ہے جن کے کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا ہے، اس عمل کو امت کے لیے سنت قرار دیا ہے اور ائمہ راشدین نے اسی منہاج کی اتباع کی ہے کیونکہ بہترین طریقہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور جب حق یہ ہے کہ جن لوگوں نے سوتی اور باریک کپڑوں پر موٹے اور اونی لباس کو ترجیح دی جب کہ وہ ان کو پہننے پر قادر تھے اور جن لوگوں نے لوبیا، دیگر سبزیوں اور دالوں کو گندم اور جو کی روٹی پر ترجیح دی اور گوشت اور چکنائی کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کے کھانے سے عورتوں سے جماع کی خواہش ہو گی تو ان لوگوں کا یہ عمل خطا اور خلاف سنت ہے اور اگر کوئی گمان کرنے والا یہ کہے کہ موٹے لباس پہننے اور سبزی اور دال کھانے سے نفس پر مشقت ہوتی ہے اور ان چیزوں کی قیمت کو وہ ضرورت مندوں پر خرچ کرے تو اس کا یہ قول خطا ہے اور انسان کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے جس سے اپنے رب کی عبادت پر مدد حاصل ہو اور ردی کھانوں سے بڑھ کر انسان کے جسم کے لیے کوئی چیز مضر نہیں ہے کیونکہ اس سے عقل فاسد ہو جاتی ہے جس کو اللہ

تعالیٰ نے اپنی عبادت کا سبب بنایا ہے۔

ہمیشہ گوشت اور مرغن اشیاء کھانا بھی انسان کے جسم کے لیے مضر ہے اس لیے سبزیاں اور دالیں بھی کھانی چاہئیں

میں کہتا ہوں کہ: مسلسل لحمیات اور چکنائی والی چیزوں کو کھانا بھی صحت کے لیے مضر ہے کیونکہ ان سے خون میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور اس سے بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے اور دل کے دورے پڑتے ہیں اور خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجہ میں انجائنا ہوتا ہے اور انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہوتا ہے اور ان چیزوں کے استعمال کے تسلسل سے دل کی شریانیں بلاک ہو جاتی ہیں جس کے لیے بائی پاس آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات انسان کو فالج ہو جاتا ہے، سو اس کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ انسان مسلسل گوشت اور چکنائی والی چیزیں نہ کھائے بلکہ دالوں اور سبزیوں کو بھی استعمال کرے کیونکہ خیر الامور اوسطھا اس لیے میانہ روی اختیار کرے، نہ ہمیشہ گوشت اور انڈے اور مرغن اشیاء کھائے اور نہ ہمیشہ دالیں اور سبزیاں کھائے۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد (متعہ کا منسوخ ہونا اور تقدیر کا اثبات)

(۱) بنو آدم کا خصی ہونا حرام ہے کیونکہ تبتل کی ممانعت ہے اور سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ نفس پر ان چیزوں کو منع کرے جو اس کے لیے مباح ہیں، اسی طرح بعض اعضاء کو کاٹ کر نفس کو ایذاء دینا بھی بہت بڑا جرم ہے اور حرام ہے اور بغیر ضرورت کے کسی عضو کو کاٹنا جائز نہیں، ہاں! اگر کوئی عضو فاسد ہو جائے اور اس کو باقی رکھنا باقی جسم کے لیے مضر ہو تو پھر اس کو کاٹنا جائز ہے۔ (جیسے شوگر کے مریض کے جسم کے کسی عضو میں کوئی پھوڑا ہو جائے اور اس کا زہر باقی اعضاء میں پھیل رہا ہو تو باقی اعضاء کو اس کے ضرر سے بچانے کے لیے اس عضو کو کاٹنا ضروری ہے جیسے ہمارے زمانہ میں کسی شوگر کے مریض کا پیر کاٹ دیا جاتا ہے یا اس کی پنڈلی کاٹ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین (سعیدی غفرلہ)

(۲) علامہ المہلب نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کپڑے کے عوض نکاح کرنے کی اجازت دی یعنی متعہ کرنے کی جو ابتداء اسلام میں حلال تھا پر عدت، میراث اور مہر کے احکام نازل ہونے کے بعد متعہ کو منسوخ کر دیا گیا کیونکہ متعہ میں یہ عوارض نہیں ہوتے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تقدیر کا ثبوت ہے اور یہ کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم نہ ہو بندہ اس کو اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

عورتوں کا نکاح کرنے کی فرضیت پر ابن حزم ظاہری کے قرآن اور احادیث سے دلائل

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن کی شرح کا اکثر حصہ علامہ ابن بطال کی شرح کی نقل پر مشتمل ہے، تاہم انہوں نے جو زائد امور بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

شیخ ابن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ (النور: ۶۰)

اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اتار رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں۔

امام ابو داؤد نے حضرت عتیک بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: تم کس کو

شہید سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سوا شہادت کی سات قسمیں ہیں: (۱) طاعون میں مرنے والا شہید ہے (۲) ڈوب کر مرنے والا شہید ہے (۳) نمونیہ میں مرنے والا شہید ہے (۴) پیٹ کی بیماریوں میں مرنے والا شہید ہے (۵) جل کر مرنے والا شہید ہے (۶) جو کسی چیز کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہے (۷) اور جو عورت حالت نفاس میں مر جائے وہ شہید ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۱۱۱، سنن نسائی: ۱۸۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۸۰۳)

اور جو کنواری عورت مر جائے اور اس کو حیض نہ آیا ہو۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۴۴۱)

اور امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کے لیے شوہر اور قبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۲۴۰)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا (۱) جب نماز کا وقت آ جائے (۲) جب جنازہ حاضر ہو (۳) جب بے نکاح عورت کا کفو مل جائے"۔

(سنن ترمذی: ۱۰۷۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۸۶) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۰۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ابن حزم ظاہری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ ابن حزم ظاہری نے النور: ۶۰ سے جو نکاح کی فرضیت پر استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ آیت قطعی الثبوت تو ہے لیکن فرضیت نکاح پر قطعی الدلالۃ نہیں ہے اور ابن حزم ظاہری نے جن احادیث سے فرضیت نکاح پر استدلال کیا ہے وہ قطعی الثبوت نہیں ہیں کیونکہ وہ سب اخبار آحاد ہیں اور فرضیت اس دلیل سے ثابت ہوتی ہے جو قطعی الثبوت بھی ہو اور قطعی الدلالۃ بھی ہو۔

بعض جاہل زاہدوں کا قطع شہوت کے لیے اپنے آلہ کو کاٹ لینا مذموم ہے

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ تم خصی ہو یا نہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۷۶)

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم خصی ہو جاؤ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ کر دیا نہ کرو لامحالہ تم پر تقدیر نافذ ہوگی اور ہم نے بعض کم سن زاہدوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنا آلہ کاٹ لیتے ہیں۔ پس سب سے پہلے ان پر یہ رد کیا جائے گا کہ تمہارے لیے اللہ عزوجل کی اجازت کے بغیر اپنے اعضاء میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس تصرف کو جائز نہیں قرار دیا بلکہ حرام فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ نسل انسانی میں اضافہ ہو اور جس نے اپنے آلہ کو کاٹا اس نے اس حکمت کے خلاف کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی اس پر یہ نعمت ہے کہ اس نے اس کو مرد بنایا اور عورت نہیں بنایا اور جب اس نے اپنے آلہ کو کاٹا تو اس نے نقص کو اختیار کیا اور اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو دوزخ کا مستحق ہوگا اور اس نے اپنے نفس کو لذت سے اور اولاد کے حصول سے روکا اور اس کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک متصل تھا تو اس نے اس اتصال نسب کو منقطع کیا اور آلہ کو کاٹنے سے شہوت منقطع نہیں ہوتی بلکہ دل میں جماع کی خواہش اور بڑھ جاتی ہے۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خصی ہونے کی ممانعت میں دیگر احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۷۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں ایسا مرد ہوں جس پر کنوارا

رہنا دشوار ہے تو آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت دیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! لیکن تم روزے رکھو، اور امام طبرانی کی دوسری روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون نے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہبانیت کے بدلہ میں ملت حنیفیہ السمحۃ عطا فرمائی ہے''۔

پھر حافظ ابن حجر نے امام طبری کے حوالہ سے المائدہ: ۸۷ کو پیش کیا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں ہیں۔ دو ہجری میں ان کی وفات ہوئی تھی اور صحابہ میں سے وہ سب سے پہلے البقیع میں مدفون ہوئے تھے۔

خصی ہونے کی ممانعت کی حکمت

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری: ۵۰۷۴ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جو خصی ہونے کی اجازت طلب کی تھی اس سے مراد حقیقت میں خصی ہونا تھا یا اس سے مراد نکاح اور لذات کو منقطع کرنا تھا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد حقیقت میں خصی ہونا تھا کیونکہ خصی ہونے سے انسان ہلاک نہیں ہوتا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اکثر جانوروں کو خصی کیا جاتا ہے اور وہ زندہ رہتے ہیں، اور اس کو منع کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مسلمانوں کی افزائش نسل ہو اور وہ کفار سے جہاد کریں اور اگر مسلمان خصی ہو جائیں تو مسلمانوں کی تعداد کم ہو گی اور کفار کی تعداد زیادہ ہو گی۔

جانوروں کو خصی کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری: ۵۰۷۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے: بنو آدم کے علاوہ حیوانوں کو اگر خصی کرنا کسی منفعت کے حصول کے لیے ہو تو پھر جائز ہے جیسے اس کے گوشت کا لذیذ ہونا، اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: جس جانور کا گوشت کھایا نہیں جاتا اس کو خصی کرنا مطلقاً حرام ہے اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کو کم عمری میں خصی کرنا جائز ہے اور بڑی عمر میں اس کو خصی کرنا جائز نہیں ہے۔

خصی کرنے کی ممانعت دراصل تقدیر کا ثبوت ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی صحیح البخاری: ۵۰۷۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو یعنی لوح محفوظ میں جو تمہاری تقدیر لکھ دی گئی ہے وہ بہر حال نافذ ہو گی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لکھنا اور اس کی لوح اور اس کی قلم کا تعلق اس علم غیب کے ساتھ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور میں اتنا مال نہیں پاتا جس سے میں عورتوں سے نکاح کر سکوں تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اسی طرح سوال کیا تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اسی طرح سوال کیا تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے چوتھی بار سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! قلم اس چیز کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے جس کے ساتھ تم ملاقات کرنے والے ہو، پس اب تم خصی ہو یا اس کو چھوڑ دو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم خصی ہو یا چھوڑ دو، اس میں امر کا صیغہ طلب فعل کے لیے نہیں بلکہ یہ

دھمکانے کے لیے ہے۔ جیسے قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔ (الکہف: ۲۹) اور آپ کہیے: حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ایسا کرو یا نہ کرو تقدیر کا امر بہر حال نافذ ہوگا۔

بلکہ اس حدیث میں خصی ہونے کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے گویا کہ آپ نے فرمایا: جب تم نے جان لیا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدر اور قضاء کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر خصی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کنوارے ہونے کی شکایت کی، پس کہا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ نے فرمایا: "جو مرد خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

اس حدیث میں خصی ہونے کی مذمت ہے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب تقدیر نافذ ہو تو حیلوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد، نیز اس سوال کا جواب کہ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روزہ رکھنے کا حکم کیوں نہیں دیا جس طرح دوسروں کو دیا تھا

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا شکایت کرنا جائز ہے کیونکہ ایک مرد نے آپ سے کنوارے ہونے کی شکایت کی۔

(۲) اس میں اشارہ ہے کہ جس شخص کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو وہ نکاح نہ کرے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خصی ہونے کے لیے یہی عذر پیش کیا تھا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا تین بار شکایت کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین بار شکایت کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار سکوت فرمایا اور چوتھی بار ان کو خصی ہونے سے منع فرمایا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی حاجت طلب کرنے سے پہلے اپنا عذر بیان کرے۔

(۵) علامہ ابو محمد بن ابی جمرۃ الاندلسی المتوفی ۶۹۹ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو انسان اسباب مشروعہ کے مطابق عمل کرے اور ان پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تا کہ اس کی حکمت کے خلاف نہ ہو، پس جب وہ اس پر توکل کرنے پر قادر نہ ہو تو برداشت کرے اور اپنے مولیٰ کی تقدیر پر راضی رہے۔

(۶) جب اسباب تقدیر کے موافق نہ ہوں تو نفع نہیں دیتے۔

(۷) اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شہوت توڑنے کے لیے روزہ رکھنے کا حکم کیوں نہیں دیا جیسا کہ دوسروں کو حکم دیا تھا حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا غالب حال یہ تھا کہ وہ روزہ رکھتے تھے کیونکہ وہ اہل صفہ میں سے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنی ہو کہ "اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ نکاح کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے"۔ لیکن انہوں نے یہ سوال حالت جہاد میں کیا تھا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حالت جہاد میں کیا تھا کیونکہ یہ حضرات جہاد کے دوران روزے نہیں رکھتے تھے تا کہ لڑائی پر قادر ہوں تو پھر انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ خصی ہو کر شہوت کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دیں جس طرح حضرت ابن مظعون رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح کی شروح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے ان احادیث کی شرح میں اس کا خلاصہ لکھا ہے جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے اور کوئی بات زائد نہیں لکھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۵۔۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیگر شروح کی بھی یہی کیفیت ہے۔

۹۔ بَابُ: نِكَاحِ الْأَبْكَارِ

کنواری عورتوں سے نکاح کرنا۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِعَائِشَةَ لَمْ يَنْكِحِ النَّبِيُّ ﷺ بِكْرًا غَيْرَكِ۔

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث کے عنوان میں الابکار کا لفظ ہے، یہ بکر کی جمع ہے۔ باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے وطی نہ کی گئی ہو اور وہ پہلی حالت پر برقرار ہو، رہی امام بخاری کی تعلیق تو اس کی تشریح کتاب التفسیر میں سورۃ النور کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۵۰۷۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ نَزَلْتَ وَادِيًا وَفِيهِ شَجَرَةٌ قَدْ أُكِلَ مِنْهَا وَوَجَدْتَ شَجَرًا لَمْ يُؤْكَلْ مِنْهَا فِي أَيِّهَا كُنْتَ تُرْتِعُ بَعِيرَكَ قَالَ فِي الَّذِي لَمْ يُرْتَعْ مِنْهَا تَعْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از ہشام بن عروۃ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں ایسے درخت ہوں جن کے پتوں سے کچھ کھالیا گیا ہو اور آپ کو ایسا درخت ملے جس کے پتوں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنے اونٹ کو کون سے درخت کے پتے کھلائیں گے؟ آپ نے فرمایا: جس درخت سے اس کے پتے نہ کھائے گئے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۷، ۵۲۲۸، ۶۰۶۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۹، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۷، شرح السنۃ: ۲۳۲۸)

کنواری عورت سے نکاح کرنے کی فضیلت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں کنواری عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے کنواری عورتوں سے نکاح پر برانگیختہ کیا اور فرمایا: ان کا منہ زیادہ پاکیزہ ہوتا ہے اور ان کا رحم نطفہ کو زیادہ قبول کرتا ہے اور ان کے اخلاق زیادہ عمدہ ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے اپنی سوکنوں پر فخر کرتی ہیں اور اس حدیث میں مثالوں کے بیان کرنے کا ذکر ہے اور انسانوں کی درختوں کے ساتھ تشبیہ کا ذکر ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

کنواری عورتوں سے نکاح کی فضیلت میں احادیث

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کنواری عورت سے نکاح کرنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم نے کنواری عورت سے نکاح کیوں نہیں کیا؟ تم اس سے خوش طبعی کرتے اور کھیلتے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۶۶)

(۲) امام ابن ماجہ نے از عتبہ بن عویم بن ساعدۃ از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کنواری عورتوں سے نکاح لازم رکھو کیونکہ ان کے منہ زیادہ میٹھے ہوتے ہیں اور ان کے رحم نطفوں کو زیادہ قبول کرتے ہیں اور وہ کم چیز سے راضی ہو جاتی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۲۴۴)

(۳) امام ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے رحم نطفوں کو زیادہ قبول کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا: وہ زیادہ گرم جوشی سے استقبال کرتی ہیں اور تھوڑے عمل سے راضی ہو جاتی ہیں۔

(الطب النبوی: ۴۴۸)

(۴) امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے اخلاق بہت پاکیزہ ہوتے ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق، ۱۰۳۴۲)

لفظ بکر کے مزید معانی

لفظ بکر کا معنی ہے: کم عمر اور دوسرا معنی ہے: جس کا نفس میں حصہ معلوم ہو، تیسرا معنی ہے: جس کے اعصاب میں حرارت محرکہ وافر ہو، چوتھا معنی ہے: جس کا اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے سے تعلق نہ ہو کیونکہ جس کا تعلق پہلے شوہر سے ہو اس سے انسان خوش نہیں ہوتا اور پانچواں معنی ہے: جو بچہ کی تولید کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہو اور یہ کہ خوش طبعی اور دل لگی اس کے ساتھ مناسب ہے نہ کہ بڑی عورتوں سے اور یہ کہ خوش طبعی اور دل لگی جماع پر زیادہ برانگیختہ کرتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۱۱۔۲۱۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فصاحت اور بلاغت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ اس درخت سے اپنے اونٹ کو پتے کھلاتے جس درخت سے پتے کھائے نہ گئے ہوں''۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی انتہائی فصاحت اور بلاغت ہے اور اس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے ان کو دوسری عورتوں کے مقابلہ میں پسند کیا۔

صحیح البخاری: ۵۰۷۸، میں امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ایک ریشم کے ٹکڑے میں دکھائی۔ اس حدیث کی شرح ان شاء اللہ عنقریب ان ابواب کے بعد آئے گی۔ (فتح الباری

ج ٦ ص ٢٤٧ دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٥٠٧٨۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ إِذَا رَجُلٌ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةِ حَرِيرٍ فَيَقُولُ هَذِهِ امْرَأَتُكَ فَأَكْشِفُهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَأَقُولُ إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے خواب میں دو مرتبہ تمہاری صورت دکھائی گئی، اچانک ایک مرد تم کو ریشم کے ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں،۔ میں اس کپڑے کو کھول کر دیکھتا ہوں تو یکا یک وہ تم تھیں، پس میں کہنے لگا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کر دے گا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٣٨٩٥، ٥٠٧٨، ٥١٢٥، ٧٠١١، ٧٠١٢، صحیح مسلم: ٢٤٣٨، مسند اسحاق بن راہویہ: ٢٠٧، الطبقات الکبریٰ ج ٨ ص ٦٤، مسند ابو یعلیٰ: ٤٤٩٨، المعجم الکبیر ج ٢٣، رقم: ٣٣، ٣٢، ٣١، سنن بیہقی ج ٢ ص ٣١٠، ج ٧ ص ٨٥، تاریخ بغداد ج ٥ ص ٤٢٨، سنن ترمذی: ٣٨٨٠، صحیح ابن حبان: ٧٠٩٤، مسند احمد ج ٦ ص ٤١، مسند احمد: ٢٤١٤٢، ٢٤٩٧١، ٢٥٢٨٥، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ٤٤٩ھ اور علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ٨٠٤ھ نے اس حدیث کی شرح نہیں کی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ نے صحیح البخاری: ٣٨٩٥ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح عنقریب کتاب النکاح میں آئے گی۔ اور کتاب النکاح صحیح البخاری: ٥٠٧٨، میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح بیس ابواب کے بعد آئے گی۔
(فتح الباری ج ٥ ص ٩٧، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت دکھانے کے متعلق متعدد روایات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ٨٥٥ھ صحیح البخاری: ٥٠٧٨ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کا یہ سچا خواب تھا، ان کے خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت دیکھنے کے بعد نبی ﷺ نے عقد نکاح کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مجھے خواب میں تم کو دو مرتبہ دکھایا گیا: یہ آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطاب ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: اچانک ایک مرد تم کو اٹھائے ہوئے تھا: اس مرد سے آپ کی مراد مرد کی صورت میں کوئی فرشتہ ہے اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ کے پاس جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت لے کر آئے وہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اور صحیح ابن حبان میں مذکور ہے کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ٹکڑے کو لے کر آئے، پس کہا: یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ امام مسلم کی روایت میں ہے: میرے پاس فرشتہ تم کو لے کر آیا اور طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے میری صورت کو ایک ریشم کے کپڑے میں لے کر آئے، ایک قول ہے کہ وہ سفید ریشم کا کپڑا تھا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کر دے'' آیا آپ کا یہ ارشاد بہ طور شک تھا یا نہیں

اس حدیث میں مذکور ہے: اس مرد نے کہا: یہ آپ کی زوجہ ہیں، سو میں اس ریشم کے ٹکڑے کو کھول کر دیکھتا ہوں تو یکا یک وہ تم

تھیں۔کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کردے۔
علامہ ابن العربی المالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب کے متعلق شک نہیں تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ خواب میں آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بتایا گیا ہو یا ان کی کنیت بتائی گئی ہو۔
قاضی عیاض نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ خواب نبوت سے پہلے دیکھا ہو اور اگر آپ نے یہ خواب نبوت کے بعد دیکھا تو اس کی حسب ذیل تین توجیہات ہیں:
(۱) یہ خواب اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس خواب کی کسی تعبیر اور تفسیر کی ضرورت نہیں ہے، پس عنقریب اللہ تعالیٰ اس خواب کو پورا کردے گا اور اس کو نافذ کردے گا، پس شک کا محمل یہ ہے کہ یہ خواب اپنے ظاہر پر مبنی ہے یا اس کی تاویل اور تفسیر پر مبنی ہے اس لیے آپ نے فرمایا: اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کردے۔
(۲) آپ کے اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ دنیا میں آپ کی زوجہ ہیں تو اللہ اس کو نافذ کردے اور شک کا محمل یہ ہے کہ آیا یہ دنیا میں آپ کی زوجہ ہیں یا آخرت میں۔
(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارشاد میں شک نہیں تھا مگر آپ نے بہ طور تحقیق خبر دی اور اس کو شک کی صورت میں ذکر کیا اور یہ بھی بلاغت کی ایک قسم ہے اور اس کا نام ہے: شک کو یقین کے ساتھ ملانا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باکرہ عورتوں سے نکاح کی ترغیب اور حضرت عائشہ اور حضرت زینب کے نکاحوں کے مرتبہ کا باہمی فرق

شیخ عبداللہ بن باز الحنبلی المتوفی ۱۴۲۰ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:
اس حدیث میں باکرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کی ترغیب ہے، نیز شیخ ابن باز نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمایا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو نافذ کردے حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا علم نہیں تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس خواب کو نافذ کردیا۔
شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح خواب میں بہ طریق وحی ہوا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح بیداری میں وحی قرآن سے ہوا، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت زینب سے آپ کا نکاح اس لیے کیا گیا تاکہ عربوں کی اس بدعقیدگی کا ازالہ ہو کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح حرام ہے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے اور آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح کردیا تھا، پھر بعد میں جب حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا نکاح آپ سے کردیا اور اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:
فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷) پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کرلی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کردیا۔
اس آیت کے نزول سے آپ کا نکاح حضرت زینب سے ہوگیا۔اس نکاح میں نہ کوئی گواہ تھے نہ کوئی مہر رکھا گیا تھا، پس یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت زینب بنت جحش آپ کی زوجہ ہوگئیں اور آپ ان کے پاس چلے گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس پر فخر کرتی تھیں کہ باقی ازواج کا نکاح زمینوں پر ہوا ہے اور میرا نکاح آسمانوں پر رب عزوجل نے کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ریشم کے پکڑے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دکھائی گئی کیونکہ ریشم انتہائی ملائم اور قیمتی لباس ہوتا ہے اور اسی وجہ سے عورتوں کے لیے وہ حلال ہے اور مردوں پر حرام ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ تَزْوِيجِ الثَّيِّبَاتِ

بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کا بیان

وَقَالَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ لَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم (نکاح کے لیے) مجھ پر اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو پیش نہ کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
ثَيِّبَة کا معنی ہے: باکرہ کی ضد یعنی بیوہ عورت۔

۵۰۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَفَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ فَتَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ لِي قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَنَخَسَ بَعِيرِي بِعَنَزَةٍ كَانَتْ مَعَهُ فَانْطَلَقَ بَعِيرِي كَأَجْوَدِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ الْإِبِلِ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَا يُعْجِلُكَ قُلْتُ كُنْتُ حَدِيثَ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ فَلَمَّا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ قَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیار نے حدیث بیان کی از الشعبی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ سے واپس آئے تو میں اپنے اس اونٹ پر جلدی سے روانہ ہوا جو چلنے میں سست رفتار تھا، پس ایک سوار پیچھے سے آ کر مجھ سے ملا اور اس نے میرے اونٹ کی کوکھ میں نیزہ چبھویا، پھر میرا اونٹ اس قدر تیز دوڑنے لگا جس طرح تم نے کسی تیز رفتار اونٹ کو چلتے ہوئے دیکھا ہوگا، پس ناگاہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے پوچھا: تمہیں جانے کی کیوں جلدی ہے؟ میں نے عرض کی: میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا: کیا کنواری سے شادی ہوئی ہے یا بیوہ ہے؟ میں نے کہا: بیوہ سے! آپ نے پوچھا: تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس سے دل لگی کرتے وہ تم سے دل لگی کرتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب ہم گھر داخل ہونے کے لیے گئے تو آپ نے فرمایا: تم ٹھہر کر جانا حتیٰ کہ رات میں یعنی عشاء کے وقت میں داخل ہونا تا کہ تمہاری بیوی بکھرے ہوئے بالوں کو سنوار لے اور جس عورت کا شوہر موجود نہ ہو وہ اپنی شرم گاہ کے بال صاف کر لے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۴۳، ۱۸۰۱، ۲۰۹۷، ۲۳۰۹، ۲۳۸۵، ۲۳۹۴، ۲۴۰۶، ۲۴۷۰، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۷۱۸، ۲۸۶۱، ۲۹۶۷، ۳۰۸۷، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۴۰۵۲، ۵۰۸۰، ۵۲۴۳، ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۲۱۶، صحیح ابن حبان: ۲۷۱۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳، مسند احمد: ۱۴۲۸۷)

جوان مردوں کا کسی مصلحت کی وجہ سے بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں کے لیے بھی بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ یہ کسی حکمت کی بناء پر ہو جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کا سبب یہ تھا کہ ان کی نابالغ بہنیں تھیں جن کی تربیت کے لیے کسی معلمہ اور منتظمہ کی ضرورت تھی۔

حدیث مذکور کے مسائل شرعیہ اور اہم فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں کا کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنا اولیٰ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم نے کسی کم سن لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کیا''۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور سربراہ کو اپنے ماتحت لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے لیے سوال کرنے چاہئیں۔

(۳) بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور دل لگی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے زوجین کے درمیان انس اور محبت ہوتی ہے اور مرد اپنی بیوی سے جو خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اس میں اس کو حیاء مانع نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاۙ عُرُبًا اَتْرَابًاۙ (الواقعہ: ۳۵۔۳۶۔۳۷) ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے ○ ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا ○ محبت کرنے والیاں ہم عمر ○

عُرُبًا عروب کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: خاوند سے محبت کرنے والی۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے: ''ٹھہرو حتیٰ کہ تم رات میں داخل ہونا''۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ تم اس وقت اپنے گھر میں داخل ہونا جب تمہارے مدینہ پہنچنے کی خبر ان کو حاصل ہو جائے حتیٰ کہ جس عورت کا شوہر سفر پر گیا ہوا ہے اور اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود اور پراگندہ ہیں تو وہ بناؤ سنگھار کر کے اور زیر ناف بالوں کو صاف کر کے اپنے آپ کو اپنے شوہر سے جماع کے لیے تیار کر لے تاکہ اس کے شوہر کو اس سے بدبو نہ آئے اور اس کی ابتر حالت کو دیکھ کر وہ اس سے کراہت نہ کرے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تربیت ہے۔ (شرح ابن بطال علی البخاری ج ۷ ص ۱۳۸۔۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۱۴۔۲۱۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

متعدد روایات کی روشنی میں حضرت جابر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا خلاصہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب المغازی میں امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے جابر! کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ بیوہ سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا! وہ تمہارے ساتھ ہنستی اور تم اس کے ساتھ ہنستے، اور امام طبرانی نے حضرت کعب بن عجرۃ سے روایت کی ہے کہ وہ تم کو دانتوں سے کاٹتی تم اس کو دانتوں سے کاٹتے۔ اس میں اس کی زبان کو چوسنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے ہونٹوں کے چومنے کی طرف اشارہ ہے اور ایسا بیوی کے ساتھ بوس و کنار کے وقت ہوتا

ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنا عذر بتاتے ہوئے کہا کہ میرے والد شہید ہو گئے اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑیں تو میں نے بیوہ عورت سے نکاح کیا اور اس کو ناپسند کیا کہ اپنے نکاح میں ان کی ہم عمر لڑکی لے آؤں، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے چاہا کہ میں ایسی عورت سے نکاح کروں جو ان کی تربیت کرے اور ان کو بنائے سنوارے۔ آپ نے فرمایا: تم نے درست کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بہنوں کے ناموں سے واقف نہیں ہو سکا، لیکن امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی زوجہ کا نام سہلہ بنت مسعود بن اوس بن مالک الانصاریہ الاوسیہ تھا۔

حدیث مذکور کا کتاب الطلاق کی ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: جب ہم مدینہ میں داخل ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: ''ٹھہرو حتیٰ کہ تم رات کے وقت گھر میں داخل ہونا''۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''کتاب الطلاق'' میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس رات کے وقت نہ جائے''۔ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جس حدیث میں آپ نے گھر میں رات کے وقت جانے کا حکم دیا ہے یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب کسی مرد کے شہر میں آنے کی خبر اس کے گھر پہنچ گئی ہو تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ رات کے وقت گھر میں جائے، اور دوسری حدیث جس میں آپ نے رات کے وقت گھر جانے سے منع فرمایا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی شخص بغیر اطلاع کے اچانک اپنے گھر پہنچے۔

حدیث مذکور کے مسائل شرعیہ اور نکات شریفہ

(۱) اس حدیث میں آپ نے کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے معارض وہ حدیث ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے: زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو، اور کنواری لڑکی سے کیسے معلوم ہوگا کہ وہ زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس لڑکی کی مثل دوسری شادی شدہ لڑکیوں کے احوال سے معلوم ہو جائے گا۔

(۲) اس حدیث سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی نفسانی لذات کے حصول کے اوپر اپنی بہنوں کی تربیت اور مصلحت کو ترجیح دی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی اور ان کو دعا دی، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی نیک کام کرے اس کو دعا دینی چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ کو اپنے ماتحتوں کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے اور ان کو ان کی مصلحتوں کی طرف ہدایت دینی چاہیے اور ایسے امور بھی معلوم کرنے چاہئیں جن کو بیان کرنے سے لوگ حیاء کرتے ہیں جیسے نکاح کے معاملات ہیں۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو چاہیے کہ خاوند کی خدمت کرے اور اس کی بہنوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں مثلاً بیٹوں اور بھائیوں کے بھی کام کرے اور اگر مرد اپنی بیوی سے اس قسم کے کام لینے کا قصد کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، ہر چند کہ بیوی پر یہ خدمات واجب نہیں ہیں لیکن اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عرف اور دستور میں یہ مقرر تھا کہ بیویاں شوہروں کی یہ خدمات انجام دیتی ہیں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انکار نہیں فرمایا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں جو بیویاں اپنے شوہر کے بوڑھے والدین کی خدمت کرتی ہیں اور ان کو کھانا وغیرہ پکا کر دیتی ہیں اور ان کا بستر صاف کرتی ہیں یہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

(۵) اس حدیث میں تَسْتَحِدُّ کا لفظ ہے: یعنی جس عورت کا شوہر غائب ہو اور اب وہ آنے والا ہو تو وہ اپنے زیر ناف بالوں کو استرے سے صاف کرلے۔ اس حدیث میں استرے کا ذکر ہے، تاہم اگر وہ کسی اور طریقہ سے مثلاً بال صفا صابن یا بال صفا پاؤڈر یا بال صفا کریم سے اپنے زیر ناف بالوں کو صاف کرے تو وہ بھی جائز ہے۔

(۶) اس حدیث میں الشعثۃ کا لفظ ہے: یعنی جس عورت کے بال بکھرے ہوئے ہوں تو وہ اپنے بالوں کو سنوار لے اور اپنے آپ کو اپنے شوہر کے ساتھ جماع کے لیے تیار کرلے، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہروں کے لیے بناؤ سنگھار کریں تا کہ شوہر ان کے ساتھ ہم بستری میں رغبت کریں اور ان کی پراگندگی اور بدبو کی وجہ سے ان سے کراہت اور نفرت نہ کریں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۹۔۲۴۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث تفصیل اور اختصار کے ساتھ کتاب البیوع، کتاب الاستقراض، کتاب الجہاد اور کتاب الشروط میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کے تمام ضروری مباحث کی شرح کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ القسطلانی الشافعی التوفی ۹۱۱ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۴)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی التوفی ۱۳۰۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الامام ابن العربی المالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کتنی حسین ہے اور عجمیوں کا طریقہ کتنا قبیح ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کنواری بیویوں کے ساتھ خوش طبعی اور دل لگی کی ترغیب دیتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں: تم کنواری لڑکیوں اور ان کے کھیل سے کہاں غافل رہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۸۰)

اور جاہل لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عورتوں سے دور رہیں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ لوگوں سے گوشہ نشینی اور رہبانیت کا زمانہ تھا۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۳ ص ۲۱)

اور علامہ مناوی شافعی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنواری لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا مستحب ہے اور مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا اور اس سے پُرلطف باتیں کرنا اور اس کے ساتھ ہنسنا حسن معاشرت ہے۔
(فیض القدیر ج ۴ ص ۵۸۴) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۰۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے بیوہ عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کنواری لڑکی سے نکاح کرنا آسانی سے میسر ہو تو یہ افضل ہے۔ (شرح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۴۲۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۸۰ـ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَارِبٌ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ تَزَوَّجْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا تَزَوَّجْتَ فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا فَقَالَ مَا لَكَ وَلِلْعَذَارَى وَلِعَابِهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ فَقَالَ عَمْرٌو

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محارب نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے نکاح کرلیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تم نے کس

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ۔

سے شادی کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے بیوہ عورت سے نکاح کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کنواری بیویوں اور ان کے ساتھ کھیل کود سے کیوں غافل رہے، محارب کہتے ہیں: میں نے اس حدیث کا عمرو بن دینار سے ذکر کیا تو عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ انہوں نے بیان کیا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۴۳، ۱۸۰۱، ۲۰۹۷، ۲۳۰۹، ۲۳۸۵، ۲۳۹۴، ۲۴۰۶، ۲۴۷۰، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۷۱۸، ۲۸۶۱، ۲۹۶۸، ۳۰۸۷، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۴۰۵۲، ۵۰۷۹، ۵۰۸۰، ۵۲۴۳، ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۲۱۶، صحیح ابن حبان: ۲۷۱۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۲)

مشہور شراح بخاری کا حدیث مذکور کی شرح نہ کرنا

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ، علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ ان سب نے اس حدیث کو چھوڑ دیا ہے اور اس کی شرح نہیں کی۔

بیوہ عورت کے مقابلہ میں کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کی فضیلت اور ترجیح

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں لعاب کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود اور یہاں اس سے مراد لعاب دہن ہے، اس میں بیوی کی زبان چوسنے اور اس کے ہونٹوں کو بوسا دینے کی طرف اشارہ ہے اور ایسا بوس و کنار کے وقت ہوتا ہے اور یہ بعید نہیں ہے جیسا کہ علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "تم کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کے منہ زیادہ میٹھے ہوتے ہیں اور ان کے رحم زیادہ فراخ ہوتے ہیں"۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۱، المعجم الکبیر: ۳۵۰، سنن بیہقی: ۱۳۲۵۱)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: "تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی"۔ یعنی کنواری لڑکی سے نکاح کرتے تو اس سے الفت تامہ حاصل ہوتی کیونکہ بیوہ عورت کا دل تو ہو سکتا ہے کہ اپنے گزشتہ خاوند کے ساتھ متعلق ہو تو اس کی محبت کامل نہیں ہوگی، اس کے برخلاف کنواری لڑکی کا دل فارغ ہوگا اور تمہیں اس کی کامل محبت حاصل ہوگی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۱۔ بَابُ تَزْوِيجِ الصِّغَارِ مِنَ الْكِبَارِ

کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے مرد سے نکاح

۵۰۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی

خَطَبَ عَائِشَةَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ إِنَّمَا أَنَا أَخُوكَ فَقَالَ أَنْتَ أَخِي فِي دِينِ اللهِ وَكِتَابِهِ وَهِيَ لِي حَلَالٌ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۸۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۶۱، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۱)

از یزید از عراک از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا تو حضرت ابوبکر نے کہا: میں تو صرف آپ کا بھائی ہوں، آپ نے فرمایا: تم میرے اللہ کے دین اور اس کی کتاب کے لحاظ سے بھائی ہو اور وہ میرے لیے حلال ہے۔

کم سن نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا باپ اور دادا کو اختیار اور نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ باپ دادا کے لیے اپنی کم سن بیٹیوں کا نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ بیٹیاں ابھی پالنے یا پنگھوڑے میں ہوں مگر ان کے شوہروں کے لیے ان سے اس وقت تک وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ جسمانی طور پر وطی کے قابل نہ ہو جائیں اور مردوں کا بوجھ اٹھا سکیں اور عورتوں کے احوال اس اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو ان کی عمر چھ سال تھی اور جب آپ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تو اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ اور امام بخاری نے اس باب کے بعد اس حدیث کا اس باب میں ذکر کیا ہے: "مرد کا اپنے چھوٹے بچوں کا نکاح کرنا"۔

جس حدیث میں کنواری لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کے نکاح کی ممانعت ہے وہ باپ اور دادا کے کیے ہوئے نکاح کے غیر پر محمول ہے

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بالغہ ہو کر نکاح کی اجازت نہ دے دے تو یہ ممانعت باپ، دادا کے کیے ہوئے نکاح کے غیر پر محمول ہے کیونکہ سنت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ باپ اپنی اتنی کم سن لڑکی کا نکاح کسی سے کر سکتا ہے جو ابھی اجازت دینے کے قابل نہ ہو۔

جب باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یتیمہ نابالغہ کا نکاح کسی سے کر دیا تو اس کے جواز میں فقہاء کا اختلاف

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب باپ کے علاوہ لڑکی کا کوئی اور سرپرست نابالغہ یتیمہ کا نکاح کسی سے کر دے آیا اس کا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، اللیث، الثوری، امام شافعی، ابن ماجشون، امام احمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ باپ کے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یتیمہ نابالغہ کا نکاح کسی سے کر دے اور اگر اس نے یہ نکاح کر دیا تو یہ نکاح باطل ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ نابالغہ کا نکاح اس کے سرپرست نہیں کر سکتے، جب کہ وہ شخص موجود ہو جس کے لیے وصیت کی گئی ہو، اور امام شافعی کے نزدیک جب باپ موجود نہ ہو تو دادا باپ کے قائم مقام ہے۔

جب باپ کے علاوہ کسی اور ولی نے نابالغہ کا نکاح کر دیا تو اس میں لڑکی کو خیار بلوغ ہوتا ہے، اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: جب باپ کے علاوہ کسی اور سرپرست نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی سے کر دیا ہو تو اس میں لڑکی کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو جانے کے بعد اس نکاح کو مسترد کر دے۔ یہ قول عطاء، حسن اور طاؤس سے منقول ہے اور یہی

امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے مگر انہوں نے دادا کو بھی باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے کیے ہوئے نکاح کو بھی لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد نکاح کے فسخ کرنے کا کوئی بھی اختیار نہیں ہوتا۔

اور امام ابو یوسف نے کہا ہے: لڑکی کو کسی بھی سرپرست کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں ہوتا، اور امام احمد نے کہا: میرے نزدیک ولی اور قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی لڑکی کا نکاح اس کی عمر کے نو سال پورے ہونے سے پہلے کر دے اور جب اس کی عمر نو سال ہو جائے تو جب وہ بالغ ہو جائے اور وہ اس نکاح پر راضی ہو تو اس کو خیار بلوغ نہیں ہوتا۔

اس پر دلیل کے خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جب لڑکی بالغ ہو چکی ہو

جو فقہاء ایسی لڑکی کے لیے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کے لیے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغہ سے مشورہ لینے کا حکم دیا اور مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جس کو سمجھ ہو اور نکاح کا شعور ہو اور اس کے لیے بالغ ہونے کے بعد نکاح کو برقرار رکھنے یا مسترد کرنے کا اختیار ہے۔

جو فقہاء کہتے ہیں کہ نابالغہ کے لیے خیار بلوغ ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نابالغہ سے اس کے متعلق مشورہ لیا جائے گا''۔

اور اس سے اس وقت مشورہ لینا درست ہے جب وہ بالغ ہو چکی ہو اور عقد نکاح اس کے مشورہ کے اوپر موقوف نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح میں خیار بلوغ کا دخل نہیں ہے۔

امام مالک کے نزدیک یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی کے جبراً کیے ہوئے نکاح کے شرعی حکم میں فرق

اور امام مالک نے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی میں فرق کیا ہے، پس وصی کو اجازت دی ہے کہ وہ یتیم لڑکے کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے کر دے کیونکہ یتیم لڑکا اس پر قادر ہے کہ ولی نے اس کا نکاح جو جبراً کیا ہے وہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو طلاق دے کر ختم کر دے اور یتیم لڑکی اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بالغ ہونے کے بعد عقد نکاح کو فسخ کرنے پر قادر نہیں ہے کیونکہ طلاق دینا عورتوں کے اختیار میں نہیں ہے، اس لحاظ سے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی میں فرق ہے، اور اس لیے کہ سنت یہ ہے کہ یتیم لڑکی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور اس سے مشورہ اس کے بالغ ہونے کے بعد ہی لیا جائے گا، یہ امام مالک کا قول ہے۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ منگیتر کے ولی کو اپنے نکاح کا پیغام دے جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ اس کے پیغام کو مسترد نہیں کرے گا جب کہ ان کے درمیان محبت کا تعلق مستحکم ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں تو صرف آپ کا بھائی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص دوستی کی وجہ سے بھائی ہو اس کی بیٹی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ وہ صرف اسلام اور ایمان کے رشتہ سے بھائی ہیں نسب اور ولادت کے رشتہ سے بھائی نہیں ہیں اور فرمایا: ان کی بیٹی اللہ تعالیٰ کی وحی کے سبب سے میرے لیے حلال ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کا کارندہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی بیوی چھیننا چاہتا تھا تو انہوں نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ یعنی ایمان کے رشتہ سے کیونکہ اس وقت روئے زمین پر حضرت ابراہیم اور حضرت

سارہ علیہا السلام کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۹۔۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی پوری عبارت من وعن نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۱۹۔۲۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث کے عنوان کی حدیث کے ساتھ مطابقت نہ ہونے کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ اس باب کا عنوان ہے کہ کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے لڑکے کے ساتھ نکاح کرنا۔ اور حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بہت مشہور تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت کم تھی۔

حافظ ابن حجر کی شرح پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: یہ جواب کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اس باب کا عنوان مطلقاً کم عمر لڑکی کا بڑی عمر والے سے نکاح کے بیان میں ہے نہ کہ خصوصیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے متعلق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۹)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا، دیکھیے:

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ میں تو صرف آپ کا بھائی ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چچا تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی بھتیجی تھیں اور عموماً بھتیجی کی عمر چچا سے کم ہوتی ہے اس لحاظ سے حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے لڑکے سے نکاح کر دینا چاہیے، لہٰذا حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہوگئی۔

امام بخاری پر اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور مرسل ہے متصل نہیں ہے اور ارسال صحت حدیث کے منافی ہے، پھر اس حدیث کا صحیح بخاری میں درج کرنا غلط ہے

اسماعیلی نے اس حدیث کی وجہ سے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں عروہ نے یہ بیان کیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا" اب اعتراض یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا یہ پیغام دیا تھا اس وقت عروہ تو موجود نہیں تھے تو لازماً انہوں نے یہ قصہ کسی اور سے سنا ہوگا اور اس راوی کا انہوں نے ذکر نہیں کیا، سو یہ حدیث مرسل ہے اور اگر اس مرسل کو صحیح بخاری میں درج کرنا صحیح ہے تو پھر امام بخاری کو چاہیے کہ وہ تمام احادیث مرسلہ کو اپنی صحیح میں درج کرتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ یہ حدیث صورتاً مرسل ہے لیکن عروہ نے اس حدیث کو اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہوگا اور اپنے نانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا ہوگا یا انہوں نے اس حدیث کو اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے سنا ہوگا اور علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ راوی کی اس سے ملاقات ثابت ہے جس نے اس راوی کو اس حدیث کی خبر دی ہے اور وہ راوی مدلس نہ ہو تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے اس سے سنا ہے جس

اس کو اس حدیث کی خبر دی ہے، لہٰذا یہ حدیث صورتاً مرسل ہے حقیقتاً مرسل نہیں ہے اور رہا یہ کہنا کہ پھر امام بخاری کو چاہیے کہ وہ تمام احادیث مرسلہ کو اپنی صحیح میں درج کریں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کسی حکم اصلی پر مشتمل نہیں ہے، لہٰذا اس میں اس طرح کا تساہل جائز ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاری تمام احادیث مرسلہ کو اپنی صحیح میں درج کرتے۔ ہاں! یہ حدیث جس طرح مذکور ہے اس کے اعتبار سے امام دار قطنی اور امام ابو نعیم اور امام حمیدی وغیرہم نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

اس تحقیق کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح کے مسائل مستنبطہ میں وہی مسائل لکھے ہیں جو علامہ ابن بطال مالکی کی شرح میں مذکور ہیں اور اس سے زائد کوئی بات نہیں لکھی، اور انہوں نے اپنی اس شرح میں اپنے استاذ علامہ ابن ملقن شافعی کی پیروی کی ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنی شرح میں اس حدیث کے مسائل میں ہو بہو وہی لکھا ہے جو علامہ ابن بطال مالکی نے اپنی شرح میں لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۰۔۲۴۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی ہونا تو مدینہ میں ظاہر ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام مکہ میں دیا تھا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب التلویح نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب کے اعتبار سے میرے بھائی ہو حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی اور محبت تو مدینہ میں حاصل ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام مکہ میں دیا تھا۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مکہ میں بھی حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی اور آپ کا قرب حاصل تھا اس لیے آپ کا انہیں دینی بھائی قرار دینا درست ہے۔ ہاں! اس کا زیادہ ظہور مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

اس اعتراض کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا بلکہ اس پیغام کے لیے حضرت خولہ کو بھیجا تھا

صاحب التلویح نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا کیونکہ امام ابن عاصم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خولہ بن حکیم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس نکاح کا پیغام دینے کے لیے بھیجا تو ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کس طرح مناسب ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی ہے۔ حضرت خولہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم دوبارہ ابوبکر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم میرے اسلام میں بھائی ہو اور تمہاری بیٹی کا میرے ساتھ شرعاً نکاح ہو سکتا ہے۔ جب حضرت خولہ نے حضرت ابوبکر کو یہ بات بتائی تو حضرت ابوبکر نے ان سے کہا: جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لاؤ، پس جب آپ آئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ہو سکتا ہے بعد میں جب حضرت ابوبکر آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا ہو۔

اس کے بعد علامہ عینی نے بھی اس حدیث کے مسائل فقہیہ میں علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت نقل کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیگر اہم شراح بخاری کی شروح

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اپنی شروح میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۵، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۲۰۷، عون الباری ج ۵ ص ۲۰۱)

شیخ العثیمین کی نکاح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمروں کو بیان کرنے میں غلطی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی جب عورت کم سن ہو اور مرد بڑی عمر کا ہو تو ان کے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو وہ کم سن تھیں اور آپ کی عمر زیادہ تھی۔ جب آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔ (میں کہتا ہوں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ عمر عقد نکاح کے تین سال بعد تھی، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شب زفاف کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا تھا اور عقد نکاح کے وقت آپ کی عمر پچاس (۵۰) سال تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال تھی، سو شیخ عثیمین کی مذکور الصدر عبارت غلط ہے۔ سعیدی غفرلہ)

غیر مسلم مستشرقین کے اس زعم کا رد کہ کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے مرد کے ساتھ نکاح کرنا ظلم ہے

بعض مستشرقین یہ کہتے ہیں: کہ کم عمر لڑکی کا نکاح بڑی عمر کے مرد کے ساتھ کر دینا ظلم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ یہ ظلم ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح نہ کرتے کیونکہ ایسے نکاح میں عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کم عمر لڑکی کا باپ مال کی لالچ میں اپنی بیٹی کا نکاح بڑی عمر کی لڑکے کے ساتھ کر دیتا ہے اور یہ نکاح حرام ہوتا ہے تو کیا العیاذ باللہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مال کے لالچ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا تھا۔

اس پر دلائل کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کسی اور سے کر دے

اور اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ جب باپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیٹی کی کسی معمولی چیز کو بھی اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو اس کو یہ کیسے اختیار ہوگا کہ وہ خود اپنی بیٹی کو اس کی اپنی اجازت کے بغیر فروخت کر دے کیونکہ نکاح کے وقت عورت قیدی کی مثل ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امان اور ضمانت سے حاصل کیا ہے اور تم نے ان کی فروج کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ان کو نہ آنے دیں کو تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جو زیادہ ظاہر نہ ہو اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم دستور کے مطابق ان کو کھانا اور کپڑا دو''۔
(صحیح مسلم: ۱۲۱۸، سنن ابو داؤد: ۱۹۰۵، ۱۹۰۹، سنن ترمذی: ۸۶۳، سنن نسائی: ۲۷۰۸، ۲۷۳۶، ۲۷۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۴، مسند احمد: ۱۴۴۴۷)

لہٰذا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح ایسے مرد سے کر دے جس کو اس کی بیٹی ناپسند کرتی ہو۔

باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو غیر کفوء میں نکاح کرنے سے منع کرے

ہاں! اگر بالفرض بیٹی کسی ایسے مرد کے ساتھ نکاح کو پسند کرے جو اس کے باپ کا دین میں کفوء نہ ہو یا خلق میں اس کا کفوء نہ ہو تو ایسی صورت میں باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ بیٹی کو ایسے مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے مصلحت کی وجہ سے منع کرے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی شخص کا کم عقل بیٹا اپنے مال میں تصرف کر کے اس مال کو فاسد کرے تو باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے مال میں تصرف کرنے پر پابندی لگائے۔ اسی طرح جب کسی شخص کی بیٹی غیر کفوء میں نکاح کرنا چاہتی ہو تو باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو غیر کفوء میں نکاح کرنے سے منع کرے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۳۲-۲۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

نکاح غیر کفوء میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ: اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ کفوء اصل میں دین اور اسلام میں مساوات ہے، اگر خاندان اور مال و دولت اور صنعت و حرفت میں مساوات نہ ہو تب بھی اسلام میں یہ نکاح جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عورت کا نکاح فصد کاٹنے والے غلام سے کر دیا۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۶، مراسیل ابی داؤد ص ۱۲، تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۳۴۱، یونان، روح المعانی ج ۲۶ ص ۶۳، بیروت)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۳۷-۱۳۶، روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۳، بیروت تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۸۰، دار الفکر، بیروت)

نیز امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب تمہارے پاس ایسے شخص کے نکاح کا پیغام آئے جس کی دینداری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے نکاح کر دو خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں بہت زیادہ فتنہ اور فساد پھیلے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۵۳، بیروت، جامع ترمذی ص ۱۷۵، کراچی، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۵، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۱، کراچی، کنز العمال ج ۱۶ ص ۳۱۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس قرشیہ کا نکاح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کر دیا جو غلام کے بیٹے تھے، پھر اس نکاح کی خیر کی وجہ سے عرب کی عورتیں حضرت فاطمہ بنت قیس قرشیہ پر رشک کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۴، کراچی، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱، لاہور، سنن نسائی ج ۲ ص ۵۸، کراچی، سنن ترمذی ص ۱۸۳-۱۸۲، کراچی، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴، کراچی، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۳۶، ملتان)

ہم نے جن احادیث سے غیر کفوء میں نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے یہ سب مستند احادیث ہیں۔ مزید تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۹۱-۹۶۴ اور شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۴۰۵-۱۰۲۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۲- بَابٌ: إِلَى مَنْ يَنْكِحُ وَأَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ وَمَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَخَيَّرَ لِنُطَفِهِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ

کس قسم کی عورت سے نکاح کیا جائے اور کون سی عورت سے نکاح کرنا سب سے افضل ہے اور اپنی نسل چلانے کے لیے اچھی عورت کو منتخب کرنا مستحب ہے مگر یہ واجب نہیں ہے

مذکور الصدر تین عنوانوں کا ثبوت اور ان کی توجیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ عنوان تین احکام پر مشتمل ہیں: پہلا اور دوسرا عنوان اس حدیث سے واضح ہے جو نکاح کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ قریش کی عورتوں سے نکاح کرے کیونکہ قریش کی عورتیں سب عورتوں سے بہتر ہیں۔ رہا تیسرا عنوان تو وہ اس حدیث سے بہ طور التزام ثابت ہے کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ قریش کی عورتیں سب سے بہتر ہیں تو ان عورتوں کو ہی اپنی نسل کے فروغ کے لیے عقد میں لانا چاہیے، اور اس تیسرے عنوان کا ثبوت اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہے جس کو امام ابونعیم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''اپنے نطفوں کے لیے (عمدہ عورتوں کو) اختیار کرو اور کفوء میں نکاح کرو''۔

اس حدیث کی سند میں مقال ہے، اور اس حدیث کی دو سندیں ہیں جن میں سے ایک سند دوسری سند سے قوی ہو جاتی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سواری کریں ان میں قریش کی عورتیں سب سے زیادہ نکاح کی صلاحیت رکھتی ہیں جو اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں زیادہ شفیق ہوتی ہیں اور جو اپنے شوہر کے مال کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۴۳۴، ۵۰۸۲، ۵۳۶۵، صحیح مسلم: ۲۵۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۳۴، مسند ابو یعلیٰ: ۶۶۷۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۵، مسند احمد: ۷۶۹۵)

دین دار اور معزز گھرانوں کی خواتین سے نکاح کی ترغیب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: صرف عرب کی عورتیں اور عرب کی عورتوں میں سے قریش کی عورتیں اونٹوں پر سواری کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اپنی اولاد پر شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہروں کے اموال کی حفاظت کرتی ہیں کیونکہ ان کے نفوس بہت کریم ہوتے ہیں اور یہ اپنے شوہروں کی وفادار ہوتی ہیں اور ان سے خیانت نہیں کرتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد اپنی قوم کے عورتوں کے فضائل بیان کر سکتا ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دین دار اور معزز گھرانوں کی عورتوں سے نکاح کیا جائے کیونکہ اس اقدام سے انسان گناہوں سے مجتنب رہتا ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم نکاح کے لیے دین دار عورت کو اختیار کرو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۰۔۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اونٹ پر سواری کرنے کی فضیلت

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مذکور الصدر حدیث کی روایت کرنے کے بعد کہا: حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۲۷)
یعنی حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام چونکہ عرب کی رہنے والی نہیں تھیں اس لیے وہ کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عرب کی خواتین کے علاوہ دیگر ملکوں کی خواتین میں بھی خیر ہوتی ہے مگر عرب کی خواتین میں زیادہ خیر ہوتی ہے۔
اور معمر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام دیا تو انہوں نے عذر پیش کیا: یارسول اللہ! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میرے بال بچے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہوں۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۲۵۲۷، الرقم المسلسل: ۶۳۵۴)
اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ چھوٹے بچوں پر شفیق ہوتی ہیں۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حدیث میں اَحناہ کا لفظ ہے اور یہ الحنان سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: رحمت اور اسی سے حنین الجذع ماخوذ ہے یعنی کھجور کا وہ ستون جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے، پس جب آپ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے لگے تو وہ ستون آپ کے فراق میں زور زور سے رونے لگا۔
(صحیح البخاری: ۳۵۸۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۵۴۸۔ ۵۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اپنے نطفوں کے لیے بہترین عورتوں کا انتخاب

نیز علامہ ابن ملقن حدیث صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی ہے کہ نیک اور دین دار عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے اور اونٹوں پر سوار ہونے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دین دار عورت سے نکاح کرو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۹۰، صحیح مسلم ۱۴۶۶)
اس حدیث میں مذکور ہے کہ اپنے نطفوں کے لیے بہترین عورتوں کو منتخب کرنا مستحب ہے، اور امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے نطفوں کے لیے تم بہترین عورتوں کو منتخب کرو اور تم کفوء میں نکاح کرو"۔
(سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۸، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

احناہ کا معنی اور احناھن نہ کہنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۳۴۳۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے: احناہ یعنی قریش کی عورتیں چھوٹے بچوں پر زیادہ شفیق ہوتی ہیں۔ الحانیہ اس عورت کو کہتے ہیں جو بچوں کے باپ کے مرنے کے بعد بچوں کی پرورش کرتی ہے اور جو عورت بچوں کے باپ کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہ کرے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اگر وہ عورت بعد میں دوسری شادی کرلے تو وہ الحانیہ نہیں ہے، اور حنین الجذع بھی اسی سے ماخوذ ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ احناہن ہوتا لیکن عربوں کی زبان پر احناہ جاری ہے۔

حضرت مریم بنت عمران قریش کی عورتوں کی افضلیت میں داخل نہیں ہیں کیونکہ وہ کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں"۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت مریم اس افضلیت میں داخل نہیں ہیں اور اس افضلیت میں حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن داخل ہیں کیونکہ وہ تمام عورتوں سے افضل ہیں، البتہ جن علماء نے کہا ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں تو اگر ان کا نبیہ ہونا ثابت ہو تو شرعاً اس تفضیل سے خارج ہیں کیونکہ نبوت کے درجہ کے بعد اور کوئی درجہ نہیں ہے، اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر حضرت مریم اس افضلیت میں داخل نہیں ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت مریم اس عموم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ فضیلت ان عورتوں کے لیے ہے جو اونٹوں پر سواری کرتی ہوں اور حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

بعض علماء کے نزدیک حضرت مریم نبیہ ہیں اور جمہور کا قول اس کے خلاف ہے

حضرت مریم کے نبیہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۴۲)

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی O

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت مریم کا سورۂ مریم میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے جس طرح نبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور حضرت مریم کا جو لقب صدیقہ ہے وہ ان کے نبیہ ہونے سے مانع نہیں ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا لقب بھی صدیق ہے اور وہ نبی ہیں۔

امام اشعری سے منقول ہے کہ خواتین میں نبیات بھی ہیں اور ابن حزم نے وثوق کے ساتھ چھ خواتین کو نبیہ کہا ہے: (۱) حضرت حواء (۲) حضرت سارۃ (۳) حضرت ہاجر (۴) حضرت ام موسیٰ (۵) حضرت آسیہ (۶) حضرت مریم۔

اور علامہ قرطبی نے حضرت سارہ اور حضرت ہاجر کا ذکر نہیں کیا اور اس کو علامہ السہیلی نے "الروض الانف" میں اکثر فقہاء سے نقل کیا ہے، اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت مریم نبیہ ہیں اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جمہور اس کے مخالف ہیں، اور علامہ نووی نے "الاذکار" میں امام الحرمین سے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت مریم نبیہ نہیں ہیں، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ نہ عورتوں میں کوئی نبیہ تھی اور نہ جنات میں کوئی نبی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بقیہ مباحث کی شرح ہم کتاب النکاح میں کریں گے۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۶۰۸۔ ۶۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت مریم بنت عمران خواہ نبیہ ہوں یا نہ ہوں وہ قریش کی تمام عورتوں سے افضل ہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

احادیث الانبیاء کے آخر میں یہ حدیث (صحیح البخاری: ۳۴۳۴) گزری ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں اور ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت مریم قریش کی عورتوں کی اس افضلیت میں داخل نہیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت مریم کی فضیلت ہے اور وہ قریش کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ خواہ وہ نبیہ ہوں یا نہ ہوں اور "کتاب المناقب" میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ "تمام عورتوں میں سے سب سے افضل حضرت مریم ہیں اور تمام عورتوں میں سب

سے افضل حضرت خدیجہ ہیں''۔اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانہ میں تمام عورتوں سے افضل ہیں۔
اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس حدیث میں قریشی عورتوں کے ساتھ نکاح کی ترغیب ہے اور اس حدیث میں اس سے تعرض نہیں ہے کہ حضرت مریم مطلقاً افضل ہیں یا اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل ہیں۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس سوال کا جواب کہ قریش کی عورتیں سب سے بہترین عورتیں کیسے ہو سکتی ہیں جب کہ وہ حضرت مریم سے افضل نہیں ہیں

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اگر تم یہ سوال کرو کہ قریش کی عورتیں حضرت مریم ام عیسیٰ علیہ السلام سے کیسے افضل ہوں گی خصوصاً جب کہ ان کے متعلق نبیہ ہونے کا بھی بعض علماء کا قول ہے۔ بعض شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ سب سے بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ جواب نفع بخش نہیں ہے اور ممکن ہے اس سوال کا یہ جواب دیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً قریش کی عورتوں کو افضل نہیں فرمایا بلکہ قریش کی نیک عورتوں کے متعلق فرمایا ہے اور حضرت مریم علیہا السلام قریش میں سے نہیں تھیں اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قریش کی عورتیں بہترین عورتوں میں سے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہی بہترین عورتیں ہیں، یعنی ان کے علاوہ بھی بہترین عورتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی طرف سے علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
علامہ بدر الدین عینی نے یہ جواب بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح سے اخذ کیا کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اس حدیث کو قرشیات کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب میں وارد کیا ہے اور اس حدیث میں حضرت مریم اور دیگر ان عورتوں کے ساتھ تعرض نہیں کیا گیا جو اپنے اپنے زمانہ میں گزر چکی ہیں۔
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

حدیث مذکور کے مسائل

علامہ محمد التفصیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ مناوی شافعی نے کہا ہے کہ اخلاق کی عمدگی میں نسب کی تاثیر ہوتی ہے اور قریش کے نسب میں فضیلت ہے اور اولاد پر شفقت اور مہربانی مطلوب اور مرغوب ہے اور اس حدیث میں معزز عورتوں سے نکاح کی ترغیب ہے خصوصاً قرشیات سے۔
(فیض القدیر ج ۳ ص ۶۵۶) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۱۷۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

اوصاف محمودہ کی ترغیب

شیخ عبد اللہ بن باز الحنبلی المتوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں قریش کی نیک عورتوں سے نکاح کی ترغیب ہے اور اس میں قریش کی اکثر نیک عورتوں کی عظیم فضیلت ہے اور

اس حدیث میں اوصاف حمیدہ کی ترغیب ہے۔

تابعین تبع تابعین سے افضل ہوتے ہیں لیکن یہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض تبع تابعین، تابعین سے افضل ہیں

شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قریش کی عورتوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح فرمائی ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قریش کی عورتوں کی جنس دوسری عورتوں کی جنس سے افضل ہے لیکن اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ قریش کی ہر عورت دوسری عورت سے افضل ہے تا کہ ہم فضیلت کے باب میں فرق کو پہچانیں۔ ایک جنس دوسری جنس سے افضل ہوتی ہے اور ایک فرد دوسرے فرد سے افضل ہوتا ہے، مثلاً ہم کہتے ہیں: تابعین تبع تابعین سے افضل ہوتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تابعین کا ہر فرد تبع تابعین سے افضل ہو، کیونکہ بعض تبع تابعین، تابعین سے افضل ہیں (جیسے یزید تابعی ہے اور مکی بن ابراہیم اور امام احمد بن حنبل اور امام مالک بن انس تبع تابعین ہیں اور وہ یزید سے افضل ہیں، اسی طرح حجاج بن یوسف بھی تابعی ہے اور یہ حضرات تبع تابعی ہیں اور یہ حضرات حجاج بن یوسف سے افضل ہیں، اسی طرح میں کہتا ہوں کہ: مرد کی جنس عورت کی جنس سے افضل ہے لیکن مرد کا ہر فرد ہر عورت سے افضل نہیں ہے کیونکہ کتنا ہی پاک باز اور عابد و زاہد مرد ہو اور کامل متقی ہو اور اعلیٰ نسب کا ہو لیکن وہ حضرت مریم بنت عمران، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن سے افضل نہیں ہو سکتا۔ سعیدی غفرلہ) (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: اتِّخَاذِ السَّرَارِيِّ وَمَنْ أَعْتَقَ جَارِيَتَهُ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا

باندیوں کو رکھنا اور جس شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا

السراری کا معنی اور باندیوں کو رکھنے کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں السراری کا لفظ ہے، یہ سُرِیَّۃ کی جمع ہے اور کبھی اس لفظ کو سرِیَّۃ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ تَسَرِّی سے ماخوذ ہے اور اس کی اصل السِّر ہے اور یہ جمع کے اسماء میں سے ہے۔ اس کو اِسْتِسْرَاد بھی کہا جاتا ہے۔ باندیوں پر سراری کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا ہے کیونکہ باندی کے ساتھ جو معاملات ہوتے ہیں ان کو بیوی سے مخفی رکھا جاتا ہے، اس عنوان میں اتِّخَاذُ السَّرَارِي کہا ہے یعنی باندیوں کو رکھنا۔ اس کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم باندیوں کو لازماً رکھو کیونکہ ان کے رحم برکت والے ہوتے ہیں''۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اور امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم امہات الاولاد سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہارے سبب سے قیامت کے دن فخر کروں گا''۔ اس حدیث کی سند پہلی حدیث کی سند سے زیادہ عمدہ ہے لیکن اس میں باندیوں کے رکھنے کی تصریح نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۸۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں صالح بن صالح الہمدانی نے حدیث بیان کی

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ عِنْدَهُ وَلِيدَةٌ فَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا وَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِي فَلَهُ أَجْرَانِ وَأَيُّمَا مَمْلُوكٍ أَدَّى حَقَّ مَوَالِيهِ وَحَقَّ رَبِّهِ فَلَهُ أَجْرَانِ قَالَ الشَّعْبِيُّ خُذْهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَعْتَقَهَا ثُمَّ أَصْدَقَهَا۔

انہوں نے کہا: ہمیں شعبی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو بردہ نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو، پس اس نے اس کو اچھے طریقہ سے تعلیم دی اور اس کو اچھے طریقہ سے ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اہل کتاب میں سے جو مرد اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس غلام نے اپنے مالک کا حق ادا کیا اور اپنے رب کا حق ادا کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔ شعبی نے کہا: اس حدیث کو بغیر کسی عوض کے لو اور پہلے اس سے کم مقدار کے متن کی حدیث کے حصول کے لیے آدمی مدینہ تک کا سفر کرتا تھا، اور ابو بکر نے کہا از ابی حصین از ابی بردہ از والد خود از نبی ﷺ: ''اس نے اس کو آزاد کیا، پھر اس کا مہر دیا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۹۷، ۲۵۴۴، ۲۵۴۸، ۲۵۵۱، ۳۰۱۱، ۳۴۴۶، ۵۰۸۳، صحیح مسلم: ۱۵۴، سنن ابو داؤد: ۲۰۵۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۶، سنن نسائی: ۳۳۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۵، مسند احمد: ۱۹۵۳۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۱۱۲، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۳، مشکل الآثار: ۱۹۶۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۸، شعب الایمان: ۸۶۰۸، مسند الحمیدی: ۷۶۸، سنن سعیدی بن منصور: ۹۱۳، سنن دارمی: ۲۲۴۴، الادب المفرد: ۲۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۵۰۲، صحیح ابن حبان: ۲۲۷، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۳۱، شرح السنہ: ۲۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۸۹، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۸، مسند ابویعلیٰ: ۷۳۰۸، کتاب الآداب للبیہقی: ۷۱)

باندیوں کو رکھنے کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باندیوں کو رکھنا مباح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ (المومنون: ۷۔۸)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے، سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ○ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا، سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کے ساتھ مباشرت کو اسی طرح حلال کیا ہے جس طرح بیویوں کے ساتھ مباشرت کو حلال کیا ہے اور نبی ﷺ نے باندیوں کو آزاد کرنے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے: ایسے شخص کو دگنا اجر ملے گا، اور امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۰۸۴ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ ایک

کافر نے حضرت سارہ کو ایک باندی (حضرت ہاجر علیہا السلام) ہبہ کردی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو قبول کرلیا۔

کسی باندی کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دینا آیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی یا امت کے لیے بھی ایسا کرنا جائز ہے، اس مسئلہ کے متعلق فقہاء مذاہب کی آراء

فقہاء اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ کسی شخص نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرلیا تو اس کے متعلق بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا تو یہ جائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا اور سعید بن المسیب، طاؤس، ابراہیم النخعی، الحسن البصری، الثوری، اور امام ابو یوسف، امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو آپ نے اس طرح کیا یعنی انہیں آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ کے لیے تو یہ بھی جائز ہے کہ آپ کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح کرلیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین میں سے کسی کو اس کی اجازت نہیں دی۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام زفر، امام محمد اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

جن فقہاء نے کہا ہے کہ مومنین کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ باندی کو آزاد کر کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیں وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا تھا۔ آپ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کرلیا اور ان کو جو آزاد کیا تھا اس کو ان کا مہر قرار دیا۔ اس حدیث کی حماد بن زید نے از ایوب از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو جو آزاد کیا تھا تو ہم نے غور کیا کہ اس کا معاملہ کس طرح تھا، پس امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنو المصطلق کا مال غنیمت حاصل کیا تو حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، پس انہوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ قرار دیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدل کتابت میں استعانت کے لیے آئیں تو آپ نے ان سے فرمایا: ''کیا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں میں تمہاری طرف سے تمہارا بدل کتابت ادا کردیتا ہوں اور تم سے نکاح کردیتا ہوں؟'' انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے ان سے نکاح کرلیا۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا تھا کہ آپ نے حضرت جویریہ کا مہر ان کے آزاد کرنے کو قرار دیا تھا تو وہ درحقیقت بدل کتابت تھا اور یہی ان کا مہر ہو گیا تھا، پس جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا ہے تو یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ حکم آپ کی امت کے لیے نہیں ہے۔

آیا نکاح کے انعقاد کے لیے دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا صرف نکاح کا اعلان ہی انعقاد نکاح کے جواز کے لیے کافی ہے، اس مسئلہ میں فقہاء اسلام اور فقہاء مذاہب کی آراء

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ جب وہ اپنی باندی کو آزاد کرے تو وہ اس سے خود نکاح کر لے اور اس کے جواز کے لیے سلطان یا ولی کا نکاح کرنا ضروری نہیں ہے اور عنقریب اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ''باب الولی'' میں ذکر کیا جائے گا۔

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا جو خود سے نکاح کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کا منعقد ہونا جائز ہے جب اس کا اعلان ہو جائے، اور یہ الزہری، اہل المدینہ، امام مالک اور عبداللہ بن الحسن اور ابو الشور کا مذہب ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نکاح کیا اور ان کے نکاح میں دو گواہ حاضر نہیں تھے، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا نکاح کیا اور اس وقت ان کے ساتھ لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا، پھر بعد میں انہوں نے نکاح کا اعلان کیا اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ دو عادل (نیک مسلمان) گواہوں کے سوا نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، النخعی، سعید بن المسیب اور الحسن البصری کا ہے، اور الثوری، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے اور یہ جائز ہے کہ خواہ ان دو گواہوں کو حد قذف لگی ہو، یا دونوں فاسق ہوں یا دونوں نابینا ہوں اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فاسق کی شہادت مردود ہے۔

اور یزید بن ہارون، اصحاب رائے (فقہاء احناف) پر عتاب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو خرید و فروخت کے وقت گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، پس فرمایا:

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔ (البقرۃ: ۲۸۲) اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا حکم دیا اور اس میں گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا تو اصحاب الرائے کا یہ زعم ہے کہ خرید و فروخت جس میں اللہ تعالیٰ نے گواہ بنانے کا حکم دیا ہے وہ بغیر گواہ بنانے کے جائز ہے اور نکاح جس میں اللہ تعالیٰ نے گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا اور وہ نکاح بغیر گواہوں کے جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح کا منعقد کرنا جائز ہے اور جس حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا ہے۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کے اصحاب کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ ہیں یا آپ کی باندی ہیں اور ان کو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ آپ کی زوجہ ہیں جب آپ نے نکاح کے بعد ان کو حجاب میں رکھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت صفیہ سے نکاح کے وقت کسی کو گواہ نہیں بنایا تھا اور ان کے ساتھ نکاح کے اعلان کو کافی قرار دیا تھا اور اگر اس نکاح پر کوئی گواہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نکاح مخفی نہ ہوتا اور ان کو یہ اشتباہ نہ ہوتا کہ آیا حضرت صفیہ آپ کی زوجہ ہیں یا آپ کی باندی ہیں حتیٰ کہ ان کو حجاب میں رکھنے سے انہیں معلوم ہوا کہ وہ آپ کی زوجہ ہیں۔

اور صحیح البخاری کی ''کتاب المغازی'' میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے پیچھے ایک پردہ لٹکا دیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۳۔۱۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس حدیث کے راوی ابو بردہ کا تذکرہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ابو بردہ کے والد سے مروی ہے اور ابو بردہ کا نام عامر بن ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری ہے جو کوفہ کے قاضی تھے اور ایک سو چار یا ایک سو تین (۱۰۳۔۱۰۵ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری بیالیس، تینتالیس یا چوالیس ہجری (۴۲۔۴۳۔۴۴ھ) میں فوت ہوئے تھے۔

جس نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا، اس کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے جس نے اس کو آزاد کیا، پھر اس کا مہر ادا کیا۔ (صحیح البخاری: ۲۵۴۴)

اور اسماعیلی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ اس نے باندی کو آزاد کیا، پھر اس سے مہر جدید کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔

شیخ ابن حزم متوفی ۴۵٦ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی روایت میں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ابوبکر سے متفرد ہے (یہ اس کا نام اور کنیت ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام شعبہ ہے اور یہ ایک سو بیس (۱۲۰) ہجری میں فوت ہو گئے تھے)۔ ابن حزم نے کہا کہ یحییٰ بہت ضعیف راوی ہے اور جو ثقہ راویوں سے حدیث مشہور ہے اس میں مہر جدید کے الفاظ نہیں ہیں۔ (المحلی ابن حزم ج ۹ ص ۵۰۵۔۵۰۴)

اس حدیث میں امام شافعی اور امام مالک کی یہ دلیل ہے کہ مالک کا اپنی باندی کو آزاد کر دینا اس کا مہر نہیں ہوتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کرنے کو جو ان کا مہر قرار دیا تھا یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ (مختصر المزنی ج ۳ ص ۲٦۲)

میں کہتا ہوں کہ: یہ صرف امام مالک اور امام شافعی کا مذہب نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام زفر کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۴۲) لیکن علامہ ابن ملقن نے تعصب کی بنا پر امام ابوحنیفہ کا اس مسئلہ میں نام ذکر نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں کہ: حضرت صفیہ کی حدیث کے ظاہر سے امام احمد بن حنبل اور اسحاق نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جب مالک اپنی باندی کو آزاد کر دے تو وہ آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے سکتا ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۴۵۳)

اہل کتاب میں سے جو اسلام لے آئے اس کو دو اجر ملنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اہل کتاب میں سے جو مرد اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لیے دو اجر ہیں۔

علامہ داؤدی المتوفی ۴۰۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث میں جو فرمایا ہے: وہ اہل کتاب سے ہو یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہو، جب کہ یہود اور نصاریٰ میں سے جو کافر ہیں وہ اس حدیث کے مصداق نہیں ہیں کیونکہ کفر پر خیر کی جزاء نہیں دی جاتی اور ان کا استدلال ان آیتوں سے ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ (القصص: ۵۲ تا ۵۴)

ایمان رکھتے ہیں O اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت شعار ہو چکے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

جن لوگوں کو ان کے نیک عمل پر دو اجر دیے جائیں گے ان کے متعلق دیگر روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو دگنا اجر دیا جائے گا ان کی امام بخاری نے تین قسمیں لکھی ہیں: (۱) اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے والا (۲) اہل کتاب میں سے ایمان لانے والا، ان کے متعلق بحث ''کتاب العلم'' میں گزر چکی ہے (۳) وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی حق ادا کرے۔ اس پر بحث ''کتاب العتق'' میں گزر چکی ہے۔

(۱) امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار لوگوں کو دگنا اجر دیا جائے گا، ان میں سے تین تو وہی ہیں جن کا صحیح البخاری: ۵۰۸۳، میں ذکر ہے اور چوتھے کے متعلق یہ اضافہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں جن کو دگنا اجر دیا جائے گا۔

(۲) کتاب التفسیر کے باب: ''جو قرآن مجید پڑھنے کا ماہر ہو'' میں یہ حدیث گزر چکی ہے: ''جو قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اس پر تلاوت دشوار ہو اس کو دگنا اجر دیا جائے گا''۔

(۳) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''جو عورت اپنے قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرے اس کو دگنا اجر دیا جائے گا، ایک اجر صدقہ کا ہوگا اور دوسرا اجر صلہ رحم کا ہوگا'' یہ حدیث ''کتاب الزکاۃ'' میں گزر چکی ہے۔

(۴) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جو حاکم صحیح فیصلہ کرے اس کو دو اجر ملتے ہیں''۔ یہ حدیث عنقریب ''کتاب الاحکام'' میں آئے گی۔

(۵) حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جس نے اسلام میں کوئی نیا اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس پر عمل کرنے کا اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو ملے گا''۔ الحدیث

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جس نے ہدایت کی دعوت دی'' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''جس نے نیکی کی دعوت دی'' اور ان تینوں حدیثوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی ان کو دو اجر ملیں گے، اور ان تینوں حدیثوں کی امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے۔

(۷) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس شخص نے تیمم کیا، پھر اسے پانی مل گیا، پھر اس نے نماز دہرائی تو اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا''۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے، اور اگر زیادہ تتبع کیا

جائے تو اس قسم کی اس سے زیادہ احادیث مل جائیں گی اور ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث صحیح البخاری: ۵۰۸۳، میں دگنا اجر دیئے جانے کے متعلق جن تین لوگوں کا ذکر ہے اس سے مفہوم مخالف مراد نہیں ہے بلکہ اور بھی کئی لوگوں کو ان کے عمل پر دو اجر دیئے جائیں گے۔

بعض جن لوگوں کو یہ احادیث معلوم نہیں ہوئیں انہوں نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کا یہ عمل مکروہ ہے اور عطاء اور حسن بصری کہا کرتے تھے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس کو دو اجر ملیں گے۔

اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کے لیے مہر جدید ضروری ہے اور اس باندی کو آزاد کرنا اس کے مہر کے لیے کافی نہیں ہے، اور اس مسئلہ میں شیخ ابن حزم ظاہری کا رد

اس روایت میں ابو بردہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مرد کے پاس کوئی باندی ہو، پس اس نے اس کو اچھی تعلیم دی اور اس کو اچھا ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔

امام بخاری نے اس حدیث سے اس دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''وہ مہر جدید کے ساتھ اس سے نکاح کرے اس کو آزاد کرنے کے سوا''۔ نہ اس طریقہ سے جیسا کہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ اس کا ذکر اس کے بعد والے باب میں آئے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے گا اس کو مہر دینا ہوگا کیونکہ صحیح البخاری: ۵۰۸۳، میں یہ تصریح نہیں ہے بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس باندی کو آزاد کرنا ہی اس کا مہر ہوگا، اور ہم نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تائید میں درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) امام ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں ابوبکر بن عیاش سے یہ حدیث روایت کی ہے: ہمیں ابوبکر الخیاط (درزی) نے حدیث بیان کی: ''جب کوئی مرد اپنی باندی کو آزاد کر دے، پھر اس کو مہر جدید دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔ اور ابوبکر جو اس حدیث کے راوی ہیں کسی وقت میں درزی کا کام کرتے تھے اور وہ حدیث کے مشہور حفاظ میں سے ایک ہیں اور مشہور قراء میں سے ایک ہیں۔ امام عاصم ان سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری نے بھی ان کی حدیث موصول سے استدلال کیا ہے اور الحسن بن سفیان اور ابوبکر البزار نے بھی اپنی اپنی مسندوں میں ان سے حدیث روایت کی ہے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوبکر بن عیاش کی یہ توثیق اور تعدیل اس لیے کی ہے کہ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے ابوبکر بن عیاش کی اس روایت کو یحییٰ کے تفرد کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے اور یحییٰ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (المحلیٰ ابن حزم ج ۹ ص ۵۰۵۔ ۵۰۴) سعیدی غفرلہ)

(۲) اسماعیلی نے حسن بصری سے یہ روایت کی ہے کہ ''کسی شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا، پھر مہر جدید کے ساتھ اس سے نکاح کر لیا''۔ الحدیث۔ اسی طرح اس حدیث کی یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی نے اپنی مسند میں ابوبکر سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے اور چونکہ ابن حزم ظاہری کو صرف الحمانی کی روایت کا علم تھا اس وجہ سے اس نے مہر جدید کے اضافہ کو ضعیف قرار دیا، اور اس کا ان کو ضعیف قرار دینا درست نہیں ہے۔

امام ابونعیم نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر، ابوحصین سے روایت کرنے میں متفرد ہیں اور اسماعیلی نے ذکر کیا ہے:

اس حدیث میں ابوبکر بن عیاش کی روایت میں اضطراب ہے اور یہ اضطراب متن میں ہے سند میں نہیں ہے اور انہوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ باندی کو آزاد کرنا ہی اس کا مہر نہیں ہوتا اور اس حدیث کی اس پر کوئی دلالت نہیں ہے اور یہ دو اجر ملنے کی شرط ہے اور اس نکاح کے جواز کی شرط نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۲۔۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ صحیح بخاری ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر یہ ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ باندیوں کو رکھنا جائز ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر باقی رہا اس کو دو اجر ملیں گے۔ رہے یہود اور اکثر نصاریٰ تو وہ اس طرح نہیں ہیں اور کفر پر خیر کا اجر نہیں دیا جاتا اور مصابیح میں کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد یہودیت پر باقی رہے ان پر یہ بات صادق نہیں آئے گی کہ وہ اپنے نبی پر ایمان لائے۔ انہوں نے کہا کہ پس یہ دونوں جماعتیں اس حدیث کی بشارت سے خارج ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنی باندی کو اچھی تعلیم دی اور اچھا ادب سکھایا"۔ الحدیث

اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے ماتحت لوگوں کو کتنی تعلیم دی اور کتنا ادب سکھایا اور بہت لوگوں کو علم ہوتا ہے لیکن وہ علم کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے اور ادب نہیں کرتے اور بہت لوگ ادب کرتے ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہوتا اور انسان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب اس کو علم بھی حاصل ہو اور وہ باادب بھی ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۸۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ح حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ بَيْنَمَا إِبْرَاهِيمُ مَرَّ بِجَبَّارٍ وَمَعَهُ سَارَةُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَأَعْطَاهَا هَاجَرَ قَالَتْ كَفَّ اللَّهُ يَدَ الْكَافِرِ وَأَخْدَمَنِي آجَرَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَتِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن تلید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے جریر بن حازم نے خبر دی از ایوب از محمد از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ح) اور ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از حماد بن زید از ایوب از محمد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گزرے اور ان کے ساتھ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں، پھر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری حدیث ذکر کی، پس اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت ہاجر علیہا السلام ہبہ کر دی۔ حضرت سارہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کافر کے ہاتھ کو روک دیا اور میری خدمت کے لیے آجر دے دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تمہاری ماں ہیں اے آسمان کے پانی کے بیٹو!۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۱۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۲۱۷، ۲۶۳۵، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۶۹۵۰، صحیح مسلم: ۲۳۷۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۳، مسند احمد: ۹۲۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۱۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۲۱۲، مسند ابو یعلیٰ: ۶۰۳۹، صحیح ابن حبان: ۵۸۳۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۶، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۲۲)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ حافظ ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ صحیح البخاری: ۲۲۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں غُطَّ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: اس کا گلا گھٹ گیا اور اس کا پیر زمین میں دھنس گیا، نیز اس حدیث میں اَخْدَمَ کا لفظ ہے یعنی اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو ایک خادمہ دی جس کا نام آجَر ہے اور یہی ہاجَر ہے۔ ہاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔

حدیث مذکورہ کے فقہی مسائل، بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے نہ طلاق ہوتی ہے نہ ظہار

جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری بہن ہو اور ان الفاظ سے طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی، اور اگر اس نے کہا تم میری بہن کی مثل ہو اور ظہار کا ارادہ نہیں کیا تو ظہار نہیں ہوگا۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا مشرک حربی سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

(اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

حدیث مذکور کے الفاظ کی تحقیق اور مشکل الفاظ کے معانی

قاضی بدر الدین محمد بن ابو بکر الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سارہ: معروف یہ ہے کہ اس میں راء پر تشدید نہیں ہے اور الزرکشی نے کہا ہے کہ اس میں راء پر تشدید ہے۔ (التنقیح ج ۲ ص ۴۹۶)

ظالم بادشاہ: اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن سبا تھا۔ اور یہ مصر کا حاکم تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کبت الکافر: یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو ذلیل کر دیا اور اس کو منہ کے بل گرا دیا۔

(مصابیح الجامع ج ۵ ص ۱۰۴-۱۰۶، ملخصاً، دار النوادر دمشق ۱۴۳۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس بستی میں گئے تھے اس بستی کا نام اور اس ظالم بادشاہ کا نام

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۲۲۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن قتیبہ نے کہا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ جس بستی میں داخل ہوئے تھے اس بستی کا نام الارمن تھا۔
اور اس بادشاہ کا نام صاروق تھا۔
اور حضرت ہاجر قبط کے کسی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ (المعارف لابن قتیبہ ص ۷)
امام طبری نے لکھا ہے کہ مصر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیوی کا نام ہاجر تھا، جب اس کو اہل عین شمس نے قتل کر دیا تھا تو وہ اس کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے تھے اور ان کا یہ زعم ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کی بے حرمتی کا ارادہ کیا تھا اس کا نام سنان بن علوان تھا جو الضحاک کا بھائی تھا۔ (تاریخ الطبری ج ۱ ص ۱۷۵۔۱۴۸)

حضرت سارہ علیہا السلام کا تذکرہ

علامہ السہیلی نے ''الروض الانف'' میں لکھا ہے کہ: حضرت سارہ توبیل بن ناحور کی بیٹی تھیں۔ دوسرا قول ہے کہ وہ ہاران بن ناحور کی بیٹی تھیں اور تیسرا قول ہے کہ وہ ہاران بن تارخ کی بیٹی تھیں۔ اس قول کی بنا پر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھتیجی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن تھیں، یہ القتبی کا قول ہے۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۳۱)
النقاش نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھتیجی کے ساتھ نکاح حلال تھا، پھر نقاش نے اپنے اس قول کے خلاف درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۔ (الشوریٰ: ۱۳)

اس نے تمہارے لیے اس دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

نقاش نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعت میں بھتیجی کے ساتھ نکاح کرنا حرام تھا۔
علامہ السہیلی المتوفی ۵۷۱ھ نے کہا ہے کہ یہی قول برحق ہے اور جن لوگوں نے یہ وہم کیا ہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھتیجی تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی تھے اور وہ ہاران اصغر ہیں اور حضرت سارہ ہاران اکبر کی بیٹی تھیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، تو گویا حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن تھیں۔
(الروض الانف ج ۱ ص ۱۶)

ظالم بادشاہ کا حضرت سارہ کے ساتھ بے حرمتی کا ارادہ اور اس کا نام اور اس کا ذلیل ہونا اور حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کی تعظیم کرنا

ابو محمد عبد الملک بن ہشام نے اپنی کتاب ''التیجان'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ تین سو بیس (۳۲۰) مومنین تھے اور مصر کا بادشاہ اس وقت عمرو بن امری القیس بن بابلیون بن سبا تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ماموں تھا، پس حناط نام کے ایک شخص نے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ سفر کر رہے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ابراہیم اور سارہ کو اس کے پاس لایا جائے، پس اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الگ کر دیا اور خود حضرت سارہ کی

طرف بری نیت سے کھڑا ہوا۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام محل کے باہر سے ان کو ایک شفاف بوتل میں سے دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس ظالم بادشاہ کو اور حضرت سارہ کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں، پھر جب اس نے حضرت سارہ کا ارادہ کیا اور اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا تو اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا، پھر اس نے دوسرا ہاتھ بڑھایا تو وہ بھی شل ہو کر سوکھ گیا، پھر جب اس نے یہ معاملہ دیکھا تو کہا: اے سارہ! تم سے کس طرح مرد اپنی خواہش پوری کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں اپنے شوہر کے سوا تمام مخلوق سے روکی گئی ہوں۔ تب اس ظالم بادشاہ نے کہا: ابراہیم کو بلاؤ، پھر اس نے کہا: اے ابراہیم! تم اپنے دل میں کیا سوچ رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے بادشاہ! تمہارا پورا محل مجھے اس شفاف بوتل میں دکھائی دے رہا تھا اور تم نے جو کچھ بھی کیا وہ مجھ پر مخفی نہیں ہے۔ تب اس بادشاہ نے کہا: اے ابراہیم! تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے۔ امام ابن ہشام نے کہا کہ حناط نے بادشاہ کو بتایا کہ حضرت سارہ چکی پیستی ہیں۔ تب بادشاہ نے کہا: چکی پیسنا ان کے لیے مناسب نہیں ہے، پھر اس نے حکم دیا کہ ان کی خدمت کے لیے ان کو ہاجر ہبہ کر دی جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۴ ص ۵۴۹۔۵۴۸، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہ ظاہر تین جھوٹوں کے توزیہ ہونے کی تفصیل

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ صحیح البخاری ۲۲۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظالم بادشاہ کے کارندہ سے حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے، الحدیث۔

سنو! انبیاء علیہم السلام کا کذب کسی حال میں بھی جائز نہیں، اس اصل کے مطابق اعتقاد رکھنا چاہیے اور اخبار آحاد سے اس کے خلاف عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بات کہی جو جھوٹ کے مشابہ تھی۔

ابوبکر بن الانباری نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صادق تھا اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صرف یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بات کہی جو بہ ظاہر جھوٹ کے مشابہ تھی اور حقیقت میں جھوٹ نہیں تھی۔ ابن عقیل حنبلی نے کہا: عقل کے نزدیک قطعی دلیل یہ ہے کہ رسول کے کلام پر اعتماد ہونا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو خبریں لے کر آئے ہیں وہ صادق ہیں اور اگر ان کے کلام میں جھوٹ ممکن ہو تو ان کی تصدیق کیسے کی جائے گی۔ اس حدیث میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین ظاہری جھوٹ ذکر کیے گئے ہیں وہ صورتاً جھوٹ ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجازاً جھوٹ فرمایا۔

علامہ ابن الجوزی الحنبلی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام بطور معاریض تھا، البتہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ کی مشابہت سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا: آپ ہماری شفاعت کریں تو وہ کہیں گے کہ میں (ظاہراً) جھوٹ بول چکا ہوں اور ان کا کلام جو بہ طور تعریض تھا وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (الانبیاء: ۶۲۔۶۳)

انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟O (ابراہیم نے) کہا: بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے (یعنی ابراہیم نے) ان میں کا بڑا یہ ہے، سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں O

اس کلام کے بہ طور معاریض ہونے کی تقریر یہ ہے کہ الکسائی سے منقول ہے کہ وہ بل فعلہ پر وقف کرتے ہیں یعنی حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ جس نے بھی کیا ہے اس نے کیا ہے، اور ابن قتیبہ نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر یہ بول سکتے ہیں تو پوچھو ان کا بڑا یہ ہے جس نے یہ کیا ہے یعنی انہوں نے اس بڑے بت کی پرستش کو باطل کرنے کے سبب سے اس کی طرف بتوں کے توڑنے کی نسبت کی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے اور مجاز عقلی ہے اور حقیقتاً جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ (الصافات: ۸۸ تا ۹۰) پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی ○ پھر کہا: میں بے شک بیمار ہونے والا ہوں ○ سو وہ پیٹھ موڑ کر چلے گئے ○

اس آیت میں إِنِّي سَقِيمٌ کا معنی ہے: میں بیمار ہوں، حالانکہ وہ بیمار نہیں تھے تو اس میں تعریض یہ ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا کہ یہ میری بہن ہیں، اس سے مراد ان کی اسلام کی اخوت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ پر علامہ ابن جوزی کا اشکال اور پھر ان کا جواب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: میرے دل میں ہمیشہ یہ اشکال کھٹکتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توریہ کر کے بیوی کی بجائے بہن کہنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ یہ معلوم ہے کہ اگر وہ کہتے کہ یہ میری بیوی ہے تو اس میں زیادہ سلامتی ہوتی کیونکہ جب انہوں نے کہا: یہ میری بہن ہے تو ظالم بادشاہ یہ کہتا کہ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دو اور جب وہ یہ کہتے کہ یہ میری بیوی ہے تو وہ خاموش ہو جاتا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ بادشاہ شریعت کے موافق عمل کرتا لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اس بادشاہ نے ظلماً حضرت سارہ کی طرف بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تھا تو وہ بدکار اور بے دین شخص تھا، اس کو اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہوتیں یا بہن ہوتیں اور میں اس مسئلہ پر ہمیشہ علماء سے مذاکرہ اور بحث کرتا رہا لیکن کسی نے اس کا مجھے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ مجوسی تھے اور ان کے دین میں بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا اور جب کسی بیوی کا شوہر اس کا بھائی ہو تو وہ دوسروں سے زیادہ اس کا مستحق ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ اس ظالم بادشاہ سے اس کی شریعت کے مطابق یہ بتائیں کہ حضرت سارہ ان کی بہن ہیں، لیکن جب کہ وہ ظالم بادشاہ کسی دین کی رعایت نہیں کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کرم فرمایا اور کافر کے ہاتھ سے ان کی بیوی کو بچا لیا۔ میں نے اہل کتاب کے بعض علماء سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جس شخص کی کوئی بیوی ہو تو اس سے دوسرا شخص اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس کی بیوی کے شوہر کو قتل نہ کر دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا اس لیے انہوں نے حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اگر وہ بادشاہ عادل ہوا تو وہ مجھے حضرت سارہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دے گا تو میں اس کو منع کر دوں گا اور اگر وہ ظالم ہوا اور اس نے ظلماً حضرت سارہ کو چھین لیا تو میں قتل ہونے سے بچ جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ حضرت سارہ کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ (کشف المشکل ج ۳ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

علامہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری: ۵۰۸۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح احادیث الانبیاء کے باب میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن المنیر نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جہت سے ہے کہ حضرت ہاجر حضرت ابراہیم کی مملوکہ تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملکیت میں لانے کے بعد ان کو ام ولد بنالیا تھا تو وہ آپ کی باندی تھیں۔

حافظ ابن حجر شافعی کی طرف سے علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ لکھا تھا کہ اگر علامہ ابن المنیر کا یہ ارادہ ہے کہ صحیح بخاری میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر کو اپنی باندی بنایا، پھر ام ولد بنایا تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ صحیح البخاری میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت سارہ حضرت ہاجر کی مالک ہوگئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کو ام ولد بنانا صحیح البخاری میں مذکور نہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۳) علامہ عینی حنفی نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ حافظ ابن حجر کا علامہ ابن منیر پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ علامہ ابن منیر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر کو اپنی ملکیت میں لانے کے بعد اپنی باندی بنایا، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۳)

حافظ ابن حجر علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: علامہ عینی کی عادت ہے کہ وہ حافظ ابن حجر پر طعن و تشنیع کرتے ہیں جبکہ حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ بھی وہی ہے جو علامہ عینی نے لکھا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ہاجر حضرت سارہ کی ملکیت میں تھیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے یہ طلب کیا کہ وہ حضرت ہاجر کو انہیں ہبہ کر دیں تو حضرت سارہ نے اس شرط پر حضرت ہاجر کو ہبہ کر دیا کہ وہ حضرت ہاجر سے تنہائی میں نہ ملیں۔ حضرت ابراہیم نے اس شرط کو پورا کیا، پھر حضرت سارہ کو حضرت ہاجر پر غیرت آئی تو اس سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر کو اور ان کے صاحبزادے کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا۔ اس کی کچھ تفصیل احادیث الانبیاء کے باب میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! اس سے مراد عرب ہیں کیونکہ عربوں کی معیشت پانی پر تھی۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۳۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں التوضیح اور فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ زرہونی مالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹوں کا ذکر ہے، یہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے تعریض اور توریہ تھے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۲۷۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۸۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثًا يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَأَلْقَى فِيهَا مِنَ التَّمْرِ وَالْأَقِطِ وَالسَّمْنِ فَكَانَتْ وَلِيمَتَهُ فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَقَالُوا إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّى لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن قیام کیا، آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی کے ساتھ شب زفاف گزاری، پس میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کی طرف بلایا، اس ولیمہ میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت تھا، آپ نے چمڑے کا ایک بڑا ٹکڑا منگایا اور اس میں کھجوریں، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا، پس یہ آپ کا ولیمہ تھا تو مسلمانوں نے (آپس میں کہا:) یہ امہات المومنین میں سے ایک ہیں یا آپ کی باندی ہیں؟ پھر انہوں نے کہا: اگر آپ نے حضرت صفیہ کو حجاب میں رکھا تو یہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر آپ نے ان کو حجاب میں نہیں رکھا تو پھر یہ آپ کی باندی ہیں، پھر جب آپ روانہ ہوئے تو آپ نے اپنی سواری کے پیچھے ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ان کے اور لوگوں کے درمیان حجاب ڈال دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۷۱، ۶۱۰، ۹۴۷، ۲۲۳۵، ۲۲۲۸، ۲۲۸۹، ۲۸۹۳، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۹۱، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۳۶۷، ۳۶۴۷، ۴۰۸۳، ۴۰۸۴، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۲۰۰، ۴۲۱۱، ۴۲۱۲، ۵۱۵۹، ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹ صحیح مسلم: ۱۸۰۲، الرقم المسلسل: ۴۵۸۴، سنن نسائی: ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۳۹۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۹۱، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۲۷، صحیح ابن حبان: ۶۵۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۲، مسند احمد: ۱۱۹۹۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس حدیث میں حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی کا ذکر ہے اس لیے ہم پہلے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کا تذکرہ کر رہے ہیں:

حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نکاح کا مفصل واقعہ

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی المالکی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ان کا پورا نام حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر ہے۔ یہ بنی اسرائیل میں سے حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی نواسی تھیں اور ان کی والدہ کا نام برہ بنت سموال تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰، المعارف: ۱۳۸، تہذیب الکمال: ۱۶۸۶، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۲۹، الاصابہ: ۱۱۴۷۷، اسد الغابہ: ۷۰۶۳)

امام ابوعبیدۃ نے کہا ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی پہلے سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں اور وہ شاعر تھے، پھر اس کے بعد ان کا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا اور وہ بھی شاعر تھے۔ غزوۂ خیبر میں ان کو قتل کر دیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہجری میں ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے قیدیوں کو جمع کیا تو آپ کے پاس حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے کہا: مجھے قیدیوں میں سے ایک باندی دے دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور کوئی باندی لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ بنت حیی کو لے لیا، پس آپ کو بتایا گیا: یا رسول اللہ! یہ تو قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں اور یہ صرف آپ کے لائق ہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی سے فرمایا کہ جاؤ ان کے علاوہ کسی اور باندی کو لے لو۔

(صحیح البخاری: ۳۷۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸، سنن نسائی ۳۳۸۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۲)

ابن شہاب نے کہا ہے: حضرت صفیہ ان میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ طور فئی عطا کیا تھا۔ آپ نے ان کو پردہ میں رکھا اور کھجوروں اور ستو کے ساتھ ان کا ولیمہ کیا اور ان کی باری تقسیم کی اور وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے ایک تھیں۔

ابوعمر و نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے چن لیا تھا اور وہ آپ کے مال غنیمت میں سے تھیں، پھر آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا تھا اور اس میں اختلاف نہیں ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ کا حکم امت کے باقی افراد کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور وہ اس وقت رو رہی تھیں، آپ نے ان سے پوچھا: تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے میری مذمت کی ہے اور وہ کہتی ہیں کہ ہم صفیہ سے افضل ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹیاں ہیں اور آپ کی ازواج ہیں، آپ نے ان سے فرمایا: تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ آپ مجھ سے کیسے افضل ہو سکتی ہیں حالانکہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ ہیں اور میرے خاوند سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۸۹۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۹، کنز العمال: ۳۴۳۸۷)

حضرت صفیہ کی باندی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور اس نے شکایت کی کہ حضرت صفیہ ہفتہ کے دن سے محبت رکھتیں اور یہود کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رہا ہفتہ کا دن تو جب سے اسلام نے جمعہ کے دن کو ہفتہ سے بدل دیا ہے میں اس سے محبت نہیں کرتی، اور رہے یہود تو میری ان سے رشتہ داریاں ہیں تو میں ان سے صلہ رحم کرتی ہوں، پھر حضرت صفیہ نے اپنی باندی سے پوچھا: تمہیں اس شکایت پر کس نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: شیطان نے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو۔

حضرت صفیہ حلیمہ، عاقلہ اور فاضلہ تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان پچاس (۵۰) ہجری میں ان کی وفات ہو گئی۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل، ان کی خصوصیات اور ان کی روایات

علامہ عز الدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری الشافعی المتوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت صفیہ بنت حیی ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو حج کروانے کے لیے لے گئے، پس جب آپ راستہ میں تھے تو ایک مرد اترا اور اس نے ازواج کی سواریوں کو تیزی کے ساتھ چلایا، پس جس وقت وہ سفر کر رہے

تھے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا حالانکہ وہ اس پر اچھی طرح سوار تھیں، پس وہ رونے لگیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی گئی تو آپ ان کے پاس آئے اور اپنے ہاتھ سے ان کے آنسو پونچھنے لگے اور وہ زیادہ رو رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منع فرمارہے تھے، جب وہ زیادہ روئیں تو آپ نے ان کو جھڑکا اور لوگوں کو سواریوں سے اترنے کا حکم دیا، پس وہ اتر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اترنے کا ارادہ نہیں تھا اور وہ میری باری کا دن تھا، جب لوگ سواریوں سے اتر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ پر پردہ ڈال دیا گیا تو آپ اپنے خیمہ میں گئے، حضرت صفیہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے پتا نہیں چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں جلدی قیام کیا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں مجھ سے ناراضگی ہے، پس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور ان سے کہا: آپ جانتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے جس دن کو مقرر کیا ہے میں وہ دن کسی کو فروخت کرنے والی نہیں ہوں اور میں آج اپنی باری آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: ٹھیک ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دوپٹہ کو زعفران کے ساتھ رنگا اور اس کو پانی کے ساتھ دھویا تا کہ اس کی ناگوار بو زائل ہو جائے، پھر انہوں نے اپنا لباس پہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئیں اور ان کے خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ آپ نے پوچھا: اے عائشہ! کیا بات ہے؟ آج کا دن تو تمہاری باری کا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے، پھر آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ سو گئے، پھر جب شام کا وقت ہوا تو آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے زینب! تم اپنا اونٹ اپنی بہن صفیہ کو دے دو اور حضرت زینب اس اونٹ پر بہت سواری کرتی تھیں، حضرت زینب نے کہا: میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر غضب ناک ہوئے، پھر آپ نے حضرت زینب سے ملنا چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ مکہ میں آئے اور سفر کے دوران منیٰ میں آئے حتیٰ کہ مدینہ کی طرف لوٹ گئے اور محرم اور صفر کا مہینہ گزر گیا اور آپ حضرت زینب کے پاس نہیں گئے اور نہ ان کی باری مقرر کی اور حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مایوس ہو گئیں، پھر جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ حضرت زینب کے پاس چلے گئے، پس حضرت زینب نے آپ کا سایا دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ کسی مرد کا سایا ہے اور میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں آرہے پھر یہ شخص کون ہے؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس داخل ہوئے تو حضرت زینب نے کہا: یارسول اللہ! آپ میرے پاس آئے ہیں (تو میں اس خوشی میں) کیا کروں اور ان کی ایک باندی تھی جس کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا کر رکھتی تھیں، انہوں نے وہ باندی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے تخت پر چلے گئے، پھر آپ اپنی اہلیہ سے ہم آغوش ہوئے اور ان سے راضی ہو گئے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۸)۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سمیہ نے روایت کی ہے۔ امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے ان سے روایت کی ہے اور کسی نے ان کو ضعیف نہیں کہا۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱۔۳۲۰)

نیز علامہ ابن الاثیر امام احمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئیں اور آپ ان سے باتیں کر رہے تھے اور اس وقت آپ مسجد میں معتکف تھے، پھر آپ مجھے رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازہ پر آئے تو وہاں سے انصار کے دو مرد گزرے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ واپس جانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو! یہ صفیہ ہیں تو انہوں نے کہا: نعوذ باللہ! سبحان اللہ! یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ: شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۷)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات چھتیس (۳۶) ہجری میں ہوئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی وفات پچاس (۵۰) ہجری میں ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۷ ص ۱۷۰۔۱۶۸، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب الاسرائیلیہ ام المومنین حضرت ہارون علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ہیں۔ ان سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم ایک حدیث پر متفق ہیں۔ الواقدی نے کہا: ان کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پچاس ہجری میں ہوئی۔ (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۴۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس اعتراض کے جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو حضرت دحیہ کو ہبہ کر کے ان سے واپس لے لیا تھا حالانکہ یہ مکروہ ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری ۳۷۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اعتراض مذکور کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ سے فرمایا تھا کہ مال غنیمت میں سے کوئی باندی لے لو، پھر بعد میں شارع علیہ السلام پر یہ ظاہر ہوا کہ حضرت صفیہ چونکہ نبوت کے گھرانے سے ہیں اور حضرت ہارون کی اولاد سے ہیں اور قریظہ اور النضیر کی سردار ہیں۔ علاوہ ازیں وہ بے حد حسین وجمیل تھیں اور حسن وجمال کثرت نکاح اور کثرت جماع کا محرک ہوتا ہے اور اولاد کے حسن وجمال کا باعث ہوتا ہے اس لیے آپ نے ان کو اپنے لیے واپس لے لیا اور آپ کا یہ اقدام شہوت نفسانیہ کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ آپ اس سے معصوم ہیں۔

(۲) حضرت دحیہ نے اپنی رضا سے حضرت صفیہ کو واپس کیا اور ان کو دوسری باندیوں میں سے کوئی باندی لینے کی اجازت دی گئی تھی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کو یہ اجازت دی تھی کہ تم کوئی عام باندی لے لو اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم سب سے افضل باندی کو لینا، پھر جب شارع علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ حضرت صفیہ اپنے نسب، شرف اور جمال کی وجہ سے سب سے عمدہ ہیں تو آپ نے حضرت صفیہ کو اپنے ساتھ ملا لیا تا کہ ان کی وجہ سے حضرت دحیہ کا امتیاز نہ ہو اور لوگوں میں اس وجہ سے انتشار نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مفاسد کو منقطع کرنے کے لیے ان سے حضرت صفیہ کو واپس لے لیا اور اس کے عوض میں ان کو سات دوسری باندیاں عطا کیں تا کہ ان کی دل جوئی ہو اور وہ مطمئن ہوں اور آپ نے ان کو یہ باندیاں بہ طور انعام عطا کیں تھیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت صفیہ تو مال غنیمت میں سے تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ حضرت صفیہ اموال فئے میں سے تھیں کیونکہ حضرت صفیہ کنانہ بن الربیع کی بیوی تھیں اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ آپ سے کسی خزانے کو نہیں چھپائیں گے اور اگر انہوں نے کسی خزانہ کو چھپایا تو پھر آپ پر ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ نے حیی بن اخطب سے خزانہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کو چھپا لیا اور کہا کہ وہ خرچ ہو چکا ہے، پھر آپ اس خزانہ پر مطلع ہو گئے اور ان سے معاہدہ کو توڑ دیا اور ان کو قید کر لیا تو حضرت صفیہ ان قیدیوں میں سے تھیں، سو وہ اموال فئے میں سے ہیں، ان سے خمس نہیں لیا جاتا، بلکہ ان میں تصرف کرنا امام کی رائے پر موقوف ہوتا ہے۔ یہ علامہ مازری مالکی کا قول ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ مال فئے میں سے خمس نہیں لیا جاتا اور ہم شافعیوں کا مذہب یہ ہے کہ مال فئے سے بھی مال غنیمت کی طرح خمس لیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۹ ص ۲۲۲-۲۲۰، اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۵۹۴)

اس کی تحقیق کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کوئی مہر مقرر کیا گیا تھا یا ان کے آزاد کرنے کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مہر قرار دیا تھا اور اس کے ضمن میں فقہی مسائل

شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے: ثابت اور قتادہ اور عبد العزیز بن صہیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔ (المحلی ج ۹ ص ۵۰۲)

امام احمد، حسن بصری اور ابن المسیب نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ آزاد کرنے کے سوا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اور کوئی مہر واجب نہیں تھا اور ابن حزم ظاہری نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کا آزاد کرنا ہی اس باندی کا مہر ہے اور الگ سے کوئی مہر نہیں ہے اور اس کے ساتھ نکاح صحیح ہے اور اگر اس نے اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی تو وہ آزاد ہی رہے گی اور وہ اس سے کوئی چیز واپس نہیں لے گا اور اگر وہ باندی اس کے ساتھ نکاح سے انکار کرے تو اس کو آزاد کرنا باطل ہو جائے گا، اور امام ابو حنیفہ، محمد بن الحسن، زفر، امام مالک، ابن شبرمہ اور اللیث نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ باندی کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا جائے اور امام ابو حنیفہ، زفر، امام محمد اور امام مالک نے کہا ہے اگر اس نے اس کو آزاد کرنے کو مہر قرار دیا تو اس کا مہر مثل واجب ہوگا اور وہ آزاد قرار دی جائے گی، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس باندی نے نکاح کرنے سے انکار کیا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا ہے کہ وہ اپنی قیمت کے حصول کے لیے کوشش کرے گی اور امام مالک اور امام زفر نے کہا ہے: اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ (المحلی لابن حزم ج ۹ ص ۵۰۱)

زیر بحث مسئلہ میں جمہور فقہاء کا مسلک

علامہ نووی نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گا اور اس کو آزاد کرنا اس کا مہر ہوگا اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس باندی سے نکاح کرے اور یہ شرط صحیح نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام محمد بن الحسن اور امام زفر کا یہی قول ہے اور جمہور کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوگا اور اس باندی کے لیے مہر مثل لازم ہوگا۔ (شرح مسلم ج ۹ ص ۲۲۲۔۲۲۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آزاد کرنے کا ثواب تو معلوم ہے تو اس ثواب کو فوت کر کے مہر میں چند درہم اور دینار لینا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفیہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں اور ان کے پاس بہت زیادہ مقدار میں عمدہ اموال تھے اس لیے ان کو مہر میں دراہم اور دینار کی ضرورت نہیں تھی اس لیے آپ نے ان کے آزاد کرنے کو ہی ان کا مہر قرار دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۲۸۔۳۳۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحابہ کرام کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں تردد کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ نے بغیر مہر اور گواہوں کے ان سے نکاح کیا تھا اور اس مسئلہ میں علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت صفیہ امہات المومنین میں سے ایک ہیں یا آپ کی باندی ہیں۔

صحابہ کرام کو تردد تھا کہ آیا حضرت صفیہ آپ کی زوجہ ہیں یا آپ کی باندی ہیں۔ بعض شارحین نے کہا ہے (علامہ ابن بطال مالکی) کہ صحابہ کا تردد اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت صفیہ کو آزاد کرنا ان کا مہر نہیں تھا لیکن ان کی یہ شرح درست نہیں کیونکہ صحابہ کو

شروع میں تردد تھا، پھر بعد میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت صفیہ آپ کی زوجہ ہیں، نیز علامہ ابن بطال نے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح بغیر گواہوں کے صحیح ہوتا ہے کیونکہ حضرت صفیہ سے نکاح کے وقت صحابہ گواہ ہوتے تو ان پر حضرت صفیہ کا معاملہ مخفی نہ رہتا اور وہ اس میں تردد نہ کرتے کہ وہ آپ کی زوجہ ہیں یا باندی لیکن ان کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو صحابہ نکاح کے وقت گواہ ہوں وہ اور ہوں اور جن صحابہ کو حضرت صفیہ کے ساتھ نکاح میں تردد تھا وہ اور ہوں، اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ تمام صحابہ کو اس میں تردد تھا تو حضرت صفیہ سے بغیر مہر کے نکاح کرنا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی جیسا کہ بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے اور بغیر ایجاب وقبول کے نکاح کرنا آپ کی خصوصیت ہے۔ اس حدیث کے باقی امور متعلقہ کی شرح کتاب المغازی میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

چونکہ علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور حضرت صفیہ کے نکاح سے اس پر استدلال کیا ہے اس لیے ہم نکاح میں گواہوں کی شرط پر تحقیق کر رہے ہیں:

نکاح میں گواہوں کی شرط کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الاندلسی المالکی المتوفی ۵۹۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کی شرط ہے لیکن اس میں ان کا اختلاف ہے کہ یہ صحت دخول کی شرط ہے یا صحت عقد نکاح کی شرط ہے اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ خفیہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ جب دو گواہ اور وصی چھپ کر شہادت دیں تو آیا یہ خفیہ نکاح ہے یا نہیں، پس امام مالک نے کہا: یہ خفیہ نکاح ہے اور اس کو فسخ کر دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ خفیہ نکاح نہیں ہے اور ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا شہادت نکاح میں حکم شرعی ہے یا نہیں یا اس سے صرف یہ مقصود ہے کہ اگر بعد میں نکاح میں اختلاف ہو یا نکاح کا کوئی انکار کرے تو اس پر گواہ پیش کیے جا سکیں اور جن فقہاء نے کہا کہ نکاح میں گواہوں کا ہونا حکم شرعی ہے تو بعض نے کہا: یہ نکاح کی صحت کی شرط ہے اور بعض نے یہ کہا کہ یہ نکاح کے مکمل ہونے کی شرط ہے، اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو نیک گواہوں اور نیک ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے اور صحابہ میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں تھا اور یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسقوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک شہادت سے مقصود صرف اعلان ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ شہادت دو چیزوں کو متضمن ہے: اعلان اور قبول۔ اسی وجہ سے اس میں گواہوں کے نیک ہونے کی شرط ہے اور رہے امام مالک تو ان کے نزدیک شہادت اعلان کو متضمن نہیں ہے کیونکہ جب دو گواہوں نے چھپ کر نکاح کی شہادت دی تو وہ صحیح ہے اور اعلان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس کے اوپر دف کو بجاؤ۔ اس حدیث کی امام ابو داؤد نے روایت کی ہے، اور ابو ثور اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ گواہ نکاح کی شرط نہیں ہیں نہ نکاح کی صحت کی شرط ہیں اور نہ نکاح کی تکمیل کی شرط ہیں اور حضرت علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے بغیر گواہ کے نکاح کیا اور پھر بعد میں نکاح کا اعلان کیا۔

(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ج ۲ ص ۱۳، المکتب العلمیہ، لاہور، ۱۳۹۶ھ)

نکاح میں گواہوں کی شرط کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ نکاح میں گواہوں کی شرط کے متعلق لکھتے ہیں:

نکاح صرف دو مسلمان گواہوں کے حاضر ہونے سے منعقد ہوتا ہے، وہ دونوں آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں، دو مسلمان مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، وہ دونوں عادل (متقی) ہوں یا غیر عادل (فاسق) ہوں یا ان کو حد قذف لگ چکی ہو (یعنی کسی مسلمان پاک دامن شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارے جا چکے ہوں۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ مرغینانی نے کہا کہ نکاح کے باب میں شہادت کی شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے: ''گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا'' اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ نکاح میں اعلان کی شرط ہے گواہوں کی شرط نہیں ہے اور گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہوں کیونکہ غلام کو اپنے نفس پر ولایت نہیں ہوتی اس لیے اس کی شہادت بھی نہیں ہوتی اور گواہوں کا عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری ہے اس لیے کہ عقل اور بلوغت کے بغیر کسی کو اپنے نفس پر ولایت نہیں ہوتی اور گواہوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ کافر کی مسلمان کے حق میں شہادت نہیں ہوتی اور دو گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے (امام شافعی کے نزدیک نکاح میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور گواہوں کا عادل یعنی متقی ہونا ضروری نہیں ہے حتیٰ کہ ہمارے نزدیک دو فاسق مسلمانوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اس میں بھی امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ شہادت کرامت کے باب سے ہے (یعنی ایک معزز چیز ہے) اور فاسق اہل اہانت سے ہے، (یعنی اس کی تعظیم کرنا منع ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق اہل ولایت میں سے ہے (یعنی با اختیار ہوتا ہے)، پس وہ اہل شہادت میں سے ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اپنے نفس پر ولایت (اختیار) حرام نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے، لہٰذا اس کی غیر پر بھی ولایت حرام نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی اسی جنس سے ہے، نیز اس لیے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز ہے، لہٰذا وہ شاہد بھی بن سکتا ہے، اسی طرح جس مسلمان کو حد قذف لگ چکی ہو وہ بھی اہل ولایت سے ہے، سو وہ اہل شہادت سے بھی ہوگا اور قرآن مجید میں جو محدود فی القذف کی شہادت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں ۝

(النور: ۴)

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کو پیش کرنا ممنوع ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ گواہی پیش نہیں کر سکتے اور اگر وہ گواہی پیش کریں تو ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ مجلس نکاح میں ان کے بہ طور گواہ حاضر ہونے سے نکاح منعقد ہو جائے گا جیسے اندھوں کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی مگر نکاح میں بہ طور ان کے حاضر ہونے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور ایجاب و قبول کرنے والوں کے بیٹوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے حالانکہ کسی شخص کے بیٹے کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی۔ (الہدایہ ج ۲ ص ۳۰۶-۳۰۷، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

دو عادل گواہوں کی شرط کی حدیث کی تخریج اور تحقیق

علامہ مرغینانی نے یہ حدیث مرفوع پیش کی ہے کہ ''دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ اس حدیث کی تحقیق

کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ میں نے نہیں دیکھی، ہاں! امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے:

''بدکار ہیں وہ عورتیں جو گواہوں کے بغیر از خود اپنا نکاح کر لیتی ہیں''۔ امام ترمذی نے کہا کہ راجح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے، البتہ امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ علی ہامش الہدایہ ج ۲ ص ۳۲۶)

علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ اس حدیث کی تخریج اور تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث کہ: ''گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ میں کہتا ہوں کہ: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے۔ ہاں! اس باب میں دیگر احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور جو اس کے بغیر نکاح کیا جائے وہ باطل ہے، اگر ولی میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہے''۔

(۲) اور امام ابن حبان نے قسم اول کی اٹھانوے نمبر کی نوع میں یہ کہا کہ دو عادل گواہوں کا ذکر صرف تین راویوں نے کیا ہے: سعید بن یحییٰ اموی، عبد اللہ بن عبد الوہاب الحجبی اور عبد الرحمن بن یونس الرقی۔ ان کے علاوہ اور کسی نے دو گواہوں کا ذکر نہیں کیا۔

(۳) امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدکار ہیں وہ عورتیں جو گواہوں کے بغیر از خود نکاح کرتی ہیں''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۰۳)

پھر امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی کتاب التفسیر میں مرفوعاً روایت ہے اور کتاب الطلاق میں موقوفاً روایت ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اس حدیث کی مثل حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی حدیث کی امام عبد الرزاق نے بھی روایت کی ہے۔

(نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج ۳ ص ۲۱۳۔ ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(میں کہتا ہوں کہ: علامہ مرغینانی نے جو حدیث لکھی ہے: ''دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ دراصل یہ روایت، روایت بالمعنی ہے۔ علامہ مرغینانی نے ان تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر حدیث کے یہ الفاظ لکھے۔ اگرچہ صراحتاً حدیث کے یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن اس کا معنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے ثابت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نکاح میں دو گواہوں کی شرط کے خلاف علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل اور مصنف کے جوابات

میں کہتا ہوں: اس بحث میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) علامہ ابن بطال نے کہا کہ امام ابو حنیفہ محدود فی القذف کے نکاح میں گواہ بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ علماء کا اجماع ہے کہ فاسق کی گواہی مردود ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۴۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق کا گواہی کے لیے پیش کرنا تو ممنوع ہے لیکن اس کا مجلس نکاح میں بہ طور گواہ حاضر ہونا ممنوع نہیں

ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں، جیسا کہ علامہ مرغینانی نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کا نکاح بغیر گواہوں کے کیا تھا۔ ہم کہتے ہیں: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے آپ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا جس میں گواہ تھے نہ ولی تھا اور نہ ایجاب وقبول ہوا تھا۔

(۳) عام خرید وفروخت بغیر گواہوں کے جائز ہے حالانکہ اس میں بھی عقد بیع ہے تو پھر عقد نکاح بغیر گواہوں کے کیوں جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عام خرید وفروخت کے عقد میں اور عقد نکاح میں نمایاں فرق ہے کیونکہ عقد نکاح سے ایک عورت کی فرج کو حلال قرار دیا جاتا ہے اور اگر اس نکاح کا ثبوت نہ ہو تو فریقین پر زنا کی حد جاری ہوگی، جب کہ عام خرید وفروخت کا اگر ثبوت نہ ہو تو خریدار اور فروخت کنندہ میں سے کسی پر بھی کوئی حد یا تعزیر نہیں ہوگی، اس لیے عقد نکاح کا عقد بیع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دو گواہوں کی شرط کا ثبوت احادیث اور آثار سے ہے، بہ ظاہر علامہ ابن بطال کی یہ دلیل بہت قوی ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی حنفی عالم نے اس کا جواب لکھا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل سے علامہ ابن بطال کی اس دلیل کا جواب میرے دل میں القاء فرمایا۔

علامہ ابن بطال کے یہ تینوں دلائل شرح ابن بطال علی صحیح البخاری: ج ۷ ص ۱۴۳ میں مذکور ہیں۔

۱۴۔ بَابٌ: مَنْ جَعَلَ عِتْقَ الْأَمَةِ صَدَاقَهَا

جس نے باندی کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا

۵۰۸۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ وَشُعَيْبِ بْنِ الْحَبْحَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت و شعیب بن الحبحاب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جس کو ہم صحیح البخاری: ۵۰۸۵ کی تخریج میں لکھ چکے ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو ان کا مہر قرار دینے کے متعلق فقہاء مذاہب کا اختلاف

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۸۶) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو (اس شرط پر) آزاد کرے کہ یہ آزادی اس کا مہر ہوگی تو اکثر علماء کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔ یہ آزادی مہر اس وقت ہوگی جب اس کا آزاد کرنا عقد سے ملا ہوا ہو، اور اگر اس کا آزاد کرنا عقد پر مقدم ہو تو پھر اس کو مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور مذکورہ صورت میں آزاد کرنا عقد پر مقدم ہے اس لیے وہ مہر نہیں ہوگا۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کسی شخص نے باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس نے اس کو آزاد کیا اور اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا تو یہ جائز ہے اور آزاد کرنے کے سوا اس کا کوئی مہر نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے جس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور یہی سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، طاؤس، حسن

بصری، ابن شہاب زہری کا مذہب ہے اور ثوری، امام ابو یوسف، احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۴۵۳)

اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے آزاد کرنے کو مہر قرار دینا جائز نہیں ہے، اور حضرت صفیہ کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز قرار دیا ہے اور آپ کے سوا مومنین میں سے کسی کے لیے بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام زفر، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۷۲، الاستذکار ج ۱۶ ص ۶۹-۶۷)

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی اسی طرح کیا جس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ آپ نے ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ہم نے غور کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تھا تو اس کی کیا نوعیت تھی، پس امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق کے اموال غنیمت حاصل کیے تو حضرت جویریہ بنت الحارث حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے اپنے نفس کو مکاتب کرلیا، پھر وہ اپنی کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ حضرت جویریہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار ہوں جو اپنی قوم کے سردار ہیں اور میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں، پس میں نے ان سے اپنے آپ کو مکاتبہ کرلیا ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے آئی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے بہتر صورت نہ بتاؤں؟ حضرت جویریہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہارا زر کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔ حضرت جویریہ نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسا کرلیا۔ حضرت جویریہ نے بتایا: پس لوگوں نے ایک دوسرے سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کرلیا، تو مسلمانوں کے پاس بنو مصطلق کے جتنے بھی قیدی تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور کہا: یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سسرال کے لوگ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ برکت والی ثابت ہوئی ہو، کیونکہ حضرت جویریہ کے سبب سے مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو (۱۰۰) خاندانوں کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۹۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابوجعفر طحاوی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے اور اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی عورت کے ساتھ بغیر مہر کے بھی نکاح کر سکتے ہیں، جب کہ عام مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے، تو اسی طرح آپ کسی عورت کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے سکتے ہیں اور عام مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۸۰-۳۷۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت جویریہ کے خاندان کے آزاد کردہ قیدیوں کی تعداد

امام واقدی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا یہ مہر مقرر کیا تھا کہ آپ بنو مصطلق کے ہر قیدی کو آزاد کردیں گے اور کہا گیا ہے کہ ان کے چالیس (۴۰) قیدی تھے۔
(مغازی الواقدی ج ۱ ص ۴۰۹) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۳۰۔۲۲۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: امام ابوداؤد اور امام احمد کی روایت میں سو (۱۰۰) قیدیوں کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اور الواقدی کی روایت میں چالیس (۴۰) قیدیوں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور امام ابوداؤد اور امام احمد کی روایت واقدی کی روایت پر راجح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت صفیہ کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دینا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۸۶) کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔ قدماء میں سے سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، طاؤس، زہری اور فقہاء میں سے امام ابو یوسف، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ اس کا آزاد کرنا اس باندی کا مہر ہوگا تو یہ عقد اور آزاد کرنا اور یہ مہر اس ظاہر حدیث کے مطابق صحیح ہے۔

باقی فقہاء نے اس ظاہر حدیث کے درج ذیل جوابات دیئے ہیں:
(۱) اگر اس نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گا تو اس باندی پر واجب ہے کہ وہ اس شخص کو اپنی قیمت ادا کرے جب کہ اس کی قیمت معلوم ہو، پھر وہ اس باندی سے نکاح کر لے۔ اس کی تائید حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے:
عبد العزیز بن صہیب بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو قیدی بنایا اور ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا، پس ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے ان کا کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ان کو آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا تھا۔ اس حدیث کی امام بخاری نے ''کتاب المغازی'' میں روایت کی ہے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نفس کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا، پس پہلی تاویل میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس تاویل میں اور قواعد میں کوئی منافات نہیں ہے حتیٰ کہ اگر باندی کی قیمت مجہول ہو تو تب بھی عقد صحیح ہے، اور دوسروں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت صفیہ کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ علامہ الماوردی الشافعی نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

اگر کسی نے باندی کو نکاح کی شرط پر آزاد کیا اور باندی نے اس کو قبول کر لیا تو باندی پر لازم ہے کہ وہ اپنی قیمت مالک کو ادا کرے

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جس نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گا، باندی نے اس شرط کو قبول کر لیا تو وہ آزاد کر دی جائے گی اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس مالک سے نکاح کرے لیکن اس باندی پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی قیمت مالک کو ادا کرے کیونکہ اس کا مالک بلا معاوضہ اس کو آزاد کرنے پر راضی نہیں تھا تو یہ شرط فاسد کی طرح ہے، پھر اگر وہ راضی ہو گئی اور اس مہر پر عقد کر لیا جو مقرر کیا گیا تھا تو اسے مقررہ مہر ملے گا اور اس باندی پر یہ لازم ہوگا کہ شوہر کو اپنی قیمت ادا کرے۔ امام احمد اور امام ابن حبان شافعی کا یہی قول ہے اور قیاس دوسرے فقہاء کی تائید کرتا ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۴۔۲۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صورت مذکورہ میں فقہاء مذاہب کے اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۸۶) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے آزاد کرنے کی شرط پر نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور اس باندی کے لیے مہر مثل واجب ہوگا، یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور اللیث بن سعد اور ابن شبرمہ اور جابر بن زید اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور امام زفر اور امام مالک کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا: ایسا نکاح کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر کسی مرد نے ایسا کیا تو وہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور اگر مرد نے اس سے نکاح کیا تو اس کے لیے مرد پر مہر مثل واجب ہوگا اور اگر اس باندی نے نکاح سے انکار کیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی قیمت کے برابر مال اپنے مالک کو کما کر دے، اور امام مالک اور امام زفر نے کہا: مالک کو ادا کرنے کے لیے باندی پر کچھ واجب نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ ملخصاً)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی نے بھی ایسے نکاح کو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ نے بھی اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۱۱، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۲۴۳، الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۳۷)

۱۵۔ بَابُ: تَزْوِيجِ الْمُعْسِرِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ (النور: ۳۲)

تنگ دست کا نکاح کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ (النور: ۳۲)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حال میں تنگ دستی نکاح کرنے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو مستقبل میں مال مل جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۸۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابوحازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا: ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دوں۔ حضرت سہل نے کہا: پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پھر نظر اوپر اٹھائی، پھر نظر نیچے کر لی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر جھکا لیا، جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی، پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی حاجت نہیں ہے تو آپ اس

اللهِ ﷺ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَا لَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّدَهَا فَقَالَ تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ

عورت کے ساتھ میرا نکاح کر دیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر جاؤ اور دیکھو شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے، پس وہ مرد گیا، پھر لوٹ آیا تو اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، پس وہ شخص گیا، پھر لوٹ آیا تو اس نے کہا: نہیں: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی نہیں ہے، لیکن میرا یہ تہبند ہے۔ حضرت سہل نے کہا: اس کے بدن کے اوپر کوئی چادر نہیں تھی، پس اس عورت کے لیے اس کا نصف تہبند ہوگا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی، اگر تم نے وہ تہبند باندھ لیا تو اس عورت کے پاس کچھ نہیں ہوگا، اور اگر اس عورت نے وہ تہبند باندھ لیا تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا، پھر وہ مرد بیٹھ گیا، حتیٰ کہ کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا وہ پیٹھ موڑ کر جا رہا تھا تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا، جب وہ آ گیا تو آپ نے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت، فلاں سورت یاد ہے اور ان سورتوں کو گنوایا، آپ نے پوچھا: تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ، میں نے تمہیں اس عورت کا مالک بنا دیا اس سبب سے کہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۳۱۰، ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، الرقم المسلسل: ۳۳۷۶، سنن ترمذی: ۱۱۱۶، سنن نسائی: ۳۳۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، صحیح ابن حبان: ۴۰۹۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۴، شرح السنۃ: ۲۳۰۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، مسند احمد: ۲۲۸۵۰)

حدیث مذکور کے فوائد اور مسائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنگ دست کا نکاح کرنا جائز ہے، اور کفوء کا اعتبار دین میں ہوتا ہے مال میں نہیں ہوتا، پس جب عورت یا اس کا ولی مال کم ہونے کے باوجود نکاح کی اجازت دے دے تو نکاح جائز ہے۔

حدیث میں ہے: تین قسم کے مردوں کی مدد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے: جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، جو گناہ

سے بچنے کے لیے نکاح کرے اور جو مکاتب بدل کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ کرے۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کسی نیک مرد سے نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے تو یہ جائز ہے اور اس میں اس کے لیے کوئی عار نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں اپنے سرپرستوں کو اپنے نکاح کے لیے کہیں اور جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کے مسائل دقیقہ اور نکات لطیفہ اور منگیتر کے چہرہ کو دیکھنے کے متعلق احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مرد خواہ تنگ دست ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے پاس مال لے کر آئیں گی (یعنی مال میں برکت کا سبب بنیں گی)''۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۱۶۱)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا (ازراہ کرم) تین قسم کے مردوں کی مدد کرنے کا حق ہے: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، گناہوں سے بچنے کے لیے نکاح کرنے والا اور وہ مکاتب جو بدل کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو''۔ (سنن ترمذی: ۱۶۵۵، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۔ ۱۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۱)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر نظر نیچے کی، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

(بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۹۸، مختصر المزنی علی ہامش الام ج ۳ ص ۲۵۶، المغنی ج ۸ ص ۴۸۹)

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن علامہ ابن ملقن شافعی نے امام ابوحنیفہ سے تعصب کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی مرد کے دل میں کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۴، مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۶۔ ۲۲۵، شرح معانی الآثار ۴۱۹۳)

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ وہ نکاح کا پیغام دینے کے لیے دیکھ رہا ہو، خواہ عورت کو اس کا علم نہ ہو۔

(شرح معانی الآثار ۴۱۹۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے اور وہ اس پر قادر ہو کہ وہ دیکھے کہ وہ اس کو اچھی لگتی ہے تو وہ ایسا کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۸۲، شرح معانی الآثار: ۴۱۹۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس کی طرف دیکھو کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان دائمی رفاقت کے زیادہ لائق ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۰۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۵، مسند احمد ج

ص ۲۴۴،شرح معانی الآثار:۴۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے انصار کی کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں''۔

(صحیح مسلم:۱۴۲۴،سنن نسائی:۳۲۳۱،مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹۔۲۷۶،شرح معانی الآثار:۴۱۹۶)

امام طحاوی اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو اس کے چہرے کی طرف اس کو دیکھنا جائز ہے اور جو اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہ کرے اس کا عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔یہی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۷۳،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور اگر کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ اس کو شہوت کا خطرہ ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا کہ تم اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان اصلاح اور توفیق کے زیادہ لائق ہے۔

(سنن ترمذی:۱۰۸۷،سنن النسائی:۳۲۳۵،سنن ابن ماجہ:۱۸۶۶)(رد المحتار ج ۹ ص ۴۵۱،دار احیاء التراث العربی،بیروت،۱۴۱۹ھ)

فقہاء احناف کی اس مسئلہ میں اس قدر تصریحات کے باوجود علامہ ابن ملقن شافعی کا فقہاء مذاہب کے بیان میں فقہاء احناف کا ذکر نہ کرنا محض تعصب نہیں تو اور کیا ہے!(سعیدی غفرلہ)

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام اجتہاد کرتے تھے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تنگ دست سے یہ نہیں پوچھا کہ آیا وہ قرشی ہے یا غیر قرشی ہے، بلکہ قرآن مجید کی صرف چند سورتیں یاد ہونے کی وجہ سے اس تنگ دست مرد کا اس عورت سے نکاح کر دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ کفوء میں صرف اسلام کا اعتبار ہے اور نسب اور مال کا اعتبار نہیں ہے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ضروری نہیں ہے کیونکہ آپ نے بغیر خطبہ پڑھے اس مرد کا نکاح کر دیا۔

(۷) اس سے معلوم ہوا کہ جب عورت کا ولی اس کا نکاح کر دے اور وہ عورت اس پر راضی ہو تو وہ نکاح جائز ہے۔

(۸) اس سے معلوم ہوا کہ زبانی قرآن مجید پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس تنگ دست مرد کو قرآن مجید کی چند سورتیں زبانی یاد تھیں۔

(۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لیے حسین و جمیل عورت کو طلب کرنا جائز ہے۔

(۱۰) جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان یا سربراہ ملک اس کا ولی ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولایت سے اس عورت کا نکاح کر دیا۔

(۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر کے تقرر میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو پیشگی مہر دینا چاہیے کیونکہ آپ نے اس تنگ دست مرد سے فرمایا تھا: جاؤ کچھ تلاش کرو۔خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔

(۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انعقاد نکاح کے لیے مہر دینا ضروری ہے۔اگر اس وقت مہر میسر نہ ہو تو بعد میں مہر مثل دینا ہو گا۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۴۲۔۲۳۶،ملخصاً و موضحاً و مخرجاً،وزارۃ الاوقاف،قطر،۱۴۲۹ھ)

تنگ دستی فی الحال نکاح سے مانع نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے اور عنقریب تیس (۳۰) ابواب کے بعد اس کی شرح آئے گی۔ امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں النور: ۳۲ کو ذکر کیا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ تنگ دستی فی الحال نکاح سے مانع نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں اس کو مال حاصل ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۶)
شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں مدینہ کے مسلمانوں کا حال ضعیف تھا اور ان کے پاس مال بہت کم تھا۔

تین دفعہ نکاح میں ایجاب وقبول کرانے کی شرعی حیثیت

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
آج کل نکاح خواں تین دفعہ ایجاب وقبول کراتے ہیں اور اس حدیث میں صرف ایک دفعہ ایجاب وقبول کا ذکر ہے، پس یہی سنت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۸، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)
میں کہتا ہوں کہ سنت تو صرف ایک دفعہ ایجاب وقبول کرانا ہے لیکن نکاح خواں تاکید کے لیے تین دفعہ ایجاب وقبول کراتے ہیں تاکہ اگر کسی نے نہ سنا ہو یا وہ متوجہ نہ ہو تو وہ بھی توجہ کے ساتھ ایجاب وقبول سن لے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۶۔ بَابُ: الْأَكْفَاءِ فِي الدِّينِ — دین میں کفوء کا اعتبار

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿الفرقان: ۵۴﴾

اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے ۝

کفوء کا معنی اور نسب اور صہر کی تعریف

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اکفاء کفوء کی جمع ہے، اس کا معنی مثل اور نظیر ہے اور دین میں کفوء کا اعتبار کرنا اتفاقی ہے، پس مسلمان عورت کا، کافر مرد سے نکاح کرنا اصلاً صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں نسب اور صہر کا لفظ ہے۔ نسب وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور صہر وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح کرنا حلال ہے، پس گویا کہ مصنف نے یہ دیکھا کہ ان ہی دو قسموں میں حصر ہے، ہاں! دلیل سے کافر کو بھی مستثنیٰ کیا گیا ہے یعنی اس سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے صہر کی یہ تعریف صحیح نہیں کی کہ ان سے نکاح حلال ہے کیونکہ مرد کی ساس صہر ہے اور اس سے دائماً نکاح حرام ہے۔ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (النساء: ۲۳) (سعیدی غفرلہ)

کفوء میں صرف دین کا اعتبار ہے یا اس میں نسب بھی معتبر ہے، اس میں فقہاء اسلام کی آراء

امام مالک نے وثوق سے کہا ہے کہ کفوء دین کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف ہے، اور تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی مسلک ہے اور جمہور نے کفوء میں نسب کا بھی اعتبار کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ بعض قریش بعض کے کفوء ہیں اور عرب بھی اسی طرح ہیں اور عرب میں سے کوئی بھی قریش کا کفوء

نہیں ہے جیسا کہ غیر عرب میں سے کوئی عرب کا کفوء نہیں ہے۔ امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے، اور صحیح یہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب دوسروں پر مقدم ہیں، اور ان کے علاوہ ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔

الثوری نے کہا ہے: جب مولیٰ عربی عورت سے نکاح کر دے تو وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ امام احمد کا بھی یہی ایک قول ہے اور امام شافعی کا متوسط قول ہے، انہوں نے کہا کہ غیر کفوء میں نکاح حرام نہیں ہے، پس میں ایسے نکاح کو مسترد کروں گا۔ یہ عورت اور اس کے سرپرستوں کی تقصیر ہے، پس وہ جب غیر کفوء میں نکاح پر راضی ہو گئے اور انہوں نے اپنے حق کو ترک کر دیا تو یہ جائز ہے اور اگر عورت کے اولیاء یا سرپرستوں میں سے ایک بھی غیر کفوء میں نکاح پر راضی نہیں ہوا اور انہوں نے یہ ذکر کیا کہ نکاح میں ولی کی شرط اس لیے ہے تا کہ عورت غیر کفوء میں نکاح کر کے اپنے آپ کو ضائع نہ کرے۔

کفوء میں نسب کا اعتبار کرنے پر بعض احادیث سے استدلال اور اس استدلال کا ضعف

کفوء میں نسب کے اعتبار پر کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور امام بزار نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عرب ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور موالی ایک دوسرے کے کفوء ہیں''۔ سو یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے نسب کے اعتبار پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت واصلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا''۔ الحدیث۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی امام مسلم نے روایت کی ہے لیکن اس سے کفوء میں نسب کے اعتبار پر اعتراض ہے۔

علامہ ابویعلیٰ نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ کفوء میں دین کا اعتبار ہے۔ امام بخاری نے کفوء کے متعلق چار احادیث کی روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الفرقان: ۵۴ کا شان نزول، نسب اور صہر کی مثالیں

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن سیرین نے کہا کہ الفرقان: ۵۴ اس وقت نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی تھے تو وہ آپ کے نسب سے بھی تھے اور آپ کے صہر بھی تھے یعنی داماد، اور کفوء کا معنی مثل اور نظیر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بشر کی دو قسمیں کی ہیں: نسب اور صہر۔ نسب کی مثال ہے جیسے فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ اور صہر وہ عورتیں ہیں جن کی وجہ سے سسرالی رشتہ قائم ہو۔ (میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے صہر کی صحیح تعریف کی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تَبَنَّى سَالِمًا وَأَنْكَحَهُ بِنْتَ أَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَهُوَ مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ كَمَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ان صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، انہوں نے حضرت سالم کو اپنا بیٹا بنا لیا اور ان کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند

تَبَنَّى النَّبِيُّ ﷺ زَيْدًا وَكَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَوَرِثَ مِنْ مِيرَاثِهِ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵) فَرُدُّوا إِلَى آبَائِهِمْ فَمَنْ لَمْ يُعْلَمْ لَهُ أَبٌ كَانَ مَوْلًى وَأَخًا فِي الدِّينِ فَجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ ثُمَّ الْعَامِرِيِّ وَهِيَ امْرَأَةُ أَبِي حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا نَرَى سَالِمًا وَلَدًا وَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا اور حضرت حذیفہ انصار کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے جس طرح نبی ﷺ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنایا تھا اور زمانہ جاہلیت میں جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بناتا تو اس بیٹے کو اس شخص کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور لوگ اس کو اس کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الاحزاب: ۵) منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے، پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہے (تو اس پر گرفت ہو گی) اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربانی کرنے والا ہے○ تو ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں (کے ناموں) کی طرف لوٹا دیا گیا، پس جس کے حقیقی باپ کا علم نہ ہوتا تو وہ دین میں ان کا بھائی اور دوست ہوتا، پس حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی، پھر العامری نبی ﷺ کے پاس آئیں اور یہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ کی بیوی تھیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وہ آیت نازل فرمائی ہے جو آپ کو معلوم ہے۔ پھر بقیہ حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۰۰۰، ۵۰۸۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۱، سنن نسائی: ۳۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۳، مسند الحمیدی: ۲۷۸، مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴، ج ۶ ص ۲۰۱، ج ۶ ص ۲۵۵، ج ۶ ص ۲۶۹، ج ۶ ص ۲۷۰، سنن دارمی: ۲۲۶۲، موطا امام مالک ص ۲/۳۷۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۵۲۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۷۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵۹، صحیح ابن حبان: ۴۲۱۳، المستدرک ج ۳ ص ۲۲۶)

نکاح میں کفوء کا اعتبار کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کفوء میں کون معتبر ہیں۔ امام مالک نے کہا: کفوء کا اعتبار صرف دین میں ہے اور کسی چیز میں نہیں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور یہ جائز ہے کہ عربی اور آزاد شدہ غلام قرشی عورت سے شادی کرے (المدونہ ج ۲ ص ۱۴۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ میں کس مسلمان عورت سے اپنا نکاح کروں اور کس مسلمان سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۷۴۲۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیز اور ابن سیرین سے بھی یہی روایت ہے۔ (کتاب الاشراف لابن المنذر ج ۱ ص ۱۷) اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ تمام قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور تمام عرب ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور کوئی عرب قریش کا کفوء نہیں ہے اور نہ کوئی آزاد کردہ غلام عرب کا کفوء ہے۔ (البدایہ ج ۲ ص ۲۱۸) اور امام شافعی نے کہا کہ غیر کفوء میں نکاح حرام نہیں ہے لیکن میں اس نکاح کو ہر حال میں مسترد کروں گا، یہ لڑکی کے اولیاء کی لڑکی کے ساتھ تقصیر ہے۔ اگر لڑکی خود غیر کفوء میں نکاح کر لے اور لڑکی اور اس کے تمام اولیاء اس نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے کیونکہ یہ ان کا حق تھا جو انہوں نے ترک کر دیا اور اگر لڑکی کے اولیاء میں سے ایک بھی اس نکاح پر راضی نہ ہو تو اسے اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۳) اور بعض نے کہا کہ اگر لڑکی اور اس کے تمام اولیاء غیر کفوء میں نکاح پر راضی ہوں تو پھر بھی یہ نکاح جائز نہیں ہے اور ثوری یہ کہتے تھے کہ جب آزاد شدہ غلام عربی عورت سے نکاح کر لے تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور وہ اس میں سختی کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۳۰)

کفوء میں نسب اور مال کے اعتبار کرنے پر دلائل

امام شافعی وغیرہم نے کہا ہے کہ اگر نسب اور مال میں مماثلت کے بغیر نکاح کیا جائے تو یہ لڑکی کے اولیاء پر باعث عار اور غیرت کا سبب ہوگا اور کفوء کا حق لڑکی اور اس کے اولیاء سے عار کو دور کرنے کے لیے ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور موالی (آزاد شدہ غلام) ایک دوسرے کے کفوء ہیں سوائے جولاہوں اور حجاموں (فصد لگانے والوں) کے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۸۷)

کفوء میں صرف دین کے معتبر ہونے پر دلائل

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے سالم کو بیٹا بنایا جو آزاد شدہ غلام تھے اور ان کا نکاح انہوں نے اپنی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ سے کر دیا اور وہ قریش کی عورتوں کی سردار تھیں اور اسی طرح حضرت ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب بنت عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور وہ عربی تھے اور الاسود بن عبد یغوث کے منہ بولے بیٹے تھے اور ان ہی کی طرف منسوب تھے اور یہ دونوں نکاح غیر نسب میں کیے گئے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح البخاری کے اس باب میں مذکور ہیں، نیز اس باب کی صحیح البخاری کی تیسری حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت سے اس کے مال اور اس کے خاندان اور اس کے حسن و جمال اور اس کی دین داری کی وجہ سے اس سے نکاح کیا جاتا ہے تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم اس کی دین داری سے کامیابی حاصل کرو"۔ اور اس باب کی چوتھی حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان فقیر کے متعلق فرمایا: "یہ تمام روئے زمین کی دولت سے بہتر ہے"۔

علامہ المہلب مالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ کفوء کا مدار دین داری میں مماثلت ہے اگرچہ نسب کی فضیلت ہے اور عرب زمانہ جاہلیت میں نسب کی فضیلت کے اوپر فخر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور صرف تقویٰ اور دین داری کا اعتبار فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

کفوء میں اعتبار نسب کے دلائل کے جوابات

امام شافعی وغیرہ نے کہا: اگر غیر نسب میں نکاح کیا جائے تو لڑکی اور اس کے اولیاء کے لیے باعث عار ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دین داری اور نیکی اور پرہیز گاری کرنے والوں پر عار داخل نہیں ہوتا اور دین داری اور پرہیز گاری کو ہر چیز پر ترجیح ہے اور اگر نسب میں مساوات ہو اور دین داری میں مساوات نہ ہو تب یہ باعث عار ہوگا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح ایک قرشیہ سے ہوا، اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت فاطمہ بنت قیس سے ہوا اور وہ بھی قرشیہ تھیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عزم کیا کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کر دیں (حالانکہ حضرت عمر قرشی تھے اور حضرت سلمان عجمی تھے، سو انہوں نے غیر کفوء میں اپنی بیٹی کے نکاح کا ارادہ کیا۔ سعیدی غفرلہ) تب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حضرت سلمان فارسی سے کہا: آپ کے لیے امیر المومنین نے تواضع کی ہے۔ تب حضرت سلمان نے کہا: وہ میری مثل کے لیے تواضع کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کی بیٹی سے کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اگر غیر کفوء میں اور غیر نسب میں نکاح جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر کبھی ان کے ساتھ اپنی بیٹی کے نکاح کا ارادہ نہ کرتے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اوپر اور اپنے خاندان کے اوپر کبھی عار کو گوارا نہ کرتے۔

اور حنظلہ بن ابی سفیان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں حالانکہ حضرت عبد الرحمن بن عوف قرشی تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے اور یہ غیر کفو اور غیر نسب میں نکاح ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۹۔۱۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی من وعن عبارت نقل کر دی ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۰۔۲۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی اس باب کے عنوان کے غیر متعلق کی ہوئی شرح

حافظ ابن حجر عسقلانی نے (صحیح البخاری: ۵۰۸۸) کا تتمہ ذکر کیا ہے کہ حضرت سہلہ بنت سہیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت سالم کے گھر میں آنے سے میں اپنے شوہر حضرت ابو حذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھتی ہوں، تو آپ نے فرمایا: تم اس کو اپنا دودھ پلا دو، انہوں نے کہا: میں اس کو اپنا دودھ کیسے پلاؤں وہ تو بڑی عمر کا مرد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ بڑی عمر کا مرد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ صرف حضرت سالم کی خصوصیت تھی

ورنہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔الحدیث۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث کی شرح ہم ان شاء اللہ کتاب الرضاع میں کریں گے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۸۔۲۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں کفوء کے مسئلہ پر بالکل بحث نہیں کی۔(سعیدی غفرلہ)
علامہ عینی نے بھی اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی طرح حضرت سالم کو دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے لیکن کفوء کے مسئلہ پر کوئی بحث نہیں کی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۹۔۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نکاح غیر نسب اور غیر کفوء میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

شیخ عبد اللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ کفوء صرف دین میں معتبر ہے کیونکہ تمام لوگ واحد ہیں کیونکہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اسی وجہ سے حضرت ابوحذیفہ نے اپنی بھتیجی کا نکاح حضرت سالم سے کر دیا (ان کی بھتیجی قرشیہ تھیں اور حضرت سالم آزاد شدہ غلام تھے اور یہ غیر نسب اور غیر کفوء میں نکاح ہے۔سعیدی غفرلہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔(حالانکہ حضرت اسامہ غلام زادہ تھے اور حضرت فاطمہ قرشیہ تھیں اور یہ نکاح بھی غیر نسب اور غیر کفوء میں ہے۔سعیدی غفرلہ)
شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حق یہ ہے کہ کفوء کا اعتبار صرف دین میں ہے اور نسب کا کمال کفوء کے لیے ہے لیکن وہ نہ نکاح کی صحت کی شرط ہے اور نہ نکاح کے لزوم کی شرط ہے اور جب غیر نسب میں نکاح ہو جائے تو کسی کے لیے اس نکاح کو فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۴۰، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:
مسئلہ کفوء میں امام احمد کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ کفوء ہونا نکاح کے لیے شرط ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کفوء ہونا نکاح کے لیے شرط نہیں ہے اور اس قول کے متعلق علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:
اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، عمر بن عبد العزیز، عبید بن عمیر، حماد بن ابی سلیمان، ابن سیرین، ابن عون، امام مالک، امام شافعی اور فقہاء احناف کا یہی نظریہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو (الحجرات: ۱۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضرت حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے سالم کو بیٹا بنایا اور ان کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ قرشیہ کا نکاح کر دیا، حالانکہ حضرت سالم ایک انصاری کے آزاد شدہ غلام تھے، اس حدیث کو امام بخاری نے بیان کیا ہے، اور امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس (قرشیہ) کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح کریں اور حضرت زینب بنت جحش اسدیہ کا نکاح آپ نے حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا، حالانکہ وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا: میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم صرف مسلمان سے نکاح کرنا خواہ وہ گورا رومی ہو یا کالا حبشی ہو، نیز کفوء کی وجہ سے عورت، اس کے ولی یا دونوں کے نکاح کرنے کا حق اور اختیار ختم نہیں ہوتا، اس لیے جس طرح عیب سے بری ہونا نکاح میں شرط نہیں ہے، اسی طرح

کفو بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔(المغنی ج ۷ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

۵۰۸۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا لَعَلَّكِ أَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللهِ لَا أَجِدُنِي إِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّي وَاشْتَرِطِي وَقُولِي اللَّهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي وَكَانَتْ تَحْتَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ضباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو ان سے فرمایا: شاید تم حج کا ارادہ کر رہی ہو، انہوں نے عرض: کیا اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو صرف درد میں مبتلاء پاتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم حج کرو اور شرط لگالو، اور تم یہ کہو کہ اے اللہ! میں وہاں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے (درد کی وجہ سے) حج سے روک لے گا، اور حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا حضرت مقداد بن اسود کے نکاح میں تھیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۷، سنن نسائی: ۲۷۶۸، صحیح ابن حبان: ۳۷۷۳)

عذر درپیش ہونے کی وجہ سے احرام کھولنے کی شرط میں فقہاء مذاہب کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا حج میں شرط لگانے کے متعلق اختلاف ہے، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی اجازت دی ہے، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، عروہ، عطاء، علقمہ، شریح اور عبیدہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور محدثین میں سے امام ابن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق نے اس کی اجازت دی ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے بعض اصحاب شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور امام ابوثور نے اس کی اجازت دی ہے۔

شرط لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ حاجی احرام باندھتے وقت یہ کہے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ بِحَجَّةٍ اور حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ لیکن اگر کوئی مانع درپیش ہوا اور میں حج یا قران کرنے پر قادر نہ ہوا تو میں وہیں احرام کھول دوں گا جہاں تو مجھے روک لے گا اور مجھ پر اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

دوسرے علماء نے اس شرط کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شرط باطل ہے۔ یہ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی، الحکم، طاؤس اور سعید بن جبیر کا یہی مسلک ہے، اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک، ثوری اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس شرط سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ اپنے احرام پر قائم رہے حتیٰ کہ وہ اپنے احرام کو پورا کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس شرط کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کافی نہیں ہے اور آپ نے حج میں کوئی شرط نہیں لگائی، پس تم میں سے کسی کو اگر کوئی چیز حج سے روک لے تو وہ بیت اللہ جا کر طواف اور صفا اور مروہ میں سعی کرے اور سر منڈائے یا بال کاٹے تو وہ ہر چیز سے حلال ہو جائے گا حتیٰ کہ وہ اگلے سال حج کرے اور قربانی کرے یا روزے رکھے اگر اس کو قربانی کی استطاعت نہ ہو۔ اور طاؤس اور سعید بن جبیر نے اس شرط کا انکار کیا ہے حالانکہ یہی دونوں اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور زہری نے بھی اس شرط کا انکار کیا ہے حالانکہ انہوں نے اس حدیث کی عروہ سے روایت کی ہے اور یہ

تمام علماء اس شرط کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۵۰-۱۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن کا اس شرط کو احصار پر محمول کرنا

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں، علامہ ابن بطال مالکی کی پوری عبارت نقل کر دی ہے، اور مزید یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ الا حصار صرف عذر مانع کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اور بیماری اور باقی عوارض کی وجہ سے احرام کو کھولنا جائز نہیں ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صرف دشمن کے منع کرنے کی وجہ سے احصار ہوتا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۹)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۵۵۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم یہ کہو کہ میں وہیں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے روک دے گا''۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ محصر کو جس جگہ حج یا عمرہ سے روک دیا جائے وہ وہیں پر ایک اونٹ کو ذبح کر دے خواہ وہ محرم ہو یا احرام کھول چکا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۳-۲۵۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ: جس طرح حج یا عمرہ کرنے سے اگر دشمن مانع ہو تو وہ احصار ہے۔ اسی طرح اگر حج یا عمرہ کرنے سے قرض مانع ہو تو وہ بھی احصار ہے اور اس کی دلیل حدیث مذکور ہے، اور محصر ایک اونٹ ذبح کر کے احرام کھول دے اور جب مانع زائل ہو جائے تو پھر اگلے سال حج یا عمرہ کرے۔ (سعیدی غفرلہ)

غیر کفوء اور غیر نسب میں نکاح کے جواز کی ایک اور دلیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الحج کے ابواب المحصر میں گزر چکی ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب عورت پر حج فرض ہو تو اس پر ضروری نہیں ہے کہ وہ شوہر سے حج کرنے کی اجازت لے اور امام بخاری نے جو اس حدیث کو یہاں وارد کیا ہے اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ حضرت ضباعہ بنت الزبیر بن عبد المطلب الہاشمیہ بنت عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں اور ان کا نکاح زبیر نے حضرت مقداد بن عمرو کندی سے کر دیا جو ان کے نسب سے نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفوء میں نسب میں مساوات ضروری نہیں ہے اور غیر نسب اور غیر کفوء میں نکاح کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضرت مقداد بن اسود، اسود بن عبد یغوث کے حبشی غلام تھے، جن کو اسود بن عبد یغوث نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے حضرت ضباعہ ہاشمیہ کا نکاح ہوا اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ کفوء میں نسب میں مساوات ضروری نہیں اور یہ حدیث غیر نسب اور غیر کفوء میں نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۰، ملخصاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر کفوء میں نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۱، ملخصاً مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ غیر مقلد لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نیک لوگوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ محی السنۃ نے بیان کیا ہے کہ کہ ایک مرد نے حسن بصری سے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے جس سے میں بہت محبت کرتا ہوں اور بہت لوگوں نے اس کے نکاح کا پیغام دیا ہے، آپ بتائیں میں اس کا نکاح کس کے ساتھ کروں؟ تو انہوں نے کہا: اس مرد سے نکاح کرو جو متقی ہو کیونکہ اگر وہ اس کو پسند کرے گا تو اس کی تکریم کرے گا

اور اگر وہ اس کو ناپسند کرے گا تو اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ (عون الباری ج ۵ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

مسئلہ کفوء میں دیو بندی علماء کا مسلک

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ کفاءت صحتِ نکاح کے لیے شرط نہیں، عورت اور اولیاء کی رضامندی سے غیر کفوء میں اگر نکاح ہو جائے تو درست ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک عبارت اسی طرح ہے، اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کفاءت صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۷ ص ۲۶)

امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ صرف دین کے اندر کفاءت کو اختیار کرتے ہیں، نسب وحریت وغیرہ میں کفات کا اعتبار ان کے نزدیک درست نہیں اس لیے انہوں نے اس باب میں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے ایسی روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی لحاظ سے اونچے درجہ کی عورت کا نکاح غیر کفوء میں ہوا ہے، مثلاً پہلی حدیث میں ہے کہ ہند بنت الولید بن ربیعہ کا نکاح حضرت سالم سے ہوا جو انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے، اور ہند بنت الولید قرشیہ تھیں۔ اسی طرح اس باب کی دوسری روایت میں ہے کہ ضباعہ بنت الزبیر حضرت مقداد بن الاسود کے نکاح میں تھیں، حضرت مقداد غیر قرشی تھے جب کہ حضرت ضباعہ قرشیہ تھیں۔ (کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۱۷۲-۱۷۱، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

غیر مقلدین کا مسئلہ کفوء میں موقف

غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہاجرین صحابہ کا انصار کی عورتوں سے نکاح کرنا ثابت کرتا ہے کہ کفاءت صرف دین ہی میں باقی ہے۔ باقی سب کچھ اضافی ثانوی حیثیت ہے اور اگلی حدیث بھی اس بات کی مؤید ہے۔ (ترجمہ وتشریح صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۸۴، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

۵۰۹۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن ابی سعید نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت کے ساتھ نکاح چار خصلتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، پس تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دیندار عورت کے ساتھ کامیابیاں حاصل کرو۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۰، صحیح مسلم: ۱۴۶۶، سنن ابو داؤد: ۲۰۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۸، سنن بیہقی: ۱۳۲۴۴، صحیح ابن حبان: ۴۰۳۶)

مال دار بیوی کے مال سے شوہر کے فائدہ اٹھانے کا جواز

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورت سے نکاح اس کے مال کی وجہ سے کیا جاتا ہے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خاوند بیوی کے مال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ اس قصد سے نکاح کر سکتا ہے۔ اگر بیوی اس کو خوشی سے اپنا مال دے تو وہ اس کے لیے حلال ہے اور اگر وہ اس کو منع کرے تو جتنی رقم اس نے اس کے مہر پر خرچ کی ہے اس کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔

مہر پر عورت کی ملکیت اور اس پر تصرف کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ جب شوہر نے بیوی کو مہر دیا اور بیوی نے اس کو جہیز میں سے کچھ خرچ کرنے سے منع کیا۔ امام مالک نے کہا: عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مہر سے قرض ادا کرے نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جہیز میں سے نکاح کی مصلحت کے علاوہ خرچ کرے مگر یہ کہ مہر بہت زیادہ ہو تو پھر عورت اس میں سے کچھ خرچ کر سکتی ہے۔

امام ابوحنیفہ، ثوری اور امام شافعی نے کہا ہے کہ عورت کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی خواہش کے خلاف کچھ خریدے اور مہر اس کی ملکیت ہے وہ اس میں سے جو چاہے خرچ کرے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر عورت مر جائے اور مہر اسی طرح محفوظ ہو تو اس مہر کا حکم اس عورت کے باقی اموال کی طرح ہے، پھر جب عورت کی وفات کے بعد اس کے مہر کا یہ حکم ہے تو عورت کی زندگی میں بھی اس کے مہر کا یہی حکم ہونا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مرد (عورت کی اجازت سے) عورت کے مال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ورنہ مال دار عورت اور تنگ دست عورت میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور مال دار عورت سے نکاح کی ترغیب کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔

''تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں'' اس جملہ کا معنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں، تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو''۔ اہل لغت کے نزدیک ان الفاظ کی حقیقت مراد نہیں ہوتی، اور کسی کے ہاتھ خاک آلودہ جب ہوتے ہیں جب وہ فقیر ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف فقر کی دعا نہیں کی بلکہ اس کو برانگیختہ کرنے کے لیے فرمایا ہے، علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے، اس جملہ سے وقوع کا ارادہ نہیں کیا جاتا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۵۱۔۱۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح ہو بہو نقل کی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۵۔۲۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

حسب کا لغوی اور عرفی معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: عورت سے اس کے مال اور حسب کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ حسب کا معنی ہے: عورت کا شرف اور حسب کا معنی اصل میں باپ، دادا اور رشتہ داروں کے فضائل ہیں۔ اور یہ لفظ حساب سے ماخوذ ہے کیونکہ عرب جب فخر کرتے تھے تو اپنے مناقب اور اپنے آباء و اجداد اور اپنی قوم کے فضائل بیان کرتے تھے اور ان کو گنتے تھے اور جس کے فضائل زیادہ ہوتے اس کو دوسروں پر ترجیح دی جاتی تھی۔

امام سعید بن منصور نے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کی ہے: ”عورت سے اس کے دین، اس کے مال، اس کے حسب اور اس کے نسب کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے“۔ اور یہاں پر نسب کا ذکر بہ طور تاکید ہے اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو مرد شریف اور عمدہ نسب کا ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ عمدہ نسب کی عورت سے نکاح کرے لیکن اگر عمدہ نسب کی عورت کی دین داری میں کمی ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں دین دار عورت کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح باقی صفات کے مقابلہ میں بھی دین داری کو ترجیح ہے۔

کفوء میں مال کا اعتبار کرنے کی توجیہ

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حسب مال ہے اور کرم تقویٰ ہے“۔ اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے اور حاکم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور جو فقہاء کفوء میں مال کی مساوات کا اعتبار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور اس حدیث کی وضاحت اسی باب کی دوسری حدیث میں آ رہی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: نکاح کے لیے فریقین میں مال کی مساوات مستحسن ہے اور اس حدیث کا یہی محمل ہے، لیکن مال میں مساوات صحت نکاح کی شرط نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مال دار عورتوں کا تنگ دست صحابہ سے نکاح کر دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

کفوء کے متعلق احادیث مرویہ پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تلویح میں مذکور ہے کہ بعض علماء نے کفوء کے ثبوت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں مگر جولاہا اور حجام (فصد لگانے والا) ان کا کفوء نہیں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور حدیث مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں، قبیلہ قبیلہ کا کفوء ہے اور مرد، مرد کا کفوء ہے اور موالی بھی ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔ قبیلہ، قبیلہ کا کفوء ہے، مرد مرد کا کفوء ہے مگر جولاہا اور حجام“۔ صاحب التنقیح نے کہا: یہ حدیث منقطع ہے، حافظ ابن عبدالبر نے کہا: یہ حدیث منکر موضوع ہے، امام ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیث عمران بن ابی الفضل سے مروی ہے اور وہ موضوعات کی روایت کرتا ہے، اس کی حدیث کو کتب حدیث میں لکھنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اعتبار کفوء کی اکثر احادیث حجت نہیں ہیں، ان میں عمدہ حدیث یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا: جب نماز کا وقت آ جائے (تو نماز پڑھنے میں) اور جب جنازہ آ جائے (تو نماز جنازہ پڑھنے میں) اور جب بے نکاح عورت کا کفوء مل جائے (تو اس کا نکاح کرنے میں) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے، اور حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۳۔ ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عورت کے حسب، اس کے جمال اور اس کے دین کا معنی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عورت کے حسب کا ذکر ہے، اور حسب سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنی قوم میں معزز ہو اور اس کا قبیلہ بھی معزز ہو اور جمال کا معنی واضح ہے اور دین سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ ''مومنین میں سے اس کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ عمدہ ہوں''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۶۲، امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحیح ابن حبان: ۴۱۷۶) (شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۴۴۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۹۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا قَالُوا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ يُسْتَمَعَ قَالَ ثُمَّ سَكَتَ فَمَرَّ رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا قَالُوا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْتَمَعَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک مرد گزرا، آپ نے پوچھا: تم اس مرد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے کہا: یہ مرد اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات سنی جائے۔ حضرت سہل نے کہا: پھر آپ خاموش ہو گئے، پھر ایک دوسرا مرد فقراء مسلمین میں سے گزرا، تو آپ نے پوچھا: تم اس مرد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے کہا: یہ مرد اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ قبول کی جائے اور اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تنہا یہ شخص تمام روئے زمین کے بھرے ہوئے مال و دولت سے بہتر ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۱، ۶۴۴۷، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۶، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۶۹)

ہر فقیر کا ہر غنی سے افضل نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس فقیر مذکور کی غنی مذکور پر فضیلت کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر فقیر ہر غنی پر افضل ہے اور شاید رسول اللہ ﷺ کو اس فقیر کی افضلیت وحی سے معلوم ہو گئی تھی۔ اس حدیث کی مفصل شرح ان شاء اللہ کتاب الرقاق کے فضل الفقر کے باب میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔ غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی مختصر شرح کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری کی اس حدیث کو وارد کرنے سے غرض یہ ہے کہ اگر فقیر مسلمان کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام قبول کر لینا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفوء میں صرف اسلام کا اعتبار ہے مال اور حسب ونسب کا اعتبار نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرنے والے دو مردوں کا تعارف

اس حدیث میں مذکور ہے کہ فقرآء مسلمین میں سے ایک مرد گزرا: حافظ ابو عمرو ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس مرد کا نام جعال بن سراقہ تھا اور اس کو جعیل بن سراقہ الضمیر الثعلبی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مرد فقرآء مسلمین سے تھے، یہ نیک مرد تھے اور قدیم الاسلام تھے، البتہ خوش شکل نہیں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک تھے۔

علامہ کرمانی نے کہا کہ اگر پہلا شخص کافر تھا تو اس کی توجیہ ظاہر ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا حال وحی سے معلوم ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ پہلا شخص مسلمانوں کے معزز لوگوں میں سے تھا جیسا کہ کتاب الرقاق میں اس کی تفصیل آئے گی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٥٩)

علامہ عینی کا علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ عینی ان دونوں شارحین پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ کرمانی کا کلام اس لیے غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پہلے مرد کا حال وحی سے معلوم نہیں ہوا کیونکہ وہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزر رہا تھا اور آپ نے مشاہدہ کر کے جان لیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اپنی قوم میں معزز شخص تھا اور دوسرا شخص جو گزر رہا تھا وہ حضرت جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ تھے اور وہ آپ کے نیک اصحاب میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین میں سے تھے۔

اور حافظ ابن حجر نے پہلے مرد کا حال لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے معزز لوگوں میں سے تھے اور دوسرے مرد کا حال نہیں لکھا۔
(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٢٤۔ ١٢٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح

بعض کم سواد اور کم فہم متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ فاطمی سادات لڑکیوں کا نکاح غیر فاطمی مردوں سے کرنا ناجائز اور حرام ہے اور اس کے مرتکب کافر ہیں، اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی اولاد، اولاد الزنا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ہم اس قول سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور درج ذیل سطور میں مستند حوالوں کے ساتھ یہ تصریحات پیش کر رہے ہیں کہ فاطمی لڑکیوں کا نکاح غیر فاطمیہ مردوں کے ساتھ عہد صحابہ اور عہد تابعین میں ہوتا رہا ہے اور اس کے جواز اور استحسان پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ اپنی سند کے ساتھ ثعلبہ ابن ابی مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں کچھ چادریں تقسیم کیں، پس ایک نئی چادر بچ گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے کسی نے کہا: یہ چادر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صاحب زادی کو دے دیں جو آپ کے نکاح میں ہیں۔ ان کی مراد حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما تھیں، تب حضرت عمر نے فرمایا: حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ (صحیح البخاری: ٢٨٨١، امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں)

اس نکاح کے متعلق شارحین بخاری اور مورخین اسلام کی تصریحات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے نکاح کا پیغام دیا۔ مولیٰ علی نے فرمایا: میں اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اگر آپ نے اسے راضی کر لیا تو میں اس کا نکاح آپ سے کردوں گا، پھر مولیٰ علی نے حضرت ام کلثوم کو حضرت عمر کے پاس ایک چادر دے کر بھیجا اور ان سے فرمایا: تم ان سے یہ کہنا کہ یہ وہ چادر ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے کہا تھا۔ حضرت ام کلثوم نے حضرت عمر سے اسی طرح کہا، حضرت عمر نے ان سے کہا: آپ حضرت علی سے کہیں کہ میں راضی ہو گیا آپ سے اللہ راضی ہو تو حضرت علی نے بتایا کہ حضرت عمر تمہارے شوہر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲۸۸۱) اس روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۳۶۔ ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تھا جن کی والدہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں، اس وجہ سے حضرت عمر کے ہم نشینوں نے کہا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ وہ آپ کی حیات میں پیدا ہوئی تھیں اور وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۸۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نکاح اور نسب اور سسرال کا رشتہ منقطع ہو جائے گا سوا میرے نکاح، نسب اور سسرال کے رشتہ کے۔ اور میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب اور نکاح کا رشتہ تو تھا مگر میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ سسرال کا رشتہ بھی جوڑ لوں تو مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی، اور حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر کا ایک بیٹا زید بن عمر اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئیں۔ (اسد الغابہ ج ۷ ص ۳۸۷۔ ۳۷۷، ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یہ قصہ درج ذیل کتب میں بھی بعض میں اختصار کے ساتھ اور بعض میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے:

(سنن ترمذی: ۱۹۳۸، الاصابہ: ۱۲۲۳۷، الاستیعاب: ۳۶۶۴، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۶۳، تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۳۶۵، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۵۳۷)

اس نکاح کے متعلق دیگر اکابر اسلام کی تصریحات

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی متوفی ۱۳۵۶ھ فرماتے ہیں:

ام کلثوم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں لائے، ان سے ایک صاحب زادہ زید نام کا متولد ہوا۔

(تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (مترجم) ص ۱۵۲، گولڑا شریف، ۱۴۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے بھی اس نکاح کو بیان کیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۹۹، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد)

حدیث، تاریخ اور اکابر علماء کرام کی ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی منکر اور ہٹ دھرم اس نکاح کا انکار کرتا ہے تو اس کی بات کو کون سنتا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین اور حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین کا غیر فاطمی جوانوں سے نکاح

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین کا نکاح حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے ہوا، پھر ان کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

اور حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا، ان سے قرین پیدا ہوئے اور ان کی نسل چلی، پھر حضرت سکینہ کا نکاح اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوا، انہوں نے دخول سے پہلے آپ کو طلاق دے دی، پھر آپ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، انہوں نے سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے آپ کو طلاق دے دی اور ہشام کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ یہ ابوالیقظان کا قول ہے۔ اور ہیثم بن عدی نے بیان کیا ہے کہ سیدہ سکینہ کا نکاح عمرو بن حکیم بن حزام سے ہوا، اس کے بعد آپ کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، اور ابن الکلبی نے کہا کہ حضرت سکینہ کے پہلے شوہر اصبغ بن عبدالعزیز تھے جو عمر بن عبدالعزیز کے بھائی تھے، وہ مصر میں آپ کو دیکھنے سے پہلے فوت ہو گئے، اس کے بعد آپ کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، پھر اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، پھر آپ کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام سے ہوا، ان سے عثمان پیدا ہوئے جن کو قرین کہتے ہیں اور مصعب سے آپ کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے ہوا جو ابراہیم بن سعد فقیہ کے دادا تھے۔

(المعارف ص ۹۴۔۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۰۳ھ لکھتے ہیں: حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا نکاح ان کے عم زاد حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ ان سے عبداللہ، ابراہیم، حسن اور زینب پیدا ہوئے، پھر وہ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ بنت حسین کے حکم سے ان کے صاحب زادے عبداللہ بن حسن نے ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہم سے کر دیا تھا اور ان سے قاسم اور محمد پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۳۷۴، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی ذکر کیا ہے کہ: حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا دوسرا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۴۳، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ)

نیز امام محمد سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما سے سب سے پہلے حضرت مصعب بن زبیر نے عقد کیا، ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں، پھر وہ شہید ہو گئے تو ان کا عقد عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے عثمان قرین حکیم اور ربیحہ پیدا ہوئے، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان کی وفات کے بعد سیدہ سکینہ کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری سے ہوا، یہ نکاح سیدہ سکینہ نے از خود کیا تھا۔ وہ تین ماہ ان کے ساتھ رہیں، پھر ہشام بن عبدالملک نے مدینہ کے والی کو حکم دیا کہ ان میں تفریق کر دی جائے۔ (کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی) سو ان میں تفریق کر دی گئی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۷۵، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

علامہ شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے بھی سیدہ سکینہ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب کے نکاحوں کی مذکورہ

الصدر تفصیل بیان کی ہے۔(وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۶۸، منشورات الشریف، قم ایران)

حضرت حسن بن حسن کی صاحب زادیوں کا غیر فاطمی جوانوں سے نکاح

ان کے علاوہ حضرت حسن بن حسن کی صاحب زادیوں کا نکاح بھی غیر فاطمی جوانوں سے ہوا اور حضرت علی بن حسین بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہم کی صاحب زادیوں کا نکاح بھی غیر فاطمی جوانوں سے ہوا۔اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

(جمہرۃ انساب العرب ج ۲ ص ۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ)

فاطمی سیدات کے غیر فاطمی جوانوں کے ساتھ نکاح کو حرام کہنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ

مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی نے اپنی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح کیا اور حضرت سیدہ فاطمہ بنت الحسین بن علی رضی اللہ عنہم اور حضرت سیدہ سکینہ بنت الحسین بن علی رضی اللہ عنہم کا نکاح بھی غیر فاطمی جوانوں سے ہوا اور حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی چار صاحبزادیوں کا اور حضرت علی بن حسین بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہم کی پانچ صاحب زادیوں کا نکاح غیر فاطمی جوانوں سے ہوا، تو جو لوگ فاطمی سیدہ کا نکاح غیر فاطمی مرد سے ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور ان کی اولاد کو اولاد الزنا قرار دیتے ہیں وہ لوگ بتائیں کہ ان مکرم سید زادیوں کے طیب نکاحوں کو ناجائز اور حرام کہنا اور ان کی اولاد کو اولاد الزنا قرار دینا ان مقدس خواتین اور بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کس قدر بے ادبی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنے اس قول سے کس قدر ایذاء پہنچائی ہے۔

سیدہ کے غیر سید سے نکاح کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا موقف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ پٹھان کے لڑکے اور سید کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: سائل مظہر کی لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ ہے، دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں، جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلاً کوئی شبہ نہیں کما نص فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار۔(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۸۷، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ آیا عجمی عالم سیدہ کا کفوء ہے یا نہیں۔اعلحضرت نے جواب لکھا: ہاں! دین دار عالم سیدہ کا کفوء ہے کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے زیادہ ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۹۱ ملخصاً، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت سے حسب ذیل سوالات کیے گئے:

(۱) ایک عورت ہے جو نسبی سیدہ ہے، اس سے کسی شخص نے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو شخص مذکور کافر ہوا یا نہیں؟

جواب: حاشاللہ اسے کفر سے کیا علاقہ، کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہیے کہ بلا وجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں۔امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی صاحب زادی حضرت ام کلثوم کو کہ بطن پاک حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے تھیں، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر پیدا ہوئے اور امیر المومنین حضرت عمر نسباً سادات سے نہیں۔

(۲) عورت بالغہ جو نسباً سیدہ ہے باکرہ ہو یا مطلقہ کسی شخص جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: سیدہ، عاقلہ، بالغہ، اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفوء سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگر چہ سید نہ ہو، مثلاً شیخ، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی یا عباسی اور اگر غیر کفوء سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسا کہ کسی شیخ، انصاری، مغل یا پٹھان سے مگر جب کہ وہ معزز عالم دین ہو (تو نکاح ہو جائے گا)۔

(۳) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی تو وہ نسباً سید کہلائے گی یا نہیں؟

جواب: جب باپ سید نہ ہو تو اولاد سید نہیں ہو سکتی اگر چہ ماں سیدانی ہو۔ واللہ تعالیٰ علم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۹۹ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد)

مسئلہ کفو کی تحقیق میں حرف آخر

ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۱۰۵۔ ۱۰۲۳، میں مسئلہ غیر کفوء میں نکاح کے جواز کو بہت تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں نعمۃ الباری میں اس کے ثبوت میں بہ کثرت احادیث، تاریخی روایات اور مسلم اکابر اسلام کی تصریحات ذکر کی ہیں اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو قبول فرمائے اور نفع آور بنائے اور موافقین کے لیے وجہ استقامت بنائے اور منکرین اور مانعین کو ہدایت عطا فرمائے۔ وما ذالك علی الله بعزیز۔ میں نے اس تحقیق کی تحریر میں جو قلم کی سیاہی خرچ کی ہے میرے گناہ اس سے بہت زیادہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ازراہ کرم یہی طریقہ ہے کہ گناہ اگر چہ سمندروں کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل سے نیکی کے ایک قطرہ سے ان تمام گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔ سو اللہ العالمین! آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیں اور اپنے فضل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مجھے قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، حشر کے عذاب اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون رکھیں اور مجھے جنت الفردوس عطا فرمائیں اور میں اپنے والدین، اساتذہ اور احباب اور نعمۃ الباری کے معاونین اور قارئین کے لیے بھی یہی دعا کرتا ہوں۔ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبك سیدنا محمد وعلی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته من المفسرین والمحدثین والفقهاء المجتهدین والمفتین والعلماء العاملین الی یوم الدین۔

۱۷۔ بَابُ: الْأَكْفَاءِ فِي الْمَالِ وَتَزْوِيجِ الْمُقِلِّ الْمُثْرِيَةَ

کفوء میں مال کا اعتبار کرنا اور تنگ دست کا مال دار عورت سے نکاح کرنا

۵۰۹۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضی الله عنها ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى﴾ (النساء: ۳) قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي هٰذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا وَيُرِيدُ أَنْ يَنْتَقِصَ صَدَاقَهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ قَالَتْ وَاسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى (النساء: ۳) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے میرے بھانجے! یہ یتیم لڑکی اپنے ولی کے زیر پرورش ہوتی تھی، وہ اس کے حسن و جمال اور مال میں رغبت رکھتا تھا اور چا

بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ (النساء:۱۲۷) فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَهُمْ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا وَنَسَبِهَا وَسُنَّتِهَا فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبَةً عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَأَخَذُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا الْأَوْفَى فِي الصَّدَاقِ۔

چاہتا تھا کہ اس کا مہر کم رکھے تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو منع کر دیا گیا سوائے اس کے کہ ان کا مکمل مہر دیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ان کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کریں۔ حضرت عائشہ نے بیان کیا: اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (النساء:۱۲۷) اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے: اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے اور وہ احکام بھی جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا تم وہ حق انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ حکم نازل کیا کہ جب یتیم لڑکی خوبصورت اور مال دار ہو اور اس کے ولی اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھیں تو وہ اس لڑکی کا مکمل مہر دیں۔ اور جب وہ اس لڑکی کے مال میں کمی اور حسن میں کمی کی وجہ سے اس سے اعراض کریں تو وہ اس یتیم لڑکی کو چھوڑ دیں اور اس کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: جب وہ اس سے اعراض کر کے اس کو چھوڑ دیں تو پھر ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں رغبت کر کے اس سے نکاح کریں مگر اس صورت میں جب ان کے ساتھ انصاف کریں اور مہر میں ان کا پورا حق ادا کریں۔

اس حدیث کی شرح میں صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۶)

اَلْمُثْرِیَه کا معنی اور اس حدیث کی روایت سے امام بخاری کی غرض

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے عنوان میں المثر یہ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مال دار عورت۔

امام بخاری کی اس حدیث کو روایت کرنے سے غرض یہ ہے کہ ایک تنگ دست کی کوئی مال دار عورت رشتہ دار ہوتی ہے تو اگر وہ اس کا پورا مہر ادا کرے تو اس کا اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مال میں کفوء ہونا دین میں کفوء ہونے کے تابع ہے، اور اگر یتیم لڑکی کا ولی اس سے نکاح کا ارادہ کرے اور اس کا مال یتیم لڑکی کے مال سے کم ہو اور وہ نیک مرد ہو اور وہ اس لڑکی کے ساتھ انصاف کر کے اس کو پورا مہر دے تب بھی اس ولی کا لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سلطان کی اجازت کے بغیر یتیم لڑکی کا نکاح کرنے میں فقہاء مذاہب کی آراء

حضرت عائشہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کا اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے خواہ سلطان نے اجازت نہ دی ہو، فقہاء میں سے حسن بصری، ربیعہ، امام مالک، لیث، الاوزاعی، الثوری اور امام ابوحنیفہ، ابوالثور اور ابن حزم نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور امام زفر اور امام شافعی نے کہا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر ولی کا اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی شرط ولایت ہے، اور امام مالک کے نزدیک دخول سے پہلے اور دخول کے بعد یہ نکاح منسوخ کر دیا جائے گا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۶۰۔۲۵۹، عیون المجالس ج ۳ ص ۱۰۶۹۔۱۰۶۸، المحلیٰ ج ۹ ص ۴۷۳۔۴۷۴)

نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے میں ولی کا حق

اور امام ابوحنیفہ نے النساء: ۳ اور النساء: ۱۲۷، کی تفسیر میں کہا ہے کہ یتیمہ اس لڑکی کو کہتے ہیں جو نابالغہ ہو اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کا ولی اس کے بالغہ ہونے سے پہلے ہی اس کا نکاح کر سکتا ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے مگر یہ مشہور نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو اس کا نکاح کر سکتا ہے۔
(احکام القرآن للجصاص الحنفی ج ۲ ص ۷۸۔۷۷، احکام القرآن لابن العربی المالکی ج ۱ ص ۴۰۶۔۴۰۵، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۶۵۔۲۶۱ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۱ھ)

تنگ دست مرد کا مال دار عورت سے نکاح کرنے کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
کفوء میں مال کا اعتبار کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کفوء میں مال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی سے یہ بھی منقول ہے کہ کفوء میں، دین، مال اور نسب معتبر ہے فقہاء کی ایک جماعت نے اور الماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور یہ اختلاف دیہاتی کے ساتھ مخصوص ہے جو مال کی بجائے نسب میں فرق کرتے ہیں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست مرد مال دار عورت سے نکاح کر سکتا ہے جب وہ عورت اور اس کا ولی اس نکاح پر راضی ہوں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ولی یتیم لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اوائل نکاح میں اس پر بحث گزر چکی ہے اور عنقریب اس کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۴)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کفوء میں مال معتبر ہے یا نہیں۔ فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زیادہ مشہور یہ ہے کہ کفوء میں مال کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور شیخ خلیل مالکی نے کہا کہ مال دار لڑکی کا باپ تنگ دست مرد سے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔
(مختصر خلیل ج ۱۱۷) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۷۹۔۳۷۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ تنگ دست مال دار عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: مَا يُتَّقَى مِنْ شُؤْمِ الْمَرْأَةِ إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

عورت کی نحوست سے بچنے کا حکم اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں۔ (التغابن: ۱۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: شوم کا معنی ہے: منحوس اور یہ مبارک کی ضد ہے اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ بعض عورتیں نامبارک ہوتی ہیں جیسا کہ من تبعیضیہ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۹۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ وَسَالِمٍ ابْنَيْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حمزۃ و سالم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحوست عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲۰۹۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری ۲۰۹۹، ۳۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۷۵۲، ۵۷۷۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۲، سنن نسائی: ۳۵۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۵)

۵۰۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَسْقَلَانِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرُوا الشُّؤْمَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں، ہمیں محمد بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن محمد العسقلانی نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نحوست کا ذکر کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نحوست کسی چیز میں ہے تو وہ گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲۰۹۹ میں گزر چکی ہے۔ اس کی تخریج حسب سابق ہے۔

۵۰۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں (نحوست) ہو تو وہ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں ہے۔

اس حدیث کی شرح ۲۸۵۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۵، مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۹۷۲، رقم: ۱۷۴۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۸، رقم: ۲۹۱۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۴)

۵۰۹۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ النَّهْدِيَّ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان التیمی، انہوں نے کہا: میں نے ابوعثمان النہدی سے سنا از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے بڑا مضر فتنہ نہیں چھوڑا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح بخاری: ۵۰۹۶، صحیح مسلم: ۲۷۴۱، سنن ترمذی: ۲۷۸۰، سنن نسائی: ۹۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۸، مسند احمد ۲۱۷۴۶، صحیح ابن حبان: ۵۹۶۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۴۱۵، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۶۰۸، مسند الحمیدی: ۵۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۰۵، مسند البزار: ۲۵۵۱، السنن الکبری للنسائی: ۹۱۵۳، مسند ابو یعلیٰ: ۹۷۲، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۴۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۱، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۲۹، شرح السنۃ: ۲۲۴۳، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۲۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۰، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید اور احادیث سے عورت کے نقصان دہ فتنہ ہونے کا بیان

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث: ۵۰۹۶، میں مذکور ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

اس حدیث کی تائید درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ۔ لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے۔ (آل عمران: ۱۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۵۴۱)

ربیع الابرار میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بری عورتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور نیک عورتوں سے محتاط رہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ابلیس ملا۔ وہ بازار میں پانچ سرخ کپڑوں کی گٹھڑیاں لے کر پھر رہا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: میں خریدنے والی عورتوں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ الحدیث۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''عورتوں کے اوپر پورا پورا شر ہے'' اور ان سے بہت کم استغناء ہوسکتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: ان کا فتنہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب شام کے کپڑے اور عراق کے حلے اور یمن کے کپڑے پہنیں جائیں اور عورتیں بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح مٹک مٹک کر چلیں تو وہ تنگ دست مردوں کو ایسی چیزیں لانے کا مکلف کرتی ہیں جو ان کے پاس نہیں ہوتیں۔ (کتاب الزہد لابن المبارک: ۸۷۵) امام ابونعیم نے اس حدیث کی حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے۔

اس باب کی احادیث کے دوسری احادیث سے تعارض کا جواب

صحیح البخاری: ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۰۹۵، میں مذکور ہے کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے۔ ان احادیث پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نحوست اور بد فالی نکالنے سے منع فرمایا ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''بد فالی نکالنا شرک ہے''۔ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے: اور ہم میں سے ہر شخص بد فالی نکالتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بد فالی کے سبب سے توکل کو اٹھا لیتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۶۱۴)

عروہ بن عامر بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی ناپسندیدہ فال دیکھو تو کہو: اے اللہ! نیکیوں کو تو ہی لاتا ہے اور برائیوں کو تو ہی دفع کرتا ہے اور گناہوں سے پھرنے اور نیکیوں کو کرنے کی طاقت تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۲۱)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں بد فالی ہو سکتی ہے تو وہ عورت میں ہے، سواری میں ہے اور گھر میں ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۳۱۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۳۶۸) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۶۷-۲۶۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بہ کثرت احادیث سے عورت، گھر اور سواری کی نحوست کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث کی تفسیر درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے: امام احمد اور امام ابن حبان اور حاکم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت تین چیزوں میں ہے: نیک بیوی، آرام دہ گھر اور آرام دہ سواری۔ اور ابن آدم کی شقاوت تین چیزوں میں ہے: بری بیوی، برا گھر اور بری سواری۔ اور حاکم کی روایت میں ہے: تین چیزوں میں شقاوت ہے: ایسی عورت جو تم کو بری دکھائی دے اور اس کی زبان دراز ہو اور ایسی سواری کہ اگر تم اس کو مارو تو وہ تم کو تھکا دے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو تو وہ تم کو تمہارے اصحاب کے ساتھ نہ ملائے (یعنی سستی سے چلے) اور ایسا گھر جو بہت تنگ ہو اور اس میں سہولت کی چیزیں نہ ہوں۔ اور امام طبرانی نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ دنیا میں مرد کی شقاوت برا گھر، بری عورت اور بری سواری ہے اور برا گھر وہ ہے جس کا صحن تنگ ہو اور اس کے پڑوسی بد کردار ہوں، اور بری سواری وہ ہے جس کی پشت پر سوار ہونا مشکل ہو اور بری عورت وہ ہے جو بانجھ ہو اور بد مزاج ہو۔

عورتوں کے نقصان دہ فتنہ کا بیان

عورتوں کا نقصان دہ فتنہ یہ ہے کہ عورت اپنے بیٹے کو زیادہ حصہ دلاتی ہے اور اپنے شوہر کے دوسرے بیٹوں کو اتنا حصہ نہیں دلاتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنی بیوی کے کہنے سے اس کے بیٹے (یعنی حضرت نعمان بن بشیر) کو ایک باغ ہبہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر گواہ بنانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا''۔ اس حدیث کی امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ عورتوں کا نقصان دہ فتنہ یہ ہے کہ وہ ناقصۃ العقل والدین ہونے کے باوجود مردوں کو ایسے کاموں پر مجبور کرتی ہیں، جن کاموں میں ان کی عقل اور دین کا نقصان ہوتا ہے، مثلاً وہ مردوں کو دنیا کمانے پر برانگیختہ کرتی ہیں جس کی وجہ سے وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے غافل ہو جاتے ہیں اور آمدنی کے ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر

عورتوں کا فتنہ اور فساد کیا ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے جس میں ہے، عورتوں سے ڈرو کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے آیا تھا۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٦١، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ نے ان احادیث کی شرح میں اس شرح کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٢٦)

عورت، گھر اور گھوڑے کی نحوست

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ١٣١٨ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ باجی نے لکھا ہے کہ گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس گھر میں رہنے والے کا مال اور اس کی اولاد کم ہو اور بیوی کی نحوست یہ ہے کہ اس سے اولاد پیدا نہ ہو۔ (المنتقی ج ٩ ص ٤٥١)

شیخ زروق نے کہا ہے کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ بد مزاج ہو اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس میں رہنے کی جگہ تنگ ہو اور اچھا بنا ہوا نہ ہو۔

(شرح زروق ج ٢ ص ٤١٢) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ١١ ص ٣٨٠، مکتبۃ الرشد، ریاض، ١٤٣٠ھ)

احادیث مذکورہ پر ایک اعتراض کا جواب

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ١٤٢١ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے ان احادیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عورتیں اپنے خاوند کے لیے مبارک ہوتی ہیں، اس کی نیکی اور تقویٰ پر مدد کرتی ہیں اور اس کی اولاد کی اچھی تربیت کرتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: ہر عورت میں ضرور یہ نحوست موجود ہوتی ہے بلکہ ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ بعض عورتوں، بعض گھروں اور بعض سواریوں میں یہ نحوست ہوتی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ٤ ص ٤٤٧، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

١٩۔ بَابٌ: الْحُرَّةِ تَحْتَ الْعَبْدِ

٥٠٩٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ عَتَقَتْ فَخُيِّرَتْ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبُرْمَةٌ عَلَى النَّارِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدْمٌ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ الْبُرْمَةَ فَقِيلَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

غلام کے نکاح میں آزاد عورت

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میں تین سنتیں تھیں ان کو آزاد کیا تو انہیں اپنے خاوند کے نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت دیگچی آگ پر رکھی ہوئی تھی، آپ کے پاس روٹی اور گھر کے سالن میں سے کوئی سالن لایا گیا، آپ نے فرمایا: کیا میں دیگچی کو نہیں دیکھ رہا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ

پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے تو آپ نے فرمایا: یہ
اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۶ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ابوداؤد ۳۹۲۹، سنن ترمذی: ۲۱۳۱، سنن نسائی: ۴۶۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۲۱، السنن الکبریٰ: ۴۰۴۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۶۶۱۱، المعجم الاوسط: ۳۷۷۵، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۳۳۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۳)

حدیث مذکور کی امام بخاری کے عنوان کے ساتھ عدم مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ آزاد عورت غلام کے عقد میں آسکتی ہے جب کہ وہ عورت اس عقد پر راضی ہو اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس وجہ سے ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے۔

التلویح میں مذکور ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے یا آزاد تھے اور اس سلسلہ میں احادیث متعارض ہیں۔ بعض احادیث میں مذکور ہے: وہ آزاد تھے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ وہ غلام تھے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ وہ غلام تھے کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ راجح یہ ہے کہ وہ آزاد تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے عنوان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام ہوں اور دو اقوال میں سے کسی ایک قول کے اوپر ترجیح نہیں ہے اس لیے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے۔

جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اس کو خیار عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شعبی، نخعی، ثوری، محمد بن سیرین، طاؤس، مجاہد، حماد بن ابی سلیمان اور حسن بن مسلم، ابوقلابہ، ایوب السختیانی، حسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ جب کسی باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو سابق نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اہل الظاہر کا بھی یہی مذہب ہے اور عطاء بن ابی رباح اور سعید بن المسیب اور حسن بصری، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، زہری، لیث بن سعد، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ اگر اس کا خاوند غلام ہو تو اس کو نکاح سابق میں برقرار رہنے کا اختیار ہوگا اور اگر اس کا خاوند آزاد ہو تو پھر اس کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

حضرت بریرہ کے شوہر کے آزاد یا غلام ہونے کے متعلق مختلف متضاد روایات

فقہاء اور محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آیا آزاد تھے یا غلام؟ سو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ نے از اسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان کا شوہر آزاد تھا اور اس طرح امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ اور امام طحاوی، امام مسلم، امام ابوداؤد نے بھی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان کا شوہر غلام تھا۔ اور امام مسلم نے بھی از عبدالرحمٰن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان کا شوہر غلام تھا اور اسی طرح امام نسائی نے روایت کی ہے، اور امام بخاری نے کتاب الطلاق میں از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا

شوہر غلام تھا جس کا نام مغیث تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں گویا کہ میں اس کی طرف دیکھتا تھا وہ حضرت بریرہ کے پیچھے روتا ہوا گھومتا تھا اور اس کے آنسو اس کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہوتے تھے۔ الحدیث

حدیث مذکور کی متعدد توجیہات اور صحیح توجیہ یہ ہے کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیار عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام

یہ احادیث متعارضہ ہیں اور اکثر علماء نے ان کے معانی اور اس کی تخریج میں کئی وجوہ بیان کی ہیں، امام محمد بن جریر طبری نے اس کو ایک کتاب میں لکھا ہے اور امام محمد بن خزیمہ نے بھی اس کو ایک کتاب میں لکھا ہے، اسی طرح متعدد علماء نے اس کو متعدد ابواب میں لکھا ہے اور اس سے مسائل محتملہ اور تاویلات ممکنہ نکالی ہیں، جن کی صحت قطعی نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ان مختلف احادیث کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جس میں تضاد نہ ہو اور حریت غلامی کے بعد لاحق ہوتی ہے اور اس کے برعکس نہیں ہوتا یعنی پہلے کوئی شخص غلام ہوتا ہے، پھر اس کو آزاد کیا جاتا ہے اور آزاد کو غلام نہیں بنایا جاتا، پس ثابت ہوا کہ حضرت مغیث آزاد تھے، تب حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ ان کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں اور اس سے پہلے وہ غلام تھے اور جس نے ان کے غلام ہونے کی خبر دی ہے اس کو ان کے پہلے آزاد ہونے کا علم نہیں تھا اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو ان کے نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار نہیں دیا کیونکہ وہ اس وقت غلام تھے اور نہ اس وقت اختیار دیا جب وہ آزاد ہو گئے تھے، حضرت بریرہ کو اس وقت اختیار دیا گیا جب حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا گیا، سو ہر آزادہ شدہ باندی کو اختیار دینا واجب ہو گیا (کیونکہ جب وہ باندی تھی تو اس کے شوہر کی ملکیت اس پر کم تھی اور اس کو صرف دو طلاقیں دینے کا حق تھا اور جب وہ آزاد کر دی گئی تو اس کے شوہر کی ملکیت اس پر بڑھ گئی تو اب اس کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے اس لیے اس باندی کو یہ اختیار دیا گیا کہ آیا وہ شوہر کے اپنے اوپر زیادہ ملکیت کو قبول کرتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ قبول نہیں کرتی تو پھر وہ اس نکاح پر برقرار نہیں رہے گی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آزاد ہونے کے بعد اس نکاح پر برقرار رہنے کو قبول نہیں کیا اور وہ حضرت مغیث سے الگ ہو گئیں، اس لیے حضرت مغیث ان کی یاد میں اور ان کے فراق میں ان کی محبت کی وجہ سے ان کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے گھومتے رہتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور بعض آثار میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا کہ اب تم اپنے نفس کی مالک ہو، پس تم اس نکاح میں رہنے یا نہ رہنے کو اختیار کرلو اور اسی طرح تمہید میں ہے، پس ہر باندی اپنے نفس کو اختیار کر سکتی ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو۔

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور جب صدقہ ہدیہ ہو جائے تو وہ سید اور غنی کو کھلایا جا سکتا ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ میں تین سنتیں ہیں: ایک یہ کہ انہیں آزاد کیا گیا، پھر انہیں نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار دیا گیا، دوسری سنت یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا حصہ مکاتبت یہودیوں کو ادا کر کے حضرت بریرہ کو آزاد کرا لیا تو یہودیوں نے کہا: ان کی ولاء ہمارے لیے ہوگی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رد کر کے فرمایا: ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے، اور تیسری سنت یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے کہا کہ دیگچی میں جو گوشت ہے وہ مجھے کھلاؤ تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ گوشت تو حضرت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا، تب آپ نے فرمایا: یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے اور صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ قبضہ کرنے والے کی ملک ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نہیں کھاتے تھے اور صدقہ میں صرف اجر آخرت کی توقع ہوتی ہے اور ہدیہ دوسروں کو دیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تبدیلی ملک سے تبدیل عین ہو جاتا

ہے یعنی حضرت بریرہ اپنا صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور ہدیہ دے سکتی تھیں، اسی طرح دینی مدارس میں طلبہ کو جو زکوۃ کی مد میں کھانا دیا جاتا ہے وہ ان پر صدقہ ہوتا ہے لیکن کھانا وہ کسی سید کو یا کسی غنی کو کھلا سکتے ہیں۔ (اضافہ از سعیدی غفرلہ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی بہت سرسری چند سطروں میں شرح کی ہے اس لیے ہم نے ان کی شروح کو حذف کر دیا اور علامہ عینی حنفی نے اس حدیث کی چونکہ بہت مفصل شرح کی ہے اور تمام مذاہب بیان کیے ہیں، اس لیے ان کی شرح کو اختیار کیا ہے، باقی متروکہ شروح کے حوالہ جات درج ذیل ہیں: (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۵۲، التوضیح ج ۲۴ ص ۴۷۔ ۲۷۳، فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۱)

چونکہ تبدیل ملک سے تبدیل عین ہو جاتا ہے اس لیے حرام کاروبار کرنے والے سے کوئی چیز صحیح طریقہ سے خریدنا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ گوشت بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طعام کے کسب کا طریقہ مختلف ہو اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے، پس حضرت بریرہ نے اس طعام کو بہ طور طعام صدقہ حاصل کیا اب وہ اس طعام کی مالک تھیں اور ان کو اس طعام کے فروخت کرنے اور کسی کو ہدیہ دینے کا اختیار تھا اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ طعام ہدیہ کر دیا تو اب وہ صدقہ نہیں رہا، اسی وجہ سے بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مال کو حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہو مثلاً سود یا رشوت سے، پھر اس مال کو دوسرا شخص صحیح شرعی طریقہ سے اس سے خرید لے تو اس کے لیے وہ مال حلال ہے کیونکہ اس نے اس مال کو صحیح طریقہ سے خریدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے طعام اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور ان کے ہدیوں کو قبول فرماتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۔ (المائدہ: ۴۲) یہ جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (یعنی وہ سود کھاتے تھے اور رشوت لیتے تھے)۔

لذیذ چیزوں کو ترک کرنا تقویٰ نہیں ہے بلکہ مذموم ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لذیذ اور پسندیدہ کھانوں کو کھانا اور عمدہ چیزوں کو استعمال کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کو طلب فرمایا اور جب بعض صحابہ نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو آپ نے فرمایا: میں تو گوشت کھاتا ہوں، پس بغیر سبب شرعی کے عمدہ اور لذیذ چیزوں کو ترک کرنا تقویٰ نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر ظلم ہے اور مذموم ہے۔ ہاں! اگر وہ دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کے لیے ایثار کرے اور اپنی پسندیدہ چیزوں کو ان کے لیے چھوڑ دے تو یہ لائق تحسین ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۰۔ بَابٌ: لَا يَتَزَوَّجُ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعٍ — چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح نہ کرے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ (النساء: ۳) دو، دو سے نکاح کرو اور تین، تین سے نکاح کرو اور چار، چار سے۔

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يَعْنِي مَثْنَى أَوْ ثُلَاثَ أَوْ رُبَاعَ۔

اور علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا: یعنی دو، دو عورتوں سے یا تین، تین عورتوں سے یا چار، چار عورتوں سے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُولِيٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ ۔ (فاطر:۱)

جو دو، دو، تین، تین اور چار، چار پروں والے ہیں۔

بہ یک وقت چار سے زائد عورتوں سے نکاح کا عدم جواز اجماع سے، قرآن مجید سے اور امام زین العابدین کے قول سے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان اور اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا امام بخاری کا عنوان تو وہ اجماع سے ثابت ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ بہ یک وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہے سوائے رافضیوں کے جو کسی شمار اور قطار میں نہیں ہیں۔

اس عنوان کا اس آیت سے استنباط ظاہر ہے اور اس کی وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۔ (النساء:۳)

پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کرسکو گے تو (صرف) ایک سے نکاح کرو۔

اور جس نے یہ کہا کہ دو، دو، تین، تین اور چار، چار کا مجموعہ مراد ہے یعنی اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرو تو اس کا یہ قول بداہۃً غلط ہے اور لغت اور عرف کے خلاف ہے۔ اور امام بخاری نے الفاطر:۱ کو بھی اسی معنی کی وضاحت کے لیے پیش کیا ہے۔ نیز امام بخاری نے حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا قول اس آیت کی تفسیر میں رافضیوں کے خلاف بہ طور حجت پیش کیا ہے کہ اس آیت میں واؤ بمعنی اَوْ ہے۔ اور یہ معنی نہیں بلکہ فرمایا یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ دو، دو سے تین، تین سے، اور چار چار سے نکاح کرو اور ان کو نکاح میں جمع کرو کیونکہ واؤ جمع کے لیے آتی ہے بلکہ فرمایا کہ یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے اور اَوْ تنویع اور تقسیم کے لیے ہوتا ہے یعنی یا فقط دو، دو سے نکاح کرو یا فقط تین، تین سے نکاح کرو یا فقط چار، چار سے نکاح کرو۔ اور حضرت زید العابدین کا قول امام بخاری نے اس لیے پیش کیا ہے کہ رافضی حضرت زین العابدین کو اپنا امام مانتے ہیں اور ان کی تفسیر کو برحق قرار دیتے ہیں، سو امام زین العابدین کی یہ تفسیر ان کے خلاف قوی حجت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ (النساء: ۳) قَالَتِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ وَهُوَ وَلِيُّهَا فَيَتَزَوَّجُهَا عَلَى مَالِهَا وَيُسِيءُ صُحْبَتَهَا وَلَا يَعْدِلُ فِي مَالِهَا فَلْيَتَزَوَّجْ مَا طَابَ لَهُ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهَا مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى (النساء:۳) اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکوں میں انصاف نہ کرسکو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: ایک مرد کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ اس کا ولی ہوتا تھا تو وہ اس کے مال کی وجہ سے اس سے نکاح کرلیتا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا اور اس کے مال میں عدل نہ کرتا تو اس کو حکم

دیا گیا کہ اس یتیم لڑکی کے سوا دوسری ان عورتوں سے نکاح کر لے
جو اسے پسند ہوں، دو، دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۲۷۶۳، ۵۰۶۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۵۱۴۰، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸)

روافض کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج سے چار سے زیادہ نکاح کرنے پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری، القرطبی، المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض روافض یہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی نو ازواج تھیں، تو ہمیں بھی بہ یک وقت چار سے زیادہ ازواج رکھنی چاہئیں اور یہ آپ کی سنت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہ یک وقت چار سے زیادہ ازواج رکھنا آپ کی خصوصیت تھی جس طرح آپ کی خصوصیت تھی کہ آپ بغیر مہر کے نکاح کر لیں اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لیں اور بغیر ایجاب وقبول کے نکاح کر لیں جیسے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں ہوا، پس روافض کا قول ساقط ہو گیا۔

(شرح ابن بطال علی البخاری ج ۷ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

روافض کے قول کے باطل ہونے پر مزید دلیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غیلان بن سلمہ جب اسلام لائے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم ان میں سے چار بیویوں کو اختیار کر لو اور باقی بیویوں سے الگ ہو جاؤ''۔

(سنن ترمذی: ۱۱۲۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

پس روافض کا اعتراض ساقط ہو گیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۷۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے صرف اس حدیث کے عنوان اور تعلیق کی شرح کی ہے اور حدیث کی بالکل شرح نہیں کی۔

علامہ عینی نے عنوان اور تعلیق کی وہی شرح کی ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ اور حدیث کی شرح کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کتاب النکاح کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتاب النکاح میں درج تمام احادیث کی شرح مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس شرح میں مذکور مباحث کو موافقین کے لیے استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ان مباحث کو ذریعہ ہدایت بنائے اور اس کی تحریر میں مجھ سے جو فروگزاشت ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور میری دیگر تمام لغزشوں کو معاف فرمائے اور اس شرح کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے اور مجھے دنیا میں صحت اور توانائی عطا فرمائے اور آخرت میں قبر کے عذاب سے، دوزخ کے عذاب سے، حشر کے عذاب سے اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون فرمائے، اور اپنے فضل وکرم سے مجھے، میرے والدین کو، میری

ہمشیر کو، میرے تمام اساتذہ کو اور تمام تلامذہ کو اور میرے احباب اور قارئین کو اور نعمۃ الباری کے ناشر اور معاونین کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور اب میں اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل پر توکل کرتے ہوئے صحیح البخاری کی کتاب الرضاع کی ابتداء کر رہا ہوں۔ الٰہ العالمین! مجھے اس کی شرح میں استقامت پر قائم رکھنا اور غلطیوں سے محفوظ رکھنا۔ آمین، یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و امتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۷ ذی الحج ۱۴۳۲ھ / ۱۴ نومبر ۲۰۱۱ء

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الرَّضَاعِ

دودھ کے رشتوں کے احکام

۲۱۔بَابٌ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا (وہ بھی تم پر حرام ہیں)

وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

دودھ کے رشتوں سے وہ حرام ہوتے ہیں جو نسب کے رشتوں سے حرام ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس عنوان کے بعد امام بخاری نے تین احادیث روایت کی ہیں۔ صحیح بخاری کی بعض شروح میں اس عنوان سے پہلے ''کتاب الرضاع'' لکھا ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۹۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ فَقَالَ نَعَمْ الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن ابی بکر از عمرہ بنت عبدالرحمٰن، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور حضرت عائشہ نے کسی مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مرد آپ کے گھر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ یہ فلاں مرد ہے جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: اگر فلاں مرد زندہ ہوتا جو میرا رضاعی چچا تھا تو کیا وہ میرے پاس آ سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! رضاعت ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جن رشتوں کو ولادت حرام کرتی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۶ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۶، ۵۰۹۹، صحیح مسلم: ۱۴۴۴، سنن نسائی: ۳۳۱۳)

دودھ پینے کی وجہ سے حرمت کے رشتوں کی تفصیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس پر اجماع ہے کہ جو رشتے ولادت سے حرام ہوتے ہیں وہ رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔ (النساء: ۲۳)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

پس جب رضاعی ماں اور رضاعی خالہ حرام ہے تو اسی طرح ان کا شوہر بھی حرام ہے کیونکہ وہ دودھ پینے والی کا والد ہے اور اس لیے کہ دودھ ان دونوں سے حاصل ہوا ہے اور یہ حرمت ان کی اولاد تک پھیلے گی، پس دودھ پلانے والی کے شوہر کا بھائی دودھ پینے والی کا چچا ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے، لہٰذا دودھ کے رشتہ سے پھوپھیاں اور خالائیں اور چچا اور ان کی بیٹیاں نسبی رشتوں کی طرح حرام ہیں۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جب کسی مرد کی بیوی کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو وہ لڑکی اس مرد کے بیٹے پر اور اس کے باپ اور دادا پر اور اس کے پوتوں پر اور اس کے نواسوں پر حرام ہو جاتی ہے، اور جب دودھ پینے والا لڑکا ہو تو اس کے اوپر دودھ پلانے والے کی اولاد حرام ہو جاتی ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی اولاد بھی اس لڑکے پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس لڑکے کے لیے اس کی رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ اور رضاعی بھتیجی حلال نہیں ہیں۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۷ ص ۱۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

رضاعت کی وجہ سے رضاعی ماں کو دیکھنا، اس سے خلوت میں ملنا اور دیگر امور کا حلال ہونا

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ لکھتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ دودھ کے رشتے سے دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والے کے درمیان حرمت رضاع ہے۔ (المحلی ج ۹ ص ۵۲۱)

دودھ پینے والا، دودھ کے رشتہ سے ولادت کے رشتہ کی طرح ہے اور اس کے اوپر دودھ پلانے والی کا نکاح دائماً حرام ہے۔ اور اس کا اپنی رضاعی ماں کو دیکھنا اور اس کے ساتھ خلوت میں رہنا اور اس کے ساتھ سفر کرنا حلال ہے اور اس پر ماں بیٹوں کے تمام احکام من کل الوجوہ جاری نہیں ہوتے، ان میں نہ تو وراثت جاری ہوتی ہے اور نہ نفقہ لازم ہوتا ہے اور نہ ملکیت کی وجہ سے آزاد کرنا لازم ہوتا ہے اور رضاعی ماں کے حق میں ان کی شہادت مردود نہیں ہوتی اور نہ اس کی دیت لازم ہوتی ہے اور اس کو قتل کرنے سے اس کا قصاص ساقط نہیں ہوتا اور ان امور میں اس کا حکم اجنبی مرد کے احکام کی طرح ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ دودھ پلانے والی اور دودھ پینے والے کی اولاد کے درمیان اور دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والی کی اولاد کے درمیان حرمت جاری ہے۔
(الاقناع فی مسائل الاجماع ج ۳ ص ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۴)

رضاعی چچا کی حرمت کا سبب

رہا وہ مرد جو دودھ کے رشتہ کی وجہ سے دودھ پینے والے کی طرف منسوب ہے تو اس کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کا شوہر ہے، پس علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ دودھ پلانے والی کے شوہر کے بھائی اور دودھ پینے والی کے درمیان حرمت

رضاعت کے لیے کافی ہے اور مرد کی اولاد دودھ پینے والے کے بھائی ہیں اور مرد کے بھائی دودھ پینے والے کے چچا ہیں اور اس کی بہنیں دودھ پینے والے کی پھوپھیاں ہیں اور دودھ پینے والے کی اولاد اس مرد کی اولاد کی طرح ہے۔ (الاقناع ج ۳ ص ۱۸۶)

اس مسئلہ میں سوائے اہل الظاہر یعنی غیر مقلدین کے اور کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۲)

اسی طرح علامہ خطابی اور قاضی عیاض نے لکھا ہے۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۱۵۸، اکمال المعلم ج ۴ ص ۶۲۹)

رضاعی چچا کی حرمت پر مزید دلائل

رضاعی چچا کی حرمت کے ثبوت میں وہ احادیث ہیں جو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے چچا کے متعلق وارد ہیں اور اس باب کی حدیث ہے کہ دودھ کے رشتے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ سے ان رشتوں کو حرام کر دیا جن رشتوں کو نسب سے حرام کر دیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے اور ہمارے علم میں اس بارے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۴۶) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۸۹۔ ۲۸۴ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابن ملقن کی شرح کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کا نام بتایا گیا ہے کہ وہ افلح تھا جو ابو القعیس کا بھائی تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے کیونکہ ابو القعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد کا نام ہے اور رہے افلح تو وہ ان کے رضاعی چچا ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "اگر وہ زندہ ہوتا" یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۴)

علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایک اور بھائی بھی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ گمان کیا کہ ان کی وفات ہو گئی ہے کیونکہ ان سے ملاقات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا، پھر اس کے بعد وہ آئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

بعض حنبلی فقہاء کا رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے لیے پانچ چسکیوں کی قید لگانا اور مصنف کا اس پر تعاقب

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رضاعی رشتوں کی حرمت پر اجماع ہے، پس رضاعی ماں اور رضاعی بہن دو شرطوں کے ساتھ حرام ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ دودھ پینے والے نے دودھ کی پانچ چسکیاں پی ہوں، اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ پانچ چسکیاں مدت رضاعت یعنی دو سال کے اندر پی ہوں۔ (شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۵۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: پانچ چسکیاں پینے کی شرط لگانا از روئے قرآن باطل ہے کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً دودھ پینے سے ماؤں اور بہنوں کو حرام قرار دیا ہے اور پانچ چسکیوں کی قید نہیں لگائی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ (النساء: ٢٣)

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

٥١٠٠۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَلَا تَتَزَوَّجُ ابْنَةَ حَمْزَةَ قَالَ إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَقَالَ بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ مِثْلَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ از قتادہ از حضرت جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: یہ میری رضاعی بھتیجی ہے، اور بشر بن عمر نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے جابر بن زید سے سنا اس حدیث کی مثل۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٢٦٤٥ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٢٦٤٥، صحیح مسلم: ١٤٤٧، الرقم المسلسل: ٣٤٧٣، سنن نسائی: ٣٣٠٢، ٣٣٠٣، سنن ابن ماجہ: ١٩٣٨، مسند احمد: ٢٤٩١)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

صحیح البخاری: ٥١٠٠، میں مذکور ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ سے کہا گیا: آپ حضرت حمزہ کی بیٹی سے نکاح کیوں نہیں کرتے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کی شرح میں لکھا کہ اس قول کے قائل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ امام مسلم نے اس کے متعلق روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٦٤، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ کی شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام مسلم متوفی ٢٦١ھ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ حمزہ کی بیٹی سے کہاں ہیں؟ (صحیح مسلم: ١٤٣٨)

سو یہ کیسے متعین ہو گیا کہ اس قول کے قائل حضرت علی ہیں اور یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ اس قول کی قائلہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہوں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی طرح قائل کو مبہم رکھا ہے اور بیان نہیں کیا کہ اس قول کا قائل کون ہے؟ اور امام مسلم نے صراحتاً حضرت علی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ قریش کی عورتوں میں

رغبت کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی رشتہ ہے؟ تو میں نے کہا: حمزہ کی بیٹی ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۴۶) سو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ دونوں کی روایتوں میں قائل سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ علاوہ ازیں محدثین کی جماعت نے المبہمات کی تصنیف میں اسی طرح لکھا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب بہت ٹھوس اور واضح ہے جس سے ان کی حدیث پر بصیرت کا پتا چلتا ہے، لگتا ہے علامہ عینی نے عجلت میں یہ اعتراض کیا ہے۔

حضرت حمزہ کی بیٹی کا آپ کی رضاعی بھتیجی ہونے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا: یہ میری رضاعی بھتیجی ہے کیونکہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے اپنا دودھ پلایا تھا، پھر بعد میں ثویبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، پھر اس کے بعد اس نے ابوسلمہ بن عبد الاسد کو دودھ پلایا، یہ مصعب الزبیری کا قول ہے، پس حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ آپس میں رضاعی بھائی تھے۔ امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال زیادہ تھی۔ دوسرا قول ہے کہ ان کی عمر آپ سے چار سال زیادہ تھی۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی بالکل شرح نہیں کی۔

چار قسم کی عورتوں کا نسب سے حرام ہونا اور رضاعت سے حرام نہ ہونا اور اس میں حافظ ابن حجر کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چار قسم کی عورتیں نسب میں مطلقاً حرام ہوتی ہیں اور رضاع میں وہ کبھی حرام نہیں ہوتیں:

(۱) نسبی بھائی کی ماں حرام ہے کیونکہ یا تو وہ اس کی ماں ہے یا اس کے باپ کی بیوی ہے اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی عورت ہوتی ہے اور وہ اس کے بھائی کو دودھ پلاتی ہے اور اس کے بھائی پر کبھی حرام نہیں ہوتی۔

(۲) نواسے کی ماں نسب میں حرام ہوتی ہے کیونکہ وہ بیٹی ہے اور رضاع میں وہ کبھی اجنبی عورت ہوتی ہے اور وہ نواسہ کو دودھ پلاتی ہے اور نانا پر حرام نہیں ہوتی۔

(۳) بیٹے کی دادی نسب میں حرام ہے کیونکہ وہ اس کی ماں ہے اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کو دودھ پلاتی ہے، پس جائز ہے کہ اس کا باپ اس عورت سے نکاح کر لے۔

(۴) بیٹے کی بہن نسب میں حرام ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس کی بیٹی ہے یا ربیبہ ہے (لے پاک یا لینڈلا) اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی ہوتی ہے، پس وہ بیٹے کو دودھ پلاتی ہے اور دوسرے بیٹے پر حرام نہیں ہوتی۔

ان چار صورتوں پر فقہاء کی ایک جماعت نے اقتصار کیا ہے اور جمہور فقہاء نے ان میں سے کسی صورت کا استثناء نہیں کیا اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں وہ نسب کی جہت سے حرام نہیں ہیں، بلکہ مصاہرت

(سسرال) کی جہت سے حرام ہیں۔ حضرت حمزہ کی بیٹی کے نام میں سات اقوال ہیں: امامہ، عمارہ، سلمٰی، عائشہ، فاطمہ، امۃ اللہ اور یعلیٰ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فلانا لعم حفصہ: اس حدیث میں لام، عن کے معنی میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے چچا سے فرمایا: میرا گمان ہے کہ یہ فلاں مرد جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے یعنی آپ نے یہ حضرت حفصہ کے چچا سے فرمایا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۰، دار الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

فتح الباری کی مذکور الصدر عبارت پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ کفار مومنوں سے کہتے ہیں۔

(مریم: ۷۳، العنکبوت: ۱۲، یٰس: ۴۷، الاحقاف: ۱۱)

علامہ ابن الحاجب نے کہا ہے کہ اس آیت میں لام بمعنی عن ہے اور انہی کی اتباع میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس حدیث میں لام بمعنی عن ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۰، طبع لاہور)

ابن مالک وغیرہ نے کہا کہ یہ لام تعلیل کا ہے اور اس حدیث میں بھی اسی طرح ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے چچا کی وجہ سے فرمایا جن کے نام کا آپ کو پتا نہیں تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ یہ فلاں شخص ہے جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح کا مفاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے رضاعی چچا سے فرمایا اور یہ غلط ہے کیونکہ اس وقت آپ کے سامنے حضرت حفصہ کے رضاعی چچا نہیں تھے اور علامہ عینی نے بتایا کہ یہاں پر لام اجل اور سبب کے معنی میں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے چچا کی وجہ سے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ یہ حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ علامہ عینی کی یہ شرح بہت متین ہے اور ان کا اعتراض بہت قوی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب تو درکنار اس اعتراض کا ذکر تک نہیں کیا۔

فتح الباری پر علامہ عینی کا دوسرا اعتراض اور مصنف کا محاکمہ

اس حدیث میں مذکور ہے: اگر فلاں مرد زندہ ہوتا: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ میں اس مرد کے نام پر بھی مطلع نہیں ہو سکا اور جس نے اس کی یہ تفسیر کی کہ افلح ابو القعیس کا بھائی ہے تو یہ اس کا وہم ہے کیونکہ حضرت ابو القعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد ہیں اور رہے افلح تو وہ حضرت حفصہ کے رضاعی چچا ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۰، طبع لاہور ۱۴۰۱ھ) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اور حضرت حفصہ نے جو فرمایا: ''اگر وہ زندہ ہوتا'' حضرت حفصہ کے قول میں یہ دلیل ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابو القعیس کے ایک اور بھائی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا

گمان یہ ہو کہ وہ فوت ہو گئے ہیں کیونکہ وہ کافی عرصہ کے بعد ان کے پاس آئے تھے اور ان سے اجازت طلب کی تھی۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ: علامہ عینی نے جو کچھ لکھا ہے اس کو حافظ ابن حجر عسقلانی بھی لکھ چکے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰ طبع لاہور ۱۴۰۱ھ) لہٰذا علامہ عینی کا دوسرا اعتراض بے محل ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت علی کی حضرت حمزہ کی بیٹی سے نکاح کی پیش کش کی توجیہات اور ان میں علامہ عینی کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ قریش میں رغبت کرتے ہیں اور ہم کو نظر انداز کرتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی رشتہ ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں: آپ نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہیں وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہ کی بیٹی کی پیش کش کیوں کی جب کہ وہ آپ کی رضاعی بھتیجی تھی۔ علامہ قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی کو یہ علم نہیں تھا کہ رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بہت بعید ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کا علم نہ ہو بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ آپ کی رضاعی بھتیجی ہیں، یا حضرت علی نے یہ سمجھا کہ شاید آپ کی یہ خصوصیت ہو کہ آپ کا رضاعی بھتیجی سے نکاح حلال ہے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے اور شیخ عثیمین حنبلی متوفی ۱۴۲۱ھ نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۱۰۱۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ انْكِحْ أُخْتِي بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَقَالَ أَوَتُحِبِّينَ ذٰلِكِ فَقُلْتُ نَعَمْ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ ذٰلِكِ لَا يَحِلُّ لِي قُلْتُ فَإِنَّا نُحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا لَابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ قَالَ عُرْوَةُ وَثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن بنت ابو سفیان سے نکاح کر لیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم اس کو پسند کرتی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! لیکن میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور میں یہ چاہتی ہوں کہ اس خیر میں جو میری شریک ہو وہ میری بہن ہو۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ابو سلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ام سلمہ کی بیٹی؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی جس نے میری گود میں پرورش پائی تھی پھر بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی

فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هَذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ۔

کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے مجھ کو اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، لہٰذا تم مجھ پر اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو (نکاح کے لیے) پیش نہ کرو۔ عروہ نے کہا: ثویبہ ابولہب کی باندی تھی اور ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا، پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، پس جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض رشتہ داروں کو اس کی بری حالت دکھائی گئی، انہوں نے اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ابولہب نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں ملی، البتہ میں نے اپنی اس انگلی سے اشارہ کر کے ثویبہ کو آزاد کیا تھا تو مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹، مسند الحمیدی: ۳۰۷، مسند ابویعلی: ۷۰۰۱، المنتقی لابن الجارود: ۶۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۰۴، مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۱، مسند احمد: ۲۶۴۹۳ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی تحریم کے باوجود حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ ان کی بہن سے نکاح کر لیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو آپ سے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن سے نکاح کر لیں، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے ان سے اور اپنی تمام ازواج سے فرمایا: تم اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو نکاح کے لیے مجھ پر پیش نہ کرو کیونکہ تمہاری بیٹیاں میری ربائب ہیں (یعنی گود میں پالی ہوئی ہیں) اور ربیبہ اسی طرح حرام ہے جس طرح دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

اور آپ نے ابوسلمہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا کہ: اگر وہ میری ربیبہ یعنی میری گود میں پالی ہوئی نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی کیونکہ اس کے باپ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، پس ان کی بیٹی آپ پر دو وجہ سے حرام تھی کیونکہ وہ آپ کی ربیبہ بھی تھیں اور آپ کی رضاعی بھتیجی بھی تھیں۔

بعض رضاعی رشتہ داروں سے نکاح کے جواز کے متعلق فقہاء مذاہب کی آراء

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد اس عورت سے نکاح کر لے جس نے اس کے بیٹے کو دودھ پلایا ہے، اسی طرح وہ اس عورت کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے جو اس کے بیٹے کی رضاعی بہن ہے، اور جس بچہ کے بھائی کو کسی عورت نے دودھ پلایا ہے وہ بچہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اور جو عورت اس کے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے اس سے بھی وہ نکاح کر سکتا ہے، اور جو اس عورت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے ان کے ساتھ دودھ پلانے والی کا نکاح حرام ہے۔ یہ امام مالک، فقہاء احناف، امام شافعی اور

امام ثور کا مذہب ہے۔

امام بخاری کا اس حدیث کی روایت میں بعض الفاظ کا ساقط کرنا

علی بن مدینی نے از عبد الرزاق از معمر از زہری روایت کی ہے کہ ابولہب نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا جس کا نام ثویبہ تھا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا، پھر مرنے کے بعد ابولہب کو اس کے بعض رشتہ داروں نے خواب میں دیکھا تو اس کے حال کے متعلق سوال کیا تو ابولہب نے بتایا: مجھے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں ملی، البتہ مجھے اس سے پلایا جاتا ہے اور اس نے اپنے انگوٹھے کے نیچے سوراخ کی طرف اشارہ کیا، کیونکہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۴۹، شرح السنۃ ج ۹ ص ۶۶)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: معمر کی روایت سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث سے یہ قول ساقط ہے کہ ابولہب نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں ملی کیونکہ اس کے بغیر امام بخاری کی حدیث مکمل نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ قول بھی ساقط ہے کہ ابولہب نے اس سوراخ کی طرف اشارہ کیا جو اس کے انگوٹھے کے نیچے تھا کیونکہ اس کے بغیر حدیث کا معنی مکمل نہیں ہوتا اور مجھے نہیں معلوم کہ کس کے وہم سے حدیث کے یہ الفاظ ساقط ہوئے۔

ابولہب کافر تھا، پھر ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کیوں ہوئی؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کافر کو ان نیک اعمال کے عوض جزاء ملتی ہے جو نیک اعمال مومنین بہ طور عبادت کرتے ہیں کیونکہ ابولہب نے یہ خبر دی کہ اس نے ثویبہ کو جو آزاد کیا تھا اس کے عوض میں اس کے انگوٹھے کے نیچے سوراخ سے پلایا جاتا ہے اور یہ اس کے عذاب میں تخفیف تھی جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی اور وہ ٹخنوں تک عذاب میں تھا جس سے اس کا دماغ جوش سے ابل رہا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۳، صحیح مسلم: ۲۰۹، مسند احمد: ۱۱۰۵۸)

البتہ ابولہب کے عذاب کی تخفیف ابوطالب کے عذاب کی تخفیف سے کم ہے کیونکہ ابولہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا تھا تو اس کے لیے صرف اتنی تخفیف ہوئی جتنی مقدار اس نے ثویبہ کو آزاد کرنے میں کی تھی اور اس کو اس کے انگوٹھے کے نیچے کے سوراخ سے پانی پلایا جاتا تھا۔ اور ابوطالب کے عذاب میں اس سے بہت زیادہ تخفیف کی گئی کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتا تھا اور آپ کی حفاظت کرتا تھا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر بھی حالت شرک میں کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے کافر بندوں پر بھی اپنے فضل عظیم سے فضل فرماتا ہے۔

اس حدیث سے درج ذیل حدیث کی تاویل ہو جاتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر اپنی کتاب میں مخلوق کی تقدیر لکھی تو اس میں لکھا کہ میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے"۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ دوزخ میں دائمی عذاب میں ہیں ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت منقطع نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ ان کے لیے ایسا عذاب پیدا کرے جس میں ان کے لیے دوسرے عذاب کی بہ نسبت تخفیف اور رحمت ہو۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب کافر اسلام لے آئے تو اس کے لیے اطاعت گزاروں کے نیک اعمال کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کافر اسلام لے آئے اور اسلام میں نیک عمل کرے تو اس کا ہر نیک عمل لکھ دیا

جاتا ہے اور اس کا ہر گناہ مٹا دیا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے پہلے جو نیک کام کیے تھے اس کی وجہ سے تم اسلام لے آئے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۶، صحیح مسلم: ۱۲۳، مسند احمد: ۱۵۳۱۹) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۰۔۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب کافر کے عذاب میں تخفیف

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر کو اس کے نیک عمل سے ثواب ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝ (الفرقان: ۲۳) انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنادیں گے O

میں کہتا ہوں کہ: کافر کو اس کا نیک عمل فائدہ نہیں پہنچاتا، اور اس حدیث میں خواب کا ذکر ہے اور خواب دلیل نہیں ہے، اور بر تقدیر تسلیم ہو سکتا ہے کہ جب نیک عمل کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو تو آپ کی خصوصیت کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے جیسا کہ ابو طالب کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن عمل کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔

(الکواکب الدراری شرح البخاری ج ۱۹ ص ۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا محض اپنے فضل سے بعض کفار کو ان کے نیک کاموں پر اجر عطا فرمانا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی کافر کو بھی اس کے نیک عمل سے آخرت میں نفع ہوتا ہے لیکن یہ حدیث الفرقان: ۲۳، کے ظاہر اً مخالف ہے، تاہم اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث مرسل ہے اور عروہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ ان کو یہ حدیث کس نے بیان کی اور اگر بالفرض یہ حدیث متصل ہو تو یہ خواب کا واقعہ ہے، سو اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، یہ خواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبل الاسلام دیکھا تھا، لہٰذا ان کا خواب کوئی حجت نہیں ہے۔

(۲) بہ تقدیر قبول ہو سکتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو جیسا کہ ابو طالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی تھی۔

(۳) علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ تخفیف ابولہب کے ساتھ خاص ہے اور جن کافروں کے متعلق حدیث میں تخفیف کا ثبوت ہے۔

(۴) بعض کفار کو ان کے نیک اعمال پر اجر عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور یہ عقل کے نزدیک محال نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے ذکر کیا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب ابولہب مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں برے حال کے اندر دیکھا، اس نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں ملی مگر ہر پیر کے دن میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ علامہ سہیلی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی تھی اور جب ابولہب کی باندی ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی

بشارت دی تو اس نے اپنے انگوٹھے کے اشارے سے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابولہب کو اس کے انگوٹھے کے سوراخ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے دوزخ میں پانی پلانا

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ابولہب کو اپنے انگوٹھے کے سوراخ سے دوزخ میں پانی پلایا گیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے ورنہ ابولہب کافر اس کا کب مستحق تھا کہ اس کو دوزخ میں انگوٹھے سے پانی پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں تخفیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کا ہونا ہے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اور اس کو خصوصیت بھی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس واقعہ کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جس کی وجہ سے ابولہب کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کی گئی۔ (کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۱۹۳، مکتبہ فاروقیہ، کراچی، ۱۴۲۶ھ)

شیخ وحید الزماں غیر مقلد کا اس حدیث کی شرح میں مجلس میلاد کو بدعت قرار دینا

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ خواب الفرقان: ۲۳ کے صریح خلاف ہے۔ مترجم کہتا ہے: اس خواب سے بعضے لوگوں نے مجلس میلاد کے جواز پر دلیل لی ہے اور کہا ہے کہ جب ابولہب کے سے سخت کافر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت باسعادت کے خوشی کرنے میں عذاب کی تخفیف ہوئی ہو، مومنوں کو تو آپ کی ولادت کی محفل اور اس کی خوشی کرنے میں ضرور اجر ملے گا لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ اول تو یہ خواب ہے اور خواب کوئی شرعی حجت نہیں، دوسرے یہ روایت بھی منقطع ہے۔ عروہ نے حضرت عباس کو نہیں پایا اور مجلس میلاد ایک بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسے دوسری حدیث میں وارد ہے۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں: میں تو کسی بدعت میں سوائے ظلمت اور تاریکی کے مطلق نور نہیں پاتا۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۶۔۸۵، نعمانی کتب خانہ، لاہور جون ۱۹۹۰ء)

ایک اور غیر مقلد عالم نواب صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ کا مجلس میلاد کو بدعت قرار دینا

شیخ صدیق بن حسن بن علی المتوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

جاہلوں نے عاشوراء کے روزے کی حدیث پر قیاس کر کے محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد کے جواز پر استدلال کیا ہے اور یہ قیاس اس مقام سے اجنبی ہے اور اس سے وہی شخص استدلال کرے گا جو کیفیت استدلال سے ناواقف ہو اور علم اور فہم سے بہت دور ہو۔ (السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن حجاج ج ۳ ص ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علماء دیوبند کا بھی مجلس میلاد کو ناجائز قرار دینا

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

انعقاد مجلس مولود بہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطہ منع ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر پڑھو گے حوالہ کتب معلوم ہو جائیں گے، نہ پڑھو گے تو تقلید سے عمل کرنا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۰، محمد سعید اینڈ کمپنی، کراچی)

علماء اہل سنت کا انعقاد محفل میلاد کے متعلق نظریہ

اہل سنت و جماعت کے نزدیک محفل میلاد کو منعقد کرنا بدعت سیئہ نہیں ہے بلکہ یہ بدعت حسنہ ہے جیسے تراویح کو جماعت سے پڑھنا بدعت مستحبہ ہے اور قرآن مجید کو ایک مصحف میں اور ایک جلد میں جمع کرنا بدعت مستحبہ ہے اور جیسے قرآن مجید میں حرکات، سکنات اور اعراب کو لگانا بدعت مستحبہ ہے اور جیسے قرآن مجید میں سورتوں کا نام لکھنا اور آیات کی تعداد لکھنا بدعت مستحبہ ہے اور جیسے مساجد میں وسط کے تعین کے لیے محراب کا بنانا بدعت مستحبہ ہے، اور قرآن مجید کے تیس پارے مقرر کرنا بدعت مستحبہ ہے اور اسی طرح صحیح بخاری کے تیس پارے مقرر کرنا بدعت مستحبہ ہے اور دینی خطابات اور مواعظ کے لیے مقام، دن اور تاریخ کو مقرر کرنا بدعت مستحبہ ہے۔ اسی طرح اذان کے بعد دوبارہ تثویب کرنا یعنی لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے نماز کی جماعت کا اعلان کرنا اور گھڑیوں کے حساب سے دن اور رات کی پانچ نمازوں اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازوں کے اوقات مقرر کرنا اور مساجد میں گھڑیوں کو لٹکانا بدعت مستحبہ ہے۔ اسی طرح ایصال ثواب کے لیے سوئم، دہم، چہلم اور برسی اور عرس کی محافل کو منعقد کرنا بدعت حسنہ ہے اور یہ تمام بدعات حسنہ مخالفین کے نزدیک بھی معقول اور مروج ہیں۔

سو اسی طرح بارہ ربیع الاول کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان کرنا اور آپ کے فضائل اور کمالات اور معجزات اور آپ کی سیرت طیبہ طاہرہ کا بیان کرنا اور محفل میں وعظ اور تقریر سے پہلے نعت خوانی کرنا اور آپ کے محامد میں نعتیں پڑھنا اور اختتام مجلس پر ایصال ثواب کرنا اور تبرک تقسیم کرنا اور ان تمام نیک اعمال کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، یہ بھی بدعت حسنہ ہے اور صدیوں سے مسلمان میں بلا انکار رائج ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن میں محفل میلاد کے انعقاد کے جواز پر بہت دلائل پیش کیے ہیں جن کے عنوانات کا ہم یہاں اجمالی ذکر کریں گے اور اس کے بعد موضوع پر مزید دلائل پیش کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

شرح صحیح مسلم میں محفل میلاد کے انعقاد کے جواز کے دلائل کے عنوانات

(۱) علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ کے محفل میلاد کے جواز پر دلائل۔ (المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ کے دلائل۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

(۳) شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۴۲ھ کے محفل میلاد کے استحباب پر دلائل۔
(مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۳، مطبع عربیہ، لاہور، طبع اول ۱۳۹۹ھ)

نوٹ: سعودی عرب سے یہ کتاب دوبارہ چھپی ہے۔ اس میں سے اس عبارت کو نکال دیا ہے۔ ہمارے پاس اس کتاب کا پہلا ایڈیشن موجود ہے اور وہ بھی غیر مقلدین کا چھاپا ہوا ہے۔

(۴) علامہ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ کے دلائل۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۷۔۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۵) علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ کے دلائل اور ان کے شبہات کے جوابات اور ماہ ربیع الاول اور پیر کے دن میں آپ کی ولادت کی توجیہ۔ (المدخل ج ۱ ص ۲۹۸۔۲۱۶، ملخصا، قاہرہ، مصر)

(۶) علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ کے دلائل۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۴۵۳، المجلس الاعلیٰ، قاہرہ، ۱۴۱۸ھ)

(۷) علامہ برہان الدین حلبی شافعی متوفی ۱۰۴۴ھ کے دلائل۔ (انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۷، مطبع مصطفیٰ البابی، القاہرہ، مصر)

(۸) علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ کے دلائل۔

(شرح المولد لابن حجر بحوالہ جواہر البحار ج ۳ ص ۳۴۰، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۷۹ھ)

(۹) محفل میلاد پر ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ کے دلائل۔ (المولد الروی فی المولد النبوی ص ۱۷۔۹ ملخصاً، المدینہ المنورہ، ۱۴۰۰ھ)

ملا علی قاری حنفی نے محفل میلاد کے جواز پر بیس دلائل قائم کیے ہیں۔

(۱۰) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی متوفی ۱۳۱۷ھ کا نظریہ ان کی درج ذیل کتب میں مذکور ہے: (الف) فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵ مدنی کتب خانہ، لاہور (ب) شمائم امدادیہ ص ۵۰، مدنی کتب خانہ، ملتان، ۱۴۰۵ھ (ج) شمائم امدادیہ ص ۷۴، مدنی کتب خانہ، ملتان (د) شمائم امدادیہ ص ۶۸، مدنی کتب خانہ، ملتان، ۱۴۰۵ھ)

(۱۱) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ کا نظریہ۔ (اقامۃ القیامہ ص ۱۹۔۱۷، نوری کتب خانہ، لاہور، ۱۳۹۹ھ)

(۱۲) محفل میلاد کی ابتداء (بحوالہ حافظ اسماعیل بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ)

(البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۳۷۔۱۳۶، دار الفکر، بیروت طبع اول ۱۹۶۶ء)

(ان تمام عنوانات کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۹۰۔۱۷۴، فرید بک سٹال، لاہور میں ہے)

تبیان القرآن میں محفل میلاد کے جواز کے دلائل کے عنوانات

(۱) یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عید ہونا۔

(۲) علماء دیوبند کی طرف سے عید میلاد النبی منانے کے اعلانات۔

(۳) یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ۔

(۴) عشرۂ حکیم الامت منایا جائے، مفتی نعیم۔

(ان تمام عنوانات کی تفصیل اخبارات اور کتب کے حوالوں کے ساتھ تبیان القرآن ج ۳ ص ۷۱۔۶۷ میں مذکور ہے)

عید میلاد النبی کے اجتماع کے جواز پر مزید دلائل اور اس سلسلہ میں علامہ ابن الجوزی کے رسالہ کی تلخیص

علامہ عبد الرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پر ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے جو بیشتر نظموں پر مشتمل ہے۔ ہم اس رسالہ کے منتخب اقتباسات ہدیہ قارئین کر رہے ہیں:

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ فارس کی آگ جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی اس رات بجھ گئی اور کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ عرب کی عادت تھی کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو دودھ پلانے والی دائیاں آتیں تو بہت ساری دائیاں آئیں لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ اس در یتیم اور نفس کریم کو صرف حلیمہ سعدیہ کو دودھ پلانے کے لیے دیا جائے، حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں: ہم بہت فقر اور تنگ دستی میں تھے، میں جس سواری پر آئی تھی وہ بہت دبلی تھی اور میرے بچے رات بھر بھوک سے روتے رہتے تھے، پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے آئے اور میں آپ کو دودھ پلا رہی تھی تو آپ نے ایک طرف سے دودھ پیا اور دوسری طرف کا دودھ میرے بچہ کے لیے چھوڑ دیا، پھر آپ کی برکت سے میری سواری تمام سواریوں سے زیادہ فربہ ہوگئی اور لوگ یہ حال دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

(مولد العروس الشہیر بالجوزی ص ۴۰۔۳۸ ملخصاً، المکتبۃ الثقافیہ، بیروت، لبنان)

اس کے بعد علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

حلیمہ بیان کرتی ہیں: جب آپ کی عمر شریف چار سال کی ہوگئی تو ایک دن آپ نے مجھ سے کہا کیا: وجہ ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دن میں نہیں دیکھتا تو میں نے بتایا: وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں تو انہوں نے کہا: مجھے بھی آپ ان کے ساتھ بھیج دیں۔ آپ ہر روز صبح جاتے اور شام کو آجاتے اور لوگ بتاتے کہ ہم آپ سے بہت عجیب وغریب نشانیاں دیکھتے ہیں۔ آپ سوکھی ہوئی گھاس پر چلتے ہیں تو وہ سرسبز ہو جاتی ہے۔ آپ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ آپ کو سلام کرتا ہے، حلیمہ نے بتایا کہ ایک دن آپ اور آپ کے بھائی بکریاں چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے تو آپ کے بھائی بہت خوف زدہ حالت میں آئے اور انہوں نے کہا: اے اماں جان! اور ابا جان! ہمارے قریشی بھائی کو لے آئیں کیونکہ دو مردوں نے ان کو پکڑ لیا، پھر ان کے پیٹ کو چاک کیا، حضرت حلیمہ سعدیہ نے بتایا: ہم باہر نکلے تو ہم نے آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ میں نے آپ سے پوچھا: اے میرے بیٹے! کیا ہوا؟ تو آپ نے بتایا: اے اماں جان! میرے پاس سفید لباس میں دو مرد آئے اور ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے میرے پیٹ کو چیرا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور انہوں نے کہا: اے حبیب اللہ! یہ تمہارے اندر شیطان کا حصہ تھا، پھر ان دونوں نے اس برف سے میرے دل کو دھویا اور مجھے اس کاروائی سے کوئی درد نہیں ہوا، پھر مجھ سے کہا گیا: اے حلیمہ! ان کو ان کے دادا اور ان کی ماں کے پاس چھوڑ آؤ ہمیں ان پر خطرہ ہے۔ حلیمہ نے کہا: ہم آپ کو آپ کی والدہ کے پاس چھوڑ آئے، حلیمہ نے بتایا کہ جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ الابواء میں وفات پا گئیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی ہے، پھر آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی، پھر جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی وفات ہوگئی اور آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی، پھر جب آپ کی عمر دس سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وقار عطا کیا اور جب آپ چلتے تو سفید بادل آپ پر سایہ کرتے اور جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

(مولد العروس الشہیر بالجوزی ص ۴۵۔۴۳ ملخصاً، المکتبۃ الثقافیہ، بیروت، لبنان)

میلاد النبی کے جواز کے سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے رسالہ ''الشمامۃ العنبریہ'' کی تلخیص

نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں کیا برائی ہے کہ اگر ہر روز ذکر حضرت نہیں کر سکتے تو ہر اسبوع (ہفتہ) یا ہر ماہ میں التزام اس کا کریں، کہ کسی نہ کسی دن بیٹھ کر ذکر یا وعظ یا وعظ سیرت وسمت وولادت ووفات آنحضرت کا کریں، پھر ایام ماہ ربیع الاول کو بھی خالی نہ چھوڑیں اور اون روایات واخبار وآثار کو پڑھیں پڑھائیں جو صحیح طور پر ثابت ہیں۔ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۵، ۱۳۰۵ھ)

ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر کے روز دوشنبہ (پیر) بارہ ربیع الاول عام فیل کو ہوئی۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے، ابن الجوزی نے اسی پر اتفاق نقل کیا ہے۔ مختار اہل حدیث یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور بعض نے کہا کہ بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ طیبی نے کہا کہ اسی پر اتفاق ہے۔ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۷، ۱۳۰۵ھ)

ایک جماعت نے کہا: آمنہ کہتی ہیں: جب حضرت شکم سے جدا ہوئے آپ کے ہمراہ ایک نور نکلا جس سے ما بین مشرق ومغرب چمک اٹھا۔

عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں: آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم اپنی خاک میں لتھڑے ہوئے تھے، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں اور انبیاء کی مائیں

اسی طرح کا خواب دیکھتی ہیں۔ حضرت کی ماں نے وضع کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات نظر آئے۔ اس حدیث کی امام احمد، امام بزار، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی متعدد سندیں ہیں۔ (الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۰، ۱۳۰۵ھ)

اور عبارات سابقہ سے اظہار فرح میلاد نبوی پر پایا جاتا ہے، سو جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول اس نعمت پر نہ کرے وہ مسلمان نہیں (الی قولہ) شق صدر شریف اور غسل قلب اطہر چار بار ہوا۔ ایک بار بنو سعد میں آپ کے صغر سن میں، دوسری بار دس سال کی عمر میں صحراء میں ہوا تھا، تیسری بار وقت بعثت کے بماہ رمضان غار حراء میں، چوتھی بار شب اسراء میں (معراج میں ہوا تھا)، آپ کے دل کو آب زمزم سے طشت زر میں دھویا تھا، اس سے افضلیت ماء زمزم کی ثابت ہوتی ہے، عبد المطلب آپ کے کفیل تھے، ایک سو بیس یا چالیس برس کے ہو کر مرے، ابو طالب کا نام عبد مناف تھا، ایک بار خشک سالی ہوئی، ابو طالب نے آپ کی پشت کعبہ سے لگا دی، آپ نے انگلی طرف آسمان کے اٹھائی، بادل کا کہیں نشان تک نہ تھا، ناگہاں ابر ادھر ادھر سے آیا اور خوب رعد و برق ہوا اور وادی بہہ نکلی اور ابو طالب نے یہ شعر پڑھا:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتمی عصمۃ للارامل

(وہ گورے رنگ والے کہ بادل جن کے وسیلہ سے بارش طلب کرتا ہے، وہ یتیموں کی پناہ گاہ ہیں اور بیواؤں کی حفاظت ہیں)

امام ابن اسحاق نے اس شعر کو اپنے طویل قصیدے میں ذکر کیا ہے اور امام ابن عبد البر نے کہا: جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر تمام انسانوں اور جنات کی طرف مبعوث فرمایا، آپ تیرہ سال مکہ میں ٹھہرے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ وہاں دس سال ٹھہرے اور آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور دین کی تبلیغ فرماتے رہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی حکمت میں آپ کی بعثت کا مقصود پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ علیین کی طرف اٹھا لیا اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوگئی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ واتباعہ واحزابہ اجمعین۔

(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۳۔ ۱۲، ۱۳۰۵ھ)

آپ کی قضاء حاجت کا اثر دیکھا نہ گیا بلکہ زمین اس کو نگل جاتی تھی وکذالک الانبیاء علیہم السلام، رات کو بھوکے سوتے، صبح کو طاعم (کھائے ہوئے) اٹھتے، اللہ آپ کو جنت سے کھلاتا پلاتا، قبر میں آپ کو ضغطہ (قبر کا دبانا) نہ ہوا وکذلک الانبیاء۔ حالانکہ اس ضغطہ سے کوئی صالح وغیرہ سالم نہیں رہتا ہے اور نہ سباع (درندے) آپ کا جسد کھا سکتے ہیں۔ وکذلک الانبیاء، اور کسی مضطر کو کھانا میتہ نبی کا جائز نہیں ہے اور آپ زندہ ہیں اپنی قبر میں اور نماز پڑھتے ہیں، اندر اس کے آذان اور اقامت کے ساتھ وکذلک الانبیاء۔ ولہٰذا یہ بات کہی ہے کہ آپ کی ازواج پر عدت نہیں ہے اور آپ کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو صلاۃ مصلین آپ کو پہنچاتا ہے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہ وبارک وسلم

اعمال امت کے آپ پر عرض کیے جاتے ہیں، آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۵۲۔ ۵۱، ۱۳۰۵ھ)

مشتاقان کمال و جمال نبوی کو لازم ہے کہ بعد دریافت فضائل میلاد شریف اس امر میں کوشش کریں کہ صورت و سیرت و سمت میں ساتھ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت حاصل ہو کیونکہ ترقی مدارج عقبیٰ کی اور رفعت مراتب آخرت ہر مومن، مسلم محسن کے حق میں بقدر اس موافقت و مقدار اتباع کے ہوگی مجرد ذکر ولادت شریف سن کر دم بھر ابنا دہر میں بیٹھ کر خوش ہو لینا اور پیروی کی فکر

نہ کرنا بلکہ بدعات ومنکرات میں آلودہ رہنا اور مرتکب کبائر وترک اعمال صالحہ ہونا کچھ مفید نہ ہوگا۔
(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۰۴۔۱۳۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ ہم کو اور جملہ اہل اسلام کو ایسی توفیق خیر رفیق حال کرے کہ ہم روز کسی قدر ذکر میلاد شریف کتب معتبرہ سے خود پڑھیں یا کسی محب صادق متبع واثق سے سن لیا کریں۔ فقط کسی یوم وماہ وتاریخ معین پر قصر نہ کریں۔
(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۰۵۔۱۳۰۵ھ)

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے لیکن بارہ ربیع الاول کو ذکر میلاد کرنے کی ترجیح ہے۔ خود نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا ہے: قتادہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت سے صوم دوشنبہ (پیر کے دن کا روزہ) کا سوال کیا، فرمایا: "یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اس دن مجھ پر نبوت نازل کی گئی"۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔ (الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۵)۔ (سعیدی غفرلہ)

میلاد النبی کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نظریہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام وصال میں میرے پاس آپ کی نیاز دینے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی، آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی، ایک رات میں دیکھا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع واقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں۔ آپ نے کمال مسرت سے توجہ فرمائی اور ان کو طلب فرمایا۔ کچھ آپ نے تناول فرمایا اور کچھ آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ (انفاس العارفین ص ۱۰۷۔۱۰۶، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۳۹۸ھ)

مشہور اسکالر علامہ حافظ عبدالمجید نقشبندی شرق پوری مقیم برسٹل انگلینڈ کا مصنف کو مشورہ

حافظ عبدالمجید نقشبندی نے مجھ سے سیل فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ آپ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز اور استحسان پر لکھ رہے ہیں تو اس موضوع پر شیخ ابن تیمیہ کی اقتضاء الصراط المستقیم کی عبارت کا ضرور حوالہ دیں، سو میں نے اقتضاء الصراط المستقیم میں اس عبارت کو تلاش کیا اور اب وہ ہدیہ قارئین ہے:

شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحمید الحرانی الدمشقی المعروف بابن تیمیہ حنبلی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اور اسی طرح بعض لوگوں نے عید میلاد النبی کی بدعت نکالی ہے جو یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کی مشابہت کی وجہ سے کیونکہ عیسائی یہ عید مناتے ہیں اور یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کی اس محبت کی وجہ سے اور اجتہاد کی وجہ سے ان کو اجر عطا فرمائے گا نہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد کے دن کو عید بنا لیا ہے جب کہ لوگوں کا آپ کی ولادت کے دن میں اختلاف ہے، کیونکہ سلف نے یہ کام نہیں کیا حالانکہ اس کا مقتضی اور محرک موجود تھا اور مانع کوئی نہیں تھا اور اگر اس کام میں خیر محض ہوتی یا یہ کام ان کے نزدیک راجح ہوتا تو سلف رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے اور آپ کی تعظیم کرنے والے تھے اور وہ نیکی کے کاموں پر بہت زیادہ حریص تھے اور آپ کی محبت اور تعظیم کا کمال صرف آپ کی اتباع میں ہے اور آپ کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اور آپ کی سنت کو زندہ کرنے میں ہے اور آپ کے دین کی تبلیغ اشاعت میں ہے اور دل، زبان اور طاقت سے اس پر جہاد کرنے میں ہے اور یہی سابقین مہاجرین وانصار اور ان کے متبعین بالاحسان کا طریقہ ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۲۶۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: شیخ ابن تیمیہ کا یہ لکھنا کہ یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عید بنانا عیسائیوں کی مشابہت ہے تو یہ محض ان کی بدگمانی ہے۔ اہل سنت و جماعت خصوصاً اور دیگر مسلمین عموماً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اس دن کو عید مناتے ہیں اور اس دن کی تعظیم کی وجہ سے عید میلاد النبی کے دن مساجد، عمارتوں، دکانوں اور بازاروں کو سجاتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں اور ہر خوشی کا دن عید کا دن ہوتا ہے اور اہل اسلام کے نزدیک سب سے زیادہ خوشی کا دن وہ دن ہے جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور تشریف آوری ہوئی اور رہا ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ سلف یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس دن کو عید نہیں قرار دیا اور اگر اس کام میں کوئی خیر ہوتی تو وہ یہ کام ضرور کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتنے ہی کام ایسے تھے جو عہد رسالت میں نہیں تھے اور ان کو بعد میں صحابہ نے کیا اور وہ کام مسلمانوں کا شعار بن گئے جیسے ایک مصحف میں قرآن مجید کو جمع کرنا، تراویح کو باجماعت ادا کرنا، جمعہ کے دن ایک اذان کا اضافہ کرنا اور قرآن مجید پر اعراب لگانا، یہ سب کام عہد رسالت کے بعد کیے گئے اور مساجد میں محرابوں کو بنانا اور قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیات کی تعداد کو لکھنا، باقاعدہ دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کو بنانا، یہ سب کام اور گھڑیوں کے حساب پر نمازیں پڑھنا یہ سب کام دور صحابہ کے بعد کیے گئے لیکن ان پر شیخ ابن تیمیہ، غیر مقلدین اور دیوبندیوں کو اعتراض نہیں ہے، صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن کو عید قرار دینے پر ان کو اعتراض ہے، سو اس کی وجہ بغض رسالت نہیں تو اور کیا ہے؟

محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل پر مبنی خطابات اور نعت خوانی کا استحباب اور نعت خوانوں کو نذرانے دینے کا استحسان

میں کہتا ہوں: جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا کہ میلاد النبی منانا اور بارہ ربیع الاول کے دن جلسے منعقد کرنا اور ان جلسوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور آپ کے محامد و محاسن بیان کرنا اور آپ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرنا اور احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنا اور عام مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی تلقین کرنا اور بے عملی اور بد عملی پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا مستحب اور کار ثواب ہے اور اس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل پر مشتمل نعتیں پڑھنا اور مجلس کے آخر میں کھڑے ہو کر ادب سے آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے اس مجلس کی مقبولیت کی دعا کرنا اور اپنی تمام نیک حاجات پوری ہونے کے لیے گڑگڑا کر دعا کرنا اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور عذاب آخرت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا مجلس میلاد النبی کا اہم مقصود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں پڑھنا صحابہ کی سنت ہے اور نعتیں سننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ سے اور حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہما سے اپنی نعتیں سنتے تھے اور مسرت کا اظہار کرتے تھے اور بسا اوقات ان کو نذرانے بھی عطا کرتے تھے۔ امام محمد بوصیری شافعی متوفی ۶۹۵ھ مفلوج ہو گئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں قصیدہ پڑھا۔ رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ان کے مفلوج جسم پر اپنا دست شفاء پھیرا تو ان کے فالج کا اثر جاتا رہا اور آپ نے ان کو بردۃ (چادر) عطا کیا۔ شیخ ابو الرجاء الصدیق قطب زمانہ نے بتایا: جب یہ قصیدہ بارگاہ رسالت میں پڑھا جا رہا تھا تو میں اس مجلس میں حاضر تھا اور آپ اس قصیدہ کو سن کر فرط مسرت سے جھوم رہے تھے۔ جب سے ان کا یہ قصیدہ، قصیدہ بردہ کے نام سے معروف ہے اور تمام ممالک کے مسلمان آج تک اس قصیدہ کو ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ بہر حال ان سطور سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں پڑھنا، ان

پر خوش ہونا اور نعت خوانوں کو نذرانے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور آج تک اس پر مسلمان محبت سے عمل کر رہے ہیں۔

آج کل کے نعت خوانوں کا نعتوں میں شریعت سے انحراف کرنا

میری گزارش یہ ہے کہ ہر عمل میں اعتدال اور افراط و تفریط سے اجتناب ضروری ہے۔ اب ہمارے زمانے میں نعت خواں حضرات بہت بے احتیاطی کرتے ہیں۔ اول تو وہ ایسی نعتیں پڑھتے ہیں جس میں جنت الفردوس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ بعض اشعار ملاحظہ ہوں جن کو نعت خواں حضرات ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور لوگوں سے داد وصول کرتے ہیں:

سنتا نہیں زاہد سے میں حوروں کی کہانی

الفت ہے مجھے سایۂ دیوار نبی سے بھاتی نہیں ہمدم مجھے جنت کی جوانی

تیری چاہت میری چاہت میں یہ زاہد فرق ہے کہ تجھ کو جنت چاہیے مجھ کو مدینہ چاہیے

کوئے نبی سے آ نہ سکے ہم راحت ہی کچھ ایسی تھی یاد رہی نہ جنت ہم کو جنت ہی کچھ ایسی تھی

کون کہتا ہے کہ زینت خلد کی اچھی نہیں لیکن اے دل فرقت کوئے نبی اچھی نہیں

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ

اسی طرح بعض اشعار میں عذاب قبر سے بے نیاز کرتے ہیں:

ڈراتا مجھ کو تو کیوں ہے عذاب قبر سے واعظ وہاں سرکار آئیں گے خطا جانے عطا جانے

اور بعض اشعار میں عذاب آخرت سے بے خوبی کی تلقین کرتے ہیں:

قبر کا خوف ہو مجھے کیونکر واں پہ آنا میرے حضور کا ہے

غم نہ محشر کی دھوپ کا ہے واں شامیانہ میرے حضور کا ہے

غور فرمائیے: قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی تعلیم یہ ہے کہ قبر، حشر اور دوزخ کے عذاب سے مسلمان ڈرتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت برحق ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ لوگ اپنے گناہوں پر نادم نہ ہوں اور خوف آخرت کو بھول جائیں۔

اسی طرح بعض نعتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کریں:

معنی حرفم کنی تحقیق بنگری با دیدۂ صدیق اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

دوسرا شعر یہ ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمد محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

بجاتے تھے دنیا میں انی عبدہ کی بنسری ہر دم وہ محشر میں انی انا اللہ کہہ کر نکلیں گے

غور فرمائیے: کیا ایسی نعتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے یا ناراض ہوں گے۔

محافل نعت کا ایک المیہ

اعتدال کے ساتھ نعت خوانی قابل تحسین اور لائق تقلید ہے لیکن ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ آدھی رات سے لے کر اذان فجر تک نعت خوانی کی مجلس گرم رہتی ہے اور اختتام مجلس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور اکثر سامعین نماز فجر نہیں

پڑھتے۔ بتائیے کیا ایسی نعت خوانی کی مجلس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے! نعت خوانوں کو نذرانے پیش کرنا بھی سنت ہے اور لائق تحسین ہے لیکن ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ سنی حضرات نعت خوانوں کو تو بڑی بڑی رقوم پیش کرتے ہیں، لیکن دین کے دوسرے شعبوں میں اپنا مال اتنی کثرت سے خرچ نہیں کرتے اور تبلیغ، تصنیف، مدارس، مساجد اور تدریس کی حوصلہ افزائی کے لیے زیادہ مال خرچ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس دیوبندی اور غیر مقلدین اپنا زیادہ تر مال تبلیغ، تصنیف اور تدریس کی حوصلہ افزائی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دینی مدارس ہمارے مدارس سے بہت زیادہ ہیں، ان کی تصنیفات اور ان کے کتب خانے اور ان کے طلباء ہماری تصنیفات، ہمارے کتب خانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔

مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۱ھ نے اپنے زمانہ میں یہ رباعی لکھی:

"واحسرتا"

اہل سنت بہر قوالی و عرس دیوبندی بہر تصنیفات و درس
خرچ سنی بر قبور و خانقاہ خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

میلاد النبی کے جلوس میں اصلاح کی ضرورت

ہمارے شہروں میں میلاد النبی کے بڑے بڑے جلوس نکلتے ہیں اور نمازوں کے اوقات میں بھی نماز پڑھے بغیر یہ جلوس جاری رہتے ہیں اور بعض اوقات جلوس میں مرد و زن کا اختلاط بھی ہوتا ہے اور فلیٹوں کی بالکنیوں سے لڑکیاں شرکاء جلوس پر پھلوں اور مٹھائی کی تھیلیاں پھینکتی ہیں اور بعض اوقات جلوس کے ساتھ فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ انہی خرافات کی وجہ سے دیوبندیوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ یہ جلوس بند کر دینے چاہییں، ہم کہتے ہیں: آج کل کے نکاح اور ولیمہ کی تقریبات میں بھی مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے لیکن کوئی دیوبندی مولوی یہ نہیں کہتا کہ ان خرافات کی وجہ سے نکاح اور ولیمہ کی تقریبات کو بند کر دینا چاہیے، سو جس طرح نکاح اور ولیمہ کی تقریبات کو بند کرنے کے بجائے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اسی طرح عید میلاد النبی کے جلوس میں بھی اصلاح کرنی لازم ہے، اس میں مرد و زن کا اختلاط نہ ہو، نمازوں کے اوقات میں تمام شرکاء جلوس نماز پڑھیں اور جلوس کے دوران فلمی گانوں کی ریکارڈنگ کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور نعت خوانی کی جائے۔ میں نے ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۳ء میں برطانیہ کا دورہ کیا اور وہاں میلاد النبی کے جلوسوں میں شرکت کی اور وہاں میں نے کسی جلوس میں کوئی شریعت کے خلاف بات نہیں دیکھی۔ صبح دس (۱۰) بجے جلوس شروع ہوا اور ظہر تک جاری رہا اور جلوس کے دوران سب ذکر و اذکار کرتے رہے اور جلوس کے اختتام پر صفۃ الاسلام بریڈ فورڈ برطانیہ کی مسجد میں سب شرکاء جلوس جمع ہوئے اور سب نے صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن محبوبی زید حبہ وعلمہ ولطفہ کی قیادت میں نماز ظہر ادا کی، پھر اس کے بعد عصر تک علماء کی تقاریر ہوتی رہیں، پھر آخر میں صلاۃ وسلام کے بعد دعا ہوئی اور یوں یہ محفل میلاد النبی اختتام پذیر ہوئی، پھر اس کے بعد سب کو لنچ باکسز میں کھانا تقسیم کیا گیا جس کو سب نے ادب و احترام کے ساتھ تناول کیا، ضرورت ہے کہ پاکستان کے شہروں میں بھی عید میلاد النبی کے موقع پر اس طرز کے جلسے ہوں اور اس نوع کے جلوس نکالے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پاکستانی مسلمانوں کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم عید میلاد النبی کو ادب و احترام سے منائیں۔ آمین یا رب العٰلمین بجاہ حبیبك سید المرسلین علیه وعلی آله و اصحابه ازواجه صلوٰت الله تعالیٰ و تسلیماته الی یوم الدین۔

۲۲۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ

جس نے کہا: دو سال کے بعد دودھ نہیں پلایا جائے گا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۔ (البقرہ: ۲۳۳)

(اور مائیں اپنے بچوں کو) پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کیلئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت کے مکمل ہونے میں فقہاء مذاہب کا اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے فقہاء احناف کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کی انتہائی مدت تیس (۳۰) ماہ ہے اور ان کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۔ (الاحقاف: ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔

یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ہر ایک کی تیس (۳۰) ماہ ہے، اور یہ ان کی بہت غریب تاویل ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین عینی حافظ ابن حجر کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! یہ نیند میں ڈوبے ہوئے شخص کا نتیجہ فکر ہے اور امام بخاری کے عنوان سے فقہاء احناف کے قول کی طرف اشارہ کا کیا سبب ہے؟ امام بخاری کا عنوان تو صرف ان فقہاء کے بیان کے لیے ہے جو مطلقاً کہتے ہیں کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں ہے اور امام بخاری کا یہ عنوان اس سے عام ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے کا جواز فقہاء احناف کا قول ہو یا کسی اور کا اور اس قول کی نسبت تمام فقہاء احناف کی طرف کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ امام ابو یوسف اور امام محمد جو اکابر ائمہ احناف میں سے ہیں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ علامہ عینی حنفی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے اس عبارت کے متصل یہ کہا ہے: اسی طرح ان کا قول ہے جنہوں نے دو سال کی مدت پر ایک مہینہ اور دو مہینہ کا اضافہ کیا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا اعتراض بہت قوی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے ان کے اعتراض کا جواب نہیں بن سکا۔

یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ہر ایک کی تیس (۳۰) ماہ ہے، اور یہ ان کی بہت غریب تاویل ہے اور جمہور کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس آیت میں حمل کی کم سے کم مدت بیان فرمائی ہے اور وہ چھ ماہ ہے اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت بیان

فرمائی ہے اور وہ دو سال ہے اور ان کا مجموعہ تیس مہینہ ہیں، جن میں سے چھ مہینہ کم از کم مدت حمل ہے اور دو سال زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن کا بھی یہی مذہب ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ نہیں کہتے کہ زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت ڈھائی سال ہے، اور فقہاء مالکیہ کی ایک روایت فقہاء احناف کے قول کے موافق ہے۔
وہ یہ کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کے دو سال پورے ہونے کے بعد اتنے دنوں تک بچہ کو دودھ پلانا معاف ہے جتنے دنوں میں وہ طعام کھانے کا عادی ہو جائے گا کیونکہ عادت یہ ہے کہ بچہ ایک دم طعام کھانا شروع نہیں کرتا بلکہ چند دنوں کے بعد تدریجاً طعام کھانا شروع کرتا ہے، پھر ان کا اس مدت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چھ ماہ تک اس کو دودھ پلانا معاف ہے اور دوسرا قول ہے: دو ماہ تک اس کو دودھ پلانا معاف ہے اور تیسرا قول ہے: اس کو ایک ماہ تک دودھ پلانا معاف ہے اور چوتھا قول ہے: چند دنوں تک اس کو دودھ پلانا معاف ہے اور پانچواں قول یہ ہے: دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد اس مدت میں اضافہ نہ کیا جائے اور یہ ابن وہب کی امام مالک سے روایت ہے اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو سال پورے ہونے کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے''۔

اس حدیث کی امام دارقطنی نے روایت کی ہے اور انہوں نے کہا: اس حدیث کو صرف ابن عیینہ سے الہیثم بن جمیل کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور وہ ثقہ حافظ ہے، اور امام ابن عدی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور انہوں نے بیان کیا ہے کہ الہیثم کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی یہ حضور کا ارشاد نہیں ہے اور یہی بات محفوظ ہے۔ اور ان کے نزدیک اگر دو سال پورے ہونے کے بعد ایک لحظہ بھی دودھ پلایا تو اس پر کوئی حکم بھی مرتب نہیں ہوگا۔

اور امام زفر نے کہا کہ دودھ پلانے کی مدت تین سال تک ہے۔ جب کہ بچہ کو صرف دودھ کفایت کرتا ہو اور طعام کفایت نہ کرتا ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۸۔۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تیس ماہ دودھ پلانے کی مدت کی وضاحت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ فقہاء احناف کے قول کی تائید اور فقہاء شافعیہ کی دلیل کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پس ثابت ہوا کہ دودھ پلانے کی مدت کی تکمیل دو سال تک ہے لیکن بچہ سے ایک دم دودھ چھڑانا ممکن نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ دو سال پورے ہونے کے بعد اتنی مدت تک مزید دودھ پلایا جائے جس میں بچہ دودھ چھوڑ کر طعام کھانے کا عادی ہو جائے، پس کبھی اس کو دودھ پلانے کے ذریعہ اس کو غذا دی جائے اور کبھی اس کو طعام کھلانے کے ذریعہ غذا دی جائے حتیٰ کہ بچہ دودھ پینا بھول جائے، اور اس کی کم سے کم مدت جس میں بچہ دودھ پینے کی طرف منتقل ہو سکے چھ ماہ ہے اور اس کا قیاس حمل کی کم سے کم مدت پر ہے اور وہ بھی چھ ماہ ہے، لہٰذا دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہو جائے گی اور یہی فقہاء احناف کا قول ہے۔

فقہاء شافعیہ کی پیش کردہ حدیث مرفوع کا جواب

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام دارقطنی نے الہیثم بن جمیل از ابن عیینہ از عمرو بن دینار از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو سال کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے''۔ میں کہتا ہوں کہ الہیثم بن جمیل کے سوا اس حدیث کی

ابن عیینہ سے اور کسی نے روایت نہیں کی۔

امام ابن عدی نے کہا: الہیثم بن جمیل ثقات سے روایت کرنے میں غلطی کرتا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتا اور دوسرے راویوں نے اس حدیث کو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول قرار دیا ہے اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ الہیثم سے ابو الولید بن برد الانطا کی روایت کرتا ہے اور وہ غیر معروف ہے اور امام نسائی نے کہا کہ الہیثم بن جمیل کی امام احمد، العجلی اور متعدد ائمہ نے توثیق کی ہے اور وہ حفاظ حدیث میں سے ہے مگر اس کو اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں وہم ہوا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے، اور اس حدیث کی امام سعید بن منصور نے از ابن عیینہ موقوفاً روایت کی ہے اور امام عبد الرزاق نے بھی اس حدیث کی موقوفاً روایت کی ہے، اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے بھی اس کی موقوفاً روایت کی ہے۔ نیز امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کی حضرت ابن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے، اور امام دار قطنی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی موقوفاً روایت کی ہے۔ یعنی ان تمام صحابہ نے یہ کہا کہ بچہ کو صرف دو سال تک دودھ پلانا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان صحابہ کا قول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

زیر بحث مسئلہ میں فقہاء احناف کی تحریر

علامہ محمد امین بن عمر عبد العزیز عابدین الدمشقی الشافعی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے اور ان دونوں قولوں پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۹۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۵۱۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَشْعَثِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَأَنَّهُ تَغَيَّرَ وَجْهُهُ كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ فَقَالَتْ إِنَّهُ أَخِي فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاشعث از والد خود از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور اس وقت ان کے پاس ایک مرد تھا، پس گویا کہ آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا گویا کہ آپ نے اس مرد کو (اپنے گھر میں) ناپسند کیا، تو حضرت عائشہ نے بتایا کہ بے شک یہ میرا (رضاعی) بھائی ہے آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں پر غور کیا کرو کیونکہ دودھ پلانا صرف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب بچہ بھوک سے دودھ پیے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۷، ۵۱۰۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۸، سنن نسائی: ۳۳۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۵، مسند احمد ج ۶ ص ۹۴، مسند احمد: ۲۴۶۳۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۴۱۲، مسند ابن راہویہ: ۱۴۶۷، سنن دارمی: ۲۲۵۶، شرح السنۃ: ۲۲۸۵، سنن سعید بن منصور: ۹۶۴، الکبریٰ للنسائی ۵۴۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

غیر مقلدین کے اس قول کا رد کہ ''بڑی عمر والے کے دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے''

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال الکبری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام شہروں کے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ بڑی عمر والے کو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور اللیث اور غیر مقلدین کا یہ قول شاذ ہے کہ بڑی عمر والے کو بھی دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور دودھ کا رشتہ ثابت ہو جاتا ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت ابوحذیفہ کی بیوی سے کہا کہ تم ان کو اپنا دودھ پلا دو، پھر یہ تمہارا رضاعی بیٹا ہو جائے گا، اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ دو سال میں دودھ پلانے کی مدت مکمل ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے سے دودھ کا رشتہ ثابت نہیں ہوگا۔

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے متعلق ہے تو یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہو چکی ہے یا پھر یہ حضرت سالم کی خصوصیت تھی، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی ازواج رضی اللہ عنہن نے کہا: یہ صرف حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے (رضاعی) بھائیوں کے متعلق غور کرو کیونکہ رضاعت سے حرمت کم عمری میں ثابت ہوتی ہے جب دودھ پینے سے بھوک مٹ جاتی ہے نہ کہ اس وقت جب کہ بڑی عمر والے کی بھوک دال روٹی کھانے سے مٹ جاتی ہے۔

حرمت کے ثبوت کے لیے دودھ پلانے کی مقدار میں اختلاف فقہاء

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: خواہ دودھ کم پلایا جائے یا زیادہ اس سے دودھ کے رشتہ کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، الحسن البصری، عطاء، مکحول، طاؤس اور الحکم کا یہی قول ہے، اور یہی امام مالک، اللیث، الاوزاعی، الثوری اور فقہاء احناف کا مذہب ہے۔

اور دوسری جماعت نے کہا: ایک چسکی یا دو چسکی پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی رضاعت صرف تین چسکی دودھ پلانے سے ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت ابن الزبیر سے یہی روایت ہے اور یہی امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید کا قول ہے۔ ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک چسکی اور دو چسکیوں کے پینے سے حرمت رضاعت نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۳، سنن ترمذی: ۱۱۵۳، سنن نسائی: ۳۳۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۲، مسند احمد: ۳۳۰۷)

اور دوسری جماعت نے کہا کہ دودھ پینے سے حرمت صرف پانچ متفرق چسکیوں کے پینے سے ہوتی ہے۔ ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قرآن مجید میں عشر رضعات معلومات یحرمن (دس معلوم دودھ کی چسکیاں حرام کرتی ہیں) نازل ہوئیں، پھر یہ آیت منسوخ کردی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی: خمس معلومات (پانچ معلوم دودھ کی چسکیاں)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ آیت قرآن مجید میں پڑھی جاتی تھی۔

(صحیح مسلم: ۱۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۲، سنن ترمذی: ۱۱۵۳، سنن نسائی: ۳۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ صرف سات چسکی دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں ہے: (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۹۲۱، ۱۳۹۱۱، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۸۳)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دس چسکیاں دودھ پلادیں تاکہ وہ ان کے پاس داخل ہوسکیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۲۵)

اور اس قول کی مثل حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (المؤطا ص ۳۷۳)

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام مالک اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے کی مقدار کو کم یا زیادہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس کو مطلق رکھا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رضاع کے متعلق احادیث میں اضطراب ہے، لہٰذا ان احادیث کو ترک کرنا اور کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دس چسکیاں دودھ پلانے کا حکم دیں حالانکہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ اور پانچ چسکیوں والی حدیث بھی منسوخ ہو چکی ہے اور ایک چسکی اور دو چسکی والی حدیث ثابت نہیں ہے اور حدیث میں اس قسم کا اضطراب حدیث کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا: اور اس میں نظر کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز حرام کرتی ہے اس میں عدد کی تاثیر نہیں ہوتی اور اس کی قلیل اور کثیر مقدار حرام کر دیتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا اپنی باندی سے ایک مرتبہ جماع کرے تو وہ اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اور اس کی ماں اور اس کی بیٹی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب دودھ پلانے کی کثیر مقدار حرام کر دیتی ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی قلیل مقدار بھی حرام کر دے گی۔ (شرح مشکل الآثار ج ۱۱ ص ۴۹۳، ۴۸۰، ملخصاً)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۳۔۱۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت من وعن نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۹۸۔۲۹۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی دودھ پلانے کی مقدار کی روایات کو نقل کرنے کے بعد آخر میں یہی لکھا ہے کہ یہ روایات مضطرب ہیں اور یہ صریح قرآن کے معارض نہیں ہو سکتیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی بحث میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: لَبَنِ الْفَحْلِ — مرد (کے سبب سے جو) دودھ (حاصل ہو)

لبن الفحل کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
الفحل کا معنی ہے: مرد اور اس کی طرف دودھ کی نسبت مجاز ہے کیونکہ مرد عورت میں دودھ اترنے کا سبب ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

لبن الفحل کی وجہ سے حرمت رضاعت میں صحابہ، تابعین، مجتہدین اور دوسرے فقہاء کا اختلاف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
مرد کے سبب سے حاصل شدہ عورت کے دودھ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مرد کا دودھ حرام ہے جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے اور حافظ ابن البر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے اور تابعین میں سے عروہ بن الزبیر، طاؤس، عطاء، ابن شہاب، مجاہد، ابو الشعثاء، جابر بن زید، حسن بصری، شعبی، سالم، القاسم بن محمد، ہشام بن عروہ کا بھی یہی قول ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی کا امام احمد اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور الثوری، الاوزاعی، اللیث بن سعد اور اسحاق اور ابو الثور کا بھی یہی قول ہے۔
اور بعض صحابہ نے کہا ہے کہ مرد کے سبب سے حاصل شدہ عورت کا دودھ حرام نہیں ہے، ان میں سے حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عائشہ، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں) اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، سلیمان بن یسار، ان کے بھائی عطا بن یسار، مکحول، ابراہیم نخعی، ابو قلابہ، ایاس بن معاویہ، القاسم بن محمد، سالم (ان کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں) اور شعبی اور اسی طرح حسن بصری اور ابراہیم بن علیہ۔
حافظ ابو عمر نے التمہید میں نقل کیا ہے کہ داؤد بن علی ظاہری متوفی ۲۷۰ھ کا بھی یہی موقف ہے اور معروف اس کے خلاف ہے۔
قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اہل فتویٰ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ مرد کے دودھ کی حرمت ساقط ہے ماسوا اہل الظاہر اور ابن علیہ کے اور معروف یہ ہے کہ داؤد ظاہری نے بھی ائمہ اربعہ کی موافقت کی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مرد کے دودھ حرام ہونے کا معنی یہ ہے کہ مرد کے دودھ کے سبب سے اس مرد اور دودھ پینے والے کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور دودھ پینے والا اس مرد کا بیٹا ہو جاتا ہے اور دودھ پینے والے کی اولاد اس مرد کی اولاد ہوتی ہے، اور جنہوں نے کہا کہ مرد کا دودھ حرام نہیں ہے ان کا قول اس کے خلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۸۔ ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ بَعْدَ أَنْ نَزَلَ الْحِجَابُ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ بن الزبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ افلح جو ابو القعیس کے بھائی ہیں وہ ان کے پاس آنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے آئے اور وہ ان کے رضاعی چچا ہیں اور یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے، پس میں نے

ان کو آنے کی اجازت دینے سے انکار کیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو اپنے منع کرنے کی خبر دی، پس آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کو آنے کی اجازت دوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۴، ۵۱۰۳، ۵۱۱۱، ۵۲۳۹، ۶۱۵۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۳۳۱۴، سنن ترمذی: ۱۱۵۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۸)

رضاعی چچا کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اشکال کا سبب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے کہا کہ مرد کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حرمت تو عورت کی جہت سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جہت کے سبب سے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے رضاعی بھائی اور رضاعی بھتیجیاں آتی تھیں اور ان کے پاس ان کے رضاعی بھائی کی بیویاں نہیں آتی تھیں، اور جن فقہاء نے کہا ہے: مرد کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل حدیث مذکور ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا تھا جو دودھ ان کے شوہر سے حاصل ہوا تھا، پس حضرت ابوالقعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد ہو گئے اور حضرت ابوالقعیس کے بھائی ان کے رضاعی چچا ہو گئے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اشکال ہوا کہ رضاعت تو حقیقت میں عورت کی جہت سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں (تم پر حرام ہیں)۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مرد کے سبب سے حرمت رضاعت کو نہیں جانا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ خبر دی کہ مرد کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''وہ تمہارے چچا ہیں، پس تم ان کو آنے کی اجازت دو''۔

مرد کے دودھ سے ثبوت حرمت پر عقلی دلیل

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ تمہاری رضاعی مائیں اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں اور ان کے ماسوا کے متعلق حدیث میں تصریح نہیں ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دودھ کا سبب عورت اور مرد دونوں کی منی ہے، پس واجب ہے کہ حرمت رضاعت ان دونوں سے ثابت ہو جیسے اولاد کی نسبت ان دونوں کی طرف ہوتی ہے اور اگر ان کا سبب مختلف ہو جیسا کہ دادا جب بیٹے کا سبب ہے تو پوتے کی تحریم بھی اس کے ساتھ متعلق ہو گی جیسا کہ اس کے بیٹے کے ساتھ متعلق ہے، اسی طرح مرد اور عورت کا حکم ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد کی دو بیویاں ہیں، پس ان میں سے ایک بیوی نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا اور دوسری بیوی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس لڑکے کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۴۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۹۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۴۲)

کیونکہ نکاح واحد ہے اور ان کی مائیں ایک ہی مرد کی بیویاں ہیں اگرچہ وہ الگ الگ ہیں کیونکہ اس لڑکے اور لڑکی کا باپ ایک

ہی ہے جو کہ ان دونوں عورتوں کے دودھ کا سبب ہے اور وہ لڑکا اور لڑکی آپس میں علاتی (باپ شریک) رضاعی بھائی بہن ہیں۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)
علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح من وعن نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۰۰۔ ۲۹۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

دودھ پلانے والی کے دعویٰ اور دودھ پینے والے کی تصدیق سے رضاعت کے ثبوت پر حدیث مذکور سے استدلال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے دودھ پلانے کا دعویٰ کیا اور دودھ پینے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو ان دونوں کے درمیان رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ ثابت ہو جائے گا اور اس پر کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت افلح نے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے دعویٰ کی تصدیق کر دی، اور شارع علیہ السلام نے صرف ان کے اس دعویٰ کی بنا پر ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے کی اجازت دے دی لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شارع علیہ السلام کو حضرت افلح کے رضاعی چچا ہونے کا پہلے علم ہو بغیر اس کے کہ حضرت افلح دعویٰ کریں اور حضرت عائشہ اس کو تسلیم کریں۔

کم مقدار میں (ایک چسکی) دودھ پینے سے بھی رضاعت کے ثبوت پر حدیث مذکور سے استدلال

اور اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ کم مقدار میں دودھ پینے سے بھی رشتہ رضاعت ثابت ہو جاتا ہے اور حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح زیادہ مقدار میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت افلح کے بھائی کی بیوی سے کتنی مقدار میں دودھ پیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ دودھ پینے کی مقدار کم ہو یا زیادہ، لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ عدم ذکر عدم محض کو مستلزم نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت افلح کی بیوی کا زیادہ مقدار میں دودھ پیا ہو اور اس کا یہاں ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ اور نکات لطیفہ (حضرت افلح کے رضاعی چچا ہونے کی وضاحت)

(۱) جس شخص کو کسی چیز کے حکم میں شک ہو تو وہ اس پر عمل کرنے میں توقف کرے حتیٰ کہ علماء دین سے اس چیز کا شرعی حکم معلوم کر لے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس میں شک تھا کہ حضرت افلح ان کے رضاعی چچا ہیں یا نہیں کیونکہ انہوں نے حضرت ابو القعیس کا دودھ نہیں پیا تھا بلکہ ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ حضرت افلح حضرت ابو القعیس کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت ابو القعیس اس عورت کے شوہر تھے جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا، تو حضرت ابو القعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد ہوئے اور حضرت افلح، حضرت ابو القعیس کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ہوئے۔ اس وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شک تھا کہ انہوں نے حضرت ابو القعیس کا دودھ تو نہیں پیا بلکہ ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا، پھر حضرت افلح حضرت ابو القعیس کے بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا کیسے ہو گئے اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ابو القعیس تمہارے رضاعی چچا ہیں، ان کو گھر آنے کی اجازت دو، اور آپ کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو القعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا لیکن اس دودھ کا سبب تو ان کے شوہر

ابوالقعیس تھے، لہٰذا ان کے بھائی حضرت افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ہو گئے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی مردوں سے عورتوں کو حجاب میں رہنا لازم ہے۔

(۳) کسی محرم کا اپنے محرم کے گھر آنے کے لیے اجازت طلب کرنا ضروری ہے جیسے حضرت افلح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے کے لیے ان سے اجازت طلب کی حالانکہ وہ ان کی رضاعی بھتیجی تھیں۔

(۴) عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی مرد کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہ دے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت افلح کے گھر کے آنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔

افلح نام رکھنے کی تحقیق

(۵) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ افلح نام رکھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ افلح نام رکھنا ممنوع ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام یسار (آسانی والا) اور رباح (نفع پانے والا) اور نجیح (کامیاب) اور افلح (زیادہ کامیابی والا) نہ رکھے، کیونکہ جب تم پوچھو گے: کیا گھر میں وہ ہے؟ اور وہ نہیں ہوگا تو تم کہو گے: نہیں ہے''۔ (پس یسار، رباح، نجیح یا افلح نہیں ہے اور اس میں بدفالی ہے اس لیے آپ نے ایسے نام رکھنے سے منع فرمایا) اور امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم اپنے بیٹے کا نام نہ رباح رکھو اور نہ یسار رکھو اور نہ افلح رکھو اور نہ نافع رکھو''۔

(صحیح مسلم: ۲۱۳۶، سنن ابوداؤد: ۴۹۵۸، سنن ترمذی: ۲۸۳۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۰، سنن دارمی: ۲۶۹۶، مسند احمد ج ۵ ص ۷)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان ناموں کے رکھنے سے منع فرمائیں یعنی یعلی، برکت، افلح، یسار، نافع اور اسی قسم کے دوسرے نام، پھر میں نے دیکھا کہ آپ نے ممانعت سے سکوت فرمایا، پھر آپ کی وفات ہو گئی اور آپ نے ان ناموں کے رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۲۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۰، سنن ترمذی: ۲۸۳۶، ابن ماجہ: ۳۷۲۹)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حتمی اور قطعی طور پر افلح نام رکھنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کا نام جو افلح تھا آپ نے ان کے نام کو بھی تبدیل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ افلح نام رکھنا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مستفتی فتویٰ حاصل کرنے سے پہلے اپنے موقف کی کوئی علت بیان کرے تو اس پر انکار کیا جائے گا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ میں ان کو گھر آنے کی اجازت دوں اور یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ مجھے حضرت ابوالقعیس نے تو دودھ نہیں پلایا تھا ان کی بیوی نے دودھ پلایا تھا۔

فقہاء احناف کے قاعدہ کے خلاف قوی حجت

اس حدیث سے بعض علماء نے فقہاء احناف کے خلاف حجت قائم کی ہے کیونکہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی صحابی نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث کی روایت کرے اور وہ حدیث سنداً صحیح ہو اور اس میں صحابی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس صحابی کی روایت پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے عمل کے موافق عمل کیا جائے گا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک مرد کے دودھ کا اعتبار نہیں ہے یعنی مرد کے سبب سے جو اس کی بیوی دودھ پلائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ امام مالک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف کا ذکر الموطا میں کیا ہے اور امام سعید بن منصور نے اس کا ذکر سنن سعید بن منصور میں کیا ہے اور امام ابوعبید نے اس کا ذکر کتاب النکاح میں سند حسن کے ساتھ کیا ہے، اور اس کے برخلاف جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ مرد کے سبب سے جو اس کی بیوی کا دودھ پیا جائے اس سے رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی موقف ہے اور اس حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ یہ ہے کہ مرد کے سبب سے جو اس کی بیوی کا دودھ پیا جائے اس سے رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت افلح کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا قرار دے دیا۔ اب چونکہ فقہاء احناف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب صحابی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو پھر ان پر یہ لازم ہوگا کہ وہ مرد کے سبب سے دودھ پینے پر حرمت رضاعت کا اعتبار نہ کریں حالانکہ وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ مرد کے سبب سے جو دودھ پیا جائے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور یہ فقہاء احناف کے قاعدہ کے خلاف بہت قوی حجت ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٧٧٢-٧٧١، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فقہاء احناف کے خلاف قوی حجت پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اگر اس قائل (حافظ ابن حجر) کو فقہاء احناف کے قواعد کا صحیح ادراک ہوتا اور اس نے ان کے قواعد کو سمجھا ہوتا تو اس سے یہ کلام صادر نہ ہوتا لیکن عدم فہم اور تعصب مرد کو اس سے بھی زیادہ خبطی بات کرنے پر ابھارتا ہے۔

فقہاء احناف کا یہ قاعدہ علی الاطلاق نہیں ہے کہ صحابی کے ہر اس عمل کا اعتبار کیا جاتا ہے جو اس کی روایت کے خلاف ہو بلکہ اس کے عمل کا اس وقت اعتبار ہوتا ہے جب اس نے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث سن لی ہو یا اسے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث معلوم ہوگئی ہو پھر بھی وہ اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک وہ روایت منسوخ ہو چکی ہے یا اس سے وہ روایت صحیح نہیں ہے اور اگر اس نے پہلے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث نہ سنی ہو یا اس کو اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث نہ پہنچی ہو پھر بعد میں اس نے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث سن لی یا اسے کوئی حدیث معلوم ہوگئی ہو اور اس نے اپنے سابق عمل سے رجوع کر لیا ہو اور اپنی روایت پر عمل کیا ہو تو پھر اس کی روایت ہی کا اعتبار ہوگا اور اس کے سابق عمل کا اعتبار نہیں ہوگا اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے یہ سمجھتی تھیں کہ مرد کے سبب سے جو دودھ پیا جائے اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتا دیا کہ حضرت افلح ان کے رضاعی چچا ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی اور گویا اپنے سابق عمل سے رجوع کر لیا، سو یہ حدیث فقہاء احناف کے قواعد کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان کے قواعد کے موافق ہے، لہٰذا اس حدیث کو ان کے قواعد کے خلاف قوی حجت قرار دینا درست نہیں ہے، علاوہ ازیں حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مرد کے سبب سے دودھ کو حرمت رضاعت کا سبب قرار دیتی تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٣٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب اور اس پر مصنف کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہاں نسیان کے احتمال کی گنجائش ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی

شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ جواب بالکل بے کار ہے اور ان کے اس جواب میں علامہ عینی کا اعتراض نہیں اٹھ سکا اور اس جواب سے لگتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی شکست قبول کر لی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۴۔ بَابُ: شَهَادَةِ الْمُرْضِعَةِ

دودھ پلانے والی کی گواہی

۵۱۰۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ عُقْبَةَ لَكِنِّي لِحَدِيثِ عُبَيْدٍ أَحْفَظُ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ أَرْضَعْتُكُمَا فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ لِي إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا وَهِيَ كَاذِبَةٌ فَأَعْرَضَ عَنِّي فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ قُلْتُ إِنَّهَا كَاذِبَةٌ قَالَ كَيْفَ بِهَا وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا دَعْهَا عَنْكَ وَأَشَارَ إِسْمَاعِيلُ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى يَحْكِي أَيُّوبَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از عبداللہ بن ابی ملیکہ، انہوں نے کہا: مجھے عبید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی از حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے یہ حدیث خود عقبہ سے سنی لیکن عبید کی حدیث زیادہ محفوظ ہے، حضرت عقبہ نے کہا: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، پس ہمارے پاس ایک سیاہ فام عورت آئی، اس نے کہا: میں تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہوں، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: میں نے فلانہ بنت فلاں سے نکاح کیا تھا، پس ہمارے پاس ایک سیاہ فام عورت آئی، پھر اس نے مجھ سے کہا: بے شک میں تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہوں اور وہ جھوٹی عورت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اعراض کیا، میں نے کہا: وہ جھوٹی عورت ہے، آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کو کیسے اپنے نکاح میں برقرار رکھو گے حالانکہ اس عورت کا یہ زعم ہے کہ وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے؟ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس سے چھوڑ دو، اور راوی اسماعیل نے اپنی انگشت شہادت اور انگشت وسطی دو انگلیوں سے اشارہ کیا، اس کی ایوب حکایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۸۸ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۶۰۳، سنن نسائی: ۳۳۳۰، سنن ترمذی: ۱۱۵۱، سنن دار قطنی ۴۹۹، مسند احمد ج ۴ ص ۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۳)

ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کے ثبوت میں فقہاء کا اختلاف اور امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب پر دلیل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دودھ پلانے والی ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کے ثبوت میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس سے

روایت ہے کہ ایک عورت کی گواہی جائز ہے اور اس سے اس کی گواہی پر حلف لیا جائے گا۔ زہری، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رضاعت کے ثبوت میں صرف دو مردوں کی گواہی قبول ہوگی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی اور یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور امام مالک نے کہا: بغیر مرد کے دو عورتوں کی گواہی بھی قبول کی جائے گی، اور عطاء، شعبی اور امام شافعی نے کہا کہ چار عورتوں سے کم کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عقبہ سے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو تو آپ کا یہ حکم بر بنائے احتیاط اور استحباب تھا بہ طریق وجوب نہیں تھا کیونکہ ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر اس عورت کے کہنے سے رضاعت ثابت ہو جاتی تو جب حضرت عقبہ نے پہلی بار آپ کو یہ خبر دی تھی تو آپ اس وقت یہ حکم دیتے کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو کیونکہ رضاعی بہن کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اور آپ کا اعراض فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس سیاہ فام عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن جب حضرت عقبہ نے دوسری بار یہ خبر دی تو آپ نے ان کو اس تہمت سے بچانے کے لیے بیوی کو چھوڑنے کا حکم دیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضرت عقبہ نے اپنی رضاعی بہن کو اپنے نکاح میں رکھا ہوا ہے، سو یہ حدیث امام اعظم کے مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹، ملخصاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔ بَابٌ: مَا يَحِلُّ مِنَ النِّسَاءِ وَمَا يَحْرُمُ

کون سی عورتوں سے نکاح حلال ہے اور کون سی عورتوں سے نکاح حرام ہے

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ... الی قولہ تعالیٰ... إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۝ (النساء: ۲۴۔ ۲۳)

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں (یہ آیت یہاں تک ہے) بے شک اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے O

وَقَالَ أَنَسٌ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ ذَوَاتُ الْأَزْوَاجِ الْحَرَائِرُ حَرَامٌ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَنْزِعَ الرَّجُلُ جَارِيَتَهُ مِنْ عَبْدِهِ وَقَالَ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ سے مراد ہے کہ تم پر شادی شدہ آزاد عورتیں حرام ہیں۔ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ (النساء: ۲۴) حضرت انس اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ اگر کسی کی باندی اس کے غلام کے نکاح میں ہو تو وہ اس کو غلام سے چھین کر (یعنی طلاق دلوا کر) خود اس سے مباشرت کر لے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (البقرہ: ۲۲۱)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا زَادَ عَلَى أَرْبَعٍ فَهُوَ حَرَامٌ كَأُمِّهِ

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو بیویاں چار سے زائد

وَابْنَتِهِ وَأُخْتِهِ۔

ہوں وہ بھی حرام ہیں جیسے اس کی ماں، اس کی بیٹی اور اس کی بہن حرام ہیں۔

۵۱۰۵۔ وَقَالَ لَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي حَبِيبٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَرُمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الْآيَةَ

اور ہم سے امام احمد بن حنبل نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے حبیب نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: کہ نسب سے سات قسم کی عورتیں حرام ہیں اور صہر (یعنی سسرالی رشتہ) سے بھی سات قسم کی عورتیں حرام ہیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ الآیۃ (النساء: ۲۳) تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں۔

وَجَمَعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ بَيْنَ ابْنَةِ عَلِيٍّ وَامْرَأَةِ عَلِيٍّ وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ لَا بَأْسَ بِهِ وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ مَرَّةً ثُمَّ قَالَ لَا بَأْسَ بِهِ۔

اور تحقیق عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی (حضرت زینب) اور حضرت علی کی (بیوہ) بیوی (لیلیٰ بنت مسعود) کو ایک نکاح میں جمع کیا، اور ابن سیرین نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں، اور حسن بصری نے ایک مرتبہ کہا: یہ مکروہ ہے اور دوسری مرتبہ کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَجَمَعَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بَيْنَ ابْنَتَيْ عَمٍّ فِي لَيْلَةٍ وَكَرِهَهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ لِلْقَطِيعَةِ وَلَيْسَ فِيهِ تَحْرِيمٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ۔

اور حضرت الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہم نے اپنی دو چچا کی بیٹیوں سے ایک رات میں نکاح کیا اور جابر بن زید (تابعی) نے اس کو قطع رحم (یعنی سوکنوں کے جلاپے) کی وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیا، اور یہ حرام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء: ۲۴) اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا زَنَى بِأُخْتِ امْرَأَتِهِ لَمْ تَحْرُمْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کی بہن سے زنا کیا تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

وَيُرْوَى عَنْ يَحْيَى الْكِنْدِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَأَبِي جَعْفَرٍ فِيمَنْ يَلْعَبُ بِالصَّبِيِّ إِنْ أَدْخَلَهُ فِيهِ فَلَا يَتَزَوَّجَنَّ أُمَّهُ وَيَحْيَى هٰذَا غَيْرُ مَعْرُوفٍ وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ

اور یحییٰ الکندی سے روایت کی گئی ہے از الشعبی از ابو جعفر، انہوں نے کہا: جو شخص کسی بے ریش لڑکے سے اغلام بازی کرے اور اس کی دبر میں دخول کردے تو اب وہ اس بے ریش لڑکے کی ماں سے نکاح نہ کرے، اور یہ راوی یحییٰ معروف نہیں ہے اور اس کی متابعت نہیں کی گئی۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا زَنَى بِهَا لَمْ تَحْرُمْ

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی

عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ

انہوں نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي نَصْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَرَّمَهُ

اور ابونصر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے وہ (اس صورت میں) مرد پر اس کی بیوی کو حرام قرار دیتے ہیں۔

وَأَبُو نَصْرٍ هٰذَا لَمْ يُعْرَفْ بِسَمَاعِهِ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

اور اس ابونصر کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع معروف نہیں ہے۔

وَيُرْوٰى عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَالْحَسَنِ وَبَعْضِ أَهْلِ الْعِرَاقِ تَحْرُمُ عَلَيْهِ

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور جابر بن زید اور حسن بصری اور بعض اہل عراق سے روایت ہے کہ (اس صورت میں) اس مرد پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی (امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے)

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَا تَحْرُمُ حَتّٰى يُلْزِقَ بِالْأَرْضِ يَعْنِي يُجَامِعَ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس مرد پر اس کی بیوی اس وقت تک حرام نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ اپنی ساس کو زمین کے ساتھ چمٹا دے یعنی اس سے جماع کرلے۔

وَجَوَّزَهُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ وَالزُّهْرِيُّ

اور ابن المسیب، عروۃ اور زہری نے اس کو جائز قرار دیا ہے (یعنی اگر کوئی مرد اپنی ساس سے زنا کرلے تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی، امام بخاری ان تابعین کے اقوال سے امام اعظم ابو حنیفہ کا رد کر رہے ہیں کیونکہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد اپنی ساس سے زنا کرلے تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ قَالَ عَلِيٌّ لَا تَحْرُمُ وَهٰذَا مُرْسَلٌ۔

اور زہری نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صورت میں مرد پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی مگر یہ حدیث مرسل ہے (یعنی منقطع ہے)۔

ان چودہ عورتوں کا بیان جن سے کسی مرد کا نکاح کرنا جائز نہیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں: سات عورتیں نسب سے حرام ہیں اور سات عورتیں سسرالی رشتہ سے حرام ہیں۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس نے جو سات نسبی عورتیں بیان کی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) مائیں (۲) بیٹیاں (۳) بہنیں (۴) پھوپھیاں (۵) خالائیں (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں۔ اور جو سات عورتیں سسرالی رشتہ اور رضاعت سے حرام ہیں وہ یہ ہیں: (۱) رضاعی مائیں (۲) رضاعی بہنیں (۳) ساس (۴) ربائب (یعنی پہلے شوہر کی وہ بیٹیاں جن کو دوسرے شوہر نے پالا ہو) (۵) بہو (۶) دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا (۷) وہ عورتیں جن سے اس مرد کا باپ مباشرت کر چکا ہو۔

قرآن مجید سے نسبی عورتوں کی تحریم کی تفصیل

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں۔

اس آیت میں ماؤں سے مراد مائیں، دادیاں اور نانیاں ہیں۔

وَبَنٰتُكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری بیٹیاں۔

اس سے مراد اس کی پشت سے پیدا ہونے والی بیٹیاں ہیں اور اس کی پوتیاں اور اس کی پر پوتیاں اور اس کی نواسیاں اور اس کی پرنواسیاں ہیں۔

وَأَخَوٰتُكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری بہنیں۔

اس سے مراد اس کی سگی بہنیں ہیں اور باپ شریک نہیں اور ماں شریک نہیں ہیں۔

وَعَمّٰتُكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری پھوپھیاں۔

اس سے مراد اس کے باپ کی سگی بہنیں ہیں اور اس کے باپ کی باپ شریک بہنیں ہیں اور اس کی ماں کی ماں شریک بہنیں ہیں خ اسی طرح اس کی دادا کی بہنیں ہیں خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں، اور اسی طرح پردادا کی بہنیں ہیں۔

وَخٰلٰتُكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری خالائیں۔

اس سے مراد اس کی ماؤں کی بہنیں ہیں خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا باپ شریک بہنیں ہوں یا ماں شریک بہنیں ہوں، اور اس طرح اس کی نانی کی بہنیں خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی بہنیں ہوں یا اخیافی بہنیں ہوں۔

وَبَنٰتُ الْأَخِ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری بھتیجیاں۔

اس سے مراد اس کے سگے بھائی کی بیٹیاں اور باپ شریک بھائی کی بیٹیاں ہیں اور ماں شریک بھائی کی بیٹیاں ہیں، اور بھائی کے بیٹوں کی بیٹیاں ہیں یعنی بھتیجوں کی بیٹیاں اور بھتیجیوں کی بیٹیوں کی بیٹیاں ہیں۔

قرآن مجید سے رشتہ رضاعت اور رشتہ صہر (سسرال) کی عورتوں کی تحریم کی تفصیل

وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔

اس سے مراد دودھ پلانے والی اور اس کی ماں ہیں اور اسی طرح اس کی نانی ہے، وہ بھی رضاعی ماں کے قائم مقام ہیں اور اسی طرح رضاعی بہنوں کی تحریم کی بھی وہی تفصیل ہے جو نسبی بہنوں کی تحریم کی تفصیل ہے۔

اور مرد کی بیوی اس کے باپ پر اور اس کے بیٹے پر حرام ہے خواہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو اور اس کی بیوی اس کے دادا پر اور اس کے پوتے پر بھی حرام ہے نہ وہ اس کے پوتوں پر حلال ہے اور نہ اس کے نواسوں پر حلال ہے۔

وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۲۲) اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کو مباشرت کے ساتھ مقید نہیں کیا، پس دادیاں اور بہوئیں محض عقد نکاح سے حرام ہو جائیں گی، اور باندیوں پر ملکیت کی وجہ سے حرام ہو جائیں گی، اور رشتہ رضاعت اس معاملہ میں رشتہ نسب کی مثل ہے۔

اور اس آیت میں آباء سے مراد دادا اور نانا بھی ہیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ بھی مرد کا نکاح جائز نہیں ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ اس کی اس بیوی کی ماں جس بیوی کے ساتھ اس مرد نے دخول یا مباشرت نہیں کی اس کی تحریم میں متقدمین فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب اس کی بیوی دخول سے پہلے اس سے طلاق یافتہ ہو جائے تو اب اس کی ماں اس مرد پر حرام ہوگی یا نہیں، پس جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ ماں محض بیٹی کے ساتھ عقد سے حرام ہو جاتی ہے، اور بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک اس نے اس کی ماں کے ساتھ دخول نہ کیا ہو۔

متقدمین کی ایک جماعت نے کہا کہ ماں اور ربیبہ دونوں اس میں برابر ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی مرد پر اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس نے دوسری کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کی غلط تاویل کی ہے:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘۔ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

پس ان فقہاء نے اس آیت کا معنی اس طرح بیان کیا: اور تمہاری ان بیویوں کی مائیں جن بیویوں کے ساتھ تم دخول کر چکے ہو اور تمہاری ربائب جو تمہاری گودوں میں زیر پرورش ہیں اور وہ تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں ہیں جن کے ساتھ تم دخول کر چکے ہو اور ان کا زعم یہ ہے کہ دخول کی شرط ماؤں اور ربائب دونوں کی طرف راجع ہے، اس قول کی خلاس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۶۱)

اور یہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے اور یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے اور اس میں ان کا اختلاف نہیں ہے۔

اور یہ وہ قول ہے جس کا ائمہ فتویٰ میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے، اور خلاس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے اس سے حجت قائم نہیں ہوتی اس لیے کہ محدثین کے نزدیک خلاس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت صحیح نہیں ہے اور صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول ہے جو جماعت کے قول کی مثل ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۱۰۶)

اور سعید نے از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ (النساء: ۲۳) ''اور تمہاری بیویوں کی مائیں'' کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مبہم ہے۔ ساس بیٹی کے ساتھ عقد نکاح کی وجہ سے اس پر حلال نہیں ہے، اسی طرح سے امام مالک نے از یحییٰ بن سعید روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، پھر اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس نے اس کو طلاق دے دی تو کیا اس کی بیوی کی ماں اس پر حلال ہوگی یا نہیں، تو حضرت زید بن ثابت نے کہا: نہیں کیونکہ اس آیت میں ام کا لفظ مبہم ہے اور دخول کی شرط ربائب کے متعلق ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہی روایت صحیح ہے۔ (الموطا ص ۳۳۰)

علامہ ابن المنذر نے کہا: یہی قول صحیح ہے کیونکہ تمام بیویوں کی مائیں النساء: ۲۳ میں داخل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس لیے تمام بیویوں کی مائیں مطلقاً مرد پر حرام ہیں خواہ اس نے ان بیویوں سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ استثناء ربائب سے متعلق ہے، بیویوں کی ماؤں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ربائب کا ذکر قریب ہے اور بیویوں کی ماؤں کا ذکر ان کی بہ نسبت بعید ہے اور استثناء قریب کی طرف راجع ہوتا ہے کیونکہ یہ آیت اس طرح ہے:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمْ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس آیت میں بیویوں کی ماؤں کا ذکر پہلے ہے اور اس کے بعد ربائب کا ذکر ہے اور پھر استثناء ہے، لہٰذا یہ استثناء قریب کی طرف راجع ہوگا اور وہ ربائب ہے۔

عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں حضرت علی کی بیٹی اور ان کی بیوہ کے جمع ہونے کی تحقیق اور اس میں مذاہب فقہاء

امام بخاری نے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی کی بیٹی اور حضرت علی کی (بیوہ) بیوی کو ایک نکاح میں جمع کیا۔

علامہ ابن بطال اس کی شرح میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن جعفر نے ان دونوں کو ایک نکاح میں اس لیے جمع کیا تھا کہ حضرت علی کی وہ بیٹی اس عورت سے پیدا نہیں ہوئی تھی جس کے ساتھ انہوں نے نکاح میں ان دونوں کو جمع کیا تھا۔ اور یہ صورت امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ مرد پر صرف یہ حرام ہے کہ وہ کسی عورت کو اور اس کی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرے اور اس پر یہ حرام نہیں ہے کہ وہ کسی عورت اور اس کی ربیبہ کو ایک نکاح میں جمع کرے نہ اللہ کی کتاب میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں اور ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا درج ذیل آیتوں کے اعتبار سے جائز ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النساء: ۲۴) اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۳) تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، اور حسن بصری اور عکرمہ نے اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔

جن دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تحقیق اور مذاہب فقہاء

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حسن بصری کا اس قول سے رجوع ثابت ہے اور جن لوگوں نے اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے یا ناجائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اور کسی عورت اور اس کی ربیبہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی اسی حکم میں ہے۔

شعبی نے کہا: یہ دیکھو کہ ہر وہ دو عورتیں جن میں سے ایک عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو پھر دوسری عورت کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو تو پھر ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ شعبی سے پوچھا گیا کہ یہ کس کا قول ہے؟ تو انہوں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا۔

ثوری نے کہا: اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی مرد کی بیوی اور اس کی وہ بیٹی جو اس کی بیوی سے پیدا نہیں ہوئی ہے کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہ ہو تو وہ ان کو ایک نکاح میں جمع کر سکتا ہے یعنی بیوی اور بیوی کی ربیبہ کو ایک نکاح میں جمع کر سکتا ہے، اسی وجہ سے اکثر علماء نے اجازت دی ہے کہ ایک عورت اور اس کی ربیبہ کی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور طاؤس اور مجاہد نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ چچا کی دو بیٹیوں کو (یعنی چچازاد بہنوں کو) ایک نکاح میں جمع کرنا مکروہ ہے اور ان کے نزدیک یہ حرام نہیں ہے، اور عطاء اور جابر بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ ان دونوں نے کہا: یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس سے قطع رحم ہوگا اور دو بہنوں کے درمیان فساد ہوگا، اور اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا: اور میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے اس نکاح کو باطل قرار دیا ہے اور جن عورتوں کے ساتھ نکاح کو مباح قرار دیا گیا ہے یہ نکاح بھی ان میں داخل ہے اور کتاب، سنت اور اجماع سے اس نکاح کی تحریم ثابت نہیں ہے اور چچا اور پھوپھی کی دو بیٹیوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بھی یہی ایک حکم ہے اور اسی طرح ماموں اور خالہ کی دو بیٹیوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بھی یہی ایک حکم ہے۔

جس عورت سے زنا کیا ہو تو اس کی ماں یا بیٹی کے حرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو آیا اس شخص پر اس کی بیٹی حرام ہوگی؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ یا جب کسی شخص نے کسی کی بیٹی سے زنا کیا تو کیا اس شخص پر اس کی ماں حرام ہوگی؟ اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء احناف، ثوری، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس شخص پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی۔ یہ ابن قاسم کی امام مالک سے ''المدونۃ'' میں روایت ہے اور انہوں نے کہا: حرام کام حلال کام کو حرام کر دیتا ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا: حرام کام حلال کام کو حرام نہیں کرتا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن المسیب، عروہ، ربیعہ اور اللیث کی روایت ہے اور الموطا میں یہی امام مالک کا قول ہے اور امام شافعی اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جب زنا میں مہر، عدت کا وجوب، میراث، ولد کا لحوق اور حد کا وجوب ساقط ہو گیا تو پھر اس پر جائز نکاح کا حکم لگانا بھی ساقط ہو گیا اور اکثر علماء نے یہ اجازت دی ہے کہ جس عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس سے نکاح کر لیا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص کھجور کے درخت سے کھجوریں چرائے، پس ان کو کھا لے، پھر ان کھجوروں کو خرید لے اور حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت البراء نے کہا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور انہوں نے کہا: یہ دونوں مرد اور عورت جب بھی مجتمع ہوں گے تو زانی رہیں گے (تحقیق یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے۔)

تاہم اگر قاضی کے سامنے نکاح کے بعد بھی مقدمہ پیش ہو گیا اور گواہوں سے زنا ثابت بھی ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ (سعیدی غفرلہ)

اغلام بازی کی وجہ سے فاعل پر مفعول کی ماں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام مالک کے اصحاب اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہم اغلام بازی سے مفعول کی ماں کے ساتھ نکاح کو حرام نہیں قرار

دیتے۔ اور الثوری نے کہا: جب بھی کسی مرد نے کسی بے ریش لڑکے کے ساتھ اغلام بازی کی تو اس مرد پر اس لڑکے کی ماں حرام ہو جائے گی اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بیٹے یا اس کے باپ (سسر) یا اس کے بھائی (سالا) کے ساتھ بدکاری کی تو اس مرد پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔ اور اوزاعی نے کہا: جب ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے کے ساتھ لواطت (بدکاری) کی اور مفعول کے ہاں (بعد میں) بیٹی پیدا ہو گئی تو فاعل کے لیے اس بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس لڑکے کی بیٹی ہے جس کے ساتھ وہ دخول (بدکاری) کر چکا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ص ۱۷۰۔۱۶۶، ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے علامہ ابن بطال مالکی کی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۱۸۔ ۳۰۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

عبداللہ بن جعفر نے جن دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کیا تھا ان کے اسماء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: عبداللہ بن جعفر (بن ابی طالب) نے حضرت علی کی بیٹی اور حضرت علی کی بیوی کو ایک نکاح میں جمع کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے دو رشتہ دار عورتوں کے درمیان جلاپا اور قطع رحم لازم آتا ہے خواہ اس کا رشتہ مصاہرت کا ہو اور وہ اس کو ایک نکاح میں دو بہنوں کے جمع کرنے کی تحریم پر قیاس کرتے ہیں، اور اس اثر کی امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن جعفر نے لیلیٰ بنت مسعود (حضرت علی کی بیوی) اور ام کلثوم بنت علی جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں ان کو اپنے نکاح میں جمع کیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ زینب اور لیلیٰ بنت مسعود کو نکاح میں جمع کیا اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن جعفر نے ام کلثوم کی وفات کے بعد زینب سے نکاح کیا تھا۔

کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے کے سبب سے زانی پر اس عورت کی بیٹی یا اس کی ماں کے حرام ہونے میں اختلاف فقہاء اور فقہاء احناف کے دلائل

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جس نے کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھا۔ اور دوسری سند کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ زنا کیا تو اس مرد کے اوپر اس کی بیوی اور ماں دونوں حرام ہو جائیں گی اور یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو اس پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی، فقہاء احناف کے علاوہ عطاء، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام مالک سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا کہ شرع میں نکاح کا اطلاق عقد پر ہوتا ہے نہ کہ وطی پر۔ اور نیز زنا میں نہ مہر ہوتا ہے نہ عدت ہوتی ہے اور نہ میراث ہوتی ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ تمام شہروں کے اہل فتویٰ کا اس پر اجماع ہے کہ جب زانی کسی عورت سے زنا کرے تو اس پر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں ہے تو اس عورت کی ماں اور بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۷۶۔ ۲۷۴، ملخصاً ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جمہور کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: علامہ ابن حجر نے جو لکھا ہے کہ جمہور نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شرع میں نکاح کا اطلاق عقد پر ہوتا ہے نہ کہ وطی پر اور زنا میں نہ مہر ہوتا ہے نہ عدت ہوتی ہے اور نہ میراث ہوتی ہے، جمہور کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا میں حرمت مصاہرت کا اعتبار نہیں کرتے۔ صرف نکاح میں حرمت مصاہرت کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے خود تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد زنا میں بھی حرمت مصاہرت کا اعتبار کرتے ہیں اور صرف امام شافعی زنا میں حرمت مصاہرت کا اعتبار نہیں کرتے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے قول کے مقابلہ میں صرف امام شافعی کے قول کو جمہور سے تعبیر کرنا سراسر ناانصافی ہے اور حق وصواب سے دور ہے اور دراصل جمہور یہی ائمہ ثلاثہ ہیں یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد اور انہی کا مذہب صحیح اور برحق ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس بحث میں علامہ ابن بطال مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرحوں کا خلاصہ لکھا ہے اور کوئی زائد بات نہیں لکھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴۸۔۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابُ: وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔ (النساء: ۲۳)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الدُّخُولُ وَالْمَسِيسُ وَاللِّمَاسُ هُوَ الْجِمَاعُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دخول، مسیس اور لماس سے مراد جماع ہے۔

وَمَنْ قَالَ بَنَاتُ وَلَدِهَا مِنْ بَنَاتِهِ فِى التَّحْرِيمِ لِقَوْلِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم لِأُمِّ حَبِيبَةَ لَا تَعْرِضْنَ عَلَىَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ وَكَذٰلِكَ حَلَائِلُ وَلَدِ الْأَبْنَاءِ هُنَّ حَلَائِلُ الْأَبْنَاءِ وَهَلْ تُسَمَّى الرَّبِيبَةَ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فِى حَجْرِهِ وَدَفَعَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم رَبِيبَةً لَهُ إِلَى مَنْ يَكْفُلُهَا وَسَمَّى النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم ابْنَ ابْنَتِهِ ابْنًا.

اور جس نے کہا کہ مرد کی پوتیاں بھی تحریم میں اس کی بیٹی کے حکم میں ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم میرے اوپر اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ہرگز پیش نہ کرو''۔ اور اسی طرح پوتوں کی بیویاں تحریم میں بیٹوں کی بیویوں کے حکم میں ہیں اور آیا اگر کوئی لڑکی مرد کی زیر پرورش نہ ہو تو اس کو ربیبہ کہا جائے گا؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیبہ اس کے سپرد کر دی جو اس کی کفالت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ کو بیٹا فرمایا۔

۵۱۰۶۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِىُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِى بِنْتِ أَبِى سُفْيَانَ قَالَ فَأَفْعَلُ مَاذَا قُلْتُ تَنْكِحُ قَالَ أَتُحِبِّينَ قُلْتُ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِى فِيكَ أُخْتِى قَالَ إِنَّهَا لَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از زینب از حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی ابوسفیان کی بیٹی کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے

تَحِلُّ لِي قُلْتُ بَلَغَنِي أَنَّكَ تَخْطُبُ قَالَ ابْنَةَ أُمِّ سَلَمَةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي مَا حَلَّتْ لِي أَرْضَعَتْنِي وَأَبَاهَا ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ دُرَّةُ بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ

پوچھا: تو میں کیا کروں؟ میں نے کہا: (اس سے) آپ نکاح کر لیں، آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو؟ میں نے کہا: میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور میں یہ پسند کرتی ہوں کہ جو آپ میں میری شریک ہو وہ میری بہن ہو، آپ نے فرمایا: بے شک وہ میرے لیے حلال نہیں ہے۔ میں نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نکاح کا پیغام دے رہے ہیں؟ آپ نے پوچھا: ام سلمہ کی بیٹی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: "اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی، مجھے اور اس کے باپ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے، سو تم اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو ہرگز مجھ پر پیش نہ کیا کرو"۔ اور اللیث نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی: ابو سلمہ کی بیٹی کا نام درۃ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹)

ماؤں کے ساتھ دخول کے معنی میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ امام بخاری کی تعلیق مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماؤں کے ساتھ دخول کے اس معنی میں جس کے سبب سے ربائب کے ساتھ نکاح حرام ہو جاتا ہے، فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دخول سے مراد جماع ہے اور یہی طاؤس کا قول ہے اور فقہاء میں سے کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب مرد نے اس عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا (چھوا) تو اس مرد پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی، پھر اس عورت کو دیکھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک نے کہا: جب مرد نے اس کے بالوں کی طرف یا اس کے سینے کی طرف یا اس کی زینت کی طرف لذت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی۔ اور فقہاء احناف نے کہا: جب مرد نے اس کی فرج (اندام نہانی) کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھا تو وہ بھی شہوت کے ساتھ مس کرنے کے حکم میں ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۱۰۔۳۰۹، المدونۃ ج ۲ ص ۲۰۱۔۲۰۰)

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: دیکھنے سے اس پر وہ عورت حرام نہیں ہو گی حتیٰ کہ وہ اس عورت کو مس کرے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مس سے وہ عورت اس مرد پہ حرام نہیں ہوگی۔ (التوضیح ج ۲۴ ص ۳۲۰) (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: مسروق سے روایت کی گئی ہے کہ دیکھنے سے بھی تحریم ثابت ہو جاتی ہے اور النخعی، القاسم اور مجاہد سے روایت ہے کہ لمس اور مس سے تحریم ہو جاتی ہے۔

رَبِیبَہ کی تحریم میں غیر مقلدین کا مرد کے زیر پرورش ہونے کی قید کو قید احترازی قرار دینا اور اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا اور ان کے اس قول کا رد

غیر مقلدین نے فقہاء کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ: مرد پر ربیبہ صرف اس صورت میں حرام ہوتی ہے جب وہ اس کے زیر پرورش ہو اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ (النساء: ۲۳) اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری زیر پرورش ہیں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

انہوں نے کہا: ربیبہ کی تحریم کی دو شرطیں ہیں: (۱) وہ لڑکی اس مرد کی زیر پرورش ہو (۲) اس لڑکی کی ماں سے وہ مرد دخول کر چکا ہو، پس جب ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو تحریم واقع نہیں ہوگی، انہوں نے کہا کہ خاوند کو ربیبہ کے لیے اس وجہ سے محرم قرار دیا گیا ہے کہ اس کو ربیبہ کو خود سے چھپانے میں مشقت ہوتی ہے اور یہ معنی اسی وقت پایا جائے گا جب وہ ربیبہ یا وہ لڑکی اس کے زیر پرورش ہو۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۵۳۱-۵۲۷)

غیر مقلدین کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ''اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی جو میرے زیر پرورش ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۱۰۱)

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم کے لیے اس لڑکی کے زیر پرورش ہونے کی شرط عائد کی ہے۔

اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی اجازت کی روایت کی ہے (یعنی اگر وہ لڑکی زیر پرورش نہ ہو تو پھر اس سے نکاح کرنا جائز ہے)۔

علامہ ابن المنذر اور امام طحاوی نے کہا: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کو ابراہیم از عبید از مالک بن اوس از حضرت علی روایت کرتا ہے اور یہ ابراہیم غیر معروف ہے۔

اور اکثر اہل علم نے غیر مقلدین کے اس قول کو رد کر دیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو ہرگز پیش نہ کرو''۔ (صحیح البخاری: ۵۱۰۷)

اس حدیث میں بیٹیوں کے ساتھ زیر پرورش کی قید نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں آپ نے بیویوں کی بیٹیوں کو مطلقاً حرام فرمایا ہے خواہ وہ مرد کے زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں، سو یہ حدیث زیر پرورش کی قید کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ امام ابو عبید نے کہا: اس قید کی نفی پر یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو پیش نہ کرو''۔

اس حدیث میں آپ نے بیٹیوں کو عام قرار دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیٹیاں جو میرے زیر پرورش ہیں اور آپ نے دونوں قسم کی بیٹیوں کو تحریم میں برابر قرار دیا ہے۔

النساء: ۲۳، میں زیر پرورش کی قید کا مفہوم مخالف معتبر نہ ہونا اور اس قید کا ذکر بہ طور عادت غالبہ ہونا

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربائب کی نسبت زیر پرورش کی طرف کی ہے یعنی تمہاری بیوی کی جو بیٹیاں تمہارے زیر پرورش ہوں وہ تم پر حرام ہیں، یہ نسبت بہ طور اغلب کے ہے کیونکہ عموماً ان ہی ربائب سے نکاح حرام ہوتا ہے جو مرد کے زیر پرورش رہی ہوں اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ مرد کی بیوی کی بیٹی جو اس کے زیر پرورش نہ رہی ہو وہ حرام نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ۔ (الاحزاب: ۵۰)

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد پر اس کی بیویوں کو صرف عقد نکاح سے حلال کیا ہے نہ کہ ان کو مہر ادا کرنے کی وجہ سے کیونکہ یہ امر معقول ہے کہ اگر کوئی مرد عقد نکاح کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس نے ان کا مہر ادا نہ کیا ہو تب بھی اس مرد کی اپنی بیوی پہ طلاق واقع ہو جائے گی جیسا کہ درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ (البقرۃ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بیویوں سے نکاح صحیح ہے خواہ ان کا مہر ادا نہ کیا ہو۔ اور اس سے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ کے لیے صرف عقد نکاح سے حلال ہو گئی تھیں اور مہر ادا کرنے سے، لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ الاحزاب: ۵۰ میں جو مہر ادا کرنے کی قید ہے وہ بہ طور عادت غالبہ کے ہے کیونکہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ لوگ اپنی بیویوں کو مہر ادا کرتے ہیں، اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی کو مہر نہ دیا ہو تو اس کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح النساء: ۲۳ میں جو فرمایا ہے کہ تم پر وہ تمہاری ربائب حرام ہیں جو تمہاری زیر پرورش ہیں، اس آیت میں بھی زیر پرورش کی قید بہ طور عادت غالبہ کے ہے کیونکہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ربائب مرد کے زیر پرورش ہوتی ہیں۔

علامہ ابن القصار مالکی نے کہا: جمہور کی دلیل یہ ہے کہ ربائب کے حرام ہونے میں زیر پرورش ہونے کی قید کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور نہ اباحت میں اس کی کوئی تاثیر ہے کیونکہ بہن اور پھوپھی اور خالہ حرام ہیں۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مرد کی وہ بہن یا پھوپھی یا خالہ اس کی زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں۔ اور اگر مرد کے زیر پرورش ہونا تحریم میں موثر ہوتا تو جب کوئی عورت مرد کے زیر پرورش نہ ہو تو وہ حرام نہ ہوتی حالانکہ مرد کی بہن اور اس کی پھوپھی اور خالہ اس مرد کے زیر پرورش نہ ہوں پھر بھی وہ اس پر حرام ہوتی ہیں، سو اسی طرح مرد کی ربائب بھی اگر اس کے زیر پرورش نہ ہوں پھر بھی اس پر حرام ہوں گی۔ لہٰذا غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اگر مرد کی ربائب اس کے زیر پرورش نہ ہوں تو پھر وہ اس پر حرام نہیں ہیں اور ان سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔ اور النساء: ۲۸ میں مرد کے زیر پرورش ہونے کی قید عادت غالبہ کے اعتبار سے ہے اور یہ قید احترازی نہیں ہے اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۲۔۱۷۱، موضحاً ومخرجاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے امام بخاری کی اس تعلیق پر وہی دلائل لکھے ہیں جو ان سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھ چکے تھے۔

(التوضیح ج ۲۴ ص ۳۲۴۔۳۲۰، فتح الباری ج ۶ ص ۲۷۸۔۲۷۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جماع کو دخول، مس اور لمس کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ امام بخاری کی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو دخول کرنے اور مس اور لمس کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد جماع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حیاء کرنے والا اور کریم ہے، وہ صراحتاً جماع کا لفظ ذکر نہیں کرتا بلکہ اس کو کنایہ کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے۔

ربائب کے مطلقاً حرام ہونے کی دلیل

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا کہ جس نے یہ کہا کہ اس کی بیوی کے بیٹے کی بیویاں تحریم میں اس کی بیوی کی بیٹیوں کی مثل ہیں۔ اور اس پر امام بخاری نے اس سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو پیش نہ کرو''۔ اور اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بیٹیوں کا لفظ بیٹیوں کی بیٹیوں کو بھی شامل ہے خواہ وہ مرد کے زیر پرورش نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ربائب مطلقاً حرام ہیں کیونکہ اس حدیث میں آپ نے زیر پرورش کی قید نہیں لگائی۔

جو ربائب مرد کے زیر پرورش نہ ہوں ان کے مرد پر حرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف

اور امام بخاری نے فرمایا: کیا پھر بھی ربیبہ قرار دیا جائے گا خواہ وہ مرد کے زیر پرورش نہ ہوں۔ امام بخاری نے اس جملہ کو بہ صورت استفہام لکھا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قرآن مجید میں جو ربائب کے ساتھ مرد کے ساتھ زیر پرورش ہونے کی قید ہے آیا یہ اس کے حرام ہونے کی شرط ہے یا نہیں؟ جمہور فقہاء کے نزدیک ربائب کے حرام ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مرد کے زیر پرورش ہوں اور النساء: ۲۳ میں زیر پرورش کا ذکر بہ طور عادت غالبہ کے ہے اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک زیر پرورش ہونا ربائب کے حرام ہونے کی شرط ہے۔ اور اگر وہ ربائب مرد کے زیر پرورش نہ ہوں تو پھر وہ ربائب پر حرام نہ ہوں گی۔

ربائب کے مرد پر حرام ہونے میں اس کے زیر پرورش ہونے کی شرط کی نفی پر امام بخاری کا استدلال

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ربیبہ کو اس کے سپرد کر دیا جو اس کی کفالت کرے۔

علامہ عینی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس حدیث کو اس پر استدلال کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ زیر پرورش ہونا ربائب کے حرام ہونے کی شرط نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے۔ اس کی توجیہ اور تفصیل یہ ہے کہ امام بزار اور حاکم نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل اشجعی کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب دی اور فرمایا: ''تم صرف اس کو دودھ پلانے والی کے شوہر ہو''۔ پس نوفل اشجعی حضرت زینب بنت سلمہ رضی اللہ عنہا کو لے گئے، پھر دوبارہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ لڑکی کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی رضائی ماں کے پاس ہیں اور میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ مجھے تعلیم دیں، پس آپ نے ان کو یہ تعلیم دی کہ سوتے وقت کون سی سورت کی تلاوت کی جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ کی تعلیم دی۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث سنن ابو داؤد میں مذکور ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت ام سلمہ کے متعلق فرمایا: ''اگر یہ میری ربیبہ نہ ہوتی جو میرے زیر پرورش رہی ہے پھر بھی یہ مجھ پر حلال نہیں ہے''۔ اس حدیث سے غیر مقلدین نے یہ استدلال کیا ہے کہ آپ نے اس حدیث میں حضرت زینب بنت ام سلمہ کو اپنے اوپر حرام کرنے کی شرط لگائی کہ وہ میرے زیر پرورش رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد پر ربیبہ کے حرام ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ مرد کے زیر پرورش رہی ہو۔ تو میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ''میرے زیر پرورش ہونے'' کی قید کی روایت صالح بن احمد نے از والد خود روایت کی ہے اور امام ابو عبید نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اور علامہ ابن المنذر مالکی اور امام طحاوی حنفی نے کہا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی ابراہیم بن عبید بن

رفاعہ ہے جو مجہول ہے اور اکثر اہل علم نے اس کورد کر دیا ہے اور جمہور فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''تم اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کرو''۔ اور اس حدیث میں آپ نے زیر پرورش کی قید نہیں لگائی، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ صالح بن احمد کی روایت میں بھی یہ قید نہیں ہے۔

حدیث میں نواسہ کو بیٹا فرمانے سے امام بخاری کا مقصد

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کے بیٹے یعنی نواسہ کو بیٹا فرمایا کیونکہ ''کتاب المناقب'' میں یہ حدیث گزری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سید ہے''۔ اس سے امام بخاری نے ان لوگوں کے قول پر استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا: مرد کی پوتیاں بھی تحریم میں اس کی بیٹیوں کے حکم میں ہیں اور اس طرح پوتوں کی بیویاں تحریم میں بیٹیوں کے حکم میں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ علامہ عینی پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے امام بخاری کی اس معلق تعلیق کو کھول دیا اور اس مشکل تعلیق کو حل کر کے اس کی آسان شرح کی، اس کے برخلاف علامہ ابن بطال، علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کے اوپر مزید دلائل تو فراہم کیے ہیں لیکن اس تعلیق کو نہ کھولا ہے اور نہ اس کو حل کیا ہے۔

۲۷۔ بَابُ: وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النسآء: ۲۳)

(اور تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو۔ (النسآء: ۲۳)

۵۱۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهُ اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اَبِيْ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ انْكِحْ اُخْتِيْ بِنْتَ اَبِيْ سُفْيَانَ قَالَ وَتُحِبِّيْنَ قُلْتُ نَعَمْ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَاَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِيْ فِيْ خَيْرٍ اُخْتِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ ذٰلِكِ لَا يَحِلُّ لِيْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَتَحَدَّثُ اَنَّكَ تُرِيْدُ اَنْ تَنْكِحَ دُرَّةَ بِنْتَ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ بِنْتَ اُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيْ حَجْرِيْ مَا حَلَّتْ لِيْ اِنَّهَا لَابْنَةُ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ اَرْضَعَتْنِيْ وَاَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا اَخَوَاتِكُنَّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب کہ عروہ بن الزبیر نے ان کو خبر دی کہ بے شک حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن بنت ابی سفیان سے نکاح کر لیں، آپ نے پوچھا: ''تم پسند کرتی ہو؟'' میں نے کہا: جی ہاں! (لیکن) میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور میں یہ پسند کرتی ہوں جو اس خیر میں میری شریک ہو وہ میری بہن ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک وہ میرے لیے حلال نہیں ہے''۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پس اللہ کی قسم! بے شک ہم یہ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ درہ بنت ابی سلمہ سے نکاح کا ارادہ کر رہے ہیں، آپ نے پوچھا: ''ابو سلمہ کی بیٹی؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''پس اللہ کی قسم! اگر وہ میرے زیر پرورش نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہ ہوتی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ

پلایا ہے، پس تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو پیش نہ کرو اور نہ اپنی بہنوں کو"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری ۵۱۰۷، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹)

دو بہنوں کو جمع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف اور غیر مقلدین کا شاذ قول

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو ایک عقد نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ (النسآء: ۲۳) اور (تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم مجھ پر اپنی بہنوں کو پیش نہ کرو"۔ کیونکہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں ان کو وطی میں جمع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس تمام فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ان کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے اور غیر مقلدین کا یہ قول شاذ ہے کہ ان کو وطی میں جمع کرنا اس طرح جائز ہے جس طرح ان کو ملک میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ دو بہنوں کو جمع کرنے کی مخالفت صرف منکوحات میں ہے کیونکہ النسآء: ۲۳ منکوحات میں سے محرمات کے متعلق وارد ہے اور انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ دو باندیاں جو بہنیں ہوں ان کو وطی میں جمع کرنا ایک آیت سے حلال ہے اور دوسری آیت سے حرام ہے۔

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ جس آیت نے ان کو جمع کرنے کو حلال کیا وہ یہ ہے:

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ (النسآء: ۲۴) اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

اور جس آیت سے ان کو وطی میں جمع کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ النسآء: ۲۳ ہے اور ائمہ فتویٰ میں سے کسی نے بھی اس قول کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف اس آیت کی تاویل کی ہے اور جن صحابہ نے اس تاویل کو ناجائز کہا ہے وہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر منصب قضا میرے پاس ہوتا تو میں ان لوگوں کو عبرت ناک سزا دیتا جو ان باندیوں کو وطی میں جمع کرتے ہیں جو بہنیں ہیں، اور یہ صحابہ کتاب اللہ کے عالم ہیں اور کلام عرب کے عارف ہیں اور جو ان کی مخالفت کرے اس کی تاویل ضعیف ہے اور وہ مومنین کے طریقہ کی مخالفت کرنے والا ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل کا جواب

رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ النسآء: ۲۳ صرف منکوحات کی طرف راجع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا اول حصہ منکوحات کے ساتھ خاص ہو اور اس آیت کا دوسرا حصہ عام ہو جو باندیوں کو بھی شامل ہو۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اس آیت کے اول حصہ میں ماؤں اور بیٹیوں کا ذکر ہے جن پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر وہ باندیاں ہوں اور اس کے بعد اس آیت میں پھوپھیوں اور خالاؤں کا ذکر ہے جن پر ملکیت ثابت ہوتی ہے (اگر وہ باندیاں ہوں) اسی طرح دو بہنوں کو نکاح اور وطی بالملک دونوں میں جمع کرنے کی ممانعت ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۱۰۷ کی علامہ ابن بطال مالکی کے علاوہ اور کسی نے شرح نہیں کی۔

۲۸۔ بَابٌ: لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا
کسی عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح نہ کیا جائے

۵۱۰۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ سَمِعَ جَابِرًا رضی الله عنه قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا وَقَالَ دَاوُدُ وَابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے خبر دی از الشعبی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کے اوپر اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا۔ اور داؤد اور ابن عون نے کہا از الشعبی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

۵۱۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت اور اس کی پھوپھی کو (نکاح میں) جمع نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو (نکاح میں) جمع کیا جائے"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۱۰ میں آ رہی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۹، ۵۱۱۰، صحیح مسلم: ۱۴۰۸، سنن نسائی: ۳۲۸۸، موطا امام مالک: ۱۱۰۸، مسند الشافعی ج ۱ ص ۲۷۳)

۵۱۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي قَبِيصَةُ بْنُ ذُؤَيْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَالْمَرْأَةُ وَخَالَتُهَا فَنُرَى خَالَةَ أَبِيهَا بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے قبیصہ بن ذویب نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح کیا جائے اور عورت کا اس کی خالہ کے اوپر نکاح کیا جائے پس ہم سمجھتے ہیں کہ عورت کے باپ کی خالہ بھی اس کی خالہ کے حکم میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۹ کے مطابق ہے۔

۵۱۱۱۔ لِأَنَّ عُرْوَةَ حَدَّثَنِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

کیونکہ عروہ نے مجھ سے بیان کیا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے کہا: رضاعت سے ان رشتوں کو حرام قرار دو جو رشتہ نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴، میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۴، ۲۹۶، ۴۷۹۶، ۵۱۰۳، ۵۱۱۱، ۵۲۳۹، ۶۱۵۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۳۳۱۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۸، سنن ترمذی: ۱۱۵۱)

عورت، اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے کے متعلق فقہاء مذاہب کی تفصیل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری، المالکی، المتوفی ۴۴۹ھ ان چاروں احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے خواہ اس کی پھوپھی اونچے درجہ کی ہو اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کیا جائے خواہ وہ اوپر کے درجہ کی ہو۔

اور عبدالملک بن حبیب نے کہا: عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور اس کے باپ کی پھوپھی کو بھی نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور اس کی پھوپھی کی پھوپھی کو بھی نکاح میں نہ جمع کیا جائے اور اس طرح عوت کو اور اس کی خالہ کو اور اس کی خالہ کی خالہ کو اور اس کی ماں کی خالہ کو اور اس کی ماں کی پھوپھی کو بھی نکاح میں نہ جمع کیا جائے، عبدالملک نے کہا: رہی اس کی پھوپھی کی خالہ تو ابن الماجشون نے مجھ سے کہا کہ اگر پھوپھی کی ماں اور باپ کی ماں دونوں ایک ہیں تو یہ خالہ کی مثل ہیں کیونکہ وہ اس کے باپ کی خالہ ہے اور اگر پھوپھی کی ماں اس کے باپ کی ماں کی غیر ہے تو ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ صرف اجنبی عورت ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا: اور میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو نکاح میں جمع کرنے کے متعلق اختلاف کیا گیا ہو سوائے خوارج کے ایک فرقہ کے اور جب کوئی حکم سنت سے اور اہل علم کے اجماع سے ثابت ہو تو پھر اس میں کسی کی مخالفت مضر نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کے متعلق دیگر احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ ان چاروں احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شعبی سے روایت ہے کہ عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح نہ کیا جائے اور نہ اس کی خالہ کے اوپر اس کا نکاح کیا جائے اور نہ پھوپھی کا نکاح اس کی بھتیجی کے اوپر کیا جائے اور نہ خالہ کا نکاح اس کی بھانجی کے اوپر کیا جائے اور نہ چھوٹی کے اوپر بڑی کا نکاح کیا جائے اور نہ بڑی کے اوپر چھوٹی کا نکاح کیا جائے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۵، السنن الکبریٰ: ۵۴۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۶۶)

امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم ایسا کرو گے تو رحم کو قطع کرو گے"۔ (المعجم الکبیر: ۱۱۹۳۱)

امام ابوداؤد نے عیسیٰ بن طلحہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی عورت کا اس کے قریبی رشتہ دار کے اوپر نکاح کیا جائے تاکہ قطع رحم نہ ہو۔ (مراسیل ابوداؤد ص ۱۸۲)

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح نہ کیا جائے اور نہ اس کی خالہ کے اوپر نکاح کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۰)

امام ابن ابی شیبہ نے سند جید کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں یہ فرمایا: اور ان سے دوسری روایت ہے کہ ایک شخص کو اس پر مارا گیا کہ اس نے ایک عورت کے اوپر اس کی خالہ کا نکاح کیا تھا

اوران کے درمیان تفریق کردی گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۷۶۵۔۱۶۷۶۳)

اور جب یہ ثابت ہو گیا تو اس پر اجماع ہے کہ عورت اور اس کی بہن کو ایک نکاح میں نہ جمع کیا جائے خواہ اوپر کے درجہ کی ہو اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کیا جائے خواہ وہ اس کے اوپر کے درجہ کی ہو اور نہ عورت کا اس کی بھتیجی کے اوپر نکاح کرنا جائز ہے اور نہ اس کی بھانجی کے اوپر نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ نچلے درجہ کی ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۳۱۔۳۲۷، ملخصا، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

احادیث مذکورہ سے کتاب اللہ پر اضافہ اور رضاعی پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان چاروں احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں تو صرف دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان احادیث میں پھوپھی اور بھتیجی کو اور خالہ اور بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث مشہورہ میں سے ہے جن کی مثل سے ''کتاب اللہ'' پر اضافہ کرنا جائز ہے۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان احادیث کی وجہ سے پھوپھی، بھتیجی، خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع نہیں کیا جائے گا، اور خوارج کے ایک فرقہ نے جو اس کی مخالفت کی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس حدیث کے حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مرد کا رضاعی پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، اسی طرح رضاعی خالہ اور بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، کیونکہ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان شارحین سے زائد کوئی بات نہیں لکھی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۰۔۲۷۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۹۔ بَابُ: الشِّغَارِ

شغار یعنی ادلہ بدلہ کے نکاح کا حکم

شغار کا معنی اور نکاح شغار کی وجہ تسمیہ

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ شغار کا معنی بیان کرتے ہوتے ہوئے لکھتے ہیں:

شغار زمانہ جاہلیت کا نکاح ہے، اس میں یہ ہوتا تھا کہ تم مجھ سے اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کر دو اور میں اس کے بدلہ میں تم سے اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اس نکاح میں کوئی مہر نہ ہو اور ہر عورت دوسری عورت کی فرج کے عوض میں ہو۔ شغار کا لغوی معنی ارتفاع اور اٹھانا ہے، جس طرح کتا پیشاب کرتے وقت اپنی ایک ٹانگ کو اٹھاتا ہے تو اس کو شغار کہتے ہیں اور چونکہ اس نکاح میں بھی مہر کو اٹھا دیا جاتا ہے اس لیے اس کو نکاح شغار کہتے ہیں۔ اسی طرح مرد جماع کے وقت عورت کی ٹانگیں اٹھاتے ہیں اسے بھی شغار کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۲ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۵۱۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ لَيْسَ بَيْنَهُمَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا اور شغار یہ ہے کہ ایک

صَدَاقٌ۔

اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے سے کر دے اور اس کے عوض میں دوسرا اپنی بیٹی کا نکاح اس مرد سے کر دے اور ان دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۱۲، ۶۹۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۷، سنن ترمذی: ۱۱۲۴، سنن نسائی: ۳۳۳۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۳، الموطا ج ۲ ص ۵۳۵، مسند الشافعی ج ۲ ص ۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۴۹۷، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۶، المنتقیٰ: ۷۱۹، مسند ابویعلیٰ: ۵۷۹۵، صحیح ابن حبان: ۴۱۵۲، حلیۃ الاولیاء: ج ۶ ص ۳۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۹، کتاب المعرفہ للبیہقی: ۱۴۰۷۲، شرح السنہ: ۲۲۹۱، مسند احمد ج ۲ ص ۷، مسند احمد: ۴۵۲۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

نکاح شغار کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری المالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ نکاح شغار جائز نہیں ہے خواہ مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور یہ نکاح ہمیشہ منسوخ کر دیا جائے گا، امام ابوعبیدہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام احمد، اللیث، الثوری، اسحاق اور ابوالثور کا مذہب یہ ہے کہ نکاح شغار جائز ہے اور ہر فریق پر مہر مثل لازم ہوگا، عطاء، مکحول اور الزہری کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: تیسرا قول یہ ہے کہ اگر دونوں نے عورتوں کے ساتھ دخول نہیں کیا ہے تو نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور اگر دخول کیا ہے تو دونوں پر مہر مثل لازم ہوگا۔

نکاح شغار کے جواز پر امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی دلیل

جن فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح شغار کا عقد صحیح ہے اور ان پر مہر مثل لازم ہے وہ کہتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خمر اور خنزیر کو کسی مسلمان کے لیے مہر مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح غرر اور مجہول کو بھی مہر مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ (غرر کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرد کہے: اس بکری کے پیٹ میں جو ہے وہ تمہارا مہر ہے اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ اس جال میں جتنی مچھلیاں ہیں وہ تمہارا مہر ہوگا۔ سعیدی غفرلہ)

ادلہ بدلہ کو مہر قرار دینا مہر فاسد ہے اور اس پر اجماع ہے کہ مہر فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اور اس میں مہر مثل لازم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر مہر کے بھی نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ (البقرۃ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کو مہر نہ دیا ہو۔

پس جب مرد نے طلاق واقع کر دی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ بغیر مہر کے بھی نکاح صحیح ہے کیونکہ طلاق صرف بیویوں پر واقع ہوتی ہے اور ان کا بیویاں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر مہر کے بھی نکاح صحیح ہے۔

نکاح شغار کے عدم جواز پر امام مالک اور امام شافعی کی دلیل

جن لوگوں نے نکاح شغار کو باطل قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے اور ممانعت

تحریم اور فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جن فقہاء نے نکاح شغار کو بغیر مہر کے نکاح پر قیاس کیا ہے یہ ان کی غفلت ہے کیونکہ نکاح شغار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لہٰذا اس کو بغیر مہر کے نکاح پر قیاس کرنا ان کی شدید غفلت ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال کی فقہاء احناف کے خلاف اس دلیل کا عنقریب جواب آئے گا۔ سعیدی غفرلہ)

نکاح شغار میں مہر مقرر کرنے کی صورت میں مذاہب فقہاء

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے کہا: میں تم سے اپنی بہن کا نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم بھی اپنی بہن کا مجھ سے نکاح کر دو۔ اور اس شرط پر کہ وہ دونوں ان میں سے ہر عورت کا مہر مقرر کریں یا وہ دونوں کسی ایک عورت کا مہر مقرر کریں، امام شافعی اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ یہ وہ شغار نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور یہ نکاح ثابت ہے اور مہر فاسد ہے اور ان میں سے ہر عورت کے لیے مہر مثل ہوگا، اگر اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کیا یا عورت مرگئی یا شوہر مرگیا اور عورت کے لیے نصف مہر ہو گا اگر شوہر نے اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی اور امام مالک نے اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کی رائے میں یہ شغار ہے اور فقہاء احناف نے اس نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور عورت کو وہ مہر ملے گا جو مقرر کیا گیا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے کہا: جب شغار میں مہر مقرر کیا جائے تو پھر وہ شغار نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۹۔۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نکاح شغار کے عدم جواز کے متعلق احادیث

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام میں شغار نہیں ہے"۔ (صحیح مسلم: ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷)

امام ابوداؤد سند جید کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ عباس بن عبد اللہ نے عبد الرحمٰن بن الحکم سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور ان سے عبد الرحمٰن نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور انہوں نے اس تبادلہ (آنٹے سانٹے) کو مہر قرار دیا۔ تب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن الحکم کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردے اور اپنے مکتوب میں لکھا کہ یہ وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۷۵، مسند احمد ج ۳ ص ۹۴)

امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں شغار نہیں ہے"۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۲۳)

نکاح شغار کے متعلق غیر مقلدین کا موقف

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

نکاح شغار جائز نہیں ہے عام ازیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مہر مقرر کرے یا کوئی ایک مہر مقرر کرے اور دوسرا مہر مقرر نہ کرے یا دونوں میں سے کوئی بھی مہر مقرر نہ کرے یہ تمام صورتیں برابر ہیں اور یہ نکاح ہمیشہ منسوخ کیا جائے گا، اس نکاح میں نہ نفقہ ہے، نہ میراث ہے، نہ مہر ہے اور زوجیت کے احکام میں سے کوئی حکم نہیں ہے، پس اگر نکاح شغار کرنے والا عالم ہے تو اس پر پوری حد لگے گی اور اس کی اولاد کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ جاہل ہو تو اس پر حد نہیں ہوگی اور اس کی اولاد اس کے

ساتھ لاحق ہو جائے گی اور یہی حکم عورت کا بھی ہے۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۵۱۴۔ ۵۱۳، ملخصاً، ادارة الطباعة المنیریہ، مصر، ۱۳۴۹ھ)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۴۲۔ ۳۳۶، وزارة الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی نکاح شغار کے عدم جواز میں یہی دلائل لکھے ہیں:
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۲۔ ۲۸۱، ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نکاح شغار کے باطل ہونے پر غیر مقلدین کے دلائل

مشہور غیر مقلد شیخ محمد صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نکاح شغار کے باطل ہونے پر دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:
امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نکاح شغار مہر مثل کے ساتھ جائز ہے، امام احمد بن حنبل کی بھی ایک یہی روایت ہے۔
شیخ محمد صدیق بن حسن لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ احادیث صریحہ میں نکاح شغار کی ممانعت ہے اور ممانعت تحریم میں حقیقت ہے جو فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں یہ صریح حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں شغار نہیں ہے''۔ اور شیخ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے لکھا ہے کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شغار حرام، باطل ہے۔
ابو ریحانہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المشاغرہ سے منع فرمایا ہے اور مشاغرة یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: اس مرد کا اس عورت سے نکاح کر دو اور اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دو بغیر مہر کے۔ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۷۸)
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شغار نہیں ہے''۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! شغار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایک عورت کا دوسری عورت کے بدلہ میں نکاح کرنا ان دونوں میں مہر کے بغیر''۔ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۵۵۹) علامہ نووی نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس مقام کے مناسب ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۹ ص ۱۸۲)
(السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج، ج ۳ ص ۳۷۱۔ ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)
شیخ محمد بن حسن بھوپالی نے شرح صحیح البخاری میں بھی ان ہی دلائل کا خلاصہ لکھا ہے۔
(عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)
ایک اور غیر مقلد نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:
جمہور علماء اور اہل حدیث کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے اور حنفیہ کہتے ہیں: نکاح درست ہو جائے گا، اور ہر ایک کو مہر مثل دینا ہو گا، شغا کی یہ تفسیر بعضے کہتے ہیں: حدیث میں داخل ہے، بعضے کہتے ہیں ابن عمر یا امام مالک کا قول ہے۔
(تیسیر القاری ج ۵ ص ۹۴، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء)

نکاح شغار کے جواز پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:
اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر فریق نے ہر عورت کی فرج کے مقابلہ میں اس چیز کو مقرر کیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، پس گویا کہ اس نے خمر یا خنزیر پر نکاح کیا اور کیونکہ فرج میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں ہے تو اشتراک متحقق نہیں ہوا، پس یہ شرط فاسد ہوئی اور نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر مرد نے یہ شرط لگائی کہ وہ یہ عورت کسی اور کو ہبہ کرے یا اسی طرح کی کوئی باطل شرط لگائی۔ اس کے برخلاف جب عورت نے اپنا نکاح دو مردوں سے کر دیا کیونکہ وہ عورت ان میں سے ہر ایک کی منکوحہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اب اشتراک کا معنی متحقق ہو جائے گا، اور امام شافعی (اور امام مالک) نے جو اس حدیث

سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب نکاح مہر سے خالی ہو اور اس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ مرد کسی عورت سے دوسری عورت کے بدلہ میں نکاح کرے اور اس میں کسی کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شغار کا لغت میں معنی یہ ہے کہ کتا پیشاب کرنے کے لیے اپنی ایک ٹانگ کو اٹھائے اس کو شغر الکلب کہتے ہیں اور بلدۃ شاغرۃ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شہر سلطان یا حاکم سے خالی ہو اور آپ کی مراد اس سے یہ ہے کہ کسی عورت کا نکاح مہر سے خالی نہ ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر اس نے دو عورتوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر مقرر کیا تو ان میں سے ہر ایک کو وہ مہر ملے گا جو مقرر کیا گیا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہے یہاں مؤثر نہیں ہوگا کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

(المبسوط ج ۵ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ "کسی عورت کا عورت کے بدلہ میں نکاح کیا جائے اور ان میں سے کسی کا مہر نہ ہو"۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ مہر کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے اور عین نکاح سے ممانعت نہیں ہے، پس نکاح صحیح رہے گا۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح شغار کے متعلق مصنف کے دلائل

میں کہتا ہوں: علامہ کاسانی کی درج کردہ حدیث کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے، راوی کہتا ہے کہ میں نے نافع سے پوچھا: شغار کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ایک مرد اپنی بیٹی کا نکاح کرے اور دوسرا اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اور ایک مرد اپنی بہن کا نکاح کرے اور دوسرا اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دے بغیر مہر کے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۹، مسند احمد: ۴۶۹۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از عبید اللہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ عبید اللہ نے کہا: میں نے نافع سے پوچھا: شغار کیا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی مرد کسی مرد کی بیٹی سے نکاح کرے اور وہ مرد اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے بغیر مہر کے، اور وہ کسی مرد کی بہن سے نکاح کرے اور وہ اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دے بغیر مہر کے۔ (امام بخاری کہتے ہیں:) بعض الناس (یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) نے کہا: اگر وہ یہ حیلہ کرے اور بر طریقہ شغار نکاح کرے تو وہ جائز ہے اور شرط باطل ہے اور المتعہ میں انہوں نے کہا کہ نکاح فاسد ہے اور شرط باطل ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ المتعہ اور الشغار جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۹۶۰)

میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس حدیث سے اس وجہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے اس صورت میں منع فرمایا ہے جب وہ مہر سے خالی ہو اور نفس نکاح کو باطل نہیں فرمایا، پس شغار میں نکاح صحیح ہوگا اور فریقین نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ ہر عورت کی فرج دوسری عورت کی فرج کے عوض ہوگی یہ شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا اور چونکہ مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

رہا امام بخاری کا یہ اعتراض کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ شغار جائز ہے اور شرط باطل ہے تو امام بخاری کی یہ نقل صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ اس شرط کو باطل نہیں فرماتے بلکہ اس کو شرط فاسد فرماتے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی مبسوط سرخسی ج ۵ ص ۱۰۰ کے حوالہ سے لکھا ہے، اور شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا۔ اور امام بخاری نے جو یہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے المتعہ میں کہا کہ نکاح فاسد ہے اور شرط باطل ہے، سو امام ابوحنیفہ نے المتعہ کو نکاح فاسد نہیں بلکہ نکاح باطل کہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تصریح درج ذیل ہے:

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

نکاح موقت جائز نہیں ہے اور یہی نکاح المتعہ ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ کاسانی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اور نکاح الموقت نکاح متعہ ہے اور المتعہ منسوخ ہے اور یہ اس کی طرح ہو گیا جس نکاح میں اضافت کی گئی ہو اور وہ صحیح نہیں ہوتا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ نکاح صحیح ہے اور اضافت باطل ہے کیونکہ جو نکاح مضاف ہو وہ صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح یہ نکاح بھی صحیح نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

امام بخاری پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ان کو چاہیے تھا کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز پر اعتراض کرنے سے پہلے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تحقیق کر لیتے لیکن جب کسی انسان کو کسی پر اعتراض کرنے کی دھن سوار ہو تو اس سے اس قسم کی فروگزاشت ہو جاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ شغار کے جواز کی بحث میں لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے ممانعت شغار کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب نکاح مہر سے خالی ہو اور اس میں صرف عورتوں کی ایک دوسرے کی فرج کے ساتھ تبادلہ پر اکتفاء کیا گیا ہو اور اس میں کوئی مال بہ طور مہر واجب نہ ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا یا پھر یہ ممانعت کراہت (تنزیہی) پر محمول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے نکاح شغار کے جواز میں بہ طور دلیل علامہ عینی کی اسی عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔

(کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۲۱۹، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

۳۰۔ بَابُ: هَلْ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَهَبَ نَفْسَهَا لِأَحَدٍ — آیا عورت کسی کو اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟

اگر کوئی عورت کسی مرد کو اپنا نفس ہبہ کر دے تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنا نفس کسی مرد کو ہبہ کر دے بایں طور کہ وہ کہے: میں نے اپنا نفس تمہارے لیے ہبہ کر دیا اور مرد یہ کہے: میں نے قبول کر لیا اور مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو فقہاء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ یہ باطل ہے اور ان الفاظ سے یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور المغیرہ اور ابن دینار اور ابو ثور کا بھی

یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا اور اسی طرح لفظ صدقہ اور لفظ بیع سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے بغیر نکاح یا تزویج کے لفظ کے اور یہ نکاح صحیح ہے اور امام شافعی کے نزدیک صرف نکاح یا تزویج کے لفظ سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَتْ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ مِنَ اللَّائِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَمَا تَسْتَحِي الْمَرْأَةُ أَنْ تَهَبَ نَفْسَهَا لِلرَّجُلِ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ﴾ (الاحزاب: ۵۱) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ الْمُؤَدِّبُ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَعَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ يَزِيدُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا کہ حضرت خولہ بنت حکیم ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے اپنے نفسوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تھا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا عورت اس سے حیاء نہیں کرتی کہ اپنا نفس مرد کو ہبہ کرے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ (الاحزاب: ۵۱) ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں۔ تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں صرف یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔ اس حدیث کی ابوسعید المؤدب، محمد بن بشر اور عبدۃ نے ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے اور ان میں سے بعض دوسروں کی روایت پر اضافہ کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۸۸ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضرور امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۷۸۸، ۵۱۱۳، صحیح مسلم: ۱۴۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۵)

لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے: جس عورت نے خود کو ہبہ کیا ہو یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آپ کے بعد کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی (آپ کے لیے حلال ہے) جس اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں، صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

اور اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا لفظ ہبہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے مثلاً مرد کہے: میں نے اپنی بیٹی تم کو ہبہ کر دی خواہ مہر مقرر کرے یا نہ کرے اور وہ اس لفظ سے نکاح کا ارادہ کرتا ہو، تو ابن القاسم نے کہا: میرے نزدیک یہ نکاح جائز ہے جیسے امام مالک کے نزدیک بیع جائز ہے کیونکہ جس شخص نے کہا کہ میں تم کو یہ سامان ہبہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے اتنی اتنی رقم دو تو یہ بیع ہے۔

ابن المواز نے کہا: امام مالک اور ان کے اصحاب کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جب کسی مرد نے بہ طور ہبہ کے نکاح کیا تو وہ نکاح دخول سے پہلے فسخ کر دیا جائے گا اور اگر اس نے دخول کر لیا تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ ابن القاسم اور عبد الملک نے کہا کہ یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا اور اس کو مہر مثل دینا ہوگا، امام ابو حنیفہ اور ثوری کا بھی یہی قول ہے اور اشہب، ابن عبد الحکم، ابن وہب اور اصبغ نے کہا ہے کہ یہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا اگرچہ اس نے دخول کر لیا ہو، اصبغ نے کہا: کیونکہ یہ اس کا فرج میں فساد ہے، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ لفظ ہبہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، ان کے نزدیک نکاح صرف لفظ نکاح یا لفظ تزویج سے منعقد ہوتا ہے اور مغیرۃ اور ابن دینار کا بھی یہی قول ہے۔

لفظ ہبہ سے عدم انعقاد نکاح پر دلائل

جن فقہاء نے کہا ہے کہ لفظ ہبہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جیسا کہ الاحزاب: ۵۰ سے ظاہر ہے۔ اگر کسی اور کا نکاح لفظ ہبہ کے ساتھ منعقد ہو تو پھر اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں رہے گی اور جب ان کا اجماع ہے کہ ہبہ لفظ نکاح سے منعقد نہیں ہوتا، اسی طرح نکاح بھی لفظ ہبہ سے منعقد نہیں ہوگا۔

لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح پر دلائل

جو فقہاء کہتے ہیں کہ لفظ ہبہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا نفس ہبہ کیا تھا اس کا یہ قصد تھا کہ وہ لفظ ہبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ نکاح اس لفظ سے منعقد نہیں ہوتا اور رہا ان کا یہ کہنا کہ لفظ ہبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ بغیر مہر کے نکاح فرمالیں اور دوسروں کے لیے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور رہا ان کا یہ کہنا کہ جب لفظ نکاح سے ہبہ منعقد نہیں ہوتا تو اسی طرح لفظ ہبہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ کوئی شخص جب یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی باندی سے نکاح کر لیا تو اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ اس نے اس باندی کو ہبہ کر دیا ہے اور اس لفظ سے تملیک نہیں ہوتی اور ہبہ کے لفظ سے تملیک ہو جاتی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۴۹۔ ۳۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے خلاف لفظ ہبہ سے نکاح کے باطل ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اس کا جواب علامہ ابن بطال مالکی کی شرح میں آ گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بغیر مہر کے نکاح کرنا ہے اور یہ کہ آپ نے عام مسلمانوں کو لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح سے منع نہیں فرمایا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۸۲ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۱۔ بَابُ: نِكَاحِ الْمُحْرِمِ — محرم کا نکاح

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک نکاح سے ممانعت کی حدیث کا صحیح نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے اس پر استدلال کیا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ انہوں نے اس باب میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب آپ محرم تھے اور حالت احرام میں نکاح سے ممانعت کی حدیث کو روایت نہیں کیا گویا کہ وہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز ہے اور حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے اور ممانعت کی حدیث روایت نہیں کی تو یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ امام بخاری کا اس حدیث کو روایت نہ کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض امام بخاری کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہو تو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ حدیث دوسرے ائمہ کے نزدیک صحیح ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ عینی حنفی کے اس قوی اعتراض کا انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۱، میں کوئی جواب نہیں لکھا اور گویا کہ انہوں نے اپنا لاجواب ہونا تسلیم کر لیا اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۱۴۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ أَنْبَأَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں جابر بن زید نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور اس وقت آپ محرم تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸۳۷، میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱۸۳۷، ۵۱۱۴، صحیح مسلم: ۱۴۱۰، سنن ترمذی: ۸۴۵، سنن نسائی: ۲۲۶۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۹۱۹، صحیح ابن حبان: ۴۱۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۵، مسند احمد: ۲۲۰۰)

محرم کے نکاح کرنے کی حدیث پر فقہاء شافعیہ کے چار اعتراضات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں فقہاء احناف پر اعتراضات کیے ہیں، انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے

کہا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا صحیح ہے جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے، پھر انہوں نے امام ابوحنیفہ پر چار اعتراضات کیے ہیں:

(۱) خود حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے، یعنی آپ نے احرام باندھا ہوا نہیں تھا، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ جاننے والی تھیں۔

(صحیح مسلم: ۱۴۱۱، سنن ترمذی: ۸۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۴۰۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۲، صحیح ابن حبان: ۴۱۳۰، سنن بیہقی ج ۵ ص ۶۶، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۶۲، موطا امام مالک: ۱۵۳۶)

(۲) اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محرم تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حرم میں تھے، اور جو شخص حرم میں ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ محرم ہے اگرچہ اس نے احرام باندھا ہوا نہ ہو اور وہ حلال ہو۔

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''محرم نہ خود نکاح کرے نہ اس کا نکاح کیا جائے اور نہ وہ نکاح کا پیغام دے''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۹۵۹-۱۲۹۵۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ سے اس وقت نکاح کیا جب آپ محرم تھے اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے محرم کو نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، سو آپ کے فعل اور آپ کے قول میں تعارض ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب آپ کے قول اور فعل میں تعارض ہو تو آپ کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور آپ کا قول یہ ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلم کی روایت راجح ہے۔

(۴) صحیح بخاری کی روایت اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں نکاح کیا، سو یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور صحابہ اور تابعین میں سے اہل علم نے کہا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث ہے:

ابان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ اس کا نکاح کیا جائے اور نہ وہ نکاح کا پیغام دے''۔

(صحیح مسلم: ۱۴۰۹، سنن ابوداؤد ۱۸۴۱، سنن ترمذی: ۸۴۰، سنن نسائی: ۲۸۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی ان اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۴-۲۸۳ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی ان چار اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۴۲۵-۴۲۶، ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

فقہاء شافعیہ کے چار مذکورہ اعتراضات کے جوابات (حالت احرام میں نکاح کے جواز کے متعلق احادیث)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان اعتراضات کے جوابات میں لکھتے ہیں:

(۱) ان لوگوں کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ حضرت میمونہ اپنے اس نکاح کے واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ جاننے والی تھیں، حالانکہ حضرت میمونہ نکاح کے اس حصہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں ملی تھیں۔ علاوہ ازیں صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے موافق روایات کی ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور آپ محرم تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۹۶۴-۱۲۹۵۶)

اور امام دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۶۲، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۷۰)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ محرم کے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ وہ محرم سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، نیز امام طحاوی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن ابوبکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے محرم کے نکاح کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ نکاح تو بیع کی مثل ہے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ اور اسی طرح امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔

ان احادیث کی روایت کے بعد امام طحاوی لکھتے ہیں:

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے جس وقت نکاح کیا تو آپ محرم تھے یہ تمام صحابہ اہل علم تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب میں سے سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، مجاہد، عکرمہ اور جابر بن زید رحمہم اللہ ہیں اور یہ تمام فقہاء تابعین ہیں اور ان کی روایات اور ان کی آراء سے استدلال کیا جاتا ہے اور جن تبع تابعین نے ان سے روایت کی ہے وہ بھی اہل علم اور فقہاء ہیں، ان میں سے عمرو بن دینار، ایوب سختیانی اور عبداللہ بن ابی نجیح ہیں اور یہ تمام ائمہ ہیں اور ان کی روایات کی اقتداء کی جاتی ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۵۶۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام کے بغیر نکاح کرنے کی حدیث کی سند پر جرح اور تنقید

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے اس کی سند کا ایک راوی زید بن الاصم ہے، اس کو عمرو بن دینار نے الزہری سے خطاب کے دوران ضعیف قرار دیا ہے اور زہری نے اس پر انکار کر کے اس کو ترک کر دیا، اور اہل علم نے اس کی روایت کی اور اس کو اس وجہ سے دیہاتی اور گنوار قرار دیا کہ یہ اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرتا تھا اور اس کی روایت کیسے معتبر ہوگی حالانکہ اس کو بہت زیادہ مطعون کیا گیا ہے اور یہ شخص سنت سے جاہل تھا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ زہری نے اس کی روایت سے استدلال کیا ہے تو میں کہوں گا کہ زہری کا استدلال اس سے عمرو بن دینار کے طعن کو دور نہیں کرتا کیونکہ عمرو بن دینار فی نفسہ حجت اور ثبت ہیں اور وہ زہری سے کم نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں بعض ماہرین رجال نے عمرو بن دینار کو عطاء، مجاہد اور طاؤس پر ترجیح دی ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بغیر احرام کے نکاح کرنے کی جو روایت کی ہے اس کی سند میں ایک راوی مطر الوراق ہے، اور امام طحاوی نے کہا: مطر ان کے نزدیک قابل استدلال ہے اور امام نسائی نے کہا: مطر بن طہمان الوراق قوی نہیں ہے۔ اور امام احمد نے کہا: یہ بدحافظہ تھا اور اگر بالفرض ہم اس کو معتبر تسلیم کر لیں تو اس کی توثیق اور ضبط پر اجماع نہیں ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے پائے کی نہیں ہے جس کی امام بخاری نے روایت کی ہے اور جس میں مذکور ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا۔

(۲) علامہ نووی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ محرم تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت آپ حرم میں تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الجوہری نے اس کے خلاف کہا ہے، انہوں نے کہا کہ احرم الرجل کا معنی ہے: جب آدمی حرمت کے مہینوں میں داخل ہو۔ نیز امام بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے جب حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ محرم تھے اور جب آپ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری اس وقت آپ محرم نہیں تھے۔ امام بخاری کی یہ روایت علامہ نووی کی اس تاویل کا رد کرتی ہے۔

(۳) علامہ نووی نے کہا تھا کہ حالت احرام میں نکاح کرنے کی حدیث میں آپ کے فعل کا بیان ہے۔ اور جس حدیث میں آپ نے حالت احرام میں نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے وہ آپ کا قول ہے اور قول فعل پر راجح ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علماء اصول کے نزدیک یہ قاعدہ متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں دو حدیثوں میں تعارض اس وقت ہوتا ہے جب وہ دونوں حدیثیں مساوی درجہ کی ہوں اور حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کرنے کی روایت صحیح بخاری میں ہے اور ممانعت کی حدیث صحیح مسلم میں ہے اور یہ دونوں حدیثیں مساوی نہیں ہیں۔

(۴) علامہ نووی نے کہا کہ حالت احرام میں نکاح کرنا آپ کی خصوصیت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے جس پر دلیل کوئی نہیں ہے۔

حالت احرام میں نکاح سے ممانعت کی حدیث کی سند پر جرح اور تنقید اور بر تقدیر ثبوت اس کی تاویل

رہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ محرم نہ نکاح کرے، نہ نکاح کا پیغام دے، تو اس حدیث کی سند میں نبیہ بن وہب راوی ہے۔ اور یہ نہ عمرو بن دینار کی مثل ہے اور نہ جابر بن دینار کی مثل ہے اور نہ اس کا عمرو اور جابر کی طرح کوئی علمی مقام ہے۔ ابن العربی نے کہا: امام بخاری نے عثمان کی حدیث کو ضعیف قرار دیا جس میں حالت احرام میں نکاح سے ممانعت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اگر امام بخاری کو یہ علم ہوتا کہ حضرت عثمان کی حدیث کے راوی حضرت ابن عباس کی حدیث کے راوی کے ہم پلہ ہیں تو وہ دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیتے اور اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ دونوں حدیثیں مساوی درجہ کی ہیں تو حضرت عثمان کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ انہوں نے جو یہ کہا کہ محرم نکاح نہ کرے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وطی اور جماع نہ کرے یا یہ ممانعت تنزیہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ محرم کا از خود نکاح کرنا یا کسی کا نکاح کرانے کے جواز پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور یہ ایسا ہے جیسا اذان کے وقت خرید و فروخت سے ممانعت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۸۔۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی اور علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں فقہاء احناف پر جو اعتراض کیے ہیں ان کے جوابات علامہ عینی نے تفصیل سے لکھ دیے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۴۔۲۸۳، ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

محرم کے نکاح میں امام احمد بن حنبل کا مسلک

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

محرم نہ خود نکاح کرے، نہ نکاح کا وکیل بنے۔ یہ حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور

سعید بن المسیب اور سلیمان بن یسار، زہری، اوزاعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی اجازت دی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب آپ محرم تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۵۸، صحیح مسلم: ۱۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۱۸۴۴، سنن ترمذی: ۸۴۲، سنن نسائی: ۲۸۴۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۶۔ ۳۳۰، سنن دارمی: ۱۸۲۲)

اس کے بعد علامہ ابن قدامہ حنبلی نے محرم کے نکاح کی ممانعت میں وہی دلائل پیش کیے ہیں جن کو علامہ نووی شافعی، علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر شافعی نے پیش کیے ہیں، جن کے تفصیلی جوابات ہم عمدۃ القاری کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

(المغنی ابن قدامہ ج ۴ ص ۴۶۳، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

۳۲۔ بَابُ: نَهْيِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ آخِرًا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر میں نکاح المتعہ سے منع فرمانا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے مدت مقررہ تک نکاح کرے اور جب وہ مدت ختم ہو جائے تو ان کے درمیان تفریق اور جدائی ہو جائے۔ امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے: "آخر میں" اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ پہلے المتعہ مباح تھا بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں نکاح متعہ سے منع فرما دیا۔ اور امام بخاری نے اس باب میں جو احادیث وارد کی ہیں ان میں اس کی تصریح نہیں ہے، لیکن امام بخاری نے باب کے آخر میں یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ المتعہ منسوخ ہو چکا ہے اور احادیث صحیحہ سے ممانعت کی تصریح ہے۔ اور زیادہ قریب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب متعہ سے منع فرما دیا کیونکہ امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ سے منع فرما دیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۱۵۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَأَخُوهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّ عَلِيًّا رضی الله عنه قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الْمُتْعَةِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے الزہری سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے حسن بن محمد بن علی اور ان کے بھائی عبداللہ بن محمد نے خبر دی ان دونوں نے اپنے والد سے خبر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت (کھانے سے) خیبر کے زمانے میں منع فرما دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۲۱۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۲)

۵۱۱۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَرَخَّصَ فَقَالَ لَهُ مَوْلًى لَهُ إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْحَالِ الشَّدِيدِ وَفِي النِّسَاءِ قِلَّةٌ أَوْ نَحْوَهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ

کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی جمرۃ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ان سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دی، پھر ان سے ان کے آزاد شدہ غلام نے کہا کہ متعہ کی اجازت تو صرف حالت شدیدہ میں تھی یا جب عورتوں کی قلت تھی یا اس کی مثل کہا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں۔

شیعہ کے اس زعم کا رد کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مطلقاً جواز المتعہ کے قائل تھے

البانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مطلقاً المتعہ کی اباحت کے قائل نہیں تھے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی تائید میں متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ علاوہ ازیں جن احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مطلقاً المتعہ کے جواز کے قائل تھے ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا کہ وہ ضرورت شدیدہ یا عورتوں کی قلت کے وقت اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ اور یاد رکھو کہ کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ منسوخ ہونے سے پہلے المتعہ مطلقاً مباح تھا بلکہ احادیث میں یہ تصریح ہے کہ المتعہ غزوات میں مباح کیا گیا تھا۔ اور ابو جمرۃ کی اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس کے بعض شاگرد حضرت ابن عباس کے جواز متعہ کے قول پر انکار کرتے تھے۔

(حاشیہ شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۳۸۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۱۱۷-۵۱۱۸- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَا كُنَّا فِي جَيْشٍ فَأَتَانَا رَسُولُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُمْ أَنْ تَسْتَمْتِعُوا فَاسْتَمْتِعُوا (تحفۃ الاشراف: ۲۵۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: عمرو نے کہا از الحسن بن محمد از حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے، پس ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا اور اس نے کہا: "بے شک تم کو متعہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، پس تم متعہ کو طلب کرو"۔

۵۱۱۹- وَقَالَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّمَا رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ تَوَافَقَا فَعِشْرَةُ مَا بَيْنَهُمَا ثَلَاثُ لَيَالٍ فَإِنْ أَحَبَّا أَنْ يَتَزَايَدَا أَوْ يَتَتَارَكَا تَتَارَكَا فَمَا أَدْرِي أَشَيْءٌ كَانَ لَنَا خَاصَّةً أَمْ لِلنَّاسِ عَامَّةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَبَيَّنَهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ مَنْسُوخٌ۔

اور ابن ابی ذئب نے کہا: مجھے ایاس بن سلمہ بن الاکوع نے حدیث بیان کی از والد خود از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو مرد اور عورت مل جل کر رہنے پر اتفاق کر لیں تو وہ تین راتوں تک مل جل کر رہیں۔ پس اگر وہ دونوں اس مدت میں کچھ کمی یا بیشی کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے (سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں:) مجھے یہ پتا نہیں کہ یہ اجازت ہم صحابہ کے ساتھ خاص تھی یا تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔ امام ابو عبداللہ البخاری نے کہا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ المتعہ
منسوخ ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۱۷، ۵۱۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۰۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۴۰۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۲۳۱، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۹۲، صحیح ابن حبان: ۴۱۵۱، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۵۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۴، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۸۹، مسند احمد ج ۴ ص ۴۷، مسند احمد: ۱۶۵۰۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

تحریم متعہ کے متعلق احادیث صحیحہ

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ تحریم متعہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن المتعہ سے منع فرمادیا اور اس حدیث کی امام مالک نے اور معمر اور یونس نے از ابن شہاب روایت کی ہے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۵۲۳، ۶۹۱۶، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۱۲۱، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۰۳، ۲۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۱)

اس سلسلہ میں دیگر احادیث بھی مروی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم خیبر کے علاوہ بھی المتعہ سے منع فرمادیا، پس ابوالعمیس ایاس بن سلمہ نے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوطاس کے دن متعہ کرنے کی اجازت دی، پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، اور عکرمہ بن عمار نے از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک میں متعہ کرنے کو حرام فرمادیا۔ ان احادیث کی امام طحاوی نے روایت کی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۸۴۔ ۳۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۴۔ ۹۵، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۵، مسند ابویعلیٰ: ۶۶۲۵، صحیح ابن حبان: ۴۱۴۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

اور عمرو نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ المتعہ صرف تین دن کے لیے عمرۃ القضاء میں حلال کیا گیا ہے اور المتعہ نہ اس سے پہلے حلال ہوا تھا اور نہ اس کے بعد حلال کیا گیا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۴۰۴۰)

اور حماد بن زید نے از ایوب از الزہری از الربیع بن سمرۃ از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔ (سنن سعید بن منصور: ۸۴۵۔ ۸۴۴)

اور عبدالعزیز نے از عمر بن عبدالعزیز از الربیع بن سمرۃ از والد خود روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ کو حرام فرمادیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۴، التمہید ج ۱۰ ص ۱۰۵)

متعہ کی اباحت کا صرف حالت جنگ اور حالت اضطرار میں ہونا، بعد میں اس کو منسوخ کر دینا

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً عورتوں سے متعہ کرنے کی احادیث روایت کی ہیں۔ ان سب نے یہ خبر دی ہے کہ متعہ کی یہ اجازت سفر میں تھی اور پھر اسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا اور ان میں سے کسی نے بھی یہ خبر نہیں دی کہ متعہ کی اجازت حضر (غیر سفر) میں تھی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہمارے پاس عورتیں نہیں تھیں تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم خصی نہ ہو

جائیں تو آپ نے ہم کو اس سے منع فرمادیا اور ہم کو یہ اجازت دی کہ ہم ایک کپڑے کے عوض مدت معینہ تک متعہ کرلیں۔
(صحیح البخاری:۴۶۱۵، صحیح مسلم:۱۴۰۴، مسند احمد:۴۱۱۳، شرح معانی الآثار:۴۲۱۹)

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حالت جنگ میں متعہ کو مباح کیا۔
رہی حضرت سبرۃ کی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حجۃ الوداع میں متعہ کو مباح کیا تھا تو یہ اپنے تمام معانی سے خارج ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے متعہ کو ضرورت کے وقت بلکہ اضطرار کے وقت مباح کیا تھا حتیٰ کہ صحابہ نے آپ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تھی اور حضرت سلمہ کی حدیث جو غزوۂ اوطاس سے متعلق ہے وہ بھی ضرورت کے وقت تھی، اور جنہوں نے حضرت سبرۃ کی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حجۃ الوداع میں متعہ کو مباح کیا گیا تھا ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، بلکہ حضرت سبرۃ سے تو اس کے خلاف ثابت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نکاح المتعہ سے منع فرمارہے تھے۔
(سنن ابوداؤد:۲۰۷۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی:۶۵۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۴، مسند احمد:۱۵۳۳۸)

امام طحاوی روایت کرتے ہیں: حضرت سبرہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعہ کی اجازت دی، پس ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا، پھر اس کے بعد آپ نے متعہ کو سختی کے ساتھ منع فرمادیا"۔ (شرح معانی الآثار:۴۲۲۹)
پس ان آثار سے یہ واضح ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی، پھر بعد میں آپ نے اس کو منسوخ فرمادیا۔

حضرت ابن عباس کے جواز متعہ کے قول کی توجیہ اور حضرت عمر کی ممانعت متعہ کی تحقیق

امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ متعہ صرف رحمت تھی، اللہ تعالیٰ نے متعہ سے اس امت پر رحم فرمایا اور اگر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متعہ سے منع نہ کرتے تو سوائے بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا۔
(شرح معانی الآثار:۴۲۳۲)

عطاء حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ عورتوں سے متعہ کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر نے اس سے منع فرمادیا۔
(شرح معانی الآثار:۴۲۳۴)

ابوجمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں کے ساتھ متعہ کے متعلق سوال کیا تو ان کے آزاد کردہ غلام نے کہا کہ متعہ صرف جنگ میں مباح تھا اور عورتیں اس وقت کم تھیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔
(شرح معانی الآثار:۴۲۳۵، صحیح البخاری:۵۱۱۶)

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا اور کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام صحابہ متعہ کی ممانعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کرتے تھے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا ہے کہ متعہ حالت جنگ میں مباح کیا گیا تھا اور اس وقت عورتیں بہت کم تھیں۔

رہا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم متعہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ ہم کو متعہ کرنے سے حضرت عمر نے منع کردیا تو ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام فرمادیا ہے حتیٰ کہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے اس کا

علم ہوا۔ اور اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی تھی، پھر بعد میں اس کو قیامت تک کے لیے منسوخ کر دیا اور حرام فرما دیا۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۸۶۔۳۸۵ ملخصاً، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تحریم متعہ پر تمام فقہاء اور محدثین کا اجماع

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام شہروں کے فقہاء اور محدثین نکاح متعہ کی تحریم پر متفق ہیں، اور فقہاء میں سے امام زفر کا یہ قول شاذ ہے کہ اگر کسی مرد نے دس دن یا ایک ماہ کے لیے نکاح کیا تو نکاح ثابت ہو گا لیکن شرط باطل ہو گی۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متعہ میں نہ میراث ہوتی ہے اور نہ اس میں طلاق ہوتی ہے اور نہ اس میں عدت ہوتی ہے اور تمام امت کے نزدیک یہ زوجیت کے حکم میں نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور قاسم بن محمد نے متعہ کے منسوخ ہونے اور اس کی تحریم پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ (المومنون: ۶۔۵)

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے، سو بے شک وہ ان میں ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں O

اور متعہ نہ نکاح ہے اور نہ ملک یمین ہے یعنی نہ باندیوں سے تمتع ہے اور بیویوں اور باندیوں کے سوا تمتع کرنا حرام ہے، لہٰذا متعہ حرام ہوا اور منسوخ ہو گیا۔

تحریم متعہ پر علامہ ابن بطال کے استدلال پر مصنف کا اشکال اور مصنف کی طرف سے تحریم متعہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات

میں کہتا ہوں: اس استدلال پر یہ اشکال ہے کہ سورۃ المومنون مکی ہے اور متعہ مدینہ میں بھی مباح رہا ہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ کو حرام فرما دیا، پھر اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لیے متعہ کو مباح کیا گیا، پھر اس کے بعد قیامت تک کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دے دیا، ہاں! تین مدنی سورتوں سے متعہ کا حرام ہونا ثابت ہے اور اس پر یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ وہ مدنی سورتیں ہیں۔

تحریم متعہ کی آیات درج ذیل ہیں:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۞ (النساء: ۳)

تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو، یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ O

سورۂ نساء مدنی ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل استطاعت سے خطاب فرمایا اور ان کے لیے قضاء شہوت کی جائز صورتیں بیان فرما دیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کر سکتے ہیں، اور اگر ان میں عدل قائم نہ رکھ سکیں تو پھر اپنی کنیزوں اور باندیوں سے نفع اندوزی کر سکتے ہیں اور بس۔

اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان صورتوں کے ساتھ ذکر فرما دیتا اور اس آیت میں متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ وہ جائز نہیں ہے اور اسی طرح ابتداء اسلام سے لے کر فتح مکہ تک جو شکل بھی معمول اور مباح تھی اس آیت نے اس کو حرام کر دیا۔

اگر روافض اور شیعہ کو یہ شبہ ہو کہ اس آیت میں لفظ نکاح متعہ کو بھی شامل ہے، لہٰذا نکاح کے جواز کے ساتھ متعہ کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہوتی اور نکاح اور متعہ دونوں متضاد لفظ ہیں، اس لیے لفظ نکاح سے متعہ کو مراد نہیں لیا جا سکتا، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ نکاح اور متعہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں، نکاح میں عقد دائمی ہوتا ہے اور متعہ میں عقد عارضی ہوتا ہے، نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہے اور متعہ میں ممتوعات کی تعداد کی کوئی حد نہیں، نکاح میں نفقہ، سکنیٰ، نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء، ظہار، لعان، طلاق اور عدت عارض ہوتے ہیں اور متعہ میں ان میں سے کوئی امر لازم ہوتا ہے اور نہ عارض، پس نکاح اور متعہ اپنی حقیقت، لوازم اور عوارض کے اعتبار سے دو مختلف امر ہیں۔

سورۃ النساء کی ایک اور آیت ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الی ان قال) ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ (النساء: ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) (الی ان قال) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو اور تمہارے لیے صبر کرنا بہتر ہے۔

اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے نادار شخص کے لیے صرف دو صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے اور دوسرا یہ کہ وہ ضبط نفس کرے اور تجرد کی زندگی گزارے اور اگر متعہ بھی مشروع ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اسے متعہ کی بھی ہدایت دی جاتی، پس معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لیے متعہ کرنا جائز نہیں ہے، اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں ہی سے نکاح کرے اور اگر وہ ان سے بھی نکاح کی طاقت نہ رکھے تو اس کو صبر کرنا پڑے گا اور اس کے لیے متعہ کے جواز کی کوئی راہ نہیں ہے۔

ایک اور مدنی سورت کی آیت ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ (النور: ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح تصریح فرما دی ہے کہ جو لوگ نکاح نہیں کر سکتے وہ ضبط نفس کریں اور ان کے لیے جواز متعہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ورنہ نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی بھی اجازت دے دی جاتی اور جب اجازت متعہ کی بجائے ضبط نفس کا حکم فرمایا تو واضح ہو گیا کہ اسلام میں جواز متعہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حجۃ الوداع میں تحریم متعہ کی توجیہ

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: کیا تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ کو حرام فرما دیا، پھر حضرت الربیع بن سبرۃ کی اس روایت کی کیا توجیہ ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے دن متعہ کو حرام فرمایا؟ حضرت ربیع بن سبرۃ

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے متعلق یہ گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۲، سنن نسائی: ۳۳۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۲)

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع سے پہلے متعہ مباح تھا، تب ہی اس کو حجۃ الوداع میں حرام فرمادیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ اہم امور کو متعدد بار مکرر بیان فرماتے تھے اور جہاں زیادہ لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں بیان فرماتے اور چونکہ حجۃ الوداع میں بہت زیادہ مسلمان مجتمع تھے اس لیے آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تحریم متعہ کو مکرر بیان فرمایا تاکہ جس نے اس کو نہ سنا ہو وہ بھی سن لے اور آپ نے اس کو اس لیے مؤکد فرمایا تاکہ کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ متعہ اب بھی حلال ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۳۔۱۸۱، ملخصاً ومخرجاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

متعہ کی تحریم کا تعدد اور اس کی توجیہ

علامہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے بیان کیا کہ متعہ کی تحریم کے وقت میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں متعہ کو حرام کیا گیا، پھر حسن بصری سے روایت ہے کہ متعہ کو عمرۃ القضاء میں حرام کیا گیا اور مشہور یہ ہے کہ متعہ کو غزوۂ فتح مکہ میں حرام کیا گیا جیسا کہ امام مسلم نے الربیع بن سبرہ کی اپنے والد سے روایت کی ہے اور ان سے دوسری روایت امام ابوداؤد نے کی ہے کہ متعہ کو حجۃ الوداع میں حرام کیا گیا۔ اور بعض راویوں نے کہا کہ متعہ کو غزوۂ اوطاس میں حرام کیا گیا اور یہ روایت ان کے موافق ہے جنہوں نے کہا: متعہ کو فتح مکہ کے سال حرام کیا گیا۔ علامہ سہیلی کی عبارت ختم ہوئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا حاصل یہ ہے کہ متعہ کو چھ مقامات پر حرام کیا گیا۔ (۱) خیبر (۲) عمرۃ القضاء (۳) فتح مکہ (۴) اوطاس (۵) تبوک (۶) حجۃ الوداع۔ (غزوۂ اوطاس اور غزوۂ حنین واحد ہیں اور یہ فتح مکہ کے متصل بعد ہیں)

علامہ الماوردی الشافعی نے کہا ہے کہ متعہ کی تحریم مکرر ہوئی تاکہ اس کی تحریم زیادہ ظاہر اور زیادہ شائع ہو جائے حتیٰ کہ جو اس کی تحریم کے کسی مقام پر حاضر نہیں تھا دوسرے مقام پر وہ حاضر ہو تو اس کو اس کی تحریم کا علم ہو جائے، نیز متعہ کو کئی مرتبہ مباح کیا گیا اور آخری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ یہ قیامت تک حرام ہے۔

علامہ نووی نے کہا کہ درست بات یہ ہے کہ متعہ کی تحریم اور اباحت دو مرتبہ ہوئی ہے، پس متعہ خیبر سے پہلے مباح تھا، پھر خیبر میں اس کو حرام فرمادیا، پھر فتح مکہ کے سال متعہ کو مباح کیا گیا اور یہی غزوۂ اوطاس ہے، پھر اس کو دائماً ابداً حرام فرمادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جواز متعہ کی روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ روافض کے سوا تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے، اور رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے ایک روایت ہے کہ متعہ مباح ہے اور دوسری روایت ہے کہ انہوں نے متعہ سے رجوع کر لیا تھا مگر اس روایت کی اسانید ضعیف ہیں اور زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو جائز کہتے تھے اور یہی شیعہ اور روافض کا مذہب ہے۔ امام بیہقی نے امام جعفر بن محمد سے نقل کیا ہے کہ ان سے المتعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بعینہٖ زنا ہے، پھر روافض کے سوا تمام متقدمین اور متاخرین فقہاء کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۰۔۲۸۶، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ہم نے اس بحث میں علامہ ابن ملقن شافعی اور علامہ بدرالدین عینی حنفی کی شرحوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان سے زیادہ مفصل اور

محقق گفتگو اس بحث میں امام طحاوی حنفی، علامہ ابن بطال مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحریر میں ہے جس کو ہم پیش کر چکے ہیں۔

بعض مسائل میں حضرات صحابہ کا آپس میں اختلاف کے باوجود باہمی احترام کو قائم رکھنا، اس مسئلہ میں مصنف کی تحقیق

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواز متعہ کے قول میں اجماع کی مخالفت کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے علم میں اس کی تحریم پر اجماع منعقد نہیں ہوا تھا، لہٰذا ان پر اعتراض نہیں ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ان کے علم میں المعوذتین کا تواتر سے ثبوت نہیں تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض فقہی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا لیکن وہ اس میں شدت نہیں کرتے تھے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع موتی اور رؤیت باری کی قائل نہیں تھیں اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے جواز تیمم کے قائل نہیں تھے اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع بالحج سے منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کے وقت بدن پر خوشبو کا لیپ کرنے سے منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور دیگر اہل علم صحابہ ان حالتوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، اسی طرح قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کا معاملہ ہے ان مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف رہا ہے لیکن وہ اپنے مخالفین کی مذمت نہیں کرتے تھے اور اپنے موقف پر قائم رہتے تھے اور دوسروں پر سختی نہیں کرتے تھے۔ اور ہمارے زمانے میں اگر کسی شخص کا دوسرے سے کسی فقہی مسئلہ کا اختلاف ہو تو وہ دوسروں کی مذمت کرتا ہے اور اس کی تضلیل اور تکفیر تک کر دیتا ہے۔ ہمیں فقہی مسائل میں اپنے موقف پر تو قائم رہنا چاہیے مگر اپنے مخالفین پر شدت کرنے اور ان کی مذمت کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

۳۳۔ بَابُ: عَرْضِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا عَلَى الرَّجُلِ الصَّالِحِ
کسی عورت کا اپنے آپ کو نیک مرد پر پیش کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ابن المنیر نے الحاشیہ میں لکھا ہے کہ امام بخاری کے لطائف میں سے یہ ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ جس عورت نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اس میں آپ کی خصوصیت نہیں ہے تو انہوں نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ کوئی بھی عورت کسی نیک مرد کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکتی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۱۔ ۲۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۲۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ أَنَسٍ وَعِنْدَهُ ابْنَةٌ لَهُ قَالَ أَنَسٌ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَكَ بِي حَاجَةٌ فَقَالَتْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مرحوم بن عبد العزیز بن مہران نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ثابت البنانی سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی صاحب زادی بھی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان

بِنْتُ أَنَسٍ مَا أَقَلَّ حَيَائَهَا وَا سَوْأَتَاهُ وَا سَوْأَتَاهُ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ رَغِبَتْ فِي النَّبِيِّ ﷺ فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۲۳، سنن نسائی: ۳۲۴۹، ۳۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۱)

کیا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے اپنے آپ کو آپ پر پیش کیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے تو حضرت انس کی صاحب زادی نے کہا: وہ کیسی بے حیاء عورت ہے، ہائے بے شرمی! ہائے بے شرمی! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ تم سے بہتر تھیں، اس نے نبی ﷺ میں رغبت کی اور اپنے آپ کو آپ پر پیش کیا۔

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: میں اس عورت کے نام پر واقف نہیں ہو سکا اور میں نے اس کے قصہ میں دیکھا کہ اس عورت کا نام لیلیٰ بنت قیس بن الحطیم ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور یہ اس حدیث کی غیر ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لہٰذا دونوں قصوں کے راوی مختلف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۱۔ ۱۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ راویوں کے تعدد سے صاحب قصہ کا تعدد لازم نہیں آتا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۵۱۲۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً عَرَضَتْ نَفْسَهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ زَوِّجْنِيهَا فَقَالَ مَا عِنْدَكَ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ اذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي وَلَهَا نِصْفُهُ قَالَ سَهْلٌ وَمَا لَهُ رِدَاءٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتّٰى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَعَاهُ أَوْ دُعِيَ لَهُ فَقَالَ لَهُ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ فَقَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ يُعَدِّدُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی ﷺ پر پیش کیا، تب ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اس عورت کے ساتھ میرا نکاح کر دیجئے، آپ نے پوچھا: تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو، پس وہ گیا، پھر لوٹ آیا تو اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی اور نہ لوہے کی انگوٹھی ملی، لیکن میرا یہ تہبند ہے وہ آدھا میں اس کو دے دوں گا۔ حضرت سہل نے بتایا: اس کے بدن کے اوپری حصہ پر کوئی چادر نہیں تھی، تب نبی ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم نے اس کو پہن لیا تو اس کے اوپر اس تہبند میں سے کوئی چیز نہیں ہو گی اور اگر اس عورت نے اس تہبند کو باندھ لیا تو تمہارے اوپر اس تہبند میں سے کوئی چیز نہیں ہو گی پھر وہ مرد بیٹھ گیا حتیٰ کہ جب اس کو بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو وہ کھڑا

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۳۳۵۹، سنن بیہقی: ۱۴۱۳۶)

ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر بلایا یا اسے بلایا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے اور اس نے کئی سورتیں گنوائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اس سبب سے ہم نے وہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

۳۴۔ بَابُ: عَرْضِ الْإِنْسَانِ ابْنَتَهُ أَوْ أُخْتَهُ عَلَى أَهْلِ الْخَيْرِ

انسان کا اپنی بیٹی یا اپنی بہن کو نیک مسلمانوں پر پیش کرنا

۵۱۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يُحَدِّثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عُمَرَ مِنْ خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتُوُفِّيَ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ فَقَالَ سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ لَقِيَنِي فَقَالَ قَدْ بَدَا لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ زَوَّجْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَصَمَتَ أَبُو بَكْرٍ فَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا وَكُنْتُ أَوْجَدَ عَلَيْهِ مِنِّي عَلَى عُثْمَانَ فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلَيَّ حِينَ عَرَضْتَ عَلَيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ عُمَرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ عَلَيَّ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَبِلْتُهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب ان کی صاحب زادی حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا جو حضرت خنیس بن حذافہ بن السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، پس وہ مدینہ میں فوت ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان پر حفصہ کو پیش کیا تو انہوں نے کہا: میں عنقریب اپنے معاملہ میں غور کروں گا، پس میں چند راتیں ٹھہر رہا، پھر حضرت عثمان کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: میری رائے یہ ہے کہ میں ان دنوں میں نکاح نہ کروں، حضرت عمر نے بتایا: پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا، پس میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حضرت حفصہ بنت عمر کا آپ سے نکاح کر دوں، پس حضرت ابوبکر خاموش ہو گئے اور انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر سے زیادہ رنج پہنچا تھا، پھر میں چند راتیں ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

(صحیح البخاری: ۵۱۲۹، سنن نسائی ج۶ ص ۷۷، صحیح ابن حبان: ۴۰۳۹، مسند ابو یعلی: ۲۰، المعجم الکبیر: ۳۰۲)

حفصہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تو میں نے آپ کے ساتھ حفصہ کا نکاح کر دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور انہوں نے مجھ سے کہا: شاید تمہیں اس وقت مجھ سے رنج پہنچا ہوگا جب تم نے میرے اوپر حضرت حفصہ کو پیش کیا تھا اور میں نے تمہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا حضرت عمر نے بتایا: جی ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب تم نے مجھ پر حضرت حفصہ کو پیش کیا تھا تو مجھے تم کو جواب دینے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حفصہ کو ترک فرما دیتے تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل دقیقہ اور نکات لطیفہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری، القرطبی، المالکی، المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) جس شخص پر کسی عورت کو پیش کیا جائے تو اس کو اس پر غور و فکر کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ بعد میں اس شخص کو اپنی رائے سے مطلع کرے جیسا کہ حضرت عثمان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں اور حضرت ابوبکر نے اس طرح نہیں کہا حالانکہ وہ حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ترک فرما دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہیں دیا اثبات میں نہ نفی میں۔

(۳) اس حدیث میں اپنے دوست کو کسی بات کا جواب نہ دینے کی رخصت ہے کیونکہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جواب نہ دینے سے زیادہ قلق ہوا کیونکہ ان کا حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے زیادہ تعلق تھا۔

(۵) کسی کا راز مخفی رکھنا چاہیے کیونکہ حضرت ابوبکر کو یہ علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا تذکرہ فرمایا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز تھا، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات نہیں بتائی، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ وہ آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ کے ساتھ ملیں گی اور یہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہ طور راز بتایا تھا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا یہ راز افشا نہیں کیا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر بھی نہیں بتایا، نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کو میرے جواب

نہ دینے سے رنج تو پہنچا ہوگا لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جب کسی انسان کی بات سے اس کے دوست کو رنج پہنچے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے دوست کو اس کی وجہ بیان کردے۔

(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ کو ترک فرما دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی عورت کو نکاح کا پیغام اس وقت دینا چاہیے جب کسی دوسرے کا اس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۷۔۱۸۵، ملخصاً دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے گھر سے بھی نیک مرد کے گھر نکاح کا پیغام دینا جائز ہے اور اسے عار نہیں سمجھنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال مالکی نے اس حدیث کی بہت جامع شرح کی ہے، سو اس کے بعد علامہ ابن ملقن شافعی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور علامہ بدر الدین عینی حنفی کی شروح کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۱۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّا قَدْ تَحَدَّثْنَا أَنَّكَ نَاكِحٌ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَعَلَى أُمِّ سَلَمَةَ لَوْلَمْ أَنْكِحْ أُمَّ سَلَمَةَ مَا حَلَّتْ لِي إِنَّ أَبَاهَا أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، مسند احمد: ۲۷۴۸۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از عراک بن مالک، انہوں نے کہا کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم یہ باتیں کرتے ہیں کہ آپ حضرت درۃ بنت ابی سلمہ سے نکاح کرنے والے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ام سلمہ کے ہوتے ہوئے؟ اگر میں نے ام سلمہ سے نکاح نہ کیا ہوتا تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی کیونکہ ان کے والد میرے رضاعی بھائی ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۵۔ بَابٌ: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللهُ۔ (الی ان قال) غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾ (البقرۃ: ۲۳۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد: اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم عدت والی عورتوں کو اشارہ، کنایہ سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (الی ان قال) بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے O (البقرۃ: ۲۳۵)

آیت مذکورہ کا چار احکام کو متضمن ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ آیت مذکورہ چار احکام کو متضمن ہے جن میں سے دو مباح ہیں: (۱) کنایہ کے ساتھ عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا اور (۲) اس سے نکاح کرنے کے ارادے کو دل میں مخفی رکھنا، اور ان میں سے دو ممنوع

ہیں: (۱) عدت کے دوران اس سے نکاح کرنا، اور (۲) عدت کے دوران اس سے نکاح کا وعدہ کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

أَوْ أَكْنَنْتُمْ أَضْمَرْتُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ صُنْتَهُ وَأَضْمَرْتَهُ فَهُوَ مَكْنُونٌ۔

أَكْنَنْتُمْ کا معنی ہے: جس بات کو تم نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے، اور ہر وہ چیز جس کو تم نے دل میں مخفی رکھا ہے یا چھپایا ہے تو وہ مکنون ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر، تعریض اور کنایہ کا فرق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جس بات کو تم نے اپنے دل میں چھپایا ہے اور زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا اور وہ عدت کے دوران کسی عورت سے منگنی کرنے کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہ طور تعریض نکاح کا پیغام دینے سے گناہ کو اٹھالیا ہے جب کہ وہ عورت عدت میں ہو اور تعریض یہ ہے کہ آدمی عدت گزارنے والی عورت سے کہے کہ تم تو خوبصورت ہو یا تم بہت نیک ہو اور میری غرض یہ ہے کہ میں نکاح کروں اور شاید اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نیک عورت مہیا کردے اور اس قسم کا دوسرا کلام جس سے یہ وہم ہو کہ وہ اس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ اس عورت کی عدت گزر جائے بہ شرطیکہ وہ عورت اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتی ہو اور وہ اس سے صراحتاً نکاح کرنے کی بات نہ کرے، پس یہ نہ کہے کہ میں تم سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا تمہیں نکاح کا پیغام دے رہا ہوں اور تعریض اور کنایہ میں یہ فرق ہے کہ تعریض میں ایک چیز کا ذکر کیا جاتا ہے جو دوسری اس چیز پر دلالت کرے جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو، مثلاً فقیر غنی سے یہ کہے: میں آپ کو سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں آپ کے کریم چہرے کو دیکھوں اور کنایہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اس لفظ سے ذکر کیا جائے جس کے لیے اس لفظ کو وضع نہ کیا گیا ہو، مثلاً تم کسی طویل القامت شخص سے کہو کہ تمہارے پستول کا پٹا (پرتلا) بہت طویل ہے اور مراد یہ ہو کہ تمہارا قد بہت لمبا ہے یا کسی شخص کے متعلق کہو کہ اس کے گھر کے چولہے میں راکھ بہت زیادہ ہے اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ بہت سخی ہے کیونکہ اس کے چولہے میں راکھ اس لیے بہت زیادہ ہے کہ چولہے پر کھانا بہت زیادہ پکتا ہے اور کھانا اس لیے زیادہ پکتا ہے کہ اس کے گھر میں مہمان زیادہ آتے ہیں اور زیادہ مہمان اس لیے آتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی ہے کیونکہ بخیل کے گھر تو زیادہ مہمان نہیں آتے، پھر اللہ تعالیٰ نے بہ طور عتاب فرمایا: اللہ کو علم ہے کہ عدت کے بعد عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے ہو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حلم والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۵) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۶۔۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۲۴۔ وَقَالَ لِي طَلْقٌ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ يَقُولُ إِنِّي أُرِيدُ التَّزْوِيجَ وَلَوَدِدْتُ أَنَّهُ تَيَسَّرَ لِي امْرَأَةٌ صَالِحَةٌ۔

اور مجھ سے طلق بن غنام نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی از منصور از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (عدت والی عورتوں کو) تعریضاً نکاح کا پیغام دو۔ (البقرۃ: ۲۳۵) یعنی وہ کہے کہ میں نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میں پسند کرتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت میسر ہو جائے۔

جہالت کی وجہ سے عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کو اس کی عدت میں جہالت کی وجہ سے نکاح کا پیغام دے اور اس سے نکاح کا وعدہ کرے اور عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لے تو امام مالک اس کے متعلق کہتے ہیں کہ میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے دے اور یہ ایک طلاق بائن ہوگی، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے اور عدت کے بعد وہ اس کو نکاح کا پیغام دے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عدت کے دوران صراحتاً نکاح کا پیغام دیا اور عورت نے صراحتاً اس کے پیغام کو قبول کر لیا اور اس نے عدت پوری ہونے سے پہلے عقد نکاح نہیں کیا تو اس کا نکاح ثابت ہوگا اور عدت کے دوران صراحتاً نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے۔

عدت کے دوران نکاح کرنے اور دخول کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے کسی عورت سے عدت کے دوران نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ دخول کر لیا تو امام مالک، اللیث اور الاوزاعی نے کہا کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ عورت اس کے کبھی بھی حلال نہیں ہوگی، (موطا امام مالک ص ۲۳۲-۲۳۱) اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا: ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، پھر جب اس کی پہلی عدت ختم ہو جائے گی تو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر ان کی دلیل ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس مرد پر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے عدت کے دوران کسی عورت سے وطی کر لی تو پھر عدت کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۰۹-۲۰۸)

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے عدت کے دوران نکاح کر لیا اور دخول کر لیا تو امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ وہ پہلی عدت از سر نو گزارے گی اور پھر دوسری عدت گزارے گی۔ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی یہ عدت دونوں کی عدت ہو جائے گی خواہ اس کی عدت حیض سے ہو یا حمل سے ہو یا مہینوں سے ہو اور یہ اوزاعی، ثوری اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مرد کسی عورت سے اس کی بقیہ عدت کے دوران نکاح نہ کرے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہی اس کی دوسری عدت بھی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی اس شرح کو ذکر کر دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۸۵-۳۸۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح میں تعریض اور کنایہ کے فرق کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۵-۲۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ الْقَاسِمُ يَقُولُ إِنَّكِ عَلَيَّ كَرِيمَةٌ وَإِنِّي فِيكِ لَرَاغِبٌ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَائِقٌ إِلَيْكِ خَيْرًا أَوْ نَحْوَ هٰذَا۔

اور قاسم کہتے تھے کہ بے شک تم مجھ پر مہربان ہو اور بے شک میں تم میں رغبت رکھتا ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری طرف جلدی کوئی خیر پہنچائے گا یا اس کی مثل کوئی بات کہے۔

عدت کے دوران تعریضاً نکاح کا پیغام دینے کی مثالیں

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ امام بخاری کی اس پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور قاسم سے مراد قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق ہیں اور اس تعلیق کا حاصل یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران اس کو تعریضاً نکاح کا پیغام دے۔ امام بخاری نے کہا: یا اس کی مثل کوئی اور بات کہے یعنی یوں کہے کہ میں تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں یا کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے کوئی نیک عورت مہیا فرمائے وغیرہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱٦۷)

وَقَالَ عَطَاءٌ يُعَرِّضُ وَلَا يَبُوحُ يَقُولُ إِنَّ لِي حَاجَةً وَأَبْشِرِي وَأَنْتِ بِحَمْدِ اللهِ نَافِقَةٌ وَتَقُولُ هِيَ قَدْ أَسْمَعُ مَا تَقُولُ وَلَا تَعِدُ شَيْئًا وَلَا يُوَاعِدُ وَلِيُّهَا بِغَيْرِ عِلْمِهَا وَإِنْ وَاعَدَتْ رَجُلًا فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ نَكَحَهَا بَعْدُ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا۔

اور عطاء نے کہا: وہ تعریضاً کہے اور صراحتاً یہ نہ کہے کہ مجھے نکاح کی ضرورت ہے اور تمہیں خوش خبری ہو اور تم اللہ کے فضل سے ایسی ہو جس کے ساتھ نکاح کا رواج ہے اور عورت اس کے جواب میں کہے: میں نے تمہاری بات سن لی ہے اور اس سے صراحتاً کوئی وعدہ نہ کرے، ایسی عورت کا ولی بھی اس کے علم کے بغیر کوئی وعدہ نہ کرے، اور اگر عورت نے زمانہ عدت میں کسی مرد سے نکاح کا وعدہ کر لیا اور پھر بعد میں اس سے نکاح کیا تو ان دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔

اگر عدت کے دوران عورت نکاح کا وعدہ کر لے یا مرد صراحتاً نکاح کا پیغام دے یا نکاح کر لے تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔ امام بخاری نے کہا: نَافِقَةٌ اس کا معنی ہے: رَائِجَةٌ یعنی تم جیسی عورت سے نکاح کا رواج ہے۔

اگر وہ عورت عدت کے دوران کسی مرد سے نکاح کا وعدہ کر لے، پھر عدت پوری ہونے کے بعد وہ مرد اس عورت سے نکاح کر لے تو ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ عقد صحیح ہے اور نکاح سے کوئی مانع نہیں ہے اور اگر مرد عدت کے دوران صراحتاً نکاح کا پیغام دے لیکن اس سے عقد نکاح عدت پوری ہونے کے بعد کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک یہ عقد صحیح ہے لیکن اس نے مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا ہے اور امام مالک نے کہا کہ وہ مرد اس عورت کو طلاق دے دے خواہ اس نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر اس نے عدت کے دوران عقد کیا ہو اور دخول کر لیا ہو تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اس میں ائمہ کا اختلاف نہیں ہے، اور امام مالک نے کہا: پھر مرد کے لیے بعد میں اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ جب اس عورت کی عدت گزر جائے اور مرد چاہے تو اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱٦۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا الزِّنَا۔

اور حسن بصری نے کہا: "تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی وعدہ نہ کرو"۔ (البقرۃ: ۲۳۵) الزنا۔

خفیہ وعدے کی متعدد تفاسیر اور حسن بصری کی تفسیر پر اعتراض

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری نے اس آیت میں مذکور لفظ خفیہ کی تفسیر میں کہا کہ یہ زنا ہے اور خفیہ کا لفظ نکاح سے کنایہ ہے جس سے مراد مجامعت ہے کیونکہ وہ خفیہ طریقہ سے کی جاتی ہے، یہ زمخشری کا قول ہے اور شعبی نے کہا کہ مرد اس عورت سے یہ عہد لے کہ وہ اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہیں کرے گی، اور مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا کہ وہ عدت کے دوران اس عورت کو نکاح کا پیغام دے، اور امام شافعی نے کہا: اس سے مراد جماع ہے اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس حالت میں جماع جائز نہیں ہے، اور ابراہیم نخعی اور ابوالشعثاء کا قول حسن بصری کے قول کی مثل ہے لیکن اس میں تامل ہے کیونکہ زنا کا وعدہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ عدہ سراً ہو یا جہراً (خفیہ ہو یا علی الاعلان)۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ۔

اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے: "حتیٰ کہ مدت پوری ہو جائے"۔ (البقرہ: ۲۳۵) یعنی عدت ختم ہو جائے۔

جس عدت کے دوران تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے اس سے مراد آیا عدت وفات ہے یا عدت طلاق؟

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس چوتھی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام طبری نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عدت کے دوران عقد نکاح کے عزم کو حرام فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ۔

اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔ (البقرہ: ۲۳۵)

اور اس حکم پر اجماع ہے کہ عدت پوری ہونے سے پہلے اس عورت سے نکاح کا عزم کرنا حرام ہے اور دوران عدت تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے، امام ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ مجاہد، حسن بصری، عبیدہ السلمانی، سعید بن جبیر، شعبی اور ابوالضحیٰ نے کہا کہ تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے، اور ابراہیم النخعی نے کہا کہ تعریض میں ہدیہ پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس عدت کے دوران تعریضاً نکاح کی پیش کش کی اجازت دی ہے اس سے مراد عدت وفات ہے، اور میرے نزدیک طلاق بائن کی عدت میں یہ پسندیدہ نہیں ہے اور طلاق رجعی کی عدت میں تعریضاً نکاح کا پیغام دینا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۸۔۱۶۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ بَابٌ: النَّظَرِ إِلَى الْمَرْأَةِ قَبْلَ التَّزْوِيجِ

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنے کا حکم

جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے کے بارے میں مذاہب فقہاء اور اس سے متعلق احادیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے: طاؤس، الزہری، حسن بصری، اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنے کا کسی مرد کا ارادہ ہو تو اس عورت کو دیکھنا

جائز ہے۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ امام اوزاعی نے کہا ہے کہ وہ اس عورت کی طرف دیکھے اور اس کے گوشت کی جگہوں میں غور کرے، اور امام شافعی اور امام احمد نے کہا کہ جب وہ عورت پردے میں ہو تو اس کی اجازت اور بغیر اجازت کے اس کو دیکھنا جائز ہے اور ان فقہاء کے نزدیک اس کے لیے عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز نہیں اور داؤد ظاہری سے منقول ہے کہ وہ عورت کے پورے جسم کو دیکھے حتیٰ کہ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ اس کی فرج کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے، اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی فرج کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ بہ طور لذت دیکھے یا بہ طور شہوت اور امام احمد نے کہا: وہ اس کے چہرے کی طرف بغیر لذت کے دیکھے، اور یہ جائز ہے کہ وہ اس کے محاسن میں غور کرنے کے لیے بار بار دیکھے، اور جب اس کو دیکھنا ممکن نہ ہو تو وہ اس کے پاس اپنی کسی معتمد خاتون کو بھیجے جو اس عورت کو، دیکھے اس کے متعلق بتائے۔ حدیث میں ہے:

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو آپ نے اس عورت کو دیکھنے کے لیے ایک عورت (حضرت ام سلیم) کو بھیجا اور فرمایا: اس کے عوارض کو سونگھو اور اس کی کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) پر غور کرو۔ الحدیث (المعجم الاوسط: ۶۱۹۵)

امام بیہقی نے کہا: اسی طرح اس حدیث کی ہمارے شیخ نے ''المستدرک'' میں روایت کی ہے، اور امام ابوداؤد نے ''مراسیل'' میں اس کی اختصار سے روایت کی ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶، المراسیل: ۲۰۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۱)

علامہ عینی فرماتے ہیں: عوارض سے مراد دانت ہیں جو منہ کی چوڑائی میں ہوتے ہیں اور یہ سامنے کے چار دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان میں ہوتے ہیں اور اس لفظ کا واحد عارض ہے۔

بعض فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے سوا اس کے خاوند یا محرم کے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! جنت میں تمہارا ایک خزانہ ہے، سو تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر معاف ہے''۔ اس حدث کی امام طحاوی اور امام بزار نے روایت کی ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو کیونکہ تمہارا دوبارہ اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، دوبارہ دیکھنا قصد اور اختیار سے ہوتا ہے، پس تم اجنبی عورت کو دوبارہ دیکھنے کی وجہ سے گناہ گار اور سزا کے مستحق ہو گے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۲۳۱، سنن دارمی: ۲۷۵۱، المعجم الاوسط: ۶۷۴، المستدرک ج ۳ ص ۱۲۳)

اور انہوں نے امام مسلم کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نظر ہٹالوں۔ (صحیح مسلم: ۲۱۵۹، سنن ابوداؤد ۲۱۴۸، سنن ترمذی ۲۷۷۶)

ان فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جب دوبارہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ عورت اس کی بیوی ہو یا محرم ہو۔

ائمہ اربعہ اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے دل میں کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ ڈالے تو اس عورت کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۴)

علامہ بوصیری نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''جاؤ اس کی طرف دیکھو یہ تمہاری طرف دائمی رفاقت کے لائق ہے''۔ (سنن ماجہ: ۱۸۶۵)

علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ایک عورت سے منگنی کرنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''جاؤ اس کی طرف دیکھو کیونکہ یہ تمہارے درمیان دائمی رفاقت کے لائق ہے''۔

(سنن ترمذی: ۱۰۸۹، سنن نسائی: ۳۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۶، مسند احمد: ۱۸۱۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، پس آپ کے پاس ایک مرد نے حاضر ہو کر بتایا کہ وہ انصار کی کسی عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''جاؤ اس عورت کی طرف دیکھو کیونکہ انصار کی عورتوں میں کوئی عیب ہوتا ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۴، الرقم المسلسل: ۳۴۷۴، سنن نسائی: ۳۲۳۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے منگنی کا ارادہ کرے تو اگر وہ یہ دیکھ سکتا ہو کہ کیا چیز اس سے نکاح کرنے کا باعث ہے تو وہ اس کو دیکھے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۸۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو دوسری بار نظر ڈالنے کی ممانعت ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھے اور وہ اس سے نکاح کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو پھر اس کی طرف دیکھنا حرام ہے، لیکن جب وہ اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو پھر یہ ممنوع نہیں ہے کیونکہ یہ دیکھنا ضرورت کی بنا پر ہے جس طرح کسی عورت کے متعلق گواہی دینے کے لیے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے، اسی طرح کسی عورت سے منگنی کرنے کے لیے بھی اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۹۔ ۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۲۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَيْتُكِ فِي الْمَنَامِ يَجِيءُ بِكِ الْمَلَكُ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَقَالَ لِي هَذِهِ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ فَقُلْتُ إِنْ يَكُ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ

(صحیح البخاری: ۳۸۹۵، ۵۰۷۸، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲، صحیح مسلم: ۲۴۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''(نکاح سے پہلے) میں نے تم کو خواب میں دیکھ لیا تھا، ایک فرشتہ تم کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا اور مجھ سے کہنے لگا کہ یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تمہارے منہ پر سے کپڑا اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تم ہو، میں نے (اپنے دل میں) کہا: اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ اس کو ضرور پورا کرے گا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۵ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۲۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُ لِأَهَبَ لَكَ نَفْسِي فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَصَعَّدَ النَّظَرَ إِلَيْهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس کہنے لگی: یا رسول اللہ! میں

وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَيْ رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَا لَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى طَالَ مَجْلِسُهُ ثُمَّ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّدَهَا قَالَ أَتَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۳۳۵۹، سنن بیہقی: ۱۴۱۳۶، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶)

آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں تاکہ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پس آپ نے اس کی طرف نظر اوپر اٹھائی، پھر نیچے کر لی، پھر آپ نے اپنا سر جھکا لیا، جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی، پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد اٹھا، تو اس نے کہا: اے رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے! پھر وہ گیا اور لوٹ آیا اور اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم یارسول اللہ! مجھے کوئی چیز نہیں ملی! آپ نے فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، سو وہ گیا، پھر لوٹ آیا، پس اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم یارسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے لیکن میرا یہ تہبند ہے، حضرت سہل نے بتایا: اس کے (بدن کے) اوپر کوئی چادر نہیں تھی۔ اس نے کہا: میں آدھا تہبند اس کو دے دوں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم اس کو پہن لو گے تو اس کے اوپر اس میں سے کوئی چیز نہیں ہوگی اور اس نے اس تہبند کو پہن لیا تو تمہارے اوپر کوئی چیز نہیں ہوگی، پھر وہ مرد بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کو بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی، پھر وہ کھڑا ہو گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ پیٹھ موڑ کر جا رہا تھا، آپ کے حکم سے اسے بلایا گیا، پھر جب وہ آ گیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت، فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے۔ اس نے وہ سورتیں گنوائیں، آپ نے پوچھا: کیا تم ان سورتوں کو اپنے حافظہ سے پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ! تم کو جو قرآن حفظ ہے اس کے سبب سے میں نے یہ عورت تمہاری ملکیت میں (یعنی نکاح میں) دے دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۷۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ (البقرة: ۲۳۲)

جس شخص نے کہا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔ (البقرۃ: ۲۳۲)

البقرة: ۲۳۲ سے اس عنوان پر امام بخاری کے استدلال کو علامہ عینی کا بہ کثرت دلائل سے رد کر دینا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''ولی کے بغیر نکاح نہیں منعقد ہوتا''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۸۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جس عورت نے اپنے ولیوں کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پس اگر اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا تو اس کے ساتھ دخول کی وجہ سے اس کو نصف مہر دینا ہوگا، پھر ولیوں میں تنازع ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں ہے تو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۸۴۔ ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۹)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں تو وہ ان کے نکاح میں فوت ہو گئے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی تو پھر نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ اس وقت حبشہ میں تھیں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۸۶، سنن نسائی: ۳۳۵۰)

امام بخاری نے اس عنوان پر البقرۃ: ۲۳۲ سے استدلال کیا ہے اور یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۔ (البقرة: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کے ولیوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ اگر وہ اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو وہ اس کو منع نہ کریں، پس اگر عقد نکاح عورتوں کی طرف مفوض نہ ہوتا تو وہ عورتیں ممنوعات نہ ہوتیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے استدلال مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر کلام یہ ہے کہ یہ خطاب ان شوہروں سے ہے جو اپنی بیویوں سے عقد نکاح کرتے ہیں، پھر عدت پوری ہونے کے بعد ان کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے اپنی غیرت اور حمیت کی وجہ سے روکتے ہیں اور یہ حمیت جاہلیہ تھی، وہ اپنی بیویوں کو اس سے روکتے تھے کہ وہ عدت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ آیت تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری کی روایت عنقریب آئے گی اور امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن تھی جس کا میں نے اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کر دیا تھا، پھر اس نے

اس کو طلاق رجعی دے دی، پھر اس کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوگئی، پھر میرے چچا کا بیٹا میرے پاس دوبارہ آیا اور اس کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا اور میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں اس کا نکاح کبھی نہیں کروں گا، تب میرے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

(صحیح البخاری: ۵۱۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۱)

پس جس نے یہ کہا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اس نے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان عورتوں کی ممانعت نکاح کو ترک کر دو اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کے عقد نکاح کی ولایت ان کے ولیوں کی طرف ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث متعدد وجوہ مختلفہ سے روایت کی گئی ہے اور اسی طرح اس کے سبب نزول میں بھی متعدد روایات ذکر کی گئی ہیں، بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں عورت کے ولیوں کو خطاب ہے اور بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں مطلقہ عورتوں کے شوہروں کو خطاب ہے، اور بعض نے کہا: اس آیت میں تمام لوگوں سے خطاب ہے، سو اس بناء پر اس آیت سے امام بخاری کا استدلال مکمل نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے منع کیا ہو کہ وہ اپنی بہن کو مراجعت کی ترغیب دینا چاہتے ہوں، وہ مراجعت سے توقف کرتی تھیں تو انہوں نے اس توقف کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

امام ابوبکر بن الجصاص نے حضرت معقل کی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت اہل نقل کے مذہب کے مطابق ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے اور رہی حسن بصری کی حدیث تو وہ مرسل ہے اور رہی آیت تو اس میں مطلقہ عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے نہ کہ ان کے ولیوں سے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱۔ ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

فَدَخَلَ فِيهِ الثَّيِّبُ وَكَذَلِكَ الْبِكْرُ۔ اس آیت کے حکم میں بیوہ اور اسی طرح کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔

النساء کے عموم میں بیوہ اور کنواری عورتوں کا داخل ہونا

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: اس آیت میں وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فرمایا (البقرۃ: ۲۳۲) اور النساء کے عموم میں بیوہ اور کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ۔ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اس آیت کے حکم میں بیوہ اور اسی طرح کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔

علامہ عینی کا امام بخاری پر اعتراض اور مصنف کی طرف سے جواب

علامہ عینی اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے امام بخاری کی وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے ولیوں سے خطاب فرمایا ہے اور ان کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے زیر سرپرستی یا زیر پرورش مسلمان لڑکیوں کا مشرکین سے نکاح کر دیں، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کے نکاح کا معاملہ خود ان عورتوں کی طرف نہیں بلکہ ان عورتوں کے ولیوں اور سرپرستوں کی طرف مفوض ہے۔

سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر عورت کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس آیت کا حکم درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (المائدہ:۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔

اور اس آیت میں خطاب عام ہے خواہ عورتوں کے ولیوں سے ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سے ہو، پس امام بخاری کا استدلال مکمل نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا امام بخاری پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس میں عورتوں کے مشرک مردوں سے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور علامہ عینی نے اس کے معارضہ میں جو آیت پیش کی ہے اس میں مشرک مردوں سے نکاح کے جواز کا حکم نہیں ہے بلکہ اہل کتاب مشرک عورتوں سے نکاح کے جواز کو بیان فرمایا ہے، اس لیے علامہ عینی کا امام بخاری پر اعتراض درست نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ۔ (النور:۳۲) اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو۔

امام بخاری کے استدلال پر علامہ عینی کا رد، علامہ کرمانی کی امام بخاری کی طرف سے توجیہ، اور اس پر پھر علامہ عینی کا رد

علامہ عینی اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں عورتوں کے ولیوں سے خطاب ہے۔ علامہ عینی امام بخاری پر رد فرماتے ہیں کہ اس آیت سے اس پر استدلال کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: اے مومنو! تمہارے آزاد مردوں اور عورتوں میں سے جو تمہارے نیک غلاموں اور باندیوں میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اور الایامی جمع کا صیغہ ہے اور یہ ایم کی جمع ہے جس کا معنی ہے: بے نکاح، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں عورتوں کے ولیوں سے خطاب ہے کیونکہ مردوں کا نکاح تو بالاتفاق ولی کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے۔ علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے اس آیت سے مرد بالاجماع خارج ہے، پس عورت کے ساتھ حکم بحالہ باقی رہا۔ (شرح الکرمانی ج ۱۹ ص ۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی اس جواب کا رد فرماتے ہیں کہ یہ محض علامہ کرمانی کا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۲۷۔ قَالَ يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ ح وَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النِّكَاحَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ

.........یحییٰ بن سلیمان نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس (ح)، اور ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ

مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ أَوْ ابْنَتَهُ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ آخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ إِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا أَرْسِلِي إِلَى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِي مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا أَبَدًا حَتَّى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَإِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا إِذَا أَحَبَّ وَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ رَغْبَةً فِي نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هَذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الِاسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ آخَرُ يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَا دُونَ الْعَشَرَةِ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ كُلُّهُمْ يُصِيبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ عَلَيْهَا لَيَالٍ بَعْدَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا أَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْ يَمْتَنِعَ حَتَّى يَجْتَمِعُوا عِنْدَهَا تَقُولُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ فَهُوَ ابْنُكَ يَا فُلَانُ تُسَمِّي مَنْ أَحَبَّتْ بِاسْمِهِ فَيَلْحَقُ بِهِ وَلَدُهَا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَمْتَنِعَ بِهِ الرَّجُلُ وَنِكَاحُ الرَّابِعِ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيرُ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَهَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلَى أَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُونُ عَلَمًا فَمَنْ أَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ إِحْدَاهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ أَلْحَقُوا وَلَدَهَا بِالَّذِي يَرَوْنَ فَالْتَاطَ بِهِ وَدُعِيَ ابْنَهُ لَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذَلِكَ فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۲)

نبی ﷺ نے ان کو خبر دی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح کی چار قسمیں تھیں: (۱) ایک قسم یہ تھی کہ جس طرح آج کل لوگ نکاح کرتے ہیں، ایک مرد دوسرے مرد کے پاس اس کے زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر ادا کر کے اس سے نکاح کرتا (۲) نکاح جاہلیت کی دوسری صورت یہ تھی کہ جب کسی مرد کی بیوی حیض سے پاک ہو جاتی تو وہ اس سے کہتا کہ تم فلاں مرد کے پاس جاؤ اور اس سے زنا کراؤ، اور اس مدت کے دوران وہ مرد اپنی بیوی سے الگ رہتا اور اس سے بالکل مجامعت نہ کرتا حتیٰ کہ اس دوسرے مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس مرد سے اس عورت نے زنا کیا تھا، پھر وضع حمل کے بعد اگر مرد چاہتا تو اپنی بیوی سے مجامعت کرتا، وہ لوگ یہ نکاح اس لیے کرتے تھے تا کہ ان کا بچہ شریف اور عمدہ مرد سے پیدا ہو، اور اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا (۳) نکاح جاہلیت کی تیسری صورت یہ تھی کہ چند مرد جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی وہ کسی ایک عورت کے ساتھ دخول کرتے یعنی وہ سب اس سے زنا کرتے اور جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور وضع حمل ہو جاتا یعنی وہ بچہ جن لیتی تو وضع حمل کے چند دن گزرنے کے بعد وہ عورت ان تمام مردوں کو بلاتی اور ان میں سے کوئی مرد آنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور جب اس عورت کے پاس تمام مرد جمع ہو جاتے تو وہ عورت ان مردوں سے کہتی: تم لوگوں کی جو کارروائی تھی وہ تم سب کو معلوم ہے اور اب میں نے یہ بچہ جنا ہے، پھر وہ عورت جس مرد کی طرف اس بچہ کو منسوب کرنا چاہتی تو کہتی: اے فلاں! یہ تمہارا بیٹا ہے، پھر اس بچہ کا نسب اس مرد کے ساتھ مل جاتا اور وہ مرد اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا (۴) نکاح جاہلیت کی چوتھی صورت یہ تھی کہ بہت سے مرد جمع ہو کر کسی عورت پر داخل ہوتے تھے اور وہ عورت اپنے پاس داخل ہونے والے کسی مرد کو نہیں روکتی تھی، یہ عورتیں طوائف ہوتی تھیں یعنی کسب زنا کرنے والیاں اور یہ طوائف اپنے گھروں کے دروازے پر جھنڈے نصب کرتی تھیں جو ان کے طوائف ہونے کی علامت ہوتے تھے، سو جو مرد بھی چاہتا ان پر داخل ہو

جاتا، پس اس قسم کی کوئی ایک عورت حاملہ ہوجاتی اور بچہ جن لیتی تو (اس کے پاس آنے والے) سب مرد اس کے پاس جمع ہو جاتے اور وہ اپنے لیے کسی قیافہ شناس کو بلاتے، پھر وہ قیافہ شناس اس بچہ (کے نسب) کو اس مرد کے ساتھ ملا دیتے جس مرد کے ساتھ اس بچہ کے نقوش ملتے جلتے ہوتے اور وہ بچہ اس ہی مرد کا کہلایا جاتا اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا تھا، پس جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دے دیا اور صرف اسی نکاح کو باقی رکھا جس کا آج کل رواج ہے۔

زمانہ جاہلیت کے دیگر نکاح

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نکاح جاہلیت کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی نکاح جاہلیت کی چند قسمیں ہیں جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر نہیں کیا جو درج ذیل ہیں:

(۱) نکاح الخدن، اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔ (النساء:۲۵) نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ چھپ کر کسی عورت سے ملتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور جب یہ بات ظاہر ہوجاتی تو وہ اس پر ملامت کرتے تھے۔

(۲) نکاح المتعہ: (اس کی تفصیل گزر چکی ہے)

(۳) نکاح البدل: امام دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بدل یہ تھا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا: تم اپنی بیوی سے میری خاطر الگ ہوجاؤ اور میں اس کے بدلہ میں تمہاری خاطر اپنی بیوی سے الگ ہوجاتا ہوں اور تم کو زیادہ موقع دوں گا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عورت کے از خود نکاح کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بغیر ولی کے نکاح جائز نہیں ہے خواہ مناسب ولی نکاح کرے یا وصی نکاح کرے یا سربراہ ملک نکاح کرے اور عورت کا از خود نکاح کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور فقہاء تابعین میں سے شریح، ابن المسیب، الحسن البصری اور ابن ابی لیلیٰ کا یہی موقف ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور ابو عبید کا یہی مذہب ہے۔

علامہ ابن المنذر نے شعبی اور زہری سے روایت کی ہے کہ جب کسی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کفوء میں نکاح کیا تو یہ جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی عورت عاقلہ، بالغہ ہو تو اس کے ولی کی ولایت اس سے زائل ہو جاتی ہے، پس اگر اس نے ازخود عقد نکاح کر لیا تو جائز ہے اور اگر اس نے کسی مرد کو اپنا ولی بنایا حتیٰ کہ اس مرد نے اس کا نکاح کر دیا تب بھی یہ عقد جائز ہے اور انہوں نے جمہور فقہاء کے موافق کہا ہے کہ اگر اس نے غیر کفوء میں ازخود نکاح کیا تو اس ولی کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

غیر مقلدین کا بھی یہی موقف ہے کہ بغیر ولی کے عورت کا ازخود نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

(عون الباری لصدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ ج ۵ ص ۴۱۶۔ ۴۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ) (تیسیر الباری لوحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ ج ۵ ص ۱۰۴، نعمانی کتب خانہ، لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

میں کہتا ہوں: اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے دلائل اس باب کے آخر میں پیش کیے جائیں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ قَالَتْ هَذَا فِي الْيَتِيمَةِ الَّتِي تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ لَعَلَّهَا أَنْ تَكُونَ شَرِيكَتَهُ فِي مَالِهِ وَهُوَ أَوْلَى بِهَا فَيَرْغَبُ عَنْهَا أَنْ يَنْكِحَهَا فَيَعْضُلَهَا لِمَالِهَا وَلَا يُنْكِحُهَا غَيْرَهُ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَشْرَكَهُ أَحَدٌ فِي مَالِهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از ہشام ابن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ درج ذیل آیت کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں: اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو (النساء: ۱۲۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: یہ آیت اس یتیم لڑکی کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی مرد کے زیر پرورش ہوتی ہے شاید کہ وہ لڑکی اس مرد کے مال میں شریک ہو اور وہ مرد اس لڑکی کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، پس وہ اس لڑکی سے نکاح کرنے میں رغبت کرتا ہے، سو اس کو دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتا ہے اور کسی دوسرے مرد کے ساتھ اس کا نکاح نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس لڑکی کے مال میں شریک ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۹۸ میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم: ۳۰۱۸ میں بھی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کا امام بخاری کے مطلوب پر دلالت نہ کرنا

امام بخاری نے اس حدیث سے بھی اپنے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر عورت کا ازخود نکاح کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس حدیث کی امام بخاری کے مطلوب پر دلالت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں

ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عُمَرَ مِنَ ابْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ تُوُفِّيَ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ عُمَرُ لَقِيتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ فَقَالَ سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ لَقِيَنِي فَقَالَ بَدَا لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ۔

نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جب حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ سے بیوہ ہوگئیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، اہل بدر میں سے تھے، مدینہ میں وفات پا گئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان بیان کیا کہ میری حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان پر پیش کش کی، میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا آپ سے نکاح کر دوں تو انہوں نے کہا: میں عنقریب اپنے معاملہ میں غور کروں گا، پھر میں چند راتیں ٹھہرا رہا، پھر وہ مجھ سے ملے تو انہوں نے بتایا: مجھ پر یہ منکشف ہوا ہے کہ میں ان دنوں میں نکاح نہ کروں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر میری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے ساتھ حفصہ کا نکاح کر دوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۴۵ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا امام بخاری کے موقف پر دلالت نہ کرنا

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو حضرت حفصہ کے ولی تھے وہ حضرت حفصہ کا نکاح حضرت عثمان سے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے کرنا چاہتے تھے، لیکن اس حدیث میں یہ بیان نہیں کہ عورت کا از خود نکاح کرنا باطل ہے، لہٰذا اس حدیث کی امام بخاری کے مطلوب پر دلالت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۳۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ قَالَ حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِ قَالَ زَوَّجْتُ أُخْتًا لِي مِنْ رَجُلٍ فَطَلَّقَهَا حَتَّى إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا جَاءَ يَخْطُبُهَا فَقُلْتُ لَهُ زَوَّجْتُكَ وَفَرَشْتُكَ وَأَكْرَمْتُكَ فَطَلَّقْتَهَا ثُمَّ جِئْتَ تَخْطُبُهَا لَا وَاللّٰهِ لَا تَعُودُ إِلَيْكَ أَبَدًا وَكَانَ رَجُلًا لَا بَأْسَ بِهِ وَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تُرِيدُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ هَذِهِ الْآيَةَ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ فَقُلْتُ الْآنَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از یونس از الحسن، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا: تو انہیں ان کے (انہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، (البقرۃ: ۲۳۲) حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں بتایا کہ مجھے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بہن کا ایک مرد کے ساتھ نکاح کر دیا تھا، سو اس مرد نے ان کی بہن کو طلاق دے دی تھی حتیٰ کہ جب ان کی بہن کی عدت پوری ہوگئی تو وہی مرد ان کی بہن کو نکاح

(صحیح البخاری: ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۷،
سنن ترمذی: ۲۹۸۱)

کا پیغام دینے کے لیے آیا تو میں نے اس سے کہا: میں نے (اپنی بہن کا) تم سے نکاح کر دیا تھا اور اس کو تمہارا بستر بنا دیا تھا اور میں نے تمہاری تکریم کی تھی، پھر تم نے اس کو طلاق دے دی اور اب پھر تم اس سے نکاح کرنے کا پیغام دینے کے لیے آئے ہو؟ نہیں اللہ کی قسم! وہ تمہاری طرف کبھی نہیں لوٹے گی اور اس مرد میں کوئی عیب نہیں تھا اور عورت (میری بہن) بھی اس کے پاس واپس جانا چاہتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تو انہیں ان کے (انہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔ (البقرۃ: ۲۳۲) تب میں نے کہا: یارسول اللہ! اب میں یہ نکاح کر دوں گا، حضرت معقل نے بتایا: پس انہوں نے اپنی بہن کا اس مرد سے نکاح کر دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۲۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور سے امام بخاری، ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کے مذہب کا باطل ہونا اور امام اعظم کے مذہب کا ثابت ہونا

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر بالغہ عاقلہ عورت از خود نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسف، امام محمد اور غیر مقلدین کا مذہب ہے لیکن اس حدیث سے امام بخاری کا اپنے باب کے عنوان اور اپنے موقف پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق رجعی دے دی اور ان کے شوہر نے پھر ان کی بہن سے نکاح کا پیغام دیا اور حضرت معقل کی بہن نے بھی اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنے کو پسند کیا تو حضرت معقل نے قسم کھائی کہ میری بہن تمہاری طرف کبھی نہیں لوٹے گی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تو انہیں ان کے (انہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔ (البقرۃ: ۲۳۲) اس سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں بغیر ولی کے بالغہ عورت کو از خود نکاح کرنے سے منع نہیں فرمایا، جیسا کہ امام بخاری، ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کا مذہب ہے بلکہ اس کے برعکس اس حدیث میں امام بخاری کی دلیل نہیں ہے بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے کہ بالغہ عورت از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اس کے ولی کو اس کے نکاح کرنے سے منع کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغہ عورت کے ولی کو از خود نکاح کرنے کی ممانعت سے منع فرمایا ہے، سو اسی وجہ سے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور کہا: یارسول اللہ! اب میں یہ نکاح کر دوں گا، یہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی للّٰہیت تھی جو انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، اللہ کرے کہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین اور غیر مقلدین بھی ہوائے نفس کو ترک کر دیں اور یہ مان لیں کہ عاقلہ بالغہ آزاد عورت کو از خود نکاح کرنے کا اختیار ہے اور اس کے ولی کو اس سے منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق عمل کریں۔ (سعیدی غفرلہ)

ائمہ ثلاثہ کا احادیث مذکورہ سے ولی کی شرط پر استدلال اور امام ابوحنیفہ پر تعاقب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
جمہور فقہاء نے ان احادیث مذکورہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر اگر بالغہ عورت از خود نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے اور ان کی زیادہ صریح دلیل یہ ہے کہ اگر ولی کا اعتبار نہ ہوتا تو البقرۃ: ۲۳۲ کا کوئی معنی نہ ہوتا کیونکہ اگر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو از خود نکاح کرنے کا اختیار ہوتا تو وہ نکاح کرنے میں اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتیں اور جس کو کسی کام کا اختیار ہوتا ہے تو دوسرے کو اس سے منع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا جب کہ حضرت معقل نے اپنی بہن کو اس نکاح کے کرنے سے منع کیا تھا اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اصلاً شرط نہیں ہے اور بالغہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ از خود نکاح کرلے خواہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کرے جب کہ وہ نکاح کفوء میں کرے اور انہوں نے نکاح کو بیع پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح بالغہ عورت خرید وفروخت میں مختار ہے اسی طرح وہ نکاح کرنے میں بھی مختار ہے، اور جن احادیث میں ولی کی شرط ہے اس کو انہوں نے نابالغہ پر محمول کیا ہے، اور اس قیاس سے انہوں نے ولی کی شرط کے عموم کو خاص کیا ہے، اور یہ عمل اصول میں جائز ہے کہ کسی عام حکم کو قیاس سے خاص کرلیا جائے لیکن حضرت معقل کی حدیث مذکور اسی قیاس کی نفی کرتی ہے اور اس پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح میں ولی کی شرط ہے تاکہ ولی کے زیر سرپرست لڑکی اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس سے عار کو دور کیا جاسکے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کو رد کرنا اور امام اعظم رحمہ اللہ کی تائید کرنا

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت معقل کی حدیث کی صحیح شرح نہیں کی، انہوں نے یہ تو لکھا ہے کہ اگر ولی کی شرط نہ ہوتی تو حضرت معقل کی بہن نکاح کرنے میں اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتیں اور حضرت معقل کو انہیں اس نکاح سے روکنے کا اختیار نہ ہوتا لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر غور نہیں کیا کہ جب البقرۃ: ۲۳۲ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کے ولیوں کو ان کے سابق شوہروں سے نکاح کرنے سے روکنے سے منع فرمایا تو حضرت معقل نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا اور کہا: یارسول اللہ! میں اس کا نکاح اس کے سابق شوہر سے کردوں گا، سورۃ البقرہ: ۲۳۲ میں یہ واضح دلیل ہے کہ عورتوں کے ولیوں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان کو از خود نکاح کرنے سے منع کریں، سو یہ آیت حافظ ابن حجر عسقلانی اور ان کے ائمہ کی دلیل نہیں ہے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے اور ہماری دلیل ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کو قیاس سے ثابت کیا ہے اور نکاح کو بیع پر قیاس کیا ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کا مذہب صحیح اور صریح احادیث پر مبنی ہے جن کو ہم ابھی ان شاء اللہ العزیز پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق

ائمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے اس حدیث پر تبصرہ

جس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے وہ حدیث درج ذیل ہے:
ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی از سلیمان بن موسیٰ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس عورت نے اپنے ولیوں کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے''۔ الحدیث
(سنن ابوداؤد: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۹)

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الازدی المصری الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ابن جریج کی از سلیمان بن موسیٰ روایت ہے اور ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ ابن شہاب نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو ابن جریج نے اس حدیث کو نہیں پہچانا۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی متوفی ۲۷۹ھ اس حدیث (سنن ترمذی:۱۱۰۲) کی روایت کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور شعبہ اور ثوری نے از ابی اسحاق از ابی بردہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ "ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا"۔ اور سفیان کے بعض اصحاب نے از سفیان از ابی اسحاق از ابی بردہ از ابی موسیٰ یہ روایت کی ہے اور یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اس پر بحث کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:

بعض اصحاب الحدیث نے حدیث زہری از عروہ از عائشہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کی ہے:

ابن جریج نے کہا: میں الزہری سے ملا، پس میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا، اس وجہ سے اصحاب الحدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ حدیث کے ان الفاظ (فنکاحھا باطل) کی ابن جریج سے صرف اسماعیل بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ اسماعیل بن ابراہیم کا ابن جریج سے اس پائے کا سماع نہیں ہے اور اسماعیل بن ابراہیم نے صرف عبدالمجید کی از عبدالعزیز بن ابی روادان کتابوں کو پڑھا ہے جن میں انہوں نے ابن جریج سے سماع کا ذکر کیا تھا۔

اور یحییٰ بن معین نے اسماعیل بن ابراہیم کی از ابن جریج کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(سنن ترمذی ص ۴۶۲-۴۶۱، ملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۳ھ)

میں کہتا ہوں: ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی شرط امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی اس روایت کی بنیاد پر قائم کی ہے اور یہ روایت خود امام ترمذی کی تصریح کے مطابق ضعیف ہے، لہٰذا ان ائمہ کا اس ضعیف حدیث سے استدلال کرنا باطل ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے اس کے خلاف ایک اور دلیل

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ان کا اپنا عمل اس حدیث کے خلاف ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو یہ اس پر دلیل ہوتی ہے کہ راوی سے اس حدیث کی روایت صحیح نہیں ہے یا راوی کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ان کی اس روایت کے خلاف ہے، اس پر دلیل یہ ہے:

امام مالک بن انس المتوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از مالک از عبدالرحمٰن بن القاسم از والد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ بنت عبدالرحمٰن کا نکاح المنذر بن الزبیر سے کر دیا (حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجی تھیں) اور (ان کے بھائی) حضرت عبدالرحمٰن اس وقت شام میں گئے ہوئے تھے، پس جب حضرت عبدالرحمٰن واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا؟ (یعنی ان کی بیٹی کا نکاح) اور ان سے مشورہ کے بغیر یہ نکاح کیا گیا ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے المنذر بن الزبیر سے اس کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے کہا: اس نکاح کا معاملہ عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں ہے، تب حضرت عبدالرحمٰن (بن ابوبکر رضی اللہ عنہما)

نے کہا: میں اس نکاح کو مسترد نہیں کر سکتا جس نکاح کا فیصلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کر دیا ہے، پھر حفصہ بنت عبدالرحمن، المنذر بن الزبیر کے نکاح میں برقرار رہیں اور یہ چیز طلاق نہیں تھی۔

(الموطا کتاب الطلاق رقم الحدیث: ۱۵ ج ۲ ص ۷۰، المکتبۃ التوفیقیہ، الاستذکار ج ۱۷ ص ۶۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، حلب، القاہرہ، ۱۴۱۴ھ)

میں کہتا ہوں: الموطا کی اس مستند روایت اور حافظ ابن عبدالبر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ کی اس روایت کو ان کی شرح ''الاستذکار'' میں درج کرنے سے اس کی ثقاہت مزید زیادہ ہوگئی ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ ولی کے بغیر بھی بالغہ عورت کا نکاح کرنا صحیح ہے کیونکہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر کے ولی، ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر تھے اور وہ اس نکاح کے وقت موجود نہیں تھے شام میں تھے، اس کے باوجود حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی حفصہ کا نکاح المنذر بن الزبیر سے کر دیا اور جب حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر شام سے واپس آئے تو انہوں نے اس نکاح کو برقرار رکھا اور جب حضرت عائشہ نے ولی کے بغیر خود اپنی بھتیجی کا نکاح کر دیا تو معلوم ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ ولی کے بغیر عورت کا نکاح باطل ہے، اسی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی کیونکہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے جن احادیث سے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے ان کی اسانید پر تبصرہ

امام ابن ماجہ از الحجاج بن ارطاۃ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔ (سنن ماجہ: ۱۸۸۰)

حافظ جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ اس حدیث کی سند پر تبصرہ کرتے ہیں:

الحجاج ضعیف ہے اور عکرمہ سے اس کے سماع پر اعتراض ہے، ''صاحب التنقیح'' نے کہا ہے: حجاج کا عکرمہ سے سماع نہیں ہے لیکن یہ حدیث داؤد بن الحصین سے روایت کی گئی ہے لیکن طبرانی نے اس کی از خالد الحذاء از عکرمہ روایت کی ہے، امام ابن الجوزی نے کہا: اس حدیث کی اور بھی اسانید ہیں اور وہ کل ضعیف ہیں۔ امام دارقطنی نے از جمیل بن حسن الجہضمی روایت کی ہے: ہمیں محمد بن مروان العقیلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن حسان نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کوئی عورت از خود نکاح نہ کرے کیونکہ زانیہ وہ ہے جو از خود نکاح کرتی ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۷)

امام ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں جس جمیل کا ذکر ہے وہ مجہول ہے، ابن عیینہ نے کہا از ہشام بن حسان از ابن سیرین جو احادیث مروی ہیں ان کے متعلق امام ابن الجوزی نے کہا: یہ سب احادیث واہیہ ضعیفہ ہیں۔ ہم نے ان کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔

امام دارقطنی نے از بکر بن بکار روایت کی ہے: ہمیں عبداللہ بن محرز نے حدیث بیان کی ہے از قتادہ از الحسن از عمران بن حصین از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۵)

اس حدیث کی سند میں بکر بن بکار ضعیف راوی ہے۔

امام دارقطنی نے اس حدیث کو از ثابت بن زہیر از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا''۔

امام ابن عدی نے کہا: امام بخاری نے بتایا کہ ثابت بن زہیر منکر الحدیث ہے۔

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۷۔۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ العزیز کی طرف سے بالغہ عورتوں کے از خود نکاح کرنے کے جواز پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (البقرۃ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کی نسبت عورت کی طرف کی ہے اور اس میں ولی کی قید نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت ولی کے بغیر از خود تیسری طلاق کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے تو پھر اس دوسرے مرد کی طلاق کے بعد وہ اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو جائے گی اور اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ بالغہ عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے، اور ائمہ ثلاثہ کا بالغہ عورت کے نکاح کے متعلق ولی کی شرط لگانا قرآن مجید کی اس آیت پر اضافہ ہے اور باطل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ ۔ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کرلیں۔

اس آیت میں بھی یہ تصریح ہے کہ بالغہ عورت تیسری طلاق کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور قرآن مجید نے یہاں پر ولی کی شرط کی قید نہیں لگائی اور غیر مقلدین اور ائمہ ثلاثہ کا اس نکاح میں ولی کی شرط لگانا قرآن مجید پر اضافہ ہے اور باطل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ (البقرۃ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بالغہ عورتوں کے ولیوں کو از خود نکاح کرنے سے روکنے سے منع فرمادیا ہے اور عورتوں کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ از نکاح کرلیں کیونکہ یہ خاص عورتوں کا حق ہے، وہی اہل مباشرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور اس آیت میں ولی کی اجازت کی شرط نہیں ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵)

لہٰذا ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کا آزاد عورتوں کے نکاح کے لیے ولی کی شرط لگانا قرآن مجید کی اس آیت پر اضافہ ہے اور قطعاً باطل ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کی طرف سے بالغہ عورتوں کے ازخود نکاح کرنے کے جواز پر احادیث صحیحہ اور فقہاء تابعین کے اقوال سے دلائل

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: ''بے نکاح عورت (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے''۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کنواری عورت کیسے اجازت دے گی؟ آپ نے فرمایا: ''وہ خاموش ہو جائے''۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۱۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۲، سنن نسائی: ۳۲۶۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۷، مسند احمد ۹۶۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیوہ عورت ولی کی بہ نسبت اپنا نکاح کرنے کی زیادہ حق دار ہے اور کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت طلب کرے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۹۹) امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث میں ''اس کے باپ'' کا لفظ محفوظ نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیوہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۰، سنن نسائی: ۳۲۶۳، صحیح ابن حبان: ۴۰۸۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۸، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۲۹۹، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۳۹)

(۴) حضرت خنساء بنت خذام الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب وہ بیوہ تھیں تو ان کا نکاح ان کے والد نے کر دیا، سو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو انہوں نے اس واقعہ کا آپ سے ذکر کیا، ''تو آپ نے ان کے نکاح کو مسترد کر دیا''۔ (صحیح البخاری: ۵۱۳۹۔۵۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکی کو (نکاح مسترد کرنے کا) اختیار دیا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۵، مسند احمد: ۲۴۶۹)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے ان کی فروج (یعنی ان کے نکاح) کے متعلق اجازت طلب کی جائے گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! عورتیں حیاء کریں گی، آپ نے فرمایا: بے نکاح عورت اپنے نکاح کی زیادہ مستحق ہے اور کنواری عورت سے اس کی اجازت طلب کی جائے گی، سو اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، مسند احمد: ۲۴۲۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۱۷، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

(۷) ابن عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عورتوں کا نکاح کرتے تو ان سے مشورہ طلب کرتے، انہوں نے بیان کیا کہ جس عورت کے لیے نکاح کا پیغام دیا جاتا آپ اس کو پردہ کے پیچھے بٹھا دیتے اور فرماتے کہ فلاں مرد فلاں عورت کا ذکر کر رہا ہے، پس اگر وہ پردہ کو حرکت دیتی تو آپ اس کا نکاح نہ کرتے اور اگر وہ خاموش رہتی تو آپ اس کا نکاح کر دیتے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۱۹، (مجلس علمی بیروت) سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۷۸، مسند ابو یعلیٰ:

۴۸۸۳، ۴۸۶۳، مسند البزار: ۱۴۲۱، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۸)

(۸) الحکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: کوئی مرد اپنی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کرے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۲۰، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

(۹) عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب اپنی بیٹیوں میں سے کسی کے نکاح کا ارادہ کرتے تو اس کے پردہ کے پیچھے بیٹھ جاتے اور فرماتے: فلاں مرد تمہارا ذکر کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۲۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

(۱۰) ابن بریدۃ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لڑکی آئی، سو اس نے کہا: میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تا کہ وہ میری وجہ سے وہ اپنی خست کو دور کرے اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی ہوں تو اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک انتظار کرو، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو آپ نے اس لڑکی کے والد کو بلایا اور اس لڑکی کے نکاح کا معاملہ اس لڑکی کے سپرد کر دیا، تب اس لڑکی نے کہا: جب یہ معاملہ میرے سپرد ہے تو میں والد کے کیے ہوئے نکاح کی اجازت دیتی ہوں، میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ نکاح کے معاملہ میں آیا عورتوں کو اختیار ہوتا ہے یا نہیں؟ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۳۰، مجلس علمی، بیروت)

حدیث مذکورہ کے درج ذیل شواہد ہیں: (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۹، سنن نسائی: ۵۳۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۵)

(۱۱) امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹیوں کے نکاح میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۲) مہاجر بن عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی، پس اس لڑکی کے والد اس لڑکی کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اس لڑکی کا معاملہ اس لڑکی کے سپرد کر دیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۷، ۲۸۴، ۱۰۳۳۹، سنن دارقطنی: ۳۵۲۵)

(۱۳) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے چچا زاد سے نکاح کیا، اس کے والد نے اس کا نکاح کسی اور سے کر دیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور اس نے کہا کہ میں اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کرنا چاہتی تھی اور میں کنواری رہنے کو ناپسند کرتی تھی، پس میرے والد نے میرا نکاح کسی اور سے کر دیا اور انہوں نے کسی خیر کو ترک نہیں کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد کو بلایا اور پوچھا: تم نے اس کا نکاح ایسے شخص سے کر دیا جس کو یہ ناپسند کرتی تھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ تمہارا نکاح نہیں ہوا اور لڑکی سے فرمایا: جاؤ تم جس سے چاہو نکاح کر لو۔
(مصنف عبدالرزاق: ۹، ۲۸۴، ۱۰۳۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۹۴۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۰)

(۱۴) عکرمہ بیان کرتے ہیں ایک بیوہ کا اس کے والد نے نکاح کر دیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس کو ناپسند کرتی ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا معاملہ اس کے سپرد کر دیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۲۸۵۱، ۱۰۳۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷)

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خذام جو ابو ودیعہ کے والد تھے انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک مرد سے کر دیا، پس وہ بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے شکایت کی کہ اس کا نکاح کر دیا گیا ہے اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے، پس

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کو اس کے شوہر سے واپس لے لیا، پس فرمایا: اپنی بیٹیوں کا جبراً نکاح نہ کرو، اس کے بعد اس لڑکی نے حضرت ابولبابہ انصاری سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ خنساء بنت خذام اہل قباء میں سے تھیں۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۴۶،۲۸۵۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۴)

(۱۶) ابوبکر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد کو انیس بن قتادہ کہا جاتا تھا، انہوں نے خنساء بنت خذام سے نکاح کیا، سو وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، پھر ان کے والد نے ان کا نکاح ایک مرد سے کر دیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: میرے والد نے میرا نکاح ایک مرد سے کر دیا ہے اور اس کی بہ نسبت میرا چچا زاد مجھے زیادہ محبوب ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۴۷،۲۸۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی شرط کی بحث کا خلاصہ

الحمد للہ رب العالمین ہم نے یہ واضح کر دیا کہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے بالغہ عورت کے از خود نکاح کو باطل قرار دیا ہے اور اس کے جواز کے لیے اس کے ولی کی شرط لگائی ہے، سو یہ شرط باطل ہے اور قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کے خلاف ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ بالغہ عورت کا از خود نکاح کرنا صحیح ہے اور یہ قرآن مجید کی آیات، احادیث، آثار اور اقوال تابعین سے ثابت ہے۔

۳۸۔ بَابٌ: إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ هُوَ الْخَاطِبَ

جب عورت کا ولی خود اسے نکاح کا پیغام دینے والا ہو

وَخَطَبَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ امْرَأَةً هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِهَا فَأَمَرَ رَجُلًا فَزَوَّجَهُ۔

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس عورت کے سب سے زیادہ قریب ولی تھے، پس انہوں نے ایک مرد کو حکم دیا تو اس مرد نے ان کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لِأُمِّ حَكِيمٍ بِنْتِ قَارِظٍ أَتَجْعَلِينَ أَمْرَكِ إِلَيَّ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكِ وَقَالَ عَطَاءٌ لِيُشْهِدْ أَنِّي قَدْ نَكَحْتُكِ أَوْ لِيَأْمُرْ رَجُلًا مِنْ عَشِيرَتِهَا۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حکیم بنت قارظ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ اپنے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں! پس حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے خود آپ سے نکاح کر لیا۔ اور عطاء نے کہا: مرد کو چاہیے کہ وہ اس پر گواہ بنائے کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا یا اس کے خاندان کے کسی مرد کو اس کا نکاح پڑھانے پر مقرر کر لے۔

وَقَالَ سَهْلٌ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَهَبُ لَكَ نَفْسِي فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا۔

اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہوں تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا نکاح آپ مجھ سے کر دیں۔

۵۱۳۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان

هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها فِي قَوْلِهِ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَتْ هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ الرَّجُلِ قَدْ شَرِكَتْهُ فِي مَالِهِ فَيَرْغَبُ عَنْهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَيَكْرَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا غَيْرَهُ فَيَدْخُلَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ فَيَحْبِسُهَا فَنَهَاهُمُ اللهُ عَنْ ذَلِكَ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں: اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق وہی سابق حکم دیتا ہے (النساء: ۱۲۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: یہ وہ یتیم لڑکی ہے جو کسی مرد کے زیر پرورش ہوتی تھی اور وہ لڑکی اس کے مال میں شریک تھی، پس وہ اس سے نکاح کرنے سے اعراض کرتا اور کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرنے کو ناپسند کرتا کہ وہ اس کے مال میں داخل ہو جائے گا اور اس لڑکی کو روک لے گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع فرما دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۲۸ میں گزر چکی ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم: ۳۰۱۸ میں بھی مذکور ہے۔

۵۱۳۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم جُلُوسًا فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ تَعْرِضُ نَفْسَهَا عَلَيْهِ فَخَفَّضَ فِيهَا النَّظَرَ وَرَفَعَهُ فَلَمْ يُرِدْهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ زَوِّجْنِيهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَعِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ مَا عِنْدِي مِنْ شَيْءٍ قَالَ وَلَا خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ قَالَ وَلَا خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ أَشُقُّ بُرْدَتِي هَذِهِ فَأُعْطِيهَا النِّصْفَ وَآخُذُ النِّصْفَ قَالَ لَا هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۳۳۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، سنن بیہقی: ۱۴۱۳۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن المقدام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی جس نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تو آپ نے اپنی نظر نیچے کی، پھر اپنی نظر اوپر اٹھائی، پھر اس کا ارادہ نہیں کیا تو آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا آپ میرے ساتھ نکاح کر دیجئے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، آپ نے پوچھا: اور لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا: لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے لیکن میں اپنی یہ چادر پھاڑ کر آدھی اس کو دے دیتا ہوں اور آدھی خود رکھ لیتا ہوں۔ آپ نے پوچھا: کیا تمہیں قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ میں نے اس سبب سے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا کہ تم کو قرآن مجید یاد ہے۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری کا اس عنوان کو مبہم رکھنا حالانکہ وہ اس حکم کے جواز کے قائل ہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی ولی خود اپنی زیر پرورش سے نکاح کر لے یا وہ کسی اور ولی کا محتاج ہے؟ ابن المنیر نے کہا ہے کہ عنوان میں جو ذکر کیا ہے وہ جواز اور منع دونوں پر دلالت کرتا ہے تاکہ یہ معاملہ مجتہد کی نظر کے سپرد کر دیا جائے، اور انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ امام بخاری نے اس عنوان میں وثوق سے کوئی حکم نہیں لگایا لیکن ان کے طریقہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جواز کے قائل ہیں، پس جن آثار میں ولی نے دوسرے مرد کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کا اس کے زیر پرورش سے نکاح کر دیں ان میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس کا خود اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے عطاء کا اثر ذکر کیا ہے جو جواز پر دلالت کرتا ہے اگرچہ امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ کوئی شخص بھی عقد کی دونوں طرفوں کا ولی نہیں ہو سکتا، اور متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، پس اوزاعی، ربیعہ، ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اکثر اصحاب اور اللیث نے کہا ہے کہ ولی خود بھی نکاح کر سکتا ہے اور ابوثور نے بھی ان کی موافقت کی ہے، اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ان دونوں کا نکاح سلطان کرے یا کوئی دوسرا کرے جو ان کی مثل ہو اور امام زفر اور داؤد ظاہری نے ان کی موافقت کی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد نکاح میں ولایت شرط ہے، پس جس نے نکاح کرنا ہو وہ خود اپنا نکاح نہیں کر سکتا جس طرح کوئی شخص اپنے آپ کو کوئی چیز فروخت نہیں کر سکتا۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٣٠٢، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس عنوان کی جو شرح کی ہے وہ درست نہیں ہے بلکہ اس عنوان کا مقتضاء یہ ہے کہ جب لڑکی کا ولی خود نکاح کا پیغام دینے والا ہو تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں، سو امام بخاری نے اس حکم کو مبہم رکھا لیکن امام بخاری نے اپنی تعلیقات میں جو آثار ذکر کیے ہیں وہ اس حکم کے جواز پر دلالت کرتے ہیں خصوصاً عطاء کا ذکر اس حکم کے جواز پر صراحتاً دلالت کرتا ہے اور رہے باقی آثار تو ہر چند کہ ان میں ولی نے دوسرے مرد کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا ہے لیکن ان آثار میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ ولی از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٧٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ بدرالدین عینی حنفی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ امام بخاری کی تفریعات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ولی کے لیے خود بھی جائز ہے کہ وہ نکاح کا پیغام دے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ٢ ص ٢٩٢، مکتبۃ الرشد، ریاض، ١٤١٨ھ)

میں کہتا ہوں: یہاں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کی شرح کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام بخاری کی مذکورہ چار تعلیقات کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پہلی تعلیق میں کہا ہے: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک عورت کے سب سے زیادہ قریب ولی تھے، پس انہوں نے ایک مرد کو حکم دیا تو اس مرد نے ان کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق میں اس مرد کا نام ذکر نہیں کیا جس کو حضرت مغیرہ نے ان کے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا، سو اس مرد کا نام عثمان بن ابی العاص ہے۔

علامہ عینی کا امام بخاری اور علامہ کرمانی کے ساتھ مناقشہ

امام بخاری نے دوسری تعلیق میں کہا ہے: اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حکیم بنت قارظ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ اپنے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پس حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے خود آپ سے نکاح کر لیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری کا اس صورت کو اس عنوان کے تحت داخل کرنا اس کی دلیل ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کسی وجہ سے اس عورت کے ولی تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن نے جو اس عورت سے کہا تھا: کیا آپ اپنا معاملہ میرے سپرد کرتی ہیں؟ تو یہ اس عورت کی طرف سے تفویض ہے اور یہ وکالت ہے اور اس سے صرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن اس عورت کے وکیل تھے اور یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ وہ اس عورت کے ولی تھے اور امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام حکیم ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پایا اور انہوں نے آپ کی ازواج مطہرات سے احادیث روایت کی ہیں۔

علامہ کرمانی کا امام بخاری پر اعتراض

امام بخاری نے اس تیسری تعلیق میں لکھا ہے: عطاء نے کہا: مرد کو چاہیے کہ وہ اس پر گواہ بنائے کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا یا اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو اس کا نکاح پڑھانے پر مقرر کر لے۔

اس تعلیق میں عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔ ابن جریج نے عطاء سے پوچھا کہ ایک عورت کو ایک مرد نے نکاح کا پیغام دیا تو عطاء نے کہا: اس مرد کو چاہیے کہ وہ اس پر گواہ بنائے کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا، یا اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو اس کا نکاح پڑھانے پر مقرر کر لے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی وہ مرد کسی دور کے ولی کے سپرد نکاح کا معاملہ کر دے یا اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو حکم بنائے۔

علامہ کرمانی نے امام بخاری پر اعتراض کیا کہ پہلی صورت میں یہ اثر ولایت سے متعلق نہیں ہے بلکہ اشہاد اور تحکیم کے مناسب ہے۔

جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولی ہونا

امام بخاری نے چوتھی تعلیق میں صحیح البخاری: ۵۰۸۷ کو ذکر کیا ہے، اور اس باب میں اس حدیث کو داخل کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کا نکاح اس تنگ دست مرد سے کر دیا اور آپ اس عورت کے ولی تھے کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے آپ ولی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۷۔۱۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۔ بَابُ إِنْكَاحِ الرَّجُلِ وَلَدَهُ الصِّغَارَ — مرد کا اپنی کم عمر اولاد کا نکاح کرنا

نابالغ اور کم عمر لڑکے اور لڑکی کے نکاح کا جواز اور جو کسی سبب سے جماع کرنے کے نا قابل ہوں ان کے نکاح کا جواز

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ (الطلاق: ۴) فَجَعَلَ عِدَّتَهَا ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ قَبْلَ الْبُلُوْغِ۔

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے) (الطلاق: ۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی

بلوغت سے پہلے تین ماہ عدت مقرر فرمائی ہے۔

علامہ عینی اس باب کے عنوان اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ مرد اپنی کم عمر اولاد کا نکاح کر سکتا ہے خواہ اس کی وہ اولاد مذکر ہو اور اس پر امام بخاری نے الطلاق: ۴ سے استدلال کیا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نابالغہ کی عدت تین ماہ قرار دی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکی کے بالغہ ہونے سے پہلے اس کا نکاح کرنا جائز ہے جب ہی تو طلاق کے بعد اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔

اس عنوان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس آیت کی آباء کے ساتھ تخصیص نہیں ہے اور نہ باکرہ لڑکی کے ساتھ تخصیص ہے، پس اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فروج میں اصل تحریم ہے سوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح ان کے بالغہ ہونے سے پہلے کر دیا تھا، پس باقی عورتوں کا حکم اپنی اصل پر برقرار رہا۔

اور علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ باپ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اس کم عمر بیٹی کا نکاح کر دے جو ابھی وطی کے قابل نہ ہو جیسا کہ الطلاق: ۴ کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور غیر آباء کے نکاح کرنے میں اختلاف ہے اور شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ باپ کے لیے جائز ہے اور نہ کسی اور کے لیے کہ وہ نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، پس اگر اس نے ایسا کر دیا تو وہ نکاح ابداً منسوخ ہوگا۔ اور ایک قوم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۴۶۲)

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک اگر کسی سبب کی وجہ سے وطی کے قابل نہ ہو خواہ کم عمری کی وجہ سے یا کسی آفت یا بیماری کی وجہ سے یا جماع کی خواہش نہ ہونے کی وجہ سے پھر بھی ان کا نکاح جائز ہے کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے حسن معاشرت ہے اور کمائی کی مشقت سے کفایت ہے اور خدمت کا تحقق ہے۔ اس کے برخلاف بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو وطی کے قابل نہ ہو اس کا نکاح جائز نہیں ہے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے اب مردوں کی خواہش نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۹۸) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ وَأُدْخِلَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا۔

(صحیح البخاری: ۳۸۹۴، ۳۸۹۶، ۵۱۳۳، ۵۱۳۴، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، ۵۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، مسند الحمیدی: ۲۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۸، ۲۸۰، سنن دارمی: ۲۲۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۸۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس اس وقت لائی گئیں جس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور وہ آپ کے پاس نو سال رہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

کتنی عمر میں لڑکی کو خاوند کے پاس بھیجنا چاہیے، اس مسئلہ کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عورت کو کتنی عمر میں اس کے خاوند کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال کی ہو تو اس کو خاوند پر پیش کرنا چاہیے۔ یہ قول اس حدیث کے مطابق ہے اور امام احمد بن حنبل اور امام ابوعبید کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم بھی نو سال کی عمر کو اختیار کرتے ہیں، البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکی کی عمر نو سال ہو جائے اور ابھی وہ جماع کے قابل نہ ہو تو لڑکی کے گھر والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کو خاوند کے پاس بھیجنے سے منع کر دیں اور اگر ابھی اس کی عمر نو سال سے کم ہو اور وہ جماع کے قابل ہو تو پھر گھر والوں کے لیے اس کو خاوند کے پاس بھیجنے سے منع کرنا جائز نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۵ ص ۱۸۷، البحر الرائق ج ۳ ص ۱۹۶) اور امام مالک یہ کہتے تھے کہ کم عمر لڑکی کو اس وقت تک نفقہ دینا لازم نہیں ہے جب تک کہ وہ جماع کے قابل نہ ہو، اور امام شافعی نے کہا: جب لڑکی بلوغت کے قریب ہو اور فربہ اور جسیم ہو تو وہ جماع کے قابل ہے اور اس کے خاوند کے لیے اس کے ساتھ دخول کرنا جائز ہے اور اگر وہ نا قابل جماع ہو تو اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ اس لڑکی کو اس وقت تک خاوند کے پاس نہ بھیجیں حتیٰ کہ وہ جماع کے قابل ہو جائے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق مختلف روایتوں میں تطبیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح ہوا تو اس کے سن میں اختلاف ہے، سفیان بن سعید، علی بن مسہر، ابواسامہ، ابومعاویہ اور عباد بن عباد نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۳، ۳۸۹۴، ۳۸۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۲)

اور زہری، حماد بن زید اور جعفر بن سلیمان نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات سال تھی اور ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال اور چند ماہ تھی، سو بعض راویوں نے اس کو چھ سال قرار دیا اور چند ماہ کو ترک کر دیا اور بعض راویوں نے چند ماہ کا اعتبار کر کے اس کو پورے سات سال قرار دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۴۱۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۰۔ بَابٌ: تَزْوِیجِ الْأَبِ ابْنَتَهُ مِنَ الْإِمَامِ

باپ کا اپنی بیٹی کا نکاح مسلمانوں کے امیر سے کر دینا

وَقَالَ عُمَرُ خَطَبَ النَّبِیُّ ﷺ إِلَیَّ حَفْصَةَ فَأَنْكَحْتُهُ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے مجھے حفصہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، پس میں نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق صحیح البخاری: ۵۱۲۲ کا ایک حصہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۱۳۴۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ قَالَ هِشَامٌ وَأُنْبِئْتُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَهُ تِسْعَ سِنِينَ۔

(صحیح البخاری:۵۱۳۳، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، ۵۱۶۰، صحیح مسلم:۱۴۲۲)

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس اس وقت لائی گئیں جس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور ہشام نے کہا: اور مجھے بتایا گیا کہ وہ آپ کے پاس نو سال رہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

مسلمانوں کے امیر کی ولایت کی بہ نسبت والد کی ولایت کا زیادہ قریب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال المالکی القرطبی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مسلمانوں کا امیر خود ولی ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ولیوں سے افضل ہیں، اس کے باوجود آپ نے از خود حضرت حفصہ سے نکاح نہیں کیا بلکہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام دیا اور حضرت عمر نے آپ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ والد کی ولایت مسلمانوں کے امیر کی ولایت سے اعلیٰ ہے اور یہ کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی مسلمانوں کا امیر ہوتا ہے اور اس پر اجماع ہے۔

حدیث مذکور سے علامہ ابن بطال کا ولی کی شرط پر استدلال اور مصنف کا اس پر تعاقب

نیز علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء کے اس قول پر دلیل ہے کہ ولی نکاح کی شرط ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۹۔ ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رواج کے مطابق حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے نکاح کے لیے ان دونوں کے والد کو نکاح کا پیغام دیا تھا لیکن اس حدیث کی اس پر بالکل دلالت نہیں ہے کہ ولی نکاح کے لیے شرط ہے کیونکہ ہم بہ کثرت دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے، اس کا از خود بھی نکاح کرنا جائز ہے۔

۴۱۔ بَابٌ: السُّلْطَانُ وَلِيٌّ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ

مسلمانوں کا امیر ولی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم نے اس عورت کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا کیونکہ تمہیں قرآن مجید حفظ ہے“۔

۵۱۳۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي وَهَبْتُ مِنْ نَفْسِي فَقَامَتْ طَوِيلًا فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی، سو اس نے کہا آپ کو میں نے

بِهَا حَاجَةٌ قَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي فَقَالَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِيَّاهُ جَلَسْتَ لَا إِزَارَ لَكَ فَالْتَمِسْ شَيْئًا فَقَالَ مَا أَجِدُ شَيْئًا فَقَالَ الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَلَمْ يَجِدْ فَقَالَ أَمَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲۵، مسند احمد: ۲۲۹۱۳)

اپنا نفس ہبہ کردیا، پھر وہ دیر تک کھڑی رہی، پس ایک مرد نے کہا: اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کردیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کو مہر دینے کے لیے کوئی چیز ہے؟ اس نے بتایا: میرے پاس تو صرف یہ تہبند ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم نے اس کو یہ تہبند دے دیا تو تم بغیر تہبند کے بیٹھے رہو گے، پس تم کوئی (اور) چیز تلاش کرو۔ اس نے کہا: مجھے اور کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، پس اس کو کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے پوچھا: کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! فلاں سورت اور فلاں سورت اور اس نے کئی سورتوں کا نام لیا، آپ نے فرمایا: چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے (لہٰذا) ہم نے اس عورت کا تمہارے ساتھ نکاح کردیا۔

اس پر اجماع کہ عورت کا ولی نہ ہو تو مسلمانوں کا امیر اس کا ولی ہے اور جب کنواری لڑکی یا بیوہ عورت کا ولی اقرب غائب ہو تو اس کی ولایت میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے اور ان کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کا امیر عورت کا اس سے نکاح کردے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی ہے اگر وہ کفوء میں نکاح کرنا چاہتی ہو اور اس کا ولی اس شخص سے اس کے نکاح کرنے کا انکار کرتا ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کنواری لڑکی کا باپ موجود نہ ہو اور اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کو غائب ہوئے کافی مدت گزر چکی ہو تو اس کنواری لڑکی کا نکاح کون کرے گا، سو امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اس کنواری لڑکی کا بھائی اس کی اجازت سے اس کا نکاح کردے گا، اور امام شافعی نے کہا: مسلمانوں کا امیر اس کنواری لڑکی کا کسی سے نکاح کرے گا اور باقی ولی اس لڑکی کا نکاح نہیں کرسکیں گے، اور اگر بیوہ عورت کا ولی اقرب غائب ہو تو اس کے نکاح کے حکم میں بھی فقہاء کا اسی طرح اختلاف ہے۔

کنواری لڑکی کے بھائی کا اپنی بہن کے نکاح کرنے کا جواز اور اس پر امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے دلائل

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ کنواری لڑکی کا بھائی عصبہ ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ جب اس کا باپ موجود نہ ہو یعنی فوت ہو چکا ہو تو وہ اپنی بہن کا نکاح اس کی اجازت سے کردے کیونکہ اس سے پہلے اس کا نکاح کرنا مشکل تھا، اسی طرح جب اس کا باپ زندہ ہو اور غائب ہو تب بھی اس کے لیے اپنی بہن کا نکاح اس کی اجازت سے کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کا باپ پاگل ہو جائے یا فاسق ہو تو ان کے نزدیک اس کے لیے اپنی بہن کا نکاح اس کی اجازت سے کرنا جائز ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب باپ مرجائے تو لڑکی کا بھائی مسلمانوں کے امیر سے زیادہ اولیٰ ہے، اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں

امیر کنواری لڑکی کے حقوق پورے پورے ادا کرتا ہے اور اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، پس جب اس کا باپ غائب اور مفقود الخبر ہو جائے تو اب بھی وہی اس لڑکی کا نکاح کرنے کا حق دار ہوگا۔

کنواری لڑکی کے ولی کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: ولی کے متعلق بھی اختلاف ہے، امام مالک، اللیث، الثوری اور، امام شافعی نے کہا ہے کہ لڑکی کے اولیاء وہ عصبات ہیں جو وارث ہوتے ہیں اور ماموں اور اخیافی دادا اور اخیافی بھائی (ماں شریک) لڑکی کا نکاح کرنے کے لیے ولی نہیں ہیں۔ اور امام محمد بن الحسن الشیبانی التوفی ۱۸۹ھ نے ان سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو لڑکی کا ولی کہلاتا ہے، پس وہ عقد نکاح کا ولی ہے اور ابوثور کا بھی یہی موقف ہے۔ امام مالک اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ ذوی الارحام نکاح میں ولی نہیں ہیں اور اس کے اولیاء عصبات ہیں کیونکہ لڑکی کا ولی عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے اسی طرح عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام عقد نکاح کے ولی نہیں ہوں گے۔

کنواری لڑکی کے نکاح کرنے کا زیادہ مستحق ولی ہے یا وصی؟ اس میں مذاہب فقہاء

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ لڑکی کے نکاح کرنے کا زیادہ مستحق ولی ہے یا وصی ہے؟ پس ربیعہ، امام مالک، الثوری اور ابوحنیفہ نے کہا: وصی اولیٰ ہے اور امام شافعی نے کہا: ولی اولیٰ ہے کیونکہ جب لڑکی نابالغ ہو تو اس پر وصی کی ولایت نہیں ہوتی بخلاف ولی کے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ اپنی زندگی میں کسی معین شخص کو اپنی لڑکی کے نکاح کے لیے معین کر دے تو باپ کے ہوتے ہوئے لڑکی کے باقی ولیوں کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی اسی طرح ہوگا تاہم امام مالک نے یہ کہا ہے کہ نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا وصی کو حق نہیں ہے مگر یہ کہ اس لڑکی کے والد نے اس کی طرف یہ وصیت کر دی ہو کہ وہ نابالغہ لڑکی کا کسی معین مرد سے نکاح کر دے، پھر اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۰۔ ۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں بعینہ یہی عبارت لکھی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابٌ: لَا يُنْكِحُ الْأَبُ وَغَيْرُهُ الْبِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهَا

کنواری لڑکی یا بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ لڑکی کا باپ کرے نہ کوئی اور کرے

۵۱۳۶۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ۔

(صحیح البخاری: ۶۹۶۸، ۵۱۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۹۶۱۱، سنن دارمی: ۲۱۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابو سلمہ، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے نکاح عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نہ نکاح کیا جائے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اجازت کیسے دے گی؟ آپ نے فرمایا: "اس کا خاموش رہنا، اس کی اجازت ہے"۔

۵۳۱۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى عَائِشَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِي قَالَ رِضَاهَا صَمْتُهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن الربیع بن طارق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے خبر دی از ابن ابی ملکیہ از ابی عمرو مولیٰ عائشہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کنواری عورت تو حیاء کرتی ہے، آپ نے فرمایا: ''اس کی رضا اس کی خاموشی ہے''۔

(صحیح البخاری: ۶۹۷۱، ۶۹۴۹، ۵۱۳۷، مسند احمد ج ۶ ص ۴۵ ص ۲۰۳، ۱۶۵، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶)

کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ ان دونوں احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں میں بیوہ اور کنواری لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کی ممانعت ہے، اور بالغہ لڑکی سے اجازت طلب کی جائے گی کیونکہ نابالغہ لڑکی کا اذن معتبر نہیں ہے اور اس کا سکوت اور اس کی ناراضگی دونوں برابر ہیں۔

کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت کے متعلق امام ابوحنیفہ کا موقف اور ان کی دلیل

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کردے خواہ اس کی بیٹی کنواری ہو یا بیوہ اور الایم یعنی بے نکاح عورت کبھی کنواری ہوتی ہے اور کبھی بیوہ اور اس حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر اس کا ولی نہ کرے خواہ وہ ولی ہو یا کوئی اور ہو اور یہ حکم صرف بالغہ لڑکیوں کے متعلق ہے اور نابالغہ لڑکی کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا تھا جب وہ نابالغہ تھیں۔

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور ان کے موافقین نے اس باب کی حدیثوں سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سبیل عموم فرمایا کہ کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور جو نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت کے متعلق امام مالک اور امام شافعی کا موقف اور ان کی دلیل

ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، اللیث، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز ہے خواہ وہ نابالغہ ہو یا بالغہ ہو۔ اور بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ ابوقرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''کنواری لڑکی سے اس کی اجازت طلب کی جائے گی''۔ آپ کے اس ارشاد میں آیا لڑکی کا والد بھی داخل ہے یا نہیں، تو امام مالک نے کہا: نہیں۔ آپ کی اس سے مراد لڑکی کے والد کے علاوہ دوسرا ولی ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کی اپنے موقف کے خلاف حدیث مذکور کی تاویل اور فقہاء احناف کی دلیل کا جواب اور مصنف کی طرف سے علامہ ابن بطال کی تاویل کا جواب

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: والد کے لیے نابالغہ لڑکی کا نکاح کرنا جائز ہے اور اس لڑکی کے بالغہ ہونے کے بعد اس کو باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، اور ابن حبیب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری اور بیوہ عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرنے کو برابر قرار دیا ہے، اور کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کی اجازت میں یہ فرق کیا ہے کہ کنواری لڑکی کا خاموش رہنا ہی اس کی رضا ہے کیونکہ وہ حیاء کرتی ہے اور بیوہ عورت کی اجازت کے متعلق اس کی اجازت کو اس کے خاموش رہنے پر محمول نہیں کیا بلکہ اس کے لیے فرمایا ہے کہ وہ صراحتاً اپنی رضا کو بتائے کیونکہ بیوہ عورت میں کنواری لڑکی کی طرح حیا نہیں ہوتی۔

جب بیوہ عورت کا نکاح کرنے کے لیے باپ پر اس سے مشورہ لینا لازم ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ رہا فقہاء احناف کا یہ کہنا کہ ایم کا معنی ہے: بے نکاح، اور بے نکاح عورت کبھی کنواری بھی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ لغوی اعتبار سے الایم کا معنی ہے: بے نکاح خواہ وہ کنواری ہو یا بے نکاح، لیکن اس حدیث میں الایم کا مجازی معنی مراد ہے یعنی بیوہ عورت، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ بیوہ اپنے نکاح کی ولی کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے اور اس حدیث میں ایم کی جگہ بیوہ کا لفظ ہے، پھر آپ نے فرمایا: کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے متعلق اجازت طلب کی جائے گی۔ پس آپ نے ایم کے بعد کنواری لڑکی کا ذکر کیا۔

اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ایم سے مراد اس حدیث میں بیوہ عورت ہے۔ میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال کا اس باب کی حدیث میں تاویل کرنا صحیح نہیں ہے اور...... اصل یہ ہے کہ لفظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور صحیح بخاری میں ایم کا لفظ ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے اور صرف سنن ابوداؤد میں اس کی جگہ الثیب کا لفظ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۹۹) اور ہمارا استدلال صحیح بخاری ۵۱۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۱، سنن ترمذی: ۱۱۰۸، سنن نسائی: ۳۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۰ سے ہے، اس کے برخلاف صرف سنن ابوداؤد میں ایم کی جگہ الثیب کا لفظ ہے اور سنن ابوداؤد کے مقابلہ میں صحاح خمسہ کی روایت راجح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نابالغہ بیوہ عورت کے نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: نابالغہ بیوہ عورت کے نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس طرح باپ نابالغہ کنواری لڑکی کا نکاح جبراً کر سکتا ہے اسی طرح نابالغہ بیوہ عورت کا نکاح بھی اس کا باپ جبراً کر سکتا ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ نابالغہ بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی امام شافعی کی موافقت کی ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ نابالغہ لڑکی کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس معاملہ میں نابالغہ لڑکی عام ہے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ ہو، سو اسی طرح کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۳۔۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۳۔ بَابُ: إِذَا زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَةٌ فَنِكَاحُهُ مَرْدُودٌ

جب کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح اس کی پسند کے خلاف کر دے تو اس کا نکاح مردود ہے

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں مطلقاً بیٹی کا ذکر کیا ہے اور یہ لفظ کنواری اور بیوہ دونوں قسم کی بیٹیوں کو شامل ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا تھا کہ والد اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب کے عنوان سے یہ مراد ہے کہ اگر باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح اس کی پسند کے خلاف کر دیا تو اس کا نکاح مردود ہے اور باب سابق میں نابالغہ بیٹی کا حکم بیان کیا گیا تھا۔

۵۱۳۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَدَّ نِكَاحَهُ

(صحیح البخاری: ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳، الموطا: ۱۲۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبدالرحمن بن القاسم از والد خود از عبدالرحمن اور مجمع جو یزید بن جاریہ کے دو بیٹے ہیں از الخنساء بنت خذام الانصاریہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں، سو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے ان کے نکاح کو مسترد فرما دیا۔

۵۱۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ وَمُجَمِّعَ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَجُلًا يُدْعَى خِذَامًا أَنْكَحَ ابْنَةً لَهُ نَحْوَهُ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳، الموطا: ۱۲۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی کہ القاسم بن محمد نے ان کو حدیث بیان کی کہ عبدالرحمن بن یزید اور مجمع بن یزید ان دونوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ ایک مرد کو خذام کہا جاتا تھا، اس نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، یہ حدیث سابق کی مثل ہے۔

بیوہ بیٹی کا اس کی مرضی کے بغیر کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام شہروں کے ائمہ فتویٰ اس پر متفق ہیں کہ جب باپ نے اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہے اور اس کو مسترد کر دیا جائے گا اور انہوں نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے جمہور فقہاء کی مخالفت کی ہے، حسن بصری نے کہا: باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کر دے خواہ اس کی بیٹی کنواری ہو یا بیوہ ہو، وہ اس نکاح کو پسند کرے یا نہ کرے، ابراہیم نخعی نے کہا: اگر بیٹی اس کے زیر کفالت ہے تو وہ اس سے مشورہ لیے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے اور اگر وہ اس کے زیر کفالت نہیں ہے تو پھر وہ اس سے مشورہ کرے گا۔ اور ائمہ میں سے کوئی امام بھی ان دو قولوں کی طرف مائل نہیں ہے کیونکہ یہ قول اس سنت کے خلاف ہیں جو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث

سے ثابت ہیں، اور جو قول سنت کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔

بیوہ بیٹی کی اجازت کے بغیر کیے ہوئے نکاح میں آیا خیار بلوغ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مذاہب فقہاء

جو فقہاء حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا، پھر بالغہ ہونے کے بعد اس نے اس نکاح کی اجازت دے دی تو اسماعیل قاضی نے کہا کہ امام مالک کے قول کے موافق یہ نکاح جائز نہیں ہے خواہ لڑکی نے بالغہ ہونے کے بعد اجازت دے دی ہو، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب لڑکی نے بالغہ ہونے کے بعد اجازت دے دی تو پھر یہ نکاح جائز ہے اور اگر لڑکی نے یہ نکاح باطل کر دیا تو پھر یہ نکاح باطل ہے، اور امام شافعی، امام احمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح باطل ہے خواہ وہ لڑکی راضی ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء کے نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر وہ اس نکاح کی اجازت دے دے تو پھر یہ نکاح جائز ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۴۔۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے جبری نکاح کے متعلق کتب حدیث کی روایات

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی از یحییٰ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو مسترد کر دیا، پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر سے نکاح کر لیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳)

امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساء کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۳۲۔۲۳۱)

نیز امام دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح کر دیا جس نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے باپ کو اس نکاح کو کرنے سے منع کیا تھا''؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو اس عورت کے اختیار میں کر دیا، سو اس عورت نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (علل الحدیث: ۱۲۴۳)

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی اور میں اس وقت کنواری تھی، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جب یہ نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو اس کا نکاح نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ: ۵۳۸۲)

امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی کنواری بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۳)

امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح اس کے چچا نے کیا تھا۔ وہ لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۹)

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک کنواری لڑکی کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو نکاح کا اختیار دے دیا۔ (سنن ابی داؤد ۲۰۹۷)

امام دارقطنی اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۳۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۳)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح بعینہ نقل کر دی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۳۔ بَابُ: تَزْوِيجِ الْيَتِيمَةِ — یتیم لڑکی کا نکاح کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یتیم لڑکی کے نکاح کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۴)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۳)

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

وَاِذَا قَالَ لِلْوَلِيِّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ فَمَكَثَ سَاعَةً اَوْ قَالَ مَا مَعَكَ فَقَالَ مَعِي كَذَا وَكَذَا اَوْ لَبِثَا ثُمَّ قَالَ زَوَّجْتُكَهَا فَهُوَ جَائِزٌ فِيهِ سَهْلٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

اور جب کسی مرد نے (یتیم لڑکی کے) ولی سے کہا: میرا نکاح فلانہ سے کر دو، ولی ایک ساعت تک خاموش رہا یا ولی نے پوچھا: تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ تو اس مرد نے کہا: میرے پاس اتنی اور اتنی چیزیں ہیں یا وہ دونوں کچھ دیر خاموش رہے، پھر اس کے بعد ولی نے کہا: میں نے تمہارا نکاح اس لڑکی سے کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے روایت ہے۔

ایجاب اور قبول کے درمیان فصل اور وقفہ کے باوجود نکاح کا صحیح ہونا

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق میں تین صورتیں بیان کی ہیں: (۱) مرد ولی سے کہے: تم میرا نکاح فلانہ سے کر دو (۲) مرد ولی سے کہے: میرا نکاح فلانہ سے کر دو، اور ولی اس مرد سے پوچھے: تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کتنا مال ہے، پھر وہ بتائے: میرے پاس مہر میں دینے کے لیے اتنا اتنا مال ہے (۳) وہ مرد اور ولی دونوں کچھ دیر خاموش رہیں، پھر ولی اس مرد سے کہے: میں نے اس یتیم لڑکی کا نکاح تم سے کر دیا، سو یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک مجلس میں ایجاب اور قبول کے درمیان تفرقہ ہو یا فاصلہ ہو تو وہ عقد نکاح میں مضر نہیں ہے خواہ ایجاب اور قبول کے درمیان کوئی دوسرا کلام ہو اور اگر ایجاب ایک مجلس میں ہو اور قبول دوسری مجلس میں ہو تو پھر وہ عقد نکاح جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے بتایا کہ اس کے ثبوت میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”اس مرد نے کہا: اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیں“۔ یہ اس مرد کی طرف سے ایجاب ہے، اور نبی ﷺ اس عورت کی طرف سے وکیل تھے اور جب آپ نے فرمایا: ”میں نے اس عورت کا نکاح تم سے کر دیا“۔ تو یہ ولی کی طرف سے قبول ہے اور اس ایجاب اور قبول کے درمیان کافی طویل وقفہ ہے اور وہ آپ کا اس مرد سے کلام فرمانا ہے اور مہر کے متعلق دریافت فرمانا ہے، پھر فرمایا: جاؤ کچھ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ وہ مرد تلاش کرنے کے لیے گیا، پھر آ کر اس نے بتایا کہ میرے پاس تو لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے، پھر آپ نے اس سے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن مجید یاد ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے فلاں

اور فلاں سورت یاد ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اس لیے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا اور یہ آپ کا اس عورت کی طرف سے اس مرد کے نکاح کی پیش کش کو قبول کرنا ہے اور اس ایجاب اور قبول کے درمیان کافی طویل وقفہ ہے، سو اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجلس میں ایجاب اور قبول کے درمیان وقفہ بھی ہو پھر بھی نکاح جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَ لَهَا يَا أُمَّتَاهُ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى إِلَى قَوْلِهِ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء: ۳) قَالَتْ عَائِشَةُ يَا ابْنَ أُخْتِي هَذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا وَيُرِيدُ أَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ صَدَاقِهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ عَائِشَةُ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللهُ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ إِلَى قَوْلِهِ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمْ فِي هَذِهِ الْآيَةِ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ مَالٍ وَجَمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا وَنَسَبِهَا وَالصَّدَاقِ وَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبًا عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَأَخَذُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا الْأَوْفَى مِنَ الصَّدَاقِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۰، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری اور اللیث نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا، پس ان سے کہا: اے امی جان! (اور یہ آیت پڑھی:) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے (یہ آیت یہاں تک ہے) یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو (النساء: ۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یہ یتیم لڑکی اپنے ولی کی زیر پرورش ہوتی تھی اور وہ اس لڑکی کے حسن و جمال اور اس کے مال و دولت کی وجہ سے اس یتیم لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا اور اس یتیم لڑکی کو اتنے مہر سے کم دینا چاہتا تھا جتنا اس مہر کا رواج تھا تو لڑکی کے ولی کو اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا سوا اس صورت کے جب وہ اس یتیم لڑکی کا مکمل مہر ادا کریں، اور ان کو یہ حکم دیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے سوا دوسری لڑکیوں سے نکاح کر لیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: اس واقعہ کے بعد پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: (اور مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں (یہ آیت یہاں تک ہے:) اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔ (النساء: ۱۲۷) اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب یتیم لڑکی حسین اور مال دار ہوتی ہے تب تم اس کے مہر کو کم کر کے اس کے ساتھ نکاح کرنے میں اور اس کے نسب میں رغبت رکھتے ہو اور جب اس کے پاس مال اور حسن و جمال کم ہوتا ہے تو تم اس سے رغبت نہیں رکھتے اور اس کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پس جب طرح تم اس یتیم لڑکی کے

مال دار اور حسین نہ ہونے کی صورت میں اس سے اعراض کر کے
اسے چھوڑ دیتے ہو اس طرح اس یتیم لڑکی کو اسی وقت بھی چھوڑ دو
جب وہ لڑکی حسین اور مال دار ہو اور تم اس کو پورا پورا مہر نہ دینا
چاہتے ہو اور اس سے نکاح کرنا اس وقت جائز ہے جب تم اس کا
پورا پورا مہر ادا کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے۔

یتیمہ نابالغہ سے اس کے ولی کے نکاح کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور علامہ ابن بطال مالکی کا امام ابوحنیفہ پر تعاقب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

النسآء: ۳ سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن الحسن نے یہ استدلال کیا ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خود اس یتیم نابالغ لڑکی سے نکاح کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکی کے ولیوں کو اس پر ملامت فرمائی ہے کہ جب یتیم لڑکی حسین اور مال دار ہوتی ہے تو وہ اس کا پورا مہر ادا نہ کر کے اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں، اور جب اس کا حسن و جمال کم ہوتا ہے اور مال کم ہوتا ہے تو تم اس کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہو اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ یتیم لڑکی تم کو پسند ہو تو تم اس سے اسی وقت نکاح کر سکتے ہو جب تم اس یتیم لڑکی کا پورا پورا مہر ادا کرو، سو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ یتیم لڑکی کا ولی اس نابالغہ لڑکی سے اس شرط کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اور امام مالک، امام شافعی اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یتیم لڑکی کا ولی اس کے بالغہ ہونے سے پہلے اس سے خود نکاح نہیں کر سکتا اور اگر نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور جمہور فقہاء کی امام ابوحنیفہ کے خلاف حجت یہ ہے کہ جب یتیم لڑکی کم عقل ہو تو اس کی خرید و فروخت کے افعال جائز نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کے ولیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان سے نکاح کریں تو ان کا پورا پورا مہر ادا کریں، سو یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یتیم لڑکی کے ولی کا اس نابالغہ یتیم لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا زعم ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مصنف کی طرف سے امام ابوحنیفہ کے استدلال کی وضاحت اور علامہ ابن بطال مالکی پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس صریح آیت سے ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکی کے ولی کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ اس کا پورا پورا مہر ادا کریں تو ان کا اس یتیم لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے اور یتیم اسی کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اس آیت سے یہ استدلال کرنا بالکل درست ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کے لیے یتیمہ نابالغہ سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ وہ اس کا پورا مہر ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور علامہ ابن بطال کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض درست نہیں اور نہ ہی اس کو کم عقل لڑکی کے تصرفات پر قیاس کرنا درست ہے اور نص صریح کے مقابلہ میں قیاس کرنا باطل ہے، ایسا قیاس تو صرف ابلیس نے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراحتاً حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو اور اس نے اس نص صریح کے خلاف قیاس سے استدلال کیا اور کہا: میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن ملقن شافعی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح بعینہ نقل کی ہے اور اس طرح امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۳۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی اسی حدیث کو امام شافعی کی قوی دلیل قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی، علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں امام ابوحنیفہ پر اعتراض کیا ہے۔ اس کا مصنف نے اس حدیث کی شرح میں مفصل جواب لکھ دیا ہے جب کہ علامہ عینی یہاں پر ان لوگوں کے اعتراض کے بعد خاموشی سے گزر گئے اور حنفیت کا دفاع کرنے کے لیے ان کے خون میں ابال نہیں آیا۔

۴۵- بَابٌ: إِذَا قَالَ الْخَاطِبُ لِلْوَلِيِّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَ بِكَذَا وَكَذَا جَازَ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لِلزَّوْجِ أَرَضِيتَ أَوْ قَبِلْتَ

جب کسی مرد نے لڑکی کے ولی سے کہا: فلانہ سے میرا نکاح کر دو تو ولی نے کہا میں نے تمہارے ساتھ اس کا نکاح اتنے اتنے مہر کے عوض کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے اگرچہ اس نے خاوند سے رضامندی یا قبولیت نہ پوچھی ہو

۵۱۴۱- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی الله عنه أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَ مَا لِي الْيَوْمَ فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ زَوِّجْنِيهَا قَالَ مَا عِنْدَكَ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ أَعْطِهَا وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ فَمَا عِنْدَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ابو حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کی پاس آئی، پس اس نے خود کو نبی ﷺ پر پیش کیا تو آپ نے فرمایا: ان دنوں مجھے عورتوں کی حاجت نہیں تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیں، آپ نے پوچھا: تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، آپ نے فرمایا: اس کو کچھ عطا کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، اس مرد نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے آپ نے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے بتایا اتنا اور اتنا، آپ نے فرمایا: چونکہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے اس لیے میں نے یہ عورت تمہاری ملکیت میں دے دی۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۲۸۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری کے قائم کردہ عنوان کا قاعدہ کلیہ نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد کا توقف کرنا

اس کی رضا پر دلیل ہے لیکن یہ ہر نکاح کا حکم نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ مرد سے سوال کیا جائے کہ آیا وہ اس مہر یا شرط پر راضی ہے یا نہیں سوا اس کے کہ وہ مرد تنگ دست ہو اور اس نکاح میں رغبت رکھتا ہو تو پھر اس کا توقف کرنا اس کی رضا کی دلیل ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی اور علامہ عینی حنفی نے علامہ ابن بطال مالکی کی اس شرح کو بعینہٖ نقل کر دیا ہے۔

(التوضیح ج ۲۴ ص ۴۳۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۶۔ ۱۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف دیکھا اور یہی اس کی دلیل ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کو دیکھنا جائز ہے یا پھر مطلقاً آپ کی خصوصیت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ آپ کے نکاح میں دیگر ازواج مطہرات تھیں اس لیے آپ کو اس عورت سے نکاح کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۶۔ بَابٌ: لَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَدَعَ

اپنے بھائی کے پیغام نکاح کے اوپر پیغام نکاح نہ دے حتیٰ کہ وہ خود نکاح کر لے یا اس رشتہ کو چھوڑ دے

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ خطبۃ کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا یا منگنی کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۶)

۵۱۴۲۔ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا يُحَدِّثُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنهما كَانَ يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَبِيعَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ

(صحیح البخاری: ۲۱۴۲، ۵۱۴۲، صحیح مسلم: ۱۴۱۲، سنن ترمذی: ۱۲۹۳، سنن نسائی: ۳۲۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے نافع سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کسی کی بیع کے اوپر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور کوئی مرد اپنے بھائی کی منگنی کے اوپر منگنی نہ کرے حتیٰ کہ اس سے پہلے منگنی کرنے والا چھوڑ دے یا منگنی کرنے والا اسے اجازت دے دے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۳۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۴۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَأْثُرُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا إِخْوَانًا.

(صحیح البخاری: ۶۰۶۴، ۶۰۶۶، ۶۷۲۴، صحیح مسلم: ۱۴۱۳، سنن ترمذی: ۱۹۸۸، سنن نسائی: ۳۲۳۹، سنن ابو داؤد: ۲۰۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از الاعرج، انہوں نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم بدگمانی کرنے سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش نہ کرو اور کسی کی بات سننے کے لیے کان نہ لگاؤ اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۴۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۴۴۔ حَدَّثَنَا وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ۔

اور کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے حتیٰ کہ وہ خود نکاح کر لے یا اپنی منگنی کو ترک کر دے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۰، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۷، ۵۱۵۲، ۶۶۰۱، صحیح مسلم: ۱۴۱۳، سنن ابوداؤد: ۳۴۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۲۶، سنن نسائی: ۳۲۳۶، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۲، مسند احمد: ۷۲۲۴، مسند احمد: ۱۰۸۸، مسند احمد: ۶۱۳۵، مسند احمد ۶۲۷۶، مسند احمد: ۱۱۹۶۴، مسند احمد: ۶۴۱۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۴۰ میں گزر چکی ہے۔

منگنی پر منگنی کی ممانعت آیا تحریم کے لیے ہے یا تنزیہہ کے لیے، اس میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن المنذر نے کہا کہ اس حدیث میں کسی کی منگنی پر منگنی کرنے کی ممانعت ہے اور یہ ممانعت تحریم ہے ممانعت تنزیہہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے حتیٰ کہ اس کا بھائی وہ منگنی چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۰، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۶۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶، صحیح مسلم: ۱۴۱۴)

امام طبری نے کہا: اس حدیث کی تاویل میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ منگنی پر منگنی کرنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو حضرت معاویہ اور حضرت ابوالجہم نکاح کا پیغام دے چکے تھے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نکاح کا پیغام دیا۔

(سنن ترمذی: ۱۱۳۵، صحیح مسلم: ۳۶۹۶، سنن نسائی: ۳۲۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۹، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۱)

دوسرے فقہاء نے کہا: یہ حکم ثابت ہے، اس کو کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا اور کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے حتیٰ کہ اس کا بھائی اس منگنی کو ترک کر دے۔

حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور ابن ہرمز کا یہی موقف ہے اور ان کا استدلال اس حدیث کے عموم سے ہے اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صورت میں منگنی پر منگنی کرنے سے منع فرمایا ہے جب کہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی ہو اور اس مرد کی طرف راغب ہو، اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر کسی کی منگنی پر منگنی کی اور نکاح کر دیا تو یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔ آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ یہودی اور نصرانی کی منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۱۔۲۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی ان احادیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (التوضیح ج ۲۴ ص ۴۳۱۔۴۲۸، فتح الباری ج ۶ ص ۴۱۱)

منگنی پر منگنی کرنے کی تحریم اور اباحت کا محمل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ منگنی پر منگنی کی تحریم اس صورت میں ہے کہ جب وہ عورت یا اس کا ولی صراحتاً پہلے منگنی کرنے والے کو نکاح کی اجازت دے دے۔ اور اگر اس نے صراحتاً اجازت نہ دی ہو یا اس کا پیغام مسترد کر دیا ہو تو پھر منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے اور یہی فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۔ بَابُ: تَفْسِيرِ تَرْكِ الْخِطْبَةِ — منگنی ترک کرنے کی تفسیر

علامہ عینی اس عنوان کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی یا تو پہلا منگنی کرنے والا صراحتاً اپنے پیغام کو ترک کر دے یا اپنے ترک کرنے کا عذر بیان کر دے۔

۵۱۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يُحَدِّثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ قَالَ عُمَرُ لَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ إِلَّا أَنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَوْ تَرَكَهَا لَقَبِلْتُهَا تَابَعَهُ يُونُسُ وَمُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ

(صحیح البخاری: ۴۰۰۵، ۵۱۲۲، ۵۲۱۹، ۵۱۴۵، سنن نسائی: ۳۲۴۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا، پس میں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر کا آپ سے نکاح کر دوں، پھر میں چند راتیں ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے نکاح کا پیغام دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے، پس انہوں نے کہا: تم نے اپنی بیٹی کے ساتھ مجھے نکاح کرنے کی پیش کش کی تھی اور مجھے تمہیں اس کا جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کا ذکر کیا تھا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کرنے والا نہیں تھا اور اگر آپ حفصہ کو ترک کر دیتے تو میں ان کو قبول کر لیتا۔ شعیب کی متابعت یونس، موسیٰ بن عقبہ اور ابن ابی عتیق نے کی ہے از الزہری۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۵ میں گزر چکی ہے۔

اس سوال کا جواب کہ امام بخاری نے منگنی پر منگنی ترک کرنے کا عنوان قائم کیا ہے حالانکہ بعض فقہاء کے نزدیک منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی تفسیر پیغام نکاح کو ترک کرنے کے ساتھ کی ہے حالانکہ اس سے پہلے

مذاہب فقہاء میں گزر چکا ہے کہ منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے جب وہ لڑکی پہلے منگنی کرنے والے کی طرف راغب نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس بات کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا علم نہیں تھا، چہ جائیکہ ان کی بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راغب ہوتیں، پس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے جو اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے وہ صحیح ہے اور امام بخاری نے اس عنوان سے جس معنی کا قصد کیا ہے وہ بہت دقیق ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن بہت تیز تھا اور حدیث سے استنباط مسائل میں بہت راسخ تھا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمر کو ان کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا پیغام دیں گے تو وہ اس پیغام سے اعراض نہیں کریں گے اور نہ اس کو مسترد کریں گے بلکہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصاہرت اور سسرالی رشتہ کا موقع عطا فرمایا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا علم اس کے قائم مقام تھا کہ حضرت عمر اور ان کی بیٹی رضی اللہ عنہا اس پیغام نکاح سے خوش ہوں گے اور اس کی طرف راغب ہوں گے، لہٰذا ہر وہ شخص جس کو یہ علم ہو کہ اس کا پیغام مسترد نہیں کیا جائے گا تو اس کے پیغام نکاح پر دوسرے کا پیغام نکاح دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ اپنے پیغام کو ترک کر دے جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام نہیں دیا کیونکہ ان کو معلوم تھا حضرت عمر اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جب علم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیغام دے رہے ہیں تو وہ اس پر راضی اور خوش ہوں گے، اس لیے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو حضرت حفصہ کے رشتہ کا پیغام نہیں دیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۸- بَابُ: الْخُطْبَةِ — خطبہ کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: خطبہ سے مراد ہے: عقد نکاح سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا۔

۵۱۴۶- حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ جَاءَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ مشرق سے دو مرد آئے، سو انہوں نے خطبہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بعض بیان جادو (کے مشابہ) ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۷، سنن ترمذی: ۲۰۲۸، سنن ابو داؤد: ۵۰۰۷، الادب المفرد: ۸۷۵، المؤطا: ص ۶۱۰، مسند احمد: ۴۶۵۱، ۵۶۸۷، ۵۲۹۱، ۵۲۳۲)

خطبہ نکاح کے متعلق متن احادیث

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کے تمام جامع کلمات اور خیر کے تمام فواتح اور خواتم عطا کیے گئے تھے، سو آپ نے ہمیں نماز کے خطبہ (یعنی تشہد) اور حاجت (نکاح) کے خطبہ کی تعلیم دی۔

نماز کا خطبہ: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله۔

حاجت یعنی نکاح کا خطبہ: الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ (پھر اس کے متصل قرآن مجید کی تین آیات پڑھیں:)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران: ۱۰۲) وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (النساء: ۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (الاحزاب: ۷۱۔۷۰)

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۰۷، سنن نسائی: ۳۲۷۴، مسند احمد: ۳۸۷۷، ۳۹۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا: الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ اما بعد۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۳، صحیح مسلم: ۸۶۸، سنن نسائی: ۳۲۷۵، مسند احمد: ۲۷۴۹، ۳۲۷۵)

نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا آیا واجب ہے یا مستحب؟

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا کہ نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا مستحب ہے تاکہ نکاح کرنے والے کے لیے معاملہ آسان ہو جائے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے وقت عمدہ کلام کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے اور عمدہ کلام کو سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس سے مراد سحر حلال ہے۔

جمہور علماء نے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے، امام مالک نے کہا: یہ متقدمین کا طریقہ ہے، ابن حبیب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ پڑھنے سے ابتداء کرنا مستحب ہے اور غیر مقلدین نے کہا: نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا واجب ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو آپ نے خطبہ پڑھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

اور جمہور فقہاء نے کہا کہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا واجب نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست مرد سے فرمایا: چونکہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے اس لیے میں نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا اور آپ نے اس سے پہلے خطبہ نہیں پڑھا، نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہر عظیم الشان کام جس کی اللہ کی حمد سے ابتداء نہ کی جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۴، سنن ابوداؤد: ۴۸۴۰، مسند احمد: ۸۷۲۰)

اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ عقد نکاح بغیر خطبہ کے ناتمام رہے گا کیونکہ آپ نے اس تنگ دست مرد سے اس عورت کا نکاح کیا اور آپ نے خطبہ نہیں پڑھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت اور سحر کی دو قسمیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی جو کتاب النکاح میں روایت کی ہے وہ نامناسب ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: بیان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ عمدہ اور خوش نما الفاظ ذکر کیے جائیں جن کی طرف سامعین کے

دل مائل اور راغب ہوں، دوسری قسم وہ ہے جو سحر یعنی جادو کے مشابہ ہے اور جادو کی وہ قسم مذموم ہے جس سے باطل کا قصد کیا جائے اور آپ نے بیان کی سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ سحر میں کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس تعریف سے اس حدیث کی کتاب النکاح کے ساتھ مناسبت معلوم ہو جاتی ہے گویا کہ امام بخاری نے اشارہ کیا ہے کہ ہر چند کہ نکاح میں خطبہ پڑھنا مشروع ہے لیکن یہ خطبہ معتدل اور متوسط ہونا چاہیے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کو نقل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کو نقل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۰-۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

۴۹- بَابُ: ضَرْبِ الدُّفِّ فِي النِّكَاحِ وَالْوَلِيمَةِ

نکاح اور ولیمہ کی تقریب میں دف بجانا

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: دف میں دال پر پیش ہے اور اس پر زبر بھی پڑھا جاتا ہے اور عقد نکاح اور ولیمہ کی تقریب میں دف بجانا مشروع ہے۔

۵۱۴۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ قَالَ قَالَتِ الرُّبَيِّعُ بِنْتُ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ حِينَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ دَعِي هَذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ

(صحیح البخاری: ۵۱۴۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۷، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۰، ۳۵۹، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۷، السنن الکبریٰ ج ۱۱ ص ۱۵۸۳۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن ذکوان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: الربیع بنت معوذ بن عفراء نے بتایا: جب مجھے میرے خاوند کے پاس پیش کیا گیا اس موقع پر نبی ﷺ تشریف لائے، سو آپ میرے بستر پر بیٹھ گئے جس طرح تم میرے قریب بیٹھے ہو، اس وقت لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور غزوۂ بدر میں جو میرے آباء قتل کیے گئے تھے ان پر نوحہ کر رہی تھیں، اچانک ان میں سے ایک لڑکی نے یہ شعر پڑھا: ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جن کو آنے والے کل کا علم ہے، تو آپ نے فرمایا: یہ شعر نہ پڑھو اور جو اشعار تم پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھتی رہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نکاح کا دف کے ذریعہ اعلان کرنا سنت ہے اور (خوشی کے گیت) گانا مستحب ہے تا کہ نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے کیونکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے۔ (میں کہتا ہوں: اگرچہ نوحہ کرنا جائز ہے لیکن ان کا مقصد

نوحہ کرنا نہیں تھا کیونکہ یہ کسی کی مرگ کا نہیں بلکہ شادی کا موقع تھا اور چونکہ ان بچیوں کو صرف یہی گیت یاد تھا، سو وہ وہی گا رہی تھیں۔ سعیدی غفرلہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ ملک کا شادی کے موقع پر آنا مشروع ہے خواہ شادی کی تقریب میں لہو ولعب ہو جب کہ وہ لہو ولعب حد مباح سے خارج نہ ہو۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کے منہ پر اس کی تعریف کرنا جائز ہے اور یہ اس وقت مکروہ ہے کہ جب ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جائے جو موصوف میں موجود ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

دف بجانے کے متعلق احادیث اور ان کی فنی حیثیت

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حلال اور حرام کے درمیان فرق دف بجانے سے ہوتا ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۰۸۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۶، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۴)

ابو حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ نکاح کو ناپسند فرماتے تھے حتیٰ کہ دف بجایا جائے اور آپ فرماتے تھے:

اتیناکم اتیناکم فحیونا نحییکم۔ ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے تم ہم کو دعا دو ہم تم کو دعا دیتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۷۸۔۷۷)

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک سیاہ فام عورت آپ کے پاس آئی، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اگر سلامتی کے ساتھ لوٹا دیا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اگر تم نے یہ نذر مانی ہے تو اپنی نذر پوری کرو''۔ (سنن ترمذی: ۳۶۹۰) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

علامہ ابن القطان نے کہا ہے: اس طرح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں علی بن حسن بن واقد ہے، اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا: یہ ضعیف ہے، اور العقیلی نے کہا: یہ شخص مرجئی تھا۔ (بیان الوہم والایہام ج ۵ ص ۲۵۲۔۲۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کو انصار کے ایک مرد کے پاس شب زفاف کے لیے پیش کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لہو نہیں ہے کیونکہ انصار لہو سے خوش ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۱۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ان کے رشتے کی ایک عورت کا انصار کے کسی مرد کے ساتھ نکاح کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے اس لڑکی کو ہدیہ دیا ہے؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نہیں تو آپ نے فرمایا: انصار ایسے لوگ ہیں جن میں عشق کا ذوق ہے، پس اگر تم اس لڑکی کے ساتھ کسی گانے والے کو بھیجتے جو یہ گاتا:

اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم۔ ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے تم ہم کو دعا دو ہم کو دعا دیتے ہیں۔

امام ابن ماجہ اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۰)

علامہ البوصیری نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی الاجلح مختلف فیہ ہے، اور ابن عیینہ نے کہا: اس کا حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے۔(مصباح الزجاجہ ج ۲ ص ۱۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کا اعلان کرو اور اس کے اوپر دف بجاؤ''۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۵، سنن سعید بن منصور: ۶۳۵، مسند اسحاق بن راہویہ: ۹۴۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۶۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۹۰)

امام ابونعیم اور امام بیہقی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے خالد بن الیاس وہ ضعیف ہے۔

اسود بن المطلب روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور اس کے نکاح میں طبل (ڈھول) بجایا گیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نکاح ہے زنا نہیں ہے''۔(اسد الغابہ ج ۶ ص ۱۳۵)

اس اشکال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اجنبی عورت کے قریب بیٹھ گئے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت الربیع بنت معوذ بن عفراء بیان کرتی ہیں: جس رات ان کو شب زفاف کے لیے پیش کیا گیا اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کے قریب بیٹھ گئے۔ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اجنبی عورت سے تو پردہ لازم ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے پاس آکر کیسے بیٹھ گئے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) علامہ کرمانی نے بیان کیا کہ یہ حدیث حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔

(۲) یہ آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(۳) ضرورت کے وقت اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

(۴) جب اجنبی عورت کو دیکھنے سے فتنے کا خوف نہ ہو تو پھر اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ سکتے ہیں اور اس کو دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ آپ حضرت ام حرام بنت ملحان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہاں سویا کرتے تھے اور وہ آپ کے سر کو سہلاتی تھیں اور وہ نہ آپ کی محرم تھیں اور نہ زوجہ۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ عینی، حافظ ابن حجر کی مذکور الصدر عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ تمام جوابات ایسی چیز کو طلب کرنے کے متعلق ہیں جس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی، اور صحیح اور واضح جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے وہی جواب دیا ہے جس کو ہم تفصیل سے پہلے لکھ چکے ہیں اور اس جواب کو انہوں نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا شکوہ بجا ہے۔(سعیدی غفرلہ)

نوحہ کا معنی اور اس کا بیان کہ حضرت الربیع کے آباء بدر کی بجائے احد میں قتل کیے گئے تھے

اس حدیث میں ذکر ہے کہ لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر کے دن جوان کے آباء و اجداد قتل کیے گئے تھے ان پر نوحہ کر رہی تھیں۔

نوحہ کا معنی ہے: میت کے عمدہ اوصاف کو بیان کرنا۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ بدر کے دن جوان کے آباء قتل کیے گئے تھے حالانکہ وہ بدر کے دن قتل نہیں کیے گئے تھے بلکہ وہ احد کے دن قتل کیے گئے تھے اور ان لڑکیوں کے آباء بدر کے دن حاضر تھے اور وہ معوذ، معاذ اور عوف تھے اور ان میں سے ایک ان کے والد تھے اور دوسرے دو چچا تھے اور ان سب پر آباء کا اطلاق تغلیباً اور مجازاً ہے۔

مطلقاً غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے دی ہیں

وہ لڑکیاں اپنے گیت میں یہ شعر بھی پڑھ رہی تھیں:

وفينا نبي يعلم ما في غد — اور ہم میں ایسے نبی ہیں جنہیں آئندہ کل کا علم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شعر کو چھوڑ دو اور جو اشعار تم پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو چھوڑنے کا اس لیے حکم دیا کہ اس میں آپ کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت ہے اور مطلقاً علم غیب ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (النمل: ٦٥)

آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ (الاعراف: ١٨٨)

آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر جمع کر لیتا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی غیب کی خبریں دی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور اس کی تعلیم دینے سے دی ہیں نہ کہ آپ خود مستقل طور پر غیب کا علم رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن: ٢٧۔٢٦)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ○ ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

(فتح الباری ج ٦ ص ٣١٤، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٥٠۔ بَابٌ: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النسآء: ٤)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔ (النسآء: ٤)

وَكَثْرَةِ الْمَهْرِ وَأَدْنَى مَا يَجُوزُ مِنَ الصَّدَاقِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً

اور مہر کا کثیر ہونا اور کم سے کم مہر کی جائز مقدار اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو (النسآء: ٢٠) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو (البقرۃ: ٢٣٦)

وَقَالَ سَهْلٌ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ

اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور خواہ

حَدِیدٍ۔ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو''۔

مہر کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار کا معین نہ ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب النسآء: ۴ کے معنی کے بیان میں ہے اور امام بخاری نے اس عنوان اور اس کے بعد کی تعلیقات سے یہ بیان کیا ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار معین نہیں ہے اور عنقریب اس پر تفصیلی بحث آئے گی۔

صَدُقَات صَدُقَةٌ کی جمع ہے اور یہ عورت کا مہر ہے اور اس کی قراءت صَدْقَات بھی کی گئی ہے (صاد پر زبر اور دال پر جزم)، نِحْلَةً مصدر ہے اور یہ منصوب علی الحال ہے یعنی تم ان کو خوشی سے مہر ادا کرو، اور کَثْرَةُ الْمَهر کے لفظ سے یہ اشارہ کیا ہے کہ کثیر مقدار میں مہر کو مقرر کرنا جائز ہے جیسا کہ النسآء: ۲۰ سے ظاہر ہوتا ہے، اور قنطار کا معنی ہے: بہت بڑا مال۔

قنطرۃ کی مقدار کے متعلق متعدد اقوال

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا قنطرۃ کی مقدار معین ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی مقدار معین ہے، پھر اس کی تعیین میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ بارہ سو اوقیہ ہے (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے اور آج کی تاریخ ۱۶ دسمبر ۲۰۱۱ء میں ایک درہم تین سو ساٹھ پاکستانی روپے کا ہے)، یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ قنطرۃ بارہ ہزار اوقیہ ہے، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ قنطرۃ بارہ سو دینار ہے، یہ ابن ابی طلحہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اور چوتھا قول یہ ہے کہ قنطرہ کی مقدار ستر ہزار دینار ہے، یہ حضرت ابن عمر اور مجاہد کی روایت ہے، اور پانچواں قول یہ ہے کہ قنطرہ تیس ہزار درہم ہے، اور چھٹا قول یہ ہے کہ قنطرۃ سات ہزار دینار ہے اور آٹھواں قول یہ ہے کہ قنطرۃ آٹھ ہزار دینار ہے اور نواں قول یہ ہے کہ قنطرۃ ایک ہزار مثقال سونا یا چاندی ہے، اور دسواں قول یہ ہے کہ بیل کی کھال میں جتنا سونا بھر جائے وہ قنطرۃ ہے، اور یہ تمام اقوال ان حضرات کی آراء پر مبنی ہیں سوا اس کے جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: خواہ تم نے ان کو ڈھیروں سونا دے دیا ہو۔

زیادہ سے زیادہ مہر کے متعلق متعدد روایات

امام عبدالرزاق نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ عورتوں کا زیادہ مہر مقرر نہ کیا کرو، تو ایک عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر کے کہا: اے عمر! آپ کا یہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا۔ ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو۔ (النسآء: ۲۰)

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت عمر سے مناظرہ کیا اور وہ عمر پر غالب آ گئی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۴۲۰)

ابو الفرج الاموی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر کیا (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۸۱) اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک عورت سے نکاح کیا، سو اس کی طرف ایک سو باندیاں اور ایک لاکھ درہم بھیجے (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۹۰) اور مصعب بن الزبیر نے عائشہ بنت طلحہ سے نکاح کیا اور ان کی طرف ایک ہزار درہم بھیجے۔

اور ابن عیینہ نے یحییٰ بن سعید اور محمد بن ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر زوجہ کا مہر ساڑھے بارہ ہزار اوقیہ مقرر فرمایا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۴۰۷، ۱۰۴۰۵، صحیح مسلم: ۱۴۲۶)

امام ابوداؤد نے الزہری سے روایت کی ہے کہ حضرت النجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ سے چار ہزار درہم مہر پر نکاح کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو یہ لکھ کر بھیج دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۰۸)

امام ترمذی ابوالعجفاء السلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو! عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، کیونکہ اگر زیادہ مہر میں دنیا کی بھلائی ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی تقویٰ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نبی تم سب سے زیادہ کثیر مہر مقرر کرنے کے لائق تھے اور میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کا مہر بارہ ہزار اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا ہو، اسی طرح آپ نے اپنی صاحب زادیوں کا مہر بھی بارہ ہزار اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۱۴)

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اوقیہ کی مقدار چالیس درہم ہے، اور بارہ اوقیہ کی مقدار چار سو اسی درہم ہے۔ (سنن ترمذی ص ۲۶۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

الحربی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو مہر میں ایک گھر دیا اور ان کو اس کا وارث بنا دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی مہر میں ایک گھر دیا جس کی قیمت پچاس درہم تھی۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۰)

علامہ البوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی عطیہ ضعیف ہے۔ (مصباح الزجاجہ ج ۲ ص ۱۰۵)

عطیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ ہزار اوقیہ مقرر کیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۵)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مہر گھریلو سامان مقرر فرمایا جس کی مالیت دس درہم تھی۔ (مسند البزار، کشف الاستار: ۱۴۲۶، مسند ابویعلیٰ: ۳۳۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۳ ص ۲۴۷)

امام ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود تھے تو ہم اپنی ازواج کا مہر دس اوقیہ مقرر کرتے تھے۔

کم سے کم مہر کے متعلق متعدد روایات اور فقہاء مذاہب کے اقوال

مہر کی کم از کم مقدار میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) امام مالک نے کہا: میرے نزدیک عورت کا مہر چوتھائی دینار یعنی تین درہم سے کم نہ ہو اور یہ ان کے نزدیک وہ کم سے کم نصاب ہے جس کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ (الموطاص ۳۲۷)

(۲) فقہاء احناف نے کہا ہے: مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے کیونکہ دس درہم کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۵، طبع قدیم)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے کیونکہ امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کفوء کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو، سوا ولیوں کے کوئی ان کا نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی: ۳۵۴۵، ۳۵۴۶، ۳۵۴۷، ۳۵۴۸، ۳۵۵۰)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مبشر بن عبید متروک الحدیث ہے اور امام دار قطنی نے کہا ہے کہ اس کی احادیث کی متابعت نہیں کی جاتی اور امام بیہقی نے ''کتاب المعرفۃ'' میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ مبشر بن عبید کی روایات موضوع اور کذب ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی امام بیہقی نے متعدد سندوں سے وضاحت کی ہے اور علامہ نووی نے ''شرح المہذب'' میں لکھا ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ قابل استدلال ہوتی ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس کم از کم مہر سے عورت حلال ہو جاتی ہے وہ دس درہم ہے، اس حدیث کی امام بیہقی نے ابن عبد البر سے روایت کی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۵۔۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کم از کم مہر کی مقدار کے متعلق امام شافعی کے دلائل اور مصنف کی طرف سے ان کے جوابات

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم سے کم مہر کی مقدار کی کوئی حد نہیں ہے اور فریقین جس مقدار پر راضی ہو جائیں اس کا مہر مقرر کرنا جائز ہے، اس کی سعید بن المسیب، سالم بن عبد اللہ، سلیمان بن یسار، القاسم بن محمد اور مدینہ کے باقی فقہاء تابعین سے روایت ہے اور یہی الثوری، اللیث، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا مذہب ہے۔(الاستذکار ج ۱۶ ص ۷۶۔۷۳)

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جو ثمن (قیمت) یا اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۵۲) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۶۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی کے عوض میں نکاح کو جائز قرار دیا جیسا کہ تنگ دست مرد کی حدیث گزری ہے۔(صحیح البخاری: ۵۱۴۹)

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست صحابی کے حال کے موافق لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ اس صحابی کے لیے خصوصیت تھی یا آپ کی خصوصیت تھی، آپ چاہتے تو بغیر مہر کے بھی اس کا نکاح کر دیتے، اور عام مسلمانوں کے لیے آپ نے یہی حکم دیا ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔(سعیدی غفرلہ)

امام شافعی کی دوسری دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو فزارۃ کی ایک عورت نے دو جوتوں کے عوض نکاح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تم اپنے نفس اور مال سے دو جوتوں کے عوض راضی ہو؟ اس عورت نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا۔(سنن ترمذی: ۱۱۱۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۸)

میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے کہ وہ دو جوتے بہت قیمتی ہوں اور ان کی قیمت دس درہم سے بھی زائد ہو۔(سعیدی غفرلہ)

ابن ابی لبیبہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایک درہم کے عوض کسی عورت کو حلال کر لیا تو اس نے نکاح کو حلال کر لیا''۔(سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۳۸، مسند ابو یعلیٰ: ۹۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۵۶)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند پر درج ذیل تنقید کی گئی ہے:

امام طحاوی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ اہل روایت کے نزدیک یہ روایت قطعی نہیں ہے، اسی طرح الجواہر النقی میں مذکور ہے۔(الجواہر النقی علی ہامش البیہقی ج ۷ ص ۲۳۸)

اور حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔(الاستغناء ج ۱ ص ۲۰۸)

اور الذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند میں یحییٰ ضعیف راوی ہے، اور حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابی لبیبہ ہے اور وہ بہت ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۱)

۵۱۴۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ فَرَأَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَشَاشَةَ الْعُرْسِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۸، ۵۱۵۳، ۵۱۶۷، ۲۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے گٹھلی کے وزن (کے برابر سونے) پر نکاح کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اوپر نکاح کی خوشی کے آثار دیکھے تو آپ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک عورت سے گٹھلی کے وزن (کے برابر سونے) پر نکاح کر لیا ہے۔ اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے گٹھلی کے وزن (کے برابر سونے) پر نکاح کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹ پر گزر چکی ہے۔

۵۱۔ بَابُ: التَّزْوِيجِ عَلَى الْقُرْآنِ وَبِغَيْرِ صَدَاقٍ

بغیر مہر کے تقرر کے قرآن پر نکاح کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مہر کا ذکر کیے بغیر قرآن کے عوض نکاح کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۶)

۵۱۴۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ يَقُولُ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ يَقُولُ إِنِّي لَفِي الْقَوْمِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ قَامَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتِ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْكِحْنِيهَا قَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا قَالَ اذْهَبْ فَاطْلُبْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ فَطَلَبَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو حازم سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت میں تھا، اس وقت ایک عورت کھڑی ہوئی، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک اس عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے، پس آپ اس کے متعلق اپنی رائے پر عمل کریں تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، یوں تین بار ہوا، ایک مرد کھڑا ہوا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اس عورت کا مجھ سے نکاح کر دیجئے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، سو وہ گیا، اس نے تلاش کیا،

مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ أَنْكَحْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۸۷، ۵۱۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۲۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

پھر وہ آیا، پس اس نے کہا: میں نے کوئی چیز نہیں پائی اور نہ ہی لوہے کی انگوٹھی پائی، پھر آپ نے پوچھا: کیا تمہیں قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ، پس بے شک میں نے اس عورت کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا اس سبب سے کہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

تعلیم قرآن کو مہر قرار دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی تاویل میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی معین سورت کو مہر قرار دے کر نکاح کرنا جائز ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ اس عورت کو اس سورت کی تعلیم دے، یہ امام شافعی کا قول ہے، اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر قرار دینا جائز نہیں ہے۔ یہ امام مالک، اللیث، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور مزنی کا قول ہے مگر امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی مرد نے تعلیم قرآن پر نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہے اور یہ اس نکاح کے حکم میں ہے جس میں بالکل مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، سو اس صورت میں اگر اس نے اس کے ساتھ دخول کر لیا تو اس پر مہر مثل لازم ہوگا اور اگر دخول نہیں کیا تو اس کو المتعہ یعنی کپڑوں کا جوڑا دینا لازم ہوگا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۵۳، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۷۷، الاستذکار ج ۱۶ ص ۸۱)

امام شافعی کی دلیل کا امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرف سے جواب

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا: ''کوئی چیز تلاش کرو''۔ پھر فرمایا: ''میں نے تمہارا اس عورت کے ساتھ اس سبب سے نکاح کر دیا کہ تمہیں قرآن کی سورتیں یاد ہیں''۔ اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم کو مہر قرار دینا جائز ہے کیونکہ تعلیم قرآن پر اجرت کا لینا جائز ہے، لہٰذا تعلیم قرآن کا مہر ہونا بھی جائز ہے کیونکہ اس مرد نے پہلے اپنے تہبند کو مہر قرار دیا، پھر لوہے کی انگوٹھی کو تلاش کیا، پھر آپ نے تعلیم قرآن کے عوض اس مرد کا اس عورت سے نکاح کر دیا۔

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے امام شافعی کی اس دلیل کے جواب میں کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ میں نے تعلیم قرآن کے عوض تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا یہ نکاح کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لیے جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر مہر کے بھی نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی (آپ کے لیے حلال ہے) جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں، یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس طرح بغیر مہر کے خود نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ

کسی مرد کا کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح کر دیں اور عام مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کے لیے تعلیم قرآن کے عوض نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور اس جواب کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ اس عورت نے کہا: میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تو ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو پھر آپ میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں، اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے نفس کے متعلق مشورہ کیا اور نہ یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے کہا کہ آپ میرا اس مرد سے نکاح کر دیں، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت کا کسی مرد سے بغیر مہر کے نکاح کر دیں۔

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کے عوض اس تنگ دست مرد کا اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا، اس پر دلیل یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ جب مہر مجہول پر نکاح کیا جائے تو وہ مہر مجہول ثابت نہیں ہوگا اور یہ نکاح اس نکاح کے حکم میں ہوگا جس میں مہر کا بالکل ذکر نہ کیا گیا ہو۔

مہر کا معلوم ہونا ضروری ہے اور مجہول ہونا جائز نہیں جیسا کہ بیع میں ثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے اور ثمن مجہول جائز نہیں ہے، اسی طرح اجارہ میں اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اجرت کا مجہول ہونا جائز نہیں ہے اور قاعدہ متفقہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی معین سورت کی تعلیم کے لیے درہم کے عوض اجرت پر رکھے اور درہم کی تعداد مقرر نہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، اور اسی طرح اس کو کسی معین شعر کی تعلیم کے لیے درہم کے عوض اجرت پہ رکھے تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اجارات دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں: یا تو اجارہ میں عمل معین ہو مثلاً کہے کہ تم اس معین کپڑے کو دھونا یا معین کپڑے کو سینا تو اس کی اتنی اجرت ہے اور یا اجارہ میں وقت کا تعین ہو اور وقت کی مقدار فریقین کو معلوم ہو اور جب کسی شخص نے کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم کے لیے اجرت پر رکھا تو اس اجارہ میں وقت معلوم ہے اور نہ عمل معلوم ہے، اس شخص نے اس مرد کو صرف اس سورت کی تعلیم کے لیے اجرت پر رکھا ہے اور کبھی کم سورتوں کی یا ایک سورت کی کم آیتوں کی تعلیم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ سورتوں کی تعلیم ہوتی ہے اور کبھی ایک سورت کی زیادہ وقت میں ہوتی ہے، سو اس اجارہ میں عمل معین نہیں ہے اور کبھی یہ تعلیم کم وقت میں ہوتی ہے اور کبھی زیادہ وقت میں ہوتی ہے، سو اس اجارہ میں وقت بھی معین نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم کے عوض اپنا مکان فروخت کیا تو یہ بھی انہی وجوہ سے جائز نہیں ہے اور جب تعلیم قرآن کے عوض منافع کی ملکیت صحیح نہیں ہے اور نہ اعیان اور چیزوں کی ملکیت صحیح ہے تو نظر صحیح اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم قرآن کے عوض فروج کی ملکیت بھی صحیح نہ ہو۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۷۷-۳۷۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ ابن بطال مالکی نے امام طحاوی کی اس عبارت پر اس بحث کو ختم کر دیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۹-۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

''فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ'' کی تفصیلی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: یا رسول اللہ! بے شک اس عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے:

فرفيها رايك۔ پس آپ اس میں اپنی رائے کو دیکھیں۔

اس عبارت میں فاء عطف کے لیے ہے اور ''ر'' رأی یری سے امر کا صیغہ ہے اور اس کا وزن ''ف'' ہے کیونکہ اس کا عین کلمہ اور

لام کلمہ دونوں محذوف ہیں، کیونکہ اس کی اصل ارائی ہے افعل کے وزن پر، لام کلمہ پر جزم ہے کیونکہ امر مجزوم ہوتا ہے، پھر تخفیف کے لیے ''ر'' کی حرکت ہمزہ کی طرف نقل کی، پھر ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی تو اس کو حذف کر دیا گیا، پس ''ف'' کے وزن پر ''ر'' رہ گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۔ بَابُ: الْمَهْرِ بِالْعُرُوضِ وَخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ — سامان اور لوہے کی انگوٹھی کو مہر قرار دینا

عرض کا معنی

علامہ بدرالدین عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

عُروض عَرض کی جمع ہے اور یہ نقد روپے اور کرنسی کے مقابلہ میں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا سامان ہے جس میں نقد نہ ہو اور عُرض (عین پر پیش کا معنی ہے:) جانب اور عِرض (عین پر زیر) کا معنی ہے: کسی انسان کی مدح اور مذمت کی جگہ، اور عُروض پر خاتم من حدید کا عطف ہے اور یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۵۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجْ وَلَوْ بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۸۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۲۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از سفیان از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: ''نکاح کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی کے عوض''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۵۱۴۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۳۔ بَابُ: الشُّرُوطِ فِي النِّكَاحِ — نکاح کی شروط

شرائط نکاح کی اقسام

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقد نکاح میں کئی قسم کی شرائط ہوتی ہیں: ان میں سے بعض شرائط کو پورا کرنا واجب ہے جیسے حسن معاشرت کی شرط اور بعض شرائط وہ ہیں جن کا پورا کرنا لازم نہیں ہے مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ تم اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو اور بعض وہ شرائط ہیں جن میں اختلاف ہے مثلاً عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ مرد اس کے بعد دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۸۔۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عُمَرُ مَقَاطِعُ الْحُقُوقِ عِنْدَ الشُّرُوطِ وَقَالَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ فَأَحْسَنَ قَالَ حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہاں شرط پائی جاتی ہے وہاں حقوق منقطع ہو جاتے ہیں، اور حضرت المسور (بن مخرمہ) رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے سنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد کا ذکر کیا، پھر اس کے داماد ہونے کی تعریف اور تحسین فرمائی، آپ نے فرمایا: اس نے مجھ

سے بات کی تو سچ بولا اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا تو پورا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کی لگائی ہوئی شرط پوری کی جائے گی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ از عبد الرحمن بن غنم روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا، آپ نے اس مرد کے متعلق فیصلہ فرمایا جس نے عورت کے عقد نکاح میں یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر میں رکھے گا، پھر وہ کہیں اور جانا چاہتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ عورت کی شرط کو پورا کیا جائے گا، پس مرد نے کہا: پھر وہ مرد اس عورت کو طلاق دے دے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شرط پائی جانے سے حقوق منقطع ہو جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ عقد نکاح میں جو شرط لگائی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے یعنی جب مرد نے عقد نکاح میں یہ شرط لگائی تھی کہ وہ عورت کو اپنے پاس رکھے گا تو اب وہ کہیں اور نہیں جا سکتا اور نہ اسے عورت کو طلاق دینا ہوگی۔

عقد نکاح میں عورت کی لگائی ہوئی شروط کے متعلق مذاہب فقہاء

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالے گا یا یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ اس عورت کے اوپر دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا کسی باندی کو نہیں رکھے گا یا ایسی دیگر شروط جو مباح ہیں تو اس کے متعلق فقہاء کے حسب ذیل دو قول ہیں:

(۱) اس مرد پر لازم ہے کہ وہ اس شرط کو پورا کرے، امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس نے عقد نکاح میں یہ شرط لگائی کہ وہ عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس عورت کو اپنی شرط پوری کرانے کا حق ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۶۲۴، سنن سعید بن منصور: ۶۶۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۰)

اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ مرد اس عورت کی لگائی ہوئی شرطوں کو پورا کرے اور اس کی مثل طاؤس سے اور جابر بن زید سے بھی مروی ہے اور یہی امام اوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے اور علامہ ابن التین نے اس مذہب کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور الزہری سے بھی نقل کیا ہے اور بعض متاخرین نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۶۱۳، سنن سعید بن منصور: ۶۶۴، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۶۱۷، سنن سعید بن منصور: ۶۶۰)

(۲) شوہر کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور شروط کو پورا کرے اور شوہر کے خلاف کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا جائے، پس اگر شوہر اس پر اصرار کرے کہ وہ ضرور اس گھر کو چھوڑ کر جائے گا تو وہ دوسرے مردوں کی بہ نسبت اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کا زیادہ حق دار ہے۔ عطاء، شعبی، سعید بن المسیب، النخعی، حسن بصری، ابن سیرین، ربیعہ، ابو الزناد اور قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے، اور عطاء نے کہا: جب عورت نے یہ شرط لگائی کہ تم اس کے اوپر کوئی اور نکاح نہیں کرو گے اور تم کوئی باندی نہیں رکھو گے اور تم جہاں بھی جاؤ گے اپنی بیوی کو ساتھ لے کے جاؤ گے تو یہ شرط باطل ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ابن وہب نے اپنی سند کے ساتھ ابن سباق سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یہ شرط لگائی کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو ساقط کر دیا اور فرمایا کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہے گی تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ امام ابوعبید نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے اس مسئلہ میں مختلف روایات منقول ہیں اور اس مسئلہ میں تابعین اور بعد کے فقہاء کا اختلاف ہے، امام اوزاعی نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اول پر عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ عورت کو اپنی شرط پوری کرانے کا حق ہے، اور اللیث نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، اور امام مالک اور سفیان بن سعید نے ان کی موافقت کی ہے۔

حضرت مسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت مسور بن مخرمہ القرشی الزہری ابو عبدالرحمٰن ہجرت کے دو سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے اور آٹھ ذی الحج کو انہیں مدینہ منورہ لایا گیا۔ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں اور ان کو محفوظ رکھا۔ یہ مدینہ منورہ ہی میں رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، پھر یہ مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے حتیٰ کہ الحصین بن نمیر نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے قتال کے لیے مکہ پر حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا اور جب اس نے مکہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت منجنیق کا پتھر ان پر آ کر لگا اور اس وقت یہ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے، سو اس پتھر کی ضرب سے حضرت مسور شہید ہو گئے، یہ ربیع الاول چونسٹھ ہجری کا واقعہ ہے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے الحجون میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

دامادِ رسول حضرت ابوالعاص بن ربیع کا تذکرہ

حضرت ابوالعاص بن الربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ آپ نے اپنی سب سے بڑی صاحب زادی حضرت سیدہ زینت رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کیا تھا۔ ان کے نام میں اختلاف ہے، ان کا زیادہ مشہور نام لقیط ہے اور مہشم اور ھشیم کے بھی اقوال ہیں، ابوالعاص کفار قریش کے ساتھ غزوۂ بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے تھے۔ یہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ قید ہو گئے تھے، پس اہل مکہ نے فدیہ کی رقوم بھیجیں تو ان کے بھائی عمرو بن الربیع وہ مال لے کر آئے جس کو حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید سے چھڑانے کے لیے بھیجا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رشتۂ دامادی کی تعریف اور تحسین فرمائی ہے، حضرت زینب ان کو مکہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں، پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان کی طرف لوٹا دیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۹۔۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۵۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَحَقُّ مَا أَوْفَيْتُمْ مِنَ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ.

(صحیح مسلم: ۱۴۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۲۷، سنن نسائی: ۳۲۸۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر از حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو شروط سب سے زیادہ پوری کی جانے کی حق دار ہیں یہ وہ شروط ہیں جن کے سبب سے تم نکاح کو حلال کرتے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۲۱ میں گزر چکی ہے۔

عقد نکاح میں عورت کی عائدہ کردہ شروط کو پورا کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور حدیث مذکور کا محمل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ائمہ اربعہ اور ان کے موافقین فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ عقد نکاح کی شروط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، اور انہوں نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو استحباب پر محمول کیا ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد حضرت ابو العاص بن الربیع کے متعلق فرمایا کہ جب اس نے مجھ سے بات کی تو سچ بولا اور جب مجھ سے وعدہ کیا تو وعدہ کو پورا کیا، شارحین نے بیان کیا کہ حضرت ابوالعاص بن الربیع اس وجہ سے مدح کے مستحق تھے کہ انہوں نے ازخود تبرع کرتے ہوئے نکاح کی شرائط کو پورا کیا۔

عقد نکاح کی جو شرائط کتاب اللہ کے خلاف ہوں ان کا لازم نہ ہونا اور قرآن مجید کے موافق عمل کرنے کا استحباب

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ ان فقہاء کا قول زیادہ صحیح ہے جنہوں نے عقد نکاح کی شرائط کو باطل قرار دیا اور نکاح کو ثابت رکھا کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہر وہ شرط باطل ہے جو کتاب اللہ میں مذکور نہ ہو خواہ ایسی سو شرطیں ہوں۔ (صحیح البخاری: ۲۷۲۹) پھر آپ نے بیع کو جائز قرار دیا اور شرط کو باطل قرار دیا، لہٰذا عقد نکاح کی جو شرائط کتاب اللہ کے خلاف ہوں تو ایسی شرائط کو باطل کر کے کتاب اللہ کے موافق عمل کرنا چاہیے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے چار بیویوں تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، پس اگر کوئی عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ اس نکاح کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا جائے گا تو اس کی یہ شرط کتاب اللہ کے خلاف ہے، اسی لیے اس شرط کو باطل کرنا چاہیے اور کتاب اللہ پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر عورت نے عقد نکاح میں شرط لگائی کہ اس کا خاوند اس گھر کو چھوڑ کر کسی اور گھر میں جا کر نہیں رہے گا اور اس پر قسم کھالی تو خاوند پر اس شرط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کسی اور گھر میں رہنے کو مباح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اباحت اور اجازت کے خلاف اس عورت کی شرط باطل ہے، لہٰذا اس شرط کو پورا نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی اباحت اور اجازت پر عمل کیا جائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۰-۲۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۴- بَابُ: الشُّرُوطِ الَّتِي لَا تَحِلُّ فِي النِّكَاحِ — جو شرائط عقد نکاح میں جائز نہیں ہیں

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سی شرطیں عقد نکاح میں جائز نہیں ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَا تَشْتَرِطِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی عورت اپنی بہن کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے۔

حدیث مذکور میں اجنبی عورت کو طلاق کی شرط سے منع فرمایا ہے یا بیوی کو

علامہ عینی امام بخاری کی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول موقوف ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی مرفوعاً بھی روایت کی ہے۔

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کوئی اجنبی عورت کسی مرد سے یہ سوال نہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، پھر وہ عورت اس مرد سے نکاح کر لے گی اور اس حدیث میں جو بہن کا لفظ ہے اس سے مراد عام ہے کہ وہ اس کی کوئی

بہن ہو خواہ نسبی بہن ہو، خواہ رضاعی بہن ہو، خواہ دینی بہن ہو اور اس حکم میں کافرہ بھی داخل ہے اگر چہ وہ اس کی دینی بہن نہیں ہے۔

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں بہن سے مراد سوکن ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند سے یہ سوال نہ کرے کہ وہ اس کی سوکن کو طلاق دے دے تا کہ وہ اپنے خاوند کی اکیلی مالک ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۵۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ زَكَرِيَّاءَ هُوَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۱، صحیح مسلم: ۱۰۷۶، سنن ترمذی: ۱۱۳۴، سنن نسائی: ۳۲۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۷، موطا امام مالک ص ۱۶۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از زکریا اور وہ ابن ابی زائدۃ ہیں از سعد بن ابراہیم از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کے لیے اپنی بہن کی طلاق کا سوال کرنا جائز نہیں ہے تا کہ وہ اس کے برتن کو فارغ کرلے اور اس کے لیے وہی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۴۰ میں گزر چکی ہے۔

الصحفہ کا معنی اور وجہ تشبیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ نے الصحفہ کا معنی لکھا ہے: وہ برتن جو بڑے پیالہ کی مثل ہو، انہوں نے کہا: یہ مثال اس وقت بیان کی جاتی ہے جب کوئی شخص دوسرے کے حصے کو اپنے لیے خاص کرلے اور کسی پیالہ میں جو لذیذ طعام ہو اس کو اپنے لیے ترجیح دے، اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے منافع کو اپنے لیے خاص کرلے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر شافعی کی یہ شرح غلط فاحش ہے۔ علامہ ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں الصحفہ سے مراد ایسا بڑا پیالہ ہے جس میں سے پانچ آدمی سیر ہو کر کھا سکیں اور یہ مثال اس وقت بیان کی جاتی ہے جب کوئی شخص اس پیالہ کو اپنے لیے مخصوص کرلے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کے پیالہ کو پلٹ لے اور اس میں جو طعام ہے اس کو اپنے لیے مخصوص کرلے۔

(النہایہ ج ۳ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی التوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں استعارہ تمثیلیہ ہے، نصیب اور بخت کو پیالہ اور اس میں لذیذ چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور پیالہ کے خالی کرنے کو طلاق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، پھر مشبہ کو مشبہ بہ کی جنس میں داخل کیا گیا ہے، ذکر مشبہ یعنی پیالہ کا ہے اور مراد بھی مشبہ ہی ہے لیکن پیالہ کو خالی کرنے کے ذکر سے ذہن مشبہ بہ یعنی طلاق کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰، ص ۲۰۲، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ علامہ الطیبی کی عبارت کو نقل کررہے ہیں حالانکہ ان کی عبارت ہماری شرح کے مخالف نہیں ہے جس کو ہم نے علامہ نووی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مستعان ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ علامہ عینی حنفی نے حافظ ابن حجر کی شرح سے زائد کوئی بات نہیں لکھی، تاہم علامہ عینی کی شرح میں جتنی تفصیل ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں اتنی تفصیل نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے گا، اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: کسی عورت کا اپنی بہن کو طلاق دینے کا سوال کرنا مکروہ ہے لیکن فقہاء کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی ہے کراہت تحریمی نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام مالک، فقہاء احناف اور امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا، انہوں نے کہا ہے کہ اگر کسی مرد نے ایک ہزار روپیہ مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا تو فقہاء احناف کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے اور اگر اس نے ایک ہزار روپیہ مہر میں دے دیا تو فبہا اور اگر نہیں دیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۵- بَابُ: الصُّفْرَةِ لِلْمُتَزَوِّجِ — نکاح کرنے والے کو ابٹن (یا زرد رنگ) لگانا

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی نکاح کرنے والے کے جسم پر زعفران یا زرد رنگ کو ملنا جائز ہے۔

وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل حدیث موصول کی طرف اشارہ کیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت سعد بن ربیع الانصاری کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور حضرت سعد مالدار مرد تھے، پس انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: میں اپنا آدھا مال آپ کو دیتا ہوں اور (اپنی کسی بیوی سے) آپ کی شادی کردیتا ہوں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے آپ میری بازار کی طرف رہنمائی کریں، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بازار سے لوٹے تو وہ کچھ پنیر اور گھی نفع میں حاصل کرچکے تھے، پھر وہ اس مال کو لے کر اپنے گھر آئے، پھر چند دن ٹھہرنے کے بعد یا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ اس حال میں آئے کہ ان پر ابٹن یا زعفران کا رنگ لگا ہوا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اس رنگ کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کرلیا ہے، آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: ایک گٹھلی سونا یا کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، آپ نے فرمایا: "تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے کرو"۔ (صحیح البخاری: ۲۰۴۹)

۵۱۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ كَمْ سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

(صحیح البخاری:۲۰۴۹، صحیح مسلم:۱۴۲۷، مسند احمد:۱۳۳۶۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از حمید الطویل از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ان پر زعفران کے رنگ کا اثر تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کرلیا ہے، آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ گٹھلی کے برابر سونا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے کی توجیہ، زرد رنگ کے لباس کی فضیلت اور اس سے ممانعت کا تنزیہ کے لیے ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حماد بن سلمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے جسم پر زعفران کا رنگ لگا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے جو شادی کے موقع پر پہنے جاتے ہیں ان کے پہننے سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے جسم پر زرد رنگ لگ گیا تھا۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ایک قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جو شخص نکاح کرتا تھا وہ زرد رنگ کے کپڑے پہنتا تھا، اور یہ کپڑے شادی اور خوشی کی علامت ہوتے تھے کیونکہ حماد بن سلمہ کی روایت میں مذکور ہے نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اوپر خوشی کے آثار دیکھے تو ان سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے زرد رنگ کا لباس اس لیے پہنا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور وہ ولیمہ کرنے میں ان کی مدد کریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمام رنگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت رنگ زرد رنگ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ (البقرۃ:۶۹)

بے شک وہ چمک دار زرد رنگ کی گائے ہے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے ۝

پس اللہ تعالیٰ نے خوشی کو زرد رنگ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی زرد رنگ کو پسند فرماتے تھے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ زرد رنگ کا خضاب کیوں لگاتے ہیں اور زرد رنگ کا عمامہ کیوں پہنتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے اور زرد رنگ کا عمامہ باندھتے تھے، جب سے میں بھی زرد رنگ سے محبت کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری:۱۶۶، صحیح مسلم:۱۱۸۷، سنن ابوداؤد:۴۲۷۰، سنن نسائی:۱۱۷)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے زعفران میں رنگے ہوئے کپڑوں کو پہننے سے جو

منع فرمایا ہے وہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ تنزیہ کے لیے ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

زعفران میں رنگے ہوئے کپڑوں کے پہننے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حافظ ابن عبدالبر نے الزہری سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام زرد رنگ لگاتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور ابن سفیان نے کہا: ہمارے اصحاب کے نزدیک کپڑوں کو زرد رنگ میں رنگنا جائز ہے اور جسم پر زرد رنگ لگانا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ مرد کا اپنے کپڑوں اور ڈاڑھی کو زعفران کے ساتھ رنگنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد کو زعفران کے رنگ سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔
میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ المہلب مالکی کی تحقیق ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ولیمہ کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث سے غیر مقلدین نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر وہ مرد جو نکاح کرے اس پر ولیمہ کرنا فرض ہے خواہ وہ کم مال سے ولیمہ کرے، اور ابوسلیمان کا بھی یہی موقف ہے۔ علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ امام شافعی کا بھی یہی ایک قول ہے اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب یہی ہے اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ جو مرد نکاح کرے اس کے لیے ولیمہ کرنا مستحب ہے خواہ وہ ایک بکری سے ولیمہ کرے۔ اور انہوں نے کہا کہ اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نکاح میں ولیمہ کرنا سنت مشروعہ ہے اور اکثر اہل العلم کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے اور امام شافعی کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ ولیمہ کرنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی نے کہا کہ ولیمہ خوشی کے موقع کی دعوت ہے جو خوشی نئی نئی حاصل ہوئی ہو، پس یہ خوشی کے موقع کی دعوت باقی دعوتوں کی طرح مستحب ہے۔

ولیمہ کی مقدار میں متعدد اقوال

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خواہ ایک بکری سے ولیمہ کرو، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک بکری سے ولیمہ کرنا واجب نہیں ہے اور کم مال سے ولیمہ کرنے کی کوئی حد نہیں ہے اور نہ زیادہ مال سے ولیمہ کرنے کی کوئی حد ہے۔
علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ مختلف ولیموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مختلف ہیں اور ولیمہ کرنا خوش حال لوگوں پر ان کی وسعت کے اعتبار سے واجب ہے اور آپ نے جو حضرت عبدالرحمن سے فرمایا: خواہ ایک بکری سے ولیمہ کرو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک بکری سے کم ولیمہ کرنا جائز نہیں ہے، آپ نے ایک بکری کو کم از کم خوش حالی کی غایت قرار دیا ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا ہو کہ جب صحابہ کرام نے ہجرت کی تھی تو وہ ہجرت کے وقت بہت تنگ دست تھے، پھر جب خیبر کی فتح اور دیگر فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں پر خوش حالی آ گئی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بہت عمدہ ولیمہ کیا،

ولیمہ کرنے کے وقت میں متعدد اقوال

متقدمین کا اس میں اختلاف ہے کہ ولیمہ کس وقت مشروع ہے، آیا یہ عقد نکاح کے وقت ہے یا اس کے بعد ہے یا دخول کے وقت ہے یا اس کے بعد ہے یا اس میں عقد نکاح سے لے کر دخول کے وقت تک ولیمہ کرنے کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ فقہاء مالکیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ دخول کے بعد ولیمہ کیا جائے اور فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ عقد نکاح کے وقت ولیمہ کیا جائے اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک عقد نکاح کے وقت ولیمہ کیا جائے اور دخول کے بعد ولیمہ کیا جائے اور دوسرے مقام پر انہوں نے کہا کہ دخول سے پہلے اور دخول کے بعد ولیمہ کرنا جائز ہے۔

علامہ الماوردی الشافعی نے کہا ہے کہ دخول کے وقت ولیمہ کیا جائے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب صبح کی تو آپ نے صحابہ کو کھانے کے لیے بلایا۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد مشروع ہے، اور بعض مالکیہ نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ ولیمہ شب زفاف کے وقت ہو اور لوگوں کا عمل اس پر ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۴۔ ۲۰۳، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ بَابٌ: باب

یہ باب ابواب سابقہ کے ساتھ ملحق ہے اور بمنزلہ فصل ہے۔

۵۱۵۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَوْلَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِزَيْنَبَ فَأَوْسَعَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَخَرَجَ كَمَا يَصْنَعُ إِذَا تَزَوَّجَ فَأَتَى حُجَرَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ يَدْعُو وَيَدْعُونَ لَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ فَرَأَى رَجُلَيْنِ فَرَجَعَ لَا أَدْرِي آخْبَرْتُهُ أَوْ أُخْبِرَ بِخُرُوجِهِمَا.

(صحیح البخاری: ۵۱۶۲، ۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۱۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور اس میں مسلمانوں کو بہت وسعت کے ساتھ کھانا کھلایا، پھر آپ نے اس طرح کیا جس طرح آپ نکاح کے وقت کرتے تھے، پس آپ امہات المومنین کے حجروں میں گئے (اور) دعاء کی اور انہوں نے آپ کو دعا دی، پھر آپ واپس آئے تو آپ نے دیکھا (آپ کے گھر میں) دو مرد بیٹھے ہوئے ہیں، سو آپ واپس چلے گئے، حضرت انس نے کہا: مجھے پتا نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی تھی یا کسی اور نے ان دو مردوں کے گھر سے نکلنے کی خبر دی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی پر یہ اشکال ہے کہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے یعنی "نکاح کرنے والے کو دعا دینا یا زعفران لگانا"۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بخاری کے اکثر نسخوں میں لفظ باب ہے، وہ اگرچہ بغیر عنوان کے ہے لیکن وہ

بمنزلہ فصل ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کا اس حدیث میں ذکر ہے اور اس حدیث میں ابٹن یا زعفران کا ذکر نہیں ہے، اور امام بخاری نے اس باب سے یہ اشارہ کیا ہے کہ نکاح کرنے والے کے لیے ابٹن یا زعفران لگانا جائز ہے اور ہر نکاح کرنے والے کے لیے ابٹن لگانا شرط نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کی یہ عبارت بہت واہی اور ضعیف ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: نکاح کرنے والے کے لیے ابٹن یا زعفران لگانا اور اس حدیث میں ابٹن یا زعفران کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت نہیں ہے، اس کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ حدیث سابق میں آپ نے ولیمہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس حدیث میں آپ کے خود ولیمہ کرنے کا ذکر ہے اور اس سے زیادہ مکمل مناسبت اور کیا ہو سکتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا۔
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۵)

حدیث مذکور کی شرح

آپ نے حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں لوگوں کو روٹیاں اور گوشت کھلایا، پھر آپ اپنی عادت کے مطابق ازواج مطہرات کے حجروں میں گئے اور آپ نے ان میں سے ہر ایک کو سلام کیا، اور ان سب نے آپ کو خیر اور برکت کی دعا دی، پھر آپ ازواج مطہرات کے حجروں سے واپس اپنے گھر میں آ گئے تو آپ نے دیکھا جن لوگوں کو ولیمہ میں بلایا گیا تھا وہ سب کھانا کھا کر چلے گئے اور دو مرد آپ کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے، یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف چلے گئے، آپ واپس آئے تو وہ مرد ابھی بیٹھے ہوئے تھے، پھر جب انہوں نے آپ کو دوبارہ واپس آتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ چلے گئے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۷۔ بَابٌ: كَيْفَ يُدْعَى لِلْمُتَزَوِّجِ

نکاح کرنے والے کو کیسے دعا دی جائے

۵۱۵۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ قَالَ مَا هَذَا قَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

(صحیح البخاری: ۱۵۶۷، ۲۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی وہ ابن زید ہیں از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے اوپر زرد رنگ کا اثر دیکھا، پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک عورت سے گٹھلی کے برابر سونے کے عوض نکاح کیا ہے تو آپ نے دعا دی: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹ میں گزر چکی ہے۔

نکاح کرنے والے کے لیے دعائیہ کلمات کے متعلق احادیث

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بنوجشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے دعا دی: الرفا والبنین ''یعنی تم دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور تم کو اولاد نصیب ہو''۔ تو حضرت عقیل نے کہا: اس طرح نہ کہو لیکن اس طرح دعا دو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی تھی: ''اے اللہ! ان پر برکت نازل فرما''۔

(سنن دارمی: ۲۲۱۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۸، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۹۴۔ ۱۹۳، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۴۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی انسان کو نکاح کی مبارک باد دیتے تو کہتے: ''اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو خیر پر جمع رکھے''۔

(سنن ترمذی: ۱۰۹۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱، سنن دارمی: ۲۲۲۰، صحیح ابن حبان: ۴۰۵۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۳)

اس اعتراض کا جواب کہ اس باب کا عنوان ہے: دلہن کو تیار کرنے والی عورتوں کو دعائے خیر دینا حالانکہ اس باب کی حدیث میں ان عورتوں کے لیے دعا کا ذکر نہیں ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: ظاہر حدیث اس باب کے عنوان کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث میں دلہن کو تیار کرنے والی عورتوں نے دلہن کو دعا دی ہے اور کہا ہے کہ علی الخیر والبرکۃ، نہ کہ اس حدیث میں دلہن کو تیار کرنے والی عورتوں کے لیے دعا کا ذکر ہے۔ علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا ذکر ہے جو ان عورتوں کو ہدایت دے رہی تھیں جو حضرت عائشہ کو دلہن بنا رہی تھی، سو ان عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعا دی اور جو ان کو دلہن بنا رہی تھیں ان کو بھی دعا دی، اور علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دعا ان عورتوں کے ساتھ مخصوص ہو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنا کر پیش کر رہی تھیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے: جو عورتیں دلہن کو پیش کر رہی ہوں خواہ کم ہوں یا زیادہ ہوں اور ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ یہ دعا ان عورتوں کے لیے تھی جو گھر میں حاضر تھیں دلہن کے آنے سے پہلے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۲۹، ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تمام جوابات محض تکلفات ہیں اور اکثر جوابات قانون سے خارج ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۵۸۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلنِّسَاءِ اللَّاتِي يَهْدِينَ الْعَرُوسَ وَلِلْعَرُوسِ

جو عورتیں دلہن کو دولہا کے گھر لے کر آئیں ان کو کس طرح دعا دی جائے اور دلہن کو کس طرح دعا دی جائے

۵۱۵۶۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَتَتْنِي أُمِّي فَأَدْخَلَتْنِي الدَّارَ فَإِذَا نِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي الْبَيْتِ فَقُلْنَ عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، پس میرے پاس میری والدہ آئیں، سو انہوں نے مجھے گھر میں داخل کیا، سو اس وقت

(صحیح البخاری: ۵۱۵۷، ۵۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، ابوداؤد: ۲۱۲۱، ابن ماجہ: ۱۸۷۶) انصار کی عورتیں گھر میں یہ دعائیہ کلمات پڑھ رہی تھیں، تم پر خیر اور برکت نازل ہو اور تمہارا نصیب نیک ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے۔

دولہا کے لیے مبارک باد کے دعائیہ کلمات کے متعلق دیگر احادیث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک دولہا کے پاس گئے تو آپ نے دعا دی: "تم باہم محبت اور خیر کے ساتھ رہو، تمہارا نصیب بابرکت ہو، تمہیں رزق میں کشادگی حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے"۔
(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹۱، مسند الشامیین: ۲۱۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۸۷)

ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے یونس بن یزید کو اپنے نکاح پر دعوت دی تو انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابن شہاب سے سنا کہ وہ اپنے صاحب کے نکاح پر دعائیہ کلمات کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت کرے اور تمہارا نصیب مبارک کرے۔ (الکامل لابن عدی: ۱۰۱۳)

۵۹۔ بَابُ: مَنْ أَحَبَّ الْبِنَاءَ قَبْلَ الْغَزْوِ
جس نے کہا: جہاد میں روانہ ہونے سے پہلے بیوی سے مجامعت کرنا مستحب ہے

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: جس شخص نے ابھی تک اپنی بیوی سے دخول نہ کیا ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ جہاد پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی بیوی سے مجامعت کرے۔

۵۱۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمْ يَبْنِ بِهَا۔
(صحیح مسلم: ۱۷۴۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن المبارک نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان فرمایا: انبیاء سابقین میں سے ایک نبی جہاد میں گئے تو انہوں نے اپنی امت سے کہا: میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ جائے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور وہ اس سے مجامعت کا ارادہ رکھتا ہو اور اس نے ابھی تک اس کے ساتھ مجامعت نہ کی ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۲۴ میں گزر چکی ہے۔

مجاہدین کے درمیان اتفاق اور اتحاد ہونا چاہیے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کا تکملہ یہ ہے: یا جس مرد نے کوئی مکان بنایا ہو اور ابھی تک اس میں رہائش نہ کی ہو۔

اس حدیث کے مسائل یہ ہیں کہ جہاد میں پوری بصیرت کے ساتھ روانہ ہونا چاہیے اور مجاہدین کے درمیان اتفاق اور اتحاد ہونا چاہیے کیونکہ جب ان کے درمیان اتفاق اور اتحاد ہوگا تو فتح اور نصرت حاصل ہوگی۔ اور جب ان کے درمیان اختلاف ہوگا تو شکست

کا خطرہ ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۵۔ ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۰۔ بَابُ: مَنْ بَنَى بِامْرَأَةٍ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ

جس نے بیوی کے ساتھ مجامعت کی اور اس وقت اس کی (بیوی کی) عمر نو سال تھی۔

۵۱۵۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ عَائِشَةَ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۲۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصۃ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروۃ از عروۃ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور ان کے ساتھ مجامعت کی جب ان کی عمر نو سال تھی اور وہ آپ کے ساتھ نو سال رہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنا بے فائدہ ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مرسل ہے اور قریب ہی یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے: ''مرد کا اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کرنا''۔

یہاں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ بتانا ہے کہ جو مرد کسی نابالغ لڑکی سے نکاح کرے تو وہ اس وقت تک اس کے ساتھ مجامعت نہ کرے جب تک کہ اس کی عمر نو سال نہ ہو جائے، اور اگر وہ اس سے کم عمر میں جماع کی طاقت رکھتی ہو تو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے اور اگر نو سال کی عمر ہونے کے بعد بھی جماع کی طاقت نہ رکھے تو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۱۔ بَابُ: الْبِنَاءِ فِي السَّفَرِ

سفر میں (اپنی بیوی کے ساتھ) مجامعت کرنا

۵۱۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثًا يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَأُلْقِيَ فِيهَا مِنَ التَّمْرِ وَالْأَقِطِ وَالسَّمْنِ فَكَانَتْ وَلِيمَتَهُ فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَقَالُوا إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّى لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے خبر دی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن ٹھہرے، آپ نے (وہاں) حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے ساتھ مجامعت کی، پس میں نے صحابہ کو آپ کے ولیمہ کی دعوت دی، پس اس ولیمہ میں روٹیاں اور گوشت نہیں تھا، آپ نے چمڑے کے ٹکڑے کو بچھانے کا حکم دیا، پھر اس میں کھجوریں، پنیر اور گھی لا کر ڈالا گیا، سو یہ آپ کا ولیمہ تھا، صحابہ نے کہا: یا تو (حضرت صفیہ) امہات المومنین میں سے ایک ہیں اور یا آپ کی مملوکہ کنیز ہیں، پھر انہوں نے کہا: اگر آپ نے ان کو حجاب میں رکھا

(صحیح البخاری: ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۵۵۲۸، ۵۹۶۸، ۶۱۸۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹، ۷۳۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۱۰۹۵، سنن نسائی: ۳۳۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۹)

تو یہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر آپ نے ان کو حجاب میں نہیں رکھا تو پھر یہ آپ کی مملوکہ کنیزوں میں سے ہیں، پھر جب آپ روانہ ہوئے تو آپ نے اپنے پیچھے حضرت صفیہ کے لیے جگہ بنائی اور ان کے اور لوگوں کے درمیان حجاب ڈال دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) سفر میں اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کرنا جائز ہے۔

(۲) عالم اور سربراہ ملک کے ساتھ مسافروں کا دو دن یا تین دن قیام کرنا جائز ہے اور یہ امیر سلطنت کا ظلم نہیں ہے کیونکہ تین دن تک ایام سفر ہیں، اور اگر امیر سلطنت مسافروں کو اپنے کسی نجی کام کی وجہ سے تین دن سے زیادہ ٹھہرائے تو یہ اس کا ظلم ہے اور اس پر اس کو گناہ ہوگا۔

(۳) شادی شدہ عورت کے ساتھ سفر میں تین دن تک ٹھہرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۲- بَابُ: الْبِنَاءِ بِالنَّهَارِ بِغَيْرِ مَرْكَبٍ وَلَا نِيرَانٍ

دن میں بیوی کے ساتھ مجامعت کرنا بغیر سواری اور روشنی کے

۵۱۶۰- حَدَّثَنِي فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها قَالَتْ تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَتَتْنِي أُمِّي فَأَدْخَلَتْنِي الدَّارَ فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ضُحًى۔

(صحیح البخاری: ۳۸۹۶، ۵۱۳۳، ۵۱۳۴، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، پس میرے پاس میری والدہ آئیں، سو انہوں نے مجھے گھر میں داخل کیا، پس مجھے اس چیز نے خوف زدہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس چاشت کے وقت تشریف لائے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دن کے وقت جماع کیا ہے، اور یہی امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۰)

۶۳۔ بَابُ: الْأَنْمَاطِ وَنَحْوِهَا لِلنِّسَاءِ

دلہنوں کے لیے غالیچے وغیرہ بچھانا

۵۱۶۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَلِ اتَّخَذْتُمْ أَنْمَاطًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَأَنَّى لَنَا أَنْمَاطٌ قَالَ إِنَّهَا سَتَكُونُ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۲۷۷۴، سنن نسائی: ۳۳۸۶، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن المنکدر نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے غالیچے بنائے ہیں؟'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے غالیچے کہاں سے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''عنقریب ہوں گے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۱ میں گزر چکی ہے۔

انماط کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انماط نمط کی جمع ہے، یہ بستر کے اوپر کی قیمتی چادر ہے، اس کو غالیچہ اور سوزنی کہا جاتا ہے، علامہ نووی نے کہا ہے: اس کو پالان پر بچھایا جاتا ہے اور کبھی اس کا پردہ لٹکایا جاتا ہے اور اس کا معنی طریقہ بھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں نبی ﷺ کے علم غیب کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: عنقریب تمہیں غالیچے حاصل ہوں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۴۔ بَابُ: النِّسْوَةِ اللَّاتِي يَهْدِينَ الْمَرْأَةَ إِلَى زَوْجِهَا

وہ عورتیں جو دلہن کو اس کے دولہا کے سامنے پیش کریں

۵۱۶۲۔ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا زَفَّتْ امْرَأَةً إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ۔

(الجمع بین الصحیحین: ۳۴۳۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الفضل بن یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سابق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کو انصار کے ایک مرد کے سامنے پیش کیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لہو (دف) نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

شادی وغیرہ کی تقریب میں آلات موسیقی وغیرہ بجانے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولیمہ نکاح میں لہو کے ساتھ شغل جائز ہے اور لہو سے مراد ہے: دف یا اس کے مشابہ آلات موسیقی کو

بجانا جب تک کہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ہو، اور ولیمہ نکاح کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے تا کہ نکاح ظاہر ہو جائے اور مشہور ہو جائے اور اس کے حقوق سب کو معلوم ہو جائیں۔

امام مالک نے کہا ہے کہ دف اور دیگر آلات موسیقی کو ولیمہ میں بجانا جائز ہے کیونکہ میری رائے یہ ہے کہ اس میں تخفیف ہے اور اگر اس میں منہ سے بجانے والا ساز ہو یعنی مزامیر ہو تو میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔

اصبغ نے کہا ہے: شادی کی تقریب ہو یا کوئی اور موقع ہو اس میں گیت گانا جائز نہیں ہے مگر جتنی مقدار میں انصار کی عورتوں نے گیت گایا تھا یا خفیف رجز ہو، اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ''باب ولیمہ'' میں بیان کروں گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

٦٥۔ بَابُ: الْهَدِيَّةِ لِلْعَرُوسِ — دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنا

دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنے کا وقت

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: دخول کی رات کی صبح کو دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنا تا کہ دولہا اس ہدیہ کا ولیمہ کر سکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۲)

۵۱۶۳۔ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ وَاسْمُهُ الْجَعْدُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَرَّ بِنَا فِي مَسْجِدِ بَنِي رِفَاعَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا مَرَّ بِجَنَبَاتِ أُمِّ سُلَيْمٍ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عَرُوسًا بِزَيْنَبَ فَقَالَتْ لِي أُمُّ سُلَيْمٍ لَوْ أَهْدَيْنَا لِرَسُولِ اللهِ ﷺ هَدِيَّةً فَقُلْتُ لَهَا افْعَلِي فَعَمَدَتْ إِلَى تَمْرٍ وَسَمْنٍ وَأَقِطٍ فَاتَّخَذَتْ حَيْسَةً فِي بُرْمَةٍ فَأَرْسَلَتْ بِهَا مَعِي إِلَيْهِ فَانْطَلَقْتُ بِهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لِي ضَعْهَا ثُمَّ أَمَرَنِي فَقَالَ ادْعُ لِي رِجَالًا سَمَّاهُمْ وَادْعُ لِي مَنْ لَقِيتَ قَالَ فَفَعَلْتُ الَّذِي أَمَرَنِي فَرَجَعْتُ فَإِذَا الْبَيْتُ غَاصٌّ بِأَهْلِهِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى تِلْكَ الْحَيْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِهَا مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُو عَشَرَةً عَشَرَةً يَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَقُولُ لَهُمُ اذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيهِ قَالَ حَتَّى تَصَدَّعُوا كُلُّهُمْ عَنْهَا فَخَرَجَ مِنْهُمْ مَنْ خَرَجَ وَبَقِيَ نَفَرٌ يَتَحَدَّثُونَ قَالَ وَجَعَلْتُ أَغْتَمُّ ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ نَحْوَ الْحُجُرَاتِ وَخَرَجْتُ فِي إِثْرِهِ

..........اور ابراہیم نے کہا از ابی عثمان اور ان کا نام الجعد ہے از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: (ابو عثمان الجعد نے کہا:) ہمارے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ مسجد بنو رفاعہ کے پاس سے گزرے، سو میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے صحن کے پاس سے گزرتے، تو آپ انہیں سلام کرتے، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ اس وقت حضرت زینب کے دولہا تھے، پس مجھ سے حضرت ام سلیم نے کہا: اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے کوئی ہدیہ بھیجیں؟ تو میں نے ان سے کہا: آپ بھیجئے، پس انہوں نے کھجوروں اور گھی اور پنیر کو اکٹھا کیا، پس انہوں نے اس کو ایک دیگچی میں ڈال کر حلوہ بنایا، پھر اس کو میرے ساتھ نبی ﷺ کے لیے بھیجا، میں اس حلوہ کو لے کر نبی ﷺ تک پہنچا، آپ نے فرمایا: تم اس کو رکھ دو، پھر مجھے حکم دیا کہ میرے لیے لوگوں کو بلاؤ: آپ نے ان لوگوں کا نام بھی لیا اور جو لوگ بھی تم کو ملیں ان کو بلاؤ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا، پس میں نے اس طرح کیا جس طرح آپ نے مجھے بتایا تھا، سو میں واپس آیا تو اس وقت آپ کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا پس میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے اپنے

فَقُلْتُ إِنَّهُمْ قَدْ ذَهَبُوا فَرَجَعَ فَدَخَلَ الْبَيْتَ وَأَرْخَى السِّتْرَ وَإِنِّي لَفِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (الاحزاب:۵۳) قَالَ أَبُو عُثْمَانَ قَالَ أَنَسٌ إِنَّهُ خَدَمَ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَشْرَ سِنِينَ

(صحیح البخاری:۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم:۱۴۲۸، الجمع بین الصحیحین: ۱۸۵۳)

دونوں ہاتھ اس حلوے پر رکھے اور اس پر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے دعائیہ کلمات پڑھے، پھر آپ دس دس صحابہ کو بلاتے تھے، پھر وہ اس حلوہ سے کھاتے تھے اور آپ ان سے فرماتے تھے: بسم اللہ پڑھو اور ہر مرد اپنے سامنے سے کھائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا حتیٰ کہ تمام لوگ متفرق ہو گئے اور ان میں سے وہ (باہر) نکل گئے جو نکل گئے اور کچھ لوگ (گھر میں) بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ حضرت انس نے بتایا: میں (ان کے نہ نکلنے کی وجہ سے) مغموم ہو گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف نکلے اور میں بھی آپ کے پیچھے نکلا، میں نے بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس آئے اور گھر میں داخل ہو گئے اور پردہ لٹکا دیا اور ابھی میں حجرہ کے اندر تھا تو آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا۔ (الاحزاب: ۵۳) ابوعثمان نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

ابراہیم بن طہمان کی تعلیق کی شرح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق از ابراہیم بن طہمان از ابی عثمان مروی ہے اور ابراہیم بن طہمان اس تعلیق کی ابوعثمان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور مجھے اس تعلیق کی سند موصول سے روایت نہیں ملی مگر مجھ سے بعض شارحین نے ملاقات کی اور ان کا یہ زعم تھا کہ امام نسائی نے اس تعلیق کی از احمد بن حفص بن عبداللہ بن راشد از والد خود روایت کی ہے اور میں اب تک اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا۔

(فتح الباری ج۶ ص ۳۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کا علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اگر حافظ ابن حجر کی ان شارحین سے مراد صاحب التلویح ہیں تو حافظ ابن حجر کی ان سے ملاقات نہیں

ہوئی کیونکہ صاحب التلویح ۷۶۲ ھ میں فوت ہو چکے تھے اور حافظ ابن حجر اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر حافظ ابن حجر کی ان شارحین سے مراد صاحب التوضیح ہیں یعنی علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ تو وہ اپنے شیخ صاحب التلویح کے تابع ہیں اور اگر حافظ ابن حجر کی ان شارحین سے مراد علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ ہیں تو وہ مصر میں بالکل داخل نہیں ہوئے، علاوہ ازیں علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے اپنی شرح الکواکب الداری میں یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ تعلیق امام نسائی متوفی ۳۰۳ ھ نے سند موصول سے روایت کی ہے اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا کیونکہ ان کا اس روایت پر مطلع نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے بھی اس روایت پر مطلع نہ ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں علامہ عینی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ مصر میں بالکل داخل نہیں ہوئے کیونکہ علامہ کرمانی نے اپنی شرح کے خطبہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح البخاری کا سماع الجامع الازہر القاہرہ مصر میں کیا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۶۔ ۲۹۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ جواب نہایت قوی ہے اور شاید علامہ عینی حنفی کو یہ علم نہیں تھا کہ علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ کرمان سے صحیح البخاری کے سماع کے لیے مصر آئے تھے، ورنہ وہ یہ غلط بات نہ لکھتے، تاہم علامہ عینی کا حافظ ابن حجر پر یہ قرض باقی ہے کہ علامہ کرمانی نے اپنی شرح میں یہ ذکر نہیں کیا امام نسائی نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور علامہ عینی کا یہ اعتراض بھی باقی ہے کہ حافظ ابن حجر کا امام نسائی کی روایت پر مطلع نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے بھی امام نسائی کی اس روایت پر مطلع نہ ہوں۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کے مسائل دقیقہ اور نکات لطیفہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے درج ذیل فوائد حدیث مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) یہ حدیث دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنے کی اصل ہے، زمانہ قدیم میں بھی دولہا کے لیے ہدایا (تحائف) بھیجنے کا رواج تھا۔

(۲) جو ہدیہ آپ کے لیے بھیجا گیا تھا اس کی مقدار کم تھی، اس سے معلوم ہوا کم مقدار میں ہدیہ بھیجنا بھی جائز ہے۔

(۳) اس حدیث میں ولیمہ کا ثبوت ہے، ابن العربی نے کہا: یہ ولیمہ دخول کے بعد تھا اور امام بیہقی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ولیمہ کے بعد دخول کیا تھا۔

(۴) لوگوں کو بغیر تکلف کے ولیمہ کی دعوت دینا اور یہی سنت ہے۔

(۵) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزہ کا ذکر ہے کیونکہ وہ تھوڑا سا طعام تھا جو کثیر التعداد صحابہ کے لیے کافی ہو گیا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم خلق اور آپ کا لطف اور آپ کی طبعی حیاء، آپ کو کھانے والوں کا زیادہ دیر بیٹھے رہنا ناگوار تھا اس لیے آپ بار بار گھر میں داخل ہوتے اور واپس آ جاتے لیکن آپ نے زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ چلے جاؤ۔

(۷) دوستوں کی ایذاء پر صبر کرنا کیونکہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے آپ کو تکلیف ہوئی جس پر آپ نے صبر کیا۔

(۸) کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا مستحب ہونا۔

(۹) سنت یہ ہے کہ انسان سامنے سے کھائے۔

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیونکہ ان لوگوں کے زیادہ دیر بیٹھنے سے وہ غم گین ہوئے۔

(۱۱) جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر بیس سال تھی اور جب حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو دو یا ایک سو تین سال تھی اور وہ بیانوے یا تیرانوے ہجری میں فوت ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۔ بَابُ: اسْتِعَارَةِ الثِّيَابِ لِلْعَرُوسِ وَغَيْرِهَا

دلہن کے لیے عاریۃً کپڑے وغیرہ لینا

۵۱۶۴۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَاسًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي طَلَبِهَا فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ فَلَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم شَكَوْا ذٰلِكَ إِلَيْهِ فَنَزَلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ جَزَاكِ اللهُ خَيْرًا فَوَاللهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَجُعِلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا، سو وہ گم ہو گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا، پھر انہوں نے نماز کا وقت پالیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، پس جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، پھر تیمم کی آیت نازل ہوگئی تو اسید بن حضیر نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے، پس اللہ کی قسم! جب بھی آپ پر مصیبت آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس مصیبت سے کشادگی کر دی اور مسلمانوں کے لیے اس مصیبت کو برکت بنا دیا گیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے باب کے عنوان پر معنوی استدلال کیا ہے کیونکہ جس طرح ہار زینت کے لیے پہنا جاتا ہے اسی طرح کپڑے بھی زینت کے لیے پہنے جاتے ہیں اور یہ زینت عام ہے خواہ شادی سے پہلے ہو یا شادی کے بعد ہو اور اس طرح یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ عینی حنفی کا علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: دلہن کا عاریۃً کپڑے لینا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا تھا کپڑے نہیں لیے تھے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہار لیا تھا اس وقت وہ دلہن

نہیں تھیں اور حافظ ابن حجر نے اس کی جو توجیہ کی ہے وہ بہت بعید ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ عینی حنفی کے اس اعتراض کا انتقاض الاعتراض میں کوئی جواب نہیں دیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

٦٧ - بَابٌ: مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ

جب مرد اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا کہے

۵۱۶۵ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ يَقُولُ حِينَ يَأْتِي أَهْلَهُ بِاسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ثُمَّ قُدِّرَ بَيْنَهُمَا فِي ذٰلِكَ أَوْ قُضِيَ وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴، سنن ترمذی: ۱۰۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مرد جب اپنی بیوی کے پاس جائے تو کہے: اللہ کے نام کی برکت سے، اے اللہ! مجھے شیطان سے محفوظ رکھ اور تو ہم کو جو اولاد عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ، پھر اس عمل کے نتیجہ میں ان کے درمیان جو مقدر کیا جائے گا یا جس اولاد کا فیصلہ کیا جائے گا اس کو شیطان کبھی بھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱ میں گزر چکی ہے۔

مجامعت کے وقت کی دعا سے انسان کے شیطان کے ضرر سے محفوظ رہنے کی دو تفسیریں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ دعا بلاؤں کو ٹال دیتی ہے اور دعا کی وجہ سے انسان شیطان کے گمراہ کرنے اور اس کی ایذاء سے محفوظ رہتا ہے۔

امام طبرانی نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے جماع کے وقت یہ دعا کرے گا اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرے گا تو ہمیں امید ہے کہ زوجین کے درمیان دائمی الفت رہے گی۔

علامہ المہلب نے کہا ہے: اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس دعا کی وجہ سے شیطان کے کس ضرر سے مرد محفوظ رہتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس بچہ کی کوکھ میں انگلی چبھوتا ہے اور اس دعا کی وجہ سے بچہ شیطان کے اس ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس دعا کی وجہ سے اس بچہ پر مرگی کا دورہ نہیں پڑتا۔

علامہ المہلب مالکی کی باطل نکتہ آفرینی

علامہ المہلب نے کہا: اگر کوئی شخص شیطان کے ضرر سے محفوظ رہتا تو نبی ﷺ شیاطین کے ضرر سے محفوظ رہتے، حالانکہ شیطان نماز میں بھی آپ کے درپے آزار ہوا اور اس نے آپ کی قراءت میں خلل ڈالا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ المہلب مالکی کی باطل نکتہ آفرینیوں پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: علامہ المہلب مالکی کی یہ دونوں نکتہ آفرینیاں باطل ہیں۔ نماز میں جب شیطان آپ پر حملہ آور ہوا تھا تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوا کیونکہ آپ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ میں شیطان کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں اور تم سب صبح کو اٹھو تو شیطان کو بندھا ہوا دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ (ص: ۳۵) (پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا) روح نے کہا: اللہ تعالیٰ نے شیطان کو نا کام اور نامراد لوٹا دیا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۱)

سو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ شیطان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکا، اور علامہ المہلب مالکی نے دوسری نکتہ آفرینی یہ کی ہے کہ شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت میں خلل ڈالا، سو یہ نکتہ آفرینی بھی باطل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت میں خلل ڈالنے کی حدیث کو امام بزار نے از کلبی ابو صالح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے روایت کیا۔ (کشف الاستار ج ۲ ص ۷۲)

علامہ عینی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قاضی خان اور ابن عربی نے اس روایت کو ترک کر دیا کیونکہ اس روایت کے مطابق شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کلمات جاری کرا دیئے: یہ مرغان بلند بانگ (یعنی کفار کے بت)، ان کی شفاعت متوقع ہے، اور یہ کلمات کفریہ ہیں اور کلمات کفریہ کے جاری ہونے سے آپ کی زبان کی عصمت، نزاہت اور براءت پر دلائل کثیرہ ہیں اور آپ کی عصمت پر امت کا اجماع ہے اور آپ اس چیز سے بری ہیں کہ آپ کے قلب اور زبان پر اس قسم کی کوئی چیز جاری ہو یا شیطان کا آپ پر تسلط ہو یا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات کی عمداً یا سہواً نسبت کریں۔ یہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے محال ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے یہ امر مخفی نہ رہتا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۶۶ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت میں خلل نہیں ڈال سکا اور آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکا۔ اللہ تعالیٰ علامہ المہلب مالکی کو معاف فرمائے ان کو یہ باطل نکتہ آفرینی نہیں کرنی چاہیے تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شیطان کے ضرر سے محفوظ نہیں رہ سکے، سو یہ ان کی سنگین جرأت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۸۔ بَابُ: الْوَلِيمَةُ حَقٌّ — ولیمہ برحق ہے

ولیمہ کی تقریب کے متعلق احادیث

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں برحق کا لفظ نہیں ہے، البتہ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلے روز ولیمہ حق ہے اور دوسرے روز ولیمہ معروف ہے اور تیسرے روز ولیمہ دکھاوا ہے اور ستانا ہے"۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۶۱۔ ۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۵، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۵)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ولیمہ حق اور سنت ہے، پس جس کو بلایا گیا اور وہ نہیں آیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، ہاں! بچہ کی ولادت کی دعوت میں اور ختنہ کی تقریب میں جانے کا تمہیں

اختیار ہے یا مکان بنانے کی تقریب میں جانے کا بھی تمہیں اختیار ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۴ ص ۱۹۳، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۲)

اور حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! نکاح میں ولیمہ کرنا ضروری ہے"۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹، عمل الیوم واللیلۃ: ۲۴۹، شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۳۰۱۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۵۳، تاریخ دمشق ج ۳۶ ص ۴۳۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "سب سے برا طعام اس ولیمہ کا طعام ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی جائے اور مساکین کو چھوڑ دیا جائے، سو جو ولیمہ کی دعوت میں نہیں آیا اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی"۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۲، سنن ابو داؤد: ۳۷۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۳، مسند احمد: ۷۲۸۳)

ان احادیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ ولیمہ کرنا واجب ہے اور غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ولیمہ کرنا واجب ہے۔ اس کی مفصل بحث صحیح البخاری: ۵۱۵۳ کی شرح میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے"۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: اس تعلیق کے متعلق حدیث موصول صحیح البخاری: ۲۰۴۸ میں مذکور ہے۔ اور اس حدیث میں ولیمہ کرنے کا امر استحباب کے لیے ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے ہے، اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ ولیمہ واجب ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل سے مروی ہے اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۶۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ مَقْدَمَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِينَةَ فَكَانَ أُمَّهَاتِي يُوَاظِبْنَنِي عَلَى خِدْمَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَخَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِينَ وَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا ابْنُ عِشْرِينَ سَنَةً فَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ وَكَانَ أَوَّلَ مَا أُنْزِلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِيَ رَهْطٌ مِنْهُمْ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَطَالُوا الْمُكْثَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ لِكَيْ يَخْرُجُوا فَمَشَى النَّبِيُّ ﷺ وَمَشَيْتُ حَتَّى جَاءَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے اس وقت ان (حضرت انس) کی عمر دس سال تھی اور میری ماں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے ہمیشہ کہتی تھیں، سو میں نے دس سال آپ کی خدمت کی اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر بیس سال تھی اور نزول حجاب کے متعلق مجھے تمام لوگوں سے زیادہ علم ہے اور یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ رات گزاری تھی۔ اس شب کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دولہا تھے، سو آپ نے لوگوں کو کھانے کے لیے بلایا، سو انہوں نے کھانا کھایا، پھر وہ لوگ چلے گئے اور ان میں سے لوگوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی رہی اور ان کا بیٹھنا کافی طویل ہو گیا، پس

مَعَهُ حَتَّى إِذَا دَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَقُومُوا فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَهُ بِالسِّتْرِ وَأُنْزِلَ الْحِجَابُ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۸)

نبی ﷺ باہر نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ باہر نکلا تا کہ وہ لوگ بھی نکل جائیں، پس نبی ﷺ پیدل گئے اور میں بھی پیدل گیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر آئے، پھر آپ نے گمان کیا اب وہ لوگ چلے گئے ہیں، سو آپ لوٹے اور میں بھی آپ کے ساتھ لوٹا حتیٰ کہ جب آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پہنچے تو ابھی تک وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اٹھے نہیں تھے، پس نبی ﷺ واپس چلے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس چلا گیا حتیٰ کہ جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر پہنچے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ وہ لوگ باہر نکلے گئے ہیں تو آپ واپس آ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس گیا، پس اس وقت وہ لوگ باہر نکل گئے تھے، پھر نبی ﷺ نے اپنے اور میرے درمیان حجاب ڈال دیا، اس وقت پردے کا حکم نازل ہو گیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

ولیمہ کا استحباب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولیمہ مستحب ہے اور سنت ہے اور میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے ولیمہ کو فرض قرار دیا ہو اور انسان اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کرے اور صحیح البخاری: ۵۱۶۷ میں مذکور ہے کہ ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ اور دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب کے ولیمہ میں لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹیاں اور گوشت کھلایا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۹۔ بَابُ: الْوَلِيمَةِ وَلَوْ بِشَاةٍ

ولیمہ خواہ ایک بکری سے

۵۱۶۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ سَأَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَتَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ كَمْ أَصْدَقْتَهَا قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَعَنْ حُمَيْدٍ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ نَزَلَ الْمُهَاجِرُونَ عَلَى الْأَنْصَارِ فَنَزَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ عَلَى سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ أُقَاسِمُكَ مَالِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور وہ انصار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کر چکے تھے، آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کتنا مہر دیا، انہوں نے بتایا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، اور حمید بیان کرتے ہیں کہ

وَأَنْزِلُ لَكَ عَنْ إِحْدَى امْرَأَتَيَّ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ فَخَرَجَ إِلَى السُّوقِ فَبَاعَ وَاشْتَرَى فَأَصَابَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ فَتَزَوَّجَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

(صحیح البخاری: ۲۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹)

انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو مہاجرین انصار کے ہاں ٹھہرے، پس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن الربیع کے گھر ٹھہرے، پس انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: میں اپنا آدھا مال تقسیم کر کے آپ کو دیتا ہوں اور آپ کی خاطر میں اپنی ایک عورت کو طلاق دیتا ہوں، حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری بیوی کو اور تمہارے مال کو برکت دے، پھر حضرت عبدالرحمٰن بازار کی طرف نکل گئے، پس انہوں نے کچھ فروخت کیا کچھ خریدا تو انہوں نے تھوڑا پنیر اور تھوڑا گھی خریدا، پھر انہوں نے نکاح کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۶۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ أَوْلَمَ بِشَاةٍ

(صحیح البخاری: ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں کسی کا اتنا ولیمہ نہیں کیا جتنا حضرت زینب کا ولیمہ کیا تھا، آپ نے ایک بکری سے ان کا ولیمہ کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۶۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۵۴۲۸، ۵۹۶۸، ۶۱۸۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹، ۷۳۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی ۱۰۹۵، سنن نسائی: ۵۴۴۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از شعیب از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا اور حیس (ایک قسم کا ملیدہ) کے ساتھ ان کا ولیمہ کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۷۰۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ بَيَانٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ بَنَى النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَأَةٍ فَأَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا إِلَى الطَّعَامِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱،

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از بیان، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ساتھ شب زفاف گزاری

پھر مجھے بھیجا تو میں نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔

۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۲۱)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

مرد کی حیثیت کے مطابق ولیمہ کا مشروع ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان ولیموں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال مختلف ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی حیثیت کے مطابق ولیمہ مشروع ہے اور آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا تھا کہ تم بکری سے ولیمہ کرو، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ایک بکری سے کم کا ولیمہ جائز نہیں ہے۔ کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کا ولیمہ حیس سے کیا یعنی پنیر، کھجور اور گھی کے ملیدہ سے اور اس میں روٹی اور گوشت نہیں تھا اور آپ نے دوسری ازواج کا ولیمہ ایک کلوگرام جو سے کیا اور اگر آپ کو اس وقت بکری میسر ہوتی تو آپ اس پوری بکری کے ساتھ ولیمہ کرتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ جواد اور کریم تھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۔ بَابُ: مَنْ أَوْلَمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ أَكْثَرَ مِنْ بَعْضٍ

جس شخص نے اپنی بعض بیویوں کا دوسری بیویوں سے زیادہ ولیمہ کیا

۵۱۷۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ ذُكِرَ تَزْوِيجُ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عِنْدَ أَنَسٍ فَقَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَوْلَمَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَيْهَا أَوْلَمَ بِشَاةٍ۔

(صحیح البخاری: ۴۷۹۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۱۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت، انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کا اتنا زیادہ ولیمہ کیا ہو جتنا ان کے نکاح کا ولیمہ کیا تھا، آپ نے ان کا ایک بکری کے ساتھ ولیمہ کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

ولیمہ میں زیادہ خرچ کا اسراف نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص ولیمہ میں زیادہ خرچ کرے تو یہ افضل ہے کیونکہ یہ زیادہ اعلان ہے اور اہل اور مال میں زیادہ برکت کی دعا حاصل کرنا ہے۔ اور جو شخص صاحب حیثیت ہو اس کے لیے ولیمہ میں زیادہ مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے، اسراف یہ ہے کہ انسان نمود و نمائش کے لیے حد سے زیادہ خرچ کرے اور یہ صرف ولیمہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جمعہ، عیدین اور دیگر امور میں بھی نمود و نمائش کے لیے حد سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۱۔ بَابُ: مَنْ أَوْلَمَ بِأَقَلَّ مِنْ شَاةٍ

جس نے ایک بکری سے کم کا ولیمہ کیا

۵۱۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَوْلَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور بن صفیہ از مادر خود صفیہ بنت شیبہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کا ولیمہ دو مد جو سے کیا۔

(الجمع بین الصحیحین، ۳۵۶۴، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۳)

ولیمہ کی کم از کم مقدار کا معین نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ولیمہ کی مقدار کا مدار انسان کی حیثیت پر ہے اور اس سے کم مقدار کی کوئی حد نہیں ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ولیمہ فرض نہیں ہے کیونکہ فرض کی مقدار اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے معین ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کم مقدار کا ولیمہ کیا جائے پھر بھی جن کو مدعو کیا گیا ہے انہیں اس میں حاضر ہونا چاہیے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۲۔ بَابُ: حَقِّ إِجَابَةِ الْوَلِيمَةِ وَالدَّعْوَةِ وَمَنْ أَوْلَمَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَنَحْوَهُ وَلَمْ يُوَقِّتِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا وَلَا يَوْمَيْنِ

ولیمہ اور عام دعوت کو قبول کرنا واجب ہے اور جس نے سات دن یا اس کی مثل ولیمہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یا دو دن کا تعین نہیں کیا

ولیمہ کو قبول کرنے کے متعلق حدیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے ولیمہ کے بعد دعوت کا ذکر کیا ہے اور یہ عام کا عطف خاص پر ہے کیونکہ ولیمہ خاص نکاح کے کھانے کو کہتے ہیں۔ اور ولیمہ کو قبول کرنے کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ میں مدعو کیا جائے تو وہ وہاں پر جائے''۔ اور دوسری روایت میں ہے: ''جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے خواہ وہ شادی کی دعوت ہو یا کوئی اور ہو''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۴)

سات دن تک ولیمہ کرنے کے متعلق احادیث

امام بخاری نے سات دن یا اس سے زیادہ دنوں تک ولیمہ کا ذکر کیا ہے اور اس پر کسی حدیث کو پیش نہیں کیا ہے، گویا انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ تیسرے دن ولیمہ نہیں کرنا چاہیے اور امام بخاری نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اگر سات دن تک بھی دعوت دی جائے تو اس کو قبول کیا جائے۔

''صاحب تلویح'' نے کہا ہے کہ امام بیہقی نے سند صحیح سے یہ روایت کی ہے کہ سیرین نے مدینہ میں نکاح کیا، پس ولیمہ کیا اور

سات دن تک لوگوں کو دعوت دی۔ جن لوگوں کو انہوں نے دعوت دی تھی ان میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ اس دن روزہ دار تھے اور انہوں نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور واپس چلے گئے۔ اور معمر نے ایوب سے روایت کی ہے اس میں آٹھ دن کا ذکر ہے اور پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی حفصہ بنت سیرین سے روایت کی ہے کہ جب میرے والد نے نکاح کیا تو صحابہ کو سات دن تک دعوت دی، پس جب انصار کی دعوت کا دن تھا تو انہوں نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت وغیرہما کو دعوت دی، پس میرے والد روزہ دار تھے، پس جب صحابہ نے کھانا کھالیا تو میرے والد نے دعا کی اور ان کی تحسین کی۔

ولیمہ کا ایک دن معین نہ ہونے کی تحقیق

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے لیے ایک دن یا دو دن کو معین نہیں کیا یعنی ایک دن یا دو دن کو ولیمہ کے وجوب یا استحباب کے لیے معین نہیں فرمایا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں تصریح ہے:

بنو ثقیف کے ایک مرد نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے دن ولیمہ برحق ہے، دوسرے دن معروف ہے اور تیسرے دن دکھاوا اور سنانا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۴۵)

اور جب اس حدیث میں یہ تصریح ہے تو پھر امام بخاری کا یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے لیے ایک دن یا دو دنوں کو معین نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ثقیف کے جس مرد سے یہ حدیث مروی ہے اس کا نام زہیر ہے، اس کے متعلق امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کا صحابی ہونا معروف نہیں ہے۔

(التاریخ الکبیر: ۱۴۱۲) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۳۔۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی شخص کو ولیمہ پر بلایا جائے تو وہاں جائے“۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۹، صحیح مسلم: ۱۴۲۹، سنن ترمذی: ۱۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۴، مسند احمد: ۴۹۴۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۷۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے منصور نے حدیث بیان کی از ابی وائل از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ”قیدیوں کو چھڑاؤ اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو اور مریض کی عیادت کرو“۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۴۶ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۷۵۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَشْعَثِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از

الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رضی الله عنهما أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجِنَازَةِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِبْرَارِ الْقَسَمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمِ الذَّهَبِ وَعَنْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَعَنِ الْمَيَاثِرِ وَالْقَسِّيَّةِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيبَاجِ تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَالشَّيْبَانِيُّ عَنْ أَشْعَثَ فِي إِفْشَاءِ السَّلَامِ

(صحیح البخاری: ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۱۷۶۰، سنن نسائی: ۱۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۵)

الاشعث از معاویہ بن سوید، انہوں نے کہا: حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: ہمیں نبی ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا: (۱) ہمیں مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا (۲) جنازہ کے پیچھے جانے کا حکم دیا (۳) چھینک لینے والے کی حمد کا جواب دینے کا حکم دیا (۴) قسم پوری کرنے کا حکم دیا (۵) مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا (۶) سلام کو پھیلانے کا حکم دیا (۷) دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا (۱) اور ہم کو سونے کی انگوٹھیوں سے منع فرمایا (۲) چاندی کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا (۳) میاثر سے منع فرمایا (۴) قسیہ سے منع فرمایا (۵) استبرق سے منع فرمایا (۶) اور دیباج سے منع فرمایا۔ (یہ سب ریشم کے کپڑوں کے اسماء ہیں) ابوالاحوص کی متابعت ابوعوانہ اور شیبانی نے کی ہے از اشعث سلام کو پھیلانے میں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۲۳۹ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں چھ ممنوعہ چیزوں کا ذکر ہے حالانکہ حدیث میں سات ممنوعہ چیزوں کا بیان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ساتویں چیز الحریر ہے، اس کی تصریح ''کتاب اللباس'' میں ہے اور یہ بھی ریشم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَعَا أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي عُرْسِهِ وَكَانَتِ امْرَأَتُهُ يَوْمَئِذٍ خَادِمَهُمْ وَهِيَ الْعَرُوسُ قَالَ سَهْلٌ تَدْرُونَ مَا سَقَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْقَعَتْ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا أَكَلَ سَقَتْهُ إِيَّاهُ

(صحیح البخاری: ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ ۱۹۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بتایا کہ ابواسید الساعدی نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نکاح میں بلایا اور ان کی بیوی اس دن مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی حالانکہ وہ دلہن تھی، حضرت سہل نے کہا: (کیا) تم جانتے ہو کہ ان کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کو کیا پلایا تھا؟ اس نے آپ کے لیے رات کو چند کھجوریں پانی میں بھگو رکھی تھیں، جب آپ کھانا کھا چکے تو انہوں نے آپ کو وہ پانی پلایا (یعنی نبیذ تمر)۔

ولیمہ اور دوسری دعوتوں کو قبول کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولیمہ کو قبول کرنا واجب ہے اور دوسری دعوات میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ

اوران کے اصحاب نے کہا ہے کہ نکاح کے ولیمہ میں جانا واجب ہے اور دوسری دعوتوں میں جانا واجب نہیں ہے، امام شافعی نے کہا ہے کہ نکاح کے ولیمہ میں جانا واجب ہے اور میں دوسری دعوتوں کو ترک کرنے کی رخصت نہیں دیتا جیسے بچہ کی ولادت کی خوشی کی دعوت ہو یا ختنہ کی تقریب ہو یا اور خوشی کی کوئی تقریب ہو، سو جس نے ان دعوتوں کو ترک کیا تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا جس طرح ولیمہ کو ترک کرنے سے گنہ گار ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: ولیمہ میں جانا فقہاء احناف کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

غیر مقلدین نے کہا ہے کہ ہر کھانے کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو"۔

انہوں نے کہا: یہ حکم ہر دعوت کے لیے عام ہے اور امام مالک اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ یہ حدیث ولیمہ پر محمول ہے۔

دعوت قبول کرنے کے بعد طعام کو کھانے کا ضروری نہ ہونا

جب دعوت قبول کرنے والے کا روزہ نہ ہو تو وہ کھالے اور اگر وہ روزہ دار ہے تو دعا کرے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو دعوت دی جائے تو وہ اسے قبول کرے اور اگر اس کا روزہ نہ ہو تو وہ کھانا کھالے اور اگر وہ روزہ دار ہو تو وہ دعا کرے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۳۱)

بعض علماء نے کہا ہے کہ کھانے کو ترک کرنا مباح ہے، اگر وہ روزہ دار نہ ہو تو وہ دعوت کو قبول کرلے اور کھانا نہ کھائے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۶۔ ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۔ بَابٌ: مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

جس نے دعوت کو ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی

ولیمہ کی تقریب کا سنت ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ولیمہ حق ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس نے ولیمہ میں لوگوں کو نہیں بلایا اس نے نافرمانی کی، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بتاچکے ہیں کہ ولیمہ حق ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ولیمہ باطل نہیں ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نکاح کا ولیمہ سنت مشروعہ ہے سنت واجبہ نہیں ہے اور احادیث میں جو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ حکم استحباب پر محمول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۶)

۵۱۷۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنه أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم: ۱۴۳۲، سنن ابو داؤد: ۳۷۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۳، مسند احمد: ۷۲۸۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ کہتے تھے: سب سے برا طعام اس ولیمہ کا طعام ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس نے دعوت کو ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

صحیح بخاری کی حدیث مذکور کا حکماً مرفوع ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے مگر حضرت ابو ہریرہ کا یہ کہنا کہ "اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی"۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو اور اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے باہر جا رہا تھا تو انہوں نے کہا: "اس شخص نے ابوالقاسم کی نافرمانی کی"۔ اور اس قسم کی حدیث اپنی رائے سے نہیں سنائی جاتی بلکہ یہ توقیف ہے۔

ولیمہ کو قبول کرنے کے وجوب کی دلیل

یہ حدیث ولیمہ کو قبول کرنے کے وجوب کے متعلق حجت ہے اور اس کے واجب ہونے میں صحابہ اور تابعین کا کوئی اختلاف نہیں ہے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے کہ ہم مال داروں کو دعوت دیں اور فقراء کو ترک کر دیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دعوت میں اغنیاء اور فقراء کو بلایا، پس قریش آئے اور ان کے ساتھ مساکین بھی آئے تو حضرت ابن عمر نے مساکین سے کہا: یہاں بیٹھ جاؤ اور ان کو خراب نہ کرو ہم عنقریب تمہیں وہ کھانا کھلائیں گے جو انہیں کھلائیں گے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

عذر شرعی کی وجہ سے ولیمہ کو مسترد کرنے کا جواز

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے دعوت کو ترک کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کو قبول کرنا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جس نے بلا عذر شرعی ولیمہ کو ترک کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی لیکن اگر اس کا کوئی عذر شرعی تھا مثلاً اس تقریب میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع تھا یا وہاں رقص اور موسیقی کا اہتمام تھا یا رات کو کھانا دیر سے لگنے کی وجہ سے فجر کی جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو اس وجہ سے اس نے اس ولیمہ کو مسترد کر دیا تو یہ صحیح ہے یا اس تقریب کا طعام اس کے ناموافق تھا مثلاً وہ شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہے، اسے تیزابیت اور دوسرے طبی امراض لاحق ہوں اور اس ولیمہ میں مرغن چٹ پٹے تیز مرچ والے اور میٹھے کھانے تھے، تب بھی اس کا اس ولیمہ کو مسترد کرنا صحیح ہے اور وہ اس حدیث میں مذکور وعید کا مصداق نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۴۔ بَابٌ: مَنْ أَجَابَ إِلَى كُرَاعٍ
جس نے کھر (پایہ) کی دعوت کو قبول کیا

الکراع کا معنی

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: الکراع (کاف پر پیش اور راء پر زبر) یہ گائے اور بکری کا پایہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مویشیوں کے پیر کا ٹخنوں سے نیچے کا حصہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۸)

۵۱۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابو حمزہ از الاعمش از ابو حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اگر مجھے کراع (بکری کا پچھلا پایہ) کی دعوت دی جائے تو میں اس کو ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے کراع

(بکری کا پچھلا پایہ) ہدیہ کیا جائے تو میں اس کو ضرور قبول کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۵۶۸ میں گزر چکی ہے۔

کراع کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شراح نے یہ زعم کیا ہے کہ اس حدیث میں کراع سے مراد کراع الغمیم ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک معروف مقام ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور مبالغہ فرمایا کہ اگر مجھے کراع الغمیم کے فاصلہ سے بھی دعوت دی جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا لیکن کسی حقیر چیز کو دعوت کو قبول کرنے میں زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس حدیث میں الکراع سے مراد بکری کا پایہ ہے یعنی اگر مجھے بکری کے پایہ کی دعوت بھی دی جائے تو میں اس دعوت کو ضرور قبول کروں گا اور یہ مبالغہ اس سے زیادہ واضح ہے کہ اگر مجھے کراع الغمیم سے بھی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس عبارت کو اپنی شرح میں لفظ زعم سے لکھا ہے یعنی علامہ کرمانی نے یہ زعم کیا حالانکہ علامہ کرمانی نے یہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے اس قول کو نقل کیا ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ بعض شراح یعنی علامہ کرمانی نے یہ زعم کیا ہے، سو حافظ ابن حجر کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ بعد شراح نے اس طرح اور اس طرح نقل کیا ہے یعنی زعم کی بجائے نقل کہنا چاہیے تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کی مراد یہ ہے کہ علامہ کرمانی نے شارحین سے یہ نقل کیا ہے، ان کا یہ زعم ہے یعنی زَعَمَ بَعْضُ الشُّرَّاحِ سے مراد ہے زَعَمَ مَنْ نَقَلَ عَنْهُ الکرمانی پس علامہ عینی کا اعتراض ساقط ہو جائے گا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ حافظ ابن حجر کی بعض شراح سے مراد علامہ الکرمانی ہیں اور بخاری کے شارحین تو سینکڑوں ہیں تو یہ کیسے معین ہوگا کہ بعض شراح سے حافظ ابن حجر کی مراد علامہ کرمانی ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکسار

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور ترک تکبر کا بیان ہے کہ آپ تھوڑے سے ہدیہ کو بھی قبول فرما لیتے تھے اور اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے کیونکہ ہدیہ محبت کو مؤکد کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ اور دعوت کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۔ بَابُ: إِجَابَةِ الدَّاعِي فِي الْعُرْسِ وَغَيْرِهِ

نکاح وغیرہ کی دعوت کو قبول کرنا

نکاح کے علاوہ دوسری خوشی کی تقریبات میں شرکت کا حکم

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی نکاح کے علاوہ ختنہ کی تقریب یا کسی مسافر کے گھر آنے کی تقریب یا کسی اور خوشی کی تقریب (مثلاً سالگرہ، امتحان میں پاس ہونے کی تقریب یا ملازمت میں ترقی کی تقریب، اسی طرح میلاد شریف کی تقریب)۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کو نکاح یا اس کی مثل کی تقریب میں بلایا گیا تو وہ اس کو قبول کرلے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۹۔۲۲۸)

۵۱۷۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَجِيبُوا هَذِهِ الدَّعْوَةَ إِذَا دُعِيتُمْ لَهَا قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَأْتِي الدَّعْوَةَ فِي الْعُرْسِ وَغَيْرِ الْعُرْسِ وَهُوَ صَائِمٌ

(صحیح مسلم: ۱۴۲۹، سنن ترمذی: ۱۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحجاج بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ابن جریج نے کہا: مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از نافع، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں دعوت دی جائے تو اس دعوت کو قبول کرو، انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ نکاح اور غیر نکاح کی دعوت پر جاتے تھے اور وہ روزہ دار ہوتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۳ میں گزر چکی ہے۔

غیر ولیمہ کی دعوت کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ شادی اور غیر شادی کی دعوت کو قبول کرنا فرض ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیر نکاح کی دعوت کو قبول کرنا مستحب ہے۔ اور امام مالک سے ختنہ کی تقریب کی دعوت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس دعوت کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

روزہ دار کے لیے ولیمہ میں جانے کا فائدہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب روزہ دار ولیمہ میں جائے گا اور کھانا نہیں کھائے گا تو پھر اس کے جانے کا کیا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے جانے سے میزبان کی دل جوئی ہوگی اور وہ اس کے لیے دعاء خیر کرے گا اور تبرک حاصل کرے گا اور وہاں خوب صورت کپڑے پہن کر جائے گا۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ کسی کا روزہ دار ہونا ولیمہ کو ترک کرنے کا عذر نہیں ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ اپنے روزہ پر برقرار رہے یا اس کے لیے روزہ توڑ کر طعام کھانا مستحب ہے۔ الرویانی نے کہا ہے کہ اس کے لیے روزہ توڑ کر طعام کھانا

مستحب ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مرد کو چاہیے کہ وہ ولیمہ کو قبول کرے۔ اگر وہ قبول نہیں کرے گا تو گنہ گار ہو گا۔ اگر وہ روزہ دار ہو تو وہ ولیمہ کو قبول کرے اور دعاء خیر کرے اور اگر غیر روزہ دار ہے تو پھر طعام کھائے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ولیمہ کے انعقاد کا سنت ہونا اور اس میں شرکت کا واجب ہونا

میں کہتا ہوں: پہلے علامہ عینی نے لکھا تھا کہ ولیمہ کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے اور یہاں لکھا ہے کہ اگر وہ ولیمہ میں نہیں گیا تو گنہ گار ہو گا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ ولیمہ کی تقریب منعقد کرنا سنت ہے اور ولیمہ میں جانا واجب ہے بہ شرطیکہ اس کو کوئی شرعی عذر نہ ہو۔

۷۶۔ بَابُ: ذَهَابِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ إِلَى الْعُرْسِ — عورتوں اور بچوں کا نکاح کی تقریب میں جانا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا نکاح کی تقریب میں جانا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے یہ عنوان یہ بتانے کے لیے قائم کیا ہے کہ یہ امر جائز ہے اس لیے اس کے عدم جواز کا وہم نہ کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۹)

۵۱۸۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ أَبْصَرَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَاءً وَصِبْيَانًا مُقْبِلِينَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ مُمْتَنًّا فَقَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ۔
(صحیح مسلم: ۵۱۸۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الرحمٰن بن المبارک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے دیکھا چند عورتیں اور بچے نکاح کی تقریب سے آ رہے تھے تو نبی ﷺ فرط مسرت سے کھڑے ہو گئے، پھر آپ نے کہا: "اے اللہ! تم لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۸۵ میں گزر چکی ہے۔

نکاح کی تقریب میں عورتوں اور بچوں کے جانے کا جواز اور لفظ ممتناً کی تحقیق

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ عورتوں اور بچوں کا شادی بیاہ کے موقع پر حاضر ہونا جائز ہے کیونکہ اس سے ان کی نکاح پر شہادت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان میں مبالغہ ہوتا ہے۔

علامہ ابو الحسن بن القابسی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ لفظ ہے: ممتنا اس کا معنی ہے: اس پر فضل کرتے ہوئے کیونکہ انصار آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ ہم پر اپنی محبت سے فضل فرماتے تھے اور ہم کو مخصوص رکھتے تھے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ عینی نے کہا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ امتنان سے ماخوذ ہے یعنی نبی ﷺ ان کی تکریم کر کے ان پر احسان کرتے ہوئے کھڑے ہوئے کیونکہ جس کے لیے نبی ﷺ قیام فرمائیں اور اس کی تکریم فرمائیں اس کے حق میں اس سے بڑا کوئی احسان نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس لفظ کو مُمْثِلًا بھی پڑھا گیا ہے یعنی آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللّٰهُمَّ، نبی ﷺ نے یہ لفظ بہ طور تبرک کہا یعنی آپ نے اپنے اس قول پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۰، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۷۔ بَابٌ: هَلْ يَرْجِعُ إِذَا رَأَى مُنْكَرًا فِي الدَّعْوَةِ
جب دعوت کی تقریب میں کسی ناجائز کام کو دیکھے تو آیا وہ واپس چلا جائے؟

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عنوان کو سوالیہ نشان کے ساتھ ذکر کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اور امام بخاری نے باب میں اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، باب میں صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جب وہ دعوت کی تقریب میں کوئی ناجائز کام دیکھے تو کیا واپس جاسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص دعوت کی تقریب میں کوئی خلاف شرع چیز دیکھے تو اس کا دعوت میں شریک نہ ہونے کا جواز

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے: دعوت کو قبول کرنا سنت ہے، پس اگر دعوت کی تقریب میں کوئی بدعت وغیرہ ہو تو اس کی وجہ سے دعوت کو ترک نہ کرے، یعنی سنت کو اس وجہ سے ترک نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی حرام کام ملا ہوا ہے جیسے نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے خواہ جنازے کے ساتھ لوگ (میت پر) نوحہ کر رہے ہوں تو ان کے نوحہ کرنے کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھنے کو ترک نہیں کیا جائے گا، پس اگر وہ ان کو حرام کام سے منع کرنے پر قادر ہو تو منع کرے یعنی لوگوں پر اگر اس کا اثر اور دبدبہ ہو یا لوگوں کے نزدیک وہ معزز ہو یا وہ ایسا عالم ہو جس کی پیروی کی جاتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس حرام کام سے منع کرے اور اگر وہ اس حرام کام سے منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو صبر کرے اور دعوت کی تقریب سے نہ نکلے اور اگر وہ ناجائز کام دستر خوان پر ہو رہا ہو تو پھر وہ ان کے ساتھ کھانے کے لیے نہ بیٹھے اور یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب وہ تقریب نکاح میں حاضر ہونے کے بعد ناجائز کام پر مطلع ہو اور اگر تقریب نکاح میں حاضر ہونے سے پہلے اس کو علم ہو کہ اس تقریب میں ناجائز کام ہوں گے تو پھر وہ اس تقریب میں حاضر نہ ہو کیونکہ دعوت کو قبول کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ دعوت سنت کے مطابق ہو۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۰)

وَرَأَى أَبُو مَسْعُودٍ صُورَةً فِي الْبَيْتِ فَرَجَعَ
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک گھر میں (مجسم) تصویر دیکھی تو واپس چلے گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا امام بخاری پر یہ اعتراض کہ اس تعلیق میں تصحیف ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
المستملی، الاصیلی، القابسی اور عبدوس کی روایت میں اسی طرح ہے (یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے) اور دوسروں کی روایت حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور پہلی روایت میں تصحیف (غلطی) ہے جیسا کہ میرا گمان ہے کیونکہ میں نے اس اثر کی روایت صرف حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے دیکھی ہے اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کھانا تیار کیا، پس اس سے کھانے پر دعوت دی تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا اس گھر میں کوئی (مجسم) تصویر ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اس گھر میں داخل ہونے سے انکار کیا حتیٰ کہ اس مجسمہ کو توڑ دیا جائے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے اور خالد بن سعد حضرت ابو مسعود، عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہیں اور میرے علم میں ان کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں ہے (گویا کہ امام بخاری نے اس روایت کی جو حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی ہے وہ تصحیف اور غلط ہے) ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت منقول ہو لیکن میں اس روایت پر واقف نہیں ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا امام بخاری کی طرف سے جواب اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ گمان ہے کہ امام بخاری نے جو اس روایت کی حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت کی ہے وہ تصحیف اور غلط ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس اثر کی روایت صرف حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو سے منقول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر نے جو اس اثر کی روایت صرف حضرت ابومسعود سے دیکھی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول نہ ہو حالانکہ اس قائل نے خود یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت منقول ہو اور جب یہ احتمال موجود ہے تو پھر اس شخص نے محض اپنے گمان سے امام بخاری کی طرف تصحیف اور غلط کی نسبت کیسے کر دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱-۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کا اعتراض تو لکھا ہے لیکن انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۹ میں اس کا کوئی جواب نہیں لکھا یعنی وہ لاجواب ہو گئے۔

دعوت کی تقریب میں خلاف شرع کام کو دیکھ کر شرکت نہ کرنا

وَدَعَا ابْنُ عُمَرَ أَبَا أَيُّوبَ فَرَأَى فِي الْبَيْتِ سِتْرًا عَلَى الْجِدَارِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ غَلَبَنَا عَلَيْهِ النِّسَاءُ فَقَالَ مَنْ كُنْتُ أَخْشَى عَلَيْهِ فَلَمْ أَكُنْ أَخْشَى عَلَيْكَ وَاللهِ لَا أَطْعَمُ لَكُمْ طَعَامًا فَرَجَعَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو انہوں نے گھر میں دیوار پر ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (معذرۃً) کہا: (اس پردہ کو لٹکانے میں) ہم پر عورتیں غالب آ گئی ہیں، تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ تو ڈر تھا کہ کوئی اور ایسا کام کرے گا مگر مجھے تم سے یہ ڈر نہ تھا، اور اللہ کی قسم! میں تمہارے یہاں کھانا نہیں کھاؤں گا، پھر وہ واپس چلے گئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا خلاف شرع کام دیکھ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ملامت کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا تھا: جب کوئی شخص دعوت میں کوئی خلاف شرع چیز دیکھے تو کیا واپس چلا جائے؟ اور اس تعلیق میں اس کا اثبات کیا ہے کہ جب کوئی شخص دعوت کی تقریب میں کوئی خلاف شرع بات دیکھے تو وہ واپس چلا جائے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے سالم بن عبداللہ بن عمر کے نکاح کی تقریب میں دعوت دی تھی، پس جب حضرت ابوایوب، حضرت عبداللہ کے گھر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ دیوار کو ایک پردہ سے چھپایا ہوا ہے (اور یہ کام خلاف شرع تھا) تو حضرت ابوایوب نے حضرت عبداللہ بن عمر پر اعتراض کیا کہ یہ خلاف شرع کام کیوں کیا گیا ہے؟ انہوں نے معذرت کی کہ یہ کام عورتوں نے کیا ہے اور وہ ہم پر غالب آ گئی ہیں، تو حضرت ابوایوب نے کہا اگر کوئی اور یہ کام کرتا تو

مجھے اس کا ڈر نہیں تھا لیکن تم سے ایسے کام کی مجھے توقع نہیں تھی۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے اور کھانا نہیں کھایا۔

امام طبرانی نے اس اثر کی سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میری شادی میں میرے والد نے لوگوں کو بلایا۔ ان لوگوں میں حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے، انہوں نے دیکھا کہ گھر کی دیوار کو سبز چادر سے چھپایا ہوا ہے تو حضرت ابوایوب نے حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا: کیا تم دیوار کو چادر سے چھپاتے ہو؟ تو میرے والد نے شرمندہ ہو کر کہا: ہم پر عورتیں غالب آ گئیں اے ابوایوب! پس حضرت ابوایوب نے کہا کہ مجھے کسی اور کے متعلق تو یہ ڈر تھا کہ اس پر عورتیں غالب آ جائیں گی مگر اے ابن عمر! مجھے تمہارے متعلق تو یہ ڈر نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیواروں کو کپڑوں سے چھپانے اور ڈھانپنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

گھروں اور دیواروں کو چادروں سے چھپانے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور شافعیہ اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ فعل حرام ہوتا تو صحابہ کرام اس تقریب میں نہ بیٹھتے اور نہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کام کرتے اور حضرت ابوایوب انصاری نے جو اس سے منع کیا تھا وہ ممانعت تنزیہ اور کراہت تنزیہہ پر محمول ہے تاکہ حضرت ابن عمر کے فعل اور حضرت ابوایوب کی ممانعت میں تطبیق ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوایوب کے نزدیک یہ فعل مکروہ تحریمی ہو اور جو صحابہ اس مجلس میں بیٹھے تھے اور انہوں نے اس پر انکار نہیں کیا تھا وہ اس فعل کو مباح سمجھتے تھے اور شیخ ابونصر المقدسی الشافعی نے اس فعل کے مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی پر چادر ڈالیں لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا اور حکم نہ دینا ممانعت کو مستلزم نہیں ہے۔ ہاں! سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دیواروں کو نہ چھپاؤ''۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۸۵، سنن ابن ماجہ ۳۸۶۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۷۲)، (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۵۲۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ایک اور روایت میں ہے کہ دیواروں کو کپڑوں سے نہ چھپاؤ۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۲)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: اگر زینت کے قصد سے دیوار پر پردہ لٹکایا جائے تو مکروہ تنزیہی ہے ورنہ نہیں۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۹ ص ۴۳۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

جس تقریب میں غیر شرعی امور ہوں اس میں شرکت کے متعلق فقہاء شافعیہ اور فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس دعوت کی تقریب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے خلاف امور ہوں اس تقریب میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، لہٰذا منکر اور معاصی کی مجلس میں حاضر ہونا نہیں چاہیے اور نہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیے کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا ان کاموں پر راضی ہونے کی دلیل ہے اور جو شخص جن لوگوں کی جماعت میں ہو اس کا ان ہی لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور جو لوگ ایسے کام کریں وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب اور اس کی لعنت سے مامون نہیں ہیں، ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کو ایسے ولیمہ کی دعوت دی گئی جس میں شراب نوشی تھی آیا وہ اس دعوت کو قبول

کرے، تو امام مالک نے کہا: نہیں کیونکہ اس دعوت میں برے کاموں کا اظہار ہے اور امام شافعی نے کہا: جب ولیمہ کی تقریب میں شراب ہو یا دیگر منکرات ہوں تو انسان کو چاہیے کہ وہ ان کاموں سے منع کرے ورنہ اس تقریب سے واپس چلا جائے۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر ولیمہ میں لہو ولعب ہو مثلاً اس میں مزامیر ہوں، ستار ہوں اور دیگر آلات موسیقی ہوں، اللیث نے کہا: ایسے ولیمہ میں حاضر ہونا نہیں چاہیے اور امام مالک نے کہا کہ جب وہ لوگوں کو آلات موسیقی میں مشغول دیکھے تو اس تقریب سے نکل جائے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ باوقار لوگوں کے لیے لہو ولعب کی مجلس میں حاضر ہونا ناپسندیدہ ہے، ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی مجلس میں آلات موسیقی کو بجایا جا رہا ہو، اور لوگ ان کو سن کر لذت حاصل کر رہے ہوں اور تم کسی راستہ میں ہو یا مجلس میں ہو تو کیا کیا جائے؟ امام مالک نے کہا: وہ اس مجلس سے اٹھ جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ولیمہ میں موسیقی کو سنا تو اس تقریب سے واپس چلے گئے اور انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی قوم کی کثرت میں اضافہ کرے اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے۔ (المطالب العالیہ: ۱۶۶۰، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۱۔ ۴۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جو بانسری بجا رہا تھا تو انہوں نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور وہ چلتے رہے اور وہ نافع سے پوچھتے رہے: کیا تم کوئی آواز سن رہے ہو؟ جب اس نے کہا: نہیں تو انہوں نے کانوں سے اپنی انگلیاں نکال لیں۔

پھر حضرت ابن عمر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو آپ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۶۹۳، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ سنن ابوداؤد: ۴۹۲۴)

جس تقریب میں غیر شرعی امور ہوں اس میں شرکت کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: جب کوئی شخص ولیمہ میں حاضر ہو اور اس تقریب میں لہو ولعب ہو تو اس کے وہاں بیٹھنے میں اور کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور روایت ہے کہ حسن بصری اور ابن سیرین ایک جنازہ میں تھے اور اس جنازے میں میت پر نوحہ ہو رہا تھا تو ابن سیرین واپس چلے گئے، جب حسن بصری سے یہ بات کہی گئی تو انہوں نے کہا: بے شک ہم نے جو دیکھا وہ باطل تھا، اس کو ہمارا ترک کرنا برحق ہے۔

اور فقہاء احناف نے مجلس لہو ولعب میں حاضر ہونے کی اجازت پر اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا اور اسے دیکھنے کے لیے آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے وہ کھیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دکھایا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۰، صحیح مسلم: ۸۹۲، مسند احمد: ۲۶۳۸۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عید کے دن دف بجایا گیا اور گیت گایا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا، بلکہ حضرت ابوبکر نے جب اس سے منع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے''۔

(صحیح البخاری: ۹۵۲۔ ۹۴۹)

علامہ ابن بطال کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں داخل نہیں ہوئے جس گھر میں تصویر تھی اور آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس حکم میں وہ مجلس ہے جس میں کوئی غیر شرعی کام ہو رہا ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۱۔ ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

جو لہو مختلف فیہ ہو اور جس لہو کی حرمت منصوص ہو ان دونوں کی مجلس میں شرکت کے متعلق مذاہب فقہاء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
علماء نے اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی ہے، انہوں نے کہا ہے: اگر مجلس میں ایسا لہو ہو جس کے جواز میں اختلاف ہے تو اس مجلس میں حاضر ہونا جائز ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس مجلس کو ترک کر دیا جائے۔ اور اگر مجلس میں ایسا لہو ہو جو حرام ہے مثلاً شراب پینا تو یہ دیکھا جائے کہ اگر مدعو ایسا شخص ہو کہ اس کے آنے سے شراب اٹھالی جائے تو پھر وہ حاضر ہو اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو پھر اس میں فقہاء شافعیہ کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ اس مجلس میں حاضر ہو اور شراب نوشی پر حسب قدرت انکار کرے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ وہ حاضر نہ ہو۔ امام بیہقی نے کہا: امام شافعی کی تصریح کے مطابق یہی قول ظاہر ہے اور فقہاء عراق کا بھی یہی موقف ہے۔

اور فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ نے یہ کہا ہے کہ اگر مدعو شخص لوگوں کے نزدیک مقتدیٰ نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ایسی مجلس میں حاضر ہو اور کھانا کھائے اور اگر وہ لوگوں کے نزدیک مقتدیٰ ہے اور وہ لوگوں کو حرام کام سے روکنے پر قادر نہیں ہے تو پھر وہ اس مجلس سے نکل جائے کیونکہ اس مجلس میں بیٹھنا معصیت کے دروازہ کو کھولنا ہے اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ وہ ایسی مجلس میں بیٹھے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہ مقتدیٰ نہیں تھے۔ صاحب ہدایہ نے کہا: یہ تمام بحث اس صورت میں ہے جب وہ مجلس حرام میں حاضر ہو چکا ہو اور اگر اس کو حاضر ہونے سے پہلے علم ہو کہ اس مجلس میں حرام کام ہوگا تو پھر وہ اس مجلس کی دعوت میں نہ جائے۔ اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ایسی مجلس میں حاضر ہونا حرام ہے کیونکہ اس کا ایسی مجلس میں حاضر ہونا حرام کام پر راضی ہونے کے مترادف ہے۔

فقہاء حنبلیہ کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح فقہاء مالکیہ نے کہا کہ ولیمہ کو قبول کرنا اس وقت واجب ہے جب اس کو یہ علم ہو کہ وہاں کوئی غیر شرعی کام نہیں ہے اور اگر غیر شرعی کام ہوں تو ایسی مجلس میں حاضر ہونے کی ممانعت کی متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:
امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کے طعام کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر خمر (انگور کی شراب) گردش کر رہی ہو''۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

غیر مقلدین کی معمولات اہل سنت کے خلاف ہرزہ سرائی اور افتراء پردازی

غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
مترجم کہتا ہے: اگر ابو ایوب انصاری اس زمانہ کے بدعات کو دیکھتے تو یقیناً نہ ایسے بدعقیدوں سے ملتے نہ ان کا کھانا کھاتے، اب تو سارے مکان کو چھت سے لے کر دیواروں تک کپڑے سے منڈھتے ہیں، اس پر نقش و نگار کرتے ہیں، قبروں پر چادریں وہ بھی کار چوبی کی عمدہ عمدہ ڈالتے ہیں اور بے چارے زندہ مسلمان سردی کھاتے پھرتے ہیں، ان کو کوئی ایک ترکھاری (کپڑے) کا ٹکڑا بھی نہیں دیتا مگر اجالا شاہ کے قبر پر صبح کا اجالا ہوتے ہی کم خواب کی نئی چادر چڑھائی جاتی ہے، اس پر مٹھائی کی ٹوکری اور صندل سے ان کی قبر لیپی جاتی ہے، اجالا شاہ کو تو ایک بزرگ سمجھ کر ایسا کرتے ہیں مگر عموماً یہ رواج کر لیا ہے کہ سوم (تیجا یا سوئم) کو ہر ایک قبر پر چادر چڑھاتے ہیں، پھول ڈالتے ہیں، مولود خوانوں کی جماعتیں آتی ہیں جو چلا چلا کر مردے کا ناک میں دم کرتی ہیں، رات کو

وہاں چراغ جلائے جاتے ہیں، جب کوئی مرتا ہے تو اس کے جنازے پر شامیانہ تانتے ہیں، قبر میں دفنانے کے بعد پیر صاحب کا شجرہ بھی اس میں رکھ دیتے ہیں کہ شاید فرشتے پیر صاحب کی خاطر سے عذاب نہ کریں۔ معاذ اللہ! اگر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ان باتوں کو دیکھتے تو کس طرح ناراض ہوتے، مجھے یقین ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو مسلمان ہی نہ سمجھے۔ ۱۲ منہ۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۱۴۰۔۱۳۹ نعمانی کتب خانہ، لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

ہر مسلمان کے سوئم میں اس کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی جاتی

میں کہتا ہوں: شیخ وحید الزمان نے یہ غلط اور خلاف واقع لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے سوئم میں اس کی قبر پر چادر چڑھائی جاتی ہے۔ روزمرہ کا عام مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں! اولیاء اللہ اور مقبولان بارگاہ کے مزارات پر چادر چڑھائی جاتی ہے۔ اس کے جواز کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض فقہاء نے صالحین اور اولیاء اللہ کی قبروں پر پردوں، عمامہ اور کپڑوں کے رکھنے کو مکروہ کہا ہے۔ ''فتاویٰ الحجۃ'' میں مذکور ہے کہ قبروں پر پردے لٹکانا مکروہ ہے، اھ۔ لیکن ہم اب یہ کہتے ہیں کہ جب اس سے مقصود عام لوگوں کی نگاہوں میں تعظیم ہوتا کہ لوگ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں اور غافل زائرین میں ادب اور خشوع کو واقع کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیات پر ہے ہر چند کہ یہ فعل بدعت (حسنہ) ہے جیسے فقہاء کہتے ہیں کہ طواف وداع کے بعد حجاج الٹے پیر لوٹیں حتیٰ کہ مسجد حرام سے نکل جائیں اور ان کا یہ الٹے پیر لوٹنا بیت اللہ کی تعظیم اور اجلال کے لیے ہے حتیٰ کہ ''منہاج السالکین'' میں مذکور ہے کہ اس فعل میں کوئی سنت مرویہ نہیں ہے اور نہ کوئی اثر منقول ہے لیکن ہمارے اصحاب نے اس فعل کو اختیار کیا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۴۴۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بزرگوں کی قبروں پر صندل سے لپائی کا افتراء ہونا

شیخ وحید الزمان نے یہ بھی غلط اور خلاف واقع لکھا ہے کہ بزرگوں کی قبروں کی صندل سے لپائی ہوتی ہے اور انہوں نے قبروں کے پاس مٹھائی کی ٹوکری رکھنے پر بھی طعن کیا ہے، اس طعن کا جواب یہ ہے کہ قبروں کے پاس مٹھائی یا کوئی اور کھانے پینے کی چیز رکھنے سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کو صاحب مزار کھائیں گے بلکہ یہ کھانے پینے کی چیزیں زائرین اور فقراء کو کھلانے پلانے کے لیے ہوتی ہیں اور ان چیزوں کا ثواب صاحب مزار کو پہنچایا جاتا ہے۔ اور اس کے جواز کے متعلق ایصال ثواب کے وہ دلائل ہیں جو ہم اپنی اس کتاب میں اور اپنی دیگر تصانیف میں لکھ چکے ہیں۔

نعت خوانی سے بیزاری پر تبصرہ

نیز شیخ وحید الزمان نے لکھا ہے: مولود خانوں کی جماعتیں آتی ہیں جو چلا چلا کر مردے کا ناک میں دم کرتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: شیخ وحید الزمان نے اس عبارت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی کا نہایت تضحیک سے اور توہین آمیز انداز میں ذکر کیا ہے، مولود خوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی مدح میں نعتیں پڑھتے ہیں اور اس نعت خوانی سے وہی شخص بیزار ہوگا اور وہی اس کا مذاق اڑائے گا جس کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور محروم ہو اور ہم ایسے شخص کے متعلق مومن ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے، نیز اس عبارت میں بھی شیخ وحید الزمان کا دروغ بے فروغ ہے کیونکہ ہر قبر پر مولود خوان نعتیں نہیں پڑھتے اور نہ وہ اس صاحب قبر کو سنانے کے لیے نعتیں پڑھتے ہیں بلکہ اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر زائرین کے مجمع میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور وہ نعتیں زائرین سنتے ہیں اور چونکہ اللہ کے نیک بندے بھی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، سو وہ بھی وہ نعتیں سنتے ہیں اور خوش ہوتے

ہیں اور وجد میں آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نعتیں سننے سے وہی شخص بیزار ہوتا ہے جس کا دل حلاوت حب رسول اللہ ﷺ سے محروم ہو۔

قبر پر پھول ڈالنے اور چراغ جلانے پر تبصرہ

نیز شیخ وحید الزمان نے قبروں پر پھول ڈالنے کو بھی نشانہ تضحیک بنایا ہے، سو ہم نے نعمۃ الباری ج ۱ ص ۶۵۶۔ ۶۵۵، شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۷۹ میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ شیخ وحید الزمان کے اس طعن کے جواب میں وہ بحث وہاں دیکھ لی جائے۔

نیز شیخ وحید الزمان نے قبروں پر چراغ جلانے پر بھی طعن کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قبروں پر کوئی چراغ نہیں جلاتا۔ البتہ قبروں کے قریب زائرین کی سہولت کے لیے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے تاکہ زائرین اولیاء اللہ کے مزارات کے پاس بیٹھ کر سہولت سے قرآن مجید کی تلاوت کرسکیں اور اس سے منع کرنا اور اس پر طعن کرنا گویا قرآن مجید کی تلاوت پر طعن کرنا ہے اور ایسا کوئی مومن نہیں کرسکتا اور پہلے روشنی کے لیے چراغ جلایا جاتا تھا اور اب بلب اور انرجی سیور اور ٹیوب لائٹس جلائی جاتی ہیں۔

قبر میں عہد نامہ رکھنے کا ثبوت

نیز شیخ وحید الزماں نے لکھا ہے: قبر میں دفنانے کے بعد پیر صاحب کا شجرہ بھی اس میں رکھ دیتے ہیں کہ شاید فرشتے پیر صاحب کی خاطر سے عذاب نہ کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں پیر صاحب کا شجرہ رکھنے کے متعلق تو کسی مستند سنی عالم دین نے نہیں کہا۔ ہاں! قبر میں عہد نامہ رکھنے کا ضرور ثبوت ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام الصفار نے ذکر کیا ہے کہ اگر میت کی پیشانی پر، اس کے عمامہ پر، اس کے کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میت کی مغفرت فرمادے گا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۴۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام بخاری کی دوسری تعلیق پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد اب ہم پھر صحیح بخاری کی حدیث لکھ رہے ہیں۔

۵۱۸۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتُوبُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا بَالُ هَذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَتْ فَقُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ زوج النبی ﷺ، انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے ایک ایسی چادر خریدی جس میں تصاویر تھیں، پس جب رسول اللہ ﷺ نے ان تصاویر کو دیکھا تو آپ دروازے پر کھڑے رہے اور گھر میں داخل نہیں ہوئے، سو میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار کو پہچان لیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کیسا پردہ ہے؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا میں نے اس کو آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک

(صحیح البخاری: ۵۹۰۷، ۵۹۶۱، ۷۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۷)

لگائیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: جن چیزوں کی تم نے تخلیق کی ہے ان میں جان ڈالو۔ اور فرمایا: جن گھروں میں یہ تصویریں ہوتی ہیں ان گھروں میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۰۵ میں گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب سے عدم مطابقت کے اعتراض کا جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان یہ ہے کہ جب دعوت کی تقریب میں کوئی غیر شرعی چیز ہو تو اس دعوت میں نہ جائے، اور اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے پردوں پر تصویریں دیکھ کر گھر میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گھر کے پردوں پر تصویروں کا ہونا بھی ایک غیر شرعی کام ہے جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل نہیں ہوئے تو پھر گھر کے پردوں پر تصویروں کا ہونا کسی تقریب میں داخل نہ ہونے کا قوی سبب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے رہے اور حضرت عائشہ کے حجرہ میں داخل نہیں ہوئے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سے حدیث کی باب کی ساتھ مطابقت نہیں ہوئی لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب کہ تصویر بھی منکرات میں سے ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس جگہ کوئی خلاف شرع کام ہو تو اس دعوت میں نہ جایا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ علامہ عینی نے پہلے جس چیز کا انکار کیا تھا پھر اسی کو تسلیم کر لیا اور انہیں اس کا پتا بھی نہیں چلا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۰-۲۹۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ جواب درست ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۸- بَابٌ: قِيَامِ الْمَرْأَةِ عَلَى الرِّجَالِ فِي الْعُرْسِ وَخِدْمَتِهِمْ بِالنَّفْسِ

شادی میں عورتوں کا مردوں کی از خود خدمت کرنا

۵۱۸۲- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ لَمَّا عَرَّسَ أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ دَعَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابَهُ فَمَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل

صَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا وَلَا قَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ إِلَّا امْرَأَتُهُ أُمُّ أُسَيْدٍ بَلَّتْ تَمَرَاتٍ فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الطَّعَامِ أَمَاثَتْهُ لَهُ فَسَقَتْهُ تُتْحِفُهُ بِذٰلِكَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲)

رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو دعوت دی اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے جو کھانا تیار کیا تھا اور جو ان کی ضیافت کی تھی اس کو ان کی دلہن حضرت ام اسید رضی اللہ عنہا نے تیار کیا تھا، انہوں نے رات کو پتھر کے ایک پیالہ میں چند کھجوریں بھگو دی تھیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے وہ نبیذ آپ کو پیش کیا اور بہ طور تحفہ آپ کو پلایا جس میں کھجوروں کو پانی میں گھول دیا گیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حسب ذیل فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) دلہن کی اپنے شوہر اور اس کے اصحاب کی اپنی شادی کی تقریب میں خدمت کرنا۔

(۲) اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے اپنے نیک دوستوں کی خدمت لے یعنی وہ ان کو کھانا وغیرہ کھلائے تو یہ امر جائز ہے، بہ شرطیکہ انہیں فتنہ کا خوف نہ ہو۔

(۳) کھجوروں کے غیر نشہ آور نبیذ کو شادی کی تقریب میں پلانا جائز ہے اور یہ امر ان کے ہاں شروع سے مروج تھا۔

(۴) اس حدیث مین مذکور ہے: اماثتہ اس کا مادہ میث ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پانی میں گھول دینا، اسی طرح امام خلیل بن احمد نے کتاب العین میں اس کا معنی بیان کیا ہے، اس حدیث میں یہ مراد ہے کہ حضرت ام اسید نے کھجوروں کو پانی میں گھول دیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۹۔ بَابٌ: النَّقِيعِ وَالشَّرَابِ الَّذِي لَا يُسْكِرُ فِي الْعُرْسِ

کھجوروں کی نبیذ یا کسی اور غیر نشہ آور مشروب کو تقریب نکاح میں پلانا

۵۱۸۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ السَّاعِدِيَّ دَعَا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لِعُرْسِهِ فَكَانَتِ امْرَأَتُهُ خَادِمَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ الْعَرُوسُ فَقَالَتْ أَوْ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا أَنْقَعَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْقَعَتْ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ

(صحیح البخاری: ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن القاری نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریب نکاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی، پس ان کی بیوی اس دن ان کی خدمت کر رہی تھیں اور وہ دلہن تھیں، پس ان کی بیوی نے کہا یا خود حضرت ابواسید نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ

(۱۹۱۴) صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کی بیوی نے کس چیز کا نبیذ بنایا تھا؟ انہوں نے رات کو برتن میں چند کھجوریں بھگو دی تھیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۶ میں گزر چکی ہے۔

۸۰۔ بَابُ: الْمُدَارَاةِ مَعَ النِّسَاءِ — عورتوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا

علامہ بدرالدین عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مداراۃ کا لغوی معنی ہے: الفت اور دلوں کو مائل کرنا کیونکہ لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے ساتھ مدارات (خوش خلقی) کے ساتھ پیش آنا صدقہ ہے''۔

(صحیح ابن حبان: ۴۷۱، شعب الایمان: ۸۴۴۵، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۴۶، الکامل لابن عدی: ۱۸۸، المعجم الاوسط: ۴۶۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۷)

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّمَا الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ۔ — اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: عورت صرف پسلی کی مثل ہے۔

حضرت حواء کا حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہونا

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کے موافق حدیث موصول اس باب کی حدیث: ۵۱۸۴، میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا: عورت پسلی کی مثل ہے کیونکہ پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اور عورت کے مزاج اور طبیعت میں بھی کجی ہے، علامہ داؤدی نے کہا ہے: کیونکہ حضرت حواء کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے تو ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا گیا، فرشتہ نے آ کر ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو نکالا اور جب حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۸۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۶۸، سنن ترمذی: ۱۱۸۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت پسلی کی مثل ہے اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے نفع حاصل کرو گے تو اس سے نفع حاصل کرتے رہو گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۳۱ میں گزر چکی ہے۔

عورتوں کی کج خلقی پر صبر کرنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا چاہیے اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنا چاہیے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۱۔ بَابُ: اَلْوَصَاةِ بِالنِّسَاءِ — عورتوں کی خیر خواہی کرنا

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس باب کا معنی ہے عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کی بدسلوکی کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۸۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ۔
(صحیح البخاری: ۵۱۸۵، ۶۰۱۸، ۶۱۳۶، ۶۱۳۸، ۶۴۷۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں الحسین الجعفی نے حدیث بیان کی از زائدہ از میسرۃ از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

پڑوسی سے بیوی کا مراد ہونا

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اس باب کا عنوان ہے ''عورتوں کی خیر خواہی کرنا'' اور حدیث میں پڑوسی کو ایذاء نہ دینے کا ذکر ہے، سو یہ حدیث بہ ظاہر عنوان کے مطابق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پڑوسی سے مراد بیوی ہے کیونکہ وہ بھی شوہر کی پڑوسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ۔ (النساء: ۳۶)

اور قرابت دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی کے ساتھ نیکی کرو۔

بہ کثرت مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں قرابت دار پڑوسی سے مراد بیوی ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۴۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۸ھ)

۵۱۸۶۔ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا۔ (صحیح البخاری: ۵۱۸۴، سنن ترمذی ۱۱۸۸)

اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو کیونکہ ان کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ پھر اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگے تو تم اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، سو تم عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۳۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۸۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنَّا نَتَّقِي الْكَلَامَ وَالِانْبِسَاطَ إِلَى نِسَائِنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ هَيْبَةَ أَنْ يَنْزِلَ فِينَا شَيْءٌ فَلَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ تَكَلَّمْنَا وَانْبَسَطْنَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں ہم نبی ﷺ کے عہد میں اپنی عورتوں سے زیادہ باتیں کرنے سے اور ان کے ساتھ بے تکلفی کرنے سے احتراز کرتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں ہمارے اوپر

(سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۲، مسند احمد: ۵۲۸۴)

کوئی حکم نازل نہ ہو جائے، پھر جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو پھر ہم ان سے زیادہ باتیں کرتے تھے اور بے تکلفی سے رہتے تھے۔

بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور بے تکلفی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گویا کہ نبی ﷺ نے یہ بتایا کہ عورتوں سے اسی وقت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جب تم ان کی بدسلوکی پر صبر کرو، سو میں تم کو عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں، لہٰذا تم میری وصیت کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔

امام غزالی نے کہا ہے: عورت کو چاہیے کہ اپنے خاوند کے ساتھ معروف طریقہ سے گزر کرلے اور مرد کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے اور عورت کے ساتھ حسن خلق یہ ہے کہ وہ عورت کے غصہ اور اس کی ایذاء کو برداشت کرلے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور اتباع کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات آپ کو پلٹ کر جواب دیتی تھیں اور رات تک آپ کو چھوڑے رکھتی تھیں، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ خوش طبعی کرتے تھے۔ روایت ہے: عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے دوڑنے میں مقابلہ کیا، پس میں آپ سے آگے نکل گئی۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۹، مسند احمد: ۲۴۱۷۳)

علامہ بوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۵۳۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۲۔ بَابٌ: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: ۶)

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم: ۶)

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی تم اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو اور ان کو ادب سکھاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ۔

(صحیح البخاری: ۸۹۳، ۵۲۰۰، ۷۱۳۸، صحیح مسلم ۱۸۲۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص جواب دہ ہے، پس امام محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے، اور مرد اپنی بیوی کا محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی محافظہ ہے اور وہ جواب دہ ہے اور نوکر اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے، سنو! تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص جواب دہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹۳ میں گزر چکی ہے۔

اپنے متعلقین اور ماتحتوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے بیان کیا کہ جب التحریم: ۶ نازل ہوئی تو صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! ہم اپنے آپ کو تو دوزخ کی آگ سے بچاتے ہیں، پس ہم اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے کیسے بچائیں، آپ نے فرمایا: تم ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دو اور تم ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے روکو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۳۔ بَابُ: حُسْنِ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ الْأَهْلِ

بیویوں کے ساتھ نیک سلوک

۵۱۸۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسَ إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً فَتَعَاهَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ أَنْ لَا يَكْتُمْنَ مِنْ أَخْبَارِ أَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا قَالَتِ الْأُولَى زَوْجِي لَحْمُ جَمَلٍ غَثٌّ عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ لَا سَهْلٍ فَيُرْتَقَى وَلَا سَمِينٍ فَيُنْتَقَلُ قَالَتِ الثَّانِيَةُ زَوْجِي لَا أَبُثُّ خَبَرَهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذَرَهُ إِنْ أَذْكُرْهُ أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ قَالَتِ الثَّالِثَةُ زَوْجِي الْعَشَنَّقُ إِنْ أَنْطِقْ أُطَلَّقْ وَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ قَالَتِ الرَّابِعَةُ زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ لَا حَرٌّ وَلَا قُرٌّ وَلَا مَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ قَالَتِ الْخَامِسَةُ زَوْجِي إِنْ دَخَلَ فَهِدَ وَإِنْ خَرَجَ أَسِدَ وَلَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ قَالَتِ السَّادِسَةُ زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفَّ وَإِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَإِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ وَلَا يُولِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ قَالَتِ السَّابِعَةُ زَوْجِي غَيَايَاءُ أَوْ عَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ شَجَّكِ أَوْ فَلَّكِ أَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ قَالَتِ الثَّامِنَةُ زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ وَالرِّيحُ رِيحُ زَرْنَبٍ قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ طَوِيلُ النِّجَادِ عَظِيمُ الرَّمَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ قَالَتِ الْعَاشِرَةُ زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكِ لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن عبدالرحمٰن اور علی بن حجر نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن عروہ از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ گیارہ عورتیں بیٹھیں اور انہوں نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ اپنے شوہروں کی خبروں میں سے کوئی خبر نہیں چھپائیں گی، پس پہلی عورت نے کہا: میرے خاوند کی مثال ایسے ہے جیسے دبلے اونٹ کا گوشت اور وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو، نہ اس کا راستہ آسان ہو کہ کوئی اس پہاڑ پر چڑھ کر اسے لا سکے اور نہ ہی وہ گوشت اتنا فربہ ہو کہ کوئی اس کو وہاں سے منتقل کر دے۔ دوسری عورت نے کہا: میں اپنے خاوند کی خبر کو منتشر نہیں کرتی کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ میں اس کا ذکر کروں تو کسی بات کو نہیں چھوڑوں گی اور اگر پھر بھی بیان کروں تو اس کے ظاہر اور پوشیدہ سب عیوب بیان کر دوں گی۔ تیسری عورت نے کہا کہ میرا خاوند بہت لمبا ہے، اگر میں کچھ بیان کروں تو مجھے طلاق دی جائے گی اور اگر میں خاموش رہوں تو میں معلق رہوں گی۔ چوتھی عورت نے کہا: میرا خاوند تو تہامہ کی رات کی طرح ہے نہ گرم اور نہ سرد، نہ ڈر اور نہ غم۔ پانچویں عورت نے کہا: میرا خاوند اگر گھر میں داخل ہو تو چیتا ہے اور گھر سے باہر نکلے تو شیر ہے، جو گھر میں وہ چھوڑ گیا اسے پوچھتا ہی نہیں۔ چھٹی عورت نے کہا کہ میرا خاوند اگر کھانا کھانے بیٹھے تو سب چٹ کر جائے اور اگر پانی پیے تو سارا کا سارا

الْمَبَارِكِ قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ وَإِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ زَوْجِي أَبُو زَرْعٍ وَمَا أَبُو زَرْعٍ أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ وَبَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أُقَبَّحُ وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ وَأَشْرَبُ فَأَتَقَنَّحُ أُمُّ أَبِي زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ عُكُومُهَا رَدَاحٌ وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ ابْنُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا ابْنُ أَبِي زَرْعٍ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَيُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ طَوْعُ أَبِيهَا وَطَوْعُ أُمِّهَا وَمِلْءُ كِسَائِهَا وَغَيْظُ جَارَتِهَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ لَا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا قَالَتْ خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تُمْخَضُ فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ فَطَلَّقَنِي وَنَكَحَهَا فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا رَكِبَ شَرِيًّا وَأَخَذَ خَطِّيًّا وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا وَقَالَ كُلِي أُمَّ زَرْعٍ وَمِيرِي أَهْلَكِ قَالَتْ فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ قَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ هِشَامٍ وَلَا تُعَشِّشُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَأَتَقَمَّحُ بِالْمِيمِ وَهٰذَا أَصَحُّ۔

(صحیح مسلم: ۲۴۴۸، تحفۃ الاشراف: ۱۶۳۵۴)

پانی پی لے اور اگر وہ چت لیٹے تو الگ پڑا رہتا ہے اور میرے کپڑوں پر ہاتھ بھی نہیں ڈالتا اور کبھی میری پریشانی کو معلوم نہیں کرتا۔ ساتویں عورت نے کہا: میرا خاوند تو جاہل ہے یا کاہل، نامرد ہے، اس میں لوگوں کی ہر بیماری اور عیب ہے، اس کا سر پھٹا ہوا ہے یا زخمی ہے۔ آٹھویں عورت نے کہا: میرے زوج کو مس کرنا خرگوش کی طرح اور اس کی خوشبو زعفران کی طرح ہے۔ نویں عورت نے کہا: میرا خاوند اونچے گھر والا ہے، لمبے پر تلے والا ہے، اس کا گھر راکھ کے ڈھیر والا ہے، اس کا گھر آگ کے چولہے کے قریب ہے۔ دسویں عورت نے کہا: میرا خاوند مالک ہے کیسا بڑا مالک ہے وہ بہت اچھا مالک ہے، اس کے پاس بہت زیادہ اونٹ ہیں جو اس کے باڑے میں بیٹھے رہتے ہیں، چراگاہوں میں چرنے کم جاتے ہیں اور جب وہ مزامیر کی آواز سنتے ہیں تو وہ یقین کر لیتے ہیں کہ انہیں ذبح کیا جائے گا۔ گیارہویں عورت نے کہا: میرا خاوند ابوزرع ہے، پس ابوزرع کا کیا کہنا! اس نے میرے کانوں کو زیورات سے جھکا دیا اور میرے دونوں بازوؤں کو چربی سے پھیلا دیا اور مجھے خوب کھلا پلا کر فربہ کر دیا اور بے شک میں (شادی) سے پہلے بکریوں والوں میں گزر بسر کرتی تھی اور تنگی سے رہتی تھی، ابوزرع نے مجھے گھوڑوں، اونٹوں، کھیتوں اور پرندوں کا مالک بنا دیا، (اس کے باوجود) میں اسے کوئی (ناگوار) بات کہوں تو وہ برا نہیں مانتا، صبح تک سوتی رہوں تو مجھے کوئی نہیں جگاتا، پانی پیوں تو خوب سیر ہو کر پیوں، ابوزرع کی ماں تو ابوزرع کی ماں کیسی اچھی ہے! اس کی کوٹھریاں بھری ہوئی ہیں اور ان کا گھر کشادہ ہے، ابوزرع کا بیٹا تو ابوزرع کا بیٹا کیسا اچھا ہے! اس کا بستر گویا کہ وہ ایسی تلوار ہے جو نیام سے باہر نکلی ہوئی ہو، وہ دنبہ کا ایک پایہ کھا کر سیر ہو جاتا ہے، وہ کم خوراک ہے۔ ابوزرع کی بیٹی تو ابوزرع کی بیٹی کیسی عمدہ ہے! اپنے باپ کی فرماں بردار اور اپنی ماں کی اطاعت شعار ہے، وہ کپڑوں میں بھری ہوئی موٹی تازی ہے، وہ اپنی سوکن کا جلاپا ہے، ابوزرع کی باندی تو ابوزرع کی باندی کیسی اچھی ہے! وہ

ہمارے گھر کی باتوں کو پھیلاتی نہیں ہے اور ہمارے گھر کی چیزوں کو چراتی نہیں ہے اور ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے بھرا نہیں رکھتی، اس نے کہا: ایک دن ابوزرع صبح صبح گھر سے نکلا جب لوگ مکھن نکالنے کے لیے دودھ بلو (متھ) رہے تھے، وہ ایک عورت سے ملا، اس کے دو بچے دو چیتوں کی طرح اس کی کمر کے نیچے اس کے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، ابوزرع نے مجھے طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کر لیا، پھر اس کے بعد میں نے ایک اور سردار مرد سے نکاح کیا جو عمدہ شہ سوار تھا اور نیزے باز تھا، اس نے مجھے بہت سے مویشی دیئے اور ہر قسم کے سامان میں سے مجھے ایک ایک جوڑا دیا، اس نے کہا اے ام زرع! تم خود کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ ام زرع نے بتایا: اگر میں ان تمام چیزوں کو جمع کر لوں جو اس نے مجھے عطا کی تھیں تو وہ ابوزرع کے دیئے ہوئے ایک چھوٹے سے برتن کے بھی برابر نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے ابوزرع، ام زرع کے لیے تھا، امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا: سعید بن سلمہ نے اس حدیث کی از ہشام روایت کی ہے (اس میں یہ الفاظ ہیں) وَلَا تُعَشِّشُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا۔ ابوعبداللہ بخاری نے کہا: اور بعض راویوں نے کہا فَاَتَقَمَّحُ (میم کے ساتھ) اور یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔

اس حدیث میں مذکور گیارہ عورتوں کا تذکرہ، وہ گیارہ عورتیں کس زمانہ اور کس قبیلہ کی تھیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الہیثم کی روایت میں ہے کہ یہ گیارہ عورتیں مکہ میں تھیں اور قاضی عیاض نے کہا کہ یہ عورتیں قبیلہ خثعم سے تھیں اور ابن ابی اویس نے از والد خود روایت کی ہے کہ یہ عورتیں زمانہ جاہلیت میں تھیں۔ اسی طرح امام نسائی کی ایک روایت میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ان گیارہ عورتوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا: یعنی انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ سچ بولیں گی اور اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپائیں گی اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ اپنے شوہروں کی صفات بیان کریں گی اور اس میں سچ بولیں گی اور ابن الزبیر کی روایت ہے کہ انہوں نے اس پر بیعت کی۔

پہلی عورت نے جو اپنے خاوند کی صفت بیان کی، غث کا معنی اور خاوند کی مذمت

پہلی عورت نے کہا: علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے نام پر مطلع نہیں ہو سکا۔

غَثّ: اس کا معنی ہے: دبلا پتلا، اس کو موٹے کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے، اور جس حدیث کے الفاظ مختلط ہو جائیں اس کو کہتے ہیں: اَلْغَثُّ والسَّمِیْن اور جو کھانا خراب ہو جائے اس کو بھی اَلْغَثُّ کہتے ہیں۔

اور وہ گوشت پہاڑ کی ایک چوٹی پر رکھا ہوا ہو: علامہ ابو عبیدہ نے کہا: اس جملہ سے وہ عورت اپنے شوہر میں خیر کی کمی کو بیان کر رہی ہے جیسے پہاڑ کی چوٹی پر کوئی چیز رکھی ہو تو اس کو بغیر سخت مشقت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری عورت نے جو اپنے خاوند کی صفت بیان کی

دوسری عورت نے کہا: اس عورت کا نام عمرۃ بنت عمرو التمیمی ہے۔

اس عورت کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں اپنے خاوند کا پورا قصہ بیان کروں گی تو وہ مجھے طلاق دے دے گا، لہٰذا میں اس کا تذکرہ چھوڑتی ہوں۔

تیسری عورت نے اپنے خاوند کی صفت بیان کی، اَلْعَشَنَّق کا معنی اور خاوند کی مذمت

تیسری عورت نے کہا: اس عورت کا نام حیی بنت کعب الیمانی ہے۔

العشنق: اس کا معنی ہے: بہت لمبا، یہ ابو عبیدۃ کا قول ہے، اور الثعالبی نے کہا: جس کی لمبائی مذموم ہو، اور الخلیل نے کہا: جس کی گردن لمبی ہو، الاصمعی نے کہا: اس عورت کا ارادہ یہ تھا کہ اس کے خاوند کے لمبے قد میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔

چوتھی عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، تہامہ کے ساتھ وجہ تشبیہ اور مشکل الفاظ کے معانی

چوتھی عورت نے کہا: اس عورت کا نام مہدد ہے اور کہا جاتا ہے: اس کا نام مہرۃ بنت ابی ہرومہ ہے۔

میرا خاوند تو تہامہ کی رات کی طرح ہے: اس عورت نے اپنے خاوند کو تہامہ کی رات کے ساتھ تشبیہ دی ہے، وہ اس کی مدح کرتی ہے کہ اس کا خاوند ایسا ہے جیسے امن کے زمانہ میں اہل مکہ کی رات تھی یعنی وہ معتدل ہے، نہ وہ سرد مزاج ہے نہ گرم مزاج اور غصہ ور ہے۔ اس میں کوئی ایذاء رسانی نہیں ہے بلکہ اس میں راحت اور لذت ہے جیسے تہامہ کی رات لذیذ اور معتدل ہوتی ہے، نہ اس میں سخت گرمی ہوتی ہے اور نہ اس میں سخت ٹھنڈک ہوتی ہے۔

تہامہ: ہر اس شہر کا نام ہے جو نجد کے نشیب میں ہو اور وہ حجاز کے شہروں میں سے ہے۔

التہم: اس کا معنی ہے: جس جگہ کی آب و ہوا متغیر ہو۔

قر: اس کا معنی ہے: ٹھنڈک۔

سآمہ: اس کا معنی ہے: ملال۔

ابن الانباری نے بتایا کہ اس عورت کی مراد یہ تھی کہ اہل تہامہ موسمی تغیرات سے نہیں گھبراتے کیونکہ پہاڑوں نے ان کی حفاظت کی ہوئی ہے، یا اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس کا خاوند اپنے گھر یا اپنے پڑوسیوں کا محافظ ہے اور جو ان کی پناہ میں آئے اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔

پانچویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، چیتا اور شیر کے ساتھ وجہ تشبیہ

پانچویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام کبشہ ہے۔

میرا خاوند اگر گھر میں داخل ہو تو چیتا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جب میرا خاوند گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ چیتے کی طرح مجھ پر

اچھلتا کودتا ہے، اس کی مراد یہ ہے کہ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی میرے ساتھ جماع کرتا ہے۔
اور اگر گھر سے باہر نکلے تو شیر ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو بہادری کے ساتھ شیر کی طرح لوگوں سے لڑتا ہے۔
جو گھر میں وہ چھوڑ گیا اسے پوچھتا ہی نہیں: یعنی اگر گھر کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اس کے متعلق تفتیش نہیں کرتا اور گھر کے عیوب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

چھٹی عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، شروع میں اپنے خاوند کی مذمت کی اور آخر میں اس کی مدح کی

چھٹی عورت نے کہا: اس عورت کا نام ہند ہے۔
اگر میرا خاوند کھانا کھانے بیٹھے تو سب چٹ کر جائے۔ یعنی وہ ہر قسم کے کھانوں کو پورا پورا کھا لے اور ان میں سے کچھ بھی نہ بچائے۔
اور اگر پانی پیئے تو سارا کا سارا پانی پی لے۔ اِشْتَفَّ کا معنی ہے کہ وہ برتن میں سے سارا پانی پی لے اور برتن کو شفاف چھوڑ دے۔
اور اگر وہ چت لیٹے تو الگ پڑا رہتا ہے اور میرے کپڑوں پر ہاتھ بھی نہیں ڈالتا: یعنی جب وہ سوتا ہے تو اپنے کپڑوں میں ایک طرف سکڑ کر لیٹ جاتا ہے، اور ابو عبید نے کہا: گویا اس عورت کے جسم میں کوئی عیب تھا یا بیماری تھی جس سے اس کا شوہر غمگین ہوتا تھا اور اس لیے وہ اس کے کپڑوں میں ہاتھ نہیں ڈالتا تھا تا کہ وہ عورت افسردہ نہ ہو اور یہ اس کے اخلاق کریمانہ کا اظہار ہے اور ابن قتیبہ نے ان پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کلام کے شروع میں تو عورت نے اس کی مذمت کی تھی تو کلام کے آخر میں اس کی مدح کیسے کرے گی اور ابن الانباری نے کہا کہ یہ رد مردود ہے کیونکہ عورتوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنے خاوندوں کی کوئی بات نہیں چھپائیں گی، اور ان کا ہر وصف بیان کریں گی خواہ وہ لائق مدح ہو یا قابل مذمت ہو اور جن کے شوہروں میں اوصاف مخلط ہوں ان کو بھی بیان کریں گی۔

ساتویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، اس عورت نے اپنے خاوند کی مذمت میں کہا: اس میں تمام مصائب جمع ہیں

ساتویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام حی بنت علقمہ ہے۔
میرا خاوند تو جاہل ہے یا کاہل نامرد ہے: حدیث کے الفاظ ہیں:
غیایاء او عیایاء طباقاء: راوی کو شک ہے کہ یہ بلفظ غیایاء تھا یا عیایاء تھا۔ غیایاء کا معنی ہے: جو کسی راستہ کی ہدایت نہ پائے اور وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح ہو جس میں کوئی روشنی نہ ہو یا وہ شر میں منہمک ہو۔ طباقاء کا معنی ہے: جو کامل احمق ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ جو کلام کرنے سے عاجز ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ جس مرد کا سینہ بہت بھاری ہو اور وہ اپنے سینے کو عورت کے سینہ پر منطبق کرنے کی طاقت نہ رکھے، اور اس عورت نے کہا:
اس میں لوگوں کی ہر بیماری اور عیب ہے: یعنی اس میں تمام عیوب مجتمع ہیں۔
اس کا سر پھٹا ہوا ہے یا زخمی ہے: یعنی جب وہ گھر کے باہر لوگوں سے لڑتا ہے تو اس کا سر پھٹ جاتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے۔ وہ عورت اپنے خاوند کی معاشرت کی برائی بیان کر رہی ہے کہ وہ گھر کے اخراجات ادا نہیں کر سکتا اور جب وہ اپنے خاوند سے اس کی شکایت کرتی ہے تو وہ اس کو مارتا ہے حتیٰ کہ اس کا سر پھاڑ دیتا ہے یا اس کو زخمی کر دیتا ہے۔

آٹھویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، اس عورت نے اپنے خاوند کی مدح کی اور بتایا کہ وہ بہت بلند اخلاق ہے

آٹھویں عورت نے کہا: اور اس عورت کا نام یاسر بنت اوس بن عبد ہے۔

میرے زوج کو مس کرنا خرگوش کی طرح اور اس کی خوشبو زعفران کی طرح ہے: یعنی اس کے شوہر کے اخلاق بہت حسین ہیں جیسے جب تم خرگوش پر ہاتھ پھیرو تو اس کا جسم بہت نرم اور ملائم ہوتا ہے اور زرنب ارنب کے وزن پر ہے اور یہ ایک خوشبودار گھاس ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شام میں جبل لبنان پر بہت بڑا درخت ہے جس پر پھل نہیں لگتا لیکن اس کے پتے بہت بڑے ہوتے ہیں، تیسرا قول ہے کہ زرنب کا معنی زعفران ہے، اور چوتھا قول ہے کہ اس کا معنی مشک ہے۔

نویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، وہ عورت اپنے شوہر کی سخاوت بیان کرتی ہے

نویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔

میرا خاوند اونچے گھر والا ہے: عماد اصل میں گھر کے ستون کو کہتے ہیں، اس عورت کی مراد یہ تھی کہ اس کے خاوند کا گھر گھروں میں سب سے اونچا ہے تا کہ ضرورت مندوں کو وہ گھر دور سے نظر آئے اور وہ اس کے گھر آ کر سوال کریں اور وہ اس کی حاجت کو پورا کرے۔

لمبے پر تلے والا ہے: نجاد کا معنی ہے: تلوار کی حمائل، اس کو اردو میں پر تلہ کہتے ہیں اور لمبے پر تلہ والے سے لمبے قد کا کنایہ ہے۔

اس کا گھر راکھ کے ڈھیر والا ہے: یعنی اس کے گھر میں راکھ کا ڈھیر ہے کیونکہ اس کے گھر میں آگ زیادہ جلتی ہے، آگ اس لیے زیادہ جلتی ہے کہ وہاں کھانا زیادہ پکتا ہے اور کھانا اس لیے زیادہ پکتا ہے کہ وہاں مہمان بہت زیادہ آتے ہیں، اور مہمان اس لیے زیادہ آتے ہیں کہ وہ سخی ہے۔ اس کا گھر آگ کے چولہے کے قریب ہے! کیونکہ وہاں ہر وقت کھانا پکتا رہتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ عورت کنایہ کے الفاظ سے اپنے شوہر کی سخاوت کو بیان کر رہی ہے۔

دسویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، اس عورت نے بھی اپنے خاوند کی سخاوت بیان کی

دسویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام بھی پانچویں عورت کی طرح کبشہ ہے۔

میرا خاوند مالک ہے کیسا بڑا مالک ہے۔ وہ بہت اچھا مالک ہے: یہ فعل تعجب ہے، اس میں استفہام اور تہویل ہے یعنی تم اس کے اوصاف کی عظمتوں کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

اس کے پاس بہت زیادہ اونٹ ہیں جو اس کے باڑے میں بیٹھے رہتے ہیں، چراگاہوں میں کم جاتے ہیں: اس کے باوجود وہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے پاس جاتا ہے اور مال و دولت سے ان کی امداد کرتا ہے اور اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی دعوتیں کرتا ہے۔

گیارہویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، ام زرع کا اپنے خاوند کی ماں، بیٹے، بیٹی اور خادم کا ذکر کرنا

گیارہویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام ام زرع بنت اکمیل بن ساعدہ الیمینہ ہے اور یہ ام زرع کے نام سے مشہور ہیں۔

میرا خاوند ابوزرع ہے، پس ابوزرع کا کیا کہنا: اس عورت نے اظہار تعجب کے لیے کہا کہ ابوزرع کا کیا کہنا۔

اس نے میرے کانوں کو زیورت سے جھکا دیا: عربی میں یہاں اناس کا لفظ ہے، یہ نوس سے فعل ماضی ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو حرکت دینا یعنی اس نے میرے کانوں کو زیورات سے لاد دیا۔

اور میرے دونوں بازوؤں کو چربی سے پھلا دیا: ابو عبید نے کہا: اس سے مراد صرف بازو نہیں بلکہ اس کا پورا جسم ہے۔

اور مجھے خوب کھلا پلا کر فربہ کر دیا: حدیث میں الفاظ ہیں: وَبَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي یعنی اس نے مجھے خوب فربہ کر دیا۔ یہ جملہ پہلے جملہ کی تائید ہے۔

اور بے شک میں (شادی) سے پہلے بکریوں والوں میں گزر بسر کرتی تھی اور تنگی سے رہتی تھی: حدیث میں شق کا لفظ ہے۔ محدثین اسے شِق پڑھتے ہیں اور ابو عبید نے کہا: یہ لفظ شَق ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے، اور ابن ابی اویس نے کہا: اس سے مراد پہاڑ کا کنارہ ہے کیونکہ ان کی بکریاں بہت کم تھیں۔

ابو زرع نے مجھے گھوڑوں، اونٹوں، کھیتوں اور پرندوں کا مالک بنا دیا: صہیل کا معنی ہے: گھوڑوں کی آوازیں، اطیط کا معنی ہے: اونٹوں کی آوازیں یعنی ابو زرع اس کو اپنے گھر لے گیا اور وہ مال دار لوگ تھے کیونکہ مال دار لوگ ہی گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے ہیں، دائس کا معنی ہے: گاہنا، یعنی بیلوں کو گندم کے ڈھیر پر چلا کر اور گندم کو روند کر گندم کے دانہ سے بھوسہ کو الگ کرنا۔

(اس کے باوجود) میں اسے کوئی (ناگوار) بات کہوں تو وہ برا نہیں مانتا: یعنی اگر میں کوئی ناگوار بات کہوں تو وہ ناراض نہیں ہوتا بلکہ میری بات کو قبول کر لیتا ہے۔

میں صبح تک سوتی رہوں تو مجھے کوئی بیدار نہیں کرتا: کیونکہ اس کی بہت باندیاں ہیں جو میری جگہ اس کی خدمت کرتی ہیں۔

پانی پیوں تو خوب سیر ہو کر پیوں: یعنی میں اتنا زیادہ پانی پی لیتی ہوں کہ اس کے بعد مجھے مزید پانی پینے کی خواہش نہیں رہتی۔

ابو زرع کی ماں تو ابو زرع کی ماں کیسی اچھی ہے: اس کی شرح اسی طرح ہے جس طرح ابو زرع کی شرح میں گزر چکی ہے۔

اس کی کوٹھڑیاں بھری ہوئی ہے اور اس کا گھر کشادہ ہے: عُكُومُهَا رَدَاحٌ، عُکُوم عکم کی جمع ہے جیسے جلد کی جمع جلود ہے۔ اس کا معنی ایسی کوٹھڑی ہے جس میں فالتو سامان رکھتے ہیں۔ رَدَاحٌ یہ رَادِحٌ کی جمع ہے، جو عورت بہت جسیم ہو اس کو رداح کہتے ہیں۔

ابو زرع کا بیٹا تو ابو زرع کا بیٹا کیسا اچھا ہے! اس کا بستر گویا کہ وہ ایسی تلوار ہے جو نیام سے باہر نکلی ہوئی ہو: مسل شطبۃ کا معنی ہے: جو تلوار نیام سے باہر نکال کر سونتی ہوئی ہو، اور ابو عبید نے کہا اس کا معنی ہے: کھجور کے درخت کو چھیل کر اس سے دو شاخیں بنالی جائیں۔

وہ دنبہ کا ایک پایہ کھا کر سیر ہو جاتا ہے یعنی وہ کم خوراک ہے: اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ بہت کم کھاتا ہے۔

ابو زرع کی بیٹی تو ابو زرع کی بیٹی کیسی عمدہ ہے! اپنے باپ کی فرماں بردار اور اپنی ماں کی اطاعت شعار ہے، وہ کپڑوں میں ابھری ہوئی موٹی تازی ہے، وہ اپنی سوکن کی جلاپا ہے: مِلْئُ كِسَائِهَا یہ اس کے جسم کی فربہی سے کنایہ ہے، وَغَيْظُ جَارَتِهَا یعنی وہ اس قدر حسین وجمیل ہے کہ اس کی سوکنیں اس سے جلتی ہیں اور اس سے حسد کرتی ہیں۔

ابو زرع کی باندی تو ابو زرع کی باندی کیسی اچھی ہے! وہ ہمارے گھر کی باتوں کو پھیلاتی نہیں ہے اور ہمارے گھر کی چیزوں کو چراتی نہیں ہے: تبثیث کا معنی ہے: راز کو افشا کرنا اور بات کو پھیلانا اور تنقیث کا معنی ہے: خیانت کرنا، اور ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے بھرا نہیں رکھتی: تعشیش کا معنی ہے: کوڑا کرکٹ۔

اس نے کہا: ایک دن ابو زرع صبح صبح گھر سے نکلا جب لوگ مکھن نکالنے کے لیے دودھ بلو (متھ) رہے تھے: أَوْطَابٌ وَطْبٌ کی جمع ہے اور یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ فعل کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی، تَمْخَضُ کا معنی ہے: دودھ بلو کر مکھن نکالنا۔

وہ ایک عورت سے ملا، اس کے دو بچے دو چیتوں کی طرح اس کی کمر کے نیچے اس کے دو اناروں سے کھیل رہے تھے:
دو اناروں سے مراد اس عورت کے دو پستان ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کی قمیص کے نیچے دو پستان تھے۔ ام زرع نے یہ واقعہ اس لیے بیان کیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ ابوزرع نے جو ام زرع کو طلاق دے کر اس دوسری عورت سے نکاح کیا تھا اس کا کیا سبب تھا کیونکہ مرد اس میں راغب ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد ایسی حسین وجمیل عورت سے پیدا ہو جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔
ابوزرع نے مجھے طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کر لیا، پھر اس کے بعد میں نے ایک اور سردار مرد سے نکاح کر لیا جو عمدہ شہ سوار تھا: سَرِیًّا اس کا معنی ہے: جو سردار شریف اور مال دار ہو اور شَرِیًّا کا معنی ہے: جو گھوڑے پر عمدہ سواری کرتا ہو۔
اور نیزے باز تھا: خَطِیًّا کا معنی ہے: ایسا نیزہ جو زمین پر لکیر ڈالنے والا تھا۔
اس نے مجھے بہت سے مویشی دیئے اور ہر قسم کے سامان میں سے مجھے ایک ایک جوڑا دیا: اَرَاحَ کا معنی ہے: زوال کے بعد گھر کی طرف روانہ ہونا اور نَعَمًا ثَرِیًّا اس کا معنی ہے: بہت زیادہ مویشی، رَائِحَۃٌ کا معنی ہے: ہر قسم کی بو اور طبرانی کی روایت میں رائحۃ کی جگہ سائمۃ ہے یعنی قدرتی گھاس چرنے والے مویشی۔
اس نے کہا: اے ام زرع! تم خود کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ، میری اھلك کا معنی ہے: اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو ابوزرع کے مشابہ قرار دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جس طرح ابوزرع، ام زرع کے لیے تھا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خوش کرنے کے لیے اس طرح فرمایا اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا، پھر اس سے ناپسندیدہ امر کا استثناء فرمایا کیونکہ ابوزرع نے ام زرع کو طلاق دے دی تھی اور میں تم کو طلاق نہیں دوں گا، یہ آپ نے ان کو تسلی دینے کے لیے فرمایا اور یہ بتایا کہ آپ کی ابوزرع کے ساتھ تمام امور میں مشابہت نہیں ہے، کیونکہ ابوزرع کی سیرت میں صرف یہی چیز ناگوار تھی کہ اس نے ام زرع کو طلاق دے دی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں! آپ میرے لیے ابوزرع سے بہت بہتر ہیں۔
(السنن الکبریٰ: ۹۱۳۹ بغیۃ الرائد ص ۲۰۔۱۸)

مردوں کے سامنے اجنبی عورتوں کے محاسن بیان کرنا، مسجع، مقفّٰی کلام کرنا، المہلب مالکی کی نکتہ آفرینی کا رد، اپنے خاوند کی نیکیوں کے شکر کا وجوب اور مرد کے منہ پر اس کی مدح کرنے کا جواز

(۱) غیر معین عورتوں کے محاسن کا مردوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے اور معین عورتوں کے محاسن کا مردوں کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے: کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے دوسری عورت کے محاسن اس طرح بیان نہ کرے گویا کہ مرد نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۴۰)
(۲) مرد کا اپنی بیوی سے محبت کو اس کے سامنے بیان کرنا جائز ہے جب اسے فتنہ کا خوف نہ ہو۔
(۳) فصیح و بلیغ اور مسجع مقفّٰی عربی کلام کرنے کا جواز جب کہ وہ بلا تکلف ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔
(۴) علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ہر امت کے نیک لوگوں کی اتباع کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابوزرع کی حسن سیرت کی اتباع کی۔ قاضی عیاض نے کہا: میرے نزدیک یہ نکتہ درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوزرع کی اقتداء نہیں کی بلکہ یہ خبر دی ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ابوزرع کی مثل ہیں، اور علامہ المہلب کا یہ کہنا درست ہے کہ ہر امت کے نیک لوگوں کی اتباع کرنا جائز ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے نیک افعال ہماری شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

(۵) عورت کو چاہیے کہ اپنے خاوند کی نیکیوں کا شکر ادا کرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے خاوند کا شکر ادا نہیں کرتی۔ (السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۳۵۴)

(۶) کسی مرد کے منہ پر اس کی مدح کرنا جائز ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے منہ پر آپ کی تعریف کی جب یہ معلوم ہو کہ اس مدح سے اس کے اخلاق اور اعمال میں فساد اور تغیر نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مدح اور ہر ثناء کے مستحق ہیں اور جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے کلام سے مدح و ثناء کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے، علامہ بوصیری فرماتے ہیں:

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم و احکم بما شئت مدحا فیه واحتکم

''عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کو چھوڑ دو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو چاہتے ہو وہ کہو''۔

فمبلغ العلم فیه انه بشر وانه خیر خلق الله کلهم

''آپ کے متعلق انتہائی علم یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور بے شک آپ اللہ کی تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں''۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف مکافی سے اپنی ثناء کو قبول فرماتے تھے۔

(الشمائل للترمذی: ۳۵۲، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۱۵۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۲۹۱ شعب الایمان ج ۲ ص ۱۵۸)

القتیبی نے مکافی کا معنی اس طرح بیان کیا ہے: آپ صرف اس شخص کی مدح و ثناء کو قبول فرماتے تھے جس پر آپ نے انعام فرمایا ہو، پھر دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں یا اس کے جواب میں آپ کی مدح و ثناء کرے۔

ابن الانباری نے اس معنی کو غلط قرار دیا ہے اور اس کا رد کیا ہے اور کہا کہ کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انعام سے خالی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا ہے، پس تمام لوگوں پر آپ کی نعمت ہے اور تمام لوگوں پر آپ کی مدح و ثناء کرنا فرض ہے اور آپ کی مدح و ثناء کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوتا، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ صرف اس شخص سے مدح و ثناء کو قبول فرماتے تھے جس کے متعلق آپ کو یہ علم ہوتا تھا کہ وہ حقیقی مسلمان ہے اور منافق نہیں ہے۔

اور اس حدیث کے معنی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو اور اعتدال کے ساتھ میری تعریف کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۵)

مزاح کی تحقیق

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات مزاح کرنا جائز ہے اور بیوی کے ساتھ خوش طبعی کرنا اور بے تکلفی سے باتیں کرنا جائز ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ نرم اور میٹھی باتیں کرنی چاہئیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاح فرماتے تھے اور آپ مزاح میں بھی صرف حق بات کہتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں

حق کے سوااور کوئی بات نہیں کہتا"۔ (سنن ترمذی:۱۹۹۵) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک شخص بہت ہنستا رہتا تھا، پس رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم کیوں تعجب کرتے ہو وہ ضرور جنت میں بھی ہنستا ہوا داخل ہوگا"۔

(موسوعہ ابن ابی الدنیا، باب مدارۃ الناس رقم الحدیث:۶۹)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے مزاح سے منع فرمایا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

عکرمہ اپنے آزاد شدہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے بھائی سے نہ جھگڑو اور نہ مذاق کرو"۔ (سنن ترمذی:۱۹۹۵)

عبداللہ بن سائب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان نہ سنجیدگی سے لے اور نہ مذاق سے"۔ (سنن ابوداؤد:۵۰۰۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ جو مزاح محمود اور مباح ہے یہ وہ ہے جس میں کسی دوسرے شخص کو ضرر نہ ہو اور جس مزاح سے دوسرے شخص کو ضرر ہو وہ جائز نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جس مزاح سے منع فرمایا ہے وہ اسی پر محمول ہے۔

طلاق بالکنایہ میں طلاق کی نیت کا ضروری ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے لیے تھا، تو کیا نبی ﷺ کے اس ارشاد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طلاق ہوگئی؟ کیونکہ ابو زرع نے تو ام زرع کو طلاق دے دی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ابو زرع کے مشابہ ہونے سے طلاق نہیں ہوگی کیونکہ مشابہت کے ساتھ طلاق بالکنایہ ہوتی ہے اور طلاق بالکنایہ میں نیت ضروری ہے، علاوہ ازیں آپ نے خود فرمادیا: "سوا اس کے کہ میں نے تم کو طلاق نہیں دی"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۲۔۲۳۹ ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۰۸۔ ۶۰۳ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۱۹۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الْحَبَشُ يَلْعَبُونَ بِحِرَابِهِمْ فَسَتَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا أَنْظُرُ فَمَا زِلْتُ أَنْظُرُ حَتَّى كُنْتُ أَنَا أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ تَسْمَعُ اللَّهْوَ

(صحیح البخاری:۵۲۳۶، صحیح مسلم:۸۹۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے چھپایا اور میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر میں مسلسل ان کی طرف دیکھتی رہی حتیٰ کہ میں از خود وہاں سے مڑ گئی، پس تم ایک کم سن لڑکی کے شوق کا اندازہ کرو جو لہو کو سنتی ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے حکم کا منسوخ ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لہو سے محبت کرتی تھیں اور لہو ولعب دیکھنے کا بہت زیادہ شوق رکھتی تھیں اور ان کو اسے دیکھنے کے لیے جب تک وہ ٹھہر سکیں ٹھہرنے کی حرص تھی اور اسے دیکھنے سے اکتاتی نہیں تھیں مگر جب بہت زیادہ دیر ہو جائے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال یا اس سے زیادہ تھی۔ اور بعض علماء نے کہا: اس حدیث کا حکم قرآن مجید اور سنت سے منسوخ ہے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ (النور: ۳۶)

جن گھروں (مساجد) کے بلند کیے جانے اور ان میں اس کا نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ۝

یعنی مساجد میں صبح اور شام صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے نام کی تسبیح ہونی چاہیے اور مساجد میں لہو ولعب نہیں ہونا چاہیے۔

اور حدیث مذکور میں مسجد میں حبشیوں کے نیزوں کے ساتھ لہو کا ذکر ہے، سو اس حدیث کا حکم اس آیت سے منسوخ ہے اور اسی طرح درج ذیل حدیث سے بھی اس حدیث کا حکم منسوخ ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے اور برے لوگوں سے اور خرید و فروخت سے اور جھگڑوں سے اور اپنی آوازیں بلند کرنے سے اور اپنی حدود کو قائم کرنے سے اور اپنی تلواروں کو سونتنے سے محفوظ رکھو اور مسجدوں کے دروازوں پر وضو کی جگہیں بناؤ اور جمعہ کے ایام میں مسجدوں میں لوبان کی دھونی دو۔ (سنن ابن ماجہ: ۷۵۰) علامہ البوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی الحارث بن نبہان ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے۔

اور بعض علماء نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس وجہ سے منسوخ ہو کر کہ عورتوں کا مردوں کی طرف اور ان کے کھیل کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۳، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۰۹)

مسجد میں حبشیوں کے کھیل کی توجیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا کھیل دکھانے کی توجیہ

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عید کا دن تھا اور حبشی عید کے دن مسجد میں نیزہ بازی کی مشق کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد میں نیزہ بازی کی مشق کی اجازت دی تھی حالانکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا جاتا۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مساجد میں نیزہ بازی کی مشق کی اجازت دی تھی کیونکہ یہ تربیت جہاد کا ایک حصہ ہے اور جس طرح نماز عظیم عبادت ہے اسی طرح جہاد بھی عظیم عبادت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت پر یہ واجب ہے کہ وہ مردوں سے حجاب میں رہے اور عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا جائز ہے کیونکہ عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا اس وقت حرام ہے جب وہ مردوں کی طرف حصول لذت اور شہوت کی وجہ سے دیکھیں، اس کے برخلاف مردوں کا عورتوں کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب مرد عورتوں کی طرف دیکھتے ہیں تو بسا اوقات ان کے دلوں میں عورتوں کی طلب ہوتی ہے جب کہ عورتوں کے دیکھنے میں اس طرح کا معاملہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق اور اپنی اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت کا ذکر ہے کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ موقع دیا کہ وہ حبشیوں کے کھیل کو دیکھیں اور آپ نے اس وقت تک ان کو وہاں سے نہیں ہٹایا جب تک کہ وہ از خود وہاں سے نہیں ہٹیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اندازہ کرو کہ کم عمر لڑکی کس قدر لہو کو سنتی ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کم عمر لڑکیوں کے لیے اتنی رخصت ہے جو بڑی عمر کی لڑکیوں کے لیے رخصت نہیں ہے کیونکہ کم عمر کی فطرت میں لہو ولعب ہے، پس مناسب یہ ہے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں بلکہ ان کو قدرے کشادگی مہیا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کو نیزہ بازی کے لہو کی جو اجازت دی تھی وہ اس لیے تھی کہ ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہوں اور یہ محض لہو ولعب کی وجہ سے اجازت نہیں تھی، سو بڑوں کا لہو ولعب حرام ہے اور کم عمر لڑکوں اور لڑکیوں کا لہو ولعب ایام عید میں جائز ہے۔ شیخ ابن تیمیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

شیخ عبداللہ بن باز متوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مردوں کی طرف عموماً دیکھنا جائز ہے اور شہوت کے ساتھ دیکھنا ممنوع ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دیکھنے کو برقرار رکھا۔

(شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۵۶۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، مصر، ۱۴۲۹ھ)

۸۴۔ بَابٌ: مَوْعِظَةِ الرَّجُلِ ابْنَتَهُ لِحَالِ زَوْجِهَا

مرد کا اپنی بیٹی کو اس کے خاوند کے حال کے متعلق نصیحت کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب کے عنوان میں موعظۃ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وعظ اور نصیحت اور انجام سے ڈرانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۴)

۵۱۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمْ أَزَلْ حَرِيصًا عَلَى أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّتَيْنِ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا حَتَّى حَجَّ وَحَجَجْتُ مَعَهُ وَعَدَلَ وَعَدَلْتُ مَعَهُ بِإِدَاوَةٍ فَتَبَرَّزَ ثُمَّ جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدَيْهِ مِنْهَا فَتَوَضَّأَ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّتَانِ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا قَالَ وَاعَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ هُمَا عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ عُمَرُ الْحَدِيثَ يَسُوقُهُ قَالَ كُنْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور نے خبر دی از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے ہمیشہ سے اس بات کی حرص تھی کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کروں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں، (التحریم: ۴) حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ حج کیا اور وہ راستہ سے ایک طرف مڑ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ پانی کا مشکیزہ لے کر مڑ گیا، پس حضرت عمر نے قضائے حاجت کی، پھر وہ آئے تو میں نے اس مشکیزہ سے ان کے

أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهُمْ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِمَا حَدَثَ مِنْ خَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ أَوْ غَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الْأَنْصَارِ إِذَا قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَأْخُذْنَ مِنْ أَدَبِ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ فَصَخِبْتُ عَلَى امْرَأَتِي فَرَاجَعَتْنِي فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِي قَالَتْ وَلِمَ تُنْكِرُ أَنْ أُرَاجِعَكَ فَوَاللَّهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ لَيُرَاجِعْنَهُ وَإِنَّ إِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ فَأَفْزَعَنِي ذَلِكَ وَقُلْتُ لَهَا قَدْ خَابَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكِ مِنْهُنَّ ثُمَّ جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَنَزَلْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَقُلْتُ لَهَا أَيْ حَفْصَةُ أَتُغَاضِبُ إِحْدَاكُنَّ النَّبِيَّ ﷺ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ قَدْ خِبْتِ وَخَسِرْتِ أَفَتَأْمَنِينَ أَنْ يَغْضَبَ اللَّهُ لِغَضَبِ رَسُولِهِ ﷺ فَتَهْلِكِي لَا تَسْتَكْثِرِي النَّبِيَّ ﷺ وَلَا تُرَاجِعِيهِ فِي شَيْءٍ وَلَا تَهْجُرِيهِ وَسَلِينِي مَا بَدَا لَكِ وَلَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ عَائِشَةَ قَالَ عُمَرُ وَكُنَّا قَدْ تَحَدَّثْنَا أَنَّ غَسَّانَ تُنْعِلُ الْخَيْلَ لِغَزْوِنَا فَنَزَلَ صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَرَجَعَ إِلَيْنَا عِشَاءً فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا وَقَالَ أَثَمَّ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَدَثَ الْيَوْمَ أَمْرٌ عَظِيمٌ قُلْتُ مَا هُوَ أَجَاءَتْ غَسَّانُ قَالَ لَا بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ وَأَهْوَلُ طَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَاءَهُ وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ حُنَيْنٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ فَقَالَ اعْتَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ أَزْوَاجَهُ فَقُلْتُ خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ قَدْ كُنْتُ أَظُنُّ هَذَا يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ فَجَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَصَلَّيْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ

ہاتھوں پر پانی ڈالا، پس حضرت عمر نے وضو کیا، پھر میں نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! نبی ﷺ کی ازواج میں سے وہ کون سی دو عورتیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔ (التحریم: ۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن عباس! تم پر تعجب ہے وہ دو عورتیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع سے یہ واقعہ بیان کرنے لگے، انہوں نے بتایا: میں تھا اور ایک میرا پڑوسی تھا جو انصار کے ایک قبیلہ بنو امیہ بن زید سے تھا اور یہ لوگ مدینہ منورہ کے بالائی علاقہ میں رہتے تھے اور ہم باری باری نبی ﷺ کے پاس جاتے تھے، ایک دن وہ جاتا تھا اور ایک دن میں جاتا تھا، پس جب میں جاتا تو میں اس کے پاس اس دن کی خبریں لے کر آتا کہ اس دن کیا وحی نازل ہوئی ہے اور کیا احکام بتائے گئے ہیں اور جب وہ جاتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا تھا اور ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، پھر جب ہم انصار کے پاس آئے اور وہ ایسے لوگ تھے جن پر ان کی عورتیں غالب رہتی تھیں، پس ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کے طریقہ گفتگو کو اپنا لیا، پھر ایک دن میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا تھا تو اس نے میری کسی بات کا پلٹ کر جواب دیا، مجھے بہت ناگوار گزرا کہ وہ مجھے پلٹ کر جواب دے رہی ہے۔ اس نے کہا: میرا جواب دینا تمہیں کیوں ناگوار گزر رہا ہے، پس اللہ کی قسم! بے شک نبی ﷺ کی ازواج بھی آپ کو پلٹ کر جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک زوجہ نبی ﷺ کو پورے دن چھوڑے رکھتی ہے حتیٰ کہ رات تک، پس اس خبر نے مجھ کو ڈرا دیا اور میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ازواج مطہرات میں سے جس نے بھی ایسا کیا وہ ناکام اور نامراد ہوگی، پھر میں نے اپنے کپڑے اکٹھے کیے، پس میں اس بالائی علاقہ سے اترا اور حفصہ کے پاس گیا، میں نے اس سے کہا: اے حفصہ! کیا تم میں سے کوئی ایک نبی ﷺ سے سارا دن ناراض رہتی ہے حتیٰ کہ رات تک؟ حفصہ نے کہا: جی ہاں!

فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَشْرُبَةً لَهُ فَاعْتَزَلَ فِيهَا
وَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي فَقُلْتُ مَا يُبْكِيكِ
أَلَمْ أَكُنْ حَذَّرْتُكِ هَذَا أَطَلَّقَكُنَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَتْ
لَا أَدْرِي هَا هُوَ ذَا مُعْتَزِلٌ فِي الْمَشْرُبَةِ فَخَرَجْتُ فَجِئْتُ
إِلَى الْمِنْبَرِ فَإِذَا حَوْلَهُ رَهْطٌ يَبْكِي بَعْضُهُمْ فَجَلَسْتُ
مَعَهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ الْمَشْرُبَةَ الَّتِي
فِيهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ لِغُلَامٍ لَهُ أَسْوَدَ اسْتَأْذِنْ
لِعُمَرَ فَدَخَلَ الْغُلَامُ فَكَلَّمَ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ
فَقَالَ كَلَّمْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ
فَانْصَرَفْتُ حَتَّى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ
الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ
اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ فَدَخَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ قَدْ ذَكَرْتُكَ لَهُ
فَصَمَتَ فَرَجَعْتُ فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ
الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ الْغُلَامَ فَقُلْتُ
اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ فَدَخَلَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيَّ فَقَالَ قَدْ ذَكَرْتُكَ
لَهُ فَصَمَتَ فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا قَالَ إِذَا الْغُلَامُ
يَدْعُونِي فَقَالَ قَدْ أَذِنَ لَكَ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلْتُ
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى
رِمَالِ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ
بِجَنْبِهِ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ
فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ فَرَفَعَ إِلَيَّ بَصَرَهُ فَقَالَ لَا فَقُلْتُ اللَّهُ
أَكْبَرُ ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَسْتَأْنِسُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ
رَأَيْتَنِي وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ فَلَمَّا
قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ إِذَا قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَتَبَسَّمَ
النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ رَأَيْتَنِي
وَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَقُلْتُ لَهَا لَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ
جَارَتُكِ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ
عَائِشَةَ فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ تَبَسُّمَةً أُخْرَى

نے کہا: پھر تو تم نامراد اور نقصان زدہ ہو گئی، کیا تم اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے بے خوف ہو گئی ہو؟ (اگر ایسا ہے تو) تم ہلاک ہو جاؤ گی، تم نبی ﷺ سے زیادہ چیزیں نہ طلب کرو نہ آپ کی کسی بات کا جواب دو اور نہ آپ کو چھوڑے رکھو، تم کو جو چیز چاہیے اس کا مجھ سے سوال کرو اور تم کو یہ چیز دھوکہ نے میں نہ ڈالے کہ تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوب صورت ہیں اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر نے یہ بیان کیا کہ ہم آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ بادشاہ غسان ہم سے جنگ کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو نعل پہنا رہا ہے، پھر ایک دن میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے دن گیا، پھر ہمارے پاس عشاء کے وقت لوٹا اور اس نے بہت زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے کہا: کیا وہ یہاں پر ہے؟ پس میں گھبرا گیا اور اس کی طرف باہر نکلا، اس نے کہا: میں آج تمہارے پاس بہت سنگین خبر لے کر آیا ہوں، میں نے پوچھا: وہ کیا خبر ہے؟ کیا غسان آ گیا ہے؟ میرے ساتھی نے کہا: نہیں بلکہ اس سے زیادہ سنگین اور ہولناک خبر ہے، نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، اور عبید بن حنین نے کہا: انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (میرے ساتھی نے) کہا: نبی ﷺ اپنی ازواج الگ ہو گئے تو میں نے کہا: حفصہ ناکام اور مراد ہو گئی، مجھے اس بات کا (پہلے سے) گمان تھا کہ یہ بات ہونے والی ہے، پھر میں نے اپنے کپڑے اکٹھے کیے میں نے فجر کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ ادا کی، پس نبی ﷺ اپنے مچان (بالاخانہ) میں داخل ہو گئے، سو آپ اس میں (ازواج) سے الگ رہ رہے تھے اور میں حفصہ کے پاس چلا گیا، سو وہ اس وقت رو رہی تھی، میں نے پوچھا: تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ کیا میں نے تم کو اس بات سے نہیں ڈرایا تھا؟ کیا تم سب کو نبی ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا: میں نہیں جانتی، آپ وہاں مچان میں الگ رہ رہے ہیں، پس میں وہاں سے نکلا،

فَجَلَسْتُ حِينَ رَأَيْتُهُ تَبَسَّمَ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فِي بَيْتِهِ فَوَاللهِ مَا رَأَيْتُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ أَهَبَةٍ ثَلَاثَةٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلَى أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَأُعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللهَ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ أَوَفِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنَّ أُولَئِكَ قَوْمٌ عُجِّلُوا طَيِّبَاتِهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَغْفِرْ لِي فَاعْتَزَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم نِسَاءَهُ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ الْحَدِيثِ حِينَ أَفْشَتْهُ حَفْصَةُ إِلَى عَائِشَةَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ قَالَ مَا أَنَا بِدَاخِلٍ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا مِنْ شِدَّةِ مَوْجِدَتِهِ عَلَيْهِنَّ حِينَ عَاتَبَهُ اللهُ فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ لَيْلَةً دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَبَدَأَ بِهَا فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ كُنْتَ قَدْ أَقْسَمْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا وَإِنَّمَا أَصْبَحْتَ مِنْ تِسْعٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَعُدُّهَا عَدًّا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ لَيْلَةً فَكَانَ ذَلِكَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى آيَةَ التَّخَيُّرِ فَبَدَأَ بِي أَوَّلَ امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِهِ فَاخْتَرْتُهُ ثُمَّ خَيَّرَ نِسَاءَهُ كُلَّهُنَّ فَقُلْنَ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۸۔ ۵۸۴۳، ۷۲۵۶، ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ابو داؤد: ۵۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۶۹۱، ۳۳۱۸، سنن نسائی: ۲۱۳۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳، صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۲۱، ۲۱۷۸، الادب المفرد: ۸۳۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳، مسند احمد: ۲۲۲، سنن دارمی: ۲۶۲۹)

پھر میں منبر کی طرف آیا، سو وہاں صحابہ کی ایک جماعت تھی جن میں سے بعض رو رہے تھے، پس میں تھوڑی دیر ان کے ساتھ بیٹھا پھر میرے دل کی کیفیت مجھ پر غالب آئی، پس میں اس مچان کے پاس گیا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، میں نے ایک سیاہ فام لڑکے سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، سو وہ لڑکا مچان میں داخل ہوا، پس اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بات کی، پھر لوٹ آیا، اس نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور آپ کا ذکر کیا تو آپ خاموش رہے، پس میں واپس آ گیا حتیٰ کہ میں ان صحابہ کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس تھے، پھر میرے دل کی کیفیت مجھ پر غالب آئی، پس میں آیا، پھر میں نے اس سیاہ فام لڑکے سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، پس وہ لڑکا مچان میں داخل ہوا، پھر لوٹ آیا تو اس نے بتایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ذکر کیا تو آپ خاموش رہے، میں پھر لوٹ آیا اور میں ان صحابہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا جو منبر کے پاس تھے، پھر میری دلی کیفیت مجھ پر غالب آئی تو میں اس لڑکے کے پاس آیا تو میں نے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، پس وہ لڑکا مچان میں داخل ہوا، پھر میرے پاس لوٹ آیا، پس اس نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ذکر کیا تھا تو آپ خاموش ہو گئے، پھر جب میں پیٹھ موڑ کر واپس جا رہا تھا تو اچانک وہ لڑکا مجھے بلا رہا تھا، پس اس نے کہا: آپ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی ہے، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا، اس وقت آپ ایک بنی ہوئی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا اور چٹائی کی بنائی آپ کے پہلو میں نقش ہو گئی تھی، آپ چمڑے کے ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، میں نے آپ کو سلام کیا، پھر میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، آپ نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر فرمایا کہ نہیں، پس میں نے کہا: اللہ اکبر، پھر میں نے کھڑے کھڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انس طلب کرنے کے لیے

عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ مجھے دیکھتے ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، پھر جب ہم مدینہ منورہ میں آ گئے تو یہاں کے لوگوں پر ان کی عورتیں غالب رہتی تھیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ مجھے دیکھتے جب میں حفصہ کے پاس گیا، میں نے اس سے کہا: تم کو یہ چیز دھوکہ میں نہ رکھے کہ بے شک تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوب صورت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے، ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مسکرائے، جب میں نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو پھر میں بیٹھ گیا اور میں نے نظر اٹھا کر گھر میں دیکھا، پس اللہ کی قسم! میں نے آپ کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو میری نظر کو لوٹاتی سوائے تین کچی کھالوں کے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کر دے کیونکہ فارس اور روم پر بہت کشادگی کی گئی ہے اور ان کو دنیا عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا اے ابن الخطاب! کیا تم ایسے سوچتے ہو؟ بے شک یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی عمدہ چیزیں عجلت سے دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں پس، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے اس بات کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے تھے جب حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کر دیا تھا، آپ انتیس (۲۹) راتیں ازواج مطہرات سے علیحدہ رہے، آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میں ایک مہینہ تک ان کے پاس نہیں آؤں گا کیونکہ آپ کو ازواج مطہرات سے شدید رنج پہنچا تھا جب اللہ عزوجل نے آپ پر عتاب فرمایا تھا، پس جب انتیس (۲۹) راتیں گزر گئیں تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، سو ان سے ابتداء کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمارے پاس ایک مہینہ تک نہیں آئیں گے اور آپ تو صرف

انتیس (۲۹) راتوں کے بعد آ گئے ہیں اور میں تو ایک ایک رات گن رہی تھی، آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) راتوں کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ انتیس (۲۹) راتوں کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر اللہ نے آیت تخییر نازل فرمائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے مجھ سے ابتداء کی تو میں نے آپ کو اختیار کر لیا، پھر آپ نے تمام ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

بیوی کو مارنے کی ممانعت اور اس کے متعلق احادیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے: اس حدیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ مرد کے لیے زیادہ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی ایذاء رسانی پر صبر کرے اور چشم پوشی کرے اور اس کی ناگوار باتوں سے درگزر کرے بہ شرطیکہ اس کی یہ ایذاء رسانی مرد کی ذات سے متعلق ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہو اور یہ منقول نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی ایذاء رسانی پر انہیں کوئی سزا دی ہو بلکہ منقول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے ان کو نصیحت کی تھی نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم ہے اور امت کو بھی چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ اور نمونہ پر عمل کرے۔

(تہذیب الآثار للطبری، مسند عمر بن الخطاب ج ۱ ص ۴۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے لیے بہترین ہو اور میں اپنی اہلیہ کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں"۔

(سنن ترمذی: ۳۸۹۵، سنن دارمی: ۲۲۰۶، تہذیب الآثار للطبری: ۶۷۹، صحیح ابن حبان: ۴۱۷۷، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۸، شعب الایمان: ۸۷۱۸، ۱۱۰۱۴، مسند البزار (کشف الاستار) ۱۴۷۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۱۴۵)

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص کیوں اپنی بیوی کو اس طرح کوڑے مارنے کا ارادہ کرتا ہے جس طرح غلام کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور شاید وہ اسی دن اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۴۲، ۵۲۰۴، ۶۰۴۲، صحیح مسلم: ۲۸۵۵، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے معاملہ میں تخفیف کرو اور اس کے اوپر اپنی لاٹھی کو نہ اٹھاؤ"۔

(تہذیب الآثار للطبری: ۶۸۵، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۶۴۹، الارواء: ۲۰۲۶)

بیوی کو مارنے کے ثبوت کے متعلق بعض تابعین کے آثار

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: ان احادیث سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں اور افضل یہ ہے کہ اپنی بیوی کی ناگوار باتوں پر صبر کیا جائے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح کا

عمل ثابت ہے، اور دوسرے علماء نے کہا: یہ احادیث صحیح ہیں اور ان کے معنی میں اختلاف ہے، پس بعض نے کہا: جب مرد اپنی بیوی کی کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے اور جس چیز میں اس کی اطاعت واجب ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کرے تو وہ اپنی بیوی کو مارے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور فقہاء تابعین اسی طرح کرتے تھے۔

جریر نے ام موسیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں، بسااوقات وہ ان کو مارتے تھے تو وہ حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر شکایت کرتی تھیں اس حال میں ان کی ریشمی قمیص مار کے اثر سے ان کے جسم کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی تھی تو حضرت حسن بن علی نے انہیں قسم دے کر کہا کہ تم ضرور اپنے خاوند کے گھر جاؤ۔

ابواسامہ نے از ہشام بن عروہ از فاطمہ بنت المنذر از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں الزبیر کے نکاح میں چوتھی بیوی تھی، پس جب وہ ہم میں سے کسی ایک پر ناراض ہوتے تو کھونٹی سے لاٹھی اتار کر اتنا مارتے کہ لاٹھی ٹوٹ جاتی۔

شعبہ نے از عمارہ روایت کی ہے کہ میں ابومجلز کے پاس گیا۔ ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تو انہوں نے لاٹھی اٹھائی اور آدمی پور کے برابر اپنی بیوی کا سر پھاڑ دیا۔

بیوی، نوکر اور کم عمر اولاد کو بغیر جرم کے مارنے کی ممانعت

دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے لیے صرف یہ جائز ہے کہ اگر وہ بیوی کی کسی بات سے ناراض ہو تو اس کو اپنے بستر پر نہ سلائے اور خاوند کے لیے بیوی کو مارنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ اس پر حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر جرم کے مومنین اور مومنات کو مارنے سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۠ (الاحزاب: ۵۸)

اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بغیر خطا یا جرم کے ایذاء پہنچاتے ہیں تو بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا O

خواہ کسی عورت کو مارا جائے اور مارنے والا اس کا خاوند ہو یا نوکر کو مارا جائے اور مارنے والا اس کا مالک ہو یا کم عمر ہو اور مارنے والا اس کا والد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے ان کی بہتری کے لیے مارنے کی اجازت دی ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسائل اور نکات لطیفہ

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو یہ نصیحت کرنے کے لیے گئے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہیں، وہ سواری میں سوار ہو کر مدینے پہنچے، پھر چل کر ان کے گھر گئے، اس میں یہ دلیل ہے کہ بیٹی کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے مال کو خرچ کرنا جائز ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ سمجھایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلٹ کر جواب نہ دیا کریں، اس سے معلوم ہوا کہ خاوند سے زبان درازی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ عالم سے اس کے بعض نجی معاملات کے متعلق سوال کرنا جائز ہے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاہ فام لڑکے سے کہا: جاؤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ عمر حاضر ہونا چاہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ

سلطان اور سربراہ ملک کے لیے اپنے گھر پر دربار کو رکھنا جائز ہے اور اس حدیث سے پرسنل سیکرٹری رکھنے کا جواز بھی نکلتا ہے۔

(۵) بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر کوئی دربان نہیں تھا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ گھر کے باہر مچان کی سیڑھیوں پر سیاہ فام لڑکا بہ طور دربان بیٹھا ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ جن اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتے تھے ان اوقات میں کوئی دربان نہیں تھا اور جن اوقات میں آپ تخلیہ فرماتے تھے ان اوقات میں دربان رکھا ہوا تھا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک مچان میں رہے اور گھر کے اندر نہیں گئے، اس سے معلوم ہوا کہ عالم اور سلطان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی وقت یا چند دن تخلیہ میں رہے حتیٰ کہ اپنے قریبی گھر والوں کے پاس بھی نہ جائے۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربان کے ذریعہ تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے سکوت فرمایا، اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب معلوم کرنا چاہتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی بیٹی سے ناراضگی ہو تو اس شخص کے سامنے اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے اس کی دل آزاری ہوگی، اور بعض اوقات سکوت کرنا کلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

(۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی زیب و زینت، آرام اور آسائش کا سامان نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کے انعامات کے حصول کے لیے دنیا کے عیش و آرام کو ترک کرنا افضل ہے اور دنیا کی تنگی پر صبر کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، تاہم اگر انسان دنیا کی نعمتوں کو حاصل کرے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو اس میں بھی فضیلت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تنگی کے ساتھ وقت گزارا اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہوئے آپ ان نعمتوں سے بھی بہرہ اندوز ہوئے۔

(۹) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر اور ان کا پڑوسی باری باری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک دن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کا علم حاصل کرتے اور ایک دن اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کام دھندے پر چلے جاتے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو بیویوں کے متعلق دریافت کیا جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت نہیں کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے اوقات میں بھی عالم دین سے دینی مسائل کو دریافت کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اگرچہ قرآن کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے اس کے باوجود انہوں نے یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کو سب سے زیادہ قرآن اور سنت کا علم تھا۔

(۱۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ وہ ایک ماہ ازواج مطہرات کے پاس نہیں جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی کی کوئی بات ناگوار ہو تو کچھ عرصہ کے لیے اس سے مقاطعہ کرنا جائز ہے۔

(۱۲) ایلاء شرعی یہ ہے کہ خاوند قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک بیوی سے جماع نہیں کرے گا، اگر وہ چار ماہ تک بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی، اور اگر اس نے چار ماہ سے پہلے بیوی سے صحبت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کو قسم کا کفارہ دینا ہوگا، اور اگر اس نے چار ماہ سے کم بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ ایلاء لغوی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء لغوی تھا۔

(۱۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتیس (۲۹) دن کے بعد گھر آ گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ابھی تو انتیس دن گزرے ہیں اور آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہ تھیں اور وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کی قسم ٹوٹ جائے۔

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں تو ایک ایک رات گن گن کر گزار رہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت شدید محبت کرتی تھیں اور وہ بے چینی سے ایک ماہ پورا ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔

(۱۵) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو آپ کے پاس رہیں اور وہ چاہیں تو انہیں مال و دولت کی کثرت دے دی جائے تو انہوں نے مال و دولت کی کثرت کو ترک کر کے تنگ دستی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا اور باقی ازواج مطہرات نے بھی ایسا ہی کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت شدید محبت رکھتی تھیں اور چونکہ اس اختیار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہل کی تھی تو اس سے ازواج مطہرات کے درمیان ان کی افضلیت کا علم ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۵-۲۵۱، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۵- بَابُ: صَوْمِ الْمَرْأَةِ بِإِذْنِ زَوْجِهَا تَطَوُّعًا

خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا نفلی روزہ رکھنا

۵۱۹۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ (صحیح البخاری: ۵۱۹۵-۵۳۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۴۵۸، مسند احمد: ۸۱۹۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ”کوئی عورت اس دن روزہ نہ رکھے جس دن اس کا شوہر موجود ہو البتہ اس کی اجازت سے روزہ رکھ سکتی ہے“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۶۶ میں گزر چکی ہے۔

خاوند کی اجازت کے بغیر نفل روزہ کا مکروہ تنزیہی ہونا اور نفلی روزہ کو توڑنے سے قضاء کے وجوب میں اختلاف فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے سے جو منع فرمایا ہے اس سے مراد نفلی روزہ ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی کو اس کے فرائض لازمہ کی ادائیگی سے منع کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے اور شوہر اور بیوی کے درمیان حسن معاشرت کے لیے ہے اور اس میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی یہ دلیل ہے کہ اگر کسی نے عمداً نفلی روزہ کو توڑ دیا تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے کیونکہ اگر نفلی روزہ کو توڑنا مباح ہوتا تو بیوی کو نفلی روزہ رکھنے کے لیے خاوند کی اجازت کی ضرورت نہ ہوتی اور امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ نفلی روزہ کو توڑنے سے قضاء واجب نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نفلی عبادات ادا کرنے کی بہ نسبت خاوند کے حقوق کو ادا کرنا زیادہ مؤکد ہے۔ (شرح ابن بطال علی

صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۶۔ بَابُ: إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا

جب بیوی اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے

۵۱۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۹۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۴۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ”جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَرْجِعَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از زرارہ از حضرت ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بیوی اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ (خاوند کے پاس) لوٹ آئے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اس کی ناراضگی کا سبب ہونا اور مصداق لعنت ہونا، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا فرشتوں کی دعا کا سبب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے بدن اور مال میں اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں ان کو پورا کرنا واجب ہے اور ان حقوق کو پورا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان کوئی ناجائز کام کرے اس پر لعنت کرنا جائز ہے تاہم اس کو لعنت کرنے کی بجائے اس کے لیے ہدایت اور توفیق توبہ کی دعا کی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مومن جب تک کسی گناہ میں مشغول رہتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۷۔ بَابُ: لَا تَأْذَنِ الْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا لِأَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ

عورت اپنے خاوند کے گھر میں کسی کو خاوند کی اجازت کے بغیر آنے نہ دے

۵۱۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان

الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنَ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَمَا أَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ يُؤَدَّى إِلَيْهِ شَطْرُهُ وَرَوَاهُ أَبُو الزِّنَادِ أَيْضًا عَنْ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الصَّوْمِ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۲۶، سنن ابو داؤد: ۱۶۸۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۶)

کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی عورت کا خاوند موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور وہ اپنے خاوند کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت نہ دے اور اس نے اس کی اجازت کے بغیر جو خرچ کیا تو اس (صدقہ) کا نصف اجر اس کے خاوند کو دیا جائے گا۔ اور اس حدیث کی ابوالزناد نے بھی از موسیٰ از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزہ کے متعلق روایت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۶۶ میں گزر چکی ہے۔

خاوند کی کمائی سے بیوی کے خرچ کرنے کے جواز کے متعلق دیگر احادیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر میں کسی کو اس کی اجازت کے بغیر آنے نہ دے'' یعنی جس کے آنے کو اس کا خاوند ناپسند کرتا ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو کیونکہ یہ بدگمانی کا باعث ہے اور یہ غیرت اور حمیت کا موجب ہے جو قطع رحم کا سبب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت مرد کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر جو صدقہ کرتی ہے اس کا آدھا اجر اس کے خاوند کو ملتا ہے''۔

اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو اس کا نصف اجر اس کے خاوند کو ملتا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۲۰۶۶) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو خیر پر رہنمائی کرے وہ خیر کے فاعل کی مثل ہے''۔ (سنن ترمذی: ۲۶۷۰) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خازن کے لیے بھی خرچ کرنے پر اجر ہے اور بیوی کے لیے بھی خرچ کرنے پر اجر ہے''۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۵) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۸۔ بَابٌ: باب

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا اور یہ باب ابواب سابقہ کے لیے بہ منزلہ فصل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۶۴)

۵۱۹۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةَ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينَ وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں التیمی نے خبر دی از ابی عثمان از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ''میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو جنت میں داخل ہونے والے بالعموم مساکین تھے اور محنت کرنے

بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔
(صحیح البخاری: ۶۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۷۳۶، مسند احمد: ۲۱۸۸۴)

والے لوگوں کو روکا ہوا تھا اس کے سوا کہ اصحاب نار کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا اور میں دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو اس میں بالعموم داخل ہونے والی عورتیں تھیں"۔

فقیر کی غنی پر فضیلت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جنت میں دخول کا سب سے قریب سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے توکل کرنا ہے اور جنت سے دور رہنے کا سبب مال وغیرہ سے تکبر کرنا ہے اور محنت کرنے والے لوگوں کو جنت میں دخول سے اس لیے روکا جائے گا کہ ان کے اموال میں فقراء کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق واجب تھے وہ ان کو ادا نہیں کرتے تھے اس لیے ان کو حساب کے لیے روک لیا گیا اور جن لوگوں نے اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر دیا تو ان کو جنت کے دخول سے نہیں روکا جائے گا اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فقیر کو غنی پر فضیلت حاصل ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

فقیر صابر اور غنی شاکر کے درمیان مصنف کا محاکمہ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کو غنی پر فضیلت ہے کیونکہ فقیر مال نہ ملنے پر صبر کرتا ہے اور غنی مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور صبر کا اجر بہت زیادہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰)

صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا۔

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فقراء آئے، انہوں نے کہا: مال دار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور دائمی جنت کو لے گئے، وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور ان کو مال کی فضیلت حاصل ہے وہ اس مال سے حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو ایسے عمل کی خبر نہ دوں کہ اگر تم نے وہ عمل کیا تو تم سابقین کے درجات کو پالو گے اور کوئی اور اس درجہ کو نہیں پا سکے گا سوا اس کے جو تمہاری طرح عمل کرے تم سبحان اللہ کہو اور تم الحمد للہ کہو اور اللہ اکبر کہو ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ۔ (صحیح البخاری: ۸۴۳)

امام مسلم کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے: ابوصالح نے کہا: فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے اس حدیث کو سنا تو وہ بھی نماز کے بعد یہ تسبیحات پڑھنے لگے (یعنی ان کا اجر پھر زیادہ ہو گیا)، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کرتا ہے"۔ (صحیح مسلم: ۵۹۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال داروں کو فقراء پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ مال کی وجہ سے حج، عمرہ، جہاد اور صدقات کرتے ہیں جو فقراء نہیں کر سکتے۔

بعض عارفین نے کہا: فقیر کا صبر کرنا کوئی باعث کمال نہیں کیونکہ وہ صبر نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا اور غنی کا شکر ادا کرنا بھی کوئی باعث حیرت نہیں کیونکہ جس کے پاس مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، کمال اس کا ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ پھر

بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، سو نہ فقیر صابر افضل ہے نہ غنی شاکر افضل ہے بلکہ افضل تو فقیر شاکر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۸۹۔ بَابُ: كُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَهُوَ الزَّوْجُ وَهُوَ الْخَلِيطُ مِنَ الْمُعَاشَرَةِ

عشیر کی نافرمانی اور اس سے مراد خاوند ہے اور عشیر اس کو کہتے ہیں جو معاشرت میں شریک ہو

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کا کفر کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور اس باب میں کفر سے مراد شکر کی ضد ہے یعنی نعمت اور احسان کا انکار کرنا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا اور اس سے مراد وہ کفر نہیں ہے جس کی وجہ سے بندہ اصل ایمان سے نکل جاتا ہے اور کفران کا لفظ کفر کا مصدر ہے۔

عشیر سے مراد ہے: خاوند۔ العشیر کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے، اس کا معنی ہے: معاشر یعنی جو معاشرت میں شریک ہو اور ساتھی ہو اور خاوند خلیط ہوتا ہے کیونکہ خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاط ہوتا ہے اور عنوان میں جو معاشرت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: مصاحبت۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۶۵)

فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس معنی میں حضرت ابو سعید بن مالک الخدری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کی حدیث میں مصنف کا تتبع

میں کہتا ہوں کہ: امام بخاری نے اس تعلیق سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی کس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، میں نے یہ جاننے کے لیے صحیح بخاری کی دستیاب تمام شروح میں اس کو تلاش کیا لیکن علامہ ابن بطال، علامہ ابن ملقن، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، علامہ الکورانی اور شیخ عثیمین نے اس کی تعلیق کی شرح میں کچھ نہیں لکھا، میں نے سوچا کہ آخر میری شرح میں تو اس حدیث کی نشاندہی ہونی چاہیے، پھر اچانک میرے ذہن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علام الغیوب کی طرف متوجہ کیا اور علام الغیوب نے فیض آفرینی کی اور جیسے میرے ذہن میں چراغ روشن ہوئے اور اس کی روشنی میں مجھے یہ حدیث مل گئی جس کی طرف امام بخاری نے اس تعلیق میں اشارہ کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ میں یا عید الفطر میں عید گاہ کی طرف گئے، سو آپ عورتوں کے پاس سے گزرے، پس آپ نے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ تم میں سے اکثر اہل دوزخ ہیں، عورتوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس سبب سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعنت بہت کرتی ہو اور تم خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے کسی ناقص عقل اور ناقص دین کو نہیں دیکھا جو تم سے زیادہ کسی ہوشیار مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمارے دین کا کیا نقصان ہے اور ہماری عقل کا کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہے۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ ان کی عقل کا نقصان ہے (اور) کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے، انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ ان کے دین کا نقصان ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴، ۱۴۶۲، ۱۹۵۱، ۲۶۵۸، صحیح مسلم: ۸۰، ۷۹، سنن ابوداؤد: ۱۲۸۸، سنن نسائی: ۱۵۷۸، ۱۵۷۵، مسند احمد: ۵۳۴۳)

۵۱۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ هَذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ أَوْ أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوا لِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔

(صحیح مسلم: ۹۰۷، سنن نسائی: ۱۴۹۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اس میں بہت طویل قیام کیا جو تقریباً سورۃ البقرہ (کی تلاوت) کے برابر تھا، پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا، پس آپ نے بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا، پھر آپ نے قیام کیا پس بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا پھر آپ نے طویل قیام کیا، پھر سجدہ کیا، پھر آپ (لوگوں کی طرف) مڑ گئے اور اس وقت سورج کھل چکا تھا (یعنی روشن ہو چکا تھا) پس آپ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی حیات کی وجہ سے، پس جب تم یہ (گہن) دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ سے کسی چیز کو پکڑا ہے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے، آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا یا فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں سے ایک خوشہ کو پکڑا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو تم اس سے اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک یہ دنیا باقی ہے اور میں نے دوزخ کو دیکھا، پس میں نے آج کی مثل کبھی کوئی منظر نہیں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ دوزخ میں اکثر عورتیں ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس سبب سے؟ آپ نے فرمایا: ان کے کفر کے سبب سے، پوچھا گیا: کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ خاوند کا کفر کرتی ہیں اور اس کی نیکی کا انکار کرتی ہیں اور اگر تم ان کے ساتھ قیامت تک بھی نیکی کرتے رہو، پھر وہ تم

سے تھوڑی سی کمی دیکھیں تو کہیں گی میں نے تم سے کبھی کوئی اچھائی نہیں دیکھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۹۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ تَابَعَهُ أَيُّوبُ وَسَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از ابی رجاء از حضرت عمران رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ''میں جنت پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل جنت فقراء ہیں اور میں دوزخ پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل دوزخ عورتیں ہیں''۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی ایوب اور سلم بن زریر نے متابعت کی۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۱، ۶۴۴۹، ۶۵۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۸، سنن ترمذی: ۲۶۰۳، مسند احمد: ۳۳۸۶)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۱ میں گزر چکی ہے۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت اور عورتوں پر مردوں کی اطاعت اور تعظیم کا واجب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: عورتیں دوزخ کی مستحق اس لیے ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں، اس حدیث میں عورت کے اوپر مرد کے عظیم حق کی تصریح ہے اور عورت پر واجب ہے کہ مرد کا شکر ادا کرے اور اس کی فضیلت کا اعتراف کرے کیونکہ وہ اس کا ستر کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کمائی کی مشقت کو برداشت کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (النساء: ۳۴)

مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (البقرہ: ۲۲۸)

اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے: جس شخص کے پاس کوئی نعمت پہنچی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرے تو شوہر کی نعمتوں کا کیا اندازہ ہوگا کہ کوئی عورت اس کی نعمتوں سے خالی نہیں ہوتی اور نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس کوئی نعمت پہنچی ہو وہ اس کا شکر ادا کرے۔ (شعب الایمان: ۴۷۶)

منعم کے شکر کی ادائیگی کا فرض ہونا

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ انعام کا شکر ادا کرنا فرض ہے اور اس پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۔ (لقمان:۱۴) (اور یہ کہ تو) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا۔

اللہ تعالیٰ نے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر ذکر کیا ہے، پس اس طرح دوسروں کی نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے، نعمت کا شکر یہ ہے کہ منعم کا زبان سے شکر ادا کیا جائے یا اعضاء سے اس کی تعظیم کی جائے یا دل میں اس کے متعلق نیک گمان رکھے اور شکر کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ نعمت کا اقرار کرے اور بہ قدر ضرورت نعمت کا اعتراف کرے۔

ان احادیث میں سورج گہن اور دیگر آسمانی نشانیوں کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۞ (بنی اسرائیل:۵۹) اور ہم صرف ڈرانے کے لیے اپنی نشانیاں بھیجتے ہیں O

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانیاں دکھائی دیں تو پھر نماز کی پناہ میں آنا چاہیے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دور کرتی ہے اور نماز کی وجہ سے بندہ آزمائشوں سے بچتا ہے کیونکہ نماز افضل عمل ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۰۔۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۰۔ بَابٌ: لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ
تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے

قَالَهُ أَبُوْ جُحَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

اس حدیث کی حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح البخاری: ۱۹۶۸ میں مذکور ہے۔

۵۱۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَا عَبْدَ اللهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۳۴، ۶۲۷۷، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن ترمذی: ۷۷۰، سنن نسائی: ۱۶۳۰، سنن ابو داؤد: ۱۳۸۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابی کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات میں نماز میں قیام کرتے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس تم ایسا نہ کرو، تم روزہ رکھو اور (کبھی) روزہ چھوڑو اور نماز میں قیام کرو اور سوؤ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

بیوی کے حق جماع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس مرد کے متعلق اختلاف ہے جو اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی بجائے عبادت میں مشغول رہتا ہے، امام مالک نے کہا کہ جب کوئی مرد بغیر کسی ضرورت کے اپنی بیوی سے جماع نہیں کرتا تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے یا اسے طلاق دے دے کیونکہ وہ ترک جماع سے اپنی بیوی کو ضرر پہنچا رہا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس رات گزارے اور روزہ نہ رکھے اور امام شافعی نے کہا: اس کے اوپر جماع کرنا فرض نہیں ہے، اس پر فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کو کھانے کا خرچ دے اور اس کے کپڑے بنائے اور اس کو رہائش مہیا کرے اور اس کے پاس رہے۔

امام عبد الرزاق نے از شعبی روایت کی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اس نے کہا: اے امیر المومنین! میرا خاوند لوگوں میں سب سے بہتر ہے، وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس عورت نے اپنے خاوند کی تعریف اور توصیف کی ہے تو حضرت کعب بن سوار نے کہا: اس عورت نے تو اپنے خاوند کی شکایت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تم اپنی بات کی وضاحت کرو تو انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی چار بیویاں ہوں تو وہ تین دن اور تین رات تین بیویوں کے پاس رہے گا اور ایک دن اور ایک رات ایک بیوی کے پاس رہے گا۔ اور ابن عیینہ نے از شعبی روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب بن سوار رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم نے اس معاملہ کو سمجھ لیا ہے تو ان دونوں کے ساتھ فیصلہ کرو تو انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے دو دو تین تین اور چار چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے، پس عورت کے لیے چار دنوں میں سے ایک دن ہے جس میں وہ (خاوند) روزہ نہ رکھے اور عورت کے پاس رہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاوند کو اس کے مطابق حکم دیا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۱۵۰-۱۴۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۱-۲۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۱- بَابٌ: اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا

بیوی اپنے خاوند کے گھر کی محافظہ ہے

۵۲۰۰- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْأَمِيرُ رَاعٍ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

(صحیح البخاری: ۸۹۳، صحیح مسلم: ۱۸۲۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص (اپنے ماتحت لوگوں کا) محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور سربراہ ملک محافظ ہے اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی محافظہ ہے، سو تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹۳ میں گزر چکی ہے۔

ماتحت لوگوں کی خیر خواہی کا واجب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے جس مرد کو دوسرے لوگوں پر امین بنایا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ ان کی خیر خواہی کرے اور ان کی حفاظت کرے اور ان کی رعایت میں اپنی پوری توانائی کو خرچ کرے، ان کو برے کاموں سے روکے اور ان کو نیک کاموں کا حکم دے، اس

کی زیادہ شرح ان شاء اللہ "کتاب الاحکام" میں کی جائے گی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۲۔ بَابٌ: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (الی قولہ) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ (النسآء: ۳۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے (یہ آیت یہاں تک ہے) بے شک اللہ نہایت بلند بہت بڑا ہے O (النسآء: ۳۴)

۵۰۲۱۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ آلَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا وَقَعَدَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ فَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ آلَيْتَ عَلَى شَهْرٍ قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ

(صحیح البخاری: ۵۲۸۹، ۶۶۸۴، صحیح مسلم: ۱۱۰۴، سنن ترمذی: ۶۹۱، ۳۶۱، سنن نسائی: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۰۱، سنن ابن ماجہ: ۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھائی کہ وہ ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات کے قریب نہیں جائیں گے اور اپنے مچان میں جا کر بیٹھ گئے، پھر آپ انتیس راتوں کے بعد مچان سے اتر آئے، سو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی تو آپ نے فرمایا: بے شک مہینہ انتیس راتوں کا بھی ہوتا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۸ میں گزر چکی ہے۔

النسآء: ۳۴ کی تفسیر اور جن ازواج نے آپ کی نافرمانی کی تھی ان کا بیان اور نافرمانی کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: مفسرین نے النسآء: ۳۴ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ نشوز کا معنی ہے: شوہروں کی نافرمانی کرنا اور نشوز کا لغوی معنی ہے: الارتفاع اور بلند ہونا اور عورت جب اپنے خاوند کی نافرمانی کرتی ہے تو وہ اس کے اوپر جو شوہر کا حق ہے اس سے بلند ہوتی ہے اور نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک ماہ تک بیوی کے قریب نہ جائے۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی اور نبی ﷺ کا راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا (اور وہ راز یہ تھا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلیفہ ہوں گے) اور حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے اس معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حفصہ کے حجرہ میں ان کی باری کے دن حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع کیا اور آپ نے حضرت حفصہ سے فرمایا تھا کہ تم اس بات کو مخفی رکھنا لیکن انہوں نے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا جس پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ناگواری ہوئی تو آپ نے ان کی دل جوئی کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی۔

نبی ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ آپ ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے قریب نہیں جائیں گے اور یہ ایلاء شرعی نہیں ہے جس میں چار ماہ تک بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھائی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ پہلے بیویوں کو نصیحت کی جائے، پھر

ان سے جماع کو ترک کیا جائے اگر بیوی پھر بھی اپنی روش سے باز نہ آئے تو اس کو مارا جائے لیکن وہ ایسی مار نہ ہو جس کے نشان ظاہر ہوں۔ (النساء: ۳۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے"۔ یعنی مردوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت دی ہے کہ اس کو حصول رزق کے لیے کمانے کی قوت عطا کی ہے اور اس کو اتنے وسائل دیئے ہیں کہ وہ عورتوں کا خرچ اٹھا سکتا ہے اور ان کا مہر ادا کر سکتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۲۶۲۔۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۳۔ بَابُ: هِجْرَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نِسَائَهُ فِي غَيْرِ بُيُوتِهِنَّ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو اس طرح چھوڑنا کہ ان کے گھروں میں نہیں گئے

وَيُذْكَرُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رَفْعُهُ غَيْرَ أَنْ لَا تُهْجَرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ۔

اور حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ "بیوی کو صرف اس کے گھر میں چھوڑا جائے" اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت معاویہ بن حیدۃ کا تذکرہ اور بیوی کو اکیلا گھر میں چھوڑنے کے متعلق حدیث

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، ان کا اہل بصرہ میں شمار ہوتا ہے، یہ خراسان میں جہاد کے لیے گئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت معاویہ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ بیوی کو صرف گھر میں چھوڑا جائے، اور امام بخاری نے اپنے عنوان میں ذکر کیا ہے کہ بیوی کو اس طرح چھوڑا جائے کہ شوہر اس کے گھر میں نہ جائے اور امام بخاری نے اس قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا ہم میں سے کسی ایک پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم اس کو وہ کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور اس قسم کا لباس پہناؤ جس قسم کا لباس تم پہنتے ہو اور اس کے چہرہ پر نہ مارو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تمہیں قبیح کر دے (یعنی بد شکل کر دے) اور اس کو نہ چھوڑو مگر گھر میں"۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۰)

یعنی آپ نے بیوی کو گھر میں چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور امام بخاری نے اس کو ترجیح دی ہے کہ شوہر بیوی کے گھر میں نہ جائے اور یہ تعارض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۱۔۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ کرمانی کے ساتھ مناقشہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیوی کو صرف گھر میں چھوڑا جائے"۔ (الکواکب الدراری ج ۱۹ ص ۱۵۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ) اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ بیوی کو شوہر اپنے گھروں کے علاوہ چھوڑے، اس کی سند زیادہ صحیح ہے اور علامہ کرمانی نے جو لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوی کو صرف گھر میں چھوڑا جائے یہ محض غلط ہے کیونکہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت نہیں کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو چھوڑ دیا تھا اور یہ واقعہ المسانید اور الاجزاء میں سے کسی میں مذکور نہیں ہے اور

علامہ کرمانی نے جو ذکر کیا ہے وہ امام بخاری کی مراد نہیں ہے، امام بخاری کی مراد وہ ہے جس کی امام ابوداؤد نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا ہم میں سے کسی ایک پر کیا حق ہے، آپ نے فرمایا: ''تم اس کو وہ کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور اس قسم کا لباس پہناؤ جس قسم کا لباس تم پہنتے ہو اور اس کے چہرہ پر نہ مارو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تمہیں قبیح کردے (یعنی بدشکل کردے) اور اس کو نہ چھوڑو مگر گھر میں''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۴۲)

پس علامہ کرمانی نے یہ گمان کیا کہ یہ حدیث میں جو استثناء ہے کہ ''بیوی کو نہ چھوڑا جائے مگر گھر میں'' یہ استثناء امام بخاری کے تصرف میں سے ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ امام بخاری نے ان الفاظ کو نقل کیا ہے جو سنن ابوداؤد کی حدیث میں ہیں۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۱، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور علامہ کرمانی کا دفاع

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ کرمانی کی طرف جو غلط محض کی نسبت کی ہے وہ بجائے خود غلط محض ہے اور اس میں ترک ادب بھی ہے کیونکہ علامہ کرمانی نے اس حدیث میں کوئی تصرف نہیں کیا مگر وہ جو ان دو مختلف روایتوں کا تقاضا ہے جن کو حافظ ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کے باوجود یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے وہ قصہ روایت کیا جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ روایت کے باب میں بہت وسعت ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ نے یہ قصہ ذکر نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو چھوڑ دیا تھا اور یہ المسانید اور الاجزاء میں سے کسی میں بھی مذکور نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۱) یہ محض دعویٰ بلا برہان ہے اور کاش! میری عقل ان کے پاس موجود ہوتی، وہ یہ دعویٰ کیسے کر رہے ہیں جب کہ انہوں نے تمام مسانید اور اجزاء کا احاطہ نہیں کیا اور علامہ کرمانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن روایات پر مطلع ہیں حافظ ابن حجر ان میں سے سو میں سے ایک پر بھی مطلع نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں علامہ کرمانی کا کلام اثبات میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں چھوڑ دیا تھا اور حافظ ابن حجر کا کلام نفی میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں نہیں چھوڑا تھا اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اثبات میں کسی موجود چیز کی خبر دی جاتی ہے اور نفی میں کسی معدوم چیز کی خبر دی جاتی ہے۔

امام حافظ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے ''التلویح فی الجامع الصحیح'' میں لکھا ہے (یہ شرح ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ سعیدی غفرلہ) امام بخاری نے اس باب میں یہ تعلیق درج کی ہے:

اور حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ ''بیوی کو صرف اس کے گھر میں چھوڑا جائے''۔ اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے (یعنی ازواج کو ان کے گھروں کے علاوہ کسی گھر میں چھوڑا جائے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے امام ابوداؤد کی درج ذیل روایت کی طرف اشارہ کیا ہے:

حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا ہم میں سے کسی ایک پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اس کو وہ کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اس قسم کا لباس پہناؤ جس قسم کا

لباس تم خود پہنتے ہو اور اس کے چہرہ پر نہ مارو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تمہیں قبیح کر دے (یعنی بدشکل کر دے) اور اس کو نہ چھوڑو مگر گھر میں''۔(سنن ابوداؤد: ۲۱۴۲)

بیویوں کو گھروں میں چھوڑنے کی دو روایتوں کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے باب میں یہ اشارہ کیا ہے کہ بیویوں کو صرف ان کے گھروں کے علاوہ میں چھوڑا جائے کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو چھوڑا تو آپ ان سے علیحدہ ہو کر مچان میں چلے گئے تھے اور اپنی ازواج مطہرات کے گھروں سے علیحدہ ہو گئے تھے اور گویا کہ امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ لوگ بھی اپنی بیویوں کو چھوڑنے کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کریں کیونکہ اس میں ان کی بیویوں کے ساتھ زیادہ نرمی ہے کیونکہ اگر شوہر بیویوں کے گھروں میں رہے گا اور ان سے ترک تعلق رکھے گا اور ان سے باتیں نہیں کرے گا تو اس سے ان کے دلوں میں زیادہ تکلیف ہوگی اور زیادہ رنج ہوگا کیونکہ وہ دیکھیں گی کہ ان کے شوہر کے چہرہ پر ہر وقت عتاب اور غضب ہے اور وہ ان سے اعراض کر رہا ہے اور جب شوہر ان کی نظروں سے غائب ہوگا اور وہ اس کے چہرہ پر آثار غضب نہیں دیکھیں گی تو بیویوں کو اس سے زیادہ رنج نہیں ہوگا۔

اور جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے یہ واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ بیویوں کو ان کے بستروں میں چھوڑ دیا جائے چہ جائیکہ ان کو ان کے گھروں میں چھوڑ دیا جائے۔

امام بخاری کے علاوہ دوسرے شارحین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ان کے گھروں کے علاوہ میں چھوڑا یعنی آپ ان کے گھروں میں نہیں رہے بلکہ مچان پر رہے کیونکہ آپ کا ان کے گھروں کو چھوڑ کر مچان پر رہنا ان کے لیے زیادہ سخت سزا تھی اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنی کسی بیوی پر ناراض ہوتے تو وہ اس کی باری میں اس کے گھر آتے اور اسی کے گھر میں سوتے اور اس کے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں رات نہیں گزارتے اور وہ اس کے گھر میں بستر بچھاتے اور وہیں رات گزارتے اور ان کی بیوی وہیں گھر میں ہوتی۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک سے پوچھا: کیا اس کی گنجائش ہے؟ تو امام مالک نے کہا: ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مذکور ہے:

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ۔ (النساء: ۳۴) اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیویوں کو بستروں پر چھوڑنے کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک بستر میں لیٹیں اور مرد، عورت کے ساتھ جماع نہ کرے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۳۔۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بیویوں کو گھروں میں چھوڑنے کی دو روایتوں کے متعلق علامہ بدرالدین عینی حنفی کی تحقیق

امام بخاری نے یہ روایت کی ہے کہ شوہر بیویوں کے گھروں کے علاوہ میں رہے (جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مچان پر رہے تھے) اور حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ شوہر بیویوں کے گھر میں رہے اور ان سے ترک تعلق رکھے اور ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ یہ چیز اختلاف احوال سے مختلف ہوتی ہے، بعض اوقات شوہر کا بیوی کو اس کے گھروں میں چھوڑ کر دوسری جگہ رہنا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے (جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں چھوڑ کر مچان پر رہے تھے) اور بعض اوقات شوہر بیوی کے ساتھ گھر میں رہے اور اس کو اس کے بستر پر تنہا چھوڑ دے تو یہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے بلکہ غالب یہ ہے کہ شوہر بیوی کو اس کے گھر میں چھوڑ کر دوسری جگہ رہے تو یہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ (میں کہتا ہوں: ظاہر قرآن

(النسآء: ۳۴) سے علامہ کرمانی کی تائید ہوتی ہے اور ظاہر حدیث ۵۲۰۲ سے امام بخاری کی تائید ہوتی ہے۔سعیدی غفرلہ)
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۰۔۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی پر علامہ عینی کے اعتراض کا خلاصہ اور حافظ ابن حجر کا لا جواب ہونا

علامہ عینی حنفی کے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے علامہ کرمانی کی از حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ اس روایت کا مسانید اور اجزا میں سے کسی میں ذکر نہیں ہے تو حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا غلط ہے اور ان کا علم تمام مسانید اور الاجزاء کو محیط نہیں ہے اور علامہ کرمانی کو روایات کا جتنا علم ہے اس کے سو میں سے ایک کا بھی حافظ ابن حجر کو علم نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۰ میں علامہ عینی کے اعتراض کا خلاصہ تو لکھا ہے مگر اس کا جواب نہیں لکھا۔

۵۲۰۲۔حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ شَهْرًا فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا غَدَا عَلَيْهِنَّ أَوْ رَاحَ فَقِيلَ لَهُ يَا نَبِيَّ اللهِ حَلَفْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا۔

(صحیح مسلم: ۱۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۱، مسند احمد: ۲۶۷۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج، (ح) اور مجھے محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن عبد اللہ بن صیفی نے خبر دی کہ بے شک عکرمہ بن عبد الرحمٰن بن الحارث نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ نبی ﷺ نے قسم کھائی کہ آپ اپنی کسی زوجہ کے پاس ایک ماہ تک نہیں جائیں گے، پس جب انتیس دن گزر گئے تو آپ صبح یا شام کو ان کے پاس چلے گئے تو آپ کو بتایا گیا: اے اللہ کے نبی! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ان کے پاس ایک ماہ تک نہیں جائیں گے تو آپ نے فرمایا: ”مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۹۱۰ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۰۳۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْفُورٍ قَالَ تَذَاكَرْنَا عِنْدَ أَبِي الضُّحَى فَقَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ أَصْبَحْنَا يَوْمًا وَنِسَاءُ النَّبِيِّ ﷺ يَبْكِينَ عِنْدَ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ أَهْلُهَا فَخَرَجْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا هُوَ مَلْآنُ مِنَ النَّاسِ فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَصَعِدَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي غُرْفَةٍ لَهُ فَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَنَادَاهُ فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان بن معاویہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو یعفور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم ابو الضحیٰ کے پاس بیٹھے بحث کر رہے تھے، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ہم ایک دن صبح کو اٹھے اور نبی ﷺ کی ازواج رو رہی تھیں اور ان میں سے ہر زوجہ کے پاس ان کے گھر والے بھی تھے، پس میں مسجد کی طرف نکلا تو وہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے، وہ نبی ﷺ کی طرف

فَقَالَ لَا وَلٰكِنْ آلَيْتُ مِنْهُنَّ شَهْرًا فَمَكَثَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ ثُمَّ دَخَلَ عَلٰى نِسَائِهِ
(صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن نسائی: ۳۴۵۵)

چڑھنے لگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے ایک مچان میں تھے، پھر حضرت عمر نے سلام کیا تو ان کو کسی نے جواب نہیں دیا، انہوں نے پھر سلام کیا تو پھران کو کسی نے جواب نہیں دیا، انہوں نے پھر سلام کیا تو ان کو پھر کسی نے جواب نہیں دیا، پھران کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، پس انہوں نے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں ایک مہینہ تک ان کے قریب نہیں جاؤں گا، پس آپ انتیس دن تک ٹھہرے رہے، اس کے بعد آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے۔

بیوی کو اکیلا اس کے گھر میں چھوڑے اور خود دوسرے گھر میں رہے یا بیوی کو اپنے گھر میں رکھے اور اپنے بستر پر نہ رکھے، ان دونوں صورتوں کا فرق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان میں یہ اشارہ کیا ہے کہ بیوی کو اس طرح چھوڑا جائے کہ شوہر اس کے گھر نہ جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے الگ ہوئے تو آپ اپنے ایک مچان میں رہے اور آپ کی ازواج مطہرات اپنے اپنے حجروں میں تھیں اور آپ ان کے حجروں سے الگ رہے، امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ لوگ آپ کی سنت پر عمل کریں اور لوگ جب اپنی بیوی سے ناراض ہوں تو کسی الگ جگہ میں رہیں ان کے حجروں میں نہ رہیں کیونکہ اس طریقہ میں عورتوں کے ساتھ نرمی ہے اور جب مرد بیویوں کے ساتھ ان کے حجروں میں رہے گا اور ان کے قریب نہیں جائے گا تو یہ امر بیویوں پر سخت اور دشوار ہوگا کیونکہ وہ دیکھیں گی کہ مرد گھر میں آ اور جا رہا ہے اور اس کے چہرے پر عتاب اور غضب کے آثار ہیں اور وہ ان سے اعراض کر رہا ہے، اور جب مرد ان کی نظروں سے اوجھل ہوگا تو پھر مرد کا ان کو چھوڑنا اس پر زیادہ سخت اور دشوار نہیں ہوگا کیونکہ مرد ان کے سامنے نہیں ہوگا تو وہ نہ اس کی ناراضگی کو دیکھیں گی اور نہ ان کو ملال ہوگا۔
امام بخاری نے اپنے عنوان میں جو اشارہ کیا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو کسی دوسرے گھر میں چھوڑے رکھے تاکہ بیوی اس کے آثار غضب کو نہ دیکھے، سو یہ واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے:

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۔ (النساء: ۳۴)
اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو اور انہیں مارو۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو ان کے بستروں پر چھوڑا جائے اور ان کو ان کے گھروں میں چھوڑنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی ازواج کو چھوڑ کر دوسری جگہ اپنی مچان پر رہے تھے یہ ان کے لیے زیادہ سزا اور عتاب کا موجب ہے۔
اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی ازواج تھیں، وہ ان میں سے کسی زوجہ پر ناراض ہوتے تو پھر جب اس زوجہ کی باری ہوتی تو اس زوجہ کے گھر رات گزارتے اور کسی دوسری زوجہ

کے گھر رات نہیں گزارتے تھے اور وہ اس کے حجرے میں فرش پر بستر بچھاتے اور اس میں رات کو سوتے اور ان کی زوجہ اپنے گھر میں رات کو سوتی، میں نے امام مالک سے پوچھا: کیا اس کی گنجائش ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! کیونکہ اللہ کی کتاب میں ہے: انہیں ان کے بستروں میں اکیلا چھوڑ دو (النساء: ۳۴) یعنی ان کے گھروں میں تو رہو لیکن ان کے بستروں میں ان کے ساتھ نہ سوؤ، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے گھروں میں نہیں رہے تھے بلکہ اپنے مچان پر چلے گئے تھے۔

بیوی کو اکیلا چھوڑنے کا ایک اور محمل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مرد اپنی بیوی کو ایک بستر میں چھوڑے اور اس سے جماع نہ کرے، اور السدی نے کہا: اس کو بستر میں چھوڑنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ سوئے اور اس کی طرف پیٹھ موڑے رکھے اور اس سے جماع کرے اور اس سے کوئی بات نہ کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کی مثل کہا ہے، اور کہا ہے کہ اس کے ساتھ نرم لہجے میں بات نہ کرے اور اس سے سختی کے ساتھ بات کرے اور اس سے جماع کو ترک نہ کرے۔ اس تفسیر کو امام طبری نے ذکر کیا ہے۔ اس تقدیر پر اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا: تم ان کو ان کے بستروں میں علیحدہ چھوڑ دو اور ان سے درشت لہجے میں بات کرو۔ میں کہتا ہوں: یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ جب شوہر بیوی سے جماع کرے گا تو بیوی کو بستر پر اکیلا چھوڑنے کا معنی کس طرح ثابت ہوگا، سو یہ تفسیر ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۶۳۔ ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۴۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ وَقَوْلِ اللهِ وَاضْرِبُوهُنَّ (النساء: ۳۴) أَيْ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ

عورتوں کو مارنے کا مکروہ ہونا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ان کو (تادیباً) مارو (النساء: ۳۴) یعنی ایسی مار جس کا نشان ظاہر نہ ہو

۵۲۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ

(صحیح البخاری: ۶۰۴۲، صحیح مسلم: ۲۸۵۵، سنن ترمذی: ۳۳۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۳، مسند الحمیدی: ۵۶۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷، ج ۶ ص ۲۱۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۲۹۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کوڑے نہ مارے جس طرح غلام کو کوڑے مارتا ہے، پھر اس دن کے آخری حصہ میں اس کے ساتھ جماع کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۷۰ میں گزر چکی ہے۔

بیوی کو اعتدال کے ساتھ مارنے کا حکم

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض اہل عراق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ بیویوں کو ان کے بستروں پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو مارا جائے تاکہ ان کو شوہر کی ایذاء رسانی کی سزا ملے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہیں صراحتاً عورتوں کو مارنے کا حکم نہیں دیا سوا اس آیت کے اور سوا حدود کے، پس عورتوں کا اپنے شوہروں کی نافرمانی کرنا اہل کبائر کی معصیت کے مساوی ہے اور ان کو مارنے کا معاملہ ان کے

شوہروں کے سپرد کیا ہے نہ کہ سربراہ ملک اور قاضیوں کے۔
علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ عورتوں کو مارنے میں حد سے تجاوز کرنا اور اسراف کرنا مکروہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں کو غلام کی طرح نہ مارا جائے''۔ کیونکہ عورتوں کو مارنا اس لیے مباح کیا ہے کہ وہ شوہروں کو مجامعت کا موقع نہیں دیتیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کو شوہر اپنی بیوی کو مارے اور شام کو پھر اس سے جماع کرے یہ بہت قبیح بات ہے''۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیوی کو اس طرح نہ مارے جس سے اس کے جسم پر نشانات پڑ جائیں''۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۵۔ بَابٌ: لَا تُطِيعُ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي مَعْصِيَةٍ

بیوی معصیت میں خاوند کی اطاعت نہ کرے

۵۲۰۵۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ هُوَ ابْنُ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ زَوَّجَتْ ابْنَتَهَا فَتَمَعَّطَ شَعَرُ رَأْسِهَا فَجَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجَهَا أَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ فِي شَعَرِهَا فَقَالَ لَا إِنَّهُ قَدْ لُعِنَ الْمُوصِلَاتُ۔
(صحیح البخاری: ۵۹۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۲۳، سنن نسائی: ۵۰۹۷، مسند احمد: ج ۶ ص ۱۱۱، ج ۶ ص ۲۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث بیان کی از الحسن وہ ابن مسلم ہیں از صفیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، اس کی بیٹی کے سر کے بال جھڑ گئے، سو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا، سو اس نے کہا: بے شک اس کے خاوند نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بال ملاؤں تو آپ نے فرمایا: نہیں بے شک اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملانے والیوں پر لعنت کی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۰۵ میں گزر چکی ہے۔

خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت کا جائز نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
عورت پر واجب ہے کہ وہ گناہ کے کام میں اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرے، اسی طرح جس شخص کی اطاعت اس پر واجب ہو تو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا امیر بنایا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا، پھر لشکر کا امیر کسی بات پر لوگوں سے ناراض ہوا اور لوگوں کو آگ جلانے کا حکم دیا، پھر لوگوں سے کہا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو بعض لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور دوسرے لوگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا: ہم آگ سے بھاگ کر ہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوئے ہیں، سو وہ اپنے انکار پر قائم رہے حتیٰ کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر یہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس آگ سے نکل نہیں سکتے

تھے، اطاعت صرف نیکی میں کی جاتی ہے"۔ (صحیح البخاری: ۷۱۴۵، صحیح مسلم: ۱۸۴۰، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۱، ج ۵ ص ۶۶)

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے"۔

(صحیح البخاری: ۷۲۵۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بالوں کو ملانے کا عدم جواز اور چہرے کی چھائیوں کو دوائی سے زائل کرنے کا جواز

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے کہ علاج کی غرض سے کوئی عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے الموصلات پر لعنت فرمائی ہے"۔ یعنی ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال ملاتی ہیں، پھر اس تحریم کی علت یا تو فاجرہ عورتوں کے بال ملانا ہے، یا تدلیس ہے یعنی لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈالنا کہ اس کے بال بہت لمبے ہیں، یا پھر اللہ عزوجل کی تخلیق میں تغیر کرنا ہے۔

اگر کسی عورت کے چہرہ پر چھائیاں ہوں یا اس پر میلا پن چھا گیا ہو تو اس کو دوائیوں سے زائل کرنا جائز ہے تاکہ وہ اپنے شوہر کو حسین معلوم ہو۔

ابو عبید نے فقہاء سے نقل کیا ہے کہ بالوں کو لمبا کرنے کے لیے ہر چیز کو بالوں کے ساتھ ملانا جائز ہے سوائے بالوں کے یعنی دھاگے یا ریشم کے پراندوں اور چٹلوں کو بالوں کے ساتھ ملا کر بالوں کو لمبا کرنا جائز ہے لیکن اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال ملا کر ان کو لمبا کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الموصلات پر لعنت فرمائی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اعضاء کی پیوند کاری کا عدم جواز

اس حدیث میں بیماری کے عذر کی وجہ سے بھی بالوں کے ساتھ بالوں کو پیوند کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو حرام قرار دیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے۔ اس پر مفصل بحث تبیان القرآن ج ۹ ص ۱۶۹۔ ۱۵۸ میں الروم: ۳۰ کی تفسیر میں کر دی گئی ہے۔

۹۶۔ بَابُ: وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا۔ (النساء: ۱۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔ (النساء: ۱۲۸)

۵۲۰۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا قَالَتْ هِيَ الْمَرْأَةُ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ لَا يَسْتَكْثِرُ مِنْهَا فَيُرِيدُ طَلَاقَهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو

وَيَتَزَوَّجُ غَيْرَهَا تَقُولُ لَهُ أَمْسِكْنِي وَلَا تُطَلِّقْنِي ثُمَّ تَزَوَّجْ غَيْرِي فَأَنْتَ فِي حِلٍّ مِنَ النَّفَقَةِ عَلَيَّ وَالْقِسْمَةِ لِي فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَصَّالَحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۹۴، ۴۶۰۱، صحیح مسلم: ۳۰۲۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۳۵)

(النسآء:۱۲۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا: اس آیت میں ایسی عورت کا بیان ہے جو کسی مرد کے نکاح میں ہو اور وہ اس کو اپنے پاس زیادہ نہ بلاتا ہو بلکہ اس کو طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے بجائے دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو وہ عورت اپنے خاوند سے کہے: تم مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو اور مجھ کو طلاق نہ دو، پھر تم میرے علاوہ دوسری عورت سے نکاح کر سکتے ہو اور تم میرے خرچ سے بھی آزاد ہو اور تم پر میری باری کی بھی کوئی پابندی نہیں ہے تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے: تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہت بہتر ہے۔ (النسآء:۱۲۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۵۰ میں گزر چکی ہے۔

عورت کا اپنے خاوند کے نکاح میں برقرار رہنے کے لیے اپنے بعض حقوق کو ترک کر دینے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس طرح کی صلح کرنا جائز ہے اور اس طرح ام المومنین حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا جب انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو طلب کرتی تھیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیں گے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میری باری بھی مقرر نہ کریں، تب (البقرہ:۱۲۸) نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی: ۳۰۴۰) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور مجاہد نے کہا کہ یہ آیت ابوالسنابل بن بعکک کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اگر عورت صلح کی کسی شرط کی خلاف ورزی کرے تو اس میں فقہاء کا اختلاف

کیا یہ صلح ٹوٹ سکتی ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوعبیدۃ نے کہا: وہ دونوں اپنی صلح پر قائم رہیں، پس اگر عورت اپنی صلح کی خلاف ورزی کرے تو مرد کے لیے اس صلح کو توڑنا یا اس کو طلاق دینا جائز ہے، یہ ہی النخعی اور مجاہد کا قول ہے اور یہ ہی ثوری، امام شافعی اور امام محمد کا قول ہے اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس صورت میں بھی صلح قائم رکھنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۶۔ ۲۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۷۔ بَابُ: الْعَزْلِ العزل

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں عزل کا حکم بیان کیا گیا ہے، عزل کی تعریف یہ ہے: جماع کے وقت جب مرد کا انزال قریب ہو تو وہ اپنے آلہ کو فرج سے باہر نکال لے اور فرج کے باہر انزال کرے تا کہ عورت حاملہ نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۵۔ ۲۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۰۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۵۲۰۸۔ ۵۲۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کرتے تھے۔

۵۲۰۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرًا رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں ہم عزل کرتے تھے اور قرآن مجید نازل ہو رہا تھا۔

۵۲۰۹۔ وَعَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔

اور عمرو نے از عطاء از جابر، بیان کیا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کرتے تھے اور قرآن کریم نازل ہو رہا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۰۷ میں گزر چکی ہے۔ اس کی تخریج حسب سابق ہے۔

۵۲۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَصَبْنَا سَبْيًا فَكُنَّا نَعْزِلُ فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَوَإِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ قَالَهَا ثَلَاثًا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۳، ۷۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ترمذی: ۱۱۳۸، سنن نسائی: ۳۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد بن اسماء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از مالک بن انس از الزہری ان ابن محیریز از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے یہ بیان کیا کہ ہمیں کچھ قیدی عورتیں مل گئیں اور ہم عزل کرتے تھے، پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے پوچھا: کیا تم یہ عمل کرتے ہو؟ آپ نے یہ تین دفعہ فرمایا (پھر فرمایا): قیامت تک جو روح بھی پیدا ہونے والی ہے وہ (ضرور) پیدا ہونے والی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۲۹ میں گزر چکی ہے۔

عزل کے متعلق صحابہ، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین کا عزل میں اختلاف ہے، امام مالک نے الموطا میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوایوب الانصاری از حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کی ہے کہ وہ عزل کرتے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت خباب بن الارت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کرتے تھے۔ فقہاء تابعین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے، ان میں سے ابن المسیب اور طاؤس ہیں، امام مالک، فقہاء احناف، شوافع اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

بعض صحابہ نے عزل کو مکروہ قرار دیا ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔
(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۲۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

عزل کی اباحت پر دلائل اور عزل کے وادِ خفی ہونے کے جوابات

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الازدی المصری الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میری ایک باندی ہے اور میں اس سے عزل کرتا ہوں اور میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو اور میں اس سے وہی ارادہ کرتا ہوں جو مرد عورتوں سے ارادہ کرتے ہیں اور بے شک یہود یہ کہتے ہیں کہ عزل کرنا پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے، آپ نے فرمایا: یہود جھوٹ بولتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنا چاہے تو تم اس کے ارادہ کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۷۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳، ۵۱، ۵۳، شرح معانی الآثار: ۴۲۵۹)

نیز عزل کی اباحت درج ذیل آثار سے بھی ثابت ہوتی ہے:

عبداللہ بن عدی بن خیار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صحابہ عزل کے متعلق بحث کر رہے تھے، سو انہوں نے اس کے جواز اور عدم جواز کے متعلق سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس مسئلہ میں اختلاف کر رہے ہو حالانکہ تم اہل بدر ہو اور سب سے بہتر ہو اور تمہارے بعد کے لوگوں کا کیا حال ہوگا! اس وقت دو مرد آپس میں سرگوشی کر رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا سرگوشی کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہود کا یہ زعم ہے کہ عزل کرنا پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی بچہ کو زندہ درگور کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس کے اوپر یہ سات مراحل نہ گزر جائیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۞ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۞ (المؤمنون: ۱۴-۱۲)

بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ○ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ رکھ دیا ○ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے گوشت کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا، پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے ○

اس آیت میں انسان کی تخلیق کے سات مراحل بیان کیے ہیں: (۱) مٹی کا جوہر (۲) نطفہ (۳) جما ہوا خون (۴) گوشت کا لوتھڑا (۵) ہڈیاں (۶) ہڈیوں پر گوشت (۷) اس میں روح کا ہونا۔

انسان روح ڈالے جانے کے بعد زندہ ہوتا ہے اور زندگی سے پہلے چھ مراحل ہیں، لہٰذا جب انسان نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے تو اس میں زندگی نہیں ہوتی، پس نطفہ کو عزل کے ذریعہ فرج سے باہر نکالنا زندہ درگور کرنا کیسے ہو سکتا ہے، وہ نطفہ تو چھ مرحلوں کے بعد زندہ ہوگا، لہٰذا یہود کا عزل کو پوشیدہ طور پر زندہ درگور قرار دینا باطل ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۴۲۶۳)

عبید بن رفاعہ الانصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے عزل کے متعلق بحث کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ کوئی چیز زندہ درگور تو اس وقت ہوگی جب اس کے اندر روح پھونکی جائے اور جس میں ابھی تک روح نہ پھونکی گئی ہو وہ مردہ ہے زندہ درگور نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ (شرح معانی

الآثار: ۴۲۶۴)

ابوالوراق بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عزل کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی مثل جواب دیا۔ (شرح معانی الآثار: ۴۲۶۵)

امام طحاوی فرماتے ہیں: پس حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں اس پر متفق ہیں کہ عزل کرنا پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے خوش ہوئے اور یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سامنے ہوئی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عزل کرنا مکروہ نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنو مصطلق میں گئے، پس ہم نے عرب کی عمدہ عورتوں کو قید میں کر لیا تھا، پس ہمارا عورتوں سے دور رہنا بہت طویل ہو چکا تھا اور ہم نے جماع میں رغبت کی، سو ہم نے ارادہ کیا کہ ہم باندیوں سے تمتع کریں اور عزل کر لیں تو ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس آپ نے فرمایا: تم پر عزل نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک جس روح کے پیدا کرنے کو مقدر کر دیا ہے وہ ضرور پیدا ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۰، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۲، مسند احمد: ۱۱۸۳۹، شرح معانی الآثار: ۴۲۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انصار کا ایک شخص آیا۔ اس نے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہمیں کچھ قیدی عورتیں ملتی ہیں اور ہم مال کو پسند کرتے ہیں تو عزل کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم ایسا کرتے ہو؟ تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ایسا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس روح کے نکلنے کو لکھ لیا ہے وہ ضرور نکلے گی۔ (صحیح البخاری: ۶۶۰۳، مسند احمد ج ۳ ص ۸۸، شرح معانی الآثار: ۴۲۷۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص عزل کیوں کرتا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عزل نہ کرے کیونکہ جو نفس بھی پیدا کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۳۸، الرقم المسلسل: ۳۴۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۸، شرح معانی الآثار: ۴۲۷۲)

امام طحاوی فرماتے ہیں: ان آثار میں بھی یہ دلیل ہے کہ عزل کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صحابہ نے یہ خبر دی کہ وہ عزل کرتے ہیں تو آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ان کو عزل کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ''تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم عزل نہ کرو کیونکہ اس کا تعلق تقدیر سے ہے''۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ اولاد کو مقدر فرمائے گا تو اولاد ہو جائے گی اور عزل اولاد کی پیدائش سے مانع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اور چیز کیونکہ عزل کے باوجود قلیل مقدار میں منی رحم میں پہنچ جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اولاد کو پیدا کر دیتا ہے، بہرحال جس طرح کوئی چیز تقدیر میں مقدر ہو اسی طرح ہوتا ہے، اور عزل کی اباحت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میرے اونٹ پر پانی لے کر آتی ہے اور میں اس سے جماع کرتا ہوں، کیا میں اس سے عزل کر لوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تم اس سے عزل کر لو، پھر کچھ دنوں کے بعد وہ مرد آیا، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس باندی سے عزل کیا تھا پھر بھی وہ حاملہ ہو گئی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس نفس کی تخلیق کو مقدر کر دیا ہے اس کی تخلیق ضرور ہو گی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲، شرح معانی الآثار: ۴۲۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۴۲۸۱)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۵۲۰۹) امام طحاوی فرماتے ہیں: ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عزل کرنا مباح ہے اور جو عزل کی شرائط کے مطابق عزل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۹۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

عزل کی شرائط

امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے حضرت جذامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ وأدِ خفی ہے"۔ یعنی پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔
(صحیح مسلم: ۱۴۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۸۲، سنن ترمذی: ۲۰۸۳، مسند احمد: ۲۷۱۰۲، شرح معانی الآثار: ۴۲۵۴)
امام ابوجعفر طحاوی نے بیان کیا کہ بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر عزل کرنے کو مکروہ کہا ہے اور دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی، انہوں نے کہا: جب آزاد عورت اپنے خاوند کو عزل کرنے کی اجازت دے تو پھر عزل کرنا جائز ہے، اور دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ مرد کے لیے اپنی بیوی سے عزل کرنا جائز ہے خواہ اس کی بیوی اجازت دے یا منع کرے اور ہمارے نزدیک ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خاوند کے لیے بیوی سے جماع کرنا جائز ہے خواہ وہ اس کو ناپسند کرے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بیوی کے رحم میں منی پہنچائے اور عزل نہ کرے، اس طرح بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ خاوند سے بغیر عزل کے جماع کرائے اور اس میں دونوں کا ایک دوسرے پر حق برابر ہے، پس نظر کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی کا حق یہ ہے کہ خاوند اس سے بغیر عزل کے جماع کرے خواہ مرد اس کو پسند کرے یا نہ کرے اس وجہ سے آزاد عورت کی اجازت سے اس کے ساتھ عزل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔
اور مولیٰ (مالک) کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرے اور اس سے اجازت نہ لے اور اگر کسی مرد کے نکاح میں کسی شخص کی باندی ہو تو وہ اس باندی کے مالک کی اجازت سے عزل کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔
(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۹۰۔۳۸۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

خاندانی منصوبہ بندی کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اول تو اس کی اباحت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے، شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کر دینا ہے شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی اصلاً جائز نہیں ہے۔

ضبط تولید کے عدم جواز کی دو صورتیں

(۱) تنگی رزق کے خوف کی بناء پر ضبط تولید کا عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْؕ ۔(بنی اسرائیل:۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

اگرچہ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقہ پر عمل کے وقت اولاد کا تحقق نہیں ہوتا اس لیے اس عمل سے قتل اولاد کا ارتکاب تو لازم نہیں آتا لیکن اس کی ممانعت کی علت مفلسی اور تنگی رزق کا ڈر ہے اور وہ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقہ میں بھی موجود ہے، لہٰذا تنگی رزق کے ڈر کی وجہ سے بھی خاندانی منصوبہ بندی کے طریقہ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص اس وجہ سے ضبط تولید کرے کہ اس کے ہاں بار بار لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور لڑکیوں کا وجود باپ کے لیے باعث عار اور مشقت ہوتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے، قرآن مجید میں اس کی بہت مذمت کی گئی ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌۚ (النحل:۵۸) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے ○

یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ بیٹی کی پیدائش پر غم گین ہوتے تھے اور قرآن مجید نے اس کی مذمت فرمائی ہے، لہٰذا بیٹیوں کی پیدائش سے بچنے کے لیے ضبط تولید کرنا حرام ہے۔

ضبط تولید کی جائز صورتیں

(۱) باندیوں سے ضبط تولید کرنا تا کہ اولاد مزید باندی اور غلام بننے سے محفوظ رہے، ہر چند کہ اب باندیوں اور غلاموں کا رواج نہیں ہے لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں، اگر کسی زمانہ میں باندیوں کا رواج ہو جائے تو باندیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہوگا۔

(۲) اگر بچوں کی پیدائش کے عمل کو قائم رکھنے سے بیوی کے سخت بیمار رہنے کا خطرہ ہو تو پھر ضبط تولید جائز ہے۔

(۳) اگر بچوں کی مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خطرہ ہو تو وقفہ وقفہ سے پیدائش کے لیے ضبط تولید کرنا جائز ہے کیونکہ جب گھر میں صرف ایک بیوی ہو اور نو، دس ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہو جائے تو بیوی کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوگا۔

(۴) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے درمیان بعض صورتوں میں انسان اپنی جنس خواہش پوری نہیں کرسکتا اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(۵) عام طور پر بچوں کی پیدائش سے عورت کا حسن و جمال کم یا ختم ہو جاتا ہے اس لیے اگر وہ عورت کے حسن و جمال کو قائم رکھنے کے لیے ضبط تولید کا عمل کرے تو صحیح ہے۔ امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے بھی اس وجہ سے عزل کو جائز قرار دیا ہے۔
(احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۵۲، دار المعرفہ، بیروت)

(۶) زیادہ بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے انسان کو زیادہ آمدنی کے حصول کے لیے معمول سے زیادہ محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ انسان دہری، تہری، نوکریاں اور اوور ٹائم (OVER TIME) کرتا ہے اور بعض اوقات ناجائز وسائل کو بھی اختیار کرتا ہے اس لیے اپنے آپ کو اس محنت اور مشقت سے بچانے اور بار معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کا عمل جائز ہے کیونکہ جس قدر آمدنی کے لیے مشقت کم ہوگی وہ اتنا ہی عبادت کے لیے فارغ ہوگا۔ امام غزالی نے بھی اس وجہ سے عزل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۲ ص ۵۲)

(۷) بعض اوقات سرجری کے ذریعہ بچہ پیدا ہوتا ہے، سو بیوی کو سرجری کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچانے کے لیے ضبط تولید کا عمل جائز ہے۔

ضبط تولید کا وجوب

(۱) جب پیٹ میں مزید سرجری کی گنجائش نہ رہے تو پھر ضبط تولید کا ایسا طریقہ اختیار کرنا (یعنی نل بندی) واجب ہے جس سے سلسلہ تولید بالکلیہ بند ہو جائے۔

(۲) اگر کوئی ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

ضبط تولید کی ناجائز صورت

ضبط تولید کا ممنوع طریقہ یہ ہے کہ مرد کی نس بندی (VASEC TOME) کی جائے۔ اس عمل کے ذریعہ مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (SPERM) گزرتے ہیں ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے، انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خودکشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے نہ اپنا کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دے سکتا ہے اس لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے، بناء بریں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ ضبط تولید کا عمل اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر توکل کے خلاف ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔ (ہود: ۶)

اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے اس کے باوجود لوگ حصول رزق کے لیے کاروبار کرتے ہیں اور نوکریاں کرتے ہیں اور مستقبل کے لیے رقم پس انداز کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر توکل کے خلاف نہیں ہے، سو اس طرح بار معیشت کو کم کرنے کے لیے اور دیگر طبی وجوہ کی بناء پر ضبط تولید کا عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ ضبط تولید کا عمل تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے

لوگ اپنے مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مصائب کو دور کرنے کے لیے اور بیماریوں میں شفاء کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ مصائب کا دور ہونا اور شفایاب ہونا بھی پہلے سے تقدیر میں مقرر ہے، سو جس طرح دعا کرنا تقدیر کے خلاف نہیں ہے اور علاج کرنا تقدیر کے خلاف نہیں ہے، سو اسی طرح بار معیشت کو کم کرنے کے لیے اور بعض طبی وجوہ کی بناء پر ضبط تولید کا عمل کرنا بھی جائز ہے۔

اسقاط حمل کی تحقیق

استقرار حمل کے چار ماہ میں پیٹ کے بچہ میں روح پھونک دی جاتی ہے اور اب وہ ایک جاندار بچے کے حکم میں ہوتا ہے اور اس

وقت حمل ضائع کرنا پیٹ کے بچہ کو قتل کرنا ہے اور یہ قتل انسان کے حکم میں ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ استقرار حمل کے چار ماہ میں بچہ میں روح پھونک دی جاتی ہے، اس پر دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور آپ بہت سچے ہیں: تمہارا نطفہ اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس (۴۰) دن رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو جما ہوا خون بنا دیتا ہے، پھر چالیس دن بعد اللہ تعالیٰ اس کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیتا ہے، پھر چالیس (۴۰) دن بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو حکم دیتا ہے کہ اس کا عمل، اس کا رزق، اس کی موت اور اس کا برا یا نیک ہونا لکھ دو، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۰۸، صحیح مسلم: ۲۶۴۳، مسند احمد: ۳۶۲۴)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ استقرار حمل کے چار ماہ بعد اسقاط حمل کرنا، ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی عادی بدکار عورت جو حمل کو اپنے زنا کے کاروبار کے راستہ میں رکاوٹ سمجھتی ہے اور زنا کو جاری رکھنے کے لیے اسقاط کراتی ہے تو یہ ناجائز اور گناہ ہے اور اگر ڈاکٹر کو اس کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کا حمل ساقط کرے تو وہ بھی گناہ گار ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ: ۲) اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اور اگر کسی عورت سے کوئی گناہ ہو گیا اور اب اگر وہ اپنی غلطی پر نادم اور تائب ہو تو ایسی عورت کا اسقاط حمل کرانا جائز ہے (بہ شرطیکہ استقرار حمل کے بعد چار ماہ نہ گزرے ہوں) اور ڈاکٹر کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ ایسی عورت کا حمل ساقط کر دے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو مصیبت کے وقت بے یار و مددگار چھوڑے، جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے، جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی پریشانی دور کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۵۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۹۳، سنن ترمذی: ۱۴۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۹۱، مسند احمد: ۲۴۸۶)

اگر مدت حمل کے چار ماہ گزر گئے ہوں لیکن حمل برقرار رہنے کی وجہ سے عورت کی موت اور اس کی ہلاکت یقینی ہو جس کی مسلمان ماہر ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی ہو تو چار ماہ کے بعد بھی اسقاط حمل جائز ہے بلکہ عورت کی جان بچانے کے لیے یہ اسقاط ضروری ہے کیونکہ اسقاط نہ کرنے کی تقدیر پر بچہ اور ماں دونوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور پیٹ کے بچہ کا جاندار اور زندہ ہونا ظنی ہے، اس کی بہ نسبت ماں کی جان جو یقینی اور مشاہد ہے وہ زیادہ اہم ہے اس لیے اس صورت میں اسقاط کرنا واجب ہے۔

اسقاط حمل کے متعلق مصری علماء کی تحقیق

مصری علماء کے مرتب کردہ فتاویٰ میں مذکور ہے:

روح پھونکے جانے کے بعد پیٹ کے بچہ کو ساقط کرنا جرم بھی ہے اور گناہ بھی ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے انسان کو قتل کیا ہے جس میں انسانی روح آ چکی تھی جس کی دینی سزا گناہ اور کفارہ ہے اور دنیاوی سزا جرمانہ ہے، اس کو فقہاء غرۃ سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دیت کا بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ سو درہم، لیکن جب اسقاط کی شدید ضرورت ہو مثلاً کسی عورت کے ہاں بہت مشکل سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مسلمان ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اس وقت حمل کا باقی رہنا عورت کی زندگی کے لیے خطرہ ہے اس وقت اسقاط حمل جائز ہے بلکہ اگر اسقاط حمل

پر عورت کی جان کا بچنا موقوف ہو تو اسقاط حمل واجب ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے: "جن دو چیزوں میں سے ایک میں ضرر کم ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے"۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیٹ کے بچہ کی موت اور ماں کی موت کے درمیان امر دائر ہو تو ماں کو بچانا زیادہ اہم ہے کیونکہ ماں بچہ کی اصل ہے اور اس کی حیات ثابت اور مستقل ہے اور بچہ کی حیات غیر مستقل اور غیر ثابت ہے اس وجہ سے بچہ کی حیات کے لیے ماں کی حیات کی قربانی نہ دی جائے۔ (الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۹ ص ۳۰۹۹، القاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

اسقاط حمل کے جواز یا عدم جواز کے متعلق مذاہب ائمہ اربعہ

علامہ حسن بن منصور اوز جندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

جب تک حمل نطفہ ہو یا جما ہوا خون ہو یا گوشت کا لوتھڑا ہو تو فقہاء نے عورت کو استبراء رحم کی اجازت دی ہے اور انہوں نے چار ماہ تک اس مدت کا اندازہ کیا ہے، فقہاء نے اس مدت میں اسقاط حمل کی اجازت اس لیے دی ہے کہ اس مدت میں نطفہ آدمی نہیں بنتا۔

(فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۱۰، مطبع کبری امیریہ، مصر، ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ذخیرۃ میں مذکور ہے: اگر رحم میں نطفہ پہنچنے کے بعد عورت اس کے اسقاط کا ارادہ کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اتنی مدت گزر گئی ہے جس میں روح پھونک دی جاتی ہے تو پھر اسقاط جائز نہیں ہے اور اس مدت سے پہلے اسقاط کرانے میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور حدیث کے مطابق یہ مدت چار ماہ ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۹، مطبع عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

روح پھونکے جانے سے پہلے عورت نطفہ کے اسقاط کے لیے جو علاج کراتی ہے اس کے حکم کو عزل پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جو فقہاء عزل کو منع کرتے ہیں وہ اس کو بہ طریق اولیٰ منع کریں گے اور جو فقہاء عزل کو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک اسقاط حمل بھی جائز قرار پائے گا اور یہ فرق بھی کیا جا سکتا ہے کہ عزل میں کسی خارجی سبب کا دخل نہیں ہے اور اسقاط کرانے میں خارجی اسباب (یعنی دواء وغیرہ) کا دخل ہے اور جو عورتیں سرے سے حمل ساقط کرا دیتی ہیں اس کو بھی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے، بعض متاخرین شافعی علماء نے اسقاط کو ناجائز کہا ہے لیکن جب وہ عزل کو مطلقاً جائز کہتے ہیں تو اسقاط کو ناجائز قرار دینا مشکل ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

چالیس دن سے پہلے کسی جائز دواء سے نطفہ کو گرا دینا جائز ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں کسی جائز دوائی سے اسقاط کرانا بھی جائز ہے۔ (الروض المربع باب العدد ص ۴۴۷، بحوالہ فتاوی اسلامیہ ج ۹ ص ۳۰۹۶، القاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

علامہ محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی المتوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

رحم میں منی کے استقرار کے بعد اس کو نکالنا جائز نہیں ہے خواہ چالیس دن سے پہلے نکالا جائے اور جب اس میں روح پھونک دی جائے تو اجماعاً حرام ہے، ایک قول یہ ہے کہ چالیس دن سے پہلے منی کو رحم سے نکالنا مکروہ ہے۔

(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ج ۲ ص ۲۶۶، بحوالہ فتاوی اسلامیہ ج ۹ ص ۳۰۹۵، قاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک اسقاط حمل جائز نہیں ہے۔

۹۸- بَابُ: الْقُرْعَةِ بَيْنَ النِّسَاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا

جب خاوند سفر کا ارادہ کرے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے

۵۲۱۱- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَطَارَتِ الْقُرْعَةُ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ بِاللَّيْلِ سَارَ مَعَ عَائِشَةَ يَتَحَدَّثُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ أَلَا تَرْكَبِينَ اللَّيْلَةَ بَعِيرِي وَأَرْكَبُ بَعِيرَكِ تَنْظُرِينَ وَأَنْظُرُ فَقَالَتْ بَلَى فَرَكِبَتْ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جَمَلِ عَائِشَةَ وَعَلَيْهِ حَفْصَةُ فَسَلَّمَ عَلَيْهَا ثُمَّ سَارَ حَتَّى نَزَلُوا وَافْتَقَدَتْهُ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلُوا جَعَلَتْ رِجْلَيْهَا بَيْنَ الْإِذْخِرِ وَتَقُولُ يَا رَبِّ سَلِّطْ عَلَيَّ عَقْرَبًا أَوْ حَيَّةً تَلْدَغُنِي وَلَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقُولَ لَهُ شَيْئًا

(صحیح مسلم: ۲۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۴، سنن دارمی: ۲۴۲۸، السنن الکبری للنسائی: ۱۷۴۶۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد بن ایمن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر کے لیے) نکلتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، پس حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا قرعہ نکل آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو چلتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باتیں کرتے، تب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: کیا آج رات آپ میرے اونٹ پر سوار نہیں ہوتیں اور میں آپ کے اونٹ سوار ہوتی ہوں آپ بھی دیکھتی رہیں اور میں بھی دیکھتی رہوں (یعنی جو چیزیں آپ نے پہلے نہیں دیکھیں وہ آپ دیکھ لیں اور جو چیزیں میں نے پہلے نہیں دیکھیں ان کو میں دیکھ لوں)، حضرت عائشہ نے کہا: کیوں نہیں، پس حضرت عائشہ (حضرت حفصہ کے اونٹ پر) سوار ہو گئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے اونٹ کی طرف آئے تو اس کے اوپر حضرت حفصہ سوار تھیں، آپ نے ان کو سلام کیا، پھر چلے گئے، پھر جب اپنی منزل پر پہنچے تو حضرت عائشہ نے آپ کو چلنے کی حالت میں گم پایا، تب حضرت عائشہ نے اپنے پیروں کو اذخر گھاس میں ڈال دیا اور دعا کرنے لگیں: اے میرے رب! مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کر دے جو مجھ کو ڈس لے اور میں یہ نہیں طاقت نہیں رکھتی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کہوں۔

حدیث مذکور کے مشکل جملوں کی تسہیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آج رات آپ میرے اونٹ پر سوار نہیں ہوتیں اور میں آپ کے اونٹ پر سوار ہوں، آپ بھی دیکھیں اور میں بھی دیکھوں: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات کہنے پر غیرت اور رقابت نے برانگیختہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے اونٹ ساتھ ساتھ نہیں تھے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ ایک جانب تھا اور

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ دوسری جانب تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی: اے میرے رب! مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کردے جو مجھ کو ڈس لے:

المہلب نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان تنگی یا مشکل کے وقت اپنے خلاف دعا کرے تو وہ غالباً معاف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ (یونس: ۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں (کی بداعمالیوں کی سزا میں ان) کو نقصان پہنچانے میں بھی اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ (دنیا کے) نفع کی طلب میں کرتے ہیں تو انہیں (کب کی) موت آ چکی ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸۰۔۲۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنے نفس کے خلاف دعا کی توجیہ

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خلاف غیرت سے دعا کی، انہیں اس پر رنج تھا کہ حضرت حفصہ نے انہیں کس طرح فریب دیا اور انہیں کس طرح فریب دکھایا اور وہ کس طرح اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کا شرف حاصل نہیں کرسکیں، اسی غم و غصہ میں انہوں نے اپنے پیر گھاس پر مارے اور اپنے خلاف دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی بچھو ڈس لے یا کوئی سانپ ڈس لے کیونکہ غم و غصہ کی شدت میں انسان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جن کا وہ ارادہ نہیں کرتا، بعض اوقات ماں اپنے بیٹے کو بددعا دیتی ہے: اللہ کرے وہ اندھا ہو جائے، تجھے فالج ہو جائے، تو مر جائے حالانکہ یہ اس کا ارادہ نہیں ہوتا اور اللہ رحیم و کریم ہے، وہ انسان کی ایسی دعاؤں کو اکثر قبول نہیں فرماتا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۹۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

سفر میں کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ لے جانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی کسی ایک بیوی کے ساتھ سفر کا ارادہ کرے تو اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک نے کہا کہ اس کے لیے بغیر قرعہ اندازی کے کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا جائز نہیں ہے، یہی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ انسان بغیر قرعہ اندازی کے اپنی جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے، امام مالک کے پہلے قول کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے سو جس کے نام کا بھی قرعہ نکل آتا اس کو اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۶۱)

پس معلوم ہوا کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے امام مالک نے کہا کہ بغیر قرعہ اندازی کے کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا جائز نہیں ہے۔

امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ بغیر قرعہ اندازی کے بھی کسی ایک بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ

سفر میں بیوی کی ضرورت حضر سے زیادہ شدید ہوتی ہے، لہٰذا انسان کو اس بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی ضروریات سے واقف ہو اور اس کے معاملات میں اس کی مدد کر سکے، سو اس ضرورت کی وجہ سے بغیر قرعہ اندازی کے بھی کسی ایک بیوی کو سفر میں اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حیلہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناراض نہ ہونے کی توجیہ

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حیلہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اونٹ پر سوار کرا کے دوسری جانب بھیج دیا اور خود ان کے اونٹ پر سوار ہو گئیں تاکہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب اور آپ سے باتیں کرنے کا شرف حاصل ہو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اس کارروائی کا علم بعد میں ہوا لیکن آپ نے حضرت حفصہ پر کسی ناراضگی یا عتاب کا اظہار نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ عورتوں کی فطرت میں غیرت اور رقابت ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۹۔۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۹۔ بَابُ: اَلْمَرْأَةُ تَهَبُ يَوْمَهَا مِنْ زَوْجِهَا لِضَرَّتِهَا وَكَيْفَ يَقْسِمُ ذَٰلِكَ

عورت اپنے خاوند سے اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کر دے اور خاوند اس کی تقسیم کس طرح کرے؟

۵۲۱۲۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ بِيَوْمِهَا وَيَوْمِ سَوْدَةَ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۲، ۲۶۷۹، ۷۳۶۹، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ کے لیے ایک دن ان کی باری کی تقسیم کرتے اور ایک دن ان کے لیے حضرت سودہ کی باری کی تقسیم کرتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۵۹۳، میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ازواج کی باریوں کی تقسیم کا واجب نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ازواج کے لیے باریوں کی تقسیم واجب نہیں تھی اور آپ نے ان کے لیے باریوں کی تقسیم جو مقرر فرمائی تھی، یہ آپ کا ان پر فضل تھا، قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ (الاحزاب: ۵۱)

ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔

یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص کر لیا ہے اور کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۰۔۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۰- بَابُ: الْعَدْلِ بَيْنَ النِّسَاءِ عورتوں کے درمیان عدل کرنا

متعدد ازواج کے درمیان عدل کرنے کا طریقہ

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی جب ایک مرد کی دو، تین یا چار بیویاں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان کے درمیان باریوں کی تقسیم میں عدل کرے ماسوا اس کے کہ جب بیویاں از خود اپنی باری کسی دوسری بیوی کو دینے پر راضی ہو جائیں اور مرد پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت میں عدل کرے تا کہ وہ ایک دوسرے سے حسد اور عداوت نہ رکھیں اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے خرچ، ان کے لباس اور ان کو عطیات دینے میں مساوات کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء: ۱۲۹)

اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل نہیں کر سکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو، سو (جس سے تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو اور اگر تم اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ۝

متعدد ازواج کے درمیان دلی محبت میں مساوات کا واجب نہ ہونا

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اے مردو! تم اپنی بیوی کے درمیان دلی محبت میں مساوات کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ دلی محبت پر تمہارا اختیار نہیں ہے یعنی اگر تمہیں یہ حرص ہو کہ تم ان کے درمیان دلی محبت میں مساوات کرو گے، پھر بھی نہیں کر سکتے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی اگر ان کے درمیان شہوت میں مساوات کرنا چاہو پھر بھی نہیں کر سکتے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بیویوں کے درمیان محبت میں مساوات واجب نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج میں باریوں کی تقسیم کرتے تھے، پس ان کے درمیان عدل کرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ اس چیز میں میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، سو جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں، اس میں تو مجھ کو ملامت نہ کرنا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۳۴، سنن ترمذی: ۱۱۴۰، سنن نسائی ج ۷ ص ۶۴-۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۱، صحیح ابن حبان: ۴۲۰۵، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۷)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: (ایسا نہ ہو کہ تم) اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور اس کا جھکاؤ ان میں سے کسی ایک کی طرف ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوئی ہو گی“۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۴۱، سنن نسائی ج ۷ ص ۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۹، صحیح ابن حبان: ۴۲۰۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۶)

امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے: ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کسی ایک بیوی کی اجازت کے بغیر کسی دوسری بیوی کی طرف جھکاؤ نہ کرے لیکن اگر ایک بیوی دوسری بیوی کی طرف جھکاؤ کی اجازت دے دے تو پھر اس کے لیے

اس دوسری بیوی کی طرف جھکاؤ جائز ہے جیسے حضرت سودة رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ازواج مطہرات کے لیے ایک ایک دن کی باری مقرر فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو دن کی باری مقرر فرماتے تھے، سو جب کوئی بیوی بہ طیب خاطر اور اپنی خوشی سے اپنا حق چھوڑ دے تو یہ اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

ہمارے زمانہ میں دو بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے کا افسوس ناک اور الم ناک طریقہ

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں ایک آدمی ایک بیوی کے بعد دوسری بیوی سے نکاح کر لیتا ہے اور نئی بیوی کے ساتھ رہتا ہے اور پرانی بیوی کو لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے اور اس کے پاس کوئی رات نہیں گزارتا اور بعض اوقات پرانی بیوی کو خرچ اور رہائش بھی مہیا نہیں کرتا نہ اس کو طلاق دیتا ہے کہ وہ عدت کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کر لے اور نہ اس کو آباد کرتا ہے اور اس کو درمیان میں لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے اور بعض اوقات ایک بیوی کو مثلاً پاکستان میں چھوڑ جاتا ہے اور دوسری بیوی کو اپنے ساتھ انگلینڈ یا امریکا لے جاتا ہے اور پرانی بیوی کی پلٹ کر خبر نہیں لیتا، اور وہ یوں ہی لٹکی رہتی ہے، ہمارے زمانہ میں عام حال یہ ہی ہے حتیٰ کہ علماء اور مشائخ بھی پرانی بیوی کو معلقہ بنا کر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی خبر نہیں لیتے اور نئی بیوی کے ساتھ عیش و عشرت کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمارے ایک ماموں غزالی تھے، میں نے اپنی زندگی میں صرف ان کو دیکھا ہے، ان کی کوٹھی کی دو منزلیں تھیں، ایک منزل میں پرانی بیوی رہتی تھی اور دوسری منزل میں نئی بیوی رہتی تھی، وہ ایک دن ایک منزل میں پرانی بیوی کے ساتھ رہتے اور دوسرے دن دوسری منزل میں نئی بیوی کے ساتھ رہتے، انہوں نے تا حیات اس معمول کے مطابق زندگی گزاری، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اس دور میں جو لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں ان کو توفیق دے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل کریں اور پرانی بیوی کو لٹکی ہوئی نہ چھوڑیں۔ آمین

۱۰۱- بَابٌ: إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ

جب مرد بیوہ پر کنواری عورت کو نکاح کر کے لائے

۵۲۱۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه وَلَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَلَكِنْ قَالَ السُّنَّةُ إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۶۱، سنن ترمذی: ۱۱۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۶، مسند احمد: ۱۲۹۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: اور اگر میں چاہوں تو یوں کہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن حضرت انس نے کہا: سنت یہ ہے کہ جب مرد کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات راتیں رہے اور جب بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین راتیں رہے۔

جس مرد کی پہلی بیوی ہو اس کے بعد وہ دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن یا سات دن رہنا آیا واجب ہے یا مستحب ہے؟

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن عبدالحکم نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ جس مرد کی کوئی بیوی نہ ہو پھر وہ نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن یا تین دن رہے بلکہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ جس مرد کے نکاح میں ایک عورت ہو پھر وہ اس کے اوپر دوسری عورت

سے نکاح کرلے، پس بعض علماء نے کہا: اس حدیث سے مراد عموم ہے اور کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور اگر بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے اور یہ اس مرد پر واجب ہے خواہ اس کی پہلی بیوی ہو یا نہ ہو، کیونکہ سنت نے اس حکم کی اس کے ساتھ تخصیص نہیں کی کہ جس کی پہلی بیوی ہو۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اس باب میں اس حدیث کے بعد یہ حدیث ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب بیوہ کے اوپر کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور جب بیوہ کے اوپر بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے، پھر اس کے بعد ہر ایک کے پاس ایک ایک دن رہے۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس مرد کی پہلی بیوی ہو، پھر وہ اس کے اوپر کسی اور عورت سے نکاح کرلے تو امام مالک سے روایت ہے کہ وہ کنواری عورت کے پاس سات دن رہے اور بیوہ کے پاس تین دن رہے جب اس کے پاس دوسری بیوی ہو اور یہ واجب ہے، اور ابن عبد الحکم نے امام مالک سے یہ روایت کی ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

جب مرد کے اوپر واجب ہے کہ وہ نئی بیوی کے پاس تین دن یا سات دن رہے تو اس دوران وہ نمازوں اور اپنی دیگر ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

علامہ ابن حبیب نے کہا کہ مرد اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اور نماز پڑھنے کے لیے باہر نکلے خواہ اس کی بیوی کنواری ہو یا بیوہ ہو خواہ اس کے پاس دوسری بیوی ہو یا نہ ہو، اور ابن ابی اویس نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی شب میں اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا آیا وہ جمعہ کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک نے کہا: نہیں، امیر المومنین المہدی نے مدینہ میں نکاح کیا، پھر نماز فجر اور دوسری نمازوں کو پڑھنے کے لیے وہ گھر سے نکلے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ دولہا نماز جمعہ اور دیگر نمازوں کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اور علامہ سحنون مالکی نے بیان کیا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ نہ نکلے اور یہ اس عورت کا اس پر حق ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: یہ تفصیل ان فقہاء کے قول کے مطابق ہے جو کنواری اور بیوہ کے لیے بطور عموم قیام کا کہتے ہیں اور جن کی رائے یہ ہے کہ وہ نمازوں کے لیے گھر سے باہر نکلے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے وہ تین دن تک دوسری ازواج کے پاس جانے کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلنے سے مانع نہیں ہے اور اس کے لیے جماعت کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۲-۲۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۲- بَابٌ: إِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ
جب مرد کنواری بیوی پر بیوہ عورت سے نکاح کرے

۵۲۱۴- حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَخَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ إِنَّ أَنَسًا رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن راشد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب اور خالد نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب مرد بیوہ بیوی پر کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے اور پھر باریوں کو تقسیم

وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ وَخَالِدٍ قَالَ خَالِدٌ وَلَوْ شِئْتُ قُلْتُ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ۔

کرے اور جب مرد کنواری بیوی کے اوپر بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے اور پھر باریوں کو تقسیم کرے، ابوقلابہ نے کہا: اور اگر میں چاہوں تو یہ کہوں گا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ تک اس حدیث کو مرفوع کیا ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ایوب و خالد، خالد نے کہا: اگر میں چاہوں تو کہوں کہ یہ حدیث نبی ﷺ تک مرفوع ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۱۳ میں گزر چکی ہے۔

کنواری بیوی پر بیوہ عورت سے نکاح کرنے پر مدت قیام میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے اس حدیث کی دس صحیح سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پھر کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ مرد جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو سات دن اس کے پاس رہے اور سات دن دوسری بیویوں کے پاس رہے اور اگر وہ چاہے تو اس کے پاس تین دن رہے اور باقی ازواج کے پاس ایک ایک دن اور ایک ایک رات رہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام طحاوی کی اس قوم سے مراد یہ فقہاء ہیں:

ابراہیم النخعی، عامر الشعبی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید۔

پھر امام طحاوی نے کہا: اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی، انہوں نے کہا: اگر وہ تین دن اس بیوہ بیوی کے پاس رہے تو تین دن ان باقی ازواج کے پاس رہے جیسا کہ وہ سات دن ان باقی ازواج کے پاس رہتا ہے تو سات دن باقی ازواج کے پاس رہے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی کی اس عبارت میں قوم سے مراد یہ فقہاء ہیں:

حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتبہ اور امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ان کے پاس تین دن ٹھہرے اور فرمایا: بے شک تمہارے گھر والوں کے اوپر کوئی تنگی نہیں ہے، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں اور اگر میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں گا تو سات دن اپنی باقی ازواج کے پاس بھی ٹھہروں گا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۶۰، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۷، مسند احمد: ۲۶۵۶۶)

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کی اس باب کی حدیث فقہاء احناف کے خلاف دلیل ہے کیونکہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ جب مرد کنواری کے اوپر بیوہ سے نکاح کرے تو بیوہ کے پاس تین دن رہے، پھر باریوں کو تقسیم کرے اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ وہ سات دن بیوہ کے پاس رہے اور سات دن اپنی باقی ازواج کے پاس رہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس صحیح حدیث کے موافق ہے جس کو ابھی ہم نے امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور مسند احمد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰۳۔ بَابُ: مَنْ طَافَ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

جو مرد اپنی تمام بیویوں کے پاس ایک غسل میں گیا

۵۲۱۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۸، صحیح مسلم: ۳۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۰، سنن نسائی: ۲۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۸، سنن ابن ماجہ: ۵۸۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالاعلی بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاتے تھے اور اس وقت آپ کی نو ازواج مطہرات تھیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۸ میں گزر چکی ہے۔

اس اشکال کے متعدد جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں تمام ازواج کے پاس کیسے گئے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ازواج مطہرات کی باریاں مقرر کی ہوئی تھیں اور آپ ہر رات میں صرف ایک زوجہ کے پاس جاتے تھے، پھر ایک رات میں آپ تمام ازواج مطہرات کے پاس کیسے گئے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ اس وقت کیا ہو جب آپ کسی سفر سے واپس آئے ہوں کیونکہ اس وقت آپ پر باریوں کی تقسیم لازم نہیں تھی کیونکہ اس وقت کوئی زوجہ دوسری زوجہ پر راجح نہیں تھی اور جب ان تمام ازواج کے حقوق مساوی تھے تو آپ ان سب کے پاس ایک رات میں گئے، پھر اس کے بعد آپ نے دوبارہ شروع سے باریوں کی تقسیم کی، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس رات جس زوجہ کی باری تھی آپ نے اس سے تمام ازواج کے پاس جانے کی اجازت لے لی ہو اور آپ ان کی اجازت اور ان کی خوشی سے اس رات میں تمام ازواج کے پاس گئے جیسے آپ نے بیماری کے ایام میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے لی تھی کہ آپ یہ تمام ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاریں اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وہ دن ہو جس میں آپ نے کسی زوجہ کے پاس جانے کی قرعہ اندازی کی ہو اور اس دن تمام ازواج کے نام کا قرعہ نکل آیا ہو، اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج کی باریوں کی تقسیم واجب نہیں تھی اور آپ نے محض اپنے فضل اور احسان سے ان کے لیے باریاں مقرر کی تھیں۔

ایک بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے بعد دوسری بیوی کے ساتھ جماع کرنا اور جماع کے وقت دوسری بیوی یا کسی بچے یا کسی جانور کا موجود ہونا

ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب مرد اپنی دو بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کی باری کے دن میں جماع کرے، پھر اس دن غسل کرنے سے پہلے اپنی دوسری بیوی سے جماع کرنے کا ارادہ کرے اور جس بیوی کی اس دن باری تھی اس نے اس کی اجازت دے دی ہو تو پھر اس دن اس دوسری بیوی کے ساتھ غسل سے پہلے جماع کرنا جائز ہے۔

اور مرد کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنی دو بیویوں کو ایک بستر پر جمع کرے خواہ وہ دونوں اس پر راضی ہوں لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک بیوی کے ساتھ جماع کرے اور دوسری بیوی اس کے ساتھ گھر میں موجود ہو۔ علامہ ابن الماجشون نے کہا

ہے: اگر جماع کے وقت اس کے ساتھ گھر میں کوئی جانور یا چوپایہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب جماع کرتے تو گھر سے سب کو نکال دیتے حتیٰ کہ سمجھدار بچے کو بھی گھر سے نکال دیتے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۵۔ ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۴۔ بَابُ: دُخُولِ الرَّجُلِ عَلَى نِسَائِهِ فِي الْيَوْمِ

مرد کا اپنی بیویوں کے پاس دن میں جانا

۵۲۱۶۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَاحْتَبَسَ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ۔

(صحیح البخاری: ۴۹۱۲، ۵۲۶۸، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن نسائی: ۳۴۲۱، سنن ابو داؤد: ۳۷۱۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۵۹، مسند عبد بن حمید: ۱۴۸۹، شمائل ترمذی: ۱۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۶۷۹۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے، پس ان میں سے کسی ایک کے قریب بیٹھتے، پس آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس خلاف معمول زیادہ دیر تک بیٹھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۱۲ میں گزر چکی ہے۔

ازواج کی باریوں کی تقسیم کا آپ پر واجب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس طرح کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کو مباح کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ۔ (الاحزاب: ۵۱)

ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔

تو آپ کبھی کبھی یہ فعل کرتے تھے تاکہ یہ واضح ہو کہ باریوں کی تقسیم کرنا آپ کا فضل اور احسان ہے اور باریوں کی تقسیم آپ پر واجب نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۵۔ بَابُ: إِذَا اسْتَأْذَنَ الرَّجُلُ نِسَائَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِ بَعْضِهِنَّ فَأَذِنَّ لَهُ

مرد کا اپنی بیویوں سے اس کی اجازت طلب کرنا کہ وہ اپنی بیماری کے ایام کسی ایک بیوی کے پاس گزارے اور اس کی بیویاں اس کو اس کی اجازت دیں

۵۲۱۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان

بِلَالٍ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَيْنَ أَنَا غَدًا أَيْنَ أَنَا غَدًا يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ حَتَّى مَاتَ عِنْدَهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَاتَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي كَانَ يَدُورُ عَلَيَّ فِيهِ فِي بَيْتِي فَقَبَضَهُ اللهُ وَإِنَّ رَأْسَهُ لَبَيْنَ نَحْرِي وَسَحْرِي وَخَالَطَ رِيقُهُ رِيقِي

(صحیح البخاری: ۶۵۱۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ترمذی: ۳۴۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۰)

کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، ہشام بن عروہ نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جس بیماری میں فوت ہو گئے تھے اس میں آپ سوال کرتے تھے کہ میں کل کہاں ہوں گا؟ میں کل کہاں ہوں گا؟ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا ارادہ کرتے تھے، سو آپ کی ازواج نے آپ کو اجازت دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، سو آپ اپنی وفات تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: سو آپ اس دن میں وصال فرما گئے جس دن آپ میرے گھر میں میری باری کے دن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اس وقت آپ کا سر اقدس میرے سینہ اور میرے پہلو کے درمیان میں تھا اور آپ کا لعاب دہن میرے لعاب دہن کے ساتھ مل چکا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹۰ میں گزر چکی ہے۔

کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ محبت کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا کسی ایک بیوی کے ساتھ دوسری بیویوں سے زیادہ محبت کرنا جائز ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باریوں کی تقسیم بیویوں کا حق ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایام علالت گزارنے کے لیے دوسری ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کیونکہ بیمار آدمی کو اس سے مشکل ہوتی ہے کہ وہ ہر روز دوسری زوجہ کے گھر جائے (تاہم میں یہ کہتا ہوں نبی ﷺ کا دوسری ازواج سے اجازت طلب کرنا ان کی دل جوئی کے لیے تھا نہ اس لیے کہ باریوں کی تقسیم آپ پر واجب تھی۔ سعیدی غفرلہ)

جب بیوی شدید بیمار ہو تو اس کے ساتھ مدت قیام میں فقہاء کا اختلاف

اس پر اتفاق ہے کہ جب بیوی بیمار ہو جائے تو اس کی باری کے وہی دن ہوں گے جو اس کی صحت کے دنوں میں ہوتے تھے اور جب اس کا مرض شدید ہو جائے تو پھر اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے یا مر جائے، پھر بعد میں باقی ازواج کی باریاں پوری کرلے اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ بیماری کے ایام میں اس نے جو دن اس بیوی کے پاس گزارے ان کا شمار نہیں ہو گا اور اس کی صحت یا موت کے بعد از سر نو دوسری بیویوں کی باریوں کی تقسیم شروع ہو گی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۷۔۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۶۔ بَابُ: حُبِّ الرَّجُلِ بَعْضَ نِسَائِهِ أَفْضَلَ مِنْ بَعْضٍ

مرد کا کسی ایک بیوی سے زیادہ محبت کرنا اور اس کو دوسری بیویوں پر فضیلت دینا

۵۲۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَ يَا بُنَيَّةِ لَا يَغُرَّنَّكِ هَذِهِ الَّتِي أَعْجَبَهَا حُسْنُهَا حُبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهَا يُرِيدُ عَائِشَةَ فَقَصَصْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَسَّمَ

(صحیح البخاری: ۵۱۴۳-۵۲۵۶، ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۳۱۸، سنن نسائی: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۲۲۲، ۳۳۹، الادب المفرد: ۸۳۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۲۱، ۲۱۷۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبید بن حنین، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا از حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا: اے بیٹی! تم اس عورت سے دھوکے میں نہ رہنا جو آپ کی تمام ازواج سے زیادہ حسین وجمیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ہیں، ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا تو آپ مسکرائے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

کسی ایک بیوی کو اس کے حسن وجمال کی وجہ سے دوسری بیوی پر ترجیح دینا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس مرد کی متعدد بیویاں ہوں تو وہ کسی ایک بیوی کے حسن وجمال کی وجہ سے اس کو دوسری بیویوں پر ترجیح دے جب کہ وہ ان کے درمیان باریوں کی تقسیم میں مساوات رکھے، حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باریوں کی تقسیم میں عدل فرماتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! یہ اس چیز میں میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، سو تو اس چیز میں مجھ پر ملامت نہ کرنا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں''۔
(سنن ابوداؤد: ۲۱۳۴، سنن ترمذی: ۱۱۴۰، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۱)

امام ابوداؤد نے کہا: یعنی دلی محبت کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔

دلی محبت کے علاوہ باقی امور میں بیویوں کے ساتھ مساوات کرنا

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: جب کہ انسان دل کا مالک نہیں ہے اور دل کے معاملات میں عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے حرج کو دور کر دیا اور ارشاد فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۔ (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

تاہم مرد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان خوراک میں کھانے پینے کی دیگر چیزوں میں اپنی حیثیت کے مطابق مساوات رکھے اور ان کے لیے باریوں کی تقسیم کرے اور ان کے پاس رات گزارے خواہ وہ حائض ہوں یا طاہرہ ہوں، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کے اوپر دوسری بیویوں سے زیادہ مال خرچ کرے۔

باپ کو اپنی شادی شدہ بیٹی کو ڈانٹنے کا جواز

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کی اپنے خاوند پر غیرت کرنے کے سلسلہ میں ڈانٹے اور اس کو خاوند کی سرکشی سے باز رکھے تاکہ اس کا نتیجہ طلاق کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری

ج ۷ ص ۲۷۹-۲۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

۱۰۷- بَابُ: اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يَنَلْ وَمَا يُنْهٰى مِنْ اِفْتِخَارِ الضَّرَّةِ

اس کی ممانعت کہ کوئی عورت اپنی سوکن کو جلانے اور اس پر فخر ظاہر کرنے کے لیے یہ کہے کہ مجھے فلاں چیز مل گئی حالانکہ وہ چیز اس کو نہ ملی ہو

۵۲۱۹- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ

(صحیح مسلم: ۲۱۳۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۹۷، مسند احمد: ۲۶۹۸۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ہشام از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ (ح) اور مجھے محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا مجھے فاطمہ نے حدیث بیان کی از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہ ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے، کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں شیخی بگھار کے کہوں کہ میرا شوہر مجھے چیزیں دیتا ہے حالانکہ وہ مجھے نہ دیتا ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی چیز نہ دی گئی ہو اور وہ ڈینگ مار کر یہ کہے کہ مجھے وہ چیز دی گئی ہے تو وہ اس کی طرح ہے جس نے جھوٹے کپڑے پہنے ہوں۔

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ کے معنی کی تحقیق اور اس باب کی حدیث کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوعبیدہ نے کہا کہ اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ کا معنی ہے کہ انسان اس سے زیادہ اپنے آپ کو مزین کرے جو اس کے پاس ہے اور جھوٹ اور باطل سے خود کو مزین کرے جیسے کسی عورت کی کوئی سوکن ہو اور وہ اس کے سامنے یہ کہے کہ اس کے شوہر نے اس کو بہت چیزیں دی ہیں حالانکہ اس کے شوہر نے اس کو وہ چیزیں نہ دی ہوں، وہ محض اپنی سوکن کو جلانے کے لیے ایسا کہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ جو چیزیں انسان کے پاس نہ ہوں وہ اپنے آپ کو ان سے مزین کرے تو یہ مذموم ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی آدمی جھوٹے کپڑے پہنے، ایک قول یہ ہے کہ ایک آدمی ایک قمیص پہنے اور اس کے اوپر دوسری قمیص کی آستینیں چڑھا لے اور یہ ظاہر کرے کہ اس نے دو قمیصیں پہنی ہوئی ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ کا معنی ہے کہ ایک آدمی بھوکا ہو اور وہ یہ ظاہر کرے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور وہ سیر ہے جیسے کوئی شخص جھوٹ اور باطل کے ساتھ اپنے آپ کو مزین کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور وہ یہ ظاہر کرے کہ اس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے دو جھوٹ کے کپڑے پہنے ہوں۔

علامہ الخطابی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث کی دو تاویلیں ہیں: ایک یہ ہے کہ کپڑا ایک مثال ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مرد کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ عیوب سے بری ہے اور اس کی صفت میں کہا جائے کہ اس کے کپڑے طاہر ہیں۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث میں کپڑے ہی مراد ہیں یعنی قبیلہ میں ایک شخص کا خوب صورت کوٹ ہو، پس جب لوگوں کو جھوٹی گواہی کی ضرورت ہو تو وہ ان کے حق میں گواہی دے اور اس کے خوب صورت لباس کی وجہ سے اس کی گواہی کو قبول کر لیا جائے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی عورت امانت میں رکھے ہوئے کپڑے پہنے یا عاریۃً لیا ہوا لباس پہنے تا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ یہ اس عورت کا اپنا لباس ہے اور یہ لباس اس کے پاس ہمیشہ تو نہیں رہے گا، پھر جن کا لباس ہے وہ اس سے واپس لے لیں گے تو وہ شرمندہ اور رسوا ہو گی۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس وجہ سے اس کی سوکن اور اس کے شوہر کے درمیان بغض پیدا ہو گا جس کا نتیجہ طلاق ہو گی اور یہ اس جادو کی مثل ہے جس کی وجہ سے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان مفارقت ہو جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۰۔۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

متشبعین کے متعلق وعید

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتشبع بما لم یعط کا معنی یہ ہے کہ آدمی لوگوں کے لیے یہ ظاہر کرے کہ وہ غنی ہے اور واقع میں وہ غنی نہ ہو، اسی طرح باقی صفات ہیں مثلاً وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ ذہین ہے حالانکہ وہ کند ذہن ہو اور وہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ عالم ہے حالانکہ وہ جاہل ہو اور وہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ عبادت گزار ہے حالانکہ وہ غیر عبادت گزار ہو اور فاسق ہو۔ (اسی طرح کوئی شخص دوسروں کی تحقیق کو پڑھ کر یا ان سے سن کر لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کرے جیسے وہ خود اس کی اپنی تحقیق ہے، یا کسی کی تقریر کے نکات سن کر یا اس کی کتاب کو پڑھ کر لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کرے جیسے وہ اس کے سینہ زاد نکات ہیں، سو یہ مذموم ہے)۔ قرآن مجید میں اس پر وعید ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ (آل عمران: ۱۸۸)

ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

پس جو انسان لوگوں کے سامنے ایسے وصف کو ظاہر کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے در اصل وہ انسان شیخی خورہ ہے اور وہ اس طرح ہے جیسے اس نے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۶۰۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کا منتحلین سے شکوہ

ایک مجلس میں علامہ سیوطی نے علامہ قسطلانی سے کہا: آپ نے "المواہب اللدنیہ" میں حدیث کی جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں آپ نے وہ حوالے میری کتابوں سے لیے ہیں۔ اگر آپ کا یہ زعم ہے کہ یہ آپ کی اپنی تحقیق ہے تو آپ دکھائیں کہ آپ کے پاس حدیث کی وہ کتابیں ہیں؟ بعد میں علامہ قسطلانی، علامہ سیوطی سے ملنے ان کے گھر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، علامہ سیوطی نے پوچھا: کون ہے؟ علامہ قسطلانی نے کہا: احمد قسطلانی، علامہ سیوطی نے پوچھا: کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: برہنہ پا اور برہنہ سر

کے دروازے پر کھڑا ہوں تا کہ آپ کے دل سے کدورت دور ہو جائے اور آپ راضی ہو جائیں۔ یہ سن کر شیخ جلال الدین سیوطی نے اندر ہی سے کہا کہ میں نے دل سے کدورت کا ازالہ کر دیا، لیکن نہ دروازہ کھولا اور نہ ان سے ملاقات کی۔

(بستان المحدثین ص ۳۲۰۔۳۱۹، مطبع سعید کمپنی، لاہور)

سوچیے! علامہ قسطلانی نے علامہ سیوطی کی کتابوں کو ان کے حوالہ کے بغیر ذکر کر دیا تو اس پر علامہ سیوطی اس قدر رنجیدہ اور ناراض ہوئے، ادھر اس مصنف ناکارہ کا یہ حال ہے کہ اس کی تصانیف کے صفحات لوگ اس کا حوالہ دیئے بغیر اپنی کتابوں میں درج کر دیتے ہیں اور اس کی تحقیقات کو اپنی تحقیقات ظاہر کر کے بیان کرتے ہیں تو اس ناکارہ کو اس پر کتنا رنج ہوتا ہوگا، لیکن میں اس پر صبر کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے اور ان لوگوں کو بھی معاف فرمائے۔ آمین۔

۱۰۸۔ بَابُ: الْغَيْرَةِ — الغیرۃ (غیرت کا بیان)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ''غیرت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صاحب المشارق نے کہا ہے: شوہر اور بیوی کی ایک دوسرے ساتھ جو خصوصیت ہے اس میں کسی دوسرے کی شرکت کی وجہ سے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا اور ایک دوسرے کو دفع کرنا غیرت ہے۔

صاحب النہایہ نے کہا ہے: غیرت کا معنی حمیت ہے یعنی نفرت، عار اور ناپسندیدگی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ کسی کی خصوصیت میں جب دوسرا شریک ہو جائے اس کی وجہ سے اس کے دل میں جو تغیر ہوتا ہے اور غصہ جوش میں آتا ہے اس کو غیرت کہتے ہیں، اور سب سے شدید غیرت اس وقت ہوتی ہے جب شوہر اور بیوی کی خصوصیت میں کوئی دوسرا شریک ہو، یہ آدمیوں کے حق میں غیرت کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں غیرت کا معنی عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ وَرَّادٌ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي۔

(صحیح البخاری: ۷۴۱۶)

اور وراد نے بیان کیا از مغیرہ، انہوں نے کہا: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس کو تلوار (کی دھار) سے ماروں گا نہ کہ اس کی چوڑائی کی طرف سے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے؟ میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔

غیرت کا معنی، اللہ تعالیٰ اور بندوں کی غیرت کا فرق اور غیرت کے متعلق مزید احادیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے غیرت مند ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا ہے ان کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ بندوں پر ناراض ہوتا ہے اور ان پر عذاب کی وعید سناتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ مومن ان کاموں کو نہ کرے جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۳)

حضرت سعد کے قول کا معنی یہ ہے کہ میں حرام کاموں کے ارتکاب پر ناراض ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ حرام کاموں کے ارتکاب پر ناراض ہوتا ہے۔ اور غیرت کی دو قسمیں ہیں، ایک محمود ہے اور دوسری مذموم ہے، حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیرت کی بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں اور بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہیں، رہی غیرت کی وہ قسمیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں یہ وہ ہیں جن میں کسی شک کی وجہ سے غیرت ہوا اور رہی غیرت کی وہ قسمیں جو شک کی وجہ سے نہ ہوں بلکہ بلاوجہ ہوں تو وہ محبوب نہیں ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۶) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۲۔ ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت سعد نے جو کہا تھا: اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو میں اس کو تلوار کی دھار سے قتل کر دوں گا اور انہوں نے چار گواہ لانے تک صبر نہیں کیا، اس کی شرح کتاب الدیات میں آئے گی۔

نیز حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیرت کی بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں اور غیرت کی بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۷۰۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غیرت ایمان سے ہے اور فحش کلامی نفاق سے ہے''۔ (کشف الاستار: ۱۴۹۰، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۷)، حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو مرحوم ہے، اس کی امام نسائی وغیرہ نے توثیق کی ہے اور ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں اور حافظ ابن حبان نے ابو مرحوم کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج ۷ ص ۱۳۳)

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''بے شک میں بہت زیادہ غیرت والا ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بہت غیرت والے تھے اور جس مرد میں غیرت نہ ہو اس کا دل اوندھا ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۷۰۷)

۵۲۲۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَمَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ۔

(صحیح البخاری: ۴۶۳۴، صحیح مسلم ۲۷۶۰، سنن ترمذی: ۳۵۳۰، مسند احمد: ۳۶۱۶، سنن دارمی: ۲۲۲۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از شقیق از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے اس وجہ سے اللہ عزوجل نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا اور کسی کو بھی اللہ عزوجل سے زیادہ مدح پسند نہیں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۳۴ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَحَدٌ أَغْيَرَ مِنَ اللهِ أَنْ يَرَى عَبْدَهُ أَوْ أَمَتَهُ تَزْنِي يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۰، سنن ابو داؤد: ۱۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اس بات پر غیرت کرنے والا نہیں ہے کہ وہ اپنے بندے یا اپنی بندی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے، اے امت محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴ ۱۰۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور میں مونث کا صیغہ تزنی بہ ظاہر درست نہیں ہے، اس کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: تزنی اور اس کا فاعل ہے عبدہ اور وہ مذکر ہے اور یہ بہ ظاہر صحیح نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ یہ صحیح بخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والے کی غلطی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ حافظ ابن حجر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں جو تزنی کا لفظ مذکور ہے یہاں پر مذکر اور مونث دونوں صیغے جائز ہیں، مذکر کا صیغہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ لفظ العبد کی خبر ہے اور مونث کا صیغہ اس اعتبار سے کہ یہ لفظ الامۃ کی خبر ہے اور جب اس حدیث میں مذکر اور مونث دونوں صیغوں کا ذکر کرنا جائز ہے تو پھر حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ صحیح البخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والے نے غلطی سے تزنی لکھ دیا ورنہ یزنی ہونا چاہیے تھا، صحیح نہیں ہے اور صحیح البخاری کے ناقل کی طرف غلطی کی نسبت کرنا بلاوجہ اور بلاسبب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابن حجر عسلانی شافعی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۸ میں کوئی جواب نہیں لکھا۔

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ علم حدیث میں اور روایات کی تحقیق میں حافظ ابن حجر عسقلانی قدم راسخ رکھتے ہیں لیکن صرف اور نحو میں وہ کمزور ہیں، اس لیے علامہ عینی جگہ جگہ ان کی صرفی اور نحوی غلطیاں نکالتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۲۲۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ أُمِّهِ أَسْمَاءَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا شَيْءَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ وَعَنْ يَحْيَى أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۵۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ، انہوں نے کہا کہ عروہ بن زبیر نے ان کو حدیث بیان کی از مادر خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''کوئی چیز اللہ عزوجل سے زیادہ غیرت والی نہیں ہے''۔ اور یحییٰ سے روایت ہے کہ ابو سلمہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا۔

۵۲۲۳ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللهَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللهِ أَنْ يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۶۱، ۲۷۶۲، مسند احمد: ۹۰۳۸، سنن ترمذی:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابو سلمہ، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ غیرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے کہ مومن وہ کام کرے جس

(۱۱۶۸

۵۲۲۴ـ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنهما قَالَتْ تَزَوَّجَنِي الزُّبَيْرُ وَمَا لَهُ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَالٍ وَلَا مَمْلُوكٍ وَلَا شَيْءٍ غَيْرَ نَاضِحٍ وَغَيْرَ فَرَسِهِ فَكُنْتُ أَعْلِفُ فَرَسَهُ وَأَسْتَقِي الْمَاءَ وَأَخْرِزُ غَرْبَهُ وَأَعْجِنُ وَلَمْ أَكُنْ أُحْسِنُ أَخْبِزُ وَكَانَ يَخْبِزُ جَارَاتٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ وَكُنَّ نِسْوَةَ صِدْقٍ وَكُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى رَأْسِي وَهِيَ مِنِّي عَلَى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ فَجِئْتُ يَوْمًا وَالنَّوَى عَلَى رَأْسِي فَلَقِيتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَانِي ثُمَّ قَالَ إِخْ إِخْ لِيَحْمِلَنِي خَلْفَهُ فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسِيرَ مَعَ الرِّجَالِ وَذَكَرْتُ الزُّبَيْرَ وَغَيْرَتَهُ وَكَانَ أَغْيَرَ النَّاسِ فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنِّي قَدِ اسْتَحْيَيْتُ فَمَضَى فَجِئْتُ الزُّبَيْرَ فَقُلْتُ لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعَلَى رَأْسِي النَّوَى وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَأَنَاخَ لِأَرْكَبَ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ وَعَرَفْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ وَاللهِ لَحَمْلُكِ النَّوَى كَانَ أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ رُكُوبِكِ مَعَهُ قَالَتْ حَتَّى أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَ ذَلِكَ بِخَادِمٍ تَكْفِينِي سِيَاسَةَ الْفَرَسِ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَنِي۔

(صحیح مسلم:۲۱۸۲، مسند احمد:۲۷۲۰۳)

کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں مجھ سے حضرت زبیر نے نکاح کیا اور ان کا زمین کے اوپر کوئی مال تھا نہ کوئی غلام تھا اور نہ کوئی اور چیز تھی سوا ایک پانی لانے والے اونٹ اور ایک گھوڑے کے، سو میں ان کے گھوڑے کے لیے چارا ڈالتی اور پانی پلاتی اور ان کے ڈول کو سیتی اور آٹا گوندھتی اور مجھے اچھی طرح روٹی پکانی نہیں آتی تھی اور انصار کی چند لڑکیاں میرے لیے روٹی پکاتی تھیں اور وہ بہت سچی عورتیں تھیں اور میں حضرت زبیر کی اس زمین سے گٹھلیاں چن کر لاتی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمائی تھی، سو میں ایک دن گٹھلیوں کو اپنے سر پر رکھ کر لا رہی تھی، وہ زمین میرے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھی، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی، اس وقت آپ کے ساتھ انصار کے چند آدمی تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا (پھر اونٹ کو بٹھانے کے لیے) فرمایا: اخ اخ تا کہ آپ مجھے اپنے پیچھے بٹھائیں، پس مجھے اس سے حیاء آئی کہ میں (اجنبی) مردوں کے ساتھ چلوں اور مجھے حضرت زبیر کا خیال آیا اور ان کی غیرت یاد آئی اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ غیرت والے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ مجھے حیاء آ رہی ہے تو آپ آگے بڑھ گئے، سو میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو میں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے اور میرے سر پر گٹھلیاں تھیں اور آپ کے ساتھ آپ کے چند اصحاب تھے، سو آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تا کہ میں سوار ہوں، سو مجھے اس سے حیاء آئی اور میں نے آپ کی غیرت کو یاد کیا تو حضرت زبیر نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارا گٹھلیوں کو اٹھا کر لانا میرے نزدیک اس سے زیادہ سخت تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہو کر آتیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بتایا حتیٰ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ایک خادم کو بھیجا

جو گھوڑے کے انتظامات میں مجھ سے کفایت کرتا تھا، پس گویا کہ اس نے مجھے (گھوڑے کی دیکھ بھال کی مشقت سے) آزاد کر دیا۔

۵۲۲۵۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَیَّةَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَی أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِینَ بِصَحْفَةٍ فِیهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِی النَّبِیُّ ﷺ فِی بَیْتِهَا یَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِیُّ ﷺ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ یَجْمَعُ فِیهَا الطَّعَامَ الَّذِی کَانَ فِی الصَّحْفَةِ وَیَقُولُ غَارَتْ أُمُّکُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّی أُتِیَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِی هُوَ فِی بَیْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِیحَةَ إِلَی الَّتِی کُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَکَ الْمَکْسُورَةَ فِی بَیْتِ الَّتِی کَسَرَتْ

(سنن ترمذی: ۱۳۵۹، سنن نسائی: ۳۹۵۵، سنن ابوداؤد: ۳۵۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۳۳۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن علیہ نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے پاس تھے، پس امہات المومنین میں سے کسی نے طعام سے بھرا ہوا پیالہ بھیجا، سو جن کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ پر ضرب لگائی تو پیالہ گر کر کئی ٹکڑے ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا، پھر اس میں اس طعام کو بھرا جو اس پیالہ میں تھا، پھر آپ فرما رہے تھے: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی، پھر آپ نے خادم کو ٹھہرایا، پھر جن کے گھر میں آپ تھے ان کے پاس سے پیالہ لائے، پھر آپ نے ایک صحیح سالم پیالہ ان کے لیے عطا فرمایا جن کا پیالہ توڑ دیا گیا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر میں رکھ لیا جنہوں نے پیالہ توڑا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۸۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِی بَکْرٍ الْمُقَدَّمِیُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَیْدِ اللهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ أَوْ أَتَیْتُ الْجَنَّةَ فَأَبْصَرْتُ قَصْرًا فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا قَالُوا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَلَمْ یَمْنَعْنِی إِلَّا عِلْمِی بِغَیْرَتِكَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِی أَنْتَ وَأُمِّی یَا نَبِیَّ اللهِ أَوَعَلَیْكَ أَغَارُ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۲، ۳۹۸، فضائل الصحابہ للنسائی: ۲۳، ۱۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابوبکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از عبیداللہ از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا یا فرمایا: میں جنت میں آیا تو میں نے ایک محل دیکھا، میں نے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ (فرشتوں نے) بتایا، یہ حضرت عمر بن الخطاب کا محل ہے، سو میں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، پھر مجھے اس میں داخل ہونے سے صرف اس چیز نے روکا کہ مجھے تمہاری غیرت کا علم تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ آپ پر فدا ہو اور میری ماں! اے اللہ کے نبی! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۷۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ یُونُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ أَخْبَرَنِی ابْنُ الْمُسَیَّبِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ جُلُوسٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی از یونس از زہری، انہوں نے کہا: مجھے ابن المسیب نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا لِعُمَرَ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا فَبَكَى عُمَرُ وَهُوَ فِي الْمَجْلِسِ ثُمَّ قَالَ أَوَعَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغَارُ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۲۳، ۷۰۲۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۹، فضائل الصحابہ: ۲۷)

انہوں نے کہا: جس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس اثناء میں میں سویا ہوا تھا اس وقت میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا، وہاں محل کی ایک جانب ایک عورت وضو کر رہی تھی، میں نے اس سے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ (فرشتہ نے) کہا، یہ عمر کا محل ہے، پھر مجھے تمہاری غیرت یاد آئی، پھر میں پیٹھ موڑ کر مڑا تو حضرت عمر روئے اور وہ اس وقت اس مجلس میں تھے، پھر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا؟

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۲ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مخلوق کی غیرت کے مشابہ نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی جس غیرت کا ذکر ہے یہ مخلوق کی غیرت کی مثل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے نقص کی صفات جائز نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کے مشابہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں غیرت کا معنی ہے: بے حیائی کے کاموں سے منع کرنا اور ان پر ڈانٹنا اور ان کو حرام قرار دینا، کیونکہ غیور وہ ہوتا ہے جو ان کاموں سے منع کرے جن پر غیرت آتی ہے اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ مومن وہ کام نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، یہ ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے (صحیح البخاری: ۵۲۲۳) اور حضرت سعد کی روایت میں ہے کہ میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ (صحیح البخاری: ۷۴۱۶)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ سعد محارم (حرام کاموں) سے بہت زیادہ منع کرنے والے ہیں اور میں سعد سے زیادہ محارم سے منع کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں سے زیادہ منع کرنے والا ہے جن کا کرنا حلال نہیں ہے، اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں کو غیرت آگئی"۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۵) یعنی تمہاری ماں کو اس پر غیرت آئی کہ ان کی سوکن نے ان کی باری کے دن اپنا ہدیہ بھیجا اس لیے انہوں نے ان کے ہدیہ کے پیالہ کو ہاتھ مار کر توڑ ڈالا۔

بیوی پر مرد کے گھریلو پُر مشقت کاموں کا لازم نہ ہونا اور تبرعاً اور احساناً کرنے کا جواز

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: علامہ نووی نے یہ نقل کیا ہے کہ عورت کا گھوڑے کی دیکھ بھال کرنا اور چمڑے کے ڈول کو سینا اور اس قسم کے گھریلو کام کرنا عورت کے ذمہ لازم نہیں ہیں سوا اس کے کہ عورت تبرعاً اور استحساناً یہ خدمات انجام دے جیسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ گھریلو خدمات انجام دیتی تھیں۔

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: اسی طرح مرد کے لیے کپڑے بننا اور سلائی کڑھائی کرنا بیوی پر کسی حال میں بھی لازم نہیں ہے سوا اس کے کہ عورت استحساناً یہ خدمات انجام دے اور مرد جب تنگ دست ہو تب بھی اس پر بیوی سے خدمت لینا جائز نہیں ہے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جب کوئی معزز عورت اپنے خاوند کی خدمت کرے اور اس کے لیے کھجور کی گٹھلیاں سر پر رکھ کر لائے اور اس کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرے تو اس کے باپ کے لیے اور

سلطان کے لیے ان کاموں سے منع کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ المہلب کا عورتوں کے پردے کے حکم کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ مخصوص کرنا اور اس پر مصنف کا تعاقب

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی اجنبی مرد کا کسی عورت کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھانا جائز ہے جب کہ دوسرے اجنبی لوگ بھی ہوں، اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پردہ کیا تھا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ پردہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر فرض ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب: ۳۳-۳۲)

اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو، بہ شرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو، سو کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی (غلط) امید لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کرنا ○ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا۔

میں کہتا ہوں: علامہ المہلب مالکی نے یہ درست نہیں لکھا کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر پردہ فرض ہے بلکہ تمام مسلمان عورتوں پر فرض ہے کہ وہ اجنبی مردوں سے پردہ کریں اور حجاب میں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (اپنے منہ پر) لٹکالیا کریں، یہ اس کے بہت قریب ہے کہ ان کو پہچان لیا جائے (کہ یہ آزاد عورتیں ہیں) تو ان کو ایذا نہ دی جائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا

اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود بہ خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں، یا اپنے باپ دادا پر، یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی مملوکہ باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان

يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ (النور:۳۱)

لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور (عورتیں) اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤO

الاحزاب:۵۹ اور النور:۳۱، میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو صراحتاً پردہ کرنے کا حکم دیا ہے، پھر حیرت ہے کہ علامہ المہلب مالکی ان واضح نصوص سے بے خبر رہے اور انہوں نے یہ غلط بات کہی کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو پردہ کرنے کا حکم ہے اور مسلمان عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں ہے جب کہ ان دو آیتوں میں واضح طور پر مسلمان عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے۔

بیوی کا مرد کے گھریلو کام کرنے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مرد کی بیوی پر خدمت کرنا دشوار ہو خصوصاً جب کہ وہ معزز خاندان کی ہو تو اس پر مرد کو غیرت آتی ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حضرت اسماء کا پر مشقت کام کرنا اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنا اور ان کا چارہ اٹھا کر لانا ناگوار ہوا لیکن آپ نے اس بات پر حضرت زبیر کو ملامت نہیں کی کیونکہ آپ کو علم تھا کہ حضرت اسماء خوشی سے یہ پر مشقت کام کرتی تھیں۔

بیویوں کی کج روی پر صبر کرنے کی تلقین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے اپنی سوکن کا جو پیالہ توڑ دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کی بد اخلاقی اور ان کی کج روی پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملامت نہیں کی اور نہ ان کو ڈانٹا اور اس کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی ہے اور ہم اس سے پہلے ''کتاب المظالم'' اور ''کتاب الغصب'' میں اس حدیث کی شرح میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ایسی صورت میں پیالہ توڑنے والی پر آیا تاوان لازم آتا ہے یا نہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

۱۰۹۔ بَابٌ: غَيْرَةِ النِّسَاءِ وَوَجْدِهِنَّ

عورتوں کا غم وغصہ اور ان کی ناراضگی

۵۲۲۸۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى قَالَتْ فَقُلْتُ مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكِ تَقُولِينَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى قُلْتِ لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ قَالَتْ قُلْتُ أَجَلْ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ

(صحیح البخاری:۶۰۷۸، صحیح مسلم:۲۴۳۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۰، ص ۱۶، ص ۲۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے علم ہو جاتا ہے کہ تم کب مجھ سے راضی ہوتی ہو اور کب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو''، میں نے عرض کیا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو: رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: رب ابراہیم کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: یہ ٹھیک ہے اور اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے اسم کو ترک کرتی ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۲۸ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۹۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ كَمَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِيَّاهَا وَثَنَائِهِ عَلَيْهَا وَقَدْ أُوحِيَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ لَهَا فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ

(صحیح البخاری: ۶۰۰۴، ۷۴۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۳۵، سنن ترمذی: ۲۰۱۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۷، مسند احمد ج ۶ ص ۵۸، ۲۰۲، ۲۷۸، فضائل الصحابہ للنسائی: ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ کی کسی زوجہ پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی غیرت مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کا بہت زیادہ ذکر کرتے تھے اور ان کی بہت تعریف اور تحسین کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ وحی کی گئی کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ان کے لیے موتیوں کے گھر کی خوش خبری دیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۶ میں گزر چکی ہے۔

بیویوں کی جفا پر صبر کرنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیویوں کی جفا اور غیرت پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز ان کی فطرت میں داخل ہے اور وہ اپنے آپ کو اس سے باز رکھنے پر قادر نہیں ہیں اس لیے آپ نے ان کی جفا پر صبر کیا اور ان کو اس میں معذور قرار دیا۔

مخلوق کے اسم کا مسمیٰ کا غیر ہونا اور اللہ عزوجل کے اسم کا مسمیٰ کا عین ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے اسم کو چھوڑتی ہوں یعنی آپ کی ذات کو نہیں چھوڑتی، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مخلوق میں اسم مسمیٰ کا غیر ہوتا ہے لیکن اللہ عزوجل کا اسم مسمی کا عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۔ (الشوریٰ: ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۴) اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے ۝

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں ہے کیونکہ ایک ضد کا حکم دوسری ضد کے حکم سے معلوم ہو جاتا ہے، پس جب اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے جس سے اس کے اسم پر استدلال کیا جائے اور اس کا اسم مسمیٰ کا غیر ہے تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم مسمیٰ کا غیر ہے بلکہ اس کا اسم اس کی ذات کا عین ہے کیونکہ اہلسنت و جماعت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ بھی موجود ہے اور انسان بھی موجود ہے حالانکہ دونوں کے وجود میں زمین اور آسمان سے زیادہ فرق ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۸۔ ۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۰- بَابُ: ذَبِّ الرَّجُلِ عَنِ ابْنَتِهِ فِي الْغَيْرَةِ وَالْإِنْصَافِ

مرد کا اپنی بیٹی سے غیرت کو دور کرنا اور اس کے لیے انصاف مہیا کرنا

۵۲۳۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا فِي أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَلَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۸، صحیح مسلم: ۲۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۸) ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک بنو ہشام بن المغیرۃ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں، سو میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا سوا اس کے کہ ابو طالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے، پس وہ صرف میرے جسم کا ٹکڑا ہے مجھے وہ چیز بری لگتی ہے جو اس کو بری لگتی ہے اور مجھے وہ چیز تکلیف دیتی ہے جو اس کو تکلیف دیتی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۲۶ میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام نافذ کرنے کا اختیار

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ان چیزوں کا حکم فرماتے تھے جن کی تحریم آپ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور جو چیز حلال ہوتی تھی آپ اس سے بھی منع فرما دیتے تھے کیونکہ اس سے مستقبل میں کسی ضرر کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ابو جہل کی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کرنے کی حکمت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابو جہل کی بیٹی اگرچہ مسلمان تھی لیکن اس کا باپ اللہ کا دشمن تھا، اس سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کے مرتبہ کو کم قرار دیا کہ وہ آپ کی بیٹی کے مرتبہ میں ہو۔

جب دو عورتیں مساوی نہ ہوں تو اعلیٰ کی اجازت کے بغیر ادنیٰ کو اس کی سوکن بنانے کی ممانعت

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ باندی اور آزاد عورت کو ایک مرد کے نکاح میں جمع نہ کیا جائے سوا اس کے کہ آزاد عورت اس نکاح پر راضی ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دشمن کی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا کفو قرار نہیں دیا، اسی طرح جب دو عورتوں میں سے ایک باندی ہو اور دوسری آزاد ہو تو وہ بھی ایک دوسری کی کفو نہیں ہوں گی اور آزاد عورت کی رضا کے بغیر ان کو نکاح میں جمع نہیں کیا جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابو جہل کی بیٹی کو اپنی سوکن بنانے پر راضی ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے منع نہ فرماتے کیونکہ آپ نے فرمایا: "مجھے وہ چیز تکلیف دیتی ہے جو اسے تکلیف دیتی ہے اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ اس نکاح

سے اس کا دین آزمائش میں پڑے گا''۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۹۔۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۱۔ بَابٌ: يَقِلُّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرُ النِّسَاءُ

مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت

وَقَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَرَى الرَّجُلَ الْوَاحِدَ يَتْبَعُهُ أَرْبَعُونَ امْرَأَةً يَلُذْنَ بِهِ مِنْ قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ۔

اور حضرت ابو موسیٰ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور تم دیکھو گے کہ چالیس عورتیں ایک مرد کی اتباع کریں گی اور اس کی پناہ میں رہیں گی کیونکہ مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان چالیس عورتوں سے مراد ان کی بیویاں ہیں اور باندیاں ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس کی بیٹیاں اور بہنیں ہیں اور فتنوں اور جنگوں کی کثرت کی وجہ سے مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔

۵۲۳۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الْحَوْضِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا يُحَدِّثُكُمْ بِهِ أَحَدٌ غَيْرِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ۔

(صحیح البخاری: ۸۰، ۵۵۷۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۱، سنن ترمذی: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر الحوضی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں تمہیں ضرور ایک حدیث بیان کروں گا جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے میرے سوا کوئی اور شخص تمہیں وہ حدیث بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل زیادہ ہوگا اور کثرت سے زنا کیا جائے گا اور کثرت سے انگوری شراب پی جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی حتیٰ کہ پچاس (۵۰) عورتوں کا ایک مرد منتظم ہوگا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۰ میں گزر چکی ہے۔

عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت کا زمانہ

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب فتنہ عام ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کو اور اولیاء کو جدا کر لے گا حتیٰ کہ زمین منافقین اور فتنہ پرور لوگوں سے بھر جائے گی حتیٰ کہ اس دن ایک مرد کی پناہ میں پچاس عورتیں ہوں گی، ایک کہے گی: اے اللہ کے بندے! مجھے پردے میں رکھو اور دوسری کہے گی: اے اللہ کے بندے! مجھے اپنی پناہ میں رکھو۔

(تہذیب الکمال: ۴۳۱۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۲۔ بَابٌ: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا ذُو مَحْرَمٍ وَالدُّخُولُ عَلَى الْمُغِيبَةِ

محرم کے سوا مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہے اور غائبہ عورت پر داخل ہونے کا حکم

۵۲۳۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث

يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۷۲، سنن ترمذی: ۱۱۷۱، مسند احمد: ۱۷۳۵۲)

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم (اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے بچو، انصار کے ایک مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ بتایئے دیور کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: "دیور موت ہے"۔

۵۲۳۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَّةً وَاكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا قَالَ ارْجِعْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ

(صحیح مسلم: ۱۳۴۱، سنن ابن ماجہ: ۲۹۰۰، مسند الحمیدی: ۴۶۸، مسند احمد: ۱۹۳۴، صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۲۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از ابو معبد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: محرم کے سوا کوئی مرد ہرگز (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، پس انصار کے ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! میری بیوی حج کرنے گئی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے، آپ نے فرمایا: واپس آجاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

اس حدیث کی شرح: ۱۸۶۲ میں گزر چکی ہے۔

اَلْحَمْوُ الموت کا معنی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "دیور موت ہے"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس عورت کا شوہر غائب ہو اس کے پاس اس کا کوئی سسرالی رشتہ دار بھی نہ آئے کیونکہ دیور غیر محرم ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے عورت کے ساتھ تنہائی میں صرف محارم کے ملنے کی اجازت دی ہے۔

امام طبری نے کہا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے اسی طرح کہا ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند غائب ہوں ان کے پاس آنے سے پرہیز کرو، سنو! اللہ کی قسم! جب کوئی مرد دوسری عورت پر داخل ہوتا ہے تو اس کا آسمان سے زمین پر گر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے، پس شیطان مسلسل ان کو وسوسہ میں ڈالتا رہتا ہے حتیٰ کہ ان کو ایک بستر پر جمع کر دیتا ہے۔

امام طبری نے کہا: عرب کے نزدیک الحمو اس کو کہتے ہیں جو شوہر کی طرف سے اس کا بھائی ہو یا باپ ہو یا چچا ہو۔ یہ سب الاحماء ہیں۔ ثعلب نے کہا: میں نے ابن الاعرابی سے پوچھا کہ الحمو الموت کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ کلمہ ایسا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: اَلْاَسَدُ الْمَوْتُ یعنی شیر سے ملنا موت ہے اور جیسے کہتے ہیں: اَلسُّلْطَانُ نَارٌ یعنی سلطان آگ کی مثل ہے۔

جہاد سے زیادہ بیوی کو حج کرانا اہم ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے کہ جہاد کو چھوڑ کر بیوی کو حج کرائے کیونکہ اس پر بیوی کو پردہ میں رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا فرض ہے کیونکہ جہاد تو اس کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی کر سکتے تھے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ حکم دیا کہ وہ جہاد کو چھوڑ کر بیوی کو حج کرائے، کیونکہ اس کی بیوی کے علاوہ اس کے لیے سفر میں اور رات کے وقت اس کے پردہ اور اس کی حفاظت کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۳۔۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۳۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ أَنْ يَخْلُوَ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ عِنْدَ النَّاسِ

لوگوں کے سامنے عورت سے تنہائی میں ملنے کا جواز

۵۲۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَلَا بِهَا فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنَّكُنَّ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ

(صحیح البخاری: ۶۶۴۵، صحیح مسلم: ۲۵۰۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ایک طرف ہو کر تنہائی میں اس سے بات کی، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک تم لوگ (یعنی انصار) مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۸۶ میں گزر چکی ہے۔

عالم دین کا تنہائی میں اجنبی عورت سے بات کرنے کا جواز

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ عالم اور نیک مرد کے لیے لوگوں کے سامنے لوگوں سے ایک طرف ہو کر تنہائی میں کسی اجنبی عورت سے باتیں کرنا جائز ہے تاکہ وہ عالم سے دینی مسائل پوچھے اور اپنے خوانگی معاملات کے متعلق سوالات کرے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اس عورت سے بات کی۔ اس کا محمل یہ ہے کہ لوگوں سے ایک طرف ہٹ کر آپ نے تنہائی میں اس عورت سے بات کی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۴۔ بَابُ: مَا يُنْهَى مِنْ دُخُولِ الْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْمَرْأَةِ

جو ہیجڑے عورتوں کے مشابہ ہوں ان کے عورتوں کے پاس آنے کی ممانعت

۵۲۳۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ عِنْدَهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از زینب بنت ام سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ

وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ الْمُخَنَّثُ لِأَخِي أُمِّ سَلَمَةَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ لَكُمُ الطَّائِفَ غَدًا أَدُلُّكَ عَلَى بِنْتِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَدْخُلَنَّ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۲، مسند الحمیدی: ۲۹۷، مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۸۲۶۳)

بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس موجود تھے، اس وقت گھر میں ایک ہیجڑا تھا، اس ہیجڑے نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کل طائف کو فتح کر دیا تو میں غیلان کی بیٹی کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں گا، وہ جب سامنے آتی ہے تو (موٹاپے کی وجہ سے) اس کی چار سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اور جب وہ پیچھے جاتی ہے تو آٹھ سلوٹیں ہو جاتی ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: یہ تمہارے پاس نہ آیا کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۲۴ میں گزر چکی ہے۔

ہیجڑہ کو عورتوں کے پاس آنے سے ممانعت کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ مباشرت نہ کرے، پھر وہ اپنے خاوند کے سامنے اس کو بیان کرے گویا کہ خاوند نے اس کو دیکھ لیا ہو"۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ ہیجڑا طائف کی عورت کے اوصاف بیان کر رہا ہے تو آپ نے اس کو ازواج کے سامنے آنے سے منع فرما دیا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۵۔ بَابُ: نَظَرِ الْمَرْأَةِ إِلَى الْحَبَشِ وَنَحْوِهِمْ مِنْ غَيْرِ رِيبَةٍ

جب فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو عورتوں کا حبشیوں وغیرہ کی طرف دیکھنا

۵۲۳۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ عَنْ عِيسَى عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَسْأَمُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ

(صحیح مسلم: ۸۹۲، سنن نسائی: ۱۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی از عیسیٰ از الاوزاعی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جو مسجد میں کھیل رہے تھے (یعنی نیزوں سے جہاد کی مشق کر رہے تھے) حتیٰ کہ میں اکتا گئی، پس تم اندازہ کرو کہ کم عمر لڑکی کھیل کود کو دیکھنے کی کس قدر شوقین ہوتی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۴ میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن بطال کی تحقیق کے مطابق عورتوں کا اجنبی مردوں کے لہو ولعب کی طرف دیکھنے کا جواز اور اس کے خلاف ابن شہاب کی روایت کا رد

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا لہو ولعب کی طرف دیکھنا جائز ہے خصوصاً جب کہ وہ عورتیں کم عمر ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی کم عمری کی وجہ سے اجنبی مردوں کے کھیل کی طرف دیکھنے سے معذور قرار دیا۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے کیونکہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ شہادت دینے کے لیے عورتوں کا اجنبی مردوں کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث سے ابن شہاب کی درج ذیل روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے:

از ابن شہاب از نبہان مولی ام سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئیں تھیں، اس اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور وہ نابینا تھے تو آپ نے ہم دونوں سے فرمایا: ''تم حجاب میں چلی جاؤ''۔ تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ ہم کو نہیں دیکھ رہے ہیں، آپ نے پوچھا: ''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۱۱۲، سنن ترمذی: ۲۷۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۴۱، صحیح ابن حبان: ۵۵۷۵)

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ نبہان ائمہ رجال کے نزدیک معروف نہیں ہے اور اس سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں، ایک یہ حدیث ہے اور دوسری حدیث یہ ہے کہ مکاتب کو اس کی مالکہ سے پردہ میں رہنا چاہیے، لہٰذا نبہان کی روایت احادیث صحیحہ ثابتہ کے معارض نہیں ہو سکتی اور نہ اجماع علماء کے معارض ہو سکتی ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن کی تحقیق کے مطابق عورتوں کا اجنبی مردوں کے لہو ولعب کی طرف دیکھنے کا عدم جواز اور علامہ ابن بطال کی تحقیق کا سنن کی روایت سے رد اور حضرت عائشہ کے مردوں کے لہو ولعب دیکھنے کی متعدد توجیہات

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد المعروف با بن ملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ان احادیث میں تعارض نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر محمول ہے کہ وہ اس وقت کم عمر تھیں اس لیے ان کے حبشیوں کے کھیل کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا، یا اس وجہ سے کہ عید کے تہوار کے دن اتنی رخصت دی جاتی ہے جو اور دنوں میں رخصت نہیں دی جاتی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ابن شہاب کی روایت سے منسوخ ہونا بعید ہے اگرچہ وہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ امام ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اوائل ہجرت سے متعلق ہے یا اس کا محمل یہ ہے کہ وہ حبشی اس وقت بچے تھے یا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۱۴۲۔۱۴۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی تحقیق کے مطابق عورتوں کا اجنبی مردوں کے لہو ولعب کے دیکھنے کا جواز اور علامہ ابن ملقن کی پیش کردہ سنن کی روایت کا صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح اور مسند احمد کی احادیث سے رد بلیغ اور صحیح بخاری کی روایت کی تائید

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزار سکتی ہو، وہ نابینا ہے تم کو نہیں دیکھ سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کی اول الذکر روایت مرجوح ہے، اس کی تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے بتایا

کہ حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق مغلظہ دے دی اور وہ اس وقت غائب تھیں، پھر انہوں نے حضرت فاطمہ بن قیس کی طرف اپنے وکیل کو جو دے کر بھیجا، پس حضرت فاطمہ اس پر ناراض ہوئیں تو ان کے شوہر نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے ہم پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، پھر حضرت فاطمہ بنت قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا ان پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے، پھر آپ نے ان کو حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا، پھر آپ نے فرمایا: اس خاتون کا گھر تو میرے اصحاب سے بھرا رہتا ہے، تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو وہ نابینا مرد ہے، تم اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکتی ہو، پھر جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا، حضرت فاطمہ نے بتایا: جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اور حضرت ابو جہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہا ابو جہم تو وہ اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا اور رہے معاویہ تو وہ مفلس ہیں ان کے پاس مال نہیں، سو تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، میں نے انہیں ناپسند کیا تو آپ نے پھر فرمایا: تم اسامہ سے نکاح کر لو، سو میں نے ان سے نکاح کر لیا، سو اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں خیر رکھی اور مجھ پر رشک کیا گیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۲۸۴، سنن ترمذی: ۱۱۳۵، سنن نسائی: ۳۲۲۲، مسند احمد: ۲۷۳۹۶)

۱۱۶۔ بَابُ: خُرُوجِ النِّسَاءِ لِحَوَائِجِهِنَّ

خواتین کا اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلنا

۵۲۳۷۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ لَيْلًا فَرَآهَا عُمَرُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ إِنَّكِ وَاللّٰهِ يَا سَوْدَةُ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا فَرَجَعَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ وَهُوَ فِي حُجْرَتِي يَتَعَشّٰى وَإِنَّ فِي يَدِهِ لَعَرْقًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَرُفِعَ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ قَدْ أَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ

(صحیح البخاری: ۶۲۴۰، صحیح مسلم: ۲۱۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۵۶، ۲۷۱، ۲۲۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں فروۃ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات حضرت سودۃ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا گھر سے باہر نکلیں تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر پہچان لیا، پس کہا: بے شک آپ اللہ کی قسم! ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، حضرت سودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا اور اس وقت آپ میرے حجرہ میں رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی، پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی، جب وحی نازل ہو چکی تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہڈی پھینک دی اور آپ فرما رہے تھے: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ضروریات میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔

عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی جائز صورتیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے (باپردہ ہو کر) اپنی تمام ضروریات میں گھر سے باہر جانا جائز ہے مثلاً اس اپنے ماں باپ کی زیارت کرنی ہو یا محارم یا دیگر رشتہ داروں سے ملنا ہو یا مساجد میں نماز کے لیے جانا ہو یا حج اور عمرہ کے لیے جانا

یا ضرورت کے وقت جہاد کے لیے جانا ہو تو اس کے لیے ان تمام امور میں گھر سے باہر جانا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ حج، عمرہ اور جہاد میں سفر شرعی کی وجہ سے محرم کا ساتھ ہونا فرض ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۱۷۔ بَابُ: اِسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

عورت کا اپنے خاوند سے مسجد وغیرہ جانے کی اجازت طلب کرنا

۵۲۳۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا اسْتَأْذَنَتْ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا۔

(صحیح مسلم: ۴۴۲، سنن ترمذی: ۵۷۰، سنن نسائی: ۷۰۶، سنن ابو داؤد: ۵۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از سالم از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۶۵ میں گزر چکی ہے۔

امام اعظم کا عورتوں کے مساجد میں جانے کے متعلق نظریہ اور مصنف کے اس پر دلائل

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف بوڑھی عورتوں کا فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا جائز ہے کیونکہ فجر کے وقت اوباش لوگ ابھی سو کر نہیں اٹھتے اور مغرب کے وقت وہ کھانے پینے میں مشغول ہوتے ہیں اور عشاء سے پہلے سو جاتے ہیں، اس لیے ان اوقات میں بوڑھی عورتوں کو مسجد میں جانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور ظہر اور عصر کے وقت اوباش لوگ گلیوں اور بازاروں گھومتے پھرتے رہتے ہیں، لہٰذا ان کے اوقات میں ان کا گھر سے باہر نکلنا خطرہ سے خالی نہیں، اس لیے بوڑھی عورتوں کو دن میں گھر سے باہر نکلنے سے امام ابوحنیفہ نے منع فرمایا ہے، اور جوان عورتوں کو فجر، مغرب اور عشاء میں بھی مسجد میں جانے کی اجازت نہیں کیونکہ اگر اوباش لوگوں کو پتا چل جائے کہ ان اوقات میں جوان عورتیں گھر سے نکلتی ہیں تو وہ جوان عورتوں کو چھیڑنے اور بدمعاشی کرنے کی خاطر کھانا، پینا اور سونا بھی چھوڑ دیں گے، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جوان عورتوں کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع فرما دیا اور بوڑھی عورتوں کو فجر، مغرب اور عشاء میں مسجد میں جانے کی اجازت دی، ہرچند کہ باجماعت نماز کے لیے مسجد میں جانا سنت مؤکدہ ہے لیکن عورت کے لیے اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت کرنا سب سے اہم فرض ہے اور جب سنت اور فرض کے درمیان کوئی امر دائر ہو تو فرض کی ادائیگی کو سنت پر ترجیح دی جائے گی اور اگر سنت پر عمل کرنے سے حرام کے وقوع کا خطرہ ہو تو پھر سنت کو ترک کر دیا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کا خاوند اسے منع نہ کرے تو امام اعظم ابوحنیفہ کا اس حدیث کے خلاف عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کرنا کس طرح درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ایجاد کردہ بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجد میں آنے سے اس طرح منع فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔
(صحیح البخاری: ۸۶۹، صحیح مسلم: ۴۴۵، مسند احمد: ۲۶۰۳۱)

یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے زمانہ کے بناؤ سنگھار کا ذکر کیا ہے اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کے بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتیں جو برقع اتار چکی ہیں اور دوپٹہ کو اسکارف کی طرح گلے میں ڈالتی ہیں، بغیر آستینوں کی قمیصیں پہنتی ہیں اور ان کا لباس تنگ، چست اور نیم عریاں ہوتا ہے، سر کے بال کٹے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بازاروں اور مارکیٹوں میں گھومتی پھرتی ہیں اور اپنے حسن و جمال اور بدن کے نشیب و فراز کی نمائش کرتی ہیں، ان کا لباس کپڑے کی صنعت کے خلاف اعلان جنگ ہوتا ہے، سو ایسی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے، ان کا مساجد میں جانا دوسرے پاک باز اور متقی نمازیوں کے لیے باعث فتنہ اور آزمائش ہوگا، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان کی دور رس نگاہوں اور ژرف بین نظروں نے اب سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں ان خطرات کو بھانپ لیا تھا، اس لیے انہوں نے جوان عورتوں کو مطلقاً مساجد میں جانے سے منع کر دیا اور بوڑھی عورتوں کو صرف فجر، مغرب اور عشاء میں نماز کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت دی۔

۱۱۸۔ بَابُ: مَا يَحِلُّ مِنَ الدُّخُولِ وَالنَّظَرِ إِلَى النِّسَاءِ فِي الرَّضَاعِ

۵۲۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَذَلِكَ بَعْدَ أَنْ ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ قَالَتْ عَائِشَةُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۴۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن ترمذی: ۱۱۴۸، سنن نسائی: ۳۳۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۷)

دودھ کے رشتوں سے جن لوگوں کا عورتوں کے پاس آنا اور ان کو دیکھنا جائز ہے

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی تھیں کہ میرے دودھ شریک چچا آئے، انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر لوں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: بے شک وہ تمہارے چچا ہیں تم ان کو اجازت دو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے تو صرف عورت نے دودھ پلایا تھا اور مجھے مرد نے دودھ نہیں پلایا تھا، حضرت عائشہ نے بتایا کہ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ تمہارے چچا ہیں، پس وہ تمہارے پاس آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہم پر حجاب کے احکام نازل ہو چکے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو رشتے ولادت سے حرام ہوتے ہیں وہ رشتے

رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کے سبب سے عورت میں جو دودھ اترتا ہے اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۳، ۵۱۱۱ میں گزر چکی ہے۔

۱۱۹۔ بَابٌ: لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا

کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ برہنہ نہ چپکے یا چمٹے، پھر وہ اپنے خاوند سے اس کی صفت بیان کرے

۵۲۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۴۱، سنن ترمذی: ۲۷۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۰، مسند احمد: ۳۶۰۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ برہنہ نہ چمٹے، پھر اپنے خاوند سے اس کی صفت اس طرح بیان کرے گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہو۔

خاوند کے سامنے دوسری عورت کی شکل وصورت بیان کرنے کی ممانعت اور حکمت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحسن بن القابسی نے کہا ہے: یہ حدیث ارتکاب حرام کے ذرائع کے سدباب میں بہت زیادہ واضح ہے کیونکہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کے حسن و جمال کو بیان کرے گی تو اس میں فتنہ کا خطرہ ہے اور یہ اس عورت کی طلاق کا سبب ہوگا اور اگر وہ دوسری عورت بے نکاح ہو تو یہ اس سے نکاح کا سبب ہوگا اور اگر وہ دوسری عورت شادی شدہ ہو تو وہ اس کے شوہر سے بغض کا سبب ہوگا اور اگر اس کی بیوی نے دوسری عورت کی بدصورتی بیان کی تو یہ غیبت ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو بھی مرد کے ساتھ برہنہ چمٹنے سے منع فرمایا ہے۔

عورت کی عورت اور مرد کی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ایک دوسرے کے ساتھ برہنہ چمٹنے کی ممانعت اور مصافحہ کے جواز کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو مرد کے ساتھ برہنہ چمٹنے سے منع فرمایا اور اسی طرح عورت کو عورت کے ساتھ برہنہ چمٹنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۴، صحیح ابن حبان: ۵۵۸۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۸۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ کپڑے میں چمٹے اور عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں چمٹے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶)

اس کا معنی یہ ہے کہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہو لیکن اگر جسم کا ایک حصہ دوسرے کے جسم کے کسی حصے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو تو یہ جائز ہے جیسا کہ مصافحہ میں ہوتا ہے۔

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مصافحہ

کرتے ہیں تو ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں"۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۱۲، سنن ترمذی: ۲۷۲۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری آپس میں تحیت اور تعظیم مصافحہ ہے"۔

(سنن ترمذی: ۲۷۳۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۵۴) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۸۔۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۲۴۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ نہ چمٹے اور پھر اپنے خاوند کے سامنے اس کی صفت اس طرح بیان کرے جیسا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہو۔

اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث سابق کا مطالعہ کریں۔

۱۲۰۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى نِسَائِي

مرد کا یہ کہنا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا

۵۲۴۲۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ بِمِائَةِ امْرَأَةٍ تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَأَطَافَ بِهِنَّ وَلَمْ تَلِدْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ نِصْفَ إِنْسَانٍ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ أَرْجَى لِحَاجَتِهِ۔

(صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن ترمذی: ۱۵۳۲، سنن نسائی: ۳۸۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا: میں آج رات سو عورتوں کے پاس جاؤں گا اور ان میں سے ہر ایک سے ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، ان سے فرشتہ نے کہا: آپ ان شاء اللہ کہیے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ نہ کہا اور بھول گئے۔ وہ اپنی تمام عورتوں کے پاس گئے اور ان میں سے صرف ایک عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ بھی آدھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے اور ان کی خواہش ضرور پوری ہوتی۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۲۸۱۹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ایک رات میں تمام بیویوں کے ساتھ جماع کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام ازواج کے ساتھ ایک رات میں جماع کرنا اس وقت جائز ہے جب ازواج کی باریوں کی ابتداء نہ کی ہو یا پھر باقی ازواج سے اجازت لے لی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں یہ جائز ہو اور ہماری شریعت میں یہ ممنوع ہے الا یہ کہ باقی ازواج سے یہ اجازت لے لی ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

۱۲۱ - بَابٌ: لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا إِذَا أَطَالَ الْغَيْبَةَ مَخَافَةَ أَنْ يُخَوِّنَهُمْ أَوْ يَلْتَمِسَ عَثَرَاتِهِمْ

کوئی مرد سفر سے رات کے وقت اپنے گھر نہ آئے یعنی جب اس کی دوری گھر سے بہت لمبی ہو چکی ہو، مبادا اس سے اس کے گھر والوں پر تہمت کا موقع پیدا ہو یا وہ اپنے گھر والوں کی لغزشوں کو طلب کرے

۵۲۴۳ - حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَكْرَهُ أَنْ يَأْتِيَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ طُرُوقًا

(صحیح البخاری: ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۲۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن نسائی: ۳۵۹۰، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹، ۳۹۷، سنن دارمی: ۲۷۸۵، سنن ترمذی: ۱۱۷۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ گزر چکی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محارب بن دثار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی مرد رات کے وقت (سفر سے) اپنے گھر آئے۔

۵۲۴۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن سلیمان نے خبر دی از شعبی، انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: جب تم میں سے کسی کی غیبت (مدت سفر) طویل ہو جائے تو وہ رات کے وقت اپنے گھر نہ آئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

سفر سے واپسی پر اچانک رات کو گھر آنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مرد کا لمبے سفر کے بعد رات کے وقت گھر آنا گھر والوں پر تہمت کا سبب کیسے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے

کہ جب وہ رات کے وقت گھر آئے گا اور اس وقت میں لوگ تنہائی کو غنیمت جان کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں اور جب وہ اچانک گھر آئے گا تو لوگوں کو دوسروں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر ہوسکتا ہے کہ وہ ان پر کوئی تہمت لگائے۔

اور دوسری حدیث کی شرح یہ ہے کہ: جب وہ رات کو اچانک گھر آئے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے استقبال کے لیے تیار نہ ہو، اس کے کپڑے میلے کچیلے ہوں، اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور اس نے اپنے زیر ناف بال صاف نہ کیے ہوئے ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس دور میں یہ ممکن ہے کہ جب شوہر لمبے سفر میں ہو اور اسے رات کے وقت گھر پہنچنا ہو تو وہ ٹیلی فون یا سیل فون کے ذریعہ بیوی کو اپنی آمد کی اطلاع دے دے تا کہ وہ اس کے استقبال کے لیے تیار ہو سکے۔

۱۲۲۔ بَابُ: طَلَبِ الْوَلَدِ

اولاد کو طلب کرنا

۵۲۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ مَا يُعْجِلُكَ قُلْتُ إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ فَبِكْرًا تَزَوَّجْتَ أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ قَالَ وَحَدَّثَنِي الثِّقَةُ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ الْكَيْسَ الْكَيْسَ يَا جَابِرُ يَعْنِي الْوَلَدَ

(صحیح البخاری: ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۴، سنن ابو داؤد: ۲۷۶۷، سنن ابن ماجہ: ۱۰۱۳، سنن ترمذی: ۳۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹، السنن الکبری للنسائی: ۸۰۹، مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از ہشیم از سیار از الشعبی از حضرت جابر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، پس جب ہم واپس ہوئے تو میں جلدی سے اپنے سست رفتار اونٹ پر بیٹھا تو پیچھے سے مجھے کوئی سوار آ کر ملا، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے پوچھا: تمہیں کیوں جلدی ہے؟ میں نے بتایا کہ میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا: کنواری سے تم نے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ میں نے بتایا بلکہ بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کسی کنواری سے شادی کیوں نہیں کی تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی، حضرت جابر نے بتایا: جب ہم مدینہ آئے تو ہم گھر میں داخل ہونے لگے، پس آپ نے فرمایا: ٹھہرو، حتیٰ کہ تم رات میں عشاء کے وقت داخل ہونا تا کہ بیوی کے جو بال گرد آلود ہیں وہ ان میں کنگھی کر لے اور جس عورت کا خاوند غائب ہو وہ موئے زہار صاف کر لے۔ ہشیم نے کہا: مجھے ثقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے اس حدیث میں کہا: اے جابر! جب تم اپنے گھر داخل ہو تو تم اولاد کے حصول کی کوشش کرنا، اولاد کے حصول کی کوشش کرنا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

کثرت اولاد کے حصول کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اولاد کو طلب کرنا مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: مجھے ایک عورت ملی ہے جو شریف خاندان کی ہے اور خوب صورت ہے اور اس سے اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اس عورت سے نکاح کرلوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، وہ دوبارہ آیا تو آپ نے پھر اس کو منع کیا، پھر وہ تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: ''تم محبت کرنے والی اور بچہ جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کے سبب سے دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۵۰، سنن نسائی: ۳۲۲۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہوگئے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان بچوں پر رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل کردے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۴۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مسلمان کے بھی تین بچے فوت ہوجائیں تو وہ صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ میں داخل ہوگا''۔ امام بخاری نے کہا: قسم کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ (مریم: ۷۱) اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد (داخل) ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵۱، صحیح مسلم: ۲۶۳۲، مسند احمد: ۷۲۶۹)

۵۲۴۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضى الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلَى أَهْلِكَ حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَعَلَيْكَ بِالْكَيْسِ الْكَيْسِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سیار از شعبی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رات کو شہر میں داخل ہوتو اپنے گھر میں نہ جاؤ حتیٰ کہ جس عورت کا شوہر غائب ہوتو وہ اپنے موئے زہار کو صاف کرلے اور اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں کنگھی کرلے، پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ تم اولاد کا حصول کرو، تم پر لازم ہے کہ تم اولاد کا حصول کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ وَهْبٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْكَيْسِ۔

اس حدیث کی متابعت عبید اللہ نے کی ہے از وہب از جابر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم الکیس کے لفظ میں۔

اس حدیث کی شرح اور تخریج حسب سابق ہے۔

۱۲۳۔ بَابٌ: تَسْتَحِدُّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطُ الشَّعِثَةُ

جس عورت کا خاوند غائب ہو وہ زیر ناف بال صاف کرلے اور بکھرے ہوئے بالوں میں کنگھی کرلے

۵۲۴۷۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیار نے خبر دی از الشعبی از حضرت جابر بن

قَرِيبًا مِنَ الْمَدِينَةِ تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ لِي قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَنَخَسَ بَعِيرِي بِعَنَزَةٍ كَانَتْ مَعَهُ فَسَارَ بَعِيرِي كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ الْإِبِلِ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ أَتَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قَالَ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ

(صحیح البخاری: ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۷۶۷، سنن ابن ماجہ: ۱۰۱۳، سنن ترمذی: ۳۲۱۶، سنن ابن ماجہ: ۷۲۹، السنن الکبری للنسائی: ۸۰۰۹، مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۵)

عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، پس جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو میں جلدی سے اپنے سست رفتار اونٹ پر بیٹھا، پس میرے پیچھے سے ایک سوار مجھ سے آملا، اس نے میرے اونٹ پر اس نیزہ کو چبھویا جو اس کے پاس تھا، پس میرا اونٹ اس قدر تیز چلنے لگا کہ تم نے کسی اونٹ کو اتنا تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، سو میں نے مڑ کر دیکھا تو اچانک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا: کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے؟ انہوں نے کہا: میں نے بتایا: بلکہ بیوہ سے، آپ نے فرمایا: تم نے کنواری سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی؟ حضرت جابر نے بتایا: پس جب ہم مدینہ میں داخل ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: ٹھہرو حتیٰ کہ تم رات میں عشاء کے وقت داخل ہو تا کہ جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں وہ کنگھی کر لے اور جس عورت کا خاوند غائب ہو وہ زیر ناف بال صاف کر لے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا حدیث سابق سے تعارض کا جواب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فرمایا کہ تم عشاء کے وقت اپنے گھر میں داخل ہونا اور اس سے پہلے حدیث میں یہ ارشاد تھا کہ تم رات کے وقت میں داخل ہونا اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ عشاء کا وقت بھی رات میں ہی ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۲۴- بَابٌ: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ (الی قوله) لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (النور: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں۔۔۔۔یا ان لوگوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں۔ (النور: ۳۱)

۵۲۴۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ اخْتَلَفَ النَّاسُ بِأَيِّ شَيْءٍ دُووِيَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی

جُرْحُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ أُحُدٍ فَسَأَلُوا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَكَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ وَمَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي كَانَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَغْسِلُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَعَلِيٌّ يَأْتِي بِالْمَاءِ عَلَى تُرْسِهِ فَأُخِذَ حَصِيرٌ فَحُرِّقَ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ.

(صحیح البخاری: ۵۷۲۲، صحیح مسلم: ۱۷۹۰، سنن ترمذی: ۲۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۴)

حازم، وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہوا کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ سو انہوں نے اس کے متعلق حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور وہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے آخری تھے، سو انہوں نے کہا: اب ان لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے جو اس بات کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو اور حضرت فاطمہ علیہا السلام آپ کے چہرہ سے خون کو دھوتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لا رہے تھے، پھر ایک چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ آپ کے زخم میں بھر دی گئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۳ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس باب میں ارشاد ہے کہ عورتیں اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہر یا اپنے آباء کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو خون سے دھوتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے، سو معلوم ہوا کہ بیٹی اپنے باپ کے سامنے اپنی زیبائش کو ظاہر کر سکتی ہے اور یہی باب کا عنوان ہے۔

باب میں مذکور آیت کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں مذکور ہے کہ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ یعنی عورتیں اپنی زینت کو غیر پر ظاہر نہ کریں۔

زینت سے مراد زیورات، سرمہ یا خضاب ہیں اور بعض زینتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے لباس اور چادریں ہیں، ان کو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض زینتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جیسے پازیب، کنگن، کانوں کی بالیاں اور ہار وغیرہ۔

بُعُوْلَتِهِنَّ یہ لفظ بَعْلٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد شوہر ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے: "صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں، یا باپ دادا پر، یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر، یا اپنے بیٹوں پر، یا اپنے شوہروں پر، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر، یا اپنے بھتیجوں پر، یا اپنے بھانجوں پر، یا اپنی خواتین پر"۔

علامہ زمخشری نے کہا ہے: اپنی خواتین سے مراد مؤمن عورتیں ہیں کیونکہ کسی مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مشرکہ یا کسی کتابیہ کے سامنے اپنے کپڑے اتارے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: نوکروں سے مراد ایسے نوکر ہیں جو لوگوں کے گھروں میں ان کے ساتھ رہتے ہوں یا جوان ہی میں پلے

بڑھے ہوں۔ اور جو لڑکے عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں، اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ احمق لڑکے ہیں جن کو عورتوں کی خواہش نہ ہو اور جن پر مردوں کو غیرت نہ آئے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نامرد ہیں، چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بہت بوڑھا مرد ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مرد ہے جس کا آلہ کٹا ہوا ہو، چھٹا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جن کو یہ پتا نہ ہو کہ شرم گاہ کیا چیز ہے یا اس سے مراد وہ لڑکے ہیں جو وطی پر قادر نہ ہوں۔

مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت احکام حجاب کے بعد نازل ہوئی ہے اور زینت سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کہنیوں سمیت ہاتھ ہیں۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں عورتوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی زینت کو ان کے سامنے ظاہر کریں جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

شعبی اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ نوکر اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف دیکھے اور یہی عطاء اور مجاہد کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ جائز ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں ماموں اور چچا کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چچا باپ کے حکم میں ہے اور ماموں ماں کے حکم میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۷۔۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علاج کی مشروعیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور نورانیت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ علاج کرنا سنت ہے، اس زمانہ میں زخم کا علاج اسی طرح ہوتا تھا کہ زخم کو بھر کر اس میں راکھ بھر دی جائے۔ اور اب اس ترقی یافتہ دور میں زخم کے علاج کے لیے جو جدید طبی طریقہ علاج ہے اس کو استعمال کرنا چاہیے، نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشری عوارض سے مبرا نہیں تھے اس لیے آپ کے چہرہ مبارک سے خون نکلا اور اس میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (طٰہٰ:۱۱۰) کا ظہور ہے اور تین یا پانچ مرتبہ آپ کا شق صدر کیا گیا اور آپ کے جسم سے خون نکلا نہ آپ کو درد ہوا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۰۸، حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی عبداللہ بن احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ مسند عبداللہ بن احمد ج ۵ ص ۱۳۹، الصحیحہ للالبانی: ۱۵۴۵، امام ابن حبان نے اس کے راویوں کی توثیق کی ہے، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۶۶، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۹۴، فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۵۔ ۶۰۴، عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۱۔۳۰)

اور تین یا پانچ بار شق صدر کے موقع پر آپ کے سینہ کو چیرنے کے باوجود آپ کے جسم سے خون کا نہ نکلنا اس میں قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدہ:۱۵) کا ظہور ہے۔ گویا آپ کے جسم سے خون کا نکلنا آپ کی بشریت کا تقاضا ہے اور آپ کے جسم سے خون کا نہ نکلنا آپ کی نورانیت کا تقاضا ہے، کبھی آپ کے جسم میں بشریت کی جلوہ گری ہوتی ہے اور کبھی آپ کے جسم میں نورانیت کی تجلی ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۲۵۔ باب: وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (النور:۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے۔ (النور:۵۸)

۵۲۴۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما سَأَلَهُ رَجُلٌ شَهِدْتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْعِيدَ أَضْحًى أَوْ فِطْرًا قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ يَدْفَعْنَ إِلَى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۰، ۵۸۸۱، ۵۸۸۳، ۷۳۲۵، صحیح مسلم: ۸۸۴، سنن نسائی: ۱۵۶۹، سنن ابو داؤد: ۱۱۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از عبدالرحمٰن بن عابس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر حاضر تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور اگر میری عمر اس وقت اتنی نہ ہوتی یعنی وہ کم عمر نہ ہوتے تو میں آپ کے ساتھ حاضر نہ ہوتا، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے، پس آپ نے نماز عید پڑھائی، پھر آپ نے خطبہ دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اذان اور اقامت کا ذکر نہیں کیا، پھر آپ خواتین کے پاس آئے، سو ان کو وعظ اور نصیحت کی، پھر آپ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے عورتوں کو دیکھا وہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھیں (اور کانوں کی بالیاں اور گلوں کے ہار اتار کر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دے رہی تھیں، پھر نبی ﷺ اور حضرت بلال اپنے گھر کی طرف چڑھ کر چلے گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۸ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں حاضر ہوتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میری عمر اتنی نہ ہوتی یعنی وہ کم عمر نہ ہوتے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ اس حدیث میں التفات ہے یعنی متکلم کے لفظ کے بجائے غائب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور السرخسی کی روایت میں من صغری کے الفاظ ہیں جو اصل کے مطابق ہیں یعنی میرے کم عمر ہونے کی وجہ سے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: یعنی من صغرہ حضرت ابن عباس کا کلام نہیں ہے بلکہ راوی کا کلام ہے، لہٰذا اس کی تاویل کر کے اس کو التفات پر محمول کرنا بلا ضرورت ہے اور السرخسی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا کلام ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۸ میں علامہ عینی کے اعتراض کو لکھا ہے لیکن اس کا کوئی جواب ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی شرح سے ان کی باریک بینی کا پتا چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے کثرت طرق پر مطلع ہونا اور چیز ہے اور حدیث کی فہم اور چیز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ان تین اوقات میں نابالغ لڑکوں کو اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہیں تھے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اگر میں کم عمر نہ ہوتا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عورتوں کے پاس نہ جاتا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں سے تھے۔ اور اس آیت میں ان تین اوقات میں نابالغ کو اجازت لے کر گھروں میں آنے کا حکم دیا ہے کیونکہ صحابہ ان اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ جماع کرتے تھے اس لیے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان اوقات میں گھروں کے اندر بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۴۷۹۶) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۲۶۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهٖ هَلْ أَعْرَسْتُمُ اللَّيْلَةَ وَطَعْنِ الرَّجُلِ ابْنَتَهٗ فِي الْخَاصِرَةِ عِنْدَ الْعِتَابِ

مرد کا اپنے صاحب سے یہ پوچھنا: کیا تم نے آج رات اپنی بیوی سے مباشرت کی؟ اور مرد کا غصہ سے اپنی بیٹی کی کوکھ میں چٹکی لینا

۵۲۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ عَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهٖ فِي خَاصِرَتِي فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَرَأْسُهٗ عَلٰى فَخِذِي۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن نسائی: ۳۱۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۷، سنن ابن ماجہ: ۵۶۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبدالرحمن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر عتاب کیا اور وہ میری کوکھ میں اپنے ہاتھ سے چٹکیاں لیتے رہے، پس مجھے ہلنے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ میرے پیش نظر تھا اور آپ کا سر اقدس میرے زانو پر تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴ میں گزر چکی ہے۔

کسی مرد کا اپنے بے تکلف دوست سے یہ پوچھنے کا جواز کہ کیا تم نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے جماع کیا ہے؟

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے عنوان کے دو جز ہیں: پہلا جز یہ ہے کہ کوئی مرد اپنے صاحب سے یہ پوچھے: کیا تم نے آج رات اپنی بیوی سے مباشرت کی ہے؟ امام بخاری نے اس باب میں اس عنوان کے متعلق حدیث ذکر نہیں لیکن "کتاب العقیقہ" میں اس عنوان کے متعلق حدیث ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے، پھر وہ بچہ فوت ہو گیا، پھر جب حضرت ابوطلحہ واپس آئے تو پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ وہ پہلے سے پرسکون ہے، پھر ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا، سو انہوں نے کھانا کھایا، پھر اپنی بیوی سے جماع کیا، پھر جب وہ جماع

سے فارغ ہو گئے تو ان کی بیوی نے کہا، جائیں اپنے بچے کو دفن کر دیں، پس جب صبح ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے جماع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان دونوں کی اس رات میں برکت عطا فرما، پھر اس کی بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، مجھ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس بچہ کو حفاظت سے رکھو حتیٰ کہ ہم اس بچے کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر وہ اس بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور حضرت ام سلیم نے ان کے ساتھ چند کھجوریں بھیجیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو پکڑا اور پوچھا گیا: اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ صحابہ نے کہا: ہاں چند کھجوریں ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو لیا اور اپنے منہ میں چبایا، پھر ان چبائی ہوئی کھجوروں کو بچہ کے منہ میں رکھا اور ان چبائی ہوئی کھجوروں سے اس بچہ کو گھٹی دی۔ (صحیح البخاری: ۱۳۰۱، ۵۴۷۰، صحیح مسلم: ۲۱۴۴)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ کوئی فاضل مرد اپنے قریبی دوست سے (ضرورتاً) یہ سوال کرے کہ کیا تم نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ باپ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کے شوہر کے سامنے ڈانٹے، ڈرائے اور دھمکائے اور مارے اور یہ اس کے لیے مباح ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی شدید محبت تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی کوکھ میں چٹکیاں لیتے رہے اور وہ ہلی تک نہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۶۔۳۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

کتاب النکاح کا اختتام

کتاب النکاح میں دوسو اٹھائیس (۲۲۸) احادیث مرفوعہ ہیں، جن میں سے پینتالیس (۴۵) تعلیقات اور متابعات ہیں اور ایک سو باسٹھ (۱۶۲) احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث چھیاسٹھ (۶۶) ہیں۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے اپنے فضل و کرم سے صحیح البخاری کی کتاب النکاح کی تکمیل کرادی ہے اسی طرح اپنے لطف خاص سے میرے ہاتھوں سے صحیح بخاری کی باقی کتب، ابواب اور احادیث کی بھی تکمیل کرادیں اور میری شرح کو اغلاط سے محفوظ رکھیں، موافقین کے لیے اس شرح کو موجب استقامت بنادیں اور مخالفین کے لیے اس کتاب کو ذریعہ ہدایت بنادیں اور میری، میرے والدین کی اور میری ہمشیر کی مغفرت فرمائیں، ہمیں گناہوں سے بچائے رکھیں، بڑھاپے کی سختیوں، بیماریوں، لاچاریوں اور کمزوریوں سے مامون رکھیں اور جملہ امراض میں شفاء عطا فرمائیں، ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائیں، سکرات الموت کو آسان فرمائیں، قبر کے عذاب سے، قیامت کی ہولناکیوں سے اور حشر کی سختیوں سے محفوظ رکھیں، اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں، دنیا میں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادیں اور قبر میں آپ کی زیارت نصیب فرمائیں، میدان حشر میں اپنا دیدار عطا فرمائیں اور اپنے خاص فضل سے جنت الفردوس عطا فرمائیں، اس کتاب کو قبول فرمائیں اور تمام مسلمانوں کے نزدیک اس کو مقبول اور فیض آفرین بنادیں۔ امین یا رب العالمین! بجاہ النبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریتہ صلوت و تسلیمات و علی امتہ من المحدثین والمفسرین والفقہآء والمجتہدین اجمعین یا ارحم الراحمین۔

ان شآء اللہ کتاب النکاح کے بعد کتاب الطلاق شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶۸۔ کِتَابُ الطَّلَاقِ

طلاق کے احکام کا بیان

کتاب الطلاق اور کتاب النکاح میں مناسبت اور طلاق کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب طلاق کے احکام اور اس کی اقسام کے بیان میں ہے، اس سے پہلے کتاب النکاح کا ذکر تھا اور نکاح اور طلاق میں مناسبت واضح ہے، لغت میں طلاق کا معنی ہے: مطلقاً قید کو اٹھانا، جب کسی اونٹ کی رسی کھول دی جائے تو کہا جاتا ہے: اطلق المعیرُ اور اصطلاح شرع میں طلاق کا معنی ہے: نکاح کی قید کو اٹھالینا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: اس کا معنی ہے: نکاح کی گرہ کو کھول دینا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق:۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ (الطلاق:۱)

أَحْصَيْنَاهُ حَفِظْنَاهُ وَعَدَدْنَاهُ

احصیناہ کا معنی ہے: ہم نے اس کی حفاظت کی اور اس کا شمار کرلیا۔

الطلاق:۱، کے شان نزول میں مفسرین کے متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ الطلاق:۱، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنی بیویوں کو عدت کے وقت میں طلاق دو، اس سے مراد یہ ہے کہ بیویوں کو اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں ان کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر ان کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو جائے، یہ احسن الطلاق ہے اور اس کو امام بخاری نے ''کتاب السنت'' میں داخل کیا ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام واحدی نے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ کی طرف یہ وحی فرمائی کہ ان کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیں کیونکہ یہ روزے رکھنے والی ہیں اور نمازوں میں قیام کرنے والی ہیں اور یہ آپ کی ان ازواج مطہرات میں سے ایک ہیں جو آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی، اور السدی نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا، اور مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عقبہ بن عمرو المازنی، حضرت طفیل بن الحارث بن عبدالمطلب اور حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین صحابہ کی ایک جماعت بغیر عدت کے طلاق دیتی تھی اور بغیر گواہوں کے رجوع کرتی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلیں، پھر اس کو اپنے پاس رکھیں حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائیں، پھر ان کو دوبارہ حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائیں، پھر اگر وہ چاہیں تو ان کے بعد ان کو اپنے پاس رکھیں اور اگر چاہیں تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دیں، سو یہ وہ وقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس وقت میں اپنی بیویوں کو طلاق دی جائے''۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۸۵)

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا مذہب اسی حدیث کے مطابق ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو طہر میں جماع سے پہلے طلاق دی، پھر ہر حیض کے بعد ایک طلاق دی تو یہ بھی طلاق سنت ہے اور اگر اس نے حالت حیض میں طلاق دی یا جماع کے بعد طلاق دی تو یہ طلاق حرام ہے (مگر واقع ہو جائے گی)۔

تین مجموعی طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق شیخ ابن حزم ظاہری کے دلائل

مشہور غیر مقلد شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں ان کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس کام میں جلدی کر لی جس کام میں ان کے لیے تاخیر تھی، پس اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد یزید رکانہ اور اس کے بھائیوں کے والد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کرلو''۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو تین طلاقیں دے چکے ہو تم اس سے رجوع کرلو اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ (الطلاق: ۱)

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

امام ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبیداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود جو روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کی بیوی اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو ایک طلاق قرار دیا۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۳۹۰-۳۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے قرآن مجید سے دلائل

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ......فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ ۔ (البقرہ: ۲۳۰۔۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے، یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے...... پس اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

البقرہ: ۲۳۰ کے شروع میں فرمایا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا اس کے شروع میں حرف فاء ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد اگر خاوند نے فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کر لے، اس آیت میں اگر حرف ثُمَّ ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی جائے گی اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی لیکن قرآن میں ثُمَّ کی بجائے فاء کا ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فرمایا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین بار تین طلاقیں دیں اور کہا: میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے احادیث صحیحہ سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، سو ان سے کہا: اے عاصم! اگر تم کسی مرد کو دیکھو کہ اس کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہے تو کیا تم اس کو قتل کر دو گے یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر اس کا سوال کرنا، پس حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی حتیٰ کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ پر یہ بات بہت سخت گزری جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، پھر جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے تو ان کے پاس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو حضرت عاصم نے جواب دیا: میں تمہارے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا تھا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا، تب حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں رکوں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں، پس حضرت عویمر اس وقت آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا ہے پس تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ۔ حضرت سہل نے کہا: پس ہم نے ایک دوسرے پر لعان کیا،

میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: اگر میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی اسی وقت حرام ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عبث ہوتا اور نبی ﷺ ان سے یہ فرماتے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ نہیں ہوئی۔ نیز اس حدیث کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰)

اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اس میں رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا کہ آپ کو خلافت مبارک ہو تو حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو جاؤ میں نے تم کو تین طلاقیں دیں، اس نے اپنے کپڑے اٹھائے اور بیٹھ گئی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی، حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار درہم صدقہ بھیجا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے، جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے (اگر آپ کا یہ ارشاد نہ ہوتا) تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۶ نشر السنہ، ملتان، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۳۱۔۳۰ نشر السنہ، ملتان، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کی امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اس کے متعلق حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: ان دونوں حدیثوں کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور پہلی حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث میں انتہائی وضاحت کے ساتھ یہ تصریح ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں خواہ وہ تین طلاقیں مجموعی طور پر دی جائیں یا متفرق طور پر۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے غصہ میں کھڑے ہو کر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، پھر ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر دوں! (سنن نسائی: ۳۳۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوتی ہیں کیونکہ اگر اکٹھی تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد ہوتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے اس طلاق سے رجوع کر لو اور اس پر ناراض نہ ہوتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا ناجائز اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶، بیروت ۱۴۰۲)

حافظ نور الدین علی بن بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی علی بن سعید ہے، امام دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: وہ بہت عظیم راوی ہے، اور اس حدیث کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ نافذ ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۹۵، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۳ھ، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۳۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباس نے (طنزاً) فرمایا: یا ابا عباس! پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے تین طلاقیں دیتا ہے: پھر کہتا ہے: اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۹۷، ۱۱۳۹۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارة القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دردناک مار، مارتے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارة القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۹، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے تھے ورنہ وہ تین طلاقیں دینے والے کو دردناک طریقہ سے نہ مارتے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور وہ جو صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا اس کے بالتفصیل جوابات ان شاء اللہ عنقریب ہدیہ قارئین ہوں گے۔

زہری نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دے دیں انہوں نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے الگ ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۲، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے

دیں، حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ستانوے (۹۷) طلاقیں حد سے تجاوز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حبیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہوگئی باقی طلاقیں دوسری بیویوں میں تقسیم کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۱، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: یا امیر المومنین! میں نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۳، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کسی مرد نے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو (۱۰۰) طلاقیں دے دی ہیں، حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا: تین طلاقوں نے اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا اور ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۔ ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ قاضی شریح سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دی ہیں، انہوں نے کہا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی علیحدہ ہوگئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حسن بصری کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں تو انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک دوسرا شخص اس کے ساتھ دخول نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان سب نے جواب دیا: اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۹، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کسی شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

البقرۃ: ۲۳۰۔ ۲۲۹ سے واضح ہو گیا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی خواہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا الگ الگ، اسی طرح احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بھی واضح ہو گیا کہ اگر ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو مرد پر اس کی بیوی حرام ہو کر اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع

کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور شیخ ابن حزم، شیخ شوکانی اور دیگر غیر مقلدین نے صحیح مسلم کی از طاؤس از حضرت ابن عباس روایت سے جو استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو تین طلاق ہی قرار دے دیا، سو اب ہم اس روایت کے مفصل جوابات پیش کر رہے ہیں: فنقول وباللہ التوفیق

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں شیخ ابن حزم کی پیش کردہ روایت کے مفصل اور متعدد جوابات

صحیح مسلم کی یہ روایت، شاذ، معلل، مردود ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ طاؤس نے اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور اگر اس لیے وہ طلاقیں متفرق دی ہیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیں، اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کی وضاحت امام بیہقی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی التوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے، امام مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو ترک کر دیا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی باقی روایات کے خلاف ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے انسان تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا، پھر البقرہ: ۲۲۹، اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ نے اس کو منسوخ کر دیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہو گئی۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس نے جواب دیا: تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اپنی بیوی کی نافرمانی کی، سو تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی، تم نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا، سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں رکھا۔

طاؤس کے علاوہ عطاء، عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہم جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ ہیں ان سب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، ان کے برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا

تھا۔(صحیح مسلم: ۲:۷۲ ۱۴، مصنف عبدالرزاق: ۷: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

سو یہ روایت طاؤس کا وہم ہے اور شاذ اور معلل ہے، صحیح نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷ نشر السنہ، ملتان)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے خلاف روایت کی ہے، سعید بن جبیر، مجاہد اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ، ۱۳۹۸ھ)

طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

خود طاؤس کا فتویٰ بھی اپنی روایت کے خلاف تھا، طاؤس یہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۶، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

طاؤس کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے بلکہ جب کوئی مرد دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو پھر اس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوگی۔

علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۸۴۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے، علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا کیونکہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

(الجوہر النقی علی ہامش البیہقی ج ۷ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷ نشر السنہ، ملتان)

طاؤس کی روایت کا صحیح محمل

جمہور محدثین اور فقہاء اسلام نے اس حدیث کو اس کے فنی سقم کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے، تاہم بر سبیل تنزل اس حدیث سے یہ تاویل کی کہ عہد رسالت اور دور صحابہ میں مسلمان تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض مسلمانوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق دینا شروع کر دیا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نیات کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو نہیں بدلا بلکہ اس چیز کو نافذ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے، حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا یا: رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی ہے، آپ نے دریافت فرمایا: تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، میں نے عرض کیا: میں نے اس سے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، آپ نے پوچھا: اللہ کی قسم! میں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے فرمایا: پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا تھا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۷۷)

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کرنا جائز ہے کیونکہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے یہ استفسار نہ فرماتے کہ تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا ہے اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے

بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ سے ان کی طلاق کی تعداد کو دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد میں دی ہوئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس حدیث کے مطابق ہے اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے کے ثبوت میں سنن ابوداؤد کی روایت کا جواب

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید ابو رکانہ سے فرمایا: تم اپنی بیوی کو طلاق دو، سو انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو، انہوں نے کہا: میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کر لو۔ الحدیث۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بھی رجوع کرنا صحیح ہے کیونکہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان تین طلاقوں سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد حدیث: ۲۱۹۶ کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو صرف طلاق البتہ دی تھی، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔

امام ابوداؤد نے اپنی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

از نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، سنن ترمذی: ۱۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱)

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں مسند احمد کی روایت کا مفصل اور محقق جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اس پر بہت زیادہ غم گین ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے بتایا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو اس طلاق سے رجوع کر لو۔ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ پھر حضرت رکانہ نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵، مسند احمد: ۲۳۸۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

شیخ شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں داؤد بن الحصین کی عکرمہ سے روایت ہے، علی بن المدینی نے کہا کہ داؤد بن الحصین نے عکرمہ سے جو حدیث روایت کی ہے وہ منکر ہے۔ اور امام ابوداؤد نے کہا کہ عکرمہ سے اس کی روایات مناکیر ہیں اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میں کہا کہ اس کی روایات غرائب مستنکرہ ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب التہذیب'' میں کہا ہے کہ یہ عکرمہ کے سوا دوسری روایات میں ثقہ ہے۔

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آٹھ (۸) شاگرد اس روایت کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، علاوہ ازیں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دی تھی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

امام ابویعلیٰ اور امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے از ابن جریج از بعض بنی ابورافع از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اپنی بیوی سے رجوع کرلو''۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے تم ان سے رجوع کرلو''۔

(مسند ابویعلیٰ: ۲۵۰۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ ابن جریج نے اس حدیث کی ابورافع کے بعض بیٹوں سے روایت کی ہے اور ان کا نام ذکر نہیں کیا اور سند مجہول حجت نہیں ہوتی۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۳۶)

نیز علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حضرت رکانہ کی اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو ترک کر دیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۰ ص ۳۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ طلاق البتہ دی تھی۔ امام ابوداؤد نے اس کو ترجیح دی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳، طبع لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ) (حاشیہ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۷۔۲۱۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی مبحث کا خلاصہ

شیخ ابن حزم اور دیگر غیر مقلدین ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثین ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیتے ہیں، ہم نے اس مبحث میں پہلے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے یہ بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں، تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں ایک طلاق نہیں ہوتی۔ اس کے بعد شیخ ابن حزم اور غیر مقلدین نے جن احادیث سے اپنے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے اس کا تفصیلی دلائل سے رد کیا ہے اور حق کو واضح تر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے اور میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔

وَطَلَاقُ السُّنَّةِ أَنْ يُطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ وَيُشْهِدَ شَاهِدَيْنِ۔

اور طلاق سنت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو حالت طہر میں بغیر جماع کے طلاق دے اور اس پر دو گواہ بنالے۔

طلاق سنت کی تعریف میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف اور فقہاء احناف کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی الطلاق السنی یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دے کہ وہ حیض سے طاہر ہو اور مرد نے اپنی بیوی سے اس طہر میں جماع نہ کیا ہو اور وہ اس طلاق کے اوپر دو گواہ بنالے، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ وطی کر چکا تھا یا اس نے طلاق پر دو گواہ نہیں بنائے تو پھر یہ طلاق بدعی ہوگی۔

طلاق سنت میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک نے کہا کہ طلاق سنت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس طہر میں اس نے جماع نہ کیا ہو، پھر ایک طلاق دینے کے بعد اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ تیسرے حیض میں خون کا پہلا قطرہ دیکھنے کے بعد اس کی عدت پوری ہو جائے، اور اللیث اور الاوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ طلاق حسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس کا ارادہ تین طلاقیں دینے کا ہو تو وہ ہر طہر میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دے جب کہ اس طہر میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور الثوری اور اشہب کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے: اصحاب ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں: حسن، احسن اور بدعی، سو احسن طلاق یہ ہے، کہ وہ اپنی مدخول بہا بیوی کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس طہر میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور طلاق حسن یہ ہے کہ وہ اپنی مدخول بہا بیوی کو تین اطہار میں تین طلاقیں دے اور یہی طلاق سنت بھی ہے اور طلاق بدعی یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دے یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے، سو جب اس نے ایسا کیا تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دے دی جب وہ حائضہ تھیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا واقعہ ہے، پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو حکم دو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے، پھر وہ اس کو اپنے پاس روکے رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو دوبارہ حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر وہ چاہے تو اس کو اپنے پاس روک لے اور اگر چاہے تو جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دے پس یہ وہ مدت ہے

جس میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کو طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۰۸ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، سنن نسائی: ۳۳۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۹، سنن دارمی: ۲۲۶۷، ۲۲۶۸، الموطا: ۳۵۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۴، مسند احمد: ۱۵۶۴)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بیوی کو طلاق دینے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ (الطلاق: ۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا جماع) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کو مباح فرما دیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: اگر وہ چاہے تو اپنے پاس روک کے رکھے اور اگر چاہے تو طلاق دے دے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی، پھر آپ نے اس سے رجوع فرما لیا تھا۔

اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دی جس میں اس نے جماع نہیں کیا تھا تو وہ سنت کے مطابق طلاق دینے والا ہے اور اس مدت میں طلاق دینے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا تھا اور اگر اس کی بیوی مدخول بہا ہو تو اس کے لیے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع ہونا جائز ہے اور جب اس کی بیوی کی عدت پوری ہو جائے تو پھر وہ کسی سے منگنی کرنے کے لیے آزاد ہے۔

حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کے بعد ایک طہر گزارنا کافی ہے یا دو طہر گزارنا ضروری ہے، اس میں مذاہب فقہاء

امام مالک، امام ابو یوسف اور امام شافعی کا وہ مذہب ہے جس کی نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی وہ اس طلاق سے رجوع کرے، پھر اس کو اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو دوبارہ حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر وہ چاہے تو وہ اس طہر میں جماع کرنے سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا پھر چاہے تو اس کو اپنے پاس رکھ لے۔

امام ابوحنیفہ اور اکثر اہل عراق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے مطابق کہا ہے کہ وہ اسی طلاق سے رجوع کر لے، پھر جب وہ اس حیض سے پاک ہو جائے تو اگر چاہے تو اس کو طلاق دے دے اور فقہاء شافعیہ میں سے المزنی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان فقہاء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض میں طلاق دینے والے کو اسی طلاق میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس نے اس طلاق میں سنت سے خطاء کی ہے، سو اس کو حکم دیا گیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے تا کہ خطاء کے اسباب سے نکل

جائے، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر چاہے تو اس کو صحیح طلاق دے دے اور اس کے بعد دوسرا حیض گزارنے کا کوئی معنی یا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور امام مالک، امام ابویوسف اور امام شافعی نے کہا کہ دوسرے طہر اور دوسرے حیض کے صحیح معانی ہیں کیونکہ جب اس نے اس وقت طلاق دی جس وقت میں اس کو طلاق دینے سے منع کیا گیا تھا تو اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا، انہوں نے کہا کہ دوسرا طہر اس طلاق کی اصلاح کے لیے ہے اور پہلے طہر میں وطی کی اصلاح ہے اور رجوع کی صحت کا صرف وطی سے علم ہوگا۔

حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم آیا وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے ہے، اس میں مذاہب فقہاء

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا حیض میں طلاق دینے والے کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں؟

امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب نے کہا ہے کہ اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: عبداللہ بن عمر سے کہو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۵۱) اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر کا تقاضا فرضیت ہے۔

اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اوزاعی، اسحاق اور ابوثور نے کہا ہے کہ اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں جو امر کا صیغہ ہے وہ استحباب کے لیے ہے تا کہ اس کی طلاق سنت کے مطابق ہو جائے اور اس پر اتفاق ہے کہ جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو اس کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس میں یہ دلیل ہے کہ رجوع کرنے کا حکم استحباب کے لیے ہے۔

طلاق سنت اور طلاق بدعت کی تعریف میں مذاہب فقہاء اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے مذہب پر دلائل

امام مالک نے کہا کہ طلاق سنت کی تعریف یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑے رکھے حتیٰ کہ تیسرے حیض میں خون کا پہلا قطرہ دیکھنے سے اس کی عدت پوری ہو جائے اور یہی ہی اللیث اور اوزاعی کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہ طلاق حسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کا ارادہ کرے تو وہ اس کو ہر ایسے طہر میں طلاق دے دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور یہ ہی الثوری اور اشہب مالکی کا قول ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ ہی طلاق سنت ہے۔

علامہ نخعی نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ اس کو مستحب قرار دیتے تھے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق سے زیادہ طلاق نہ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

امام شافعی، امام احمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ طلاق میں کوئی عدد سنت ہے نہ واجب ہے، سنت تو صرف طلاق کے وقت میں ہے، سنت صرف یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، سو جس نے اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دی خواہ ایک طلاق دی ہو یا دو طلاقیں دی ہوں یا تین طلاقیں دی ہوں تو وہ سنت کے مطابق طلاقیں دینے والا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا جماع) میں ان کو طلاق دو اور عدت کو شمار رکھو (الطلاق: ۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک طلاق یا دو طلاق یا تین طلاق کی تخصیص نہیں کی۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حکم دیا گیا کہ دوسرے طہر میں طلاق دیں اور یہ تخصیص نہیں کی کہ وہ ایک طلاق دیں، دو طلاق دیں یا تین طلاق دیں۔

اور امام شافعی کے قول کو رد کرنے کے لیے یہ کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر کی طلاق دینے کی وجہ سے مذمت نہیں کی بلکہ حالت حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے ان کی مذمت کی ہے اور ان کو یہ بتایا کہ اس طہر میں طلاق دیں جس میں انہوں نے جماع نہ کیا ہو، اور امام شافعی اس مسئلہ کو حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ جاننے والے نہیں ہیں، سو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طلاق دینا طلاق بدعی ہے اور حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جس نے اکٹھی تین طلاقیں دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی طلاق بدعی ہے اور حالت حیض میں طلاق دینا بھی طلاق بدعی ہے اور یہی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو موسیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اس شخص کی شدید مذمت کی ہے جس نے ایک مرتبہ اکٹھی تین طلاقیں دیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مرد کو دردناک مار مارتے تھے جو ایک لفظ سے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے تھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۱۵۔۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس اثر سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نزدیک لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں دے دیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسا کہ ہم اس پر قرآن مجید، احادیث اور آثار سے استدلال کر چکے ہیں، لہٰذا ابن حزم اور غیر مقلدین کا تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا باطل اور مردود ہے۔

۲۔ بَابٌ: إِذَا طُلِّقَتِ الْحَائِضُ تَعْتَدُّ بِذَلِكَ الطَّلَاقِ

جب حائض کو طلاق دی جائے تو اس کی اس طلاق کا شمار کیا جائے گا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب کسی عورت کو طلاق دی جائے اور وہ اس وقت حائض ہو تو اس طلاق کا اعتبار کیا جائے گا، اس پر تمام ائمہ فتویٰ، صحابہ، تابعین وغیرہم متفق ہیں اور ظاہریہ (غیر مقلدین) اور خوارج اور رفضہ نے کہا ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۲ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لِيُرَاجِعْهَا قُلْتُ تُحْتَسَبُ قَالَ فَمَهْ

(صحیح مسلم: ۳۶۶۵۔۳۶۶۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از انس بن سیرین، انہوں نے کہا: میں نے سنا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی، پھر حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے، میں نے پوچھا: کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا تو آپ نے ان کو ڈانٹا یعنی اس طلاق کو

کیوں شمار نہیں کیا جائے گا۔

وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا قُلْتُ تُحْتَسَبُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ۔

اور از قتادہ از یونس بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عبد اللہ بن عمر کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لیں، میں نے پوچھا: کیا طلاق کا شمار کیا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ عاجز ہو یا حماقت کا ارتکاب کرے تو کیا ہوگا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''اگر وہ عاجز ہو یا حماقت کا ارتکاب کرے تو کیا ہوگا'' کے متعدد معانی

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ کیا طلاق دینے والے کا عجز اور اس کی حماقت طلاق دینے والے کے اس حکم کو ساقط کر دے گا جو اس نے حالت حیض میں طلاق دی ہے؟ یعنی حکم ساقط نہیں ہوگا۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں: اس ارشاد کا معنی یہ ہے: کیا عجز اور حماقت کی وجہ سے طلاق کا حکم ساقط ہو جائے گا؟ اور یہ استفہام انکاری ہے اور اصل عبارت اس طرح ہوگی کہ ہاں! طلاق کا شمار کیا جائے گا اور اس کا عجز اور اس کی حماقت طلاق کو شمار کرنے سے مانع نہیں ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس طلاق کو شمار نہ کروں خواہ میں عاجز ہوں یا حماقت کا ارتکاب کروں؟ (صحیح مسلم: ۱۴۷۱، الرقم المسلسل: ۳۵۵۶، صحیح البخاری: ۵۲۵۲)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ طلاق سے رجوع کرنے سے عاجز ہو اور کسی احمق آدمی کا فعل کرے۔

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اِنْ کا لفظ نافیہ ہو یعنی ابن عمر نہ عاجز ہے اور نہ احمق ہے یعنی وہ بچہ اور مجنون نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی طلاق واقع نہ ہو اور عجز بچہ کو لازم ہے اور حماقت مجنون کو لازم ہے یعنی اس حدیث میں لازم کا اطلاق کیا ہے اور اس سے ملزوم کا ارادہ کیا ہے اور یہ لفظ اَنْ، اِنَّ ثقیلہ کا مخففہ ہے۔

اور ابن الخشاب نے کہا ہے کہ استحمق میں تاء مفتوحہ ہے اور اس کا معنی ہے: اس نے ایسا فعل کیا جیسا فعل احمق اور عاجز کرتا ہے، پس اس کا عجز اور اس کی حماقت کیا طلاق کے حکم کو ساقط کر دے گا؟ اور باب استفعال کا خاصہ ہے، تکلف یعنی اس نے تکلف سے حماقت کا ارتکاب کیا اور حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

اور علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اس کو حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اگر وہ کسی عجز کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکا تو رجوع کا حکم ساقط نہیں ہوگا یا وہ مجنون ہوگا تب بھی رجوع کا حکم ساقط نہیں ہوگا یعنی اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو کیا اس کی عورت معلق رہے گی، نہ وہ خاوند والی ہوگی اور نہ مطلقہ شمار ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کو معلق رکھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اگر بالفرض وہ اللہ تعالیٰ کے کسی اور فرض کو بجا نہ لائے اور اس سے عاجز ہو یا بے عقلی کی وجہ سے وہ کسی فرض کو بجا نہ لائے تو کیا اس سے وہ فرض ساقط ہو جائے گا؟

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۵۲۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ۔

امام بخاری روایت بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ میری بیوی کی مجھ پر ایک طلاق شمار کی گئی۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۱، الرقم المسلسل: ۳۵۴۸، سنن ترمذی: ۱۱۷۶، سنن نسائی: ۳۳۹۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۳، مسند احمد: ۶۰۸۴، موطا امام مالک، ۱۲۲۰، سنن دارمی: ۲۲۶۳)

جب عہد رسالت میں کوئی صحابی یہ کہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا تو یہ حکماً حدیث مرفوع ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، تب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ان کی بیوی کے اوپر کسی نے ایک طلاق کو شمار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اس مسئلہ میں کسی کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ صحابی کے اس قول کی مثل ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ حکم دیا جاتا تھا، لہٰذا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرار دیا جائے گا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دینے والے تھے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جب کوئی صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ کہے کہ ہمیں فلاں چیز کا حکم دیا گیا ہے تو یہ حدیث مرفوع ہوگی اور اس قصہ میں یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی رائے سے یہ کہا کہ ان کی بیوی پر ایک طلاق شمار کی گئی، علاوہ ازیں امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ سنن دارقطنی میں یہ حدیث روایت کی ہے: از نافع از ابن عمر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: مَنْ طَلَّقَ وَهَلْ يُوَاجِهُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالطَّلَاقِ

جس نے طلاق دی، کیا طلاق دیتے وقت بیوی کو بالمشافہ طلاق دے

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: (۱) جس نے طلاق دی (۲) اور جس نے بیوی کو بالمشافہ طلاق دی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے عنوان کے پہلے جز کو حذف کر دیا ہے گویا کہ ان پر اس کی توجیہ منکشف نہیں ہوئی اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان کے اس جز سے یہ قصد کیا ہے کہ طلاق دینے کا جواز مشروع ہے اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ”جو حلال کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہے وہ طلاق ہے“ اس کا محمل یہ ہے کہ جس نے بغیر کسی سبب کے اپنی بیوی کو طلاق دی اور یہ وہ حدیث ہے جس کی امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۷۷، سنن ابن ماجہ: 2018) (فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کے عنوان کے اس جز کی توجیہ یہ ہے کہ یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی آیا اس کا طلاق دینا جائز ہے؟ امام بخاری نے اس کا جواب نہیں لکھا اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں کسی شخص کا اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح نکاح کو مشروع فرمایا ہے اسی طرح طلاق کو بھی مشروع فرمایا ہے۔

اس عنوان کا دوسرا جزیہ ہے: کیا طلاق دیتے وقت بیوی کو بالمشافہ طلاق دے؟

امام بخاری نے اس کا جواب بھی نہیں لکھا کیونکہ اس کا جواب اس باب کی حدیث سے سمجھ آ رہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے انتقاض الاعتراض ج ۴ ص ۴۰۱ میں اس کا کوئی جواب نہیں لکھا، گویا وہ اس اعتراض کے جواب سے عاجز تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۲۵۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ أَيُّ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اسْتَعَاذَتْ مِنْهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَدَنَا مِنْهَا قَالَتْ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ فَقَالَ لَهَا لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمِ الْحَقِي بِأَهْلِكِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، میں نے الزہری سے پوچھا: نبی ﷺ کی ازواج میں سے کس نے آپ سے پناہ چاہی تھی؟ انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ حضرت ابنۃ الجون کو جب رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل کیا گیا اور آپ ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں تب آپ نے ان سے فرمایا "تم نے بہت عظیم (ذات) سے پناہ طلب کی ہے، تم اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جاؤ"۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ رَوَاهُ حَجَّاجُ بْنُ أَبِي مَنِيعٍ عَنْ جَدِّهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ عُرْوَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ۔

امام ابو عبداللہ (البخاری) نے کہا: اس حدیث کی حجاج بن ابی منیع نے از جد خود روایت کی ہے از الزہری کہ عروہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا......

(سنن نسائی: ۳۴۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۰، المستدرک: ۶۸۰۸، تحفۃ الاشراف: ۱۶۵۱۲)

بیوی کو طلاق دینے کے دو طریقے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا اپنی بیوی کو بالمشافہ طلاق دینا جائز ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس عورت کو لباس مہیا کریں اور اس کو اس کے گھر والوں کے ساتھ ملا دیں اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اس عورت کو بالمشافہ طلاق دی اور بیوی کو ان دونوں طریقوں سے طلاق دینا جائز ہے خواہ اس کو بالمشافہ طلاق دی جائے یا پس پشت طلاق دی جائے اور اس دوسرے طریقہ سے طلاق دینے

میں عورت کے ساتھ زیادہ لطف اور نرمی ہے اور اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے درمیان جو الفت، محبت اور رحمت رکھی ہے یہ طریقہ اس کے زیادہ قریب ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا (الجون میں جیم پر زبر ہے) کا تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابنۃ الجون کا نام امیمہ ہے۔ امام ابونعیم نے کتاب الصحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرہ بنت الجون کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تھی، لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید بن القاسم ہے اور وہ متروک ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام اسماء بنت کندا الجونیہ ہے، اس کی روایت یونس نے از ابن اسحاق کی ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ اس پر اجماع ہے کہ آپ نے حضرت اسماء بنت النعمان بن ابی الجون بن شراحیل سے نکاح کیا تھا اور پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام اسماء بنت الاسود بن الحارث بن النعمان الکندیہ ہے۔

حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے سبب کے متعلق علماء کا اختلاف

ایک قول یہ ہے کہ جب وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل کی گئی تو آپ نے اس کو بلایا، اس عورت نے کہا: آپ خود آئیں اور آپ کے بلانے پر آنے سے انکار کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تھی، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ جس عورت نے آپ سے پناہ طلب کی تھی یہ مکہ کے راستہ میں ایک جگہ کی رہنے والی تھیں اور یہ بہت خوب صورت خاتون تھیں تو آپ کی دوسری ازواج مطہرات کو یہ خطرہ ہوا کہ یہ ان پر غلبہ پالیں گی تو انہوں نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند ہے کہ آپ سے یہ کہا جائے کہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ علامہ ابن عقیل نے کہا کہ یہ عورت قبیلۂ کندہ سے تھیں اور انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کو ان کے گھر والوں کی طرف لوٹا دیں۔ سو آپ نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان کو ان کے گھر والوں کی طرف بھیج دیا، پھر ان سے المہاجر بن ابوامیہ نے نکاح کر لیا اور ان کے بعد قیس بن مکشوح نے ان سے نکاح کر لیا۔

حافظ ابن عبد البر مالکی نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرۃ بنت یزید الکلابیہ سے نکاح کیا، پھر آپ کو یہ خبر ملی کہ ان کے جسم پر برص کے سفید داغ ہیں، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ایک قول یہ ہے کہ یہی وہ عورت ہیں جنہوں نے آپ سے اللہ عزوجل کی پناہ طلب کی تھی۔

علامہ الرشاطی نے ذکر کیا ہے کہ اس عورت کے باپ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ عورت کبھی بیمار نہیں ہوگی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سن کر فرمایا کہ جو عورت کبھی بیمار نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ان کے ساتھ شب زفاف نہیں گزاری اور ابوعبیدہ معمر بن المثنی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کو اس عورت کے پاس نکاح کا پیغام دینے کے لیے بھیجا اور ان کا نام ہند بنت یزید بن البرصاء

تھا۔حضرت ابو اسید ان کو آپ کے پاس لے کر آئے، آپ نے ان کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔جب آپ شب زفاف کے لیے ان کے پاس گئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے جسم پر برص کے داغ ہیں، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

اور الشہر ستانی نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت الضحاک الکلابیہ سے نکاح کیا، پھر جب آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے عمدہ کپڑوں اور اچھی خوراک اور رہائش کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی ازواج کو اختیار دیا اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۲۹۔۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا تو باقی ازواج مطہرات نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخرت کو اختیار کیا اور حضرت فاطمہ بنت الضحاک الکلابیہ نے اپنی قوم کے پاس جانے کو اختیار کر لیا، پھر بعد میں وہ اونٹ کی مینگنیاں چنتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں بد بخت ہوں۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم اپنے گھر چلی جاؤ'' تو اس سے طلاق بائن کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ! آیا یہ کنایات طلاق میں سے ہے یا نہیں۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر اس نے اس قول سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور اگر اس نے اس سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔ یہ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔انہوں نے کہا کہ اگر اس نے اپنے اس قول سے ایک طلاق کا یا تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق یا تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر اس نے دو طلاقوں کا ارادہ کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

اور امام مالک نے کہا کہ اگر اس نے اس قول سے طلاق کا ارادہ کیا تو اگر اس نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تو ایک طلاق پڑے گی اور اگر دو طلاقوں کا ارادہ کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے اپنے اس قول سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اور حسن بصری اور شعبی نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ یا کہا: تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے یا کہا: تمہارا راستہ کھلا ہوا ہے تو اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ غَسِيلٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ رضی اللہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن غسیل نے حدیث بیان کی

عنه قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى انْطَلَقْنَا إِلَى حَائِطٍ يُقَالُ لَهُ الشَّوْطُ حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى حَائِطَيْنِ فَجَلَسْنَا بَيْنَهُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اجْلِسُوا هَا هُنَا وَدَخَلَ وَقَدْ أُتِيَ بِالْجَوْنِيَّةِ فَأُنْزِلَتْ فِي بَيْتٍ فِي نَخْلٍ فِي بَيْتِ أُمَيْمَةَ بِنْتِ النُّعْمَانِ بْنِ شَرَاحِيلَ وَمَعَهَا دَايَتُهَا حَاضِنَةٌ لَهَا فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ هَبِي نَفْسَكِ لِي قَالَتْ وَهَلْ تَهَبُ الْمَلِكَةُ نَفْسَهَا لِلسُّوقَةِ قَالَ فَأَهْوَى بِيَدِهِ يَضَعُ يَدَهُ عَلَيْهَا لِتَسْكُنَ فَقَالَتْ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ فَقَالَ قَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ يَا أَبَا أُسَيْدٍ اكْسُهَا رَازِقِيَّتَيْنِ وَأَلْحِقْهَا بِأَهْلِهَا

(صحیح البخاری: ۵۲۵۷، صحیح مسلم: ۲۰۰۷، مسند احمد: ۱۵۶۳۱)

حمزہ بن ابی اسید از حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے حتیٰ کہ ہم ایک باغ کی طرف چل پڑے جس کو "الشوط" کہا جاتا تھا حتیٰ کہ ہم دو باغوں کے پاس پہنچے، سو ہم ان دو باغوں کے درمیان بیٹھ گئے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ اور آپ خود باغ میں داخل ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت الجونیہ کو لایا گیا، اس عورت کو کھجوروں کے باغ میں ایک گھر میں ٹھہرایا گیا جو امیمہ بنت نعمان بن شراحیل کا گھر تھا، ان کے ساتھ ان کی دائی (انا) بھی تھیں جو ان کی پرورش کرنے والی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے ان سے فرمایا: تم اپنا نفس مجھے ہبہ کر دو، انہوں نے کہا: کیا بادشاہ زادی بھی اپنا نفس کسی بازاری کو ہبہ کرتی ہے! آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا، آپ اپنا ہاتھ ان کے اوپر رکھ رہے تھے تاکہ وہ پرسکون ہوں، انہوں نے کہا: میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں، آپ نے فرمایا: تم نے اس ذات سے پناہ طلب کی ہے جو پناہ دینے کے لائق ہے، پھر آپ ہماری طرف باہر آ گئے، آپ نے فرمایا: اے ابواسید ان کو ایک جوڑا کپڑا دے دو اور انہیں ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب پر کس طرح دلالت ہو گی کیونکہ اس حدیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے اور نہ اس سے پہلے اس عورت کے ساتھ عقد نکاح ہوا تھا کیونکہ اس عورت نے آپ کو اپنا نفس ہبہ نہیں کیا تھا، اور نہ آپ نے اس کو بالمشافہ طلاق بائن دی کیونکہ آپ نے اس باغ سے نکلنے کے بعد حضرت ابواسید سے فرمایا تھا کہ اس عورت کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز تھا کہ آپ اس عورت یا اس کے ولی کی اجازت کے بغیر از خود اس سے نکاح کر لیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں جو اس عورت سے فرمایا تھا کہ تم اپنا نفس مجھے ہبہ کر دو تو یہ اس کی دل جوئی کے لیے فرمایا تھا اور رہا بالمشافہ طلاق دینے کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابواسید سے فرمایا تھا کہ اس کو اس کے گھر پہنچا دو تو یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کا مؤید ہے۔ (شرح الکرمانی جز ۱۹ ص ۱۸۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی کا علامہ کرمانی کے ساتھ مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی یہ شرح بیکار اور بے سود ہے کیونکہ علامہ کرمانی نے یہ جو سوال قائم کیا ہے کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے اور اس حدیث کے عنوان میں طلاق کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے اس سوال کے جواب میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ عورت یا اس کے ولی کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کر سکتے ہیں اور آپ کی اس خصوصیت کا سب کو علم ہے تو پھر علامہ کرمانی کے قائم کردہ سوال کی کوئی وجہ نہیں ہے، پھر علامہ کرمانی نے یہ سوال قائم کیا کہ اس باب کے عنوان میں بیوی کو بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر ہے، پھر اس کا یہ جواب دیا کہ اس سے پہلی حدیث میں حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کو بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پہلی حدیث میں بالمشافہ طلاق دینے کا ثبوت اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس دوسری حدیث میں بھی طلاق بالمشافہ کا ذکر ہو، پس اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت کس طرح ثابت ہوگی؟ نیز اس دوسری حدیث میں آپ نے حضرت ابنۃ الجون کو گھر جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ اس عورت کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

ہمارے اس قول کی تائید علامہ ابن بطال کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں بیوی کو بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۳۲۸۔ ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کے کلام کی توجیہ اور اس کے ساتھ نکاح کا مختصر تذکرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: "تم اپنا نفس مجھے ہبہ کر دو"۔ تو اس عورت نے جواب میں کہا: کیا کوئی شہزادی اپنا نفس کسی بازاری کو ہبہ کرتی ہے؟

علامہ ابن المنیر نے کہا: اس عورت سے یہ کلام اس لیے صادر ہوا کہ اس عورت میں زمانہ جاہلیت کی صفت تھی اور بازاری ان کے نزدیک اس شخص کو کہتے ہیں جو بادشاہ نہ ہو خواہ وہ کوئی بھی ہو، گویا کہ اس عورت نے اس کو بہت بعید سمجھا کہ شہزادی کسی عام شخص سے نکاح کرے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو بادشاہ اور نبی ہوں اور آپ نے اس کو اختیار کیا کہ وہ اللہ کے بندے اور نبی ہوں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے رب کے سامنے تواضع تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے اس کلام پر اس کے خلاف مواخذہ نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ عورت زمانہ جاہلیت کے قریب تھی اس لیے آپ نے اس کو معذور قرار دیا۔

اور دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابنۃ الجون نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اس لیے انہوں نے آپ سے اس طرح گفتگو کی۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:) یہ قصہ جن متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے ان سے یہ شرح ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں! "کتاب الاشربۃ" کے اواخر میں از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی ایک عورت کا ذکر فرمایا اور حضرت ابواسید ساعدی کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو بلا کر لائیں، سو وہ عورت آئی اور بنوساعدہ کے قلعوں میں ٹھہری، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر آئے حتیٰ کہ اس کے پاس پہنچے اور اس عورت کے پاس داخل ہوئے، اس وقت وہ عورت اپنا

سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی، پس جب آپ نے اس سے بات کی تو اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں آپ نے فرمایا: میں نے تم کو اپنے پاس سے اللہ کی پناہ میں دیا تو صحابہ نے اس عورت سے کہا گیا: تم جانتی ہو یہ کون ہیں؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تم کو نکاح کا پیغام دینے کے لیے تشریف لائے ہیں، اس عورت نے کہا: پھر تو میں بہت بدنصیب ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۰۷، مسند احمد: ۱۵۶۳۱)

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اگر یہ قصہ واحد ہو تو اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو اس کے گھر پہنچا دو اور جو اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اس عورت سے فرمایا: تم اپنے گھر چلی جاؤ تو ان دونوں حدیثوں میں آپ کا یہ ارشاد اس عورت کو طلاق نہیں ہے اور یہ متعین ہے کہ اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اور اگر یہ قصہ متعدد ہو تو اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے تو یہ عورت کلابیہ ہے جس کے نام میں اضطراب ہے۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ایک سند سے روایت کی ہے جس میں العزرمی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں ایک زوجہ سنا بنت سفیان بن عوف بن کعب بن ابی بکر بن کلاب تھیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کو بنو عامر کی ایک عورت کے پاس نکاح کا پیغام دینے کے لیے بھیجا۔ اس عورت کا نام عمرۃ بنت یزید بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عامر تھا، امام ابن سعد نے کہا: کلابیہ کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول ہے: اس کا نام فاطمہ بنت ضحاک بن سفیان ہے، دوسرا قول ہے: اس کا نام عمرۃ بنت یزید بن عبید ہے اور تیسرا قول ہے کہ اس کا نام سنا بنت سفیان بنت عوف ہے اور چوتھا قول ہے کہ اس کا نام العالیہ بنت ظبیان بن عمرو بن عوف ہے، پس بعض علماء نے کہا: یہ تمام عورتیں ایک ہیں اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے اور بعض نے کہا: بلکہ یہ ان خواتین کی جماعت ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کا ایک قصہ ہے جو دوسری خاتون کا قصہ نہیں ہے، پھر انہوں نے حضرت الجونیہ کا تذکرہ کیا ہے، سو کہا: ان کا نام اسماء بنت النعمان ہے، پھر انہوں نے عبد الواحد بن ابی عون کی سند سے روایت کی اور یہ بیان کیا کہ النعمان بن ابی الجون الکندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہوا، پھر کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کا نکاح ایسی عورت کے ساتھ نہ کر دوں جو عرب کی حسین ترین بیوہ عورت ہے، وہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی کے نکاح میں تھی، سو اس کی وفات ہوگئی اور وہ آپ کے ساتھ نکاح میں رغبت رکھتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میں کسی مرد کے ساتھ اس کو آپ کی طرف بھیجوں گا، پس اس نے حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسے آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت ابو اسید نے بتایا: میں تین دن ٹھہرا، پھر وہ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوئی، سو میں اس کو لے کر مدینہ آیا اور میں نے اس کو بنو ساعدہ کے ہاں ٹھہرایا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا، اس وقت آپ بنو عمرو بن عوف کے محلہ میں تھے، سو میں نے آپ کو اس کی خبر دی۔ الحدیث۔

ابن ابی عون نے کہا: یہ ربیع الاول نو ہجری کا واقعہ ہے، پھر انہوں نے دوسری سند کے ساتھ از عمر بن الحکم از ابی اسید روایت کی اور حضرت ابو اسید نے بیان کیا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الجونیہ کی طرف بھیجا، سو میں نے ان کو سوار کیا حتیٰ کہ میں نے ان کو بنو ساعدہ کے مکانوں میں ٹھہرایا: پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس کی خبر دی، پس آپ پیدل روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ حضرت الجونیہ کے پاس پہنچ گئے۔ الحدیث

اور سعید بن عبد الرحمن بن ابزیٰ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت الجونیہ کا نام اسماء بنت النعمان بن ابی الجون ہے۔ ان سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ طلب کرنا، اس بات سے تمہارے لیے ان کے دل میں زیادہ جگہ ہوگی، ان کے حسن و

جمال کی وجہ سے ان کو دھوکا دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ کس خاتون نے ان کو یہ بات کہنے کی ترغیب دی تھی تو آپ نے فرمایا: یہ عورتیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہیں اور ان کی طرح مکر وفریب کرتی ہیں، سوان کا یہ قصہ ہے جواز ابی حازم از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

اور رہا وہ قصہ جو اس باب کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مذکور ہے، سو اس قصہ کو بھی اس قصہ پر محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے آپ سے پناہ طلب کی تھی اور رہا وہ قصہ جو حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں کئی امور اس قصہ کے خلاف مذکور ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متعدد قصے ہیں اور اس سے یہ بات قوی ہوتی ہے کہ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نام امیمہ ہے اور جس عورت کا ذکر حضرت سہل کی حدیث میں ہے اس کا نام اسماء ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابنۃ الجون کے اس قول کی توجیہ کہ وہ شہزادی ہیں اور شہزادی بازاری سے نکاح نہیں کرتی

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ نے اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھایا یعنی اس کو اپنی طرف جھکایا، اور امام محمد بن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ اس کو بوسا دینے کے لیے اس کی طرف بڑھے اور آپ نے خلوت میں اس کو بٹھایا اور اس کو بوسا دیا اور محمد بن سعد کی روایت میں ہے کہ عورتوں میں سے کوئی عورت ان کے پاس آئی اور وہ سب سے حسین عورت تھی، اس نے کہا: تم تو بادشاہوں میں سے ہو، پس اگر تم یہ چاہتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں تمہاری زیادہ جگہ ہو تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے پناہ طلب کرنا اور راز ہشام بن محمد از عبدالرحمن ابن الغسیل اس باب کی حدیث کی سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس عورت کے پاس آئیں اور انہوں نے اس کے بال سنوارے، ان میں کنگھی کی اور خضاب لگایا اور ان میں سے کسی ایک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت سے خوش ہوتے ہیں کہ جب آپ اس عورت کے پاس آئیں تو وہ کہے کہ میں آپ سے پناہ طلب کرتی ہوں۔

آپ نے فرمایا: تم نے پناہ دینے والے سے پناہ طلب کی ہے۔ یہ لفظ معاذ ہے اور یہ اسم ظرف ہے یا مصدر میمی ہے اور اس میں تنوین تعظیم کے لیے ہے، اور امام محمد بن سعد کی روایت میں ہے: آپ نے اپنی آستین اپنے چہرے پر رکھ کر تین بار فرمایا: تم نے پناہ دینے والے سے پناہ طلب کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیا حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا یا نہیں اور ان کو طلاق دینے کی توجیہ اور حضرت ابنۃ الجون کے دھوکا کھانے کا بیان

پھر آپ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: اے ابو اسید! اس کو دو سوتی کپڑے دے دو۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ سفید رنگ کے لمبے کپڑے ہیں اور دوسروں نے کہا: یہ سفید کپڑے تھے جس میں نیلی دھاریاں تھیں، علامہ ابن التین نے کہا: آپ نے ان کو یہ دو کپڑے بہ طور متاع (برتنے کے لیے) عطا فرمائے تھے۔ علامہ ابن بطال نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کے عنوان میں بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے، علامہ ابن المنیر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور یہ طلاق بائن ہے، پھر جب آپ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

ان کو ان کے گھر پہنچا دو اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ پہلی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے طلاق کا قصد کیا تھا اور دوسری حدیث میں مذکور ہے: آپ نے حقیقت لفظ کا ارادہ کیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کی طرف واپس کر دو کیونکہ حضرت ابو اسید ہی حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور امام محمد بن سعد نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے مجھے حکم دیا اور میں نے ان کو ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا۔ اور امام محمد بن سعد کی دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا اپنے گھر پہنچیں تو ان لوگوں نے چیخ کر کہا: تم نامبارک ہو، تم پر یہ مصیبت کیسے آئی؟ انہوں نے بتایا کہ مجھے دھوکا دیا گیا تھا، امام محمد بن سعد نے کہا: پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئیں۔ اور امام محمد بن سعد نے الکلبی کی روایت میں بیان کیا ہے کہ المہاجر بن ابی امیہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا (کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے نکاح کر لیا اور یہ ممنوع ہے) (تب حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھ پر پردہ نہیں ڈالا گیا اور نہ میرا نام ام المومنین رکھا گیا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ المہاجر بن ابی امیہ کو سزا دینے سے رک گئے۔

امام محمد بن سعد نے از عروہ بن زبیر روایت کی ہے کہ ولید بن عبد الملک نے عروہ کی طرف خط لکھ کر اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کندیہ سے نکاح نہیں کیا، سوا بنو الجون کی بہن کے، پس جب وہ مدینہ آئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور ان کو طلاق دے دی اور ان کے ساتھ شب زفاف نہیں گزاری۔ اس روایت میں جو طلاق دینے کا ذکر ہے اس سے مراد وہی طلاق بائن ہے جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ذکر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان اس طرح لکھا ہے: جس نے طلاق دی۔ کیا طلاق دیتے وقت بیوی کو بالمشافہ طلاق دے، اور حتمی طور پر یہ نہیں لکھا کہ اس نے بالمشافہ طلاق دی کیونکہ پہلی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے گھر چلی جاؤ، اور ان الفاظ سے طلاق بائن کا ارادہ فرمایا اور دوسری حدیث میں طلاق کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے نکاح نہیں کیا تھا کیونکہ کسی حدیث میں ان کے پاس عقد نکاح کی صورت کا ذکر نہیں ہے اور حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا نے اپنا نفس آپ کو ہبہ نہیں کیا تھا تو آپ ان کو کیسے طلاق دیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیں خواہ اس عورت نے آپ کو نکاح کی اجازت دی ہو اور نہ اس کے ولی نے نکاح کی اجازت دی ہو اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، پس صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابنۃ الجون کو بلانا اور ان کا آپ کے پاس حاضر ہونا اور آپ کا ان میں رغبت کرنا ان کے ساتھ آپ کے نکاح کے لیے کافی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابنۃ الجون سے فرمایا تھا کہ تم اپنا نفس ہبہ کر دو، آپ کا یہ ارشاد ان کی دل جوئی کے لیے تھا اور اس کی تائید امام محمد بن سعد کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آپ نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کے والد کے ساتھ مہر کی مقدار پر اتفاق کر لیا تھا اور ان کے والد نے آپ سے یہ کہا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۹۔۷ ۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ وحید الزمان کی بے ادبی کیونکہ انہوں نے صحابیہ رسول کو از خود کمبخت اور بدنصیب لکھا

شیخ وحید الزمان (غیر مقلد) متوفی ۱۳۲۸ھ نے صحیح بخاری کے ترجمہ میں لکھا ہے:

آپ نے فرمایا: اپنی جان مجھ کو بخش دے اس (کمبخت) نے زبان سے کیا نکالا کہیں بادشاہ زادیاں بھی جان بازاریوں کو بخشا کرتی ہیں..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، جب وہ اس کے پاس لائی گئیں تو آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو

اس کمبخت بدنصیب کو برا لگا۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۹۳، نعمانی کتب خانہ، لاہور)

۵۲۵۷، ۵۲۵۶۔ وَقَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ الْوَلِيدِ النَّيْسَابُورِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ وَأَبِي أُسَيْدٍ قَالَا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ أُمَيْمَةَ بِنْتَ شَرَاحِيلَ فَلَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَيْهِ بَسَطَ يَدَهُ إِلَيْهَا فَكَأَنَّهَا كَرِهَتْ ذٰلِكَ فَأَمَرَ أَبَا أُسَيْدٍ أَنْ يُجَهِّزَهَا وَيَكْسُوَهَا ثَوْبَيْنِ رَازِقِيَّيْنِ

(مسند احمد: ۱۶۰۶۱، صحیح مسلم: ۵۲۳۶)

اور الحسین بن الولید النیشاپوری نے کہا از عبدالرحمٰن از عباس بن سہل از والد خود اور از حضرت ابو اسید، ان دونوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، پس جب وہ آپ کے پاس داخل کی گئیں تو آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا، پس گویا کہ حضرت امیمہ کو یہ ناگوار گزرا، پھر آپ نے حضرت ابو اسید کو حکم دیا کہ وہ ان کو رخصت کریں اور ان کو دو سفید سوتی کپڑے دے دیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَمْزَةَ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ بِهٰذَا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ابراہیم بن وزیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حمزۃ از والد خود از عباس بن سہل بن سعد از والد خود اسی طرح۔

الحسین بن الولید النیشاپوری کے نام کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام ابونعیم نے المستخرج میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کی سند ہے: از ابو احمد القراء از الحسین۔ اور امام بخاری کی اس سے مراد یہ ہے کہ الحسین بن الولید اس حدیث کی روایت میں عبدالرحمٰن ابن الغسیل کے ساتھ شریک ہیں لیکن عبدالرحمٰن کے شیخ میں دونوں کا اختلاف ہے، پس ابونعیم نے کہا: ان کے شیخ کا نام حمزۃ ہے اور الحسین نے کہا: ان کے شیخ کا نام عباس بن سہل ہے، پھر انہوں نے اس کی تیسری سند از عبدالرحمٰن ذکر کی ہے، پس انہوں نے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن کی روایت دو سندوں کے ساتھ ہے اور امام بخاری کے پاس اس حدیث کی صرف یہی سند ہے اور امام احمد نے بھی اس سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے۔

قاضی عیاض نے صحیح مسلم کی کتاب الجہاد کی شرح میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے ''تاریخ کبیر'' میں لکھا ہے کہ الحسین بن الولید بن علی نیشاپوری القرشی دو سو تین (۲۰۳) ہجری میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری نے کسی باب میں الحسن بن الولید نہیں لکھا اور صحیح البخاری کی ''کتاب الطلاق'' میں ان کا نام الحسین بن الولید لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۲۵۸۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي غَلَّابٍ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ تَعْرِفُ ابْنَ عُمَرَ إِنَّ ابْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَأَتَى عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فَإِذَا طَهُرَتْ فَأَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا قُلْتُ فَهَلْ عَدَّ ذٰلِكَ طَلَاقًا قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، از قتادہ از ابی غلاب یونس بن جبیر، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حائض تھی، انہوں نے کہا: تم ابن عمر کو پہچانتے ہو؟ بے شک ابن عمر نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی تھی کہ وہ حائض تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس

وَاسْتَحْمَقَ۔

آئے، پس آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے ابن عمر کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا کہ جب وہ عورت اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر وہ اس کو طلاق دینا چاہیں تو اس کو طلاق دے دیں۔ یونس نے کہا: میں نے پوچھا: کیا انہوں نے اس کو طلاق شمار کیا تھا؟ اسی ﷺ تو حضرت ابن عمر نے کہا: یہ بتاؤ اگر ابن عمر (صحیح طریقہ کے مطابق طلاق دینے سے) عاجز ہو گیا اور اس نے (حالت حیض میں طلاق دے کر) حماقت کا ارتکاب کر لیا تو کیا طلاق واقع نہیں ہوگی؟ (ظاہر ہے طلاق واقع ہو جائے گی)۔

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کو درج کرنے کا مقام اس سے پہلے باب میں ہے جس میں حالت حیض میں طلاق دینے کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے اور بہ ظاہر اس باب میں اس حدیث کو درج کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے، البتہ اس میں یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اس باب کا یہ عنوان ہے کہ "مرد کا بیوی کو بالمشافہ طلاق دینا" اور چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں بالمشافہ طلاق دی تھی اس لیے امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کر دیا۔

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے اور یہ ابن یحییٰ بن دینار بصری ہیں اور اس کی سند میں ابو غلاب کا ذکر ہے اور یہ یونس بن جبیر کی کنیت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۱۔ ۳۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابُ: مَنْ أَجَازَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ — جس نے تین طلاق دینے کو جائز قرار دیا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ (البقرہ: ۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي مَرِيضٍ طَلَّقَ لَا أَرَى أَنْ تَرِثَ مَبْتُوتَتُهُ۔ (مسند الشافعی: ۱۴۰۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۱۹۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۲)

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر کسی بیمار شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو وہ اپنے خاوند کی وارث نہ ہوگی۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ تَرِثُهُ وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ تَزَوَّجُ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ مَاتَ الزَّوْجُ الْآخَرُ فَرَجَعَ عَنْ ذَلِكَ۔ (سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۳)

اور الشعبی نے کہا: وہ وارث ہوگی، (کوفہ کے قاضی) ابن شبرمہ نے کہا: کیا وہ عورت عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، شعبی نے کہا: ہاں! ابن شبرمہ نے پھر سوال کیا: اگر اس کا دوسرا خاوند بھی مر جائے (تو کیا وہ عورت دونوں کی وارث ہوگی؟) اس پر

شعبی نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا۔

لفظ واحد سے تین طلاقیں دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں تو یہ بھی جائز ہے، امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ متقدمین میں سے بعض علماء تین طلاقوں کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے تھے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، سوطاؤس، محمد بن اسحاق، الحجاج بن ارطاۃ، ابراہیم نخعی، ابن مقاتل اور ظاہریہ (غیر مقلدین) کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور انہوں نے اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: طاؤس نے کہا کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۰، سنن نسائی: ۳۴۰۳)

لفظ واحد سے تین طلاقیں دینے کے متعلق جمہور فقہاء کا مذہب

جمہور فقہاء، تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء جن میں الاوزاعی، النخعی، الثوری، امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک اور ان کے اصحاب اور امام شافعی اور ان کے اصحاب اور امام احمد اور ان کے اصحاب اور اسحاق اور ابوثور اور امام ابوعبید اور دوسرے بہت سے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی لیکن وہ مرد تین طلاقیں اکٹھی دینے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور فقہاء نے کہا ہے: جن لوگوں نے جمہور کے اس مذہب کی مخالفت کی ہے ان کا مذہب شاذ ہے اور اہلسنت و جماعت کے مخالف ہے اور یہ اہل بدعت کا قول ہے اور شاذ ہونے کی وجہ سے اس کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے کتاب اور سنت میں تحریف کی ہے۔

لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقوں کے نفوذ کے متعلق جمہور فقہاء کے دلائل اور غیر مقلدین کے شبہات کا رد

اور امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے غیر مقلدین کی اس دلیل مذکور کے جواب میں کہا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت منسوخ ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو انہوں نے کہا: اے لوگو! تمہارے لیے طلاق دینے میں تاخیر تھی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تاخیر میں جلدی کی تو ہم اس پر اس طلاق کو لازم کردیں گے۔ امام طحاوی نے اس کی سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے سامنے یہ خطاب کیا جو اچھی طرح جانتے تھے کہ اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں طلاق دینے کا کیا طریقہ تھا اور جمہور صحابہ میں سے کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خطاب سے اختلاف نہیں کیا اور نہ ان کے قول کو مسترد کیا اور یہ طاؤس کی روایت کے منسوخ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی امور تھے اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے ان کے خلاف پر اتفاق کیا اور ان کا اتفاق پہلے زمانہ کے حکم کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے کی حد معین نہیں تھی اور بعد کے صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ شراب پینے کی حد اسی کوڑے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے پر درخت کی چند شاخیں ماری جاتی تھیں یا چند جوتے مارے جاتے تھے اور جب حضرت عمر نے اس کی حد کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرابی نشہ میں آ کر لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت کی حد اسی کوڑے ہیں، لہٰذا اگر آزاد مرد شراب پیئے تو اس کو اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر غلام شراب پیئے تو اس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے اور اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اس اجماع سے عہد رسالت کا وہ حکم منسوخ ہو گیا جس کے مطابق شرابی کو غیر معین ڈنڈے مارے جاتے تھے یا جوتے مارے جاتے تھے۔ اسی طرح عہد رسالت میں احکام شرعیہ کو مدون نہیں کیا گیا تھا اور بعد میں احکام شرعیہ کی تدوین کی گئی، اسی طرح ام ولد کی بیع کو بعد میں ممنوع قرار دیا گیا حالانکہ عہد رسالت میں ام ولد کی بیع کی جاتی تھی۔

اور چونکہ ان مسائل پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور اجماع صحابہ نصوص کی طرح علم یقین کا موجب ہے اور اجماع کا حجت ہونا حدیث مشہور سے زیادہ قوی ہے، پس جب حدیث مشہور کی وجہ سے نص قرآن پر اضافہ کرنا جائز ہے تو اجماع صحابہ سے طاؤس کی روایت کو منسوخ کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

علاوہ ازیں امام طحاوی نے ایسی احادیث پیش کی ہیں جو طاؤس کی حضرت ابن عباس سے روایت کے منسوخ ہونے پر شاہد ہیں، ان میں سے بعض روایات یہ ہیں:

الاعمش از مالک بن الحارث روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک تمہارے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے لیے کوئی مخرج (راستہ) نہیں بتایا، پس میں نے پوچھا کہ جو شخص تین طلاقوں کو حلال قرار دے آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے کہا: جو شخص اللہ تعالیٰ کو فریب دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے فریب کی سزا دے گا۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۲۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حق کے قریب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک حکم کا علم تھا، پھر بعد میں ان کو یہ علم ہوا کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حکم کی روایت کریں، پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا اس بیوی کے ساتھ متعلق ہو جو غیر مدخولہ ہو۔

زیر بحث مسئلہ پر امام ابوبکر جصاص کے دلائل

امام ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث منکر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ۔ (البقرۃ: ۲۲۹) دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

یہ آیت عام ہے اور یہ اکٹھی تین طلاقیں دینے کو بھی شامل ہے، امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ ابو رزین سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، سو اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! قرآن مجید کی البقرۃ: ۲۲۹، میں دو طلاقوں کا ذکر ہے (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) تو تیسری طلاق کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ تیسری طلاق ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ حدیث مرسل ہے، اور امام ابن مردویہ نے سند متصل کے ساتھ قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آ کر پوچھا: اللہ تعالیٰ نے دو بار طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) سو تیسری طلاق کہاں ہے؟ تو آپ نے

فرمایا: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح مسلم: ۱۴۷۲ کے شاذ اور غیر صحیح ہونے کے مزید دلائل

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ واضح تصریح ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اور بغیر شرعی حلالہ کے عورت کے سابق خاوند کا اس سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ البقرہ: ۲۲۹ میں یہ تصریح ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اپنے خاوند پر حلال نہیں ہے تاوقتیکہ وہ عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے، پھر دوسرا شوہر اس کو طلاق دے اور اس طلاق کی عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے اور تین طلاقوں کا یہ حکم عام ہے خواہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے دی جائیں یا لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں کیونکہ قرآن مجید نے مطلقاً تین طلاقوں کا حکم بیان کیا ہے اور اس کو کسی ایسے لفظ سے مقید نہیں کیا کہ وہ تین طلاقیں الگ الگ دی جائیں یا اکٹھی دی جائیں۔

غیر مقلدین صحیح مسلم: ۱۴۷۲ سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ روایت شاذ، معلل اور غیر صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دس شاگرد تھے اور ان میں سے صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کی ہے اور ان کے کسی اور شاگرد نے ان کی موافقت نہیں کی، جب کہ خود طاؤس کی روایت بھی اس حدیث کے خلاف ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے اس کو مفصل با حوالہ بیان کر چکے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي مَرِيضٍ طَلَّقَ لَا أَرَى أَنْ تَرِثَ مَبْتُوتَتُهُ۔ (مسند الشافعی: ۱۴۰۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۲۱۹۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۲)

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر کسی بیمار شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو وہ اپنے خاوند کی وارث نہ ہو گی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ طلاق البتہ سے مراد طلاق بائن ہے یا تین طلاقیں ہیں؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عبد اللہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس مریض نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو میری رائے یہ ہے کہ وہ عورت اپنے خاوند کے ترکہ کی وارث نہیں ہو گی۔

حضرت ابن الزبیر نے مبتوتہ کا لفظ کہا ہے اور اس کا معنی ہے: طلاق البتہ، اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

پس علامہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایک طلاق ہے اور اگر اس نے تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو یہ تین طلاقیں ہیں اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا کہ طلاق البتہ تین طلاقیں ہیں اور یہ حضرت علی، حضرت ابن عمر اور ابن المسیب، عروہ، زہری اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے اور یہی امام مالک، اوزاعی اور امام ابو عبید کا مذہب ہے۔ اور اس تعلیق کی امام ابو عبید القاسم نے اپنی سند کے ساتھ از ابن ابی ملیکہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ اگر کوئی بیمار مرد اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دے تو اس کا کیا حکم ہے تو انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے الاصبغ کی بیٹی الکلبیہ کو طلاق البتہ دی، پھر ان کی وفات ہو گئی اور وہ اپنی عدت میں تھیں تو ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن کا وارث قرار دیا، تب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ وارث نہیں ہوتی۔

شعبی کا اپنے قول پر آثار صحابہ سے استدلال

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ تَرِثُهُ۔

اور الشعبی نے کہا: وہ عورت وارث ہوگی۔

علامہ عینی اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی عامر بن شراحیل الشعبی نے کہا کہ اس صورت میں جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو وہ وارث ہوگی۔ اور اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ از ابراہیم اور الشعبی روایت کیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیماری میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان دونوں نے کہا کہ وہ عورت اپنے شوہر کی عدت وفات گزارے گی اور جب تک وہ عدت میں ہو تو وہ اپنے شوہر کے ترکہ کی وارث ہوگی۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اپنی بیماری میں تین طلاقیں دے دیں تو جب تک وہ اپنی عدت میں ہو تو وہ اس کی وارث ہوگی اور مرد اس کا وارث نہیں ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریب الموت تھے اور انہوں نے اپنی بیوی ام البنین کو طلاق دے دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کو حضرت عثمان کا وارث قرار دیا اور ابراہیم نے کہا کہ جب تک وہ عورت عدت میں ہو تو وہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی اور طاؤس اور عروہ بن الزبیر اور ابن سیرین اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ سب کہتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بھاگے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، اور عکرمہ نے کہا: اگر اس کی عدت پوری ہونے میں صرف ایک دن رہتا ہو اور اس کا شوہر مرجائے تو وہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی اور پھر وہ دوبارہ از سر نو اپنے شوہر کی عدت وفات گزارے گی۔

وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ تَزَوَّجُ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ مَاتَ الزَّوْجُ الْآخَرُ فَرَجَعَ عَنْ ذَلِكَ۔

(سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۳)

(کوفہ کے قاضی) ابن شبرمہ نے کہا: کیا وہ عورت عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، شعبی نے کہا: ہاں! ابن شبرمہ نے پھر سوال کیا: اگر اس کا دوسرا خاوند بھی مرجائے (تو کیا وہ عورت دونوں کی وارث ہوگی؟) اس پر شعبی نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔

ابن شبرمہ کے اعتراض کے بعد شعبی کا رجوع کرنا

علامہ عینی اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی عبداللہ بن شبرمہ الضبی قاضی الکوفہ تابعی نے الشعبی سے کہا: کیا یہ عورت عدت کے بعد شادی کر سکتی ہے اور پہلے شوہر کی وفات سے پہلے شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ شعبی نے کہا: ہاں وہ شادی کر سکتی ہے، پھر ابن شبرمہ نے شعبی سے کہا: یہ بتائیے کہ اگر دوسرا شوہر جب مرجائے تو آیا یہ اس کی بھی وارث ہوگی؟ اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ دو شوہروں سے حالت واحدہ میں وارث ہو، تب شعبی نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا کہ وہ پہلے شوہر کی اسی وقت وارث ہوگی جب وہ عدت میں ہو اور امام بخاری نے شبرمہ اور شعبی کے اس مذاکرہ کی روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۳۔۳۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ لَهُ يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی انصاری کے پاس

امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلَ عَاصِمٌ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ جَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمٌ لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا قَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ وَسَطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ

(صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداود: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹، مسند احمد: ۲۲۸۵۱)

آئے تو ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے، پس تم اس کو قتل کر دو گے یا وہ کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کو دریافت کرو، سو حضرت عاصم نے اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی حتیٰ کہ حضرت عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا تھا وہ اس پر سخت رنجیدہ ہوئے، پھر جب حضرت عاصم اپنے گھر پہنچے تو ان کے پاس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ حضرت عاصم نے کہا: میں آپ کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے جب مسئلہ کو دریافت کیا تھا تو وہ آپ کو ناگوار گزرا، حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کا حل دریافت کروں، پھر حضرت عویمر گئے حتیٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگوں کے درمیان میں پہنچے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے پاس دوسرے مرد کو پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا، پس تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے کر آؤ۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ان دونوں نے لعان کیا اور میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، پس جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر اب میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں اس پر بہتان باندھنے والا ہوں گا، پھر حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب نے کہا: سو یہ ایک دوسرے پر لعان (لعنت) کرنے کا طریقہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۳ میں گزر چکی ہے۔

لعان کا سبب اور لعان کی کیفیت

شیخ محمد بن صالح العثیمین حنبلی متوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لعان کی صورت یہ ہے کہ العیاذ باللہ! ایک مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اب اس پر کیا حکم واجب ہوگا؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ مرد سے کہا جائے گا: یا تو تم اس پر گواہ قائم کرو کہ تمہاری بیوی نے زنا کیا ہے یا عورت زنا کا اعتراف کرلے ورنہ وہ ایک دوسرے پر لعان کریں گے اور گواہ چار ہونے چاہئیں اور چار گواہ یہ گواہی دیں کہ انہوں نے اس عورت کی فرج میں مرد کے آلہ کو دیکھا ہے اور یہ کافی نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ ہم نے مرد کو اس عورت پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے یا یہ کہیں کہ ہم نے بہت برا منظر دیکھا ہے۔

اور لعان کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں قاضی کے سامنے پیش ہوں اور مرد یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میری اس بیوی نے زنا کیا ہے اور یہ بات وہ چار مرتبہ کہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، پھر اگر اس کے بعد عورت خاموش رہے تو اس کے اوپر حد قائم ہوگی اور جب عورت لعان کرے تو وہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے اور مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر یہ مرد سچوں میں سے ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اور غضب لعنت سے زیادہ شدید ہے۔

تین طلاقوں کے ناپسندیدہ ہونے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا تین طلاقیں دینا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو صرف اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ انسان اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دینے والوں پر ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تاخیر کے ساتھ تین طلاقیں دینے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے تین طلاقیں دینے میں جلدی کر دی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱، مکتبۃ الطبری للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی طرف سے امام بخاری پر اس اعتراض کا جواب کہ امام بخاری نے تین طلاقیں دینے کو جائز کہا ہے حالانکہ یہ گناہ ہے

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں لکھا ہے کہ ''جس نے تین طلاق دینے کو جائز قرار دیا''، اس عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینا کوئی اچھی بات ہے کیونکہ سنن ابوداؤد کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق دینا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۷۸) لہٰذا فی نفسہ ایک طلاق دینا بھی ناپسندیدہ ہے اور سوائے ناگزیر صورت کے طلاق دینے کی اجازت نہیں ہے، پھر طلاق دینے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو اس طہر میں ایک طلاق دے اور پھر ٹھہر جائے اور یہ قید اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ اگر اس کی عورت حائضہ ہو یا وہ اس طہر میں اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو تو پھر وہ طلاق دینے کے لیے دوسرے طہر کا انتظار کرے اور اس مدت میں اسے غور وفکر اور سوچ وبچار کا موقع ملے گا اور اگر شوہر کسی بات پر بیوی سے ناراض ہوا ہو تو بیوی کو معذرت کرنے اور معافی مانگنے کا وقت ملے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس وقفہ میں دونوں کے درمیان ہم آہنگی اور صلح ہو جائے اور طلاق کی نوبت نہ آئے، اور اگر اس مدت میں بھی شوہر اپنے موقف پر قائم رہے تو دوسرے طہر میں شوہر اس کو صرف ایک طلاق دے اور طلاق دینے کے بعد ایک حیض گزر جائے تو پھر اس کو دوسری طلاق دے اور اتنے عرصہ میں ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان کے درمیان صلح ہو جائے اور تیسری طلاق

دینے کی نوبت نہ آئے اور اگر عورت نے کوئی ایسی شدید نافرمانی کی ہو جس کو ٹالنا ناگزیر ہو تو پھر شوہر اس کو تیسری بار طلاق دے دے پھر جب تیسری طلاق کے بعد ایک حیض گزر جائے تو اب تیسری طلاق مکمل ہوگئی اور اب وہ عورت اس مرد پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے بغیر کسی پیشگی شرط کے اس کو طلاق دے دے، پھر وہ اس کی عدت گزارنے کے بعد دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے، سو اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کی یہ حدود قائم کی ہیں اور یہ طریقہ مقرر کیا ہے اور جس مرد نے اپنی بیوی کو لفظ واحد کے ساتھ ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس کی دی ہوئی تین طلاقیں فوراً نافذ ہو جائیں گی اور وہ عورت اس پر فوراً حرام ہو جائے گی لیکن مرد کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز ہے اور سخت گناہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب بیوی کی بدچلنی یا اس کے زنا کا ثبوت نہ ہو یا اور کسی دنیاوی معاملہ میں شوہر اور بیوی کے درمیان ناراضگی ہو لیکن اگر بیوی بدچلن ہو اور زانیہ ہو اور وہ اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے اور شوہر کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو پھر ایسی صورت میں بہ یک وقت تین طلاقوں کا دینا جائز ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اسی مجلس لعان میں تین طلاقیں دے دیں اور سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا (سنن ابو داؤد: ۲۲۵۰) لہٰذا حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہیں تھا اور نہ ہی گناہ تھا اور ایسی ناگزیر صورت میں مجلس واحد میں تین طلاقیں دینا جائز ہے، لہٰذا امام بخاری پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز ہے اور گناہ ہے تو پھر امام بخاری نے تین طلاقیں دینے کو کیوں جائز قرار دیا کیونکہ امام بخاری نے مطلقاً تین طلاقیں دینے کو جائز نہیں قرار دیا بلکہ ایسی صورت میں تین طلاقیں دینے کو جائز قرار دیا ہے جیسی صورت حال حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو پیش آئی تھی۔

اس حدیث کی شراح سابقین میں سے کسی نے شرح نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس حدیث کی ایسی جامع اور کامل شرح کرنے میں، میں منفرد ہوں اور یہ انفراد میرا کمال نہیں ہے میرے مولا کا احسان ہے۔

۵۲۶۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَيْرِ الْقُرَظِيَّ وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۳۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک رفاعہ نے مجھے قطعی طلاق دے دی ہے (یعنی تین طلاقیں) اور بے شک میں نے ان کے بعد حضرت عبدالرحمن بن الزبیر القرظی رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کے مثل ہے (یعنی وہ نامرد ہیں)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو؟ نہیں، حتیٰ کہ وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لیں اور تم ان کا تھوڑا سا شہد چکھ لو۔

۵۲۶۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ قَالَ لَا حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے القاسم بن محمد نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پس اس نے (دوسرا) نکاح کرلیا، پھر اس نے اس کو بھی طلاق دے دی تو نبی ﷺ سے سوال کیا گیا، کیا یہ اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! حتیٰ کہ وہ اس کا اس طرح تھوڑا سا شہد چکھ لے جس طرح پہلے خاوند نے اس کا تھوڑا سا شہد چکھا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۳۹ میں گزر چکی ہے۔

لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام ائمہ فتویٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ واحد سے جب تین طلاقیں دی جائیں وہ لازماً واقع ہو جاتی ہیں، ان کے نزدیک اس طرح طلاق دینا خلاف سنت ہے اور یہی جمہور سلف کا مذہب ہے اور اس کے خلاف جن کا قول ہے وہ شاذ ہے اور یہ اہل بدعت کا قول ہے جن کی طرف فقہاء کی جماعت نے التفات نہیں کیا کیونکہ یہ قول کتاب اور سنت کی تحریف پر مبنی ہے اور یہ قول الحجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق سے منقول ہے۔

تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے پر غیر مقلدین کے دلائل

امام ابو یوسف القاضی نے کہا: الحجاج بن ارطاۃ یہ کہتا تھا کہ تین طلاقیں کچھ نہیں ہیں اور ابن اسحاق یہ کہتا تھا کہ تین طلاقوں کا حکم ایک طلاق ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

از ابن اسحاق از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے ان کو کیسے طلاق دی تھی؟ تو انہوں نے کہا: میں نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا: "یہ (تین طلاقیں) ایک طلاق ہے، سو تم چاہو تو اپنی بیوی سے رجوع کرلو، سو انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا"۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

امام ابوداؤد نے حدیث: ۲۱۹۷ کے بعد تعلیق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب کسی شخص نے لفظ واحد سے اپنے منہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک طلاق ہے۔ (جامع الاصول ۱۱: ۵۷۴۱، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۳۲ھ)

اور ابن جریج نے از ابن طاؤس از والد خود (یعنی طاؤس) روایت کی ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں تین طلاقوں کو ایک طلاق کی طرف لوٹایا جاتا تھا تو انہوں نے کہا: ہاں! (صحیح مسلم: الرقم المسلسل: ۳۵۶۴)

تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے پر غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں منکر ہیں، ان حدیثوں کی ان سے زیادہ قوی راویوں نے مخالفت کی ہے:

سعید بن جبیر، مجاہد، مالک بن الحارث، محمد بن ایاس البکیر اور نعمان بن ابی عیاش یہ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہوگئی اور وہ اب اس سے صرف اس وقت نکاح کر سکتا ہے جب کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے، یہ حدیث حضرت عمر، حضرت مولا علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے اور امام طحاوی نے ان تمام احادیث کی ان کی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں یا کہا: ایک سو طلاقیں دی ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تمہاری بیوی تین طلاقوں کے سبب سے تم سے بائنہ ہوگئی ہے اور باقی طلاقیں دے کر تم نے اللہ تعالیٰ سے مذاق کیا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۷۹۸)

اور ائمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے وہ جماعت کے موافق ہے اور وہ طاؤس کی روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ کی مخالفت کر کے اپنی ذاتی رائے کے مطابق روایت کرنے والے نہ تھے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

از معمر از ابن طاؤس از طاؤس روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اس مرد کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جواب دیتے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۴۶)

طاؤس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ابن جریج کی از ابن طاؤس از طاؤس روایت کے خلاف ہے کیونکہ جس شخص کے لیے تین طلاقوں کی مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو تو اس کی دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، لہٰذا ابن جریج کی روایت ساقط ہوگئی اور نیز ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو تین طلاقوں کے متعلق سوال کیا تھا اس کا جواب حضرت ابن عباس کے دیگر شاگردوں کی روایت کے خلاف ہے، پس لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے نفوذ اور وقوع پر اجماع ہوگیا اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے جو یہ روایت کی ہے کہ تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے یہ روایت منکر اور خطا ہے۔

حضرت رکانہ کی حدیث سے غیر مقلدین کے استدلال کا جواب

اور رہا یہ کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور وہ تین طلاقیں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے جو حضرت رکانہ سے روایت کی ہے اس میں تین طلاقوں کا ذکر نہیں ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ از نافع بن عجیر از عبداللہ بن یزید بن رکانہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، سو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس طلاق البتہ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا، پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔ (سنن ابوداؤد:۲۲۰۶)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابوداؤد نے کہا: حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی طلاق البتہ کے متعلق جو احادیث روایت کی گئی ہیں یہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔ (یہ تعلیق سنن ابوداؤد:۲۲۰۸ کے بعد مذکور ہے)

لفظ واحد سے مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع اور نفوذ کے متعلق جمہور فقہاء کے دلائل

لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع کے متعلق جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اگر یہ ممنوع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اس سے منع فرما دیتے اور آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام اور معصیت ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اس پر برقرار نہ رکھتے۔

(صحیح البخاری:۵۲۵۹، صحیح مسلم:۱۴۹۲، سنن نسائی:۳۴۰۲، سنن ابوداؤد:۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ:۲۰۶۶، موطا امام مالک:۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹، مسند احمد:۲۲۸۵۱)

نیز حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد:۲۲۵۰)

حضرت رفاعہ کی حدیث مذکورہ کی باب مذکورہ کے ساتھ مناسبت

رہا حضرت رفاعہ کی حدیث کا اس باب کے ساتھ تعلق، سو وہ یہ ہے کہ حضرت رفاعہ کی بیوی نے یہ کہا کہ حضرت رفاعہ نے مجھے قطعی طلاق دے دی ہے تو امام بخاری نے اس طلاق کو اس پر محمول کیا کہ حضرت رفاعہ نے ایک لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو قطعی طلاق دے دی، پھر ان کی بیوی نے ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، سو ان کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، پس کہا: یا رسول اللہ! پہلے وہ رفاعہ کے نکاح میں تھیں تو حضرت رفاعہ نے ان کو آخری تین طلاقیں دے دیں، (اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت رفاعہ کی قطعی طلاق سے مراد تین طلاقیں تھیں) پھر ان کی بیوی نے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، اور بے شک اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! ان کے پاس تو (ان کا آلہ) صرف کپڑے کے اس پلو کی طرح تھا، انہوں نے اپنی چادر سے کپڑے کا پلو بنا کر دکھایا۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سعید بن عاص کے بیٹے حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص جواب کے منتظر بیٹھے تھے تو حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو ندا کرتے ہوئے کہا: اے ابوبکر! آپ اس عورت کو اس پر کیوں نہیں ڈانٹتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایسی بے شرمی کی باتیں کر رہی ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر صرف مسکرائے، پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا: شاید کہ تم رفاعہ کی طرف لوٹ کر جانا چاہتی ہو؟ نہیں! حتیٰ کہ تم عبدالرحمٰن بن الزبیر کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لیں۔

(صحیح البخاری:۶۰۸۴، ۲۶۳۹، صحیح مسلم:۱۴۳۳، سنن ترمذی:۱۱۱۸، سنن نسائی:۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ:۱۹۳۲، مسند احمد:۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۲۴-۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے مسئلہ میں غیر مقلدین کے موقف کو بار بار رد کرنے کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس مبحث میں لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق بار بار دلائل پیش کیے گئے ہیں اور غیر مقلدین کا رد کیا گیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا بہ کثرت ہوتا ہے کہ کوئی حنفی اور سنی مسلمان جوش غضب میں اپنی بیوی کو لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر جب شوہر کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور حالات معمول پر آ جاتے ہیں تو پھر میاں بیوی دونوں پشیمان ہوتے ہیں، پھر وہ اہل سنت و جماعت کے مفتی حضرات کے پاس دوڑ کر جاتے ہیں اور سنی اور حنفی مفتی انہیں بتاتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر تمہارے لیے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے، پھر انہیں کوئی بتانے والا بتاتا ہے کہ غیر مقلد مفتیوں کے پاس تمہاری مشکل کا حل ہے اور وہ انہیں یہ فتویٰ لکھ کر دیتے ہیں کہ لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے اور اس کے ثبوت میں وہ صحیح مسلم کے حوالہ سے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اور سنن ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت رکانہ کی حدیث لکھ کر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہے اور چونکہ عوام اہل سنت اپنے دلائل سے ناواقف اور ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے وہ غیر مقلد مفتیوں کے فتاویٰ سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اس لیے طلاق مغلظہ دینے کے باوجود مطلقہ بیوی کو شرعی حلالہ کے بغیر اپنے گھر میں آباد کر لیتے ہیں اور ساری عمر زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور علماء اہل سنت سے بدگمان ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ

اندریں حالات ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم اس مبحث کو تفصیل سے لکھیں اور غیر مقلدین کے رد اور اہل سنت و جماعت کے دلائل کو بار بار پیش کریں تاکہ قارئین کے ذہنوں میں یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور ان دلائل کو بار بار ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ہر اہم بات کو بار بار ذکر کرنا چاہیے تاکہ وہ اچھی طرح مؤکد ہو جائے۔

دیکھیے نماز پڑھنے کا حکم بہت مؤکد ہے اور قرآن مجید میں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کی آیت چھیاسٹھ (٦٦) مرتبہ مذکور ہے۔
(المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ٥٢٤)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی بہت اہم اور ضروری ہے، سو قرآن مجید میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿﴾
(الرحمٰن: ١٣) اکتیس (٣١) مرتبہ مذکور ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ٧٦٢)

اسی طرح عقیدۂ توحید بھی نہایت اہم اور بہت ضروری ہے، اس لیے قرآن مجید میں پچیس (٢٥) مرتبہ ان آیات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا ذکر ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ٩١٣)

اسی طرح شرک کی نفی بھی بہت اہم اور ضروری ہے، سو "ولا اشرك به" کو قرآن مجید میں پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا، اور وانتی بری مما تشرکون ﴿﴾ کو سات (٧) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ٣٨١)

اور فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿﴾ (الاعراف: ١٩٠) اس مضمون کی آیتوں کو بیس (٢٠) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔
(المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ٣٨٢)

اس طرح اطاعت رسول کا حکم بھی بہت ضروری ہے، سو قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ (آل عمران: ٣٢) اس مضمون کی آیتوں کو قرآن مجید میں انیس مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ٥٣٥)

ان شواہد سے واضح ہو گیا کہ جو حکم بہت اہم اور ضروری ہو اس کو بار بار ذکر کرنا چاہیے اور موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین ناواقف

سنی مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مطلقہ مغلظہ کو گھر میں رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں کوئی مسلمان مرد ساری عمر زنا کاری میں مبتلا رہتا ہے اور یہ غیر مقلدین نام نہاد مفتی دراصل اس حدیث کے مصداق ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں میں سے علم کو نہیں نکالے گا لیکن علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھا لے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، سو ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، سو وہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے''۔ (صحیح مسلم: ۱۰۰، صحیح مسلم: ۲۶۷۳، سنن ترمذی: ۲۶۵۲، سنن ابن ماجہ: ۵۲، مسند احمد: ۶۴۷۵، سنن دارمی: ۲۳۹)

سو اس صورت حال کے پیش نظر ہم نے غیر مقلدین کے رد کو بار بار پیش کیا اور اس مسئلہ میں اہل سنت و جماعت کے موقف کو مزید مؤکد کیا۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو مشکور فرمائے اور اس کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین، یا رب العالمین، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

متفرق طور پر یا مجموعی طور پر تین طلاقیں دینے اور حلالہ کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فتاویٰ جات

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز فاضل بریلوی اس مسئلہ کے تحت لکھتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے دروازے پر جا کر باآواز بلند اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ میں نے فلانے کی بیٹی فلانہ کو طلاق دی۔ اب شوہر کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ ایک دفعہ محض خوف دلانے کے لیے غصے کی حالت میں کہا تھا اور گھر میں زوجہ کے دو بھائی اور والدہ اور نانی اور دروازہ پر ایک ملازم کا بیان ہے کہ ہم نے طلاق دی، دی، دی، کا لفظ تین دفعہ سنا اور دروازے کے باہر دو شخصوں نے بھی اسی آواز کو سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دی کا لفظ ایک دفعہ سنا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں تین طلاقیں ہوئیں یا ایک طلاق رجعی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے دو بھائی اور ملازم ان تینوں شخصوں میں اگر دو ثقہ، عادل قابل قبول شرع ہیں تو تین طلاقیں ہوگئیں، عورت بے حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی بشرطیکہ بھائیوں نے اسے آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کے قول مذکور کو کان سے سنا اور اگر وہ گھر ہی میں رہے اور یہ باہر ہی رہا تو محض شناخت آواز پر شہادت نہیں، ایک طلاق سے زائد ثابت نہ ہوگی، پھر اگر واقع میں تین بار، دی کا لفظ کہا تو اس پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے اور بے حلالہ ہاتھ نہ لگائے، اگر خلاف کرے گا مبتلائے زنا ہوگا اور مستحق عذاب شدید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۳۳۳-۳۳۲، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو منکوحہ ہیں ہندہ، زینب۔ ہندہ نے چاہا کہ زینب کو طلاق ہو جائے، زید کو اہل دہ نے بہت ڈرایا، دھمکایا مگر زید نے ہرگز نہ مانا اور زینب کو طلاق نہ دی، اہل دیہات کے کہنے سے گاؤں کے ہندو پٹواری نے اس سے کہا: تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اپنی عورت زینب کو طلاق دے دو اور زید سے کہا: کہو کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی، زید نے پٹواری سے خوف زدہ ہو کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تین مرتبہ اس کلمہ کا اعادہ کیا اور کرایا مگر اس لفظ طلاق سے یہ ثابت نہ ہوا کہ کون سی بی بی کو زید سے اس ہندو پٹواری نے طلاق دلوائی، بعد تھوڑی دیر کے جب کہ جلسہ منتشر ہو گیا پٹواری نے زید سے دریافت کیا: تم نے اپنی کون سی بی بی کو طلاق دی، زید نے کسی کا کچھ نام بھی نہیں لیا اور کسی عورت کی طرف اشارہ نہ کیا، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور زید شوہر اور زینب زوجہ کو باہم کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: جب کہ زید نے تین بار جدا جدا اپنی زبان سے یہ لفظ کہے کہ ''میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی'' اگرچہ ڈرانے دھمکانے

جبر واکراہ سے، اگرچہ وہ کہلوانے والا ہندو یا کوئی تھا اس پر تین عدد طلاق ضرور لازم آئی اگر اس کی مراد زینب تھی تو زینب پر تین طلاق ہو گئیں اور اگر ہندہ مراد تھی تو ہندہ کو تین طلاقیں ہو گئیں، اور اگر دھمکانے سے وہ الفاظ زبان سے ادا کر دیئے اور نیت نہ زینب کی تھی نہ ہندہ کی تو اب اس کے اختیار میں ہے جس کی طرف چاہے ڈال دے اگر زینب کو کہے گا تو اس پر تین طلاق ہو جائیں گی اور اگر ہندہ کو کہے گا تو اس پر۔

اور جب کہ وہ خالی الذہن تھا کسی لفظ سے کسی عورت کی نیت نہ تھی مگر یہ الفاظ خالی نہیں جاتے مگر شرع میں انہیں تعیین کا اختیار دیتے ہیں تو ظاہر اس پر لازم نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ہی عورت پر ڈالے بلکہ ایک پر ایک اور ایک پر دو ڈال سکتا ہے اور دونوں پر طلاق رجعی ہونی چاہیے، پھر اگر وہ دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو عدت کے اندر رجعت کر لے، دونوں بدستور اس کی بی بی رہیں گی، ہاں! آئندہ کبھی اگر دو والی کو ایک یا ایک والی کو دو طلاقیں دے گا تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اور پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہ کر سکے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۳۴۔۴۳۳، ملخصاً، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کر لیا اور دو سال گزارنے کے بعد پھر ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کر لیا، تین سال گھر رکھنے کے بعد پھر ایک طلاق دی، اب زید مذکورہ بیوی کو نئے شخص سے نکاح اور حلالہ کے بغیر نکاح میں دوبارہ لا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دوسرے شخص سے نکاح اور پھر جماع کے بعد طلاق ہو یا دوسرا شخص فوت ہو جائے اور اس کی عدت پوری ہو جانے کے بغیر زید کا مذکورہ بیوی سے نکاح حرام ہے۔ یہ حرمت نص قرآن اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو طلاقیں دی ہیں تو بیوی کو بھلائی کرتے ہوئے روک لے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے (الی قولہ) پھر اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ بیوی اس کے بعد حلال نہ ہو گی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے، پس اگر اس نے طلاق دے دی تو دونوں پر رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۰۔۲۲۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورت! تو پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو گی حتیٰ کہ تو دوسرے خاوند کا اور وہ تیرا تھوڑا سا شہد نہ چکھ لے۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۹۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۰۶۔۴۰۵، ملخصاً، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: حلالہ کا اسلام میں کیا ثبوت ہے اور اس پر کیا دلائل ہیں؟

الجواب: شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی ہوں ایک دفعہ میں خواہ برسوں میں، پھر کبھی ایک دی اور رجعت کر لی، پھر دوسری دی اور رجعت کر لی، اب تیسری دی، دونوں صورتوں میں عورت اس پر بغیر حلالہ حرام ہے۔ حلالہ کے یہ معنی ہیں کہ اس طلاق کے بعد عورت اگر حیض والی ہے تو اسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں اور اگر حیض والی نہیں مثلاً نو برس سے کم عمر کی لڑکی ہے یا پچپن برس سے زائد عمر کی لڑکی ہے تو اس طلاق کے بعد تین مہینے کامل گزر جائیں، یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو لے اس وقت اس طلاق کی عدت سے نکلے گی، اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بروجہ صحیح کرے یعنی وہ شوہر ثانی اس کا کفوء ہو کہ مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ کسی میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لیے باعث بدنامی ہو یا اگر ایسا کم ہے تو عورت کا ولی نکاح ہونے سے پہلے اس کو یہ جان کر کہ یہ کفوء نہیں ہے اس کے ساتھ نکاح کی بالتصریح اجازت دے دے، یا یہ ہو کہ عورت بالغہ کا کوئی ولی ہی نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کر لے اور ولی نے اسے غیر کفوء جان کر نکاح سے پہلے صریح اجازت نہ دی ہو تو نکاح ہی نہ ہو گا۔ یونہی لڑکی اگر نابالغہ ہے اور اس کا نہ باپ ہے نہ دادا، بھائی، چچا وغیرہ ولی ہیں

لوگوں نے کسی غیر کفوء سے اس کا نکاح کر دیا جب بھی نکاح نہ ہوگا، غرض جب شوہر ثانی سے نکاح صحیح طور پر واقع ہوا اور وہ اس سے ہمبستری بھی کرلے اور اس کے بعد وہ طلاق دے اور طلاق کی عدت اسی طرح گزرے کہ تین حیض ہوں اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے اور حمل رہ جائے تو بچہ پیدا ہونے کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے، ان میں سے ایک بات بھی کم ہوگی تو نکاح نہ ہوگا زنا ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۰۸۔ ۴۰۷، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حلالہ مع شرطیکہ یعنی اس قصد سے بعض چندروز کے طلاق دے دے تاکہ زوج سابق کے واسطہ بعد عدت گزرنے کے حلال ہو جائے جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شرائط اور چیز ہے اور قصد اور چیز ہے، شرط تو یہ ہے کہ عقد نکاح میں یہ شرط لگالے یہ ناجائز و گناہ ہے اور حدیث میں ایسے حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے اور قصد یہ کہ دل میں اس کا ارادہ ہو مگر شرط نہ کی جائے تو یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر کی امید ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: حلالہ کی شرط پر نکاح کہ میں اس شرط پر تجھ سے نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق کر کے حلال کر دوں گا دوسرے شخص کا یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے لیکن دونوں نے دل میں حلالہ کی نیت کی تو مکروہ نہیں، اس صورت میں دوسرا شخص اصلاح کی غرض سے نکاح کرنے پر اجر کا مستحق ہوگا۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۱ مطبع مجتبائی، دہلی)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۰۹، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: تین طلاقیں مجموعی طور پر دینے کا اسلام میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایک بار تین طلاق دینے سے نہ صرف نزد حنفیہ بلکہ اجماع مذاہب اربعہ تین طلاقیں مغلظہ واقع ہو جاتی ہیں، امام شافعی، امام مالک، امام محمد رضی اللہ عنہم، ائمہ متبوعین میں سے کوئی امام اس باب میں اصلاً مخالف نہیں، ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاقیں ہو گئیں، ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے، زید گناہ گار ہوا اور عورت اس کے نکاح سے ایسی خارج ہوئی کہ اب بے حلالہ ہرگز اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، اگر یوں ہی رجوع کر لیا بلا حلالہ نکاح جدید باہم کر لیا تو دونوں مبتلاء حرام کاری ہوں گے اور عمر بھر حرام کاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ (الطلاق: ۲) جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راہ نکال دیتا ہے O

اس نے تقویٰ نہ کیا بلکہ خلاف خدا اور رسول تین طلاقیں لگا تار دینے کا مرتکب ہوا، اللہ عزوجل نے اس کے لیے مخرج نہ رکھا، اب حلالہ اس کے لیے سخت تعزیانے سے بالکل مفر نہیں۔ یہاں تک کہ ائمہ دین نے فرمایا: اگر قاضی شرع، حاکم اسلام ایسے مسئلہ میں ایک طلاق پڑنے کا حکم دے تو وہ حکم باطل اور مردود ہے، وہابیہ، غیر مقلدین اب اس مسئلہ میں خلاف اٹھا رہے ہیں، وہ گمراہ بد دین ہیں ان کی تقلید حلال نہیں۔

فتح القدیر میں مذکور ہے: جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا مسلک ہے: بیک وقت تین طلاقیں تین ہوں گی، امام مجاہد سے، سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا تو ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کچھ دیر خاموش رہے تو میں نے یہ خیال کہ شاید ابن عباس سائل کو بیوی واپس کر دیں گے، تو کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا: تم میں سے بعض لوگ بی بی کو طلاق دیتے ہوئے حماقت سے کام لیتے ہیں تو اے ابن عباس! اے ابن عباس! کہتے ہیں تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی سبیل پیدا فرما دیتا ہے، جب کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی تجھ سے لاتعلق ہو

چکی ہے۔اس کے بعد علامہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۴ھ نے اس پر دلائل ذکر کیے اور مؤطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت ذکر کی جیسا کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایات جمع کی ہیں، اسی طرح کی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور انہوں نے کہا کہ امام عبدالرزاق نے از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور از وکیع از امیر المومنین علی و امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کی سند ذکر کی اور اس سے پہلے علامہ ابن ہمام نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی اور انہوں نے امام ابن ابی شیبہ اور امام دارقطنی کی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ذکر کی، اور امام عبدالرزاق نے از حضرت عبادہ بن الصامت از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی یہاں تک کہ ہم نے اکثر ائمہ سے تین طلاقوں کا نافذ ہونا صراحتاً ثابت کیا اور ان حضرات کا کوئی بھی مخالف ظاہر نہ ہوا تو اس حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی حاکم نے بہ یک زبان تین طلاقوں کو ایک طلاق کا حکم دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور یہ خلاف حق ہے، اس کو اختلاف کہنا صحیح نہیں۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰ ملخصاً نوریہ رضویہ، سکھر)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۱۲۔۴۱۰، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

حلالہ شرعیہ کا مطلقہ عورت کے ساتھ دوسرے خاوند کی مجامعت پر توقف

صحیح البخاری: ۵۲۶۱، میں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پس اس نے (دوسرا) نکاح کر لیا، پھر اس نے بھی اس کو طلاق دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کیا یہ اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ وہ اس سے اس طرح تھوڑا سا شہد چکھ لے جس طرح پہلے خاوند نے اس کا تھوڑا سا شہد چکھا تھا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اَلْعُسَیْلَہ کا لفظ جماع سے کنایہ ہے اور العسل (شہد) بعض اوقات بعض لغات میں مونث کا لفظ ہے اور اس کی تصغیر عُسَیْلَة ہے (تھوڑا سا شہد)۔

امام احمد روایت کرتے ہیں: ہمیں مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعبدالملک المکی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العسیلۃ (تھوڑا سا شہد) سے مراد جماع ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۶۲، مسند احمد: ۲۴۳۳۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ایک راوی ابوعبدالملک المکی ضعیف ہے، علامہ الزیلعی نے لکھا ہے کہ المکی مجہول ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۸) حافظ نورالدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام احمد اور امام ابویعلی نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں ابوعبدالملک المکی ہے اور میں اس راوی کو اس حدیث کے بغیر نہیں پہچانتا اور اس حدیث کے باقی راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۴۱) (سعیدی غفرلہ)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کی امام الدارقطنی نے بھی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ المکی مجہول ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۲) التلویح میں مذکور ہے کہ تمام قرآن عظیم میں جہاں بھی نکاح کا لفظ ہے اس سے مراد عقد نکاح ہے وطی نہیں ہے سوا اس آیت کے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (البقرۃ: ۲۳۰) یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

کیونکہ اس آیت میں لفظ نکاح سے مراد عقد اور وطی دونوں ہیں اور اس کی دلیل حدیث اَلْعُسَیْلَةَ ہے کیونکہ اَلْعُسیلہ سے

یہاں پر مراد وطی ہے (یعنی جماع)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صاحب التلویح کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ نکاح کا اسناد عورت کی طرف ہے، پس اگر اس آیت میں نکاح سے وطی مراد ہو تو اس کا معنی یوں ہوگا: ''حتیٰ کہ وہ عورت کسی اور خاوند سے وطی کرلے'' اور یہ معنی فاسد ہے کیونکہ عورت موطوءہ ہے واطئہ نہیں ہے۔ واطی تو صرف مرد ہوتا ہے بلکہ اس آیت میں بھی نکاح کا معنی عقد ہے وطی نہیں ہے اور وطی کا وجوب حدیث العسیلہ سے ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے نص قرآن پر اضافہ کرنا جائز اور صحیح ہے۔ اور اس میں سعید بن المسیب کے علاوہ اور کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کہا: عقد نکاح صحیح ہے اور کافی ہے اور اس عقد سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور خوارج کی ایک جماعت کے سوا اور کسی نے سعید بن المسیب کی موافقت نہیں کی۔ اور ابوالرجاء مختار بن محمود الزاہدی نے ''کتاب القنیہ شرح المنیہ'' میں لکھا ہے کہ سعید بن المسیب نے اپنے اس مذہب سے رجوع کر لیا تھا اور اگر کسی قاضی نے سعید بن المسیب کے قول کے مطابق فیصلہ کیا تو اس کی قضاء نافذ نہیں ہوگی اور اگر کسی مفتی نے سعید بن المسیب کے قول پر فتویٰ دیا تو اس مفتی کو تعزیر لگائی جائے گی۔

الحسن البصری نے کہا ہے کہ شرعی حلالہ کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کے بعد جماع سے انزال شرط ہے اور عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے وطی نہ کرلے اور اس کو انزال نہ ہو جائے اور ان کا یہ زعم ہے کہ اُلْعُسَیْلَہ کا معنی انزال ہے اور باقی تمام فقہاء نے حسن بصری کی مخالفت کی ہے، پس کہا ہے کہ التقاؤ الختنین (یعنی دو شرم گاہوں کے ملنے) سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور التقاء الختنین سے ہی روزہ اور حج فاسد ہو جاتا ہے اور اسی سے حد واجب ہو جاتی ہے اور غسل واجب ہو جاتا ہے اور اسی سے مہر واجب ہو جاتا ہے اور شوہر اور بیوی محصن ہو جاتے ہیں اور مہر مکمل ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اگر عورت سوئی ہوئی ہو یا بے ہوش ہو اور اس حالت میں مرد اس سے وطی کرلے اور عورت کو پتا نہ چلے تو پھر وہ عورت اس پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ مرد اور عورت دونوں تھوڑا سا شہد چکھ لیں اور یہ قول بھی درست نہیں ہے کیونکہ تھوڑا سا شہد چکھنے میں دونوں کی مساوات جائز نہیں ہے بلکہ ان میں سے کوئی ایک تھوڑا سا شہد چکھ لے تو عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرنے کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ مُحَلِّل (حلالہ کرنے والا) کے عقد نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو امام مالک نے کہا ہے: وہ اس وقت مطلقہ کو سابق شوہر کے لیے حلال کرے گا جب وہ اپنی رغبت سے نکاح کرے، پس اگر اس نے حلالہ کے قصد سے نکاح کیا تو وہ عورت سابق شوہر پر حلال نہیں ہوگی خواہ زوجین (شوہر اور بیوی) کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور دخول سے پہلے اور دخول کے بعد یہ نکاح فسخ ہو جائے گا اور اللیث، سفیان بن سعید، الاوزاعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ یہ نکاح جائز ہے اور مُحَلِّلْ کے لیے جائز ہے کہ وہ اس نکاح پر برقرار رہے یا نہ رہے اور عطاء اور الحکم کا بھی یہی قول ہے۔

اور القاسم، سالم، عروہ اور الشعبی نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو سابق شوہر کے لیے حلال کرنے کی خاطر اس سے نکاح کرلے جب کہ سابق شوہر اور اس کی بیوی کو اس کا علم نہ ہو اور اس کو اس کار خیر پر اجر ملے گا اور ربیعہ اور یحییٰ بن

سعید کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام شافعی اور ابوثور کا یہ مذہب ہے کہ جو نکاح وہ حلال کرنے کے قصد سے کرے اس نیت کے ساتھ کہ وہ نکاح کر کے عورت کو سابق شوہر پر حلال کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے گا تو یہ نکاح فاسد ہے اور جس نے بعد میں طلاق دینے کی شرط نہیں لگائی تو پھر یہ عقد نکاح صحیح ہے۔ اور بشر بن الولید نے از ابو یوسف از ابوحنیفہ اسی کی مثل روایت کی ہے اور امام محمد نے از امام ابو یوسف از امام ابوحنیفہ یہ روایت کی ہے کہ جب دوسرے شوہر نے پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال کرنے کی نیت کی تو وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔ اور حسن بن زیاد نے از زفر از امام ابوحنیفہ یہ روایت کی ہے کہ اگر مُحَلِّل نے نفس عقد میں یہ شرط عائد کی کہ وہ صرف اس لیے نکاح کر رہا ہے تا کہ وہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے اور اس کی شرط باطل ہوگی اور مُحَلِّل کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے۔

حلالہ کی صحت کی بعض شرائط

اور ''القنیہ شرح المنیہ'' میں علامہ زاہدی حنفی نے لکھا ہے: جب محلل یعنی زوج ثانی اس عورت کی دبر میں دخول کرے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس نے اس عورت کی فرج میں دخول کیا تو پھر وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی اور موت اور خلوت صحیحہ تحلیل کے حق میں دخول کے قائم مقام نہیں ہیں۔

حلالہ کرنے کی ممانعت اور مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذی اور امام نسائی نے متعدد سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ (یعنی حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے) دونوں پر لعنت کی گئی ہے''۔ اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۱، مسند احمد: ۴۳۰۸، مسند ابویعلیٰ: ۵۲۰۶۔ ۵۰۵۴، شرح السنۃ: ۲۲۹۳، مسند البزار: ۱۸۸۴، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۴۱، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۶، سنن ترمذی: ۱۱۲۰، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰، صحیح ابن حبان: ۴۱۹)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرمائی ہے''۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳، مسند احمد: ۸۲۸۷، مسند البزار: ۱۴۴۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے یہ بھی روایت ہے، (مسند احمد: ۶۳۵، ۴۲۸۳)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت ہے۔ (سنن ترمذی: 1119)، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۴)

اور امام عبدالرزاق نے از ثوری از عبداللہ بن شریک العامری روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہے تھے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر وہ اس پر نادم ہوا، پھر کسی اور مرد نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس مطلقہ سے نکاح کر لے تا کہ وہ اس عورت کو اپنے سابق شوہر کے لیے حلال کر دے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ دونوں زانی ہیں خواہ وہ بیس سال تک اس نکاح پر قائم رہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۸۲۰، دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ / ج ۲ ص ۲۶۵، مکتب اسلامیہ، بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قبیصہ بن جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس جب بھی کسی محلل اور محلل لہ کو لایا گیا تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۶۳، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۸۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

عبدالملک بن المغیرہ بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کوئی مرد کسی عورت کو اس کے شوہر کے لیے حلال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ زنا ہے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی شخص یہ کام کرتا تو وہ اس کو عبرت ناک سزا دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۶۵، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۸۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرمائی ہے"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۴۳، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۹۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۴۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۹۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۴۵، مجلس علمی بیروت: ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۹۰، دارالوطن بیروت: ۱۴۱۸ھ)

حلالہ کی ممانعت اور مذمت کے متعلق احادیث کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ تمام احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس نکاح میں حلالہ کی شرط لگائی گئی ہو وہ نکاح مکروہ ہے اور ان احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ حلالہ کرنا حرام ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ لفظ مُحَلِّل نکاح کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مُحَلِّل وہ شخص ہے جو کسی حلال کام کو ثابت کرنے والا ہو اور اگر حلالہ فاسد ہوتا تو پھر حلالہ کرنے والے کا نام مُحَلِّل نہ رکھا جاتا اور ان میں سے کوئی شخص بھی لعنت کا مصداق نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ حرام کو حلال کرنے کا قصد کرے، رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کو امام ابوداؤد نے اس طرح روایت کیا ہے:

ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل نے حدیث بیان کی از الحارث از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، اسماعیل نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ حضرت علی نے اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۷۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن ترمذی: ۱۱۱۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت مشکوک ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے کہا: اسماعیل نے بیان کیا کہ میرا یہ گمان ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، نیز یہ حدیث معلول ہے کیونکہ اس کی سند میں الحارث ہے اور وہ بہت شدید ضعیف راوی ہے۔

رہا وہ اثر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ دونوں زانی ہیں) جس کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے تو امام طحاوی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ تشدید اور تغلیظ (سختی) پر محمول ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے متعلق فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۱: ۱، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حلالہ شرعیہ کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پس دوسرا مرد اس بستی کے لوگوں میں سے آیا اور اس کا علم نہ طلاق دینے والے مرد کو تھا اور نہ اس کی بیوی کو سو اس نے اپنے مال میں سے کچھ نکالا اور اس مطلقہ عورت سے نکاح اس قصد سے کر لیا تا کہ وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے تو عمرو بن دینار نے کہا: یہ جائز نہیں، پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: "یہ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مرد صرف اپنی رغبت سے اس عورت سے نکاح کرے (آپ نے یہ جملہ دو بار فرمایا)، سو جب اس نے اس طرح کر لیا تو وہ مطلقہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب دوسرا شوہر اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لے"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۷۳، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۹۰، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کے حاشیہ میں علامہ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث عمرو بن دینار کی مراسیل میں سے ہے، امام حاکم نے بھی اس کی تائید میں روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۱۹۹)

شعبہ بیان کرتے ہیں: میں نے حکم اور حماد سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے کسی مطلقہ عورت سے اس لیے نکاح کیا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے تو حکم نے جواب دیا: وہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے اور حماد نے جواب دیا کہ مستحب یہ ہے کہ وہ اس کو طلاق دے کر الگ کر دے (تا کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۶۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۸۵، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

معمر از ہشام بن عروہ از والد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک عروہ حلالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے بہ شرطیکہ مطلقہ عورت اور اس کے خاوند کو اس کا علم نہ ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ / مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۶۶، مکتبہ اسلامی، بیروت)

اس حدیث کی ابن حزم ظاہری نے بھی امام عبد الرزاق سے روایت کی ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۸۲)

معمر از ہشام بن عروہ از والد خود از جابر از شعبی انہوں نے (یعنی شعبی نے) کہا: حلالہ کرنے میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب مطلقہ عورت کے خاوند نے اس کا حکم نہ دیا ہو۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۸۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ / مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۶۸، مکتبہ اسلامی، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں حلالہ سے منع کیا ہے اور اس کی مذمت کی ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ جب مطلقہ عورت کا خاوند کسی کو حلالہ کرنے کے لیے کہے اور اگر مطلقہ عورت کا خاوند کسی کو حلالہ کرنے کے لیے نہ کہے اور کوئی مرد از خود اپنی رغبت سے اس مطلقہ عورت سے نکاح کر لے تو پھر یہ حلال شرعیہ ہے اور جائز ہے اور جب دوسرا خاوند اس مطلقہ عورت سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے گا تو وہ پہلے شوہر کے لیے بلا کراہت حلال ہو جائے گی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵- بَابُ: مَنْ خَيَّرَ نِسَاءَهُ — جس نے اپنی ازواج کو اختیار دیا

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (الاحزاب:۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O

۵۲۶۲۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاخْتَرْنَا اللهَ وَرَسُولَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا

(صحیح مسلم: ۱۴۷۷، سنن ترمذی: ۱۱۷۹، سنن نسائی: ۳۴۴۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۲، مسند احمد: ۲۳۶۶۱، سنن دارمی: ۲۲۶۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (دنیا اور آخرت کے درمیان) اختیار دیا پس ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا، پس اس کو ہمارے اوپر کچھ شمار نہیں کیا گیا۔

حدیث مذکور کے رجال

(۱) عمر بن حفص: یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں، (۲) الاعمش: یہ سلیمان ہیں، (۳) مسلم: یہ ابن صبیح ہیں اور یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور ان کی کنیت ابوالضحیٰ ہے، اور کرمانی نے کہا ہے کہ مسلم اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ابوالضحیٰ بن صبیح ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مسلم بن البطین ابن ابی عمران ہوں کیونکہ یہ دونوں مسروق سے روایت کرتے ہیں اور الاعمش ان دونوں سے روایت کرتے ہیں، (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ کتاب ''رجال الصحیحین'' میں مذکور ہے کہ مسلم البطین نے مسروق سے سماع کیا ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو دنیا اور آخرت کے درمیان جو اختیار دیا تھا تو آپ کا یہ اختیار دینا طلاق نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۶۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَامِرٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْخِيَرَةِ فَقَالَتْ خَيَّرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَفَكَانَ طَلَاقًا قَالَ مَسْرُوقٌ لَا أُبَالِي أَخَيَّرْتُهَا وَاحِدَةً أَوْ مِائَةً بَعْدَ أَنْ تَخْتَارَنِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: ہمیں عامر نے حدیث بیان کی از مسروق، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اختیار کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تھا تو کیا یہ طلاق تھی؟ مسروق نے کہا: جب میری بیوی مجھے اختیار کر لے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں نے اس کو ایک اختیار دیا ہو یا سو مرتبہ اختیار دیا ہو۔

اس حدیث کی تخریج حدیث سابق صحیح البخاری: ۵۲۶۲ کی مثل ہے۔

بیوی کو اختیار دینے سے طلاق کا واقع نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء، سلیمان بن یسار، ربیعہ اور ابن شہاب ان سب کا قول مسروق کے قول کی مثل ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو یہ کچھ نہیں ہے یعنی اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ائمہ فتویٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ تخییر کی تعریف یہ ہے کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار دیا جائے، پس اگر اس نے اپنے اختیار سے اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی تو پھر اس تخییر سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور یہ ایسا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کا معاملہ کسی دوسرے مرد کے سپرد کر دے اور وہ اپنے اختیار کو استعمال نہ کرے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس سے طلاق کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد عورت کو اختیار دے یعنی اس کو یہ اختیار دے کہ وہ اس کے نکاح میں رہے یا نہ رہے اور عورت اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس مسئلہ میں حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے اور ابن ابی لیلیٰ، ثوری اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ بیوی اگر اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ یہ قول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حسن بصری سے مروی ہے اور یہی امام مالک اور اللیث کا مذہب ہے اور تخییر اور تملیک میں امام مالک کے نزدیک یہ فرق ہے کہ مرد جب اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تم کو مالک بنا دیا یعنی تم کو اس کا مالک بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ایک، دو یا تین طلاقوں کا مالک بنایا تھا، سو میں نے تم کو اس کا مالک بنا دیا اور تخییر کا معنی ہے کہ جب عورت اپنے نفس کو اختیار کر لے اور وہ مدخول بہا ہو تو پھر یہ طلاق ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۲۸۔۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۔ بَابُ إِذَا قَالَ فَارَقْتُكِ أَوْ سَرَّحْتُكِ أَوِ الْخَلِيَّةُ أَوِ الْبَرِيَّةُ أَوْ مَا عُنِيَ بِهِ الطَّلَاقُ فَهُوَ عَلَى نِيَّتِهِ

جب مرد (اپنی بیوی سے) کہے: میں تم سے الگ ہو گیا یا کہے: میں نے تم کو رخصت کر دیا یا کہے: تم اب خالی ہو یا الگ ہو یا کوئی ایسا لفظ کہے جس سے طلاق کا ارادہ کیا جا سکے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا

کنایات طلاق کی تفصیل اور تحقیق میں فقہاء کا اختلاف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب مرد کے اس قول کے حکم کے بیان میں ہے جب وہ اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں تم سے الگ ہو گیا یا میں نے تم کو رخصت کر دیا یا تم خالی ہو یا تم الگ ہو تو ان الفاظ کا حکم لاگو کرنے میں اس مرد کی نیت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہ الفاظ کنایات طلاق میں

سے ہیں، پس اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ کوئی چیز واقع نہیں ہوگی۔ اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ صریح طلاق صرف لفظ طلاق سے یا لفظ طلاق کے مشتقات سے واقع ہوتی ہے جیسے انت طالق، انت مُطَلَّقَةٌ اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ طلاق صریح لفظ طلاق سے بھی واقع ہوتی ہے اور لفظ فراق سے بھی واقع ہوتی ہے جس کا معنی جدا ہونا ہے اور لفظ سراح سے بھی واقع ہوتی ہے جس کا معنی رخصت کرنا ہے کیونکہ یہ لفظ قرآن مجید میں مذکور ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O

اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم سے جدا ہو گیا یا میں نے تم سے خلع کر لیا یا میں نے تمہارا راستہ خالی کر دیا یا کہا: میری تم پر کوئی ملکیت نہیں ہے تو اس سے مراد تین طلاقیں ہیں اور اگر اس نے کہا کہ تم خالی ہو یا تم مجھ سے بری ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ تین طلاقیں ہیں اور الحسن البصری کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مدخول بہا کے حق میں یہ تین طلاقیں ہیں۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور اگر بیوی غیر مدخول بہا ہو تو اس سے قسم لے کر پوچھا جائے گا کہ اس نے اس سے مراد ایک طلاق لی تھی یا تین طلاقیں لی تھیں؟

اور ثوری اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ اس میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، پس اگر اس نے ان الفاظ سے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر اس نے ان الفاظ سے دو طلاقوں کی نیت کی ہو، پھر بھی ایک طلاق واقع ہوگی اور ابو ثور نے کہا: یہ طلاق رجعی ہے اور اس کے متعلق اس کی نیت کا سوال نہیں کیا جائے گا۔

اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لفظ طلاق اور اس کے مشتقات سے طلاق صریح واقع ہوتی ہے۔

لیکن امام ابو عبید نے غریب الحدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرد نے ان سے کہا کہ میری بیوی نے مجھ سے کہا: مجھے تشبیہ دو تو اس نے کہا: گویا کہ تم ہرنی ہو، عورت نے کہا: نہیں۔ مرد نے کہا: گویا کہ تم کبوتری ہو، عورت نے کہا: نہیں میں راضی نہیں ہوں گی حتیٰ کہ تم: کہو تم خالی ہو، تم مطلقہ ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد سے کہا، تم اس عورت کا ہاتھ پکڑے رکھو وہ تمہاری بیوی ہے، امام ابو عبید نے کہا خَلِيَّةٌ مُطَلَّقَةٌ کا معنی ہے: ایسی اونٹنی جو بندھی ہوئی ہو، پھر اس کی رسی کھول کر اسے چھوڑ دیا جائے اور وہ کھلی ہوئی آزاد ہو تو کہا جاتا ہے: وہ خَلِيَّه ہے کیونکہ اس کو رسی سے خالی کر دیا گیا اور اس کو طالِقٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی رسی کھول دی گئی، پس مرد کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اس اونٹنی سے مشابہ کہے جس کی رسی کھول دی گئی ہو اور اس نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ اپنے سے جدا کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ اس لفظ سے کسی اور لفظ کا ارادہ کیا تھا، اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد کے اس قول سے طلاق کو ساقط کر دیا۔ اور امام ابو عبید نے کہا کہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر مرد جب ایسے الفاظ بولے جو الفاظ طلاق کا کنایہ ہوں اور وہ ان الفاظ سے بیوی کو جدا کرنے کا ارادہ نہ کرے بلکہ کسی اور معنی کا ارادہ کرے تو اس مرد سے قسم لے کر اس کی نیت معلوم کی جائے اور اس کی نیت کے اوپر حکم لگایا جائے گا۔

اور المحیط میں مذکور ہے: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالِقٌ اور کہا: میری مراد یہ ہے کہ تم قید سے کھلی ہوئی ہو تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے کہا: انت طالقٌ من وثاقٍ یعنی تم قید سے کھلی ہوئی ہو تو قضاءً بھی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس نے یہ کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ تم عمل سے آزاد ہو تو دیانۃً اس کی تصدیق نہیں کی

جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے کہا: انت طالق من ھذا العمل یعنی تم اس کام میں بندھی ہوئی نہیں ہو آزاد ہو تو قضاءً اس میں توقف کیا جائے گا اور اگر اس نے کہا: انت طالق من ھذا القید یعنی تم اس قید سے کھلی ہوئی ہو تو پھر ان الفاظ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ۔ (البقرہ:۲۲۹) دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دے تو پھر تیسری طلاق دینے کے متعلق اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، پس اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دستور کے مطابق اپنی بیوی کو حسن معاشرت کے ساتھ روک لے یا اس کو عمدہ طریقہ سے رخصت کردے اور اس پر کوئی ظلم نہ کرے اور اس کی کوئی حق تلفی نہ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۰۔۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ عَلِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب علم تھا کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدا ہونے کا حکم نہیں دیں گے۔

یہ تعلیق حدیث تخییر کی ایک طرف ہے جس کا تذکرہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر کے اوائل میں ہو چکا ہے، دیکھیے: (صحیح البخاری: ۴۷۸۵)

۷۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ نِيَّتُهُ۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۵۱) اور حسن بصری نے کہا اس میں اس کی نیت معتبر ہے۔

جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم مجھ پر حرام ہو'' تو اس قول کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری نے یہ کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس قول سے طلاق کے وقوع میں اس کی نیت معتبر ہوگی۔

امام عبد الرزاق نے اس تعلیق کو از معمر اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب کسی مرد نے اس سے طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہے ورنہ وہ قسم ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اس کے موافق ابراہیم نخعی اور طاؤس کا قول ہے۔

التوضیح میں مذکور ہے: اس صورت کے متعلق چودہ (۱۴) مذاہب ہیں۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی مالکی نے اس صورت کے متعلق اٹھارہ (۱۸) اقوال نقل کیے ہیں اور دوسروں نے اس سے بھی زیادہ اقوال نقل کیے ہیں اور علامہ ابن بطال نے ان میں سے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: یہ تین طلاقیں ہیں اور اس کے متعلق اس کی نیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری، حکم بن عتیبہ، ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک سے منقول ہے، اور امام مالک کے اکثر اصحاب سے یہ منقول ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو تو یہ تین طلاقیں ہیں سوا اس صورت کے کہ وہ کہے کہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی ہے۔ اور عبد العزیز بن ابی سلمہ نے کہا: یہ ایک

طلاق ہے سوا اس صورت کے کہ وہ کہے: میں نے اس سے تین طلاقوں کا ارادہ کیا تھا اور عبد الملک نے کہا: اس سے اس کی نیت کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور یہ ہر حال میں تین طلاقیں ہیں۔

(۲) سفیان نے کہا: اگر اس نے اس قول سے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو یہ تین طلاقیں ہیں اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو یہ ایک طلاق بائن ہے اور اگر اس نے اس قول سے قسم کی نیت کی ہو تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا اور اگر اس نے اس قول سے علیحدگی کی نیت کی ہو تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا اور اگر اس نے اس قول سے علیحدگی کی نیت کی، نہ قسم کی نیت کی تو اس کا یہ قول جھوٹ ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول بھی سفیان کے قول کی مثل ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ اگر اس نے اس قول سے دو طلاقوں کی نیت کی تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے کسی طلاق کی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے۔

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہے اور اگر اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے جس کا کفارہ اس پر لازم ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی ابراہیم النخعی اور طاؤس کا قول ہے۔

(۵) امام شافعی نے کہا: اگر مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو جب تک وہ اس قول سے طلاق کی نیت نہ کرے تو طلاق نہیں ہو گی، پھر اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت کے موافق طلاق ہو گی اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے تحریم کی نیت کی تھی تو یہ قسم ہے اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر کفارہ ظہار لازم ہے اور یہی ابو قلابہ اور سعید بن جبیر کا قول ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ (التحریم:۱) اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس قسم پر سب سے غلیظ کفارہ قسم لازم ہو گا اور وہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ (میں کہتا ہوں: چونکہ ہمارے زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں ہے اس لیے وہ تین دن کے روزے رکھے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے یا انہیں دو وقت کا کھانا کھلائے۔ سعیدی غفرلہ)

(۷) مرد کا یہ قول اس کی بیوی کو حرام قرار دیتا ہے اور یہ قسم ہے اور اس پر کفارہ قسم لازم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس اور ایک جماعت کا قول ہے اور الاوزاعی اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے، اور ابوثور کی دلیل یہ ہے کہ حرام کا لفظ طلاق کے الفاظ سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ (التحریم:۱) اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر اپنی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس قول سے طلاق واجب

نہیں فرمائی۔

(۸) مرد کا اپنی بیوی کو حرام کہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنے اوپر پانی کو حرام کہہ دے اور اس میں کوئی کفارہ ہے نہ طلاق، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (المائدہ: ۸۷) (اے ایمان والو!) تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

الشعبی، مسروق، ابوسلمہ کا یہی قول ہے۔ مسروق نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی کو حرام کہوں یا ثرید (شوربہ میں بھگوئی ہوئی روٹی) کو حرام کہوں اور الشعبی نے کہا کہ بیوی کو یہ کہنا کہ تم مجھ پر حرام ہو جوتی کو حرام کہنے سے زیادہ آسان ہے اور ابوسلمہ نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں بیوی کو حرام کہوں یا دریائے فرات کو حرام کہوں، یہ قول شاذ ہے۔ اور امام بخاری نے اس کے موافق باب کا عنوان قائم کیا ہے۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ نے کہا ہے: جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو تو یہ تین طلاقیں ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، سو جب تین طلاقوں سے بیوی حرام ہو جاتی ہے تو بیوی کو حرام کہنے سے بھی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (میں کہتا ہوں: یہ ابن حزم ظاہری کا قیاس معکوس ہے حالانکہ وہ مردود قیاس کا منکر ہے اسی لیے اس کو ظاہری کہا جاتا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور اسی دلیل کی طرف امام بخاری نے حضرت رفاعہ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، پھر ان کے لیے ان کی بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہوئی جب تک کہ ان کی بیوی نے دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر لیا اور تین طلاقیں دینے سے ان کا اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنا حرام ہو گیا، سو اسی طرح جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں۔

اور امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو یہ ظہار ہے اور اس پر کفارہ ظہار اپنی ترتیب سے لازم ہے، وہ غلام کو آزاد کرے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ظہار نہیں ہے خواہ اس نے اس کا ارادہ کیا ہو بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد نے اس قول سے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو یہ تین طلاقیں ہیں اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہے تو یہ ایک طلاق بائن ہے اور اگر اس نے قسم کی نیت کی ہے تو یہ قسم ہے جس پر کفارہ قسم لازم ہے اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ محض جھوٹ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(میں کہتا ہوں: علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ کی یہ پوری عبارت شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۳۲۔ ۳۳۰ پر مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہ)

ہمارے زمانہ میں مرد کے اس قول کے متعلق فتویٰ

میں کہتا ہوں: علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو تو اس قول سے اس کی بیوی پر اس کی نیت کے بغیر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس پر اس کی بیوی بغیر نیت کے حرام ہو جائے گی۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۶۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَقَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ إِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ فَسَمَّوْهُ حَرَامًا بِالطَّلَاقِ وَالْفِرَاقِ وَلَيْسَ هٰذَا كَالَّذِي يُحَرِّمُ الطَّعَامَ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ لِطَعَامِ الْحِلِّ حَرَامٌ وَيُقَالُ لِلْمُطَلَّقَةِ حَرَامٌ وَقَالَ فِي الطَّلَاقِ ثَلَاثًا لَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

اور اہل علم نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے اور انہوں نے اس کا نام حرام بِالطَّلَاقِ وَالْفِرَاقِ لکھا ہے اور یہ اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی شخص طعام کو حرام قرار دیتا ہے کیونکہ حلال طعام کو حرام نہیں کہا جاتا اور مطلقہ کو حرام کہا جاتا ہے اور تین طلاقوں کے بعد حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کا خلاصہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان یہ قائم کیا "جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو" اور اس کا جواب ذکر نہیں کیا تو انہوں نے اس تعلیق میں اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اس قول سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور انہوں نے اس کا نام حرام بالطلاق رکھا ہے اور اس کا یہ قول اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی شخص اپنے طعام کو حرام کرتا ہے کیونکہ حلال طعام کو حرام نہیں کہا جاتا اور مطلقہ کو حرام کہا جاتا ہے اور تین طلاقوں کے متعلق فرمایا ہے کہ مرد کی بیوی اس پر حلال نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس قول سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے کہا کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو اور جس نے کہا کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے تو ان دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں ہے حتیٰ کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں آئے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: مرد کے اس قول سے اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی خواہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو جیسا کہ ہم ابھی علامہ شامی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

۵۲۶۴۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا قَالَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَنِي بِهٰذَا فَإِنْ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا حَرُمَتْ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، صحیح مسلم: ۳۶۵۳، مسند احمد: ۶۰۶۱)

اور اللیث نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو انہوں نے کہا: کاش! تم ایک مرتبہ طلاق دیتے یا دو مرتبہ طلاق دیتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی کا حکم دیا ہے، پس اگر تم نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دی تو وہ تم پر حرام ہوگئی حتیٰ کہ وہ تمہارے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے۔ (مسلم: ۱۴۷۱)

اس پر دلیل کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے رجوع کرنا جائز نہیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق کو اپنی سابق تعلیق کی تائید میں ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے شروع میں یہ کہہ کر ذکر کیا ہے: اور اہل علم نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ الی آخرہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! تم ایک بار طلاق دیتے یا دو بار طلاق دیتے، پھر اس کا جواب ذکر نہیں کیا۔
علامہ کرمانی نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ "تو بہتر تھا" اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ "پھر تم رجوع کر سکتے تھے"۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
حافظ ابن حجر عسقلانی نے وہی جواب لکھا ہے جو علامہ کرمانی نے لکھا تھا، پھر اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ حافظ ابن حجر نے علامہ کرمانی کے جواب کو رد کیا گویا کہ انہوں نے خود اپنے جواب کو رد کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۲۔۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کو انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۲ میں تحریر کیا ہے لیکن اس کا جواب نہیں لکھا، گویا وہ لاجواب ہو گئے۔ (سعیدی غفرلہ) نیز علامہ ابو العباس البوصیری المتوفی ۸۴۰ھ نے بھی لکھا ہے: میں نے حافظ ابن حجر اور علامہ کرمانی کی عبارات کو بہ غور پڑھا اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا، حاشیہ۔
(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۲، مکتبۃ الرشد، ۱۴۱۸ھ)
اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ "اگر تم ایک بار طلاق دیتے یا دو بار طلاق دیتے تو تمہیں حیض گزرنے کے بعد رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جب تم نے تین طلاقیں دے دیں تو پھر تمہارا مرضی سے رجوع کرنے کا حق فوت ہو گیا الا یہ کہ وہ عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، پھر وہ اپنی بغیر کسی پیشگی شرط کہ اسے طلاق دے دے تو پھر تم اس سے نکاح کر سکتے ہو"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۲۔۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَطَلَّقَهَا وَكَانَتْ مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ فَلَمْ تَصِلْ مِنْهُ إِلَى شَيْءٍ تُرِيدُهُ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ طَلَّقَهَا فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ زَوْجِي طَلَّقَنِي وَإِنِّي تَزَوَّجْتُ زَوْجًا غَيْرَهُ فَدَخَلَ بِي وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ الْهُدْبَةِ فَلَمْ يَقْرَبْنِي إِلَّا هَنَةً وَاحِدَةً لَمْ يَصِلْ مِنِّي إِلَى شَيْءٍ فَأَحِلُّ لِزَوْجِي الْأَوَّلِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَحِلِّينَ لِزَوْجِكِ الْأَوَّلِ حَتَّى يَذُوقَ الْآخَرُ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروۃ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اس نے پہلے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لیا، پھر اس دوسرے شوہر نے اس کو طلاق دے دی اور اس دوسرے شوہر کے پاس تو کپڑے کے پلو کی مثل تھا، اس مرد سے اس کی وہ خواہش پوری نہیں ہوئی جو وہ چاہتی تھی پس وہ چند دن ٹھہری یہاں تک کہ اس دوسرے شوہر نے اسے طلاق دے دی، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ کہنے لگی: یا رسول اللہ! بے شک میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی تھی اور میں نے اس کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، سو اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور اس کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، اس نے

(صحیح البخاری: ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن داری: ۲۲۶۷)

صرف ایک مرتبہ میرے ساتھ مباشرت کی اور اس کی کوئی چیز مجھ تک نہیں پہنچی، کیا اب میں اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس وقت تک اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوحتیٰ کہ دوسرا وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو۔

حدیث عسیلہ کے متعلق مشہور غیر مقلد شیخ صدیق حسن بھوپالی کا نظریہ

شیخ صدیق بن حسن بھوپالی (غیر مقلد) المتوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام اور فقہاء تابعین وغیرہم کا اس حدیث کے موافق عمل ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور دوسرا مرد اس سے جماع نہ کرلے۔

یہ حدیث باب کے اس طرح موافق ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ''بے شک میرے شوہر نے مجھے طلاق البتہ دی'' (صحیح البخاری: ۵۲۶۰) طلاق البتہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہوں یا تین متفرق طلاقیں دی ہوں۔

ایک جماعت (غیر مقلدین) نے کہا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دیں تو اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ محمد بن اسحاق ''صاحب المغازی'' کا قول ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اس پر سخت غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو کس طرح طلاق دی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے اس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا: یہ صرف ایک طلاق ہے تم اس طلاق سے رجوع کرلو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق کی سند سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق انیق

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶) کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق کی سند سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث اس مسئلہ میں ایسی صریح ہے جو اس تاویل کو قبول نہیں کرتی جو دوسری روایات میں ہوسکتی ہے اور علماء نے اس حدیث کے چار جواز ذکر کیے ہیں:

(۱) محمد بن اسحاق اور اس کے شیخ میں اختلاف ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کئی احکام میں اس کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے اور ہر وہ حدیث جس کی سند میں اختلاف ہو وہ مردود نہیں ہوتی۔

(۲) یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے خلاف ہے جس کی مجاہد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کررہے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ راوی کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے اس کی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس روایت کو بھول گیا ہو اور ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہوتا۔

(۳) امام ابوداؤد نے اس کو ترجیح دی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور یہ بہت قوی دلیل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں نے طلاق البتہ کو تین طلاقوں پر محمول کر کے یہ کہا ہو کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں اور اس نکتہ کی بناء پر (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶) سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

(۴) (تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا) شاذ مذہب ہے، لہٰذا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ مذہب، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار سے بھی یہی مذہب مروی ہے۔ اور علامہ ابن التین پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں تین طلاقوں کے لازم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن اسحاق کی حدیث مذکور کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام مسلم نے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر لوگوں نے اس کام میں عجلت کی جس میں ان کے لیے مہلت اور تاخیر تھی، پس کیوں نہ ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ نیز امام مسلم نے امام عبدالرزاق کی سند سے از طاؤس یہ روایت کی ہے کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو انہوں نے کہا: جی ہاں! اور حماد بن زید نے از طاؤس روایت کی ہے کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! ہوتی تھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا اور اس سند کے ساتھ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہے وہ اس عورت کے متعلق کہا ہے جو غیر مدخولہ ہو اور یہ ان جوابوں میں سے ایک ہے جو اس حدیث کا جواب دیا گیا ہے اور یہی امام اسحاق بن راہویہ اور ایک جماعت کا جواب ہے اور علامہ زکریا الساجی شافعی نے بھی اسی جواب کو وثوق سے لکھا ہے اور انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ غیر مدخول بہا سے جب اس کے شوہر نے کہا: تم کو طلاق ہے، پھر جب اس کے بعد اس نے تین طلاقیں دیں تو وہ تین طلاقیں لغو ہو جائیں گی کیونکہ پہلی طلاق سے اس کی بیوی بائن ہو جائے گی اور بعد کی طلاقیں نہیں پڑیں گی۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ طاؤس کی روایت شاذ ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ تین طلاقیں لازم ہیں۔

علامہ ابن المنذر نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور پھر اسی روایت کے خلاف فتویٰ دیں۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶) کی صحت میں اختلاف ہے، سو اس کو اجماع کے اوپر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے، انہوں نے کہا: سنن ابوداؤد کی روایت کے معارض یہ حدیث ہے جس کو امام نسائی نے محمود بن لبید سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسترد نہیں کیا بلکہ ان کو نافذ کر دیا۔

امام بیہقی نے امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ مشابہ بالحق بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک چیز کا علم تھا، پھر وہ چیز منسوخ ہو گئی، امام بیہقی نے کہا: اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے جس کی امام ابوداؤد نے از یزید نحوی از عکرمہ از حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا، پھر وہ اس طلاق سے رجوع کرنے کا حق رکھتا تھا خواہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ المازری المالکی نے نسخ کے دعوے کا انکار کیا ہے، پس کہا کہ بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ یہ حکم (یعنی تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے کا حکم) منسوخ ہو چکا ہے اور یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی حکم کو منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر وہ اس حکم کو منسوخ کرتے حالانکہ وہ اس سے بری ہیں تو ضرور تمام صحابہ اس کا انکار کرتے اور اگر اس قائل کا یہ ارادہ ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ ہو گیا تھا تو اس کی گنجائش ہے لیکن یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر راوی کے لیے یہ کہنا جائز نہیں تھا کہ یہ حکم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک باقی تھا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ کبھی صحابہ کسی حکم کے منسوخ ہونے پر اجماع کر لیتے ہیں اور ان کا یہ اجماع قبول کیا جاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ ان کا وہ اجماع اس لیے قبول کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے اجماع سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اس حکم کا کوئی ناسخ موجود تھا ر رہا یہ کہ وہ از خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو منسوخ کر دیں، سو معاذ اللہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے ایک خطاء پر اجماع کر لیا اور صحابہ خطاء پر مجتمع ہونے سے معصوم ہیں۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ناسخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوا ہو تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خطاء پر اجماع ہو گیا تھا۔

دیگر علماء کی طرف سے سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶، کے جوابات

(۱) جن علماء نے سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ کے حکم کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو منسوخ کیا تھا حتیٰ کہ ان کے اوپر وہ اعتراضات لازم آئیں جن کا ذکر کیا گیا تھا بلکہ امام شافعی نے تو یہ کہا ہے کہ حق کے مشابہ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کو ایک حکم کا علم تھا، پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حکم کے ناسخ پر مطلع ہو گئے جس حکم کی انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی تھی، لہٰذا انہوں نے اس حکم کے خلاف فتویٰ دیا اور بے شک علامہ المازری المالکی نے بھی اپنے کلام میں یہ تسلیم کیا ہے کہ صحابہ کرام کا تین طلاقوں کے نفوذ پر اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حکم کا کوئی ناسخ موجود تھا اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ سے ثابت حکم منسوخ ہو گیا ہے اس کی بھی یہی مراد ہے۔

(۲) سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ ایک خاص صورت پر محمول ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمان اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دیتے تھے۔ انت طالق، انت طالق، انت طالق۔ اور وہ ایک بار انت طالق کہنے کے بعد دو بار انت طالق تاکید کے ارادے سے کہتے تھے: پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان بہت زیادہ ہو گئے اور ان میں فریب کاری اور دھوکہ دہی بہت زیادہ ہو گئی تو پھر ان کی تاکید کے ارادے کا دعویٰ مردود ہو گیا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سد باب کے لیے تین بار دی ہوئی طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دے دیا تاکہ کوئی تاکید کی نیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، علامہ قرطبی مالکی نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تقویت کی ہے کہ جس کام میں لوگوں کے لیے تاخیر اور مہلت تھی وہ اس کام میں جلدی کرنے لگے، علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ تمام جوابات میں یہ جواب صحیح ترین ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اس کا محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ایک طلاق دیتے تھے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو لوگ تین طلاقیں دینے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تین طلاقیں دیتے تھے اور اس سے پہلے ایک طلاق دیتے تھے کیونکہ وہ تین

طلاقیں بالکل نہیں دیتے تھے یا بہت کم تین طلاقیں دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقوں کا بہ کثرت استعمال ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی دی ہوئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ علامہ ابن عربی مالکی نے اس تاویل کو ترجیح دی ہے اور اس تاویل کی امام ابوزرعہ الرازی کی طرف نسبت کی ہے، اسی طرح امام بیہقی نے اس کی سند صحیح کے ساتھ ابوزرعہ سے روایت کی ہے۔

(۴) علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ نے کہا ہے کہ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک مجلس میں لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو اس کی بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور مجموعی طور پر تین طلاقیں دینے میں اور متفرق طور پر تین طلاقیں دینے میں کوئی فرق نہیں ہے لغتہً نہ شرعاً، مثلاً اگر لڑکی کا ولی تین مردوں سے یہ کہے کہ میں نے اپنی تین بیٹیوں کا نکاح تم تین مردوں سے کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے اس بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا اور میں نے اس بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا اور میں نے اس بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا تو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا اس کی ان تین بیٹیوں کا نکاح ان تین مردوں سے ہو جائے گا یا وہ کہے کہ میں نے اپنے تین غلاموں کو آزاد کر دیا یا کہے: میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس غلام کو آزاد کر دیا تو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر صورت میں تین غلام آزاد ہو جائیں گے۔ اسی طرح کوئی شخص تین مردوں کے سامنے اقرار کرے کہ میں نے تم تینوں کے ایک ایک ہزار روپے دینے ہیں یا کہے کہ میں نے اس مرد کے ایک ہزار روپے دینے ہیں اور اس مرد کے ایک ہزار روپے دینے ہیں اور اس مرد کے ایک ہزار روپے دینے ہیں تو ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر صورت میں اس کے اقرار سے اس پر ہر ایک کے لیے ایک ایک ہزار روپیہ دینا لازم ہوگا، اس سے واضح ہو گیا کہ لغت اور شرع میں مجموعی طور پر تین کا ذکر کرنے میں اور متفرق طور پر تین کا ذکر کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (میں کہتا ہوں: عرف میں بھی اسی طرح ہے مثلاً کوئی شخص کسی کو پچاس روپے کا ایک نوٹ دے دے یا دس دس کے پانچ نوٹ دے دے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ دس دس کے پانچ نوٹ دیئے جائیں تب تو یہ پچاس روپے ہیں اور پچاس کا ایک نوٹ دیا جائے تو پھر یہ صرف دس روپے ہیں پچاس روپے نہیں ہیں تو لوگ اس کو فاتر العقل اور مجنون قرار دیں گے۔ اسی طرح اگر یوں کہا جائے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں یا تین بار کہا جائے: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور جو یہ کہے کہ اگر مجموعی طور پر لفظ واحد سے اس نے تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے الگ الگ مجلسوں میں تین طلاقیں دیں تو پھر تین طلاقیں واقع ہوں گی تو وہ شخص بھی اسی طرح فاتر العقل اور مجنون ہے لغت، شرع اور عرف میں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث کہ پہلے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اور حضرت عمر نے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دے دیا، اس کی نظیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں متعہ کیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو متعہ کرنے سے منع کر دیا تو ہم رک گئے، پس ان دونوں حدیثوں کا راجح محمل یہ ہے کہ متعہ حرام ہے۔

اس طرح لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع ہو گیا اور یہ محفوظ نہیں ہے کہ کسی ایک بھی صحابی اور تابعی نے ان دونوں مسئلوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہو

اور تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع اس پر دلیل ہے کہ متعہ کے جواز کا ناسخ تھا اور اس طرح تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کا بھی ناسخ تھا اگر چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے پہلے یہ ناسخ بعض مسلمانوں سے مخفی رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ اور تابعین کا اس پر اجماع ہو گیا کہ متعہ کا جواز بھی منسوخ ہو چکا ہے اور لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا بھی منسوخ ہو چکا ہے اور جو شخص اس اجماع کے بعد اس حکم کی مخالفت کرے گا اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء:۱۱۵)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے، اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○

اور جن بعض غیر مقلدین نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے اور وہ اب بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں تو جمہور نے ان کی اس مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔ میں نے اس مسئلہ کی اس لیے چھان بین اور تحقیق کی ہے کہ بعض علماء نے مجھ سے اس کی درخواست کی تھی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۴۳۔ ۴۴۰، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی تحقیق پر مصنف کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرے علماء کے آٹھ (۸) جوابات لکھے ہیں جن میں سے ہم نے چار کا ذکر کیا ہے اور باقی چار کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا ہے، پھر اس کے بعد انہوں نے آخری جواب ذکر کیا ہے اور ان کے جواب کی خوبی اور اس کی عمدگی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی پر اپنی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے انہوں نے اس مسئلہ کو واضح تر کر دیا اور آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقیں، تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں ایک طلاق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

تاہم میں یہ کہتا ہوں: یہ تمام تقریر اس تقدیر پر ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو صحیح مان لیا جائے لیکن جیسا کہ میں پہلے دلائل سے واضح کر چکا ہوں کہ یہ حدیث شاذ اور معلل ہے اور صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس کے شاگردوں میں سے صرف طاؤس نے اس کی روایت کی ہے اور حضرت ابن عباس کے دیگر شاگردوں نے اس حدیث کے خلاف روایت کی ہے بلکہ خود طاؤس کی روایت بھی اس حدیث کے خلاف ہے جیسا کہ ہم شروع میں باحوالہ دلائل کے ساتھ اس کو بیان کر چکے ہیں، لہٰذا غیر مقلدین کا اس حدیث سے یہ استدلال قطعاً باطل اور مردود ہے کہ لفظ واحد سے دی ہوئی مجلس واحد میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کو ہدایت عطا فرمائے اور وہ حرام کو حلال کرنے سے باز آ جائیں اور اپنے باطل فتویٰ سے لوگوں کو گمراہ اور جمہور کے موقف سے بدگمان نہ کریں۔ آمین

۸۔ بَابٌ: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: (اے نبی مکرم!) آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے

٥٢٦٦ ـ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ سَمِعَ الرَّبِيعَ بْنَ نَافِعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِذَا حَرَّمَ امْرَأَتَهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب:۲۱)

(صحیح مسلم: ۱۴۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۳، مسند احمد: ۱۹۷۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں، مجھے الحسن بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: انہوں نے الربیع بن نافع سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از یعلی بن حکیم از سعید بن جبیر، بے شک انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دے تو یہ کچھ نہیں ہے اور انہوں نے یہ آیت پڑھی: بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو ○ (الاحزاب:۲۱)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

(۱) الحسن بن صباح البزار: یہ بغداد میں آ کر مقیم ہو گئے تھے، جمہور نے ان کی توثیق کی ہے، امام نسائی نے ان کو قدرے ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کے علاوہ بھی امام بخاری نے ان سے احادیث روایت کی ہیں لیکن بہت زیادہ احادیث روایت نہیں کیں، بائیس ربیع الثانی دوسوانچاس ہجری (۲۴۹ھ) پیر کے دن ان کی وفات ہو گئی تھی۔ ان کے ہم نام امام بخاری کے ایک اور شیخ ہیں جن کو حسن بن الصباح الزعفرانی کہا جاتا ہے اور وہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں یعنی حسن بن محمد بن الصباح، ان ہی سے امام بخاری نے اس باب میں دوسری حدیث روایت کی ہے۔ اور امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۲) الربیع بن نافع الحلبی ابوتوبہ: یہ طرسوس میں رہائش پذیر تھے۔

(۳) معاویہ بن سلام (۴) یحییٰ بن ابی کثیر اور (۵) یعلیٰ بن حکیم اور (۶) سعید بن جبیر یہ تمام تابعین ہیں اور ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے معانی

جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دے: یعنی جب کوئی مرد اپنی بیوی سے یہ کہے: تم مجھ پر حرام ہو۔

تو یہ کچھ نہیں ہے: یعنی مرد کے اس قول کے اوپر کوئی شرعی حکم مترتب نہیں ہوتا۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے: اس آیت میں أسوۃ حسنۃ کا لفظ ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: الاسوۃ کا معنی ہے: اَلْقُدْوَۃ یعنی پیشوا۔ اور لغت کی کتاب المغرب میں مذکور ہے کہ اسوۃ اس کو کہتے ہیں کہ جس کی اقتداء اور اتباع کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کی خاطر ان کو اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا اور یہ تحریم طلاق نہیں تھی، سو اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس سے طلاق نہیں ہو گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۶۷۔ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ لَا بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ فَنَزَلَتْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ إِلَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ لِقَوْلِهِ بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، مسلم: ۱۴۷۴، سنن نسائی: ۲۷۹۵، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۲۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے حسن بن محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا کہ عطاء کا یہ زعم ہے کہ انہوں نے عبید بن عمیر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرتے تھے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے، سو میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں تو وہ یہ کہے: مجھے آپ سے مغافیر (کیکر کے درخت کا گوند جس کی بو نا گوار ہوتی ہے) کی بو آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پھر نبی ﷺ ان ازواج میں سے کسی ایک کے پاس گئے تو انہوں نے اسی طرح کہا: آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے تو زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں آئندہ اس کو کبھی نہیں پیوں گا، تب یہ آیت نازل ہوگئی: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے (یہ آیت یہاں تک ہے) اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو یہ اچھا ہے۔ (التحریم: ۱۔۴) یہ آیت حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی (التحریم: ۳) کیونکہ آپ نے فرمایا: بلکہ میں نے شہد پیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) حسن بن محمد بن صباح: یہ الزعفرانی ہیں اور حدیث سابق کی شرح میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔
(۲) حجاج: یہ ابن محمد الاعور ہیں (۳) ابن جریج: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں (۴) عطاء: یہ ابن ابی رباح ہیں۔ اہل حجاز ان کا نام مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور ہشام بن یوسف کی روایت ہے: از ابن جریج از عطاء (۵) عبید بن عمیر: یہ ابو عاصم اللیثی المکی ہیں، ابن جریج، عطاء اور عبید یہ تینوں مسلسل مکی راوی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی، علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

فَتَوَاصَيْتُ: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ المواصاۃ سے ماخوذ ہے۔
(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ غلط ہے بلکہ یہ لفظ التَّوَاصِی (باب تفاعل) سے ماخوذ ہے اور جو شخص باب تفاعل اور باب مفاعلہ میں فرق نہیں کرسکتا وہ کیسے صحیح البخاری کی شرح لکھنے کے لیے میدان میں اتر آیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۰۳ میں علامہ عینی کا یہ اعتراض لکھا ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں لکھا، گویا کہ حافظ ابن حجر لاجواب ہو گئے۔

میں کہتا ہوں: باب المفاعلہ کا خاصہ ہے کہ ہر ایک فعل میں مشترک ہو، اس تقدیر پر المواصاۃ کا معنی ہو گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا، یہ حافظ ابن حجر کی شرح ہے۔ نیز اگر یہ لفظ باب مفاعلہ سے ہوتا اور المواصاۃ ہوتا تو پھر یہ صیغہ وَاصَیْتُ ہوتا جب کہ حدیث میں یہ لفظ تواصیت ہے جو کہ باب تفاعل سے ماخوذ ہے اور باب تفاعل کا خاصہ ہے کہ دو فریق فعل میں مشترک ہوں اور اس تقدیر پر تواصیت کا معنی ہو گا کہ میں نے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں نے یہ مشورہ کیا اور یہ علامہ عینی حنفی کی شرح ہے اور یہی صحیح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز حافظ ابن حجر لفظ فتواطیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہشام کی روایت میں ہے: فتواطیت طاء کے ساتھ ہے اور یہ المواطاۃ سے ماخوذ ہے، اس کے آخر میں ہمزہ ہے جس میں تسہیل کی گئی ہے اور وہ یاء ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۶)

(علامہ عینی لکھتے ہیں:) یہ بھی غلط ہے بلکہ یہ لفظ التواطؤ سے ماخوذ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۴)

میں کہتا ہوں: التواطؤ کا معنی موافقت ہے یعنی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں نے اس مشورہ میں موافقت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اگر یہ لفظ المواطاۃ سے ماخوذ ہوتا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے تو اول تو یہ لفظ وَاطَیْتُ ہوتا جب کہ حدیث میں یہ لفظ تَوَاطَیْتُ مذکور ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ باب تفاعل سے ہو، اس لیے علامہ عینی نے جو لکھا ہے وہی صحیح ہے۔ صیغہ کی تحقیق میں علامہ عینی نے اس شرح میں متعدد مقامات پر حافظ ابن حجر کی غلطی نکالی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر چند کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کو علم حدیث اور علم رجال میں بہت عبور تھا اور ان کا بہت وسیع مطالعہ تھا اور وہ بہت متبحر محدث تھے لیکن بہر حال وہ علم صرف میں ماہر نہیں تھے اور اس میدان میں علامہ عینی کا پلہ ہمیشہ ان سے بھاری رہا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کے اس اعتراض کو انتقاض الاعتراض میں نقل بھی نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

أَنَّ أَيَّتَنَا: یعنی ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ایک روایت ہے: أَنَّ أُوتِيَنَا: علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ روایت میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

مَغَافِير: صحیح البخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور صحیح مسلم کے بعض نسخوں میں یہ لفظ ''مَغَافِر'' مذکور ہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: المغفور میٹھا گوند ہے جس کی بو ناگوار ہوتی ہے اور یہ اس درخت سے لگتا ہے جس کے پتوں کو اونٹ کھاتے ہیں: اس کے پتے کڑوے ہوتے ہیں اور اس کے گوند میں مٹھاس ہوتی ہے۔ ابو زید الانصاری نے کہا ہے: یہ گوند بیری اور کیلے کے درختوں پر لگتا ہے۔ (میرا گمان یہ ہے کہ یہ گوند کیکر کے درخت پر لگتا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے تو زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں آئندہ اس کو کبھی نہیں پیوں گا، تب (التحریم: ۴۔۱) نازل ہوئیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۵۔ ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

التحریم:۱، کی متعدد تفاسیر

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المصری المتوفی ۳۲۱ھ نے التحریم:۱ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دوبارہ شہد نہیں پیوں گا اور قسم کا ذکر نہیں فرمایا، پس آپ کا یہ قول ہی کفارہ کا موجب ہے مگر یہ کہ یہاں ہر قسم کا لفظ مقدر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم:۲) (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے۔

سو یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے شہد کو حرام کرنے کے ساتھ قسم بھی کھائی تھی اور زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ اپنی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع نہیں کریں گے اور وہ آپ کی ام ولد تھیں، پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: وہ حرام ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، سو آپ نے کفارہ دیا، پس یہ آپ کی قسم کا کفارہ تھا اور شہد یا حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام قرار دینے کا کفارہ نہیں تھا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ زیادہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس پر شہد پینے کو حرام قرار دیا تھا اور اس پر قسم کھائی تھی اور آپ کی قسم کی وجہ سے آپ پر کفارہ لازم آیا تھا نہ کہ شہد کو حرام قرار دینے کی وجہ سے، سو ان علماء کی اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ بیوی کو حرام قرار دینے کی وجہ سے کفارہ قسم لازم آتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے التحریم:۱، کی تفسیر میں کہا ہے: اس آیت کا تعلق کھانے، پینے کی چیزوں اور باندیوں کے ساتھ متعلق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے اور ان کو حرام قرار دینے اور ان کو استعمال نہ کرنے کی قسم کھانے کی وجہ سے کفارہ قسم کا لزوم ہے، اور رہا ازواج کا معاملہ تو ان میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کو تحریم اور دیگر الفاظ کے ساتھ مشروع فرمایا ہے مثلاً ظہار وغیرہ اور رہی کھانے پینے کی چیزیں اور باندیاں وغیرہ ان میں تحریم مشروع نہیں ہے بلکہ ان کو حرام قرار دینا ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے نبی مکرم!) آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ (التحریم:۱) اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اوپر انعام فرمایا ہے، بہ خلاف دیگر ادیان کے۔

کیا مسلمانوں کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اپنے نفس پر چند اشیاء کو حرام قرار دے دیا اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ جو شخص اپنے اوپر کسی حلال چیز کو حرام کر دے تو اس کی تحریم اس پر لازم ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام کی اولاد کے اوپر اونٹ کے گوشت کی تحریم لازم ہو گئی اور ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہے کہ ہم کسی حلال چیز کو حرام کر لیں اور اس پر قسم کھالیں تو کفارہ قسم ادا کرنے سے وہ چیز ہم پر حلال ہو جاتی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد کی تحریم کے معاملہ میں ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے التحریم:۱، کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱ : اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (التحریم:۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے شہد کے حرام کرنے کو معاف فرما دیا۔

حدیث مذکور سے مستنبط متعدد فقہی مسائل

(۱) بیوی اپنے شوہر کا جو راز افشاء کرے وہ گناہ اور معصیت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنا یہ راز بتایا تھا کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور حضرت حفصہ کی دل جوئی کے لیے فرمایا تھا کہ میرے بعد (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر خلیفہ ہوں گے، حضرت حفصہ نے آپ کا یہ راز افشاء کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ۔ (التحریم:۴) اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں اس گناہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کریں اور اس سے توبہ کریں کہ وہ غیرت میں آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہ کریں اور ایک دوسرے سے مشورہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پینے سے منع نہ کریں جیسا کہ انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے تاکہ آپ شہد نہ پئیں۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں میں سے دنیاوی اغراض کی بنا پر اپنے آپ کو روک لینا اور ان سے نفع نہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۳۳۲۔۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مصنف کے نزدیک التحریم: ۱، کی تفسیر

میں کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: (اے نبی مکرم!) آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ (التحریم:۱) اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو شرعاً حرام کر لیا تھا کیونکہ حلال شرعی کو حرام شرعی قرار دینا کفر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے اور کفر سے منزہ ہیں اور جو شخص یہ کہے کہ آپ نے شہد کو شرعاً حرام کر لیا تھا تو وہ العیاذ باللہ آپ کی طرف کفر کی نسبت کرے گا اور وہ آپ کی طرف کفر کی نسبت کرنے سے خود کافر ہو جائے گا، لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ان چیزوں سے اپنے آپ کو کیوں روک رہے ہیں اور آپ ان چیزوں سے نفع کیوں نہیں اٹھا رہے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں! یعنی آپ کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کریں بلکہ آپ کا مرتبہ اور مقام تو یہ ہے کہ خود رب کائنات آپ کی رضا طلب فرماتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیات اس پر شاہد ہیں:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔ (البقرۃ:۱۴۴) بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ (طٰہٰ:۱۳۰) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے رہیے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے بعض اوقات میں اور دن کے بعض حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ۝

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ:٥) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب الاحزاب:٥١، نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

ما اری ربك الا یسارع فی هواك۔ (صحیح البخاری:٤٧٨٨، صحیح مسلم:١٤٦٤، سنن نسائی:٣١٩٩، سنن ابن ماجہ:٢٠٠٠، مسند احمد:٢٤٧٢٣) میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

ان آیات اور حدیث مذکور سے یہ واضح ہو گیا کہ خود رب کائنات آپ کی رضا طلب فرماتا ہے اور قیامت کے دن جب تمام انبیاء اللہ عزوجل کے جلال اور ہیبت کی وجہ سے اس کے حضور لوگوں کی شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور سب نفسی نفسی کہیں گے تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور سر سجدہ میں ڈال دیں گے تو آپ کا رب مولیٰ عزوجل فرمائے گا:

یا محمد ارفع راسك وقل یسمع لك وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ (صحیح البخاری: ٧٥١٠، صحیح مسلم: ١٩٣، ٤٧٩، مسند احمد:١٢١٥٣) اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کو سنا جائے گا اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

اللہ! اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام اور یہ مرتبہ ہے اور آپ کی یہ شان ہے کہ اللہ عزوجل رب عرش عظیم آپ کو راضی فرماتا ہے اور جب کسی کی نہیں سنتا تو آپ کی سنتا ہے اور آپ کی رضا طلب فرماتا ہے، سو آپ کو یہ زیبا نہیں کہ آپ اپنی ازواج کی رضا طلب کریں اور ان کی رضا کی خاطر اپنے پسندیدہ شہد کو پینا چھوڑ دیں اور اس سے نفع نہ اٹھائیں، یہ تو ان ازواج کو چاہیے کہ وہ آپ کی رضا طلب کریں اور آپ کو راضی کریں اور آپ کے راز کو افشاء کرنے سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ (التحریم:٥-٤) اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب انہیں تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرمانبردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی O

ہماری اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ التحریم:١، کا یہ معنی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال شرعی کو حرام فرما دیا تھا کیونکہ یہ کفر ہے اور آپ اس سے پاک ہیں بلکہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ آپ ان چیزوں سے نفع کیوں نہیں اٹھا رہے جن سے نفع اٹھانا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ نے اس آیت کی تفسیر میں جو یہ لکھا ہے:

یہ دراصل استفہام نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے یعنی مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے بلکہ آپ کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ الی قولہ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل پر گرفت فرمائی اور آپ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم

دیا۔ (تفہیم القرآن ج ٦ ص ١٥)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس طرح بار بار حلال کو حرام کرنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور آپ کے اس فعل کی جس طرح تصویر کھینچی ہے وہ اہل ایمان کے لیے یقیناً دل آزار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس کے استعمال سے روک لیا تھا جیسا کہ ہماری تقریر سے ظاہر ہو چکا ہے اور حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''لَنْ اعودَلہ'' میں دوبارہ ہرگز شہد نہیں پیوؤں گا اور جن چیزوں کا کھانا، پینا اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے ان کو کھانا اور نہ کھانا دونوں جائز ہے، آپ کے لیے جس طرح شہد کو پینا جائز تھا اسی طرح اس کو نہ پینا بھی جائز تھا تو پھر ایک مباح کام کا نہ کرنا کس طرح ناپسندیدہ ہو سکتا ہے۔

ہر مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کھانے پینے کی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے کر اس سے نفع حاصل کرنا چھوڑ دے مثلاً وہ قسم کھالے کہ میں آئندہ دودھ نہیں پیوں گا یا گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس کا یہ فعل ناجائز اور ناپسندیدہ نہیں ہے تو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھالیں کہ آپ آئندہ شہد نہیں پئیں گے اور اس سے نفع نہیں اٹھائیں گے تو آپ کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور آپ سے محبت اور حلاوت ایمان سے محروم ہو۔

دراصل اس آیت میں آپ کے کسی فعل کے ناپسندیدہ فعل پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور نہ آپ کے کسی فعل پر گرفت کی گئی ہے بلکہ آپ کی تعظیم اور توقیر اور مقام نبوت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ ازواج کو راضی کرنے کے لیے شہد کو کیوں ترک کر رہے ہیں، آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ ازواج کو راضی کریں، آپ کا مقام تو یہ ہے کہ ازواج آپ کو راضی کریں۔ جن کی رضا خود خالق کائنات کو مطلوب ہے انہیں مخلوق میں سے کسی کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

٥٢٦٨۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحِبُّ الْعَسَلَ وَالْحَلْوَاءَ وَكَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ فَاحْتَبَسَ أَكْثَرَ مَا كَانَ يَحْتَبِسُ فَغِرْتُ فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ فَقِيلَ لِي أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةٌ مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةً مِنْ عَسَلٍ فَسَقَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْهُ شَرْبَةً فَقُلْتُ أَمَا وَاللّٰهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ فَقُلْتُ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ إِنَّهُ سَيَدْنُو مِنْكِ فَإِذَا دَنَا مِنْكِ فَقُولِي أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكِ لَا فَقُولِي لَهُ مَا هٰذِهِ الرِّيحُ الَّتِي أَجِدُ مِنْكَ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكِ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ فَقُولِي لَهُ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں، ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروۃ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو اور الحلوی (شیرینی) کو پسند فرماتے تھے اور جب آپ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی ازواج کے پاس جاتے، پس ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے، سو ایک دن آپ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، سو انہوں نے آپ کو معمول سے زیادہ دیر ٹھہرایا تو مجھے غیرت آئی، سو میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو مجھے بتایا گیا کہ ان کے قبیلہ کی ایک عورت نے ان کو شہد کا ایک مشکیزہ بہ طور تحفہ بھیجا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے شہد پلایا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:) سو میں نے دل میں سوچا اللہ کی قسم! ہم ضرور بہ ضرور اس کی کوئی تدبیر کریں گی تو میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا

وَسَأَقُولُ ذٰلِكِ وَقُولِي أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ ذَاكِ قَالَتْ تَقُولُ سَوْدَةُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أُبَادِيَهُ بِمَا أَمَرْتِنِي بِهِ فَرَقًا مِنْكِ فَلَمَّا دَنَا مِنْهَا قَالَتْ لَهُ سَوْدَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ قَالَ لَا قَالَتْ فَمَا هٰذِهِ الرِّيحُ الَّتِي أَجِدُ مِنْكَ قَالَ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ فَقَالَتْ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ فَلَمَّا دَارَ إِلَيَّ قُلْتُ لَهُ نَحْوَ ذٰلِكَ فَلَمَّا دَارَ إِلَى صَفِيَّةَ قَالَتْ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَلَمَّا دَارَ إِلَى حَفْصَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أَسْقِيكَ مِنْهُ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ قَالَتْ تَقُولُ سَوْدَةُ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ قُلْتُ لَهَا اسْكُتِي

(صحیح مسلم: ۱۴۷۴، ۳۶۷۹، مسند احمد: ۲۴۳۱۶)

کہ عنقریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قریب آئیں گے، سو جب وہ آپ کے قریب آئیں تو آپ ان سے پوچھیں: کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کہیں گے: نہیں! تو آپ ان سے یوں کہیں کہ یہ ناگوار بو آپ سے کس وجہ سے آ رہی ہے؟ تو وہ آپ سے کہیں گے کہ مجھے حفصہ نے شہد کے چند گھونٹ پلائے تھے تو آپ ان سے کہیں کہ شہد کی کسی مکھی نے درخت عرفط کا رس چوسا ہوگا اور عنقریب میں بھی اسی طرح کہوں گی اور اے صفیہ! تم بھی اسی طرح کہنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت سودہ بیان کرتی ہیں: پس اللہ کی قسم! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر کھڑے ہوئے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کو آواز دے کر وہ بات کہوں جس کا حضرت عائشہ نے مجھے حکم دیا تھا کیونکہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ڈر لگتا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کے قریب پہنچے تو آپ سے حضرت سودہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! حضرت سودہ نے کہا: پھر مجھے آپ سے یہ ناگوار بو کس وجہ سے آ رہی ہے؟ آپ نے فرمایا: حفصہ نے مجھے شہد کا ایک گھونٹ پلایا تھا، حضرت سودہ نے کہا: کسی شہد کی مکھی نے درخت عرفط (کے پتوں) کا رس چوس لیا ہوگا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے بھی اسی کے نحو کہا یعنی اسی طرح کہا، پھر جب آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے تو انہوں نے بھی اسی کی مثل کہا، پھر جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو کچھ شہد نہ پلاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، حضرت عائشہ نے بتایا کہ حضرت سودہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! ہم نے آپ کو اس شہد سے محروم کر دیا تو میں نے کہا: چپ کرو۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں التحریم: ۱ کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو شہد کا گھونٹ پینے سے

روک لیا اور التحریم: ۱ میں بھی یہی ذکر ہے کہ اے نبی: صلی اللہ علیک وسلم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اس آیت کے سبب نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ آیت شہد کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور زید بن اسلم نے بتایا کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دینے کے متعلق نازل ہوئی ہے جب آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ آئندہ ان کے ساتھ جماع نہیں کریں گے اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے جماع کی تحریم کے متعلق نازل نہیں ہوئی کیونکہ یہ قصہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں مذکور نہیں ہے اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے جماع کی تحریم کا قصہ کسی سند صحیح سے منقول نہیں ہے۔ امام نسائی نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہد کے قصہ کے متعلق حدیث انتہائی درجہ کی صحیح ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مشکل عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو اور الحلواء کو پسند فرماتے تھے اور الحلواء کا بیان عنقریب ''کتاب الاطعمہ'' اور ''کتاب الاشربہ'' میں تفصیل سے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحلواء، شہد اور کھجور وغیرہ سے تیار کر کے ایک قسم کی شیرینی تیار کی جاتی ہے، علامہ نووی نے کہا ہے کہ الحلواء میں ہر میٹھی چیز داخل کی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ کرمانی شافعی سے مناقشہ اور الحلواء اور العسل کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العسل (شہد) اور الحلواء (میٹھی چیز) کو پسند فرماتے تھے۔ الحدیث

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الحلواء کا معنی ہے: ہر میٹھی چیز اور العسل کے بعد الحلواء کا ذکر کرنا شہد کے شرف پر متنبہ کرنے کے لیے ہے اور اس حدیث میں عام کا عطف خاص پر کیا گیا ہے۔ (الکواکب الدراری ج۱۹ ص۱۸۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں بھی مذکور ہے اور اس میں الحلواء کا لفظ العسل پر مقدم ہے اور ان دونوں لفظوں میں سے ہر ایک کی تقدیم کی ایک وجہ ہے، پس العسل کو اس کے شرف کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور اس لیے کہ العسل یعنی شہد الحلواء یعنی مٹھاس کے اصول میں سے ایک اہم اصل ہے اور اس لیے بھی کہ العسل مفرد ہے اور الحلواء مرکب ہے (جیسے مٹھائی چند چیزوں سے مرکب ہوتی ہے، مثلاً لڈو، بیسن، چینی اور گھی سے مرکب ہوتے ہیں، اور جلیبی اور امرتی، میدہ، چینی اور گھی سے مرکب ہوتے ہیں اور بالوشاہی، ماش کی دال، چینی اور گھی سے مرکب ہوتی ہے اور گلاب جامن، کھویا، چینی اور گھی سے مرکب ہوتی ہے وغیرہ) اور حلواء کو کتاب الاطعمہ میں اس لیے مقدم کیا ہے کہ یہ شہد کو بھی شامل ہے اور اس کی اور بھی اقسام ہیں کیونکہ الحلوا شہد اور چینی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے اور یہ عام کا عطف خاص پر نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین (علامہ کرمانی) نے گمان کیا ہے کیونکہ عام وہ ہوتا ہے جس میں تمام انواع داخل ہوں۔ (فتح الباری ج۶ ص۴۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر شافعی سے مناقشہ اور علامہ کرمانی کا دفاع

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے کہ الحلواء کے بعد العسل کا ذکر عام کے بعد خاص کا ذکر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے: یہ عام کا عطف خاص پر نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین نے گمان کیا ہے اور عام تو صرف وہ ہوتا ہے جس میں تمام داخل ہوں۔ علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کی علامہ کرمانی پر طعن و تشنیع پر کوئی وجہ نہیں ہے اور انہوں نے جو کہا ہے کہ عام میں اس کی تمام انواع داخل ہوتی ہیں اس سے انہوں نے اپنے کلام کا خود رد کیا ہے کیونکہ حلواء میں ہر میٹھی چیز داخل ہے جیسا کہ علامہ نووی نے ذکر کیا ہے، پس ابن حجر نے یہ کیسے کہا کہ یہ عام کا خاص پر عطف نہیں ہے اور یہ محض ابن حجر کا تکبر ہے کیونکہ علامہ نووی نے تصریح کی ہے کہ یہ خاص کا عام پر عطف ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ۔ (القدر: ۴) (اس رات) فرشتے اور (حضرت) جبریل نازل ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۳، میں علامہ عینی کا یہ اعتراض تو لکھا ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں لکھا، گویا کہ وہ اس بار پھر لاجواب ہو گئے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس فرق کی توجیہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے متعلق لفظ نحو کہا اور حضرت صفیہ نے اپنے متعلق لفظ مثل کہا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے اس کی نحو کہا (یعنی میں نے کہا: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے) اور جب آپ حضرت صفیہ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی اس کی مثل کہا (یعنی آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے)۔ اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو (صحیح البخاری: ۵۲۶۸) میں لفظ نحو ہے اور جب حضرت صفیہ کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو حدیث میں لفظ مثل ہے اور شاید اس فرق میں نکتہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی اس قول کو بنانے والی تھیں، سو انہوں نے جس لفظ کو اچھا سمجھا اس کے ساتھ اپنے قول کو تعبیر کیا، اسی لیے انہوں نے لفظ نحو کہا اور لفظ مثل نہیں کہا اور رہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہنے کا حکم دیا گیا تھا تو ان کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں تصرف کرنا جائز نہیں تھا کیونکہ اگر وہ تصرف کرتیں تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غضب سے ڈرتی تھیں جو ان کو یہ حکم دینے والی تھیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات اس طرح کہنا اس لیے جب ان کی طرف اس قول کی نسبت ہوئی تو (صحیح البخاری: ۵۲۶۸) میں لفظ مثل آیا اور حدیث میں لفظ نحو اور مثل کی جو وجہ میں نے لکھی ہے یہ پہلے میرے ذہن میں آئی تھی، پھر میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو دیکھا تو اس میں دونوں جگہ لفظ مثل ہے تو میرا ظن غالب ہو گیا کہ صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں لفظ نحو اور مثل کا فرق راوی عروہ کے تصرف اور تغیر کی وجہ سے ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ایسا جواب نہیں لکھا جس سے کسی بیمار کو شفا ہو یا کوئی پیاسا سیراب ہو اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ

لغت میں نحو کا معنی ہے: قصد اور ارادہ، کہا جاتا ہے: نحوتُ نحوَكَ یعنی قصدتُ قصدَكَ اور مثل کا معنی مشابہت اور مماثلت ہے، پھر اہل عرب نحو کے لفظ کو مثل کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، جب کہ مماثلت کے بیان میں ان کا قصد کلی ہوتا ہے، اس کے برخلاف لفظ مثل کو محض مماثلت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور دوسری کسی چیز کی طرف التفات نہیں کیا جاتا اور جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قصد کلی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچادی جائے کہ شہد کی مکھی نے درخت العرفط کے پتوں کا رس چوس لیا ہے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کی مثل کہا، اس کے برخلاف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کا بالکل قصد نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم کے امتثال یعنی ان کے حکم پر عمل کرنے کے لیے اس طرح کہا تو اس لیے صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں جب اس قول کی نسبت حضرت صفیہ کی طرف کی تو صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں لفظ مثل ذکر کیا ہے اور حدیث کے راوی عروہ کے متعلق یہ گمان کرنا کہ انہوں نے حدیث میں تصرف اور تغیر کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے یہ محض ظن فاسد ہے، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب حضرت عائشہ کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو لفظ نحو ہے اور حدیث میں جب حضرت صفیہ کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو لفظ مثل ہے، سو یہ تفنن کلام کی وجہ سے ہے اور دونوں کے ساتھ لفظ مثل کو بار بار نہیں لایا گیا تا کہ پڑھنے والا اکتا نہ جائے۔ اس لیے تفنن کلام کی وجہ سے حضرت عائشہ کے ساتھ حدیث میں لفظ نحو ہے اور حضرت صفیہ کے ساتھ حدیث میں لفظ مثل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں نے جو کہا تھا کہ میرا ظن غالب ہے کہ حدیث میں لفظ نحو اور مثل کا فرق راوی کے تصرف اور تغیر کی وجہ سے ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ راوی نے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیا ہے جب کہ اس کا گمان یہ ہے کہ دونوں لفظوں کا معنی واحد ہے، اس پر علامہ عینی نے اپنے اعتراض میں جو یہ کہا ہے کہ یہ ظن فاسد ہے تو یہ ان کی بے ادبی ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جب وہ کسی بات کا انکار کرتے ہیں تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور یہاں پر کوئی ظن فاسد نہیں ہے بلکہ ظن غالب ہے کیونکہ حضرت صفیہ نے مثل کا لفظ کہا اور نحو اور مثل کے دو لفظوں کو جمع نہیں کیا اور انہوں نے جو ایک لفظ پر اختصار کیا ہے تو راوی نے اس عبارت میں تغیر کر کے اس کے مفہوم کو اپنے لحاظ سے بیان کیا ہے اور اس معترض نے حد سے بڑھ کر جو بکواس کی ہے وہ ہم پروا نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے۔ (انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: اگر علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کے ظن کو ظن فاسد لکھا تھا تو حافظ ابن حجر نے ضرورت سے زیادہ اس کا بدلا لیا ہے کیونکہ انہوں نے علامہ عینی کے اعتراض کو ہذیان لکھا ہے جس کے معنی ہیں: بکواس، فضول بک بک، بے سروپا، بے ربط اور اول فول باتیں، اور حافظ ابن حجر کی یہ عبارت علامہ عینی کی عبارت کی بہ نسبت زیادہ سخت اور شدید ہے اور اس سے قطع نظر علامہ عینی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کے ساتھ لفظ نحو اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس قول کی نسبت کے ساتھ لفظ مثل کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ حافظ ابن حجر کی شرح سے کئی گنا بہتر ہے کیونکہ حافظ ابن حجر کی شرح سے یہ لازم آتا ہے کہ راوی عروہ نے اس حدیث میں تغیر کر کے دونوں جگہ لفظ مثل لکھنے کی بجائے حضرت عائشہ کے ساتھ لفظ نحو اور حضرت صفیہ کے ساتھ لفظ مثل لکھ دیا

ہے اور یہ صحیح البخاری: ۵۲۶۸ کے متن کو بدلنا ہے اور عروہ پر بھی اعتراض ہے جب کہ علامہ عینی کی شرح سے صحیح البخاری: ۵۲۶۸ کا متن بھی برقرار رہتا ہے اور عروہ پر بھی اعتراض نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہ)

عصر کے بعد ازواج کے پاس جانے کے متعلق دو روایتوں کا تعارض اور ان کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے: جب آپ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی ازواج کے پاس جاتے: امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور صحابہ آپ کے ارد گرد بیٹھ جاتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا، پھر آپ باری باری اپنی ازواج مطہرات کے پاس جاتے، آپ ان کو سلام کرتے اور ان کے لیے دعا کرتے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحیح بخاری کی روایت میں عصر کے بعد ازواج کے پاس جانے کا ذکر ہے اور امام عبد بن حمید کی روایت میں صبح کی نماز کے بعد ازواج کے پاس جانے کا ذکر ہے، سو ان دونوں روایتوں میں کس طرح مطابقت ہوگی؟ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عصر کے متعلق جو روایت ہے وہ محفوظ ہے اور امام عبد بن حمید نے جو حماد کی روایت ذکر کی ہے وہ شاذ ہے اور اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ امام عبد بن حمید کی روایت میں صرف اتنا ذکر ہے کہ آپ صبح کی نماز میں ازواج مطہرات کے پاس جاتے، ان کو سلام کرتے اور ان کو دعا دیتے اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ازواج مطہرات کے پاس عصر کے بعد جاتے اور سلام وغیرہ کے بعد ان کے پاس بیٹھتے اور باتیں کرتے۔

اس حدیث میں عكة من عسل کا ذکر ہے۔ عكة کا معنی ہے: مشکیزہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حیلہ کیا تھا اس پر ایک اشکال کا جواب

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کہنا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا اور انہوں نے یہ صرف اس لیے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے سے روک دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو خلاف واقع یہ بات کہی تھی اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے سوکنوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو طبعی تعصب اور غیرت ہوتی ہے یہ اس کا تقاضا تھا اور یہ گناہ صغیرہ تھا جو ان کی دوسری نیکیوں کی وجہ سے معاف کر دیا جائے گا۔

(شرح الکرمانی ج۱۹ ص ۱۹۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

عُرْفُط کا معنی

امام اللغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے لکھا ہے:

عرفط ایک کانٹے دار درخت ہے، اس کے پتوں میں ایک خوشبودار بو ہوتی ہے اور اس کے پتے بہت چوڑے ہوتے ہیں جو زمین پر پھیل جاتے ہیں۔ اس میں روئی کی طرح سفید رنگ کا پھل لگتا ہے، اس کی بو بہت ناگوار ہوتی ہے، شہد کی مکھی اس پھل کو چاٹتی ہے اور اس سے شہد حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ درخت ہے جس میں گوند لگتا ہے جس کو مغافیر کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۸۰، مزیداً)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے حضرت حفصہ سے کہا: آپ خاموش رہیں: گویا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ

تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر زیادہ دیر ٹھہرنے سے روکنے کی جو تدبیر کی تھی اس کا راز فاش ہو جائے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) عورتوں کی طبیعت میں اور ان کی فطرت میں غیرت مرکوز ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسی خفیہ تدبیر کرتی ہیں جس سے ان کی سوکنوں کو ضرر ہو۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہت بلند مرتبہ تھا حتیٰ کہ دوسری ازواج مطہرات ان سے ڈرتی تھیں اور ان کے ہر حکم کی اطاعت کرتی تھیں جس طرح حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما نے ان کے خوف سے ان کی خفیہ تدبیر پر عمل کیا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کے بعض اوقات میں باری باری اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

(۴) جن چیزوں کے صراحتاً ذکر سے حیاء مانع ہو ان کا بہ طور کنایہ ذکر کرنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ کے قریب ہوتے تھے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کا بوسہ لیتے تھے اور اس سے بغل گیر ہوتے تھے لیکن چونکہ اس کا صراحتاً ذکر ادب کے خلاف تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہ طور کنایہ فرمایا: آپ اس کے قریب ہوتے تھے۔

(۵) اس حدیث سے شہد اور الحلواء کی فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو کھانے سے محبت کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شہد کا استعمال کیا کریں کیونکہ اس میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (میں ذیابیطس کا مریض ہوں اور Diabetes کے لیے شہد کا استعمال ممنوع ہے لیکن میں اس حدیث کے پیش نظر ہر روز نہار منہ شہد اور دودھ سے بنی ہوئی چائے پیتا ہوں اور انسولین کی مقدار بڑھا لیتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے شوگر کی آفات سے محفوظ رکھے اور شہد کی شفاء اور منافع عطا فرمائے، امین۔ سعیدی غفرلہ)

(۶) اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی اس خفیہ تدبیر پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کوئی فہمائش نہیں کی، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ صبر آپ کا انتہائی حلم اور آپ کا وسیع کرم ظاہر ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۹۔۳۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ، علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی اتنی شرح نہیں کی جتنی بھرپور اور جامع شرح علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے کی ہے، لہٰذا ہم نے اس حدیث کی شرح میں صرف ان سے استفادہ کیا ہے۔

۹۔ بَابُ: لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ وقول الله تعالى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ

نکاح سے پہلے طلاق کا اعتبار نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر

سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب:۴۹)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ جَعَلَ اللّٰهُ الطَّلَاقَ بَعْدَ النِّكَاحِ وَيُرْوَى فِي ذٰلِكَ عَنْ عَلِيٍّ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَشُرَيْحٍ وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَطَاوُسٍ وَالْحَسَنِ وَعِكْرِمَةَ وَعَطَاءٍ وَعَامِرِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَنَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَمْرِو بْنِ هَرِمٍ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ۔

حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو O (الاحزاب:۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعد طلاق کو مشروع فرمایا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبد الرحمٰن، عمرو بن ہرم اور شعبی سے مروی ہے کہ نکاح سے پہلے کسی عورت کو طلاق نہیں ہو گی۔

تعلیق مذکور کی تخریج

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۴۸، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعد طلاق کو مشروع فرمایا ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت علی کی روایت: (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۵۴، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

سعید بن المسیب کی روایت: (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۶۰، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عروہ بن الزبیر کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابوبکر بن عبد الرحمٰن اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی روایت: (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابان بن عثمان کی روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے کہ اب تک میں اس روایت کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علی بن حسین کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴، مسند ابن الجعد: ۲۲۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

شریح کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سعید بن جبیر اور القاسم کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سالم کی روایت: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے: (التعلیق ج ۴ ص ۴۴۵)

طاؤس کی روایت: (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

حسن بصری کی روایت: (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۶۶، ۱۱۴۶۵، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴)

عکرمہ کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

عطاء کی روایت: (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عامر بن سعد کی روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ میں اس روایت کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، طبع لاہور، ۱۴۰۱ھ)

جابر بن زید کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳)

نافع بن جبیر اور محمد بن کعب کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵)

سلیمان بن یسار کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۶)

مجاہد کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

القاسم بن عبدالرحمٰن کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

عمرو بن ہرم کی روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا کہ میں اس روایت کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، دارالکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

الشعبی کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۷۳، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان تمام فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جاتی۔

نکاح سے پہلے طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے: نکاح سے پہلے طلاق کا وجود نہیں ہوتا۔

علامہ محمد یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے: فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق دینا صحیح ہے، سو امام بخاری نے ان کا رد کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا۔ (شرح الکرمانی جز ۱۹ ص ۱۹۲۔۱۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: مجھے علامہ کرمانی اور ان کے موافقین پر تعجب ہے کہ ان سے یہ کلام کیسے صادر ہوا، پھر وہ متعدد وجوہ سے فقہاء احناف کا رد کرتے ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کو مسئلہ تعلیق سے مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ جب میں تم سے نکاح کروں گا تو تم کو طلاق ہے، پس جب اس مرد نے اس عورت سے نکاح کیا تو فقہاء احناف کے نزدیک اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور ان کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر فقہاء تابعین کے اس قول سے ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی جیسا کہ عنقریب امام بخاری کی تعلیق میں اس کا ذکر آئے گا، نیز ان کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

امام ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معصیت میں نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے اور نہ اس چیز کو پورا کرنا لازم ہے جس کا ابن آدم مالک نہ ہو''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۱۶)

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معصیت کے کام میں نذر ماننا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے جس کا ابن آدم مالک نہ ہو''۔
(سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۳۱۶)

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کی نذر ماننا جائز نہیں اور جس غلام کا ابن آدم مالک نہیں اس کو آزاد کرنا جائز نہیں اور جس عورت کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کو طلاق دینا جائز نہیں ہے اور جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کی قسم کھانا جائز نہیں ہے''۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۰، مسند احمد: ۶۷۸۰)

اس سند کے ساتھ دوسری روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرد جس عورت کا مالک نہ ہو اس کو طلاق دینا جائز نہیں ہے اور

جس غلام کا مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور جس چیز کا وہ مالک نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۸۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۶، سنن سعید بن منصور: ۱۰۲۰، سنن ترمذی: ۱۱۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۷، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۵، المستدرک ج ۲ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۲۶۵)

نکاح سے پہلے طلاق کے وقوع کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں: یہ طلاق معلق بالشرط ہے اور یہ قسم ہے، لہٰذا اس کی صحت محل کی ملکیت پر موقوف نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور جب شرط متحقق ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ وجود نکاح کے بعد طلاق ہوگی مثلاً کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہے: اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، پس اس کے متعلق یہ کس طرح کہا جائے گا کہ یہ نکاح سے پہلے طلاق دی گئی ہے اور نکاح سے پہلے طلاق دینے کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہے: انت طالق (تم کو طلاق ہے)، سو یہ کلام لغو ہے اور اس کی مثل میں یہ کہا جائے گا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی اور اس سلسلہ میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے متعلق امام احمد نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے: ان احادیث کی صحت کی کوئی اصل نہیں ہے، پس تم ان کے ساتھ مشغول نہ ہو اور اگر بالفرض یہ صحیح ہوں تو یہ تخییر پر محمول ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جو مرد کسی عورت کا مالک نہ ہو اس پر طلاق کے وقوع کی حدیث کی تحقیق

امام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعروف با بن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتب صحیحہ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ ''المصنفات'' اور ''المسانید'' میں ائمہ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں جن کو امام الدارقطنی نے وارد کیا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: میں نے امام محمد بن اسماعیل البخاری سے سوال کیا کہ اس باب میں زیادہ صحیح حدیث کون سی ہے تو انہوں نے کہا: وہ حدیث جو عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود مروی ہے۔ اور ہشام بن سعد کی حدیث از زہری از حضرت عائشہ جو مروی ہے اس میں امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''جس نے کسی گناہ پر قسم کھائی تو اس کی قسم معتبر نہیں ہے اور جس نے قطع رحم کی قسم کھائی تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور نذر صرف اس چیز میں منعقد ہوتی ہے جس میں اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہو''۔ علاوہ اس کے امام بخاری نے عمرو بن شعیب کی حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے ہر چند کہ انہوں نے اس کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا کیونکہ اس کی سند ان کی شرط کے مطابق نہیں تھی لیکن انہوں نے اس حدیث کی حضرت مولیٰ علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تقریباً تیئس (۲۳) تابعین سے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی عورت کا مالک نہ ہو اس پر اس کی طلاق لازم نہیں آتی اور ان میں سات (۷) فقہاء مدینہ بھی ہیں۔ (ان آثار اور اقوال فقہاء تابعین کی تخریج اور تحقیق ان شاء اللہ عنقریب نعمۃ الباری میں آرہی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

جو مرد کسی عورت کا مالک نہ ہو اس پر طلاق کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

اس مسئلہ میں فقہاء کے درج ذیل اقوال ہیں:

(۱) مرد جس عورت کا مالک نہ ہو اس پر اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ امام شافعی اور دوسرے فقہاء کا قول ہے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر کسی مرد نے کسی اجنبی عورت کو طلاق معلق دی بایں طور کہ اس نے کہا کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے تو اگر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کیا تو نکاح کے فوراً بعد اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۳) امام مالک رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اگر مرد نے کسی عورت کی کسی قوم یا جگہ یا قبیلہ کی طرف نسبت کی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے کسی اجنبی عورت سے مطلقاً کہا کہ تم کو طلاق ہے تو پھر اس پر طلاق واقع نہیں ہو گی، اور فقہاء اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبل نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی اجنبی مرد سے یہ کہا کہ تم آزاد ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ اگر وہ مرد غلام ہو تو اس کو وہ آزاد کرے اور اگر اس نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ تم کو طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور سعید بن المسیب سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: بارش سے پہلے سیلاب نہیں آتا۔ (یعنی نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔ سعیدی غفرلہ)

وقوع طلاق کا قاعدہ

اور طلاق دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ طلاق اس عورت پر واقع ہوتی ہے جو نکاح کی قید کے ساتھ مقید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔

پس قرآن مجید کی اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق صرف منکوحہ عورت پر واقع ہوتی ہے اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق ہے تو جب وہ گھر میں داخل ہوگی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جب کوئی عورت اس کی منکوحہ نہ ہو تو وہ اس پر کسی چیز کا مالک نہیں ہے اور اس کا اس پر کوئی تصرف نہیں ہے، لہٰذا اگر وہ کسی اجنبی عورت سے کہے کہ تم پر طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہو گی، ہاں! اگر وہ یہ کہہ دے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، سو جب وہ اس عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

(۵) بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو یہ ایک عقد ہے جس کو اس نے اپنی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے، پس اگر یہ شرط پائی گئی تو اس کا قول نافذ ہو جائے گا اور اگر موت یا فراق کی وجہ سے یہ شرط نہیں پائی گئی تو اس قول کا حکم ساقط ہو جائے گا اور یہ کسی مانع کی وجہ سے نہیں ہے، حتیٰ کہ جب اس کا محل پایا جائے گا تو یہ حکم نافذ ہو جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق ہے تو واجب ہے کہ یہ قول منعقد ہو اور نیت کے ساتھ اس پر لازم ہو اور یہ عقد موقوف ہو گا حتیٰ کہ اپنے محل میں متحقق ہوگا کیونکہ یہ قول صحیح ہے جو محل صحیح کی طرف مضاف ہے اور کسی مدت صحیحہ پر معلق ہے، سو یہ اس طرح جائز ہے جیسا کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔ ان فقہاء نے کہا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب کسی مرد نے کسی اجنبی عورت کو طلاق دی یا اس غلام کو آزاد کیا جو اس کا مملوک نہیں ہے یا اس چیز کی نذر مانی جو اس کی ملک میں نہیں ہے (تو اس قول پر اس کا کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا) کیونکہ روایت ہے: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر آئی، پھر اس نے کہا: میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر یہ اونٹنی مجھے آپ کے پاس لے کر آ گئی تو میں اس کو نحر (ذبح) کر دوں گی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تم نے بہت برا کام کیا، ابن آدم جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے متعلق اس کی نذر منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا یہ حدیث اس قسم کی نظائر پر محمول ہے۔

قاعدہ مذکورہ پر فقہاء کے اقوال کی تفریع

اسی قاعدہ کے اوپر فقہاء کے اقوال متفرع ہیں۔ رہے امام احمد بن حنبل تو ان کا یہ نظریہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنا عبادت مقربہ ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ نذر مرد کے ذمہ میں مطلقاً منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر اس نے کسی ایسے غلام کو آزاد کرنے کی نذر مان لی جو اس کا مملوک نہیں ہے جب وہ غلام اس کی ملکیت میں آئے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر اس نے کہا کہ اللہ ہی کے لیے مجھ پر طلاق کی نذر ہے تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

رہے امام مالک تو مشہور قول کے مطابق ان کا نظریہ یہ ہے کہ جس نے بالعموم کہا کہ اس کی ہر بیوی کو طلاق ہے تو اس نے اپنے اوپر نکاح کا دروازہ بند کر دیا اور اصل یہ ہے کہ اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا اور اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی ج ۵ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۞

امام بخاری کی اس تعلیق پر علامہ عینی اور دیگر شارحین کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس آیت سے اس باب کے عنوان پر یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اس صورت کی خبر دی گئی ہے جس صورت میں نکاح کے بعد طلاق دی گئی ہو اور اس آیت میں کوئی حصر نہیں ہے اور نہ اس آیت کے سیاق و سباق میں اس کا کوئی تقاضا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۰۔۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اعتراض مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ تعلیق مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر مروی ہے اور سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبد الرحمن، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبد الرحمن، عمرو بن ہرم اور الشعبی کا بھی یہی قول ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

(اس اثر اور ان اقوال تابعین کی تخریج و تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب نعمۃ الباری میں آ رہی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن التین نے کہا ہے: امام بخاری نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن اس آیت میں امام بخاری کے موقف پر کوئی دلیل نہیں ہے، (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے موقف پر

دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے اور ان کے اس اثر کی امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سند جید ہے۔ اور امام حاکم نے اس اثر کی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو اس کا یہ قول اس کی لغزش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ ۔ (الاحزاب: ۴۹) اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو طلاق دے دو۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر تم ان سے نکاح کرو۔

اور امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے اپنی سندوں کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد یہ کہتا ہے کہ جب میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو مرد کے اس قول کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا یہ قول کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے، طلاق صرف اس عورت پر واقع ہوتی ہے جس کا وہ مالک ہو۔ فقہاء نے کہا ہے: پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے یہ کہا کہ جب میں اس عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا اس عورت پر اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک وہ اس مرد سے نکاح نہ کر لے اور کوئی غلام اس وقت تک آزاد نہیں ہوگا جب تک وہ غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں نہ آ جائے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کہا: ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جواب دیا کہ اس کا قول کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ ۔ (الاحزاب: ۴۹) اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو طلاق دے دو۔

ابو اسحاق بن ابی ثابت نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ایوب بن سلیمان نے کہا: میں نے ایک سو تیرہ (۱۱۳) ھ میں حج کیا، پھر میں عطاء کے پاس داخل ہوا اور ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس کے پاس ایک عورت آئی تا کہ وہ اس سے نکاح کر لے تو اس مرد نے کہا: میں نے جس دن اس سے نکاح کیا تو اسے طلاق البتہ ہوگی تو عطاء نے جواب دیا کہ جو عورت اس کے عقد نکاح میں نہ ہو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی ہتاہم اس اثر کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ جَعَلَ اللّٰهُ الطَّلَاقَ بَعْدَ النِّكَاحِ وَيُرْوٰى فِيْ ذٰلِكَ عَنْ عَلِيٍّ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَاَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَاَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَشُرَيْحٍ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَطَاوُسٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع فرمایا ہے، اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر

وَالْحَسَنِ وَعِكْرِمَةَ وَعَطَاءٍ وَعَامِرِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَنَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَمْرِو بْنِ هَرِمٍ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ

بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبدالرحمٰن، عمرو بن ہرم کی روایات ہیں اور الشعبی کا بھی یہی قول ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

تعلیق مذکور کی تخریج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع کیا ہے:

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۴۸، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اثر مروی ہے:

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۴، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

سعید بن المسیب: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۰، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عروہ بن الزبیر: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ: (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابان بن عثمان: حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ کہا ہے کہ میں اب تک اس ماخذ کے اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علی بن حسین: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴، مسند ابن الجعد: ۲۴۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

شریح: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سعید بن جبیر اور القاسم: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سالم: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے: (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۴۵، مکتبہ اسلامی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

طاؤس: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

حسن بصری: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۶، ۱۱۴۶۵، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴)

عکرمہ: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

عطاء: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عامر بن سعد: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ مجھے اس اثر کا ماخذ نہیں مل سکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵)

جابر بن زید: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳)

نافع بن جبیر اور محمد بن کعب: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵)

سلیمان بن یسار: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۶)

مجاہد: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

القاسم بن عبدالرحمٰن: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

عمرو بن ہرم: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ میں اس اثر کے ماخذ پر واقف نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، طبع لاہور)

الشعبی: (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۷۳، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان تمام فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ نکاح سے پہلے عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے متعلق مذاہب فقہاء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے العلل میں بیان کیا ہے کہ سفیان بن وکیع نے حدیث بیان کی کہ مجھے چالیس (۴۰) سال سے یہ حدیث محفوظ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اور علی بن حسین اور ابن مسیب اور تیئیس (۲۳) تابعین سے روایت ہے کہ وہ نکاح سے پہلے وقوع طلاق میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: ہاں! میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، میں نے کہا کہ امام بخاری نے اکثر تابعین سے یہ روایت کی ہے کہ نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع نہیں ہوتی اس کے باوجود کہ ان میں سے بعض نے اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان صحابہ اور تابعین سے اس قول کی صیغۂ تمریض (یعنی قیل) سے روایت کی گئی ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور اس میں اہل علم کے متعدد مذاہب ہیں، سو بعض نے کہا: نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور بعض نے کہا: نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع نہیں ہوتی اور بعض نے بہ طور خصوص کہا اور بعض نے بہ طور عموم کہا اور بعض نے توقف کیا۔

اور جمہور کا مختار یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی، اور یہی امام شافعی، ابن مہدی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور داؤد ظاہری اور ان کے متبعین کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ربیعہ، الثوری، اللیث، الاوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ نے اس میں تفصیل کی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور جمہور فقہاء مالکیہ نے تفصیل کی ہے کہ اگر اس نے کسی عورت کا نام لیا یا کسی طائفہ، قبیلہ یا کسی معین جگہ یا معین زمانہ کا نام لیا تو اس کے قول کے موافق طلاق بھی ہوگی اور غلام آزاد بھی ہوگا۔

لیکن جب اس نے کہا: اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو جب وہ اس عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن سعید بن المسیب وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ احادیث اور آثار اپنے ظاہر پر محمول ہیں۔

نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے ثبوت میں دلائل

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع ہو جاتی ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ (المائدہ: ۱) اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو۔

انہوں نے کہا: جب کسی شخص نے کسی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے۔ اب اس شخص نے اس عورت پر طلاق معلق واقع کی ہے اور شرط کے پائے جانے پر اس کو طلاق دینے کا التزام کیا ہے، اور اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی

جس چیز کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اس کو پورا کرے۔

اور دوسرے فقہاء نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا۝ (الدہر: ۷) وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی مطلقاً تحسین فرمائی ہے جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں، سو جس شخص نے ایسے غلام کو آزاد کرنے کی نذر مانی جو اس کی ملکیت میں نہیں تھا تو وہ بھی اس آیت کی تحسین میں داخل ہے۔

اور بعض فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ طلاق معلق واقع کرنا صحیح ہے کیونکہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے، پھر جب اس کی بیوی گھر میں داخل ہوئی تو اس کو طلاق واقع ہو جائے گی، اسی قیاس پر ان فقہاء نے کہا کہ جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، لہٰذا اگر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: طلاق دینا شوہر کا حق ملکیت ہے، سو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو طلاق معجل دے یا طلاق مؤجل دے یا اس کو معلق طلاق دے یا اس کی طلاق کا معاملہ کسی اور کے سپرد کر دے۔ اس کے برخلاف جو شخص شوہر نہیں ہے اور اس کی کسی اجنبی عورت پر ملکیت نہیں ہے تو اس پر طلاق معلق واقع کرنے کا کیا جواز ہے؟ جب کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ جو عورت مرد کی ملکیت نہ ہو تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۰۔ ۴۵۶، ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر عسقلانی کی دلیل کا جواب

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس دلیل کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاً تو وہ احادیث سند صحیح سے مروی نہیں ہیں جیسا کہ امام ابوبکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ثانیاً امام احمد بن حنبل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور تیئیس (۲۳) فقہاء تابعین سے روایت کی ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کا خود حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ثالثاً جن احادیث میں ممانعت ہے وہ طلاق تنجیز یعنی طلاق غیر معلق پر محمول ہیں، اور فقہاء احناف نکاح سے پہلے جس طلاق کے وقوع کے قائل ہیں وہ طلاق معلق ہے یعنی مرد کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، سو اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس کے نکاح کرتے ہی اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے باب کے عنوان ''نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی'' کے ثبوت میں الاحزاب: ۴۹ لکھی ہے جب کہ اس آیت کی باب کے عنوان کے ثبوت پر کوئی دلالت نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی طرف سے توجیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین کے اثر کو لکھ دیا۔ علامہ

عینی فرماتے ہیں: یہ اس قائل کا جواب سے عاجز ہونا ہے اور علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر کے اعتراض سے بھاگنا ہے اور فرار ہونا ہے اور اپنے مذہب کی عصبیت کو مقرر کرنا ہے اور امام بخاری کی جانب داری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۰۔۳۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس کے اثر ''اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع کیا ہے'' اس اثر کی شرح میں علامہ عینی حنفی کا فقہاء احناف کے مذہب کو ثابت کرنا اور فقہاء شافعیہ کے مذہب کو رد کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع فرمایا ہے۔

اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طلاق صرف نکاح کے بعد مشروع ہے اور آزاد کرنا صرف ملکیت کے بعد مشروع ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳)

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع فرمایا ہے اور فقہاء احناف اس کے قائل ہیں اور فقہاء احناف اس حدیث کو طلاق معلق پر محمول کرتے ہیں، لہٰذا فقہاء شافعیہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس اثر سے فقہاء احناف کے خلاف مسئلہ تعلیق میں حجت قائم کریں کیونکہ طلاق کو معلق کرنا اور چیز ہے اور طلاق دینا اور چیز ہے اور طلاق معلق فی الحال طلاق نہیں ہوتی، لہٰذا طلاق معلق کی صحت کے لیے اس کے محل کے قیام کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ابوبکر رازی نے اس اثر میں زہری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ کسی مرد سے یہ کہا جائے کہ تم فلاں عورت سے نکاح کرو، سو وہ کہے: اس کو طلاق ہے تو اس کا یہ کلام لغو ہے لیکن جس شخص نے یہ کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو اس کو صرف اس وقت طلاق دی جائے گی جب وہ اس عورت سے نکاح کرے گا اور امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ الزہری سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے کہا: ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں گا اس کو طلاق ہے اور ہر وہ باندی جس کو وہ خریدے گا وہ آزاد ہے تو معمر نے کہا: کیا یہ حدیث نہیں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی اور ملکیت کے بغیر غلام یا باندی آزاد نہیں ہوتی، تو زہری نے کہا: یہ صرف اس وقت ہے جب مرد یہ کہے کہ فلاں کی عورت کو طلاق ہے یا کہے کہ فلاں کا غلام آزاد ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۵۱۹)

اور بعض فقہاء نے اس اثر سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ کلام لغو ہے کیونکہ حر کی طلاق اس عورت پر واقع ہوتی ہے جو اس کی ملکیت میں ہو، اس پر لوگوں نے کہا کہ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا جواب ہوگا کہ جب کسی مرد نے طلاق کا کوئی وقت مقرر کیا تو اس وقت کا اعتبار کیا جائے گا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

إِذَا طَلَّقْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ نَكَحْتُمُوْهُنَّ۔ جب تم مومن عورتوں کو طلاق دو، پھر ان سے نکاح کرو۔

ان لوگوں نے کہا: الاحزاب: ۴۹، تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب نکاح ہو جائے، پھر جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو اس مطلقہ کی کوئی عدت نہیں ہے اور اس آیت میں محل نزاع سے کوئی تعرض نہیں ہے۔

امام طحاوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: حبس الاصل وسبل الثمرة (درخت کو اور پھل کے راستوں کو محبوس کرلیا گیا) سو یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ مرد عقد کے وقت جس کا مالک نہ ہو اس کا عقد کرنا جائز ہے بلکہ وہ از سرنو مالک ہوگا اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو اس وصیت کا موت کے وقت اعتبار کیا جائے گا نہ کہ وصیت کے وقت (یعنی جس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے مال تہائی کی وصیت کر دی تو اس وقت اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی بلکہ اس کی موت کے وقت وصیت نافذ ہوگی، سو اسی طرح جس نے کسی اجنبی عورت کو یہ کہہ کر طلاق دے دی کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے تو اس وقت یہ طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ جب وہ مرد اس عورت سے نکاح کرے گا تب طلاق واقع ہوگی۔ سعیدی غفرلہ)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ (التوبہ: ۷۵)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے O

یہ آیت اس مسئلہ کی نظیر ہے کہ کسی مرد نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے کیونکہ جس طرح اس آیت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ان پر اس وقت صدقہ کرنا لازم ہوگا بلکہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ مال دے گا تو ان پر صدقہ کرنا لازم ہوگا اسی طرح جب اس نے کہا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ اس عورت کو اسی وقت طلاق ہوگی بلکہ جب وہ مرد اس سے نکاح کرے گا تب اس پر طلاق واقع ہوگی۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے الاستذکار میں لکھا ہے کہ امام مالک سے اس مسئلہ میں مختلف روایات نہیں ہیں کہ اگر اس نے بالعموم طلاق دی ہے تو وہ اس کو لازم نہیں ہوگی اور اگر اس نے کسی عورت کا نام لے کر کہا کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو پھر طلاق لازم ہوگی۔ ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، نخعی، شعبی، اوزاعی اور اللیث کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ قاسم اور سالم اور عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ معین عورت کو نکاح سے پہلے طلاق دینا جائز ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ عمر بن حمزہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے القاسم بن محمد اور سالم اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن اور ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سے سوال کیا کہ ایک مرد نے کہا کہ میں جس دن فلاں عورت سے نکاح کروں گا اس کو طلاق البتہ ہوگی تو ان سب نے کہا کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے اور امام ابن ابی شیبہ نے کہا کہ ہمیں حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عمر، انہوں نے کہا: میں نے القاسم سے سوال کیا کہ ایک مرد نے کہا: جس دن میں فلاں عورت سے نکاح کروں گا تو اس کو طلاق ہوگی تو قاسم نے کہا کہ اس کو طلاق ہو جائے گی۔

عَنْ عَلِيٍّ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَشُرَيْحٍ وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَطَاوُسٍ وَالْحَسَنِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابو بکر بن عبد الرحمٰن، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن

وَعِكْرِمَةَ وَعَطَاءٍ وَعَامِرِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَنَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَمْرِو بْنِ هَرِمٍ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ۔

کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبدالرحمن، عمرو بن ہرم اور الشعبی نے بھی اس مسئلہ میں یہ روایت کی ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

مذکورہ الصدر تعلیق کی سندوں کے متون اوران کی تخریجات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ مذکور الصدر تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق کی صیغہ مجہول کے ساتھ روایت کی ہے جو صیغہ تمریض ہے اور اگر امام بخاری کے پاس اس مسئلہ کے ثبوت میں اور ترجمۃ الباب کی تائید میں کوئی حدیث صحیح مرفوع ہوتی تو وہ اس کو ضرور ذکر کرتے اور یہ مذکور الصدر چوبیس (۲۴) فقہاء ہیں جن کا یہ مذہب ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی، یہ سب تابعین ہیں، مگر ان میں سے پہلے مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں اور رہے ابن ہرم تو وہ اتباع التابعین میں سے ہیں۔

رہا حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اثر تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے از نزال روایت کی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۴) (مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی، البتہ یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے)

رہی وہ تعلیق جس کی امام بخاری نے عروہ سے روایت کی ہے اس کی ثقفی نے بھی عروہ سے روایت کی ہے۔
(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

رہی وہ تعلیق جس کی امام بخاری نے ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام سے روایت کی ہے، سو اس کی روایت یعقوب بن سفیان اور امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ علی بن ابی الحکم سے کی ہے کہ ان کے بھتیجے نے اپنے چچا کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا، پھر ان کا بعض معاملات میں تنازع ہو گیا تو اس نوجوان نے کہا کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے حتیٰ کہ میں الغضیض کو (کھجور کے نر درخت کا شگوفہ) کھاؤں، پھر وہ لوگ اپنی گزشتہ باتوں پر نادم ہوئے تو المنذر نے کہا: میں تمہارے پاس اس مسئلہ کا حل نکال کر لاتا ہوں، سو المنذر، سعید بن المسیب کے پاس گئے اور ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو ابن المسیب نے کہا: یہ کچھ نہیں ہے یعنی اس کا کلام لغو ہے، اس نے اس عورت کو طلاق دی ہے جس کا وہ مالک نہیں تھا، پھر ابوالحکم کے بھتیجے نے کہا کہ میں نے اس مسئلہ کے متعلق عروہ بن زبیر سے پوچھا تھا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا تھا، پھر میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے سوال کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا، پھر میں نے ابوبکر بن عبدالرحمن بن ہشام سے سوال کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا، پھر میں نے عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود سے سوال کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا، پھر میں نے عمر بن عبدالعزیز سے سوال کیا تو انہوں نے پوچھا: کیا تم نے اس مسئلہ کے متعلق کسی سے سوال کیا تھا؟ پس میں نے بتایا: جی ہاں! پھر انہوں نے ان تمام حضرات کے نام لیے، انہوں نے کہا کہ پھر میں اپنی قوم کے پاس گیا، سو میں نے ان کو اس بات کی خبر دی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

رہی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی تعلیق تو یہ وہی ہے جس کا ابھی یعقوب بن سفیان نے ذکر کیا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی ابان بن عثمان کی تعلیق تو اس کا شارحین میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔ (میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے کہ میں اب تک اس ماخذ کے اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ) (سعیدی غفرلہ)

رہی علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم کی تعلیق جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں تو یہ الغیلانیات میں ہے از شعبہ از الحکم یعنی ابن

عتیبہ کی سند سے مذکور ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ طلاق صرف نکاح کے بعد دی جاتی ہے۔(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴، مسند ابن الجعد: ۲۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی شریح القاضی کی تعلیق تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی سعید بن جبیر کی تعلیق تو اس کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے، انہوں نے اس مرد کے متعلق کہا جس نے کہا تھا کہ میں جس دن فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق، پس سعید بن جبیر نے کہا: یہ کچھ نہیں ہے یعنی یہ کلام لغو ہے طلاق تو صرف نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیق تو اس کی امام ابوعبید نے اپنی کتاب النکاح میں ھشیم بن ہارون سے روایت کی ہے اور وہ دونوں یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ القاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور عمر بن عبدالعزیز نکاح سے پہلے طلاق کی مشروعیت کا نظریہ نہیں رکھتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی سالم بن عبداللہ کی تعلیق تو یہ وہی ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔(تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۴۵، مکتبۃ اسلامی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

رہی طاؤس کی تعلیق تو اس کی بھی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ عطاء اور طاؤس سے روایت کی ہے۔
(مصنف عبدالرزاق، ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی حسن بصری کی تعلیق تو اس کی امام عبدالرزاق نے حسن بصری اور قتادہ سے روایت کی ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ نکاح سے پہلے طلاق مشروع ہے نہ ملکیت سے پہلے آزاد کرنا مشروع ہے۔(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۶، ۱۱۴۶۵، سنن سعید منصور ج ۱ ص ۲۵۴)

رہی عکرمہ کی تعلیق تو اس کی امام ابوبکر الاثرم نے از الفضل بن دکین از سوید بن نجیح روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عکرمہ سے سوال کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، میں نے کہا کہ ایک مرد سے لوگوں نے کہا کہ تم فلاں عورت سے نکاح کرلو انہوں نے کہا کہ میں جس دن اس سے نکاح کروں تو اسے اتنی اور اتنی طلاق ہے تو عکرمہ نے جواب دیا کہ طلاق نکاح کے بعد مشروع ہوتی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

رہی عطاء کی تعلیق تو اس کا ذکر طاؤس کی روایت کے ساتھ ہو چکا ہے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی عامر بن سعد کی تعلیق تو کہا گیا ہے کہ یہ البجلی الکوفی ہیں جو کبار تابعین میں سے ہیں، سو میں ان کے اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔(میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی بھی اس اثر پر مطلع نہیں ہو سکے۔ فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، سعیدی غفرلہ) علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ عامر بن سعد بن ابی وقاص ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ اس پر اعتراض ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جنہوں نے "رجال الصحیحین" نامی کتاب لکھی ہے، انہوں نے اس عامر بن سعد البجلی کا ذکر نہیں کیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عامر بن سعد بن ابی وقاص ہیں کیونکہ وہ بھی کبار تابعین میں سے ہیں۔

اور رہی جابر بن زید کی تعلیق اور وہ ابوالشعثاء البصری ہیں، سو امام سعید بن منصور نے ان کے اثر کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳)

اور رہی نافع بن جبیر بن مطعم اور محمد بن کعب القرظی کی تعلیق تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از اسامہ بن زید

روایت کی ہے اوران دونوں نے کہا: طلاق صرف نکاح کے بعد مشروع ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵)

رہی سلیمان بن یسار کی تعلیق تو اس کی امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن یسار سے روایت کی ہے، انہوں نے ایک عورت کے متعلق قسم کھائی کہ اگر انہوں نے اس سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، پھر اس سے نکاح کر لیا، پھر عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی اور وہ اس وقت مدینہ کے گورنر تھے تو انہوں نے سلیمان بن یسار کی طرف پیغام بھیجا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے اس طرح قسم کھائی تھی؟ سلیمان بن یسار نے کہا: جی ہاں! عمر بن عبدالعزیز نے کہا: کیا تم اس عورت کو کسی اور سے نکاح کرنے کے لیے نہیں چھوڑتے؟ سلیمان بن یسار نے کہا: نہیں، پھر عمر بن عبدالعزیز نے اس معاملہ کو ترک کر دیا اور سلیمان بن یسار اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی۔ (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۶)

اور رہی مجاہد کی تعلیق تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے از الحسین بن الرماح روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن المسیب، مجاہد اور عطاء سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے کہا: جس دن میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو ان سب نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے یعنی اس کا کلام لغو ہے اور امام سعید نے کہا: کیا بارش سے پہلے سیلاب آتا ہے (یعنی جس طرح بارش سے پہلے سیلاب نہیں آتا اسی طرح نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی)۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی القاسم بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود کی تعلیق تو امام ابن ابی شیبہ نے از وکیع از معروف بن واصل روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے القاسم بن عبدالرحمن سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: طلاق صرف نکاح کے بعد مشروع ہوتی ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

اور رہی عمرو بن ہرم الازدی کی تعلیق تو وہ اتباع التابعین میں سے ہیں، سو اس کی امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے کہ میں اس اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، طبع لاہور) سعیدی غفرلہ)

اور رہی عامر الشعبی کی تعلیق تو اس کی وکیع نے اپنی سند کے ساتھ از الشعبی روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ جس نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو اسے طلاق ہے تو اس کا یہ قول کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے اور جب وہ اس کا وقت مقرر کرے گا تو اس کو طلاق لازم ہوگی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۷۳، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

امام شافعی، امام بخاری و دیگر محدثین نے نکاح سے پہلے طلاق کے عدم وقوع پر جن آثار سے استدلال کیا ہے ان آثار کی اسانید کی تحقیق

علامہ عینی حنفی تعلیقات مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تم دیکھتے ہو کہ امام بخاری نے ان تعلیقات مذکورہ کی صیغۂ تمریض کے ساتھ روایت کی ہے اور ان سب کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ یہ سب اس کے قائل ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان بعض تعلیقات کی سندوں میں بحث ہے جس کی طرف اب ہم اشارہ کریں گے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام عبدالرزاق نے حسن بصری سے روایت کی ہے اور حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔

اور رہی وہ روایت جس کی امام ابن ابی شیبہ نے از عبدالملک بن میسرۃ روایت کی ہے اس کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا

ہے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن ماجہ نے از جو یبر از ضحاک از نزار بن سبرۃ از حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: نکاح سے پہلے طلاق مشروع نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ جو یبر بن سعید البلخی ضعیف ہے، پس اگر تم کہو کہ امام ترمذی نے روایت کی ہے: ہمیں احمد بن منیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں عامر الاحول نے حدیث بیان کی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس میں اس کی نذر جائز نہیں اور جس غلام کا وہ مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں۔ اور امام ترمذی نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث حسن صحیح ہے اور وہ اس باب میں سب سے عمدہ حدیث ہے تو میں کہوں گا: اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور حضرت عمرو بن شعیب کی اس حدیث پر بہت محدثین نے جرح کی ہے، امام احمد نے کہا کہ حضرت عمرو بن شعیب کی روایت میں اکثر مناکیر ہیں، ان کی حدیث صرف لکھی جاتی ہے اور اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اور رہا یہ کہ وہ حدیث حجت ہو تو یہ بات نہیں ہے اور ابو عبید الآجری نے کہا: امام ابوداؤد سے عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود کی روایت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ حجت نہیں ہے بلکہ یہ نصف حجت بھی نہیں ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، امام ابو عبید اور ہمارے عام اصحاب کو دیکھا، وہ حدیث عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود سے استدلال کرتے ہیں اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی ان کی روایت کو ترک نہیں کیا۔

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) ہمارے فقہاء احناف نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرنے کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق کا وقوع مشروع نہیں ہے لیکن یہ حدیث طلاق تنجیز کے متعلق ہے جو غیر معلق ہوتی ہے۔ رہی طلاق معلق تو وہ نکاح سے پہلے بھی مشروع ہے جیسا کہ ہم اس باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس باب میں حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی سند کے متعلق ہم بحث کر چکے ہیں اور رہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام دار قطنی نے از عبدالحمید از رواد از ابن جریج از عمرو بن شعیب از طاؤس از معاذ بن جبل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے طلاق مشروع نہیں ہے اور جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: طاؤس کی از حضرت معاذ بن جبل روایت منقطع ہے اور یہ حدیث از یزید بن عیاض از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام دار قطنی نے کہا کہ یزید بن عیاض ضعیف راوی ہے اور ہمارے شیخ نے کہا کہ ابن المسیب کی حضرت معاذ سے روایت مرسل ہے۔ اور امام ابن عدی نے ''الکامل فی الضعفاء'' میں اس حدیث کی عمر بن عمرو کی سند سے روایت کی ہے اور عمر بن عمرو موضوعات کی روایت کرتا ہے۔ رہی جابر بن زید کی حدیث، سو اس کی الحاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) ہمارے شیخ نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں علی بن ابی ذئب ہے، اس سے ابو مجلز الحنفی نے اسی طرح روایت کی ہے اور وکیع نے اس کی مخالفت کی ہے، پس اس کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کی امام دار قطنی نے سلیمان بن ابی سلیمان از یحییٰ بن ابی کثیر از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ مرد جس عورت کا مالک نہ ہو اس کو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ امام عبدالحق نے

اپنی کتاب ''الاحکام'' میں امام دارقطنی کے حوالہ سے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور علامہ ابن القطان نے کہا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں سلیمان بن ابی سلیمان ہے جو بوڑھا آدمی ضعیف الحدیث ہے۔ اور ''صاحب التنقیح'' نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ سلیمان بن ابی سلیمان بن داؤد الیمانی کے ضعف پر اتفاق ہے۔ ابن معین نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں ہے اور امام بخاری نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور امام ابن عدی نے کہا: اس کی عام روایات کا کوئی متابع نہیں ہے۔ رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تو امام دارقطنی نے اس کی از الولید بن سلمہ الازدی از یونس از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب کو بھیجا اور اس سے یہ عہد لیا کہ کوئی مرد اس وقت تک کسی عورت کو طلاق نہیں دے گا جب تک کہ اس سے نکاح نہ کرے اور کسی غلام کو اس وقت تک آزاد نہیں کرے گا جب تک وہ اس کی ملک میں نہ ہو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ صاحب التنقیح نے کہا ہے کہ الولید بن سلمہ الازدی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا یعنی گھڑتا تھا۔

شافعی محدثین نے جن احادیث سے نکاح سے پہلے طلاق کے عدم وقوع پر استدلال کیا ہے ان احادیث کی تحقیق

پس اگر تم سوال کرو کہ اس باب میں حضرت المسور بن مخرمہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث روایت کی گئی ہیں۔

رہی حضرت المسور کی حدیث تو اس کی امام ابن ماجہ نے از ہشام بن سعد المخزومی از زہری از عروہ از حضرت المسور بن مخرمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''نکاح سے پہلے کوئی طلاق مشروع نہیں ہے اور ملکیت سے پہلے کسی غلام کو آزاد کرنا مشروع نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۸)

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں ہشام بن سعد کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ایک بار مرفوعاً مروی ہے اور ایک بار عروہ سے مرسلاً مروی ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۸ ص ۴۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

رہی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تو اس کی امام الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ نے از ابوخالد الواسطی از ابوہاشم الرمانی از سعید بن جبیر از ابن عمر رضی اللہ عنہما از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کہا کہ میں جس دن فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اس عورت کو طلاق دی ہے جس کا یہ مالک نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی، ۳۸۷۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

صاحب التنقیح نے کہا ہے کہ یہ روایت باطل ہے اور ابوخالد الواسطی کا نام عمرو بن خالد ہے اور یہ وضاع الحدیث ہے یعنی احادیث گھڑنے والا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ کذاب ہے۔

رہی حضرت ابوثعلبہ الخشنی کی حدیث تو اس کی امام الدارقطنی نے از علی بن قرین از بقیہ از ثور بن یزید از خالد بن معدان از حضرت ابوثعلبہ الخشنی روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے کہا کہ تم میرا ایک کام کرو حتیٰ کہ میں تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں تو میں نے کہا: اگر میں نے اس سے نکاح کیا تو اس کو تین طلاقیں ہیں، پھر مجھے یہ خیال آیا کہ میں اس سے نکاح کر لوں، سو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم اس سے نکاح کر لو کیونکہ طلاق

صرف نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے، سو میں نے اس سے نکاح کر لیا، پھر اس سے سعد اور سعید نام کے میرے دو بیٹے پیدا ہوئے۔
(سنن دارقطنی: ۳۹۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ صاحب التنقیح نے کہا کہ یہ روایت بھی باطل ہے، علی بن قرین کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے کاذب قرار دیا ہے اور امام ابن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث کا سرقہ کرتا تھا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۳۶۶ دار الکتب العلمیہ، بیروت) (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو ثعلبہ الخشنی کے نام میں اور ان کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جرہم ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثوم ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن ناشب ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن ناشم ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام عمرو بن جرثوم ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں اور ان کے صحابی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ انہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی، پھر وہ ملک شام چلے گئے اور وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی وفات ہوگئی۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نکاح سے پہلے طلاق کے وقوع پر علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

المائدہ: ۱، الدہر: ۷ اور التوبہ: ۷۵، سے یہ ثابت ہے کہ انسان اپنے نفس کے اوپر جو چیز لازم کر لے وہ اس پر لازم ہو جاتی ہے خواہ وہ اس کی ملکیت میں نہ ہو، اسی طرح عورت پر ملکیت سے پہلے بھی عقد طلاق لازم ہو جاتا ہے لیکن جب اس نے نکاح سے پہلے تمام عورتوں کو بالعموم طلاق دی تو یہ گناہ ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو نکاح سے روکا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کر دیا تھا، لہٰذا اس کا عقد طلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا نیا کام نکالا جس کی اصل ہمارے دین میں نہیں ہے تو اس کا وہ کام مردود ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۴، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰)

امام مالک کے نزدیک نکاح سے پہلے اگر کسی معین عورت کو طلاق معلق دی تو وہ واقع ہو جائے گی لیکن اگر اس نے نکاح سے پہلے بالعموم طلاق دی تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۳۶۔۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نکاح سے پہلے طلاق کے عدم وقوع پر دیگر شراح کے دلائل اور اس پر مصنف کا تبصرہ

امام بخاری کی اس تعلیق کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۰۔۴۵۶)

اور حافظ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ نے بھی اس تعلیق کی شرح کی ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۲۶۸۔۲۵۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس تعلیق کی شرح کی ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۳۶۔۳۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لیکن ان سب سے جامع اور کامل شرح علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۴۔۳۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تاہم علامہ عینی نے جن احادیث کے حوالے دیے ہیں ان کی تخریج نہیں کی ہے اور ہم نے قوسین میں ان تمام احادیث اور آثار کی تخریج کر دی ہے اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کر دیے ہیں اور معلق عبارات کو کھول دیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ

العزیز کے موقف کو واضح تر بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور سب مسلمانوں کو فقہ حنفی پر عمل کرنے کی توفیق دے اور کاش! فقہاء شافعیہ بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کریں اور امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کے موقف کی طرف رجوع کر لیں کیونکہ یہی مذہب قوی دلائل، احادیث صحیحہ اور آثار قویہ سے ثابت ہے۔ امین۔ یا رب العالمین

١٠ - بَابٌ: إِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ وَهُوَ مُكْرَهٌ هَذِهِ أُخْتِي فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

جب ایک مرد نے اپنی بیوی کے متعلق کہا اور وہ اس وقت مجبور تھا: ''یہ میری بہن ہے'' تو اس پر کوئی حکم نہیں ہے (یعنی اس سے طلاق نہیں ہوگی)

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِسَارَةَ هَذِهِ أُخْتِي وَذَلِكَ فِي ذَاتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: ''یہ میری بہن ہے''۔ اور ان کا یہ ارشاد اللہ عزوجل کی ذات کے سبب سے تھا۔

تعلیق مذکور کے ثبوت میں صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث

اس تعلیق کی حدیث موصول حسب ذیل ہے:

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے، ان میں سے دو تو اللہ عزوجل کی ذات کے سبب تھے، ایک ان کا یہ قول تھا:

إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ (الصافات:٨٩)

بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں O

اور دوسرا قول یہ تھا:

قَالُوٓا ءَأَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِـَٔالِهَتِنَا يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُۥ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَسْـَٔلُوهُمْ إِن كَانُوا۟ يَنطِقُونَ ﴿٦٣﴾ (الانبیاء: ٦٣-٦٢)

انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ O (ابراہیم نے کہا:) بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے ان میں کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں O

اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا: ایک دن حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ ظالم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ (فرعون مصر) کے علاقہ میں آئے تو اس ظالم بادشاہ کو بتایا گیا کہ بے شک یہاں پر ایک مرد آیا ہے اور اس کے ساتھ حسین ترین عورت ہے تو اس ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوایا اور اس حسین ترین عورت کے متعلق سوال کیا، سو پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ میری بہن ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا: اے سارہ! اس وقت پوری روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس ظالم بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو، سو تم میری تکذیب نہ کرنا، سو اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا، پس جب وہ اس کے پاس داخل ہوئیں تو اس نے (برے ارادہ سے) ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا گیا (یعنی شل ہو گیا) تو اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ سے کہا: آپ میرے حق میں دعا کیجئے اور میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا گیا، اس نے پھر دوسری بار ان کی طرف ہاتھ بڑھایا، پھر اسی طرح یا اس سے زیادہ سختی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا گیا، تب اس نے کہا: آپ اللہ سے میرے لیے دعا کیجئے اور میں آپ کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا تو حضرت سارہ نے دعا کی تو

اسے چھوڑ دیا گیا، پس اس ظالم بادشاہ نے اپنے دربانوں کو بلایا اور کہا: بے شک تم کسی انسان کو میرے پاس نہیں لائے بے شک تم تو میرے پاس جنیہ عورت کو لائے ہو، پھر اس نے حضرت سارہ کو خدمت کے لیے حضرت ہاجر دے دیں، پھر حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئیں اور وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اس کافر یا فاجر کے مکر اور اس کی سازش کو اسی کی طرف لوٹا دیا اور اس نے حضرت ہاجر خدمت کے لیے دے دیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ یعنی حضرت ہاجر تمہاری ماں ہیں اے بارش کے بیٹو!

(صحیح البخاری: ۳۳۵۸، صحیح مسلم: ۶۱۴۵، مسند احمد: ۹۲۴۱)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سارہ کا تذکرہ اور ان کے قصہ مذکورہ کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ جو کہ حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن تھیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق کہا کہ ''یہ میری بہن ہیں'' اور اس کا قصہ یہ ہے کہ ملک شام میں قحط واقع ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اس وقت وہاں کا بادشاہ فرعون تھا اور وہ فراعنہ میں سے سب سے پہلا فرعون تھا جو بہت طویل عرصے تک زندہ رہا تھا۔ اور حضرت سارہ اس زمانہ کی سب سے حسین خاتون تھیں، سو فرعون کے پاس ایک مرد گیا اور اس نے بتایا کہ اس شہر میں ایک مرد آیا ہے اور اس کے ساتھ حسین ترین عورت ہے تو فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلوایا اور ان سے پوچھا: اس عورت کا تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ یہ میری بہن ہے، حضرت ابراہیم کو یہ خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے یہ کہا کہ وہ میری بیوی ہے تو فرعون حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر دے گا، پس حضرت سارہ فرعون کے پاس گئیں تو اس نے بری نیت سے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ سوکھ کر اس کے سینہ کی طرف لٹک گیا۔ تب اس نے حضرت سارہ سے کہا: تم اپنے معبود سے یہ دعا کرو کہ وہ مجھے چھوڑ دے، پس حضرت سارہ نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو تو اس کے ہاتھ کو چھوڑ دے، پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا۔ کہا گیا ہے کہ اس نے یہ فعل کئی مرتبہ کیا، پس جب فرعون نے حضرت سارہ کے مقام اور مرتبہ کو پہچان لیا تو فرعون نے حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا اور حضرت سارہ کو حضرت ہاجر ہبہ کر دیں اور یہ کنواری قبطیہ تھیں۔

اور یہ ظاہری جھوٹ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سبب سے تھا یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو حضرت سارہ کے متعلق فرمایا کہ یہی میری بہن ہے تو ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تھا کیونکہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دینی بہن تھیں اور اس وقت روئے زمین پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۵۔ ۳۵۴)

دینی بہن کی تاویل کے بغیر اپنی بیوی کو بہن کہنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے متعلق یہ نہ کہے کہ یہی میری بہن ہے کیونکہ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوتمیمہ الہجیمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرد کے پاس سے گزرے جو اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا: یا اخیہ! (اے میری منی سی بہن!) آپ نے اس قول کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو ڈانٹا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۳۶، ج ۷ ص ۱۵۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۱۱)

اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ڈرایا جو اپنی بیوی سے کہے: اے میری بہن! یا کہے: تو میری بہن ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا میری بہن کی پشت کی طرح ہے اور اس کو حرام کرنے کے قصد سے یہ کہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ ہدایت دی کہ وہ ایسے مشتبہ الفاظ کہنے سے اجتناب کرے جن سے حلال عورتوں کو حرام قرار دینے کی راہ نکلتی ہے اور یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کے متعلق کہا تھا کہ یہ میری بہن ہیں کیونکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے آپ کی بہن ہیں اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اے میری بہن! اور اس کی نیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیت کی طرح تھی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے میری بہن ہیں تو جماعت فقہاء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس کی توجیہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سارۃ کو عالم مجبوری میں بہن کہا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان کو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کے متعلق مجبوری کے عالم میں کہا کہ وہ میری بہن ہے تو اس قول سے اسے ضرر نہیں ہوگا۔

بعض شارحین نے اس قید پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہوں نے مجبوری کے عالم میں حضرت سارہ کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ میری بہن ہیں اور حدیث میں اسی طرح ہے لیکن امام بخاری پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جس مرد نے مجبوری کے عالم میں اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ وہ میری بہن ہے تو اس سے اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور انہوں نے اس قید کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ پر قیاس کیا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خطرہ تھا کہ وہ ظالم بادشاہ زبردستی ان کی بیوی کو ان سے چھین لے گا اور فرعونیوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کسی کنواری عورت سے بغیر پیغام نکاح اور اس کی رضا کے اس سے مقاربت نہیں کرتے تھے، اس کے برخلاف جو عورت شادی شدہ ہو تو جب وہ چاہتے وہ اس کو ظلماً اس کے شوہر سے چھین لیتے تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خطرہ تھا کہ وہ لوگ حضرت سارہ کو زبردستی ان سے چھین لیں گے اس لیے انہوں نے حضرت سارہ کو بچانے کی خاطر عالم مجبوری میں یہ کہا کہ وہ ان کی بہن ہے اور اس کی تاویل انہوں نے یہ کی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے ان کی بہن ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۱۔ ۴۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور حافظ ابن حجر کی توجیہ کو رد کرنا اور اپنی توجیہ بیان کرنا

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خطرہ نہیں تھا کہ فرعون کے کارندے حضرت سارۃ کو زبردستی ان سے چھین کر لے جائیں گے، اس لیے انہوں نے عالم مجبوری میں حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خطرہ تھا کہ فرعون اس شخص کو قتل کر دیتا ہے جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ایسی صورت حال میں وہ مجبور شخص کی مثل تھے اور یہ توجیہ زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ فرعون اپنے کفر اور اپنے ظلم کی شدت میں اور اپنے مخالفین کو شدید عذاب دینے میں بہت مشہور تھا تو

اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجبوری کے عالم میں حضرت سارہ کے متعلق یہ کہا کہ یہ میری بہن ہیں اور اس کی یہ تاویل کی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے میری بہن ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے علامہ عینی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ علامہ عینی کی بیان کردہ توجیہ کا بھی وہی خلاصہ ہے جو میں نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے کوئی قابل ذکر اعتراض نہیں کیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۵۔ ۳۰۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے امام بخاری کے عنوان کی قید کی جو توجیہ ذکر کی ہے وہ بہر حال حافظ ابن حجر عسقلانی کی بیان کردہ توجیہ سے کہیں بہتر ہے، جس کی ہر منصف مزاج شخص تائید کرتے گا۔ (سعیدی غفرلہ)

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہنے سے طلاق واقع نہ ہونے کے دلائل

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: ''یہ میری بہن ہیں''۔

(صحیح البخاری: ۳۳۵۸، ۲۲۱۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۱، سنن ترمذی: ۳۱۶۶، مسند احمد: ۹۲۳۰)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا: ''یہ میری بہن ہے'' تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا: اے میری بہن! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو اس طرح کہنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۱۱، ۲۲۱۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا کوئی اور حکم بیان نہیں فرمایا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے (میں کہتا ہوں: یا وہ اپنی بیوی کو اے میری بہن! کہے۔ سعیدی غفرلہ) تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے، اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف بہ قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے فلاں کام کیا تو، تو میری ماں ہے اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس قول سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اس قول سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا (یعنی اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی) (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۹، مطبعہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

قاضی خان کی اس عبارت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا: تو میری بہن کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہوگا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا یعنی طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے تشبیہ دیئے بغیر کہا کہ تو میری ماں ہے (یا کہا کہ تو میری بہن ہے) تو اس کا یہ قول باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو اس قول سے کوئی حکم لازم نہیں ہوگا۔ (ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبدالرحمن بن محمد الکلیبولی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا اور بیوی سے کہا کہ تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے تب بھی یہ کلام لغو ہوگا۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیبولی نے لکھا ہے: ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیئے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہے کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے کہ تو میری ماں بہن ہے تو سخت گناہ اور ناجائز ہے مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱-۶۳۰، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد)

۱۱- بَابُ: الطَّلَاقِ فِي الْإِغْلَاقِ وَالْكُرْهِ وَالسَّكْرَانِ وَالْمَجْنُونِ وَأَمْرِهِمَا وَالْغَلَطِ وَالنِّسْيَانِ فِي الطَّلَاقِ وَالشِّرْكِ وَغَيْرِهِ

زبردستی اور جبراً طلاق دینے کا حکم اور جو نشہ میں طلاق دے اور جو دیوانہ طلاق دے ان کے احکام اور جو غلطی سے اور بھولے سے طلاق دے ان کا حکم اور جو غلطی سے شرکیہ لفظ بولے اس کا حکم

اغلاق اور اکراہ کے معانی کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ بات اغلاق کے حکم کے بیان میں ہے، اغلاق سے مراد ہے: اکراہ یعنی جبر کیونکہ جو مکرہ ہو اس کے منہ پر تالا یا قفل لگا دیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: گویا کہ اس کے اوپر اختیار کا دروازہ بند کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ طلاق دے، اور کہا گیا ہے کہ وہ اکٹھی تین طلاقیں نہ دے حتیٰ کہ اس کے پاس کسی اور طلاق کو دینے کا اختیار باقی نہ رہے لیکن وہ سنت کے مطابق طلاق دے یعنی جس طہر میں اس نے جماع نہ کیا ہو اس میں صرف ایک طلاق دے۔

لغت کی کتاب ''المحکم'' میں مذکور ہے: اغلاق کا معنی ہے: جس شخص کے تیزی سے بولنے کے اوپر پنجے گاڑ دیئے جائیں۔ اور ''الجامع'' میں مذکور ہے: جب کوئی شخص شدید غضب میں ہو تو کہا جاتا ہے: غَلَق۔ اور علامہ الفارسی نے اپنی کتاب ''مجمع الغرائب'' میں لکھا ہے: جس نے کہا: الاغلاق کا معنی اَلْغَضَب ہے اس نے غلط کہا کیونکہ اکثر لوگ حالت غضب میں ہی طلاق دیتے ہیں اور اغلاق کا معنی صرف اکراہ ہے یعنی جبراً اور حالت مجبوری میں طلاق دینا۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''حالت اغلاق میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ غلام آزاد ہوتا ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۶)

امام ابوداؤد نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ الاغلاق کا معنی ہے: حالت غضب۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابوداؤد نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے: حالت غیظ میں طلاق دینا۔

(سنن ابوداؤد ص ۳۰۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی المتوفی ۲۷۵ھ نے اس حدیث کو ''کتاب المکرہ'' کے باب میں درج کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۷۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث مذکور کو حالت غیظ میں طلاق دینے کے باب میں بھی درج کیا گیا ہے اور حالت مجبوری میں طلاق دینے کے باب میں بھی درج کیا گیا ہے۔

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ الاغلاق کا معنی ہے: نفس کی تنگی یا گلا گھٹنا، اور اس حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی گویا کہ اس مرد کی عقل اس سے مفارق ہو گئی حتیٰ کہ وہ دیوانہ ہو گیا، سو وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے دیوانگی کی حالت میں طلاق دی ہے اور اس مرد کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اگر یہ جائز ہو تو ہر شخص یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے تنگی اور جبر کی حالت میں طلاق دی ہے، اور اگر اس حالت میں وہ شخص مجنون ہو تو پھر اس سے حدود بھی ساقط ہو جائیں گی اور پھر حدود تنگی کی حالت میں واقع نہیں ہوں گی حالانکہ حدود عام ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۵)

نشہ میں مدہوش مرد اور مجنون کی طلاق کے حکم میں امام مالک اور دیگر فقہاء کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیوانگی اور حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص نشہ میں ہو اور جس پر جبر کیا گیا ہو اس کی طلاق جائز نہیں ہے اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس شخص کو بہت وسوسے ہوتے ہوں اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور عطاء نے کہا: جب وہ طلاق دے تو اس کی شرط کا اعتبار ہوگا۔ نافع نے کہا کہ مرد نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تو وہ اس کے نکاح سے نکل گئی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اس نے طلاق البتہ دی تو عورت

اس پر حرام ہوگئی اور الزہری نے کہا کہ جس مرد نے یہ کہا کہ اگر میں نے اس طرح اور اس طرح کام نہ کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں تو اس شخص سے اس کے قول کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ جب اس نے یہ قسم کھائی تھی تو اس کی کیا مراد تھی، اگر اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ اس کی مراد تین طلاقیں تھیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اور ابراہیم النخعی نے کہا: جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (یعنی اگر اس نے کہا کہ اس قول سے میری مراد طلاق بائن تھی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی) اور اگر وہ یہ کہے کہ میری مراد یہ تھی کہ مجھے تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں ہے تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ہر مرد کی دی ہوئی طلاق کے الفاظ میں اس علاقہ کی زبان کا اعتبار ہوگا، مثلاً عربی میں کہے گا: (طلقتك) یعنی میں نے تم کو طلاق دے دی اور اردو میں کہے گا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا۔

قتادہ نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تو حاملہ ہوگئی تو تجھ پر تین طلاقیں واقع ہوں گی، تو اس عورت پر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر وہ عورت حاملہ ہوگئی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اور حسن بصری نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور الزہری نے کہا کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری بیوی نہیں ہو تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی۔

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ تین مردوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے (یعنی وہ مکلف نہیں ہیں): (۱) مجنون اور دیوانہ سے حتیٰ کہ وہ صحت مند ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے (۳) سوئے ہوئے آدمی سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت مولیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سوا کم عقل کے ہر مرد کی تمام طلاق جائز ہے۔ اور قتادہ نے کہا: جب مرد نے اپنے دل میں طلاق دی تو یہ لغو ہے یعنی اس سے کچھ لازم نہیں آئے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

طلاق مکرہ کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبی کا یہ نظریہ تھا کہ مکرہ کی طلاق جائز ہے، اسی طرح ابراہیم نخعی، قلابہ، ابن المسیب اور شریح نے کہا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۳۴۳)

شیخ علی بن احمد بن بن حزم اندلسی (غیر مقلد) متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح سند کے ساتھ زہری اور قتادہ اور سعید بن جبیر سے روایت ہے، اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۶۴۔ ۴۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اور الفرج بن فضالہ نے عمرو بن شراحیل سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر پر زبردستی کر کے اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو اس کے شوہر نے اس عورت کو طلاق دے دی، پھر یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس طلاق کو نافذ کر دیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۶۳)

اور جن علماء کے نزدیک طلاق مکرہ بالکل واقع نہیں ہوتی، سو وہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں اور عمر بن عبدالعزیز، عطاء، حسن بن ابی الحسن، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ضحاک ہیں۔

شیخ علی بن احمد ابن حزم اندلسی (غیر مقلد) متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے:

اور نیز سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے از طاؤس اور جابر بن زید انہوں نے کہا کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی اور یہی امام مالک کا قول ہے اور الاوزاعی، الحسن بن حی، امام شافعی، ابوسلیمان اور ان کے اصحاب کا قول ہے، ان سب نے کہا کہ اگر مکرہ نے روایت کی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس نے روایت نہیں کی تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

امام ابوبکر عبداللہ محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

اور الشعبی نے کہا کہ اگر کسی مرد کو چوروں نے طلاق دینے پر مجبور کیا یا کسی کو آزاد کرنے پر مجبور کیا تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کو سلطان (سربراہ ملک) نے مجبور کیا تو پھر اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۳۵۰)

اس باب کے عنوان میں لفظ الاغلاق پر الکرہ اور السکران وغیرہ کے عطف کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس کتاب کے عنوان میں الاغلاق کے بعد الکرہ کا لفظ لکھا ہے اور اس کا عطف الاغلاق پر ہے اور یہ عطف درست نہیں ہے کیونکہ عطف کا تقاضا تغایر ہے اور ان دونوں لفظوں میں تغایر نہیں ہے کیونکہ الاغلاق کا معنی بھی جبر ہے اور الکرہ کا معنی بھی جبر ہے، ہاں! اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ الاغلاق کی تفسیر حالت غضب کے ساتھ کی جائے جیسا کہ امام ابوداؤد نے اس کا معنی لکھا ہے اور الکرہ کی تفسیر حالت جبر کے ساتھ یا حالت مجبوری کے ساتھ کی جائے۔ اور امام بخاری نے الاغلاق کے اوپر السکران اور المجنون کا عطف کیا ہے اور السکران کا معنی ہے: جو نشہ میں مدہوش ہو اور المجنون کا معنی ہے: جو دیوانہ ہو، یعنی کوئی مرد حالت غضب میں طلاق دے یا حالت جبر میں طلاق دے یا نشہ میں مدہوش ہو کر طلاق دے تو ان کی دی ہوئی ان طلاقوں کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے ان کی دی ہوئی طلاقوں کا حکم بیان نہیں کیا کیونکہ ان کی دی ہوئی طلاقوں کا حکم ان احادیث سے معلوم ہو جاتا ہے جن کو انہوں نے اسی باب کی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے حکم میں مذاہب فقہاء

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور فقہاء حنبلیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ حالت غضب میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری کی اس باب کے عنوان سے مراد ان فقہاء کے مذہب کو رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ حالت غضب میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

رہا حالت جبر میں دی ہوئی طلاق کا حکم تو اس کا بیان گزر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے۔

نشہ میں مدہوش مرد کی طلاق کے حکم میں مذاہب فقہاء

اور رہا اس مرد کی طلاق کا حکم جو نشہ میں مدہوش ہو کر طلاق دے آیا یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس بعض فقہاء نے یہ کہا کہ نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، حضرت عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، عکرمہ، القاسم اور عمر بن عبدالعزیز کا موقف یہ ہے کہ نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کا امام ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۵، ۱۸۲۷۶، ۱۸۲۷۷)

اور علامہ ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ربیعہ، اللیث، اسحاق اور المزنی سے روایت کی ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (الاوسط ج ۹ ص ۲۵۰، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

اور امام طحاوی کا بھی یہی مختار ہے۔

اور مجاہد کا مذہب یہ ہے کہ سکران (جو نشہ میں مدہوش ہو) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسی طرح محمد بن سیرین، الحسن البصری، سعید بن المسیب، ابراہیم بن یزید النخعی، میمون بن مہران، حمید بن عبدالرحمن، سلیمان بن یسار، الزہری، الشعبی، سالم بن عبداللہ، الاوزاعی نے اور الثوری نے کہا ہے اور یہی امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ان کا ایک قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام مالک نے ان کے خلاف یہ حجت پیش کی ہے کہ اگر سکران یعنی نشہ میں مدہوش کسی شخص کو زخمی کر دے یا اس کے ہاتھ پیر توڑ دے تو امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اس سے قصاص لیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ کسی کو قتل کر دے تب بھی اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر سکران نکاح کر لے تو وہ منعقد نہیں ہوگا اور اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق نافذ نہیں ہوگی، اور امام شافعی کے یہ دونوں قول متناقض ہیں۔ اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ سکران یعنی نشہ میں مدہوش شخص کے اقوال اور اس کی خرید و فروخت کے تمام عقود ثابت ہیں جیسا کہ اس شخص کے اقوال اور عقود لازم ہوتے ہیں جو صاحی ہو یعنی سکران نہ ہو، اس کا نشہ اتر چکا ہو اور افاقہ ہو، ہاں! اگر نشہ میں مدہوش شخص مرتد ہو جائے تو استحساناً اس کی بیوی اس سے بائنہ نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف نے کہا: اگر اس نے حالت نشہ میں کلمات کفریہ کہے تو وہ اس وقت مرتد ہو جائے گا اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے مگر ہم اس کو حالت نشہ میں قتل نہیں کریں گے اور نہ اس کی بیوی کو بائنہ قرار دیں گے۔

مجنون اور سرسام والے کی طلاق کے حکم میں مذاہب فقہاء

اور رہا مجنون یعنی فاتر العقل اور دیوانہ تو اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ مجنون اور معتوہ (کم عقل اور بے وقوف) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور امام مالک نے کہا کہ اسی طرح وہ مجنون ہے جس کو کبھی کبھی افاقہ ہو جاتا ہے تو اس کی طلاق بھی حالت جنون میں واقع ہو جاتی ہے۔ رہا اَلْمُبَرْسَم (جس کو برسام کی بیماری ہو یعنی جس کو نمونیہ ہو اور اس کے سینہ میں درد ہو، اور ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ سَرْسَام ہو۔ سرسام اس شخص کو کہتے ہیں جس کو تیز بخار ہو اور بیماری کے غلبہ کی وجہ سے اس کے دماغ پر اثر ہو اور وہ بہکی بہکی باتیں کرے اور بے تکی باتیں اور بک بک کرے جس کو ہذیان کہتے ہیں۔ لسان العرب ج ۲ ص ۶۲، طبعہ جدیدۃ، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء۔ سعیدی غفرلہ) سو اس سے قلم تکلیف کو اٹھا لیا گیا ہے یعنی وہ مرفوع القلم ہے اور مکلف نہیں ہے، کیونکہ غالب علم یہ ہے کہ وہ فاسد المقاصد ہے۔

غلطی سے یا بھول کر طلاق دینے والے کے حکم میں مذاہب فقہاء

رہا وہ مرد جس نے غلطی سے طلاق دی ہو یا بھول کر طلاق دی ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، یہ عطاء کا قول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور اسحاق، امام مالک، الثوری، ابن ابی لیلیٰ، الاوزاعی اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔
اور حسن بصری سے ایک روایت یہ ہے کہ جس نے بھولے سے طلاق دی ہو وہ عمداً طلاق دینے والے کی مثل ہے سوا اس کے کہ اس نے نسیان کی شرط لگائی ہو۔

خطاءً طلاق دینے والے کے حکم میں مذاہب فقہاء

رہا وہ شخص جس نے خطاء سے طلاق دی ہو تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کوئی اور بات کہنے کا ارادہ کیا اور اس کے منہ سے یہ نکل گیا کہ تجھے طلاق ہے تو اس کو طلاق لازم ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷۔۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کے اس نسخہ میں آیا شرک کا لفظ ہے یا شک کا لفظ؟

امام بخاری نے اس باب کے عنوان کے آخر میں کہا ہے: والشرک۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی شرک کے بیان میں، اگر مکلف کے منہ سے ایسے الفاظ نکلیں جو شرک کا تقاضا کرتے ہوں، عام ازیں کہ یہ شرکیہ الفاظ اس کے منہ سے غلطی سے نکلیں یا بھولے سے تو آیا اس کے اوپر شرک کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷)

اگر طلاق کے عدد میں شک ہو کہ آیا اس نے دو طلاقیں دی ہیں یا تین طلاقیں دی ہیں تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں مذکور ہے: والنسیان فی الطلاق والشرک یعنی جو مرد بھولے سے طلاق دے یا بھولے سے کوئی شرکیہ لفظ کہے، یہ نسخہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ شرک کی بجائے شک کا لفظ ہے یعنی جو مرد اپنی بیوی کو شک کے ساتھ طلاق دے۔
شک کے ساتھ طلاق دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک نے اس طلاق کو واجب قرار دیا ہے اور ربیعہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے بعد کے فقہاء نے کہا ہے کہ جس نے شک کے ساتھ طلاق دی یعنی مرد کو شک ہے کہ اس نے ایک طلاق دی ہے، دو طلاقیں دی ہیں یا تین طلاقیں دی ہیں تو اس صورت میں کم سے کم طلاقوں کا حکم لگایا جائے گا حتیٰ کہ اس کو کسی عدد پر وثوق ہو جائے اور ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ شک کی صورت میں اس کے نکاح کو مرتفع کر دیا جائے اور امام بخاری نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۹۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مشرک کی دی ہوئی طلاق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
رہا مشرک کی طلاق دینے کا حکم تو حسن بصری، قتادہ اور ربیعہ سے منقول ہے کہ اگر مشرک اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور یہ قول امام مالک اور داؤد ظاہری کی طرف منسوب ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ مشرک اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے مشرک کا نکاح کرنا صحیح ہے اور اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور اسی طرح اس کے باقی احکام بھی صحیح

ہیں، لہٰذا اگر مشرک اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ بھی واقع ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شرک سے کم درجہ کے الفاظ کہنے کا شرعی حکم

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے: وغیر الشرک یعنی شرک کے علاوہ، اس کا معنی ہے کہ مرد نے ایسے الفاظ کہے ہوں جو شرک سے کم درجہ کے ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح کو رد کرنا اور امام بخاری کی عبارت میں غیر الشرک کا صحیح محمل بیان کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: غیر الشرک کا وہ معنی نہیں ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے: جو اشیاء مذکورہ بیان کی گئی ہیں مثلاً جس نے خطاءً طلاق دی وہ کہنا کچھ اور چاہتا تھا اور اس کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے یہ نکل گیا کہ تجھ کو طلاق ہے اور جس نے مذاق میں طلاق دی ہو، تو ان کے علاوہ دیگر الفاظ کا کیا حکم ہے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ جو خطاءً طلاق دے اس کا کیا حکم ہے؟ اور جس نے مذاق سے طلاق دی یا جس نے مذاق سے نکاح کیا یا جس نے مذاق سے طلاق میں رجوع کر لیا تو ان تمام الفاظ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے گا اور اگر یہ کہے کہ میں نے تو مذاق میں طلاق دی تھی تو اس کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین چیزوں میں سنجیدگی کا حکم بھی سنجیدگی ہے اور مذاق کا حکم بھی سنجیدگی ہے: (۱) النکاح (۲) الطلاق اور (۳) طلاق سے رجوع"۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۴، سنن ترمذی: ۱۱۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸)

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ اہل علم، صحابہ اور فقہاء تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا: امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں غضب، اکراہ، سکران، مجنون اور غلطی اور بھولے سے اور شک سے طلاق دینے کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ ان مردوں کی دی ہوئی طلاق کا حکم کیا ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی دی ہوئی طلاق کا حکم ان احادیث میں آ رہا ہے جن کا امام بخاری نے اس باب کی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ عینی کے اعتراض مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی طرف سے جواب اور مصنف کی طرف سے محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: میں نے جو کہا ہے کہ جو شرک سے کم درجہ کا ہو یعنی جب مکلف کے منہ سے ایسا لفظ نکلے جو شرک کا تقاضا کرتا ہو یا اس کے علاوہ غلطی یا نسیان سے کوئی اور الفاظ نکلیں، پھر میں نے علامہ ابن ملقن شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض نسخوں میں شرک کی بجائے سکر کا لفظ ہے اور وہی صحیح ہے اور علامہ الزرکشی نے بھی اس کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ وہی زیادہ لائق ہے، پس اگر یہ ثابت ہو کہ شرک کا عطف نسیان پر ہے نہ کہ طلاق پر اور اس وقت اصل عبارت یوں ہو گی کہ جو الفاظ اس کی زبان سے نکل جائیں۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی نے سکر کا لفظ نہیں لکھا بلکہ شک کا لفظ لکھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے جو سکر کا لفظ لکھا ہے اس سے مراد شک ہی ہو، تاہم حافظ ابن حجر نے اپنے جواب میں علامہ عینی کی توجیہ کی طرف ہی رجوع کر لیا ہے۔ فافہم وتدبر۔ (سعیدی غفرلہ)

طلاق مکرہ کے متعلق مذاہب اربعہ اور متاخرین فقہاء احناف کی عبارات

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ علامہ عینی حنفی نے حالت اکراہ یعنی زبردستی کی طلاق اور حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق فقہاء احناف کا موقف بیان کیا ہے تاہم اس کی مزید تحقیق کے لیے ہم مذاہب اربعہ اور متاخرین فقہاء احناف کی عبارات کو پیش کر رہے ہیں:

بعض فقہاء کا یہ موقف ہے کہ مُکرَہ (جس کو قتل کی دھمکی دے کر یا اس کا کوئی عضو کاٹنے کی دھمکی دے کر اس سے زبردستی کچھ کہلوایا جائے) کی طلاق واقع نہیں ہوتی، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت سے خطاء نسیان اور جن کاموں پر اس کو مجبور کیا جائے ان کو اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے معاف فرما دیا ہے اور ان کا حکم ساقط کر دیا ہے''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۹۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۳۳، صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۱۴۹۸، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۷۰، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۵۶)

قاضی عبد الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ وہ مسائل ہیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۵۵ دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ ھ طلاق مکرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

طلاق مکرہ صحیح ہے اور اگر کسی مرد نے کسی دوسرے مرد کو طلاق دینے کا وکیل بنا دیا اور اس وکیل نے حالت اکراہ میں بہ مجبوری طلاق دے دی تو اس کی طلاق بھی صحیح ہے۔ (البحر الرائق)

البحر الرائق کے محشی علامہ خیر الدین الرملی نے لکھا ہے کہ حالت اکراہ میں غلام کو آزاد کرنا بھی صحیح ہے اور اس کی آزادی نافذ ہو جائے گی۔ رہا یہ کہ مرد کے وکیل نے حالت اکراہ میں اس کی بیوی کو طلاق دے دی تو میں نے اس کے متعلق فقہاء احناف کی تصریح نہیں دیکھی اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں بھی فقہاء احناف نے مخالفت نہیں کی کیونکہ فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر مکرہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو یہ بھی استحساناً صحیح ہے۔

علامہ زیلعی نے مسئلہ طلاق میں لکھا ہے کہ اگر وکیل مکرہ ہو تو اس کا طلاق دینا بھی استحساناً صحیح ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ وکالت صحیح نہ ہو کیونکہ مذاق کے ساتھ وکالت باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح اکراہ کے ساتھ بھی وکالت باطل ہو جائے گی کیونکہ خرید و فروخت وغیرہ کی وکالت اکراہ کے ساتھ بالاتفاق باطل ہو جاتی ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اکراہ، خرید و فروخت کے عقد کے منعقد ہونے کے مانع نہیں ہے لیکن اس کے فساد کو واجب کرتا ہے، اسی طرح طلاق کا وکیل بنانا بھی اکراہ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے اور شروط فاسدہ وکالت میں موثر نہیں ہوتیں اور جب یہ وکالت فاسد نہیں ہوتی تو اس میں وکیل کا تصرف نافذ ہو جائے گا، پس طلاق میں استحسان کی علت میں غور کرو تو تم نکاح میں بھی یہی علت پاؤ گے، لہٰذا ان دونوں کا حکم واحد ہے۔ علامہ خیر الدین رملی کا کلام ختم ہوا۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں:) عنقریب اس کی تمام بحث کتاب الاکراہ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

علامہ الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے کہا ہے: ”مکرہ کی طلاق تو صحیح ہے لیکن اس کا اقرار طلاق صحیح نہیں ہے“۔
مُکْرَہ (ر پر زبر) کی طلاق صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بحث اس میں ہے ورنہ مکرہ کا اقرار طلاق کے بغیر بھی صحیح نہیں ہے جیسے مُکْرَہ (ر پر زبر) نے غلام کو آزاد کرنے کا اقرار کیا یا نکاح کا اقرار کیا یا طلاق سے رجوع کرنے کا اقرار کیا یا قصاص کو معاف کرنے کا اقرار کیا یا کسی غلام کے متعلق یہ اقرار کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے یا کسی باندی کے متعلق یہ اقرار کیا کہ وہ اس کی ام ولد ہے تو اس کے یہ تمام اقرار صحیح نہیں ہیں، جس طرح امام محمد بن محمد الشہیر بالحاکم الشہید الحنفی المتوفی ۳۴۴ھ نے اپنی کتاب ”الکافی“ میں اس کی تصریح کی ہے۔
البحر الرائق میں مذکور ہے کہ اکراہ بالطلاق سے مراد ہے: طلاق کے الفاظ کا تلفظ کرنا اور بولنا، پس اگر مُکْرِہ (ر کے نیچے زیر) نے اس کو اس پر مجبور کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق لکھے، سو مکرہ نے طلاق لکھ دی تو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ لکھنا ضرورت کے وقت تلفظ کے قائم مقام ہے اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مکرہ کو طلاق دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ تو مکرہ کے جبر کی وجہ سے طلاق لکھ رہا تھا۔ فتاویٰ قاضی خان میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور اگر اس نے طلاق کا جھوٹا اقرار کیا یا مذاق میں طلاق کا اقرار کیا تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)
امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفی المتوفی ۵۹۲ھ طلاق مکرہ کے متعلق لکھتے ہیں:
ایک مرد کو ضرب کے ساتھ یا قید کرنے کے ساتھ اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو طلاق لکھ دے، سو اس نے لکھ دیا کہ اس کی بیوی فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو طلاق ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ضرورت کی وجہ سے لکھنے کو تلفظ کے قائم مقام کیا گیا ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ طلاق دینا نہیں چاہتا تھا۔
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۴۷۲، المطبع الکبری الامیریہ، بولاق، مصر المحمیہ، ۱۳۱۰ھ)

حالت غضب میں طلاق دینے کے متعلق فقہاء احناف کی تحقیق

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق لکھتے ہیں:
میں کہتا ہوں: حافظ ابن قیم حنبلی نے طلاق الغضبان کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ حالت غضب کی تین قسمیں ہیں:
(۱) اس شخص کے غضب کی ابتداء ہو اور اس کی عقل متغیر نہ ہو اور اس کو معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا ارادہ کر رہا ہے؟ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔
(۲) اس کا غیظ و غضب انتہاء کو پہنچا ہوا ہو اور اس کو علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اقوال میں سے کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔
(۳) وہ شخص ان دونوں درجوں کے درمیان متوسط ہو اس حیثیت سے کہ وہ مجنون کی مثل نہ ہو تو یہ قسم محل نظر ہے، اور دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس شخص کے اقوال بھی نافذ نہیں ہوں گے یعنی ان دونوں موخر الذکر صورتوں میں غصہ میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ الی آخرہ۔ ملخصا من شرح الغایۃ الحنبلیہ۔
لیکن صاحب الغایۃ الحنبلیہ نے تیسری صورت کی مخالفت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس تیسری صورت میں غصہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ ابن القیم حنبلی کے قول کے خلاف ہے۔ (علامہ شامی لکھتے ہیں:) صاحب الغایۃ

الحنبلیہ کا یہ قول ہمارے مذہب کے موافق ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بھی تیسری صورت میں غصہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم المعتوہ (کم عقل) کے اقوال کا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ معتوہ کو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ایسی حالت کو پہنچ جائے جس میں اس کو یہ علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے؟ اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ المعتوہ وہ شخص ہے جو ہمیشہ ایک حالت پر برقرار رہے اور اس کے تحقق کے لیے صرف اس کی عقل کی کمی کافی ہے، اس کے برخلاف غیظ وغضب بعض حالات میں عارض ہوتا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مدہوش بھی اسی طرح ہے۔

اور جو نکتہ مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مدہوش اور غضبان دونوں میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ دونوں ایسی حالت میں ہوں کہ انہیں یہ علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بلکہ ان کے تحقق کے لیے یہ کافی ہے کہ ان پر بے ربط کلام اور ہذیان کا غلبہ ہو یا ان کی گفتگو سنجیدگی اور مذاق کے ساتھ مختلط ہو جیسا کہ سکران کے تحقق کے لیے بھی یہی فتویٰ دیا گیا ہے اور اس کے یہ منافی نہیں ہے کہ مدہوش کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ اس کی عقل جا چکی ہو کیونکہ جنون کی کئی قسمیں ہیں، اس لیے علامہ زین الدین ابن نجیم الحنفی المتوفی ۹۷۰ھ نے البحر الرائق میں یہ کہا ہے کہ مدہوش وہ شخص ہے کہ جس کی عقل میں خلل ہو اور انہوں نے مدہوش کی تعریف میں البرسام اور سرسام زدہ کو داخل کیا ہے اور بے ہوش کو بھی داخل کیا ہے اور ہمارے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ العاقل وہ شخص ہے جس کے اقوال اور افعال اکثر صحیح اور درست ہوں اور کبھی کبھی ان میں خلل ہو اور مجنون اس کی ضد ہے یعنی اس کے اقوال اور افعال اکثر صحیح نہیں ہوتے اور کبھی کبھی صحیح ہوتے ہیں، نیز بعض مجنون ایسے ہوتے ہیں جن کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کس چیز کا ارادہ کر رہے ہیں اور جو شخص اس کے احوال سے ناواقف ہو وہ اس کو عاقل سمجھتا ہے، پھر اس کی مجلس میں ایسے اقوال اور افعال ظاہر ہوتے ہیں جو عقل کے منافی ہوتے ہیں، پس جب مجنون کو بعض اوقات اپنے افعال اور اقوال کا علم ہوتا ہے تو غیر مجنون کو یعنی جو مدہوش اور غضبان ہو اس کو تو بہ طریق اولیٰ اپنے افعال اور اقوال کا علم ہوگا۔

پس مدہوش کی جس تعریف پر اعتماد کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جس کے اقوال اور افعال اس کی عادت سے خارج ہوں اور ان میں اکثر خلل ہو، اسی طرح بڑھاپے کی وجہ سے جس کی عقل میں خلل ہو جائے یا کسی بیماری کی وجہ سے اس کی عقل میں خلل ہو جائے یا کسی آفت کی وجہ سے اس کی عقل میں خلل ہو جائے، پس جب تک اس کے اقوال اور افعال میں اکثر خلل ہو تو اس کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ہر چند کہ اس کو اپنے اقوال کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ وہ کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے۔ (یعنی اس حالت میں دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی) کیونکہ جو معرفت اور ارادہ ادراک صحیح سے حاصل نہ ہو وہ معتبر نہیں ہوتا۔ جس طرح جو بچہ عقل مند ہو اس کے بھی اقوال اور افعال کا اعتبار نہیں ہوتا، ہاں! اس پر یہ اشکال ہوگا جو عنقریب البحر الرائق کے حاشیہ میں آئے گا اور فتح القدیر اور فتاویٰ قاضی خان اور دوسری کتب فقہ میں بھی اس کی تصریح ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے سامنے دو مردوں نے گواہی دی کہ تم نے ان شاء اللہ کہا تھا اور اس کو یہ یاد نہیں ہے تو اگر وہ غیظ وغضب کی ایسی حالت میں ہو کہ اس کو یاد نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کے لیے ان کی شہادت پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر اس کے غیظ وغضب کی یہ حالت نہ ہو تو پھر اس کے لیے ان کی شہادت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، الی آخرہ۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو مرد اتنے غصہ میں ہو کہ وہ نہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ ان دو مردوں کی گواہی پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ عبارت بہت مشکل ہے، مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے شدید غضب کی وجہ سے یاد نہیں رکھتا اور بھول جاتا ہے کہ اس نے کیا کہا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں جن کو وہ نہیں سمجھتا یا ان کا ارادہ نہیں کرتا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ

اس وقت وہ جنون کے اعلیٰ مراتب پر ہوگا اور اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس کو علم ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور وہ طلاق کا ارادہ کررہا ہے لیکن شدت غضب کی وجہ سے اس کو یاد نہیں ہے کہ وہ طلاق دے چکا ہے۔ یہ وہ تحقیق ہے جو اس مسئلہ کی تحقیق میں مجھ پر منکشف ہوئی ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۴۳۴۔ ۴۳۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سرسام و برسام یا کسی اور بیماری میں جس میں عقل جاتی رہے یا غشی کی حالت میں یا سوتے میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر غصہ اس حد کا ہو کہ عقل جاتی رہے تو واقع نہ ہوگی۔ (درمختار، ردالمحتار)

آج کل اکثر لوگ طلاق دے بیٹھتے ہیں، بعد کو افسوس کرتے ہیں اور طرح طرح کے حیلہ سے یہ فتویٰ لینا چاہتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو۔ ایک عذر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ غصہ میں طلاق دی تھی، مفتی کو چاہیے کہ یہ امر ملحوظ رکھے کہ مطلقاً غصہ کا اعتبار نہیں، معمولی غصے میں طلاق ہو جاتی ہے، وہ صورت کہ عقل غصہ سے جاتی رہے بہت نادر ہے، لہٰذا جب تک اس کا ثبوت نہ ہو محض سائل کے کہہ دینے پر اعتماد نہ کرے۔ (بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ)

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ جات

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سوال: زید نے غصہ کی حالت میں کہا کہ میں اس کو طلاق دے چکا یا یہ کہا کہ میں تو اس کو طلاق دے چکا، اسی طرح تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس سے قبل اپنی زوجہ سے لفظ طلاق کبھی نہ کہے تھے، کیا اس صورت میں منکوحہ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: جب کہ زید اپنی زوجہ کی نسبت سمجھا اور اسے تین بار کہا: میں اس کو یا میں تو اس کو طلاق دے چکا، تین طلاقیں ہوگئیں، زید گناہ گار ہوا اور عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی:

قال اللہ تعالیٰ: فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (البقرہ: ۲۳۰) تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کے لیے دوبارہ حلال نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔

اور غصہ کا عذر بے کار ہے، طلاق اکثر غصہ میں ہی ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۳۷۱، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: محمد مظفر کا اپنی والدہ سے جھگڑا ہورہا تھا، اس کی والدہ نے کہا کہ اگر اپنی بی بی کو نہ چھوڑو گے تو تم سور کھاؤ، اسی طرح تین مرتبہ بولی، مظفر نے کہا: طلاق دیتے ہیں، پھر اس نے بلا قصد غصہ کے ساتھ اپنی والدہ کے سامنے کہا: طلاق، طلاق، طلاق بغیر مخاطب کرنے کسی کو، اب شرعاً صورت مسئولہ میں مظفر کی بی بی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۱۹۰، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: زید نے بحالت غضب اپنی زوجہ ہندہ کو یہ کہا کہ تجھ کو میں نے طلاق دی تو اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، غضب مانع طلاق نہیں بلکہ غالباً (اکثر) طلاق بحال غضب ہی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ

ج ۵ ص ۲۳، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص درمیان فساد باہمی حالت غیظ وغضب اپنی بیوی سے تین بار یوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا، میں نے تجھے طلاق دیا اور بروقت دینے کے یہ بھی اپنے دل میں ارادہ کرلیا ہو کہ میں ٹھیک اور صحیح عقل سے کہتا ہوں باوجودیکہ درمیان جھگڑے باہمی کے غصہ میں یہ سب باتیں وقوع میں آئیں تو اس حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر طلاق ہوگئی تو پھر چند ساعت کے بعد غصہ فرو ہوگیا اور میاں اپنے ان افعال قبیحہ پر منفعل ہوکر بی بی کو رجعت کرنا چاہے اور بی بی بھی رجعت پر آمادہ ہو تو کس صورت سے بی بی میاں پر حلال ہے۔ فقط بینوا توجروا

الجواب: صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی اس کی عدت گزر ے، پھر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستر بھی ہو، پھر اسے طلاق دے یا مرجائے اور عدت گزر جائے، اس کے بعد اس شخص کو عورت سے نکاح جائز ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (البقرہ: ۲۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر مرد نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی تو وہ اس پر حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

و قال رسول الله ﷺ لا حتى تذوق عسيلته ويذوق عسيلتك (صحیح البخاری: ۵۲۶۰)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم اس دوسرے خاوند کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ مرد تھوڑا سا تمہارا شہد چکھ لے۔

(فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۲۸، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: شمس العلماء، رئیس الفضلاء خانخاناں جناب احمد رضا خاں دام لطفہ، السلام علیکم! اگر غضب کثرت سے ہو کہ ایسا غصہ ہو کہ کامل عقل نہ ہو اس حالت میں اگر طلاق صریح وغیرہ دیوے تو واقع ہوگی یا نہ؟

الجواب: غضب اگر واقعی اس درجہ شدت پر ہو کہ حد جنون تک پہنچادے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا یا تو گواہان عادل سے ثابت ہوگیا یا وہ اس کا دعویٰ کرے اور اس کی یہ عادت معہود اور معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعویٰ معتبر نہیں، یوں تو ہر شخص اس کا ادعاء کرے اور غصہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالباً (اکثر) طلاق نہیں ہوتی مگر بحالت غضب۔ (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۲۹، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت زینب سے حالت غصہ میں کہا: زینب طلاق، طلاق، طلاق یعنی بے شمار طلاق جس کا اندازہ معلوم نہیں اور زید کہتا ہے کہ مجھ کو حالت غصہ میں خبر نہیں کہ میں نے کتنی دفعہ طلاق دیا ہے بحضور شاہدین اور زینب کے خویش واقارب کہتے ہیں کہ زید نے تین طلاقیں شرعا دی ہیں اور اب زید اپنی عورت زینب سے رجعت کرنا چاہتا ہے اور عورت کے وارث انکار کرتے ہیں اور یہ آدمی نمازی ہے اور غریب ہے، یہاں علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ رجوع صحیح ہے مگر وہ لوگ نہیں مانتے۔ اب حق آپ کی جانب ہے جیسا کہ حکم شریعت ہو، اگر آپ جواب نہ دوگے تو غریب کا حق مارا جائے گا اور دوسرا کوئی ہندوستان میں آپ جیسا عالم نہیں، آپ کا فتویٰ اطراف میں جاری ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: جب کہ زید ان الفاظ سے طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے گنتی میں سہو بتاتا ہے، اگر ثابت ہو کہ یہ لفظ تین بار کہے تو تین طلاقیں ہوگئیں رجعت ناممکن ہے بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔ قال الله تعالیٰ: فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔

(فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۳۰-۲۹، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: عمرو کو عشق ہو گیا تھا اور ہر وقت خیال معشوق رہتا تھا اور فکر مند دل چاہتا تھا اور خلش بہت تھی، عمرو نے گھبراہٹ میں طلاق دے دی، اس کلمہ کو بار بار جنون کی حالت میں بیان کرتا تھا؟

الجواب: فقط گھبراہٹ یا دماغ پر گرمی کا نام جنون نہیں، اگر واقعی مجنون نہ تھا تو طلاق ہو گئی، اگر تین بار کہی تو تین بار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۲، مکتبہ رضویہ، پاکستان)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ میں لڑائی ہوئی، زید نے حالت غیظ وغضب میں ہندہ کو طلاق نامہ لکھ دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا، اسے مدت گزری یہاں تک کہ عدت گزر گئی، اب زید کہتا ہے کہ مجھے طلاق منظور نہ تھی، میں نے شدت غضب میں وہ طلاق نامہ لکھا تھا اور زبان سے کوئی لفظ نہ کہا تھا، پس اس صورت میں زید کا یہ عذر قابل سماعت ہے یا نہیں؟ ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو زید اس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں اور ہندہ کا مہر زید پر واجب الاداء ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: غصہ مانع وقوع طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے تو اسے مانع قرار دینا گویا حکم طلاق کا راساً ابطال ہے، ہاں! اگر شدت غیظ اور جوش غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے خبر نہ رہے کہ کیا کہتا ہوں، زبان سے کیا نکلتا ہے تو بے شک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہو گی، پس صورت مستفسرہ میں اگر زید اس حالت تک نہ پہنچا تھا تو صرف غصہ ہونا اسے مفید نہیں، اور طلاق جس طرح قول سے واقع ہوتی ہے یونہی تحریر سے بھی واقع ہوتی ہے، پس وہ طلاق واقع ہو گئی اور بہ سبب مرور عدت کے اب رجوع بھی نہیں کر سکتا، ہاں! اگر تین طلاقیں نہ تھیں تو نکاح جدید بے حلالے کے کر سکتا ہے ورنہ حلالہ کی ضرورت ہے۔ کما ھو الحکم المعروف۔ اور مہر ہندہ اس صورت میں بے شک زید پر واجب الاداء ہے، اور اگر وہ دعوے کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل ہی زائل ہو چکی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کہ میرے منہ سے نکلتا ہے تو اطمینان ہندہ کے لیے اس کا ثبوت گواہان عادل سے، اوس کی عدت تین مہینہ ہے۔ اور اگر ابھی خلوت کی نوبت نہ آئی تو ایک طلاق ہوئی اور عورت پر عدت نہیں اوسی وقت جس سے چاہے نکاح ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۳۔ ۳۲، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

حالت اکراہ اور حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

سوال: کسی نے کوئی شخص کو جبراً نشہ پلایا، وہ حالت بیہوشی میں اگر عورت کو طلاق دے دے تو کیا طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب: لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر کہتے ہیں، یہ جبر نہیں، اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی لی اور اوس نشہ میں طلاق دی بلاشبہ بالاتفاق ہو گی۔ ہاں! اگر جبر واکراہ شرعی ہو مثلاً قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے جس کے نفاذ پر یہ اوسے قادر جانتا ہو یا یوں کہ کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ چیر کر حلق میں شراب ڈال دی تو یہ صورت ضرور جبر کی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اگر طلاق دے، نہ پڑے گی۔ ردالمحتار میں ہے: علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہو گی اور النہر الفائق میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۴، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

فقہاء احناف کے نزدیک خطا اور نسیان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کے خلاف امام بخاری کا اپنی تعلیقات میں احادیث صحیحہ کو وارد کرنا

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِءٍ مَا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر

نیت کی ہو۔ (صحیح البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، مرد کو اس کے عمل پر وہی ثمر ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔
۶۶۸۹، ۶۹۵۳، مسند احمد: ۱۶۸، صحیح مسلم: ۴۹۲۷)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس حدیث صحیح کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی انہوں نے صحیح البخاری کے اول میں روایت کی ہے کیونکہ دراصل حکم اس شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو عاقل ہو، مختار ہو، عمداً کلام کرتا ہو اور اس کا ذہن بیدار ہو، اس کے برخلاف جو مکرہ ہو وہ غیر مختار ہوتا ہے اور جو سکران ہو وہ نشے میں مدہوش ہونے کی وجہ سے غیر عاقل ہوتا ہے اور اسی طرح مجنون بھی حالت جنون میں غیر عاقل ہوتا ہے اور جن کے منہ سے غلط الفاظ نکل جاتے ہیں یا بھولے سے الفاظ نکل جاتے ہیں ان کا ذہن بیدار نہیں ہوتا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی شرح کی ہے۔

وَتَلَا الشَّعْبِيُّ: اور الشعبی نے اس آیت کی تلاوت کی:

لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (البقرہ: ۲۸۶) (اے ہمارے رب!) اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب عامر بن شراحیل الشعبی سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس کے منہ سے نسیان سے طلاق کا لفظ نکلا یا جس نے غلطی سے طلاق کا لفظ بولا تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو شعبی نے اس آیت کو پڑھا اور اس سے یہ استدلال کیا کہ جو بھولے سے یا غلطی سے طلاق دے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی مذکور الصدر شرح پر مصنف کا تبصرہ اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کے نزدیک جو شخص غلطی سے یا بھول کر اپنی بیوی کو طلاق دے، اس کی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔ علامہ عینی چونکہ حنفی ہیں اس لیے ان کو چاہیے تھا کہ وہ عامر الشعبی کی اس دلیل کا جواب لکھتے لیکن انہوں نے نہ جانے کیوں اس کا جواب نہیں لکھا۔ بہر حال عامر الشعبی کی قائم کردہ دلیل صحیح نہیں ہے اور اس آیت سے ان کا اس صورت مسئولہ پر استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ اس آیت کا تعلق امور آخرت کے ساتھ ہے یعنی اگر دنیا میں ہم سے غلطی سے یا بھولے سے کوئی گناہ ہو جائے تو اے ہمارے رب! تو آخرت میں ہم سے ہماری گرفت نہ فرمانا، اور یہاں پر بحث دنیاوی احکام میں ہے یعنی اگر کسی شخص نے غلطی سے یا بھولے سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو آیا دنیا میں اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہیں؟ سو اس آیت کا تعلق امور آخرت سے ہے اور صورت مسئولہ کا تعلق دنیا سے ہے، لہٰذا سائل کے سوال اور عامر الشعبی کے جواب میں مطابقت نہیں ہے اور اس سے فقہاء احناف کے نظریہ پر کوئی زد نہیں پڑتی، فافہم وتشکر۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح سے فقہاء احناف کے موقف کی تائید

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

شعبی کے آزاد کردہ غلام سلیم، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ بالکل طعام نہیں کھائے گا، سو اس نے بھول کر طعام کھا لیا تو عامر الشعبی نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ بھول پر گرفت نہیں

فرماتا۔ (تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۳، دار الکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو شرح کی ہے وہ بھی فقہاء احناف کے موقف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس شرح کے مطابق بھی عامر الشعبی کے جواب کا مفاد یہ ہے کہ جس شخص نے بھول کر اپنی قسم کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر کوئی گرفت نہیں فرمائے گا لیکن دنیا میں تو بہر حال اس کو قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا علیٰ ہذا القیاس جس نے بھول کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو دنیا میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، سو یہ تعلیق فقہاء احناف کے موقف کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

خطا اور نسیان سے طلاق کے ذکر میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل علم کا خطاء اور نسیان میں اختلاف ہے:

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس مرد نے کسی کام کی قسم کھائی کہ وہ اس کام کو نہیں کرے گا مثلاً یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے گا، پھر اس نے بھولے سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی، اسی طرح عطاء، عمرو بن دینار اور ابن ابی نجیح نے کہا ہے اور اسحاق نے کہا: مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی الشیعی المتوفی ۲۱۱ھ نے شعبی اور حکم سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر اس کی زبان سے اس کی قسم کے خلاف الفاظ نکل گئے تو الشعبی نے کہا: اس میں اس کی نیت معتبر ہوگی اور اسی طرح طاؤس نے کہا۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۲۹۹)

اور حکم نے کہا: اس نے جو کلام کیا ہے اس پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ (یعنی اگر اس نے طلاق نہ دینے کی قسم کھائی تھی، پھر اس نے بھولے سے طلاق دے دی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور یہی امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کا موقف ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور امام احمد بن حنبل نے اس صورت میں کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس معاملہ میں اس کے لیے گنجائش ہے۔ اسحاق نے کہا: یہ اس کے ارادے پر محمول ہے، اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ (یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی)

امام عبد الرزاق نے کہا: یہ زہری اور قتادہ کا قول ہے اور عمر بن عبد العزیز سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی ربیعہ کا قول ہے اور مکحول سے بھی یہی روایت ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۴۰۶۔۴۰۵)

اور یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی النعمان اور ان کے صاحبوں کا قول ہے (یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہ قول ہے) اور الاوزاعی، ابن ابی لیلیٰ اور سفیان الثوری کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: جس مرد نے کسی کام پر طلاق دینے کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کیا یا اس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے بھولے سے طلاق دے دی یا بھولے سے فلاں کام کر لیا تو وہ حانث ہو جائے گا (یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی)۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۸۰)

اور امام ابو عبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ (یعنی اگر اس نے بھولے سے بیوی کو طلاق دے دی یا بھولے سے غلام کو آزاد کر دیا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا) اور اگر ان کے علاوہ اس نے کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر بھولے سے وہ کام کر لیا تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور امام ابو عبید نے کہا: اگر اس

نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے مقروض سے جدا نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اس سے اپنا حق وصول کرلے، پھر اس نے اپنے مقروض کے دیئے ہوئے دیناروں کو سونے کی بجائے رانگ، سیسہ یا پیتل کا پایا تو ان فقہاء کے قول کے مطابق وہ حانث ہو جائے گا جو قسم میں خطاء اور نسیان کا اعتبار نہیں کرتے اور ان فقہاء کے قول کے مطابق حانث نہیں ہوگا جو قسم میں خطاء اور نسیان کا اعتبار کرتے ہیں۔

اور امام احمد بن حنبل بھولے سے طلاق دینے والے کو حانث قرار دیتے ہیں یعنی اس کی طلاق کو واقع کر دیتے ہیں (اور یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا مذہب ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور باقی امور میں قسم کھانے کے بعد بھولے سے اس کے خلاف کرلے تو اس کو حانث قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج۹ ص ۲۵۷۔۲۵۶، موضحاً ومخرجاً، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

وَمَا لَا يَجُوزُ مِنْ إِقْرَارِ الْمُوَسْوِسِ۔ اور جس شخص کو وسوسہ پڑتا ہو اس کا اقرار جائز نہیں ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کے قول: ''موسوس کا اقرار جائز نہیں ہے''۔ اس کا عطف الطلاق فی الاغلاق پر ہے۔ یعنی حالت غضب میں طلاق دینا یا حالت اکراہ میں طلاق دینا اور وسوسہ اس کو کہتے ہیں جو دل میں خیال آئے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس تعلیق کی شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ہم تحقیق سے باحوالہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حالت غضب یا حالت اکراہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صاحب وسوسہ کی دی ہوئی طلاق کا شرعی حکم

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مجنون (بے عقل) اور المعتوہ (کم عقل) کی طلاق جائز نہیں ہے۔

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ المعتوہ کے سوا ہر مرد کی طلاق جائز ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۲۷۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵، سنن سعید بن منصور: ۱۱۱۳۔۱۱۱۲، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۹)

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ المعتوہ کی طلاق جائز نہیں ہے وہ الشعبی، الزہری، قتادہ، ابوقلابہ، الحسن البصری، ابراہیم النخعی، سعید بن المسیب، جابر بن زید اور یحییٰ بن سعید الانصاری ہیں۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۷۹)

اور سفیان الثوری، ابوثور اور امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۶۵۔۲۶۴)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۲۰۲، باب الخلع، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر نے کہا: اور ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں اور ہمارے اس قول پر اجماع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے قلم تکلیف کو اٹھا لیا گیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے قلم تکلیف کو اٹھا لیا گیا ہے: (۱) سوئے شخص سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے (۳) مجنون سے حتیٰ کہ وہ صاحب عقل ہو جائے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن دارمی: ۲۲۹۶، صحیح ابن حبان: ۱۴۲، سنن بیہقی: ج ۶ ص ۸۴) یہ تمام احادیث حماد بن سلمہ سے منقول ہیں۔

میں کہتا ہوں: ان احادیث کی سند ضعیف ہے اور اس کی آفت حماد بن سلمہ ہے لیکن یہ حدیث چونکہ متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن المنذر نے کہا: ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس مرد نے نیند میں طلاق دی، اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اسی پر صاحب وسوسہ کی طلاق کو بھی قیاس کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلَّذِي أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ أَبِكَ جُنُونٌ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا جس نے اپنے نفس پر زنا کا اقرار کیا: کیا تم کو جنون ہے؟

مجنون پر طلاق واقع نہ ہونے پر دلیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ اس چوتھی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس پر استدلال کیا ہے کہ مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور یہ تعلیق اس مفصل حدیث کا ایک قطعہ (ٹکڑا) ہے جس کو امام بخاری نے "کتاب المحاربین" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ حدیث درج ذیل ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، سو اس نے کہا کہ وہ زنا کر چکا ہے۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا، وہ آپ کی اس جانب آیا جس جانب آپ نے منہ موڑا تھا، پھر اس نے چار مرتبہ اپنے نفس کے خلاف گواہی دی، آپ نے اس کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کو عیدگاہ میں سنگسار کرنے کا حکم دیا، جب اس پر پتھروں کی مار پڑنے لگی تو وہ بھاگا لیکن لوگوں نے اس کو حرہ (مدینہ کے باہر سیاہ پتھروں والی زمین) میں پکڑ لیا، پھر اس کو پتھروں سے مار ڈالا گیا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۶۸۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

علامہ عینی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ کیونکہ اگر آپ کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ وہ مجنون ہے تو آپ اس سے "حد" کو ساقط فرما دیتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۸، مفصلاً مخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے جس کی انہوں نے "کتاب الحدود" میں روایت کی اور اس کی شرح ان شاء اللہ تعالیٰ وہیں پر آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نشہ میں طلاق کے وقوع کے متعلق امام بخاری کی تعلیقات

وَقَالَ عَلِيٌّ بَقَرَ حَمْزَةُ خَوَاصِرَ شَارِفَيَّ فَطَفِقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَلُومُ حَمْزَةَ فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي فَعَرَفَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ فَخَرَجَ وَخَرَجْنَا مَعَهُ۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے میری دو اونٹنیوں کی کوکھیں کاٹ ڈالیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنے لگے، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نشہ میں تھے اور ان کی دونوں آنکھیں سرخ تھیں، پھر حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ تو صرف میرے باپ کے غلام ہو، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پہچان لیا کہ یہ نشہ میں ہیں، سو آپ باہر نکلے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ باہر نکل گئے۔

حالت نشہ میں جو کلمات صادر ہوں ان پر مواخذہ نہیں کیا جاتا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس پانچویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو تو حالت نشہ میں اس سے جو کلمات صادر ہوں ان کلمات پر اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ یہ حدیث اس طویل حدیث کا ایک قطعہ ہے جس کی امام بخاری نے باب "شہود الملائکۃ بدراً" میں تفصیل کے ساتھ بہت طویل روایت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹنی ملی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے مجھے دوسری اونٹنی عطا فرمائی، سو میں نے ان دونوں اونٹنیوں کو ایک دن انصار کے ایک مرد کے گھر کے دروازے کے پاس بٹھایا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ میں ان اونٹنیوں پر اذخر (گھاس) کو لاد کر لاؤں گا تا کہ میں اس گھاس کو فروخت کروں اور میرے ساتھ بنو قینقاع کا سنار تھا تا کہ میں اس گھاس کی قیمت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر مدد حاصل کروں اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اس گھر میں ایک گانے والی کے ساتھ شراب پی رہے تھے۔ اس گانے والی نے یہ مصرع پڑھا: اٹھو! اے حمزہ! فربہ جوان اونٹنیوں کی طرف۔ تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر جوش میں ان اونٹنیوں کی طرف بڑھے اور ان کے کوہانوں پر وار کے ان کی کوکھوں کو چیر ڈالا، پھر ان کی کلیجیوں کو نکال لیا۔ ابن جریج نے کہا: میں نے ابن شہاب سے پوچھا: کیا ان کا کوہان بھی کاٹ لیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ ان کے دونوں کوہان کاٹ لیے اور ان کو لے گئے۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ منظر دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا: اس وقت آپ کی مجلس میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، میں نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آپ وہاں سے نکلے اور آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ بھی تھے، میں آپ کے ساتھ گیا، آپ حضرت حمزہ کے پاس گئے، آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت حمزہ نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر کہا: تم سب میرے باپ، دادا کے غلام ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے الٹے پاؤں واپس آ گئے۔ یہ واقعہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۷۵، صحیح مسلم: ۱۹۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۸۶، مسند احمد: ۱۲۰۴)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے پاس گئے اور آپ نے ان سے اظہار ناراضگی فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص نشہ میں ہو، اگر اس کو ملامت کا شعور ہو تو اس کو ملامت کرنی چاہیے۔

حضرت حمزہ نے حضرت علی کی دو اونٹنیاں کاٹ کر تلف کر دی تھیں، ان اونٹنیوں کا تاوان حضرت حمزہ پر آتا تھا لیکن حضرت علی نے حضرت حمزہ سے قرابت کی بناء پر تاوان نہیں لیا حالانکہ حضرت علی کو اس وقت رقم کی ضرورت تھی کیونکہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کا ولیمہ کرنا تھا، یہ ان کے عمدہ اخلاق اور کریمانہ خصائل کا ثمرہ تھا۔ (میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا اپنے بزرگوں سے ادب کا ثبوت ہے۔ سعیدی غفرلہ) اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام نے غزوۂ احد کے دن صبح کو شراب پی اور اسی دن شہید ہو گئے اور اس حدیث کی وجہ سے یہ ثابت ہے کہ غزوۂ احد کے بعد شراب کو حرام قرار دیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس تعلیق سے حافظ ابن حجر کا یہ استدلال کہ حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اس پر علامہ المہلب مالکی کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر نہایت قوی دلیل ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو تو حالت نشہ میں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت شراب کا پینا مباح تھا، انہوں نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب کے نشہ میں مرد جو کچھ کہے اس کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، انہوں نے کہا کہ اس قصہ کے سبب سے شراب نوشی کو حرام کر دیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں کہ علامہ المہلب مالکی کے قول پر یہ اعتراض ہے کہ اس قصہ سے صرف اس وجہ سے استدلال ہے کہ شرابی سے حالت نشہ میں جو کلمات صادر ہوں ان سے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس وقت شراب کا پینا مباح ہو یا نہ ہو اور علامہ المہلب مالکی کے قول پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان شراب پینے والوں کی وجہ سے شراب کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ ان شراب پینے والوں کا قصہ بالاتفاق غزوۂ احد سے پہلے کا ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور یہ واقعہ غزوہ بدر اور غزوۂ احد کے درمیانی عرصہ کا ہے جب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کیا تھا اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے غزوۂ احد کے دن صبح کو شراب پی اور پھر وہ اسی دن شہید ہو گئے۔ سو اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ غزوۂ احد کے بعد شراب کو حرام کیا گیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مجنون میں بھی عقل ہوتی ہے الا یہ کہ یہ ثابت ہو کہ نشہ سے اس کی عقل زائل ہو چکی ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم کو جنون ہے؟“

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے: کیا تم پر بعض اوقات میں جنون طاری ہوتا ہے؟ اور اگر آپ کی مراد یہ ہوتی کہ تم پر ہمیشہ جنون ہوتا ہے تو آپ کے اس ارشاد پر وثوق نہ ہوتا کہ اس پر جنون ہے، اس ارشاد کا صرف یہ معنی ہے کہ کیا تم پر اس وقت کے علاوہ میں جنون ہوتا ہے، لہٰذا تم نے جو کہا ہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو یہ جنون کے وقت میں کہا ہے اور آپ نے ایسے شبہ کو طلب کیا جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ مجنون کے معاملہ کو اس کی عقل نہ ہونے کے وقت میں اور جنون کے وقت فساد مقاصد کی صورت میں محمول کیا جاتا ہے اور سکران یعنی نشہ میں مبتلا شخص میں اصل یہ ہے کہ اس میں عقل ہو اور نشہ صرف اس کی عقل پر طاری ہوتا ہے، پس ایسے شخص سے جو کلام صادر ہو اس کو اس کی اصل عقل پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس وقت اس کی عقل نہیں تھی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

سکران کی طلاق واقع ہونے کے متعلق امام بخاری کی تعلیقات میں مذکور احادیث

وَقَالَ عُثْمَانُ لَيْسَ لِمَجْنُوْنٍ وَلَا لِسَكْرَانَ طَلَاقٌ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہ مجنون کی طلاق ہوتی ہے اور نہ سکران (نشہ میں مدہوش) کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس چھٹی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی اصل مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ الزہری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے عمر بن عبد العزیز سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو حالت نشہ میں طلاق دے دی، پس عمر بن عبد العزیز کی رائے ہماری رائے کے موافق تھی کہ اس شرابی پر کوڑے لگائے جائیں اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے حتیٰ کہ ان کو ابان بن عثمان نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجنون پر طلاق نہیں ہوتی اور نہ نشہ میں مدہوش پر طلاق ہوتی ہے، تب عمر بن عبد العزیز نے اپنے علماء سے کہا کہ تم مجھے اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم دیتے ہو اور یہ یعنی ابان بن عثمان مجھے اس کے خلاف حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہیں، پھر انہوں نے اس شرابی کی بیوی اس کی طرف واپس کردی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۵)

امام بخاری نے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا ہے۔ (فتح الباری، ج ۶ ص ۶۶۳ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَالْمُسْتَكْرَهِ لَيْسَ بِجَائِزٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سکران اور مکرہ کی طلاق جائز نہیں ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۴۰۸، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۸)

سکران (جو نشہ میں مدہوش ہو) کی طلاق کا واقع نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس ساتویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کو اس حدیث کی تائید اور تقویت میں لکھا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حالت نشہ میں ان سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلمات کہے تھے اور ان دونوں حدیثوں سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نیز ابو الشعثاء، عطاء، طاؤس، عکرمہ، القاسم اور عمر بن عبد العزیز کا بھی یہی موقف ہے کہ نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ امام ابن ابی شیبہ نے ان فقہاء تابعین کے اقوال کی اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۶۔۱۸۲۷۷)

سکران کی طلاق کے عدم وقوع کے متعلق فقہاء تابعین کے اقوال

اور ربیعہ، اللیث، اسحاق اور المزنی کا بھی یہی قول ہے اور امام الطحاوی کا بھی یہی مختار ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ المعتوہ (کم عقل) کی طلاق واقع نہیں ہوتی، امام طحاوی نے کہا کہ سکران بھی اپنے نشہ کی وجہ سے المعتوہ (کم عقل) ہے۔

سکران کی طلاق کے وقوع کے متعلق فقہاء تابعین کے اقوال

سکران کی طلاق کے وقوع کے متعلق کثیر فقہاء تابعین کا قول ہے مثلاً سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم النخعی، الزہری اور

الشعبی، امام اوزاعی اور الثوری اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں: ان دونوں میں صحیح قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس میں امام احمد بن حنبل کا قول مخالف ہے لیکن اس کی ترجیح بالعکس ہے۔

سکران کی حد نشہ

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ جب ہم کو یہ یقین ہو کہ سکران کی عقل زائل ہو چکی ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق لازم نہیں ہوگی ورنہ لازم ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے نشہ کی جس حد سے نماز کو باطل فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حالت نشہ میں اس کو علم نہ ہو کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اور یہ تفصیل ان فقہاء کے خلاف نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ شرابی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

جن فقہاء کے نزدیک سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے ان کی دلیل

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سکران کی طلاق مطلقاً واقع ہو جاتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ شرابی شراب پینے کی وجہ سے گناہ گار ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا خطاب زائل نہیں ہوا اور نہ اس سے گناہ زائل ہوا کیونکہ اس نے نشہ کی حالت میں جو نمازیں پڑھی ہیں اسے ان کی قضا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی طرح ان عبادات کی قضاء کا حکم دیا جاتا ہے جو اس پر حالت نشہ سے پہلے یا حالت نشہ میں واجب ہوئی تھیں۔

دلیل مذکور کا امام طحاوی کی طرف سے جواب

اور امام طحاوی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو بے عقل ہو اس کے احکام مختلف نہیں ہوتے خواہ اس کی عقل کا نہ ہونا اس کی اپنی وجہ سے ہو یا کسی اور کی وجہ سے ہو کیونکہ جو شخص نماز میں قیام سے عاجز ہو تو اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کا عجز اللہ کی جانب سے ہو یا اس کی اپنی طرف سے ہو مثلاً کوئی شخص اپنی ٹانگ خود توڑ دے تو اس سے قیام کا فرض ساقط ہو جائے گا، اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قیام کا بدل قعود ہے، سو دونوں صورتوں میں فرق ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ جو مرد سویا ہوا ہو اور اس سے نماز رہ جائے تو اس پر نماز کی قضا کرنی واجب ہے اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، پس ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اور علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص نشہ کی وجہ سے بے عقل ہو اور جس شخص کی عقل کے اوپر نشہ طاری ہو جب بھی اس مرد سے ایسا کلام صادر ہو جس کا کوئی مفہوم ہو تو وہ اصل پر محمول ہو گا یعنی اس کے کلام کا اعتبار کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی عقل کا زائل ہونا ثابت ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۶۶۴۔ ۶۶۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کی طرف سے ساتویں تعلیق کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ از ہشیم از عبداللہ بن طلحہ الخزاعی از ابی یزید المدینی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ سکران کی اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۲) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سکران کی طلاق کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ سکران کی تعلیق کے متعلق فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہیں:

اور رہا سکران تو جب وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو اگر اس کا نشہ کسی حرام سبب سے ہو بایں طور کہ اس نے خمر (انگور کی شراب) کو پیا ہو یا خوشی سے نبیذ کو پیا ہو حتیٰ کہ اس کو نشہ آ گیا اور اس کی عقل زائل ہو گئی تو جمہور فقہاء اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی، امام طحاوی اور امام کرخی نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ان کے قول کی دلیل یہ ہے کہ سکران کی عقل زائل ہو گئی اور تصرف کی اہلیت کی شرائط میں سے عقل ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون اور ناسمجھ بچے کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور جس کی عقل بھنگ یا کسی دواء سے زائل ہوئی ہو تو اس کا بھی یہ حکم ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کا مرتد ہونا صحیح نہیں ہے، پس ان کی طلاق بہ طریق اولیٰ صحیح نہیں ہو گی۔

سکران کی طلاق کے وقوع پر فقہاء احناف کا قرآن مجید سے استدلال

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ۔ (البقرۃ: ۲۳۰۔۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے، یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں O پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً یہ فرمایا ہے کہ جو مرد اپنی بیوی کو دو یا تین طلاقیں دے گا تو اس کی دی ہوئی طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا کہ وہ حالت عقل میں طلاق دے گا تو اس کی طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے حالت نشہ میں طلاق دی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

سکران کی طلاق کے وقوع پر فقہاء احناف کا احادیث سے استدلال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر طلاق جائز ہے سوائے معتوہ کی طلاق کے جس کی عقل مغلوب ہو"۔ (سنن ترمذی: ۱۱۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ فرماتے ہیں: اس حدیث پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علم اصحاب اور دیگر کا عمل ہے کہ معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ جب اس کو افاقہ ہو اور وہ حالت افاقہ میں طلاق دے تو اس کی طلاق

واقع ہو جاتی ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے، (۱) سوئے ہوئے شخص سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے (۳) مجنون سے حتیٰ کہ وہ صاحب عقل ہو جائے۔
(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن دارمی: ۲۲۹۶، صحیح ابن حبان: ۱۴۲، سنن بیہقی ج ۶ ص ۸۴)

ان احادیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف المعتوہ (مغلوب العقل) بچے، سوئے ہوئے شخص اور مجنون کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اگر شرابی اور نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق بھی واقع نہ ہوتی تو آپ اس کا حکم بھی بیان فرما دیتے، سو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر شرابی حالت نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

شرابی کی حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے وقوع پر عقلی دلیل

نشے میں مدہوش شخص کی عقل جس سبب سے زائل ہوئی ہے وہ معصیت اور گناہ ہے، لہٰذا زجراً اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دی جائے گی اور یہ اس کے ارتکاب معصیت کی سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ حالت نشہ میں کسی شریف انسان پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی یا اگر وہ حالت نشہ میں کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس پر حد زنا لگائی جائے گی اور شراب پینے پر اسے اسی کوڑے کی حد لگائی جائے گی اور اگر وہ حالت نشہ میں کسی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور حد اور قصاص غیر عاقل پر واجب نہیں ہوتیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ شرابی کی عقل قائم ہے اور جب کسی معصیت کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے تو اس کو عاقل کے قائم مقام کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کر دے تو اس کو مورث کی وراثت سے محروم کر دیا جائے گا اور یہ حکم زجر و توبیخ کی بنا پر ہے، اس کے برخلاف جب اس کی عقل بھنگ پینے سے یا کسی دواء سے زائل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عقل کسی معصیت کے سبب سے زائل نہیں ہوئی ہے۔ ہاں! سکران کا مرتد ہونا استحساناً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی عقل تقدیراً باقی ہے اور اس کو زجر و توبیخ کی حاجت نہیں ہے اور ارتداد کا وجود عام نہیں ہے اس لیے اس کی عقل کو تقدیراً باقی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس لیے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اگر کافر کو جبراً مسلمان کیا جائے تو اس کے اسلام کا حکم کیا جائے اور اگر مسلمان سے جبراً کلمہ کفر کہلوایا جائے اور اس کی زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب کہ اس کا دل ایمان اور اسلام پر مطمئن ہو۔

کسی مباح چیز کے کھانے کی وجہ سے حالت نشہ کا حکم

جب سکران کا نشہ کسی مباح چیز کے سبب سے ہو لیکن اس سے اس کو لذت حاصل ہوئی ہو تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کی عقل لذت کے سبب سے زائل ہوئی ہے۔

شراب کے علاوہ دیگر چیزوں کے کھانے یا پینے سے نشہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم

امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے: جس شخص نے بھنگ پی اور اس کی عقل زائل نہیں ہوئی لیکن اس کے سر میں درد ہو گیا اور سر درد کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عقل نہ کسی معصیت کی وجہ سے زائل ہوئی ہے نہ لذت کی وجہ سے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے بھنگ پی یا نشہ آور دواء پی جس سے اس کی عقل زائل ہو گئی (مثلاً چرس پی، افیون کھائی، مین پوری کھائی، جیم (J-M) کھائی، ماوا کھایا، گٹکا کھایا یا ون ٹو ون کھایا یا راج گرو کھایا یا سٹی کھائی یا اسی طرح کی دیگر اس دور کی مروجہ

نشہ آور چیزیں کھائیں) تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس کی عقل زائل ہو جائے۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۴ ص ۲۱۴۔ ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ) میں کہتا ہوں کہ نسوار اور تمباکو والے پان سے بھی شروع استعمال میں چکر آتے ہیں اور سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

خمر (انگور کی شراب) کے نشہ سے وقوع طلاق کے متعلق فقہاء احناف کے مذہب کی تفصیل

علامہ برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ ابو الحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی الحنفی المتوفی ۴۲۸ھ نے لکھا ہے: سکران جب خمر یا نبیذ پی کر حالت نشہ میں طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہی ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب ہے، اور ابو الحسن الکرخی کا مختار یہ ہے کہ سکران کی طلاق نہیں ہوتی اور یہی امام طحاوی کا موقف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور اگر کسی مرد کو ضرورت کے وقت شراب پینے پر مجبور کیا گیا، سو اس کی عقل چلی گئی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی، ہشام نے از امام محمد رحمہ اللہ اس کی روایت کی ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کی عقل صرف لذت کی وجہ سے گئی ہے، امام محمد نے کہا: اگر اس کی عقل کسی ایسی دواء کے استعمال سے گئی جس میں لذت نہیں تھی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس نے بھنگ پی اور اس کی عقل چلی گئی سو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

عبد العزیز الترمذی نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے بھنگ پی اور وہ بھنگ اس کے دماغ تک چڑھ گئی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر بھنگ پیتے وقت اس کو علم تھا کہ وہ کون ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگی اور اگر بھنگ پیتے وقت اس کو علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے تو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی، اور اگر اس نے نبیذ کو پیا اور اس سے اس کی عقل زائل نہیں ہوئی لیکن بھنگ اس کے موافق نہیں آئی، سو اس کے سر میں درد ہو گیا اور سر درد کی وجہ سے اگر اس نے کسی ایسی شراب کو پیا جو دانوں سے (یعنی گندم، جو یا جوار سے) یا شہد سے بنائی گئی ہو، سو اس کو نشہ آ گیا اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مصنف کے نزدیک موجودہ دور کی شرابوں سے حالت نشہ میں بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی

کیونکہ یہ شرابیں خمر نہیں ہیں جو کہ انگور کے شیرہ سے بنائی جاتی ہے اور صرف خمر ہی مطلقاً حرام ہے اور باقی شرابیں مطلقاً حرام نہیں ہیں۔ یہ شرابیں اس وقت حرام ہیں جب ان کو اتنی مقدار میں پیا جائے جس سے نشہ ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حتی الامکان احتیاط سے کام لیتے ہیں اور طلاق واقع کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض چیز طلاق ہے، اس زمانہ میں جو شرابیں بنائی جاتی ہیں وہ الکوحل سے تیار کی جاتی ہیں اور الکوحل، شہد، شیرہ، مختلف دانوں، جو، اناس، گندم، ادرک اور دیگر نشاستہ دار اجزا سے تیار کی جاتی ہے۔ اس نشاستہ میں پانی شامل کر کے اسے جوش دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ رقیق کرتے ہیں، پھر اس میں مختلف کیمیکلز شامل کرتے ہیں جس کے بعد یہ مرکب ایک مرتبہ میں الکوحل بن جاتا ہے اور اس کی ایک خاص مقدار نشہ آور ہوتی ہے، اسی طرح اسپرٹ بھی ایک مقدار میں نشہ دیتی ہے اور قلیل مقدار میں الکوحل نشہ دیتی ہے نہ اسپرٹ۔ اس کے برخلاف امام محمد کے نزدیک خمر کے علاوہ جس شراب کے پینے سے بھی نشہ ہو اور وہ حالت نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق

واقع ہو جاتی ہے۔ (میں کہتا ہوں: امام محمد کا قول حرمت شراب میں احتیاط پر مبنی ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول عورت کو طلاق سے بچانے پر محمول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے، نیز امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ان ظاہر احادیث اور آثار کے بھی موافق ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور اسی کے مطابق امام طحاوی اور امام کرخی کا فتویٰ ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور اس زمانہ کی شرابیں خمر نہیں ہیں، اسی لیے مصنف کی تحقیق یہی ہے کہ اس دور میں جو شخص شراب کے نشے میں اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ سعیدی غفرلہ)

(المحیط البرہانی ج ۴ ص ۳۹۲۔۳۹۱، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حالت نشہ میں وقوع طلاق کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی متوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نشہ والے نے طلاق دی تو واقع ہو جائے گی کہ یہ عاقل کے حکم میں ہے اور نشہ خواہ شراب پینے سے ہو یا بھنگ وغیرہ کسی اور چیز، افیون کی پینک میں طلاق دے دی جب بھی واقع ہو جائے گی۔ (الدر المختار ج ۴ ص ۴۳۸۔۴۳۷)

کسی نے مجبور کر کے اسے نشہ پلا دیا یا حالت اضطرار میں مثلاً پیاس سے مر رہا تھا اور پانی نہ تھا اور نشہ میں طلاق دے دی تو صحیح یہ ہے کہ واقع نہ ہوگی۔ (الدر المختار ج ۴ ص ۴۴۳) (بہار شریعت حصہ ۸ ص ۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ، مجلس مدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)

حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نشہ کی طلاق واقع ہے اگرچہ ایقاع کو عقل ضرور اور نشہ اس کا مزیل مگر دانستہ اس کا ارتکاب خود اس کا قصور۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۲۸، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

موسوس کی طلاق کے متعلق امام بخاری کی تعلیق

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ لَا يَجُوزُ طَلَاقُ الْمُوَسْوِسِ۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: الموسوس کی طلاق جائز نہیں ہے۔

(اس تعلیق کی تخریج پر ہم مطلع نہیں ہو سکے۔ سعیدی غفرلہ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس آٹھویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی صاحب وسوسہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ وسوسہ حدیث النفس ہے اور دل میں جو خیال آتا ہے یا جو بات آتی ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا ترجمہ اور تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر بن عبس الجہنی، یہ جہینہ ابن زید بن سود بن اسلم بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر نے مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہ مصر کے گورنر مقرر کیے گئے تھے اور انہوں نے وہاں پر گھر بنا لیا تھا اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں وفات پا گئے

تھے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چوالیس (۴۴) ہجری میں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، پھر ان کو معزول کر کے مسلمہ بن مخلد کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا اور ان کا دمشق میں بھی گھر تھا، اور خلیفہ بن خیاط نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی کو جنگ نہروان میں قتل کر کے شہید کر دیا اور یہ اڑتیس (۳۸) ہجری کا واقعہ ہے۔ حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ خلیفہ بن خیاط کا یہ قول غلط ہے۔

علامہ الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر منتقل ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو گئے اور ان کو المقطم میں دفن کیا گیا۔

علامہ الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی معزز صحابی ہیں۔ وہ بہت فصیح اللسان تھے اور انہوں نے دمشق کی فتح کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچائی تھی۔ وہ سات دنوں میں مدینہ پہنچ گئے اور وہاں سے ڈھائی دنوں میں شام پہنچ گئے۔

حضرت عقبہ بن عامر نے یہ کہا کہ موسوس کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ وسوسہ حدیث نفس ہے اور دل میں جو بات آتی ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ حضرت عقبہ بن عامر کے متعلق لکھتے ہیں:

ان سے پچپن (۵۵) احادیث مروی ہیں جن میں سے سات (۷) احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور نو (۹) احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں اور قیس بن ابی حازم اور بہت لوگ روایت کرتے ہیں۔ یہ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر کیے گئے تھے اور انہی کی طرف سے جنگ صفین میں حاضر ہوئے تھے اور اٹھاون (۵۸) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ) (تہذیب الکمال ج ۲۰ ص ۲۰۲، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۴۲، تقریب التہذیب: ۴۶۵۷)

طلاق میں شرط کے متعلق امام بخاری کی تعلیق میں حدیث

وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا بَدَأَ بِالطَّلَاقِ فَلَهُ شَرْطُهُ۔ اور عطاء نے کہا: جب مرد نے طلاق دینے کی ابتداء کی تو اس کی شرط معتبر ہو گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۲۷۵، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس نویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی شرح تفصیل کے ساتھ "باب الشروط فی الطلاق" میں گزر چکی ہے۔ اور عطاء، سعید بن المسیب اور الحسن البصری کی تعلیقات بھی گزر چکی ہیں اور میں ان کی احادیث موصولہ بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ اس مسئلہ میں کس نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس نویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں اور اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ جب کسی مرد نے ابتداءً طلاق دی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس طلاق کو کسی شرط کے اوپر معلق کر دے اور یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی شرط کو مقدم ذکر کرے بلکہ اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تم کو طلاق ہے، اگر تم گھر میں داخل ہوئی، اسی طرح اس کا یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔ (عمدۃ القاری

ج ۲۰ ص ۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ان بعض فقہاء کے قول کا بیان جنہوں نے عطاء بن ابی رباح کی مخالفت کی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب مرد نے یہ کہا: جب سورج غروج ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے، تو جب تک سورج غروب نہیں ہوگا تب تک اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی، لیکن جب اس نے کہا کہ میری بیوی کو طلاق ہے جب سورج غروب ہوگیا، سو بعض علماء نے یہ کہا کہ اس کی بیوی کو اسی وقت طلاق ہو جائے گی اور غروب شمس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور صحیح وہ بات ہے جو عطاء بن ابی رباح نے کہی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وضو، نماز اور طلاق میں وسوسہ کا حکم

مسئلہ: طہارت میں وسوسہ کا حکم واضح ہے لیکن طلاق میں وسوسہ کا حکم غیر واضح ہے یعنی اس کا معنی غیر مفہوم ہے۔

الجواب: نماز میں وسوسہ بھی غیر واضح ہے کیونکہ اس میں وسوسہ اس طرح ہے کہ آیا اس نے تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں کہی؟ حتیٰ کہ طلاق میں یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں دی۔ اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، حتیٰ کہ طہارت میں بھی کہا جاتا ہے کہ شیطان اس کو وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس نے وضو نہیں کیا، تو ہم کہیں گے کہ تم نماز پڑھو، اگر تم کو یہ خیال ہو کہ تم بغیر وضو کے نماز پڑھو گے تو تم اس وسوسہ کو چھوڑ دو اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہہ کر نماز پڑھو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ، مصر، ۱۴۲۹ھ)

تعلیق سابق کے موافق امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ نَافِعٌ طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ إِنْ خَرَجَتْ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنْ خَرَجَتْ فَقَدْ بُتَّتْ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ تَخْرُجْ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔

اور نافع نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی اگر وہ گھر سے نکلی، تو اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر وہ گھر سے نکلی تو اس کو طلاق بائن ہو جائے گی اور گھر سے نہیں نکلی تو اس کا یہ کلام لغو ہے۔

لفظ البتہ کی تحقیق اور حضرت ابن عمر کے اثر کی عطاء بن ابی رباح کے اثر کے ساتھ مناسبت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ دسویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ اَلْبَتَّةَ مفعول مطلق ہے، علامہ کرمانی نے کہا کہ لفظ البتہ میں ہمزہ قطعی ہے، علماء نحو نے کہا: یہ چیز قیاس سے معزول ہے۔ الی آخرہ۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:) یہ کہنا کہ لفظ البتہ کے ہمزہ کا قطعی ہونا خلاف قیاس ہے درست نہیں کیونکہ لفظ اَلْبَتَّةَ کا ہمزہ قطعی ہے اور اہل لغت نے کہا کہ البتہ کا معنی ہے: اَلْقَطْعُ اور البتہ کے ساتھ طلاق کے مسائل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جمہور نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی موافقت کی ہے کہ شرط کو خواہ طلاق سے پہلے ذکر کیا جائے یا طلاق کے بعد ذکر کیا جائے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ تعلیق یعنی حضرت ابن عمر کا اثر عطاء کے اثر کے مناسب ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تعلیق مذکور کی تسہیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دسویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع نے حضرت ابن عمر سے پوچھا: جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ یعنی طلاق بائن دی کہ اگر تم گھر سے نکلی تو تم کو طلاق البتہ ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں فرمایا: اگر اس کی بیوی گھر سے نکلی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر وہ گھر سے نہیں نکلی تو اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ طلاق شرط پر معلق ہے اور یہ اس وقت نافذ ہوگی جب شرط پائی جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ قَالَ إِنْ لَمْ أَفْعَلْ كَذَا وَكَذَا فَامْرَأَتِي طَالِقٌ ثَلَاثًا يُسْأَلُ عَمَّا قَالَ وَعَقَدَ عَلَيْهِ قَلْبُهُ حِينَ حَلَفَ بِتِلْكَ الْيَمِينِ فَإِنْ سَمَّى أَجَلًا أَرَادَهُ وَعَقَدَ عَلَيْهِ قَلْبُهُ حِينَ حَلَفَ جُعِلَ ذٰلِكَ فِي دِينِهِ وَأَمَانَتِهِ۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۲۶۴)

اور الزہری نے اس مرد کے متعلق کہا جس نے کہا: اگر میں نے فلاں فلاں کام نہیں کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں تو مرد سے اس کے قول کے متعلق سوال کیا جائے گا اور جس وقت اس نے طلاق کی قسم کھائی تھی تو اس کے دل میں کیا تھا، اگر اس مرد نے بیان کر دیا کہ اس کی مراد اتنی مدت تھی جس کا اس نے ارادہ کیا تھا اور اس وقت اس کے دل میں بھی یہی تھا تو اس قول کو اس کے دین اور اس کی امانت پر محمول کیا جائے گا۔

جب کسی مرد نے کسی کام کے کرنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائی اور اس کام کا بیان نہیں کیا تو اس کام میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس گیارہویں تعلیق کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ دو مردوں نے کسی کام پر اپنی بیوی کو طلاق دینے اور اپنے غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھائی اور اس کام میں دونوں کا اختلاف ہے اور ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس کام کے اوپر گواہ قائم نہیں کیے تو پھر ان دونوں سے اس کام کے متعلق پوچھا جائے گا اور انہوں نے جو بھی جواب دیا اس کو ان کے دین اور ان کی امانت پر محمول کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۲۰ ص ۲۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس گیارہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی محمد بن مسلم الزہری نے کہا: اور مسئلہ کی صورت ظاہر ہے کیونکہ یہ وہ تعلیق ہے جو شرط کے پائے جانے پر نافذ ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنْ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي فِيكِ نِيَّتُهُ۔

ابراہیم نے کہا: اگر مرد نے کہا: مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت معتبر ہوگی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۲۲۱، ۱۱۲۱۴، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۸)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: مجھے تمہاری حاجت نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس بارہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر مرد نے اس قول سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اگر اس نے طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تو طلاق نہیں ہوگی۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۸)

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس بارہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے اس تعلیق کی وہی شرح کی ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی بیان کر چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَطَلَاقُ كُلِّ قَوْمٍ بِلِسَانِهِمْ۔ ہر قوم کی طلاق کے الفاظ میں ان کی نیت معتبر ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۵)

غیر عربی زبان میں طلاق کا حکم

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تیرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عجمی کی طلاق اس کی اپنی زبان میں جائز ہے اور سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ جب مرد نے فارسی زبان میں طلاق دی تو اس کو لازم ہوگی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فارسی اور ترکی زبان میں طلاق کے الفاظ کا حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تیرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی ابراہیم نخعی نے کہا کہ ہر قوم خواہ عربی ہو یا عجمی ہو ان کا اپنی زبانوں میں طلاق دینا جائز ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے از مغیرہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ عجمی کا اپنی زبان میں طلاق دینا جائز ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۵)

صاحب المحیط نے کہا ہے: فارسی میں طلاق کے چار الفاظ متعارف ہیں: (۱) اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: ہشتم ترا یا ہشتم ترا از زنی"۔ ابن رستم نے اپنی نوادر میں امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ بغیر نیت کے یہ الفاظ طلاق نہیں ہیں، کیونکہ ان کا معنی اس طرح ہے کہ میں نے تم کو خالی کر دیا اور اس لفظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی (۲) اگر اس نے کہا: "بلہ کردم"، (۳) اگر اس نے کہا: "پای کشادہ کردم" تو ان الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق رجعی واقع ہوگی (۴) اگر اس نے کہا: "دست باز داشتم" تو ایک قول یہ ہے کہ اس سے طلاق رجعی ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کہا: "چہار راہ بر تو کشادہ است"۔ تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ اور اگر اس نے ترکی زبان میں کہا: "بوشادم سنی بر طلاق"، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر اس نے کہا: "ایکی طلاق" تو اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے کہا: اوج طلاق تو اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اردو زبان میں طلاق کے الفاظ کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی سنی حنفی المتوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ: طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک، تلاکھ، تلاکھ، تلاخ، تلاخ، تلاق، طلاق، بلکہ توتلے کی زبان سے تلات، یہ سب صریح کے الفاظ ہیں۔ ان سب سے ایک طلاق رجعی ہوگی اگر چہ نیت نہ ہو یا اگر چہ نیت کچھ اور ہو۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۴۴)

مسئلہ: اردو میں یہ لفظ کہ میں نے تجھے چھوڑا صریح ہے، اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی، کچھ نیت ہو یا نہ ہو، یوہیں یہ لفظ کہ میں نے فارغ خطی یا فارکھتی دی صریح ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۵۶۰۔۵۵۹)

مسئلہ: لفظ طلاق غلط طور پر ادا کرنے میں عالم اور جاہل برابر ہیں بہر حال ادا ہو جائے گی اگر چہ وہ کہے کہ میں نے دھمکانے کے لیے غلط طور پر ادا کیا طلاق مقصود نہ تھی ورنہ صحیح طور پر بولتا۔ ہاں! اگر لوگوں سے پہلے کہہ دیا تھا کہ دھمکانے کے لیے غلط طور پر ادا کیا تو طلاق مقصود نہ ہوگی، اب اس کا کہا مان لیا جائے گا۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۴۶)

مسئلہ: عورت کو طلاق نہیں دی مگر لوگوں سے کہتا ہے کہ میں طلاق دے آیا تو قضاءً ہو جائے گی اور دیانۃً نہیں اور اگر ایک طلاق دی ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ تین دی ہیں تو دیانۃً ایک ہوگی اور قضاءً تین، اگر چہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا۔ (فتاویٰ خیریہ ص ۳۸)

مسئلہ: عورت سے کہا: اے مطلقہ! اے طلاق دی گئی! اے طلاقن! اے طلاق شدہ! اے طلاق یافتہ! اے طلاق کردہ! طلاق ہو گئی اگر چہ کہے: میرا مقصود گالی دینا تھا طلاق دینا نہ تھا۔ اور اگر یہ کہے کہ میرا مقصود یہ تھا کہ وہ پہلے شوہر کی مطلقہ ہے اور حقیقت میں وہ ایسی ہی ہے یعنی شوہر اول کی مطلقہ ہے تو دیانۃً اس کا قول مان لیا جائے گا اور اگر وہ عورت پہلے کسی کی منکوحہ تھی ہی نہیں یا تھی مگر اس نے طلاق نہ دی تھی بلکہ مر گیا ہو تو یہ تاویل نہیں مانی جائے گی۔ یوہیں اگر کہا کہ تیرے شوہر نے تجھے طلاق دی تو بھی یہی حکم ہے۔
(ردالمحتار ج ۴ ص ۴۴۹)

مسئلہ: عورت سے کہا: تجھے طلاق دیتا ہوں یا کہا کہ تو مطلقہ ہو جا تو طلاق ہو گئی۔ (ردالمحتار) مگر یہ لفظ کہ طلاق دیتا ہوں یا چھوڑتا ہوں اس کے یہ معنی لیے کہ طلاق دینا چاہتا ہوں یا چھوڑنا چاہتا ہوں تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی قضاءً ہو جائے گی اور اگر یہ لفظ کہا کہ چھوڑے دیتا ہوں تو طلاق نہ ہوئی کہ یہ لفظ قصد و ارادہ کے لیے ہے۔

مسئلہ: تجھ پر طلاق، تجھے طلاق، تو طلاق ہے تو طلاق ہو گئی، طلاق ہو جا، طلاق لے، باہر جاتی تھی کہا: طلاق لے جا، اپنی طلاق اوڑھ اور روانہ ہو، میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی، جا تجھ پر طلاق۔ ان سب میں ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر فقط جا بہ نیت طلاق کہتا تو بائن ہوتی۔ (خانیہ، عالمگیری وغیرہما والفتاوی الخانیہ ج ۲ ص ۶۰۷)

مسئلہ: عورت کو کہا: میں نے تجھے چھوڑا اور کہتا ہے: میرا مقصود یہ تھا کہ بندھی ہوئی تھی، اس کی بندش کھول دی یا مقید تھی اب چھوڑ دی تو یہ تاویل سنی نہ جائے گی۔ ہاں! اگر تصریح کر دی کہ تجھے قید یا بندش سے چھوڑا تو قول مان لیا جائے گا۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۴۹)

مسئلہ: اپنی عورت سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو ایک بائن طلاق ہوگی اگر چہ نیت نہ کی ہو اور اگر وہ اس کی عورت نہ ہو تو یمین (قسم) ہے۔ حانث ہونے پر کفارہ واجب ہے۔ یوہیں اگر یہ کہا: میں تجھ پر حرام ہوں اور طلاق کی نیت کی تو واقع ہو گئی، اور اگر صرف یہ کہا کہ میں حرام ہوں تو واقع نہ ہوگی۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۵۲۔۴۵۰)

(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۰۔۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ، مجلس المدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)

اردو زبان میں طلاق کے الفاظ کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

امام اہل سنت مجدد دین ملت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

دارالاسلام میں جہل عذر نہیں، اور یہیں سے واضح ہوا کہ اگر ہمارے بلاد میں کوئی جاہل سا جاہل اپنی غیر مدخولہ عورت سے کہے: تجھ پر طلاق ہے، عورت فوراً نکاح سے باہر ہو جائے گی اور بے حاجت عدت اسے اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے نکاح کر لے اور اس کا یہ مسئلہ نہ جاننا کہ غیر مدخولہ مطلقاً ہر طلاق سے بائن ہو جاتی ہے اسے مفید نہ ہوگا، کسی ناخواندہ ہندی یا بنگالی کو سکھائے کہ اپنی عورت سے کہہ: ترا انزنی بهشتم (تجھ کو زوجیت سے نکال دیا) یا طلقتك فالحقی باهلك (میں نے تجھے طلاق دے دی ہے تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا) اور وہ نہ جانے کہ یہ کلمات طلاق کے ہیں عند اللہ طلاق نہ ہوگی کہ یہ جہل بالحکم، جہل باللسان سے ناشی ہوا اور جہل باللسان تقصیر نہیں، فارسی سیکھنا اصلاً اور عربی سیکھنا ہر شخص پر فرض نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کمال الدین محقق ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ نے تحریر فرمایا: یہ ضروری ہے کہ جب مرد لفظ طلاق کے ساتھ خطاب کرے تو وہ اس کے معنی کو جانتا ہو۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ علاؤ الدین محمد بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: مرد نے طلاق کا لفظ کہا اور وہ اس کا معنی نہیں جانتا تھا یا غفلت سے یا بھول کر طلاق کے الفاظ غلط طور پر ادا کیے تو قضاءً طلاق ہو جائے گی، اس کے برخلاف اگر اس نے مذاق سے یا مشغلہ کے طور پر طلاق کے الفاظ کہے تو قضاءً اور دیانۃً طلاق ہو جائے گی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی طلاق کو سنجیدگی کے مساوی قرار دیا ہے۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۲۱۷، مطبع مجتبائی، دہلی)

حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

کسی عورت کو عربی میں یہ کہلایا گیا: زوجت نفسی من فلان (میں نے اپنے نفس کا فلاں شخص سے نکاح کر دیا) جب کہ عورت کو ان الفاظ کا معنی معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد اس فلاں شخص نے جواب میں کہا: قبلت (میں نے قبول کیا) تو نکاح صحیح ہوگا خواہ گواہوں کو ان الفاظ کا معنی معلوم ہو یا نہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور مسئلہ طلاق کا بھی یہی حکم ہے اور شمس الاسلام اوزجندی نے فرمایا: طلاق نہ ہوگی کیونکہ صورت مذکورہ میں مرد طوطے کی مثل ہے۔ (فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۴ ص ۱۰۹، المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق، مصر المحمیہ، ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ عقد نکاح ہے تو مطلقاً نکاح نہ ہوا اگرچہ زن و مرد خوب سمجھتے ہوں اور انشاء نکاح کا ہی قصد رکھتے ہوں اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہو جائے گا اگرچہ اس زبان سے دونوں، وہ اور گواہ سب نا آشنا ہوں اور اگر عاقدین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظ نکاح ہیں تو جہاں احکام اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے اسے آگاہی نہ ہو تو نکاح ہو جائے گا اور یہ عذر مسموع نہیں اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع اس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عند اللہ نکاح نہ ہوگا، رہا قاضی تو اسے نظر کامل چاہیے، اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بطلان نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۳۵-۲۲۹ ملخصاً ملتقطاً و مخرجاً، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

وَقَالَ قَتَادَةُ إِذَا قَالَ إِذَا حَمَلْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا يَغْشَاهَا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ مَرَّةً فَإِنِ اسْتَبَانَ حَمْلُهَا فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۳)

اور قتادہ نے بیان کیا: جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تو حاملہ ہوگئی تو تجھ کو تین طلاقیں ہوں گی اور وہ ہر طہر میں ایک مرتبہ اس سے جماع کرتا ہے، پس اگر اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی۔

جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو حاملہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے، اس مسئلہ میں اختلاف فقہاء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس چودہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ وہ ہر طہر میں اس سے ایک مرتبہ جماع کرتا ہے، پھر دوسرے طہر تک رکا رہتا ہے۔

محمد بن سیرین نے کہا ہے: وہ اس سے جماع کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ حاملہ ہو جاتی ہے، جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک کی روایت مختلف ہے، ابن القاسم کی روایت میں مذکور ہے کہ اگر اس نے طلاق معلق کرنے کے بعد ایک مرتبہ اس سے جماع کیا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس کا حمل ظاہر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے اس طہر میں جماع کیا جس میں اس نے وطی کے بعد یہ کہا تھا تو اس پر اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی، امام طحاوی نے اس پر تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں اس وقت طلاق واقع ہوگی جب شرط متحقق ہوگی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تعلیق مذکور کی تسہیل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس چودہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی قتادہ بن دعامہ نے بیان کیا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تو حاملہ ہوگی تو تجھ کو تین طلاقیں ہوں گی اور وہ ہر طہر میں اپنی بیوی سے صرف ایک مرتبہ جماع کرتا ہے نہ کہ دو مرتبہ، اس احتمال کی وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے جماع سے ہی حاملہ ہو گئی ہو، پس اس سے اس پر طلاق ہو جائے گی اور محمد بن سیرین نے کہا: وہ اس سے جماع کرتا رہے حتیٰ کہ وہ حاملہ ہو جائے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۱-۳۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الْحَسَنُ إِذَا قَالَ الْحَقِي بِأَهْلِكِ نِيَّتُهُ۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۸)

اور حسن بصری نے بیان کیا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے گھر والوں کے ساتھ جا ملو، سو اس قول میں اس کی نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

کنایات طلاق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس پندرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام عبد الرزاق نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اس قول میں اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا اور دوسری سند کے ساتھ امام ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا: نکل جا اپنے رحم کو صاف کر، چلی جا مجھے تیری کوئی حاجت نہیں ہے تو اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس پندرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جا تو اس قول میں اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا۔ یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں، اگر ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کنایات طلاق کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی بریلوی متوفی ۱۳۶۷ھ کنایات طلاق کے متعلق لکھتے ہیں:

کنایہ طلاق وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو، طلاق کے علاوہ اور معنوں میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہو۔

مسئلہ: کنایہ سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ نیت طلاق ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مراد ہے یعنی پیشتر طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔ کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں: بعض میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے، بعض میں گالی کا احتمال ہے اور بعض میں نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ جواب کے لیے متعین ہے، اگر رد کا احتمال ہے تو مطلقاً ہر حال میں نیت کی حاجت ہے بغیر نیت طلاق نہیں ہوگی اور جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں اور تیسری صورت یعنی جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور غضب و مذاکرہ کے وقت بغیر نیت بھی طلاق واقع ہے۔

(الدر المختار ج ۴ ص ۵۱۶)

کنایہ کے بعض الفاظ

(۱) جا (۲) نکل جا (۳) چل (۴) روانہ ہو (۵) اٹھ (۶) کھڑی ہو (۷) پردہ کر (۸) دوپٹہ اوڑھ (۹) نقاب ڈال (۱۰) ہٹ سرک (۱۱) جگہ چھوڑ (۱۲) گھر خالی کر (۱۳) دور ہو (۱۴) چل دور (۱۵) اے خالی (۱۶) اے بری (۱۷) اے جدا (۱۸) تو جدا ہے (۱۹) تو مجھ سے جدا ہے (۲۰) میں نے تجھے بے خوف کیا (۲۱) میں نے تجھ سے مفارقت کی (۲۲) رستہ ناپ (۲۳) اپنی راہ لے (۲۴) کالا منہ کر (۲۵) چال دکھا (۲۶) چلتی بن (۲۷) چلتی نظر آ (۲۸) دفع ہو (۲۹) دال، فے، عین ہو (۳۰) رفو چکر ہو (۳۱) پنجرا خالی کر (۳۲) ہٹ کے سڑ (۳۳) اپنی صورت گما (۳۴) بستر اٹھا (۳۵) اپنا سوجھتا دیکھ (۳۶) اپنی گٹھڑی باندھ (۳۷) اپنی نجاست الگ پھیلا (۳۸) تشریف لے جایئے (۳۹) تشریف کا ٹوکرا لے جایئے (۴۰) جہاں سینگ سمائے جا (۴۱) اپنا مانگ کھا (۴۲) بہت ہو چکی اب مہربانی فرمایئے (۴۳) اے بے علاقہ (۴۴) منہ چھپا (۴۵) جہنم میں جا (۴۶) چولہے میں جا (۴۷) بھاڑ میں پڑ (الی قولہ) (۵۰) میں نے نکاح فسخ کیا (۵۱) تو مجھ پر مثل مردار (۵۲) یا سور (۵۳) یا شراب کے ہے (نہ مثل بھنگ یا افیون یا مال فلاں یا زوجہ فلاں کے ہے)۔

(۵۴) تو مثل میری ماں، بہن یا بیٹی کے ہے (اور یوں کہا کہ تو ماں، بہن، بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں) (۵۵) تو خلاص ہے (۵۶) تو گلو خلاصی میں ہے الی قولہ (۶۰) یا ہر حال مجھ پر حرام (۶۱) تو میرے ساتھ حرام ہے الی قولہ (۶۲) میرے مطلب کی نہیں (۶۳) میرے مصرف کی نہیں۔ الی قولہ (۶۴) میں نے تیری راہ خالی کر دی (۶۵) تو میری ملک سے نکل گئی ہے (۶۶) میں نے تجھ سے خلع کیا (۶۷) اپنے میکے بیٹھ (۶۸) تیری باگ ڈھیلی کی (۶۹) تیری رسی ڈھیلی کی الی قولہ (۷۰) خاوند تلاش کر (۷۱) تو مختار ہے (۷۲) تو آزاد ہے (۷۳) مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں (۷۴) مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا (۷۵) میں تیرے نکاح سے بیزار ہوں (۷۶) بری ہوں (۷۷) مجھ سے دور ہو (۷۸) تو نے مجھ سے نجات پائی (۷۹) میں نے تیرا پاؤں کھول دیا (۸۰) میں نے تجھ کو آزاد کیا (۸۱) اپنا نکاح کر (۸۲) جس سے چاہے نکاح کرے (۸۳) میں نے تیرا نکاح فسخ کیا (۸۴) میں تجھ سے دستبردار ہوں (۸۵) میں نے تجھے، تیرے گھر والوں یا باپ یا ماں کو واپس کر دیا (۸۶) تو قیامت تک یا عمر بھر میرے لائق نہیں۔

کنایہ کے چند ایسے الفاظ جن سے نیت کے باوجود طلاق نہیں ہوتی

مسئلہ: ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کرے: مجھے تیری حاجت نہیں، مجھے تجھ سے سروکار نہیں، تجھ سے کام نہیں، غرض نہیں، مطلب نہیں، تو مجھے درکار نہیں، تجھ سے مجھے رغبت نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا۔ (فتاویٰ رضویہ)

(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۶۔۱۴، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ، مجلس مدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الطَّلَاقُ عَنْ وَطَرٍ وَالْعَتَاقُ مَا أُرِيدَ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طلاق کسی ضرورت کی وجہ سے دی جاتی ہے اور اللہ کی رضاجوئی کے لیے غلام کو آزاد کیا جاتا ہے۔

(ہم اس تعلیق کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکے)

بلا وجہ طلاق کا ناپسندیدہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس سولہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی مرد کو کسی ضرورت کے بغیر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے مثلاً بیوی اس کی نافرمانی کرتی ہو، جب کہ غلام کو آزاد کرنا ہمیشہ مطلوب ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٣٦٥۔٣٦٤، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس سولہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بغیر ضرورت کے اپنی بیوی کو طلاق نہ دے یعنی بغیر ضرورت کے بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے اور اللہ کی رضا کے لیے غلام کو آزاد کرنا ہمیشہ مطلوب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٦١، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِنْ قَالَ مَا أَنْتِ بِامْرَأَتِي نِيَّتُهُ وَإِنْ نَوَى طَلَاقًا فَهُوَ مَا نَوَى۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۰)

الزہری نے بیان کیا: مرد نے کہا: تو میری بیوی نہیں ہے، اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو پھر طلاق واقع ہوگی۔

مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو میری بیوی نہیں ہے، اس قول کے متعلق مذاہب ائمہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس سترہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور قتادہ کی سند سے روایت کی ہے کہ جب اس نے بیوی کے منہ پر کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا تو ایک طلاق پڑ جائے گی۔ ابراہیم النخعی نے کہا: اگر اس نے بار بار کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے تو اس سے اس کی طلاق کا ارادہ ہے اور سعید بن المسیب نے اس میں توقف کیا اور اللیث نے کہا کہ اس کا کلام جھوٹ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(فتح الباری ج ٦ ص ٣٦٥، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس سترہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی محمد بن مسلم الزہری نے بیان کیا کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی۔ اور امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: یہ طلاق نہیں ہے اور اللیث نے کہا: یہ جھوٹ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٦١، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

وَقَالَ عَلِيٌّ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يُدْرِكَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ تین آدمیوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے: (۱) مجنون سے حتیٰ کہ وہ صحت یاب ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ اسے علم اور ادراک ہو جائے (۳) سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۳۴۵)

تعلیق مذکور کی تخریج اور لڑکے کے بالغ ہونے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اٹھارویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی التوفی ۳۱۷ھ نے اس حدیث کی سند موصول کے ساتھ ''الجعدیات'' میں از علی بن الجعد از شعبہ از الاعمش از ابی ظبیان از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دیوانی عورت کو لایا گیا جس نے زنا کیا تھا اور وہ حاملہ ہو چکی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ قلم تکلیف تین آدمیوں سے اٹھالیا گیا ہے، پھر انہوں نے اس مذکور الصدر حدیث کا ذکر کیا۔ (مسند ابن ابی الجعد: ۷۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ) اس حدیث کی الاعمش سے متعدد متابعات ہیں۔ اور جریر بن حازم نے اعمش سے جو روایت کی ہے اس میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس کی امام ابوداؤد اور امام ابن حبان نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور امام نسائی نے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کی موقوفاً اور مرفوعاً روایت کی ہے۔ اور جمہور فقہاء نے اس حدیث کے مقتضیٰ پر عمل کیا ہے لیکن بچہ کی طلاق واقع کرنے میں ان کا اختلاف ہے، پس ابن المسیب اور حسن بصری کا قول یہ ہے کہ جب بچہ صاحب تمیز ہو تو اس کی دی ہوئی طلاق لازم ہو جاتی ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ جب بچہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور باقاعدہ نمازیں پڑھتا ہو اور عطاء کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ جب بچہ کی عمر بارہ سال ہو جائے اور امام مالک سے یہ روایت ہے کہ جب بچہ احتلام کے قریب پہنچ جائے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تعلیق مذکور کی مکمل تخریج اور لڑکے کی بلوغت کے متعلق اقوال فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس اٹھارویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ اس وقت فرمایا جب ان کے پاس ایک دیوانی عورت کو لایا گیا جو زنا سے حاملہ ہو گئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا، پس مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین آدمیوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے۔ الحدیث۔ امام بخاری نے اس کی صیغہ معروف کے ساتھ روایت کی ہے کیونکہ یہ حدیث ثابت ہے، علامہ ابن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے۔

امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے صحیح ابن حبان میں اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یہ یاد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے: (۱) مجنون سے جس کی عقل مغلوب ہو (۲) سوئے ہوئے آدمی سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے (۳) بچے سے حتیٰ کہ اسے

احتلام ہو جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ آپ نے سچ فرمایا۔

اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے از ابن جریج از القاسم بن یزید از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم عمر سے، مجنون سے اور سوئے ہوئے سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہے:

(صحیح ابن حبان: ۱۴۳۔ ۱۴۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۱۔ ۱۰۰، سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۳۹۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱، المنتقی: ۱۴۸، المستدرک ج ۲ ص ۵۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۰۴۸، ۱۰۰۳، الدارقطنی ج ۳ ص ۱۳۹۔ ۱۳۸، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۶۴، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۹۰، التحفہ ج ۷ ص ۳۶۰)

بچے کی طلاق میں فقہاء کا اختلاف ہے، ابن المسیب اور حسن بصری سے منقول ہے کہ جب بچہ عقل مند اور صاحب تمیز ہو تو اس کی طلاق لازم ہو جاتی ہے اور امام احمد کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور نمازیں پڑھتا ہو اور عطاء سے روایت ہے کہ جب اس کی عمر بارہ سال ہو جائے اور امام مالک سے روایت ہے کہ جب وہ احتلام کے قریب ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۲۔ ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے اعتراف زنا پر اس کو رجم کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت پر رجم کرنے کی دلیل تو آپ کے پاس ہے لیکن اس کے پیٹ کے بچے کو کس دلیل سے ہلاک کیا جائے گا؟ اس توجہ دلانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا حکم مؤخر کر دیا اور فرمایا: عجزت النساء ان تلد مثل علی بن ابی طالب لولا علی لھلک عمر، عورتیں علی بن ابی طالب کی مثل جننے سے عاجز آ گئیں، اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(مختصر کتاب الموافقۃ لابن السمان ص ۱۵۲، الاستیعاب لابن عبدالبر ج ۳ ص ۲۰۶، العواصم من القواصم لابن العربی ص ۱۳۱، المرتضٰی للندوی ص ۱۲۹، الریاض النضرۃ ج ۴ ص ۱۳۹، ذخائر العقبی ص ۹۹، تذکرۃ الخواص لسبط ابن الجوزی ص ۱۲)

لڑکے اور لڑکی دونوں کی بلوغت کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تفصیل

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ: از پٹنہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لیے حد بلوغ کیا ہے؟ مرد ہوں یا عورت۔

الجواب: لڑکا بارہ (۱۲) سال اور لڑکی نو (۹) برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے اور لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی کو سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کر دے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ و بالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو تو بھی بالغ و بالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، لڑکے کی ڈاڑھی مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔

علامہ محمد بن علی بن احمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

لڑکے کا بلوغ احتلام یا بیوی کو حاملہ کرنا یا انزال سے معلوم ہوگا اور لڑکی کا بلوغ حاملہ ہونے، حیض اور احتلام سے ظاہر ہوگا۔ اگر دونوں میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق دونوں کی عمر پندرہ سال ہو جانے پر اور کم از کم مدت بلوغ لڑکے میں بارہ

(۱۲) سال اور لڑکی میں نو (۹) سال ہے۔ (الدرالمختار ج ۲ ص ۱۹۶، مطبع مجتبائی، دہلی)

نیز علامہ الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں: دونوں مراہق تھے، سوانہوں نے کہہ دیا کہ ہم بالغ ہیں تو تسلیم کیا جائے گا بہ شرطیکہ ان کا ظاہر حال ان کو جھوٹا نہ قرار دے، ان کے اقرار کے صحیح ہونے کے لیے ان جیسوں کا بالغ ہونا ممکن ہو، ورنہ ان کی بات قبول نہ ہوگی۔ (شرح وہبانیہ) پس اقرار کے بعد وہ حکماً بالغ ہوں گے، لہٰذا اب ان کا انکار قابل قبول نہ ہوگا بہ شرطیکہ حال موافق ہو۔

(الدرالمختار ج ۲ ص ۱۹۹، مطبع مجتبائی، دہلی)

فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے: لڑکے میں بارہ سال سے کم اور لڑکی میں نو سال سے کم میں بالغ ہونے کا حکم نہ دیا جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۶۱ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید محمد امین بن عبدالعزیز دمشقی شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

زیر ناف بالوں اور ڈاڑھی کا اعتبار نہیں ہے اور رہا لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا تو اس کے متعلق الحموی نے کہا کہ ظاہر الروایہ میں مذکور ہے: اس کی وجہ سے بالغ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور یوں ہی آواز کا بھاری ہونا بھی معتبر نہیں ہے، اسی طرح پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بالوں کا نکلنا بھی معتبر نہیں ہے۔ (ردالمحتار شرح درالمختار ج ۴ ص ۹۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ) (فتاویٰ رضویہ ج ۱۹ ص ۶۳۱۔ ۶۳۰، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عَلِيٌّ وَكُلُّ الطَّلَاقِ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: المعتوہ کی طلاق کے سوا ہر طلاق جائز ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۱۵، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۱۷، مسند ابوالجعد: ۷۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۹)

المعتوہ (کم عقل) کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس انیسویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی المتوفی ۳۱۷ھ نے اس تعلیق کی ''الجعدیات'' میں سند موصول کے ساتھ از علی بن الجعد از شعبہ از الاعمش از ابراہیم النخعی از عابس بن ربیعہ روایت کی ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہر طلاق سوائے المعتوہ کی طلاق کے جائز ہے۔ (مسند ابن الجعد: ۷۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ) اسی طرح اس حدیث کی امام سعید بن منصور المتوفی ۲۲۷ھ سے ان کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت) اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں المغلوب علی عقلہ یعنی اس کی عقل مغلوب ہو، کا اضافہ ہے اور یہ حدیث عطاء بن عجلان سے مروی ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔ المعتوہ سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل کم ہو اور اس کے عموم میں بچہ، مجنون اور سکران یعنی نشہ میں مبتلاء بھی داخل ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس سے جو کلام صادر ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اس میں فقہاء کا قدیم اختلاف ہے، امام ابن ابی شیبہ نے از نافع روایت کی ہے کہ المجبر بن عبدالرحمٰن نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ معتوہ یعنی کم عقل تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عدت گزارنے کا حکم دیا، پس ان کو بتایا کہ یہ معتوہ ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے معتوہ اور غیر معتوہ کی طلاق کا استثناء فرمایا ہو، اور امام ابن ابی شیبہ نے شعبی، ابراہیم اور متعدد تابعین سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی مثل روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کی تعلیق مذکور عطاء بن عجلان سے مروی ہے اور اس کے ضعف کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس انیسویں (۱۹) تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام بخاری نے اس تعلیق کو صیغہ معروف سے یعنی جزم اور وثوق کے ساتھ بیان کیا کیونکہ یہ اثر ثابت ہے کیونکہ امام البغوی المتوفی ۳۱۷ھ "الجعدیات" میں اس کی سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔

(مسند ابن الجعد: ۷۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

المعتوہ وہ شخص ہے جو کم عقل ہو، سو اس میں بچہ اور مجنون اور نشہ میں مدہوش بھی داخل ہیں۔

امام ترمذی نے از محمد بن عبدالاعلی از مروان بن ابی معاویہ الفزاری از عطاء بن عجلان از عکرمہ بن خالد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر طلاق جائز ہے سوائے المعتوہ اور مغلوب العقل کی طلاق کے"۔ (سنن ترمذی: ۱۱۹۱)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ترمذی نے لکھا: ہم اس حدیث کو بہ طور مرفوع سوائے عطاء بن عجلان کے نہیں پہچانتے اور عطاء بن عجلان ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علم اصحاب اور دیگر کا اس حدیث پر عمل ہے کہ المعتوہ، المغلوب علی العقل کی طلاق جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ایسا معتوہ ہو جو بعض اوقات میں صحت مند ہو اور عقل سے کام لیتا ہو اور وہ صحت اور عقل وادراک کی حالت میں طلاق دے تو اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی۔ (سنن ترمذی ص ۴۰۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا کہ امام ترمذی اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں اور امام ترمذی نے عطاء بن عجلان کی صرف یہی ایک روایت سنن ترمذی میں درج کی ہے اور صحاح ستہ کی باقی کتب میں عطاء بن عجلان کی اور کوئی روایت نہیں ہے۔

عطاء بن عجلان حنفی اور بصری ہیں، ان کی کنیت ابو محمد ہے اور وہ العطار کے نام سے معروف ہیں اور ان کے ضعف پر تمام ماہرین رجال متفق ہیں۔ ابن معین الفلاس نے کہا: وہ کذاب ہے، امام ابو حاتم اور امام بخاری نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے اور امام ابو حاتم نے یہ اضافہ کیا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی انیسویں (۱۹) تعلیق میں مذکور حدیث کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: امام بخاری کی تعلیق مذکور ہر چند کہ ضعیف ہے لیکن امام بخاری نے اس کی وثوق کے ساتھ روایت کی ہے اور اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے اور ضعیف السند حدیث اہل علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور اس سے استدلال صحیح ہے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز ہے۔

المعتوہ (کم عقل) کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری حنفی فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا جب کہ حواس صحیح نہ ہوں اس کی بیع غبن فاحش ہے یا نہیں اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر کرلے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص کم سمجھ ہو، تدبیر ٹھیک نہ ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے، کبھی مدہوشوں کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا، گالیاں دیتا نہ ہو وہ معتوہ کہلاتا ہے، شرعاً اس کا حکم سمجھ والے بچہ کی مثل ہے، اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں، اگر یہ ولی رد کر دے بیع باطل ہو جائے گی اور غبن فاحش کے ساتھ بیع باطل محض ہے کہ ولی کی

اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوسکتی، اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کردے تو جائز نہ ہوگی۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

معتوہ کا حکم صاحب تمیز کی طرح ہے۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۱۹۸، مطبع مجتبائی، دہلی)

علامہ سید محمد امین بن عبد العزیز الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

معتوہ کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ قلیل الفہم، خلط ملط کلام کرنے والا اور فاسد تدبیر والا ہو، مگر وہ ضرب وشتم یعنی مار پیٹ اور گالی گلوچ نہیں کرتا جیسے مجنون کرتا ہے۔ (درر) (رد المحتار ج ۵ ص ۹۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

وہ تصرف جو محض نافع ہو تو وہ ولی کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہے مثلاً اسلام قبول کرنا اور ہبہ قبول کرنا اور ایسا تصرف جس میں نفع اور ضرر دونوں محتمل ہوں تو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے خرید وفروخت۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۲۰۳، مطبع مجتبائی، دہلی)

جامع الصغار میں ہے:

اگر بچے نے طلاق دی یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا سستا فروخت کیا یا زیادہ قیمت پر خریدا جو بازار کی کمی بیشی سے زائد ہو وغیرہ تو یہ امور بچے کے لیے ولی اس کی نابالغی میں کرے تو جائز نہ ہوں گے، لہٰذا خود بچے نے کیے تو باطل ہوں گے اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ ہوں اور اگر خود بھی بالغ ہونے کے بعد جائز کرنا چاہیں تو جائز نہ ہوں گے۔

(جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل البیوع ج ۱ ص ۱۸۵، اسلامی کتب خانہ، کراچی)

ہاں! اگر معتوہ یا نابالغ کو اس کے ولی مال یعنی باپ نے اور اگر وہ نہ ہو تو باپ کے وصی اور اگر وہ نہ ہو تو دادا اور وہ نہ ہو تو اس کے وصی اور وہ نہ ہو تو حاکم وقاضی نے تجارت کا حکم دے دیا ہے تو اس کی بیع جائز ہے اگرچہ غبن فاحش سے زائد ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۹ ص ۶۳۴۔۶۳۵، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، پاکستان، ۱۴۲۱ھ)

نیز اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

صبی ہرگز اہل طلاق نہیں ہے، نہ اس کے دیئے طلاق واقع ہو نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے، اگر دے تو ہرگز واقع نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۹ ص ۶۳۶، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان ۱۴۲۱ھ)

بچہ، المعتوہ اور سکران کے متعلق تحقیق وتفصیل

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفی المتوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہو تو وہ جنین ہے اور جب ماں کے پیٹ سے نکل آئے تو وہ صبی ہے اور اس کو بلوغت کے بعد مرد کہا جاتا ہے اور انیس سال کی عمر تک وہ غلام کہلاتا ہے اور چونتیس (۳۴) سال کی عمر تک وہ شاب (جوان) کہلاتا ہے اور اکیاون (۵۱) سال کی عمر تک کہول کہلاتا ہے یعنی ادھیڑ عمر، اور آخر عمر تک وہ شیخ کہلاتا ہے یہ تصریحات لغت کے مطابق ہیں۔

اور اصطلاح شرع میں بالغ ہونے تک اس کو غلام (لڑکا) کہا جاتا ہے اور اس کے بعد شاب (نوجوان) کہلاتا ہے اور تیس (۳۰) سال کی عمر تک فتیٰ (جوان) کہلاتا ہے اور پچاس (۵۰) سال کی عمر تک کہول (ادھیڑ عمر) کہلاتا ہے۔ اس کے بعد آخر عمر تک شیخ کہلاتا ہے، اس کی پوری تفصیل الفتاوی البزازیہ کی "کتاب الایمان" میں مذکور ہے۔

سو بچہ ہمارے نزدیک کسی عبادت کا مکلف نہیں ہے حتیٰ کہ زکوٰۃ کا بھی اور نہ کسی ممنوع شرعی کا مکلف ہے اور نہ اس پر کوئی حد

واجب ہے اور نہ قصاص اور اس کا قتل عمد، قتل خطاء کے حکم میں ہے۔
رہا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تو اس کے متعلق "التحریر" میں مذکور ہے کہ فخر الاسلام نے عبادات میں اس کے ایمان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور عقل مند بچہ کے متعلق ایمان باللہ کے اصل وجوب کو ثابت کیا ہے اور ادائے وجوب کو ثابت نہیں کیا کیونکہ عالم حادث ہے۔
• فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ بچے کے مال میں سے اس پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے یا نہیں؟ تو معتمد قول یہ ہے کہ واجب ہے اور بچہ کی طرف سے اس کا ولی صدقہ فطر ادا کرے گا اور قربانی کرے گا۔
بچہ اگر نماز میں باتیں کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر روزے میں کھائے گا اور پیئے گا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر دوران حج، وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرے گا تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا لیکن اگر اس نے ممنوعات احرام میں سے کسی ممنوع کا ارتکاب کر لیا تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا اور اگر اس نے نماز میں قہقہہ لگایا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اگرچہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی، ہر چند کہ اس پر عبادات واجب نہیں ہیں لیکن وہ عبادت کو ادا کرے گا تو اس کی عبادت صحیح ہے، بچہ کے ثواب میں فقہاء کا اختلاف ہے، معتمد قول یہ ہے کہ اس کو بھی ثواب ملے گا اور اس کے معلم کو تعلیم کا ثواب ہوگا اور اس کے تمام نیک کاموں کا یہی حکم ہے، اس کی امامت صحیح نہیں ہے، تراویح میں اس کی امامت کی صحت کے متعلق اختلاف ہے اور معتمد قول یہ ہے کہ تراویح میں اس کی امامت صحیح نہیں ہے، اگر بچہ سے کوئی آیت سجدہ کی تلاوت سن لے تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے اور اگر وہ ایک شخص کے ساتھ بھی نماز پڑھے گا تو اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی سوائے نماز جمعہ کے، کیونکہ نماز جمعہ میں تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، بچہ اہل الولایات میں سے نہیں ہے، پس وہ نکاح کرنے کا ولی ہے نہ قضاء کا اور نہ شہادت کا، وضو ٹوٹنے کے مسائل میں بچہ بالغ کے حکم میں ہے اور بچہ کی اذان مکروہ تنزیہی ہے لیکن السراج الوہاج میں مذکور ہے کہ جو بچہ عقل مند ہو اس کی اذان میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح ظاہر الروایہ میں ہے، بچے کو قرآن مجید کے چھونے سے منع کیا جائے گا، اسی طرح بچی کو بھی، اگر بچہ مطلقہ ثلثہ کے لیے اپنی بیوی سے وطی کرے تو تحلیل شرعی حاصل ہو جائے گی جب کہ وہ بچہ مراہق ہو اور اس کا آلہ حرکت کرتا ہو اور اس کو عورتوں کی شہوت ہو، اور اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اور اس کا اسلام لانا صحیح ہے اور اس کا مرتد ہونا بھی صحیح ہے اور اگر اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کا ذبیحہ حلال ہے بہ شرطیکہ اس کو شرائط ذبح کا علم ہو، اسی طرح الکافی میں مذکور ہے۔
بچہ اجنبی عورت کو دیکھنے میں بالغ کی مثل نہیں ہے اور اس کا اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت میں ملنا صحیح ہے اور پندرہ سال کی عمر تک اس کا عورتوں کے پاس داخل ہونا صحیح ہے۔ اور اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ اس کا غلام کو آزاد کرنا نافذ ہوگا۔
اور بچے کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اگر بچہ ماذون ہو اس نے کوئی چیز فروخت کی، پھر خریدار اس کے عیب پر مطلع ہوا تو وہ بچہ کو حلف نہیں دے گا اور بچہ کو تادیبا تعزیر دی جائے گی اور جو عقود نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہوں وہ اس کے ولی کی اجازت کے اوپر موقوف ہیں اور اگر کسی نے اس کو کوئی چیز ہبہ کی تو بچہ کا اس پر قبضہ کرنا صحیح ہے۔
وہ بچی جس پر شہوت نہیں آتی اس کے ساتھ غیر محرم کا سفر کرنا جائز ہے۔ اور اگر بچہ نے کوئی چیز غصب کر لی خواہ کسی بچہ سے غصب کی ہو پھر وہ چیز بچہ کے پاس سے غائب ہو گئی تو بچہ اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔
نو (9) سال کا بچہ چھت سے گر گیا یا پانی میں ڈوب گیا تو اس کے والدین پر کوئی جرمانہ نہیں ہے اور اگر بچہ ناسمجھ ہو تو والدین پر لازم ہے کہ وہ اس کی حفاظت نہ کرنے پر استغفار کریں۔ اور ولی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچے کو ریشم کے کپڑے اور سونے کے

زیور پہنائے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ بچہ کو خمر یعنی انگور کی شراب پلائے اور نہ اس کو کعبہ کی طرف منہ کر کے یا پیٹھ کر کے بول و براز کے لیے بٹھائے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ بچے کے ہاتھ اور پیر کو مہندی کے ساتھ رنگے۔

(الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ص ۳۰۴۔۳۰۰ ملخصاً، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

معتوہ (کم عقل) اور سکران (نشہ میں مدہوش) کے احکام

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

المعتوہ کے وہی احکام ہیں جو عقل مند بچے کے احکام ہیں، اس کی ادا کی ہوئی تمام عبادات صحیح ہیں اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے۔ (الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ص ۳۱۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مزید لکھتے ہیں:

سکران کی تعریف میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جو شخص آسمان اور زمین کے درمیان تمیز نہ کر سکے اور ایک قول یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان تمیز نہ کر سکے، امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، دوسری تعریف یہ ہے کہ جس کے کلام میں صحیح اور غلط اور ہذیان (فضول بک بک) مختلط ہو اور یہ امام ابو یوسف، امام محمد اور اکثر مشائخ کا قول ہے اور فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے۔

جب کسی شخص کو ان شرابوں کے پینے سے نشہ ہو جائے جو گندم، جو اور جوار اور شہد وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں تو پھر اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ اگر اس کو حرام چیز کے پینے سے نشہ ہو (مثلاً خمر یا انگور سے بنی ہوئی شراب کے پینے سے نشہ ہوا) تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کی عقل بھنگ پینے سے زائل ہوئی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ص ۳۰۵۔۳۰۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

۵۲۶۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ قَالَ قَتَادَةُ إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔

(صحیح البخاری: ۲۵۲۸، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ترمذی: ۱۱۸۳، سنن نسائی: ۳۴۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰، مسند احمد: ۸۸۶۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از زرارہ بن اوفی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں کے متعلق درگزر فرمایا جو ان کے دلوں میں آتی ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کرے یا ان کے متعلق کلام نہ کرے اور قتادہ نے کہا کہ جب کوئی شخص اپنے دل میں طلاق دے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے (یعنی لغو ہے)۔

خطاءً غلام کو آزاد کرنے اور خطاءً بیوی کو طلاق دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خطاء اور نسیان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مرد کسی غلام کو آزاد کرنے کی یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کی یا کسی اور کام کے کرنے کی قسم کھائے اور پھر اس کام کے خلاف کرے تو علماء کا اختلاف ہے کہ جس نے بھولے سے قسم کھائی کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی کو طلاق، پھر اس نے وہ کام کر لیا تو آیا اس کی بیوی کو طلاق ہو گی یا نہیں؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں: (۱) جس نے بھولے سے کسی کام کو نہ کرنے کی قسم کھائی، پھر اس کام کو کر لیا تو عطاء نے کہا: اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔ امام شافعی کا بھی ایک

قول یہی ہے اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے (۲) شعبی اور طاؤس نے کہا ہے: جس نے خطاءً طلاق دی تو اس میں اس کی نیت معتبر ہے۔

اور یہاں تیسرا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کہنا کچھ اور چاہتا تھا اور اس کے منہ سے طلاق کے الفاظ نکل گئے تو اس صورت میں طلاق ہو جائے گی، امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابن بطال نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۱۔۴۰)

میں کہتا ہوں: امام اعظم قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ ھ کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن علامہ ابن ملقن شافعی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

ان فقہاء کے دلائل جن کے نزدیک خطاءً طلاق واقع نہیں ہوتی

جو فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی کے منہ سے خطاءً طلاق کے الفاظ نکل گئے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

اور اگر تم نے اپنی غلطی سے بلا ارادہ کہا تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہو (تو اس پر گرفت ہوگی) اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ۝ (الاحزاب: ۵)

اور اس باب کی ظاہر حدیث کا بھی یہی تقاضا ہے کہ خطاءً طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام مالک اور فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ خطاءً طلاق کے الفاظ بولنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ان فقہاء کے دلائل جن کے نزدیک خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے

امام ابوبکر جصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۲۶۰، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۷ ھ)

امام ابوعمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (الکافی ص ۱۹۶)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا زیادہ مشہور مذہب بھی یہی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ کے اصحاب سے بھی یہی روایت ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

اور عنقریب صحیح البخاری کی "کتاب الایمان والنذور" میں بھول کر قسم کے خلاف کرنے کے متعلق اختلاف فقہاء کا بیان آئے گا۔

ابن القاسم مالکی اور اشہب مالکی سے روایت ہے کہ جس شخص نے خطاءً غلام کو آزاد کر دیا یا خطاءً اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۷۳۔۷۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ ھ لکھتے ہیں:

مطرف اور ابن الماجشون سے روایت ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا، پس اس کی زبان نے خطا کی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تو اس کی بیوی پر طلاق البتہ واقع ہو جائے گی اور اس نے جو ارادہ کیا تھا اس سے اس کو کچھ فائدہ

نہیں ہوگا۔اور اس میں ان کی کوئی نیت نہیں تھی اور یہ امام مالک بن انس اصحی متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے،انہوں نے کہا کہ لوگ طلاق کے جو الفاظ بولتے ہیں وہی طلاق واقع ہوتی ہے اور ان کی نیت مفید نہیں ہوتی۔(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۶،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اصبغ نے ابن القاسم مالکی سے روایت کی ہے:اس قول کی بناء پر حدیث ''الاعمال بالنیات'' یعنی اعمال کا مدار نیات پر ہے (صحیح البخاری:۱) میں تاویل کر کے یہ کہا جائے گا کہ اس سے مراد خاص اعمال ہیں اور ہر عمل مراد نہیں ہے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:غلام کو آزاد کرنے اور بیوی کو طلاق دینے کے سوا ہر عمل کا مدار نیت پر ہے کیونکہ ان میں اعمال،اقوال اور نیات سے ہوتے ہیں،سو جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کی زبان سے خطاءً غلام کو آزاد کرنے یا بیوی کو طلاق دینے کے الفاظ نکل گئے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور امام مالک کے قول میں یہ احتیاط ہے کہ جب اس نے خطاءً بیوی کو طلاق دے دی تو اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں طلاق نہیں ہوتی لیکن چونکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اس صورت میں طلاق ہو جاتی ہے تو بہر حال اس کی بیوی پر وقوع طلاق میں شک ہو گیا،سو اگر اس صورت میں وقوع طلاق کو نہ مانا جائے تو شک کی صورت میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا لازم آئے گا اور فروج کی اس سے حفاظت کرنا لازم ہے،سو احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس صورت میں طلاق کو واقع کیا جائے۔اور ابن نافع اور زیاد بن عبد الرحمن نے امام مالک سے یہ روایت کی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ میری بیوی کو طلاق البتہ ہے تو اس کی نیت سے اس کو نفع ہوگا اور اس کی بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

اور الحسن البصری سے روایت ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی سے کسی معاملہ میں بات کر رہا تھا اور غلطی سے اس کے منہ سے نکل گیا تجھ کو طلاق ہے،حسن بصری نے جواب دیا:اللہ کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور امام مالک کا معتمد مذہب یہی ہے کہ اگر غلطی سے اس نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تجھ کو طلاق ہے تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۲۔۴۱،دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس باب کی حدیث سے امام بخاری کا مقصود ہے:خطاءً طلاق کے وقوع میں امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرنا

امام بخاری کا اس باب کی روایت سے قصد یہ ہے کہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہی ظاہر احادیث کا تقاضا ہے کیونکہ جو شخص بھول کر کوئی بات کہے اور اس نے سہواً بیوی کو طلاق دے دی یا اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو اس کے اس کلام کے تقاضے پر عمل نہیں کیا جائے گا اور امام بخاری نے اس باب کی حدیث سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے مذہب کے رد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں:

جس مرد نے کہا کہ میرا غلام اللہ کے لیے آزاد ہے یا شیطان کے لیے آزاد ہے یا بت کے لیے آزاد ہے تو اس کا یہ کلام نافذ ہو جائے گا اور اس کے غلام کو آزاد کر دیا جائے گا۔(بدائع الصنائع للکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ، ج ۴ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)(تبیین الحقائق لعثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، ج ۳ ص ۷۱، ایچ، ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے رد میں دیگر دلائل

امام بخاری نے صحیح البخاری کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے۔(صحیح البخاری:۱) اس سے بھی امام بخاری کا مقصود، امام ابوحنیفہ کے اس قول کو رد کرنا ہے:

جو شخص حالت نشہ میں غلام کو آزاد کردے یا جس شخص کو غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔
(تبیین الحقائق ج ۳ ص ۷۰، ایچ، ایم، سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۲۱ھ)

نیز امام بخاری کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین امور میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: (۱) النکاح (۲) الطلاق (۳) الرجوع۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۴، سنن ترمذی: ۱۱۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۹، ارواء: ۱۸۲۶)
شیخ علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث جابر سے مروی ہے اور وہ جھوٹا آدمی ہے۔
(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نیز ابن حزم اندلسی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:
اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تب بھی اس میں ان کی دلیل نہیں ہے کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ مذاق سے کہنا بھی سنجیدگی ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس سے جبراً غلام آزاد کرایا گیا تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا حالانکہ مذاق میں جبر کہاں ہوتا ہے؟ اور یہ لوگ مکرہ کی بیع اور اس کے اقرار اور اس کے ہبہ کو جائز قرار نہیں دیتے اور مکرہ کی طلاق کو اور اس کے اعتاق کو جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ ان کے اقوال میں تناقض ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۲۰۸۔ ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خطاء اور نسیان کے متعلق حدیث کی تحقیق

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں خطاء اور نسیان کا ذکر کیا ہے اور اس باب کی حدیث میں خطاء اور نسیان کا صراحتاً ذکر نہیں ہے اور اگر امام بخاری اپنے مقصود کو ثابت کرنے کے لیے درج ذیل حدیث ذکر کر دیتے ہیں تو یہ زیادہ بہتر تھا:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خطاء اور نسیان اور جبر کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اٹھالیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵، صحیح ابن حبان: ۷۲۱۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸)
شیخ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۴ ص ۱۹۳)
امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی الشافعی المتوفی ۳۲۲ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند جید ہے۔
(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۴ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)
عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو امام احمد نے جواب دیا: اس حدیث کی ان کے شیخ نے از الولید بن مسلم از الاوزاعی و مالک روایت کی ہے امام مالک نے کہا از نافع از ابن عمر اور اس کی مرفوع روایت کی ہے اور الاوزاعی نے کہا از عطاء از ابن عباس۔
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا: یہ روایت جھوٹ اور باطل ہے اور عطاء صرف از الحسن البصری از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتا ہے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال: ۱۳۴۰)
شیخ علی بن احمد اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:
امام احمد بن حنبل نے صرف اس روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے جو از مالک از نافع از ابن عمر مروی ہے اور از الولید از الاوزاعی از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے اور جس نے سند کو تبدیل کر دیا اس نے خطاء کی اور اگر اس نے عمداً خطا کی تو اس نے جھوٹ بولا۔ (المحلی بالآثار ج ۸ ص ۳۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے "الرغائب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر کا اثر حدیث غریب ہے، نیز امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ نے اس حدیث کی از ابن لہیعہ از موسیٰ بن وردان از عقبہ بن عامر روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی المتوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو درگزر فرمایا ہے اور ان کاموں کو درگزر فرمایا ہے جن پر اسے مجبور کیا جائے"۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۳)

علامہ احمد بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل الکنانی البوصیری القاہری الشافعی المتوفی ۸۴۰ھ اس حدیث کی سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے اس حدیث کی از ابوبکر الہذلی از شہر بن حوشب از حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔
میں کہتا ہوں: اصحاب کتب ستہ نے اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما تک اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ محدثین کا ابوبکر الہذلی کے ضعف پر اتفاق ہے۔
(زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ ص ۲۸۸۔۲۸۷۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی نے اس حدیث کو شہر بن حوشب کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ (التوضیح ج ۲۶ ص ۱۶۵) لیکن ابن ملقن کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شہر بن حوشب بہت سچا ہے کثیر الارسال والاوہام ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۸۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

البتہ یہ حدیث ابوبکر الہذلی کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البوصیری الشافعی متوفی ۸۴۰ھ نے اس حدیث کی تصریح کی ہے لیکن علامہ ابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ کو اس حدیث کی وجہ ضعف سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

اس حدیث کی درج ذیل حدیث سے تقویت ہوتی ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۸۴)

اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، سو جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اوپر یہ آیت بہت شدید گزری، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پھر انہوں نے بیٹھ کر کہا: اے رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ کرنے کے اعمال کا مکلف کیا گیا ہے جن کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور آپ کے اوپر یہ آیت نازل کی گئی ہے اور ہم اس کے حکم پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلے تورات اور انجیل والوں نے کہا تھا

سمعنا وعصینا (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) بلکہ تم یوں کہو:

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرہ:۲۸۵)

(انہوں نے کہا:) ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

صحابہ نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے، جب صحابہ نے اس آیت کو پڑھا تو ان کی زبانیں جھک گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرہ:۲۸۵)

(ہمارے) رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن (بھی ایمان لائے) اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور (انہوں نے کہا): ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

جب صحابہ کرام نے اس طرح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ـ (البقرہ:۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا، جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ـ (البقرہ:۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ـ (البقرہ:۲۸۶)

اے ہمارے رب ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۸۶)

اور ہمیں معاف فرما، اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مالک ہے، پس تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما O

(صحیح مسلم:۱۲۵، الرقم المسلسل:۳۲۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ، سنن ترمذی:۳۰۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

حدیث نفس ''ھم'' اور عزم کے معانی اور ان کا شرعی حکم

پس حدیث النفس (دل میں آئی ہوئی بات) اور وسواس بندے کی طاقت میں داخل نہیں ہے (یعنی اگر بندہ چاہے کہ اس کے دل میں کوئی بات نہ آئے یا اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آئے تو یہ اس کی طاقت میں داخل نہیں ہے) بندے کی قدرت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات آئے یا وسوسہ آئے تو وہ اس سے اعراض کرے اور اگر اس کے دل میں کسی گناہ کو کرنے کی ترغیب آئے تو اس پر اس بندے پر مواخذہ نہیں ہوگا اور جب وہ اس گناہ کو کرنے کا عزم کر لے گا تو وہ اب حدیث نفس سے نکل جائے گا اور یہ اس کے دل کا عمل ہو جائے گا، پھر اگر اس نے اس گناہ کو کرنے کی نیت کر لی تو اب وہ اس گناہ کو کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور نیت اور عزم کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر اس کے دل میں یہ بات آئے کہ وہ نماز کو منقطع کرے تو نماز منقطع نہیں ہوگی اور جب وہ نماز کو قطع کرنے کا عزم کر لے گا تو اب اس پر حکم شرعی لاگو ہوگا۔ اور سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ کیا انسان سے ''ھم'' (اچانک دل میں آنے والے خیال) پر مواخذہ ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب وہ اس کا عزم کر لے گا تو پھر اس کا مواخذہ ہوگا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۷۹، لابی نعیم المتوفی ۴۳۰ھ، دار الکتب العربی، ۱۴۰۷ھ)

اور سفیان ثوری نے کہا: جب بندہ دل سے کسی نیکی کی نیت کرے تو فرشتے اس کی چوتھائی نیکی کو پا لیتے ہیں اور جب بندہ کسی گناہ کی نیت کرے تو فرشتے اس کی چوتھائی برائی کو پاتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی متوفی ۴۳۰ھ ج ۳ ص ۱۵ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

جو بات انسان کی فکر میں گزرے اور وہ اس کے ذہن میں جگہ نہ پکڑے تو اس کو ''ھم'' کہتے ہیں اور اگر وہ اس کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے تو اس کو عزم کہتے ہیں، پھر اگر نیکی کا عزم ہو تو اس پر وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر گناہ کا عزم ہو تو وہ اس پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۴۲۵، دار الوفاء، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عباس القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے جو ''ھم'' کی تعریف لکھی ہے یہ عام متقدمین، علماء، فقہاء، محدثین اور متکلمین کا مختار ہے اور جن لوگوں نے اس تعریف کی مخالفت کی کہ انسان کے دل میں جو اچانک خیال آئے تو اگر وہ خیال اس کے دل میں جم نہ جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوتی ورنہ اس پر گرفت ہوتی ہے اور اس پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (یوسف: ۲۴)

اس عورت نے ان (سے گناہ) کا قصد کر لیا اور انہوں نے (اس سے بچنے کا) قصد کیا اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے (تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے)۔

اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرما لیا ہے جو اس کے دل میں آتی ہیں جب تک وہ ان باتوں پر عمل نہ کرے یا ان باتوں کے موافق کلام نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۹، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ترمذی: ۱۱۸۶، سنن نسائی: ۳۴۳۱، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰، مسند احمد: ۹۵۰۳)

اور جو شخص اپنے عزم کے موافق عمل نہ کرے اور نہ اس کے موافق کلام کرے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

رہی یوسف: ۲۴، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض ''ھم'' ایسے ہوتے ہیں جن پر گرفت کی جاتی ہے اور یہ وہ ''ھم'' ہوتا ہے جو دل و دماغ میں راسخ ہو جائے اور جگہ پکڑ لے اور دل میں آئی ہوئی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو راسخ نہیں ہوتیں اور دل و دماغ میں جگہ نہیں پکڑتیں، اور انہی باتوں کے متعلق حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مواخذہ نہیں فرماتا،

حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرے بندے کے دل میں یہ آیا کہ وہ کوئی نیک کام کرے تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں جب تک وہ اس کے موافق عمل نہ کرے، پس جب وہ اس کے موافق عمل کر لے تو میں اس کی دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جب اس کے دل میں آیا کہ وہ کوئی گناہ کرے تو میں اس کو بخش دیتا ہوں جب تک وہ اس کے موافق عمل نہ کرے، پھر جب وہ اس کے موافق گناہ کا عمل کر لے تو میں اس کا ایک گناہ لکھ دیتا ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے کہتے ہیں: اے رب! آپ کا یہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کام کی خوب بصیرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انتظار کرو اگر وہ اس گناہ کا عمل کر لے تو اس کے لیے ایک گناہ لکھ دو اور اگر وہ اس گناہ کا عمل ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، اس بندے نے صرف میرے خوف کی وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اسلام میں نیک عمل کرتا ہے تو وہ جس نیکی کا عمل کرتا ہے، پس اس کے لیے دس سے لے کر سات سو (۷۰۰) نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں بلکہ چودہ سو (۱۴۰۰) نیکیاں تک لکھی جاتی ہیں اور وہ جس گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلے۔ (صحیح مسلم: ۱۲۹، الرقم المسلسل: ۲۳۵، مسند احمد: ۸۲۲۴)

امام طبری متوفی ۳۱۰ھ نے یہ زعم کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کراما کاتبین دل کے اعمال لکھتے ہیں، اور بعض علماء نے اس کے برخلاف یہ کہا ہے کہ کراما کاتبین دل کے اعمال نہیں لکھتے صرف اعضاء ظاہرہ کے اعمال لکھتے ہیں۔

(المفہم ج ۱ ص ۳۴۲-۳۴۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام بخاری کے نزدیک خطا اور نسیان سے طلاق کا واقع نہ ہونا

امام بخاری نے کہا ہے کہ بھولنے والے اور خطاء کرنے والے کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ تھا کہ امام بخاری پہلے خطاء کرنے والے کا ذکر کرتے، پھر بھولنے کا ذکر کرتے کیونکہ خطاء کرنے والا وہ ہے جو عمداً گناہ کرتا ہے اور بھولنے والا وہ ہے جو عمداً گناہ نہیں کرتا۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے لکھا ہے: طلاق اور غلام کو آزاد کرنے میں خطاء کی تعریف یہ ہے کہ انسان کوئی اور بات کہنے کا ارادہ کرے اور اس کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے یہ الفاظ نکل جائیں کہ میں نے تم کو طلاق دی یا اپنے غلام کے لیے یہ الفاظ نکل جائیں کہ میں نے تم کو آزاد کیا، اور جب اس طرح ہو اور یہ بات کہتے وقت اس کی کوئی نیت نہ ہو تو وہ اپنے اس قول پر نادم اور شرمندہ نہیں ہوگا اور اس کے اس قول پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا اور اس کا یہ کلام لغو ہوگا اور اس کے اس قول سے نہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی نہ اس کا غلام آزاد ہوگا، اور اس سے یہ قسم لی جائے گی کہ اس نے بھولے سے یا خطاء سے طلاق دی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ کی یہ شرح امام مالک کے مذہب پر ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (سعیدی غفرلہ) اور شاید کہ امام بخاری نے اپنے مذہب کی بناء امام شافعی کے مذہب پر رکھی ہے کہ جو شخص سہواً اپنی بیوی کو طلاق دے اس کی طلاق نافذ نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص سہواً کوئی بات کہے اس کی نیت نہیں ہوتی، لہٰذا جو شخص سہو اور نسیان سے یا خطاء

سے اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۶۸۔۱۶۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی طرف سے امام بخاری کے دلائل کا جواب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ (الی قولہ تعالی) فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ۔ (البقرہ: ۲۳۰۔۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک) پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب دو طلاقیں دی جائیں یا تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتی ہیں اور یہ قید نہیں لگائی کہ وہ طلاقیں عمداً دی جاتی ہیں بلکہ اس آیت کو اس کے عموم پر برقرار رکھا ہے خواہ وہ طلاقیں عمداً دی جائیں یا خطاءً دی جائیں یا نسیاناً دی جائیں، اور علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ نے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی طرف سے اس آیت کے خلاف جو احادیث اور آثار پیش کیے ہیں وہ اس آیت کے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے، سو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب اس آیت سے ثابت ہے اور اس کے برخلاف علامہ ابن ملقن التونی ۸۰۴ھ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حجت نہیں ہے۔

وسوسہ، خطاء اور نسیان سے طلاق کے عدم وقوع پر دلائل اور فریقین کی بحث ونظر

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسماعیلی نے از عبدالرحمن بن مہدی روایت کی ہے کہ قتادہ کے نزدیک اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۲۶۹) سے بہتر کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ حدیث اس مسئلہ پر دلیل ہے کہ موسوس کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور معتوہ اور مجنون کی طلاق کا واقع نہ ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

امام طحاوی نے اس حدیث سے جمہور کے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا تم کو طلاق ہے اور دل میں تین طلاقوں کی نیت کی تو اس کے اس قول سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، اس مسئلہ میں امام شافعی اور ان کے موافقین کا اختلاف ہے، امام طحاوی نے کہا کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے صرف دل سے طلاق دی اور الفاظ نہیں بولے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جس نے لفظ طلاق کو بولا اور مکمل تفریق کی نیت کی تو یہ ایسی نیت ہے کہ جس کے ساتھ الفاظ بھی ہوں اور انہوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اے فلانہ! اور اس سے طلاق کی نیت کی تو اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں امام مالک اور دوسرے فقہاء کا اختلاف ہے کیونکہ طلاق صرف نیت کے ساتھ بغیر الفاظ کے واقع نہیں ہوتی اور اس مرد نے طلاق کا کوئی لفظ صراحۃً بولا ہے اور نہ ہی کنایۃً، اور اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے طلاق لکھی تو اس کی عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنے دل سے طلاق کا عزم کر لیا اور اپنے ہاتھ سے طلاق کو لکھا، اور امام مالک نے اس مسئلہ میں گواہ بنانے کی شرط عائد کی ہے۔

ابن سیرین اور زہری نے یہ کہا ہے کہ جب کسی مرد نے دل میں طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ علامہ ابن العربی نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس نے اپنے دل سے کفر کا اعتقاد کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے اپنے دل میں معصیت پر

اصرار کیا تو وہ گناہ گار ہوگا اور اسی طرح جس نے اپنے دل میں کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ بھی گناہ گار ہوگا اور یہ تمام صورتیں صرف دل کے فعل کی ہیں اور اس میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دل میں آئی ہوئی باتوں کی معافی اس امت کے فضائل سے ہے اور جو کفر پر اصرار کرتا ہو وہ اس امت (امت اجابت) سے نہیں ہے، اور جو معصیت پر اصرار کرنے والا ہو وہ گناہ گار ہوگا جب کہ اس سے پہلے اس نے کوئی معصیت کی ہو نہ کہ وہ شخص جس نے اس سے پہلے کوئی معصیت نہیں کی۔

علامہ خطابی نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس نے ظہار کا عزم کیا تو وہ مظاہر نہیں ہوگا، اسی طرح جس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا عزم کیا تو صرف عزم سے طلاق نہیں ہوگی، اسی طرح جس نے اپنے دل میں کسی نیک مسلمان پر زنا کی تہمت لگائی تو اسے قاذف نہیں قرار دیا جائے گا اور اگر دل میں آئی ہوئی باتیں موثر ہوتیں تو ان باتوں سے نماز باطل ہو جاتی، حالانکہ حدیث صحیح میں یہ دلیل ہے کہ دل کی باتوں سے اجتناب کرنا مستحب ہے۔ اور اگر دل میں کوئی بات آ جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور "کتاب الصلاۃ" میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لشکر کی صفوں کو ترتیب دیتا رہتا ہوں حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ (صحیح البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب: ۱۸ ص ۲۶۶، مکتبۃ دار العلم الحدیث ۱۴۲۶ھ) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۸۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے) (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۶۔ ۴۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث نفس پر عدم مواخذہ کا اس امت کی خصوصیت ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۴۶ھ نے لکھا ہے: فقہاء نے کہا ہے: جس نے کسی واجب کے ترک کرنے کا عزم کیا یا کسی حرام کام کو کرنے کا عزم کیا خواہ بیس (۲۰) سال بعد تو وہ اس وقت معصیت کا مرتکب ہو جائے گا، اور انہوں نے یہ جواب دیا کہ حدیث نفس سے مراد یہ ہے کہ جب اس کے دل میں آئی ہوئی بات حد وثوق کو نہ پہنچی ہو اور اس کے دل میں جمی نہ ہو لیکن جب وہ بات اس کے دل میں جم جائے اور وہ اس پر وثوق کر لے تو اس پر اس وثوق کی وجہ سے گرفت ہوگی اور اگر اس کے دل میں باتیں آتی رہیں اور اس نے ان باتوں پر وثوق نہیں کیا تو اس پر ان باتوں کی وجہ سے گرفت نہیں ہوگی بلکہ اس پر ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ چیز اس امت کے خصائص میں سے ہے، اور گزشتہ امتوں کی حدیث نفس پر گرفت ہوتی تھی اور اس میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا اسلام کی ابتداء میں حدیث نفس پر مواخذہ کیا جاتا تھا اور بعد میں اسے منسوخ کر کے اس امت پر تخفیف کر دی گئی۔

طلاق کے عزم سے طلاق کے عدم وقوع پر دلائل اور اس میں اختلاف فقہاء

اس حدیث میں ارشاد ہے: جب تک بندہ اس حدیث نفس کے اوپر عمل نہ کرے یعنی عمل سے متعلق باتوں میں یا جب تک حدیث نفس کے متعلق کلام نہ کرے، اگر اس حدیث نفس کا تعلق کلام سے ہو یعنی اس کے دل میں یہ بات آئے کہ وہ ایسا کہے گا۔

اس حدیث میں کلام سے مراد زبان سے کلام کرنا ہے کیونکہ وہی حقیقتاً کلام ہے اور علامہ ابن العربی نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد کلام نفسی ہے اور کلام حقیقی وہی ہوتا ہے جو دل میں موجود رہتا ہے اور علم کے موافق ہوتا ہے۔

علامہ ابن العربی کا یہ قول رد کیا گیا ہے اور ان کا یہ قول تعصب پر مبنی ہے کیونکہ ان کا یہ مذہب بیان کیا گیا ہے کہ عزم سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ الفاظ نہ کہے ہوں۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے دل سے طلاق کی نیت کی اور

زبان سے کچھ نہیں کہا تو اس کی کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی الایہ کہ علامہ الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے الزہری سے اور امام مالک سے یہ نقل کیا ہے کہ طلاق عزم سے بھی واقع ہو جاتی ہے اور علامہ ابن العربی نے اس کی از اشہب از امام مالک روایت کی ہے کہ عزم سے بیوی کو طلاق بھی ہو جاتی ہے اور غلام بھی آزاد ہو جاتا ہے اور نذر بھی منعقد ہو جاتی ہے اور ان چیزوں میں اس کا عزم اور اس کا جزم اس کے کلام نفسی سے کافی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ نقل انتہائی بعید ہے اور علامہ الخطابی نے اس کلام کے برخلاف یہ کہا ہے کہ جو دل سے اپنی بیوی کے ظہار کی نیت کرے تو وہ مظاہر نہیں ہوتا اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے ظہار کا عزم کیا تو اس کو ظہار اس وقت تک لازم نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ظہار کے الفاظ نہ بولے اور اگر وہ اپنے دل میں کسی کو قذف کرے تو قاذف نہیں ہوگا اور اگر وہ نماز میں اپنے دل سے کوئی بات کرے تو اس پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں کلام کو حرام فرمادیا ہے، سو اگر دل میں آئی ہوئی باتیں یعنی حدیث نفس کلام ہوتیں تو اس کی نماز باطل ہو جاتی حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لشکر کی صفیں ترتیب دیتا رہتا ہوں حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۸۶)

حدیث نفس سے طلاق کے عدم وقوع کے قائلین

عطاء بن ابی رباح، ابن سیرین، حسن بصری، سعید بن جبیر، الشعبی، جابر بن زید، قتادہ، الثوری اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کی بیوی کو طلاق ہو تو محض اس خیال سے اس کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لکھنے سے طلاق کے وقوع کی تفصیل

اور ایک جماعت نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب اس نے طلاق کو لکھا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ لکھنا عمل ہے اور یہ امام محمد بن حسن المتوفی ۱۸۹ھ اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، اور امام مالک نے اس میں یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ لکھنے پر گواہ بنالیں اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے لکھنے سے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ المحیط البرہانی میں مذکور ہے کہ جب کسی مرد نے کسی کتاب میں اپنی بیوی کی طلاق لکھی یا کسی تختی پر لکھی یا کسی حوض پر لکھی یا زمین پر لکھی اور لکھائی کے الفاظ واضح تھے اور اس نے اس کتابت سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کی لکھائی کے الفاظ واضح نہ ہوں یا اس نے ہوا میں لکھا ہو یا پانی پر لکھا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے لکھا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ قَتَادَةُ إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔ قتادہ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو دل میں طلاق دی تو یہ کچھ نہیں ہے یعنی لغو ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۳۱)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور وہ یہ ہے:

از معمر از قتادہ والحسن البصری ان دونوں نے کہا ہے: جس نے اپنے دل میں چپکے سے طلاق دی تو اس کی یہ طلاق کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۴۔ ۳۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٥٢٧٠۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّهِ الَّذِي أَعْرَضَ فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَدَعَاهُ فَقَالَ هَلْ بِكَ جُنُونٌ هَلْ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ حَتَّى أُدْرِكَ بِالْحَرَّةِ فَقُتِلَ

(صحیح البخاری: ٥٢٧٢، ٦٨١٤، ٦٨١٦، ٦٨٢٠، ٦٨٢٦، ٧١٦٨، صحیح مسلم: ١٦٩١، سنن ترمذی: ١٤٢٩، سنن نسائی: ١٩٥٦، سنن ابوداؤد: ٤٤٣٠، مسند احمد: ١٤٠٥٣، سنن دارمی: ٢٣١٥)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی از حضرت جابر (بن عبداللہ) رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ مسجد میں تھے، اس مرد نے کہا: اس نے زنا کیا ہے، آپ نے اس سے اعراض کیا تو جس جانب آپ نے منہ موڑا تھا وہ اسی جانب آ گیا، پھر اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، سو آپ نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کو عیدگاہ میں رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا، پس جب اس پر پتھر برسنے لگے تو وہ بھاگا حتیٰ کہ وہ الحرہ (سیاہ پتھروں والی زمین) میں پکڑ لیا، گیا پس اس کو مار ڈالا گیا۔

اذلقته الحجارة کا معنی اور اس لفظ پر مشتمل دیگر احادیث

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: اذلقته الحجارة۔

علامہ خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ١٧٥ھ لکھتے ہیں:

اذلاق کا معنی ہے: تیزی کے ساتھ پتھر مارنا۔ (کتاب العین ج ا ص ٦٢٧، المطبع باقری قم، ایران، ١٤١٤ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں روزہ رکھ رہی تھیں حتیٰ اذلقتھا السموم یعنی گرم ہواؤں نے ان کو مشقت میں ڈال دیا اور کمزور کر دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٢ ص ٢٨١، رقم الحدیث: ٨٩٨٠، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٦ھ)

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ٣٨٨ھ لکھتے ہیں:

اذلقته الحجارة کا معنی ہے: پتھروں کی دھار نے اس کو اذیت اور مشقت میں ڈالا۔ (اعلام الحدیث ج ٣ ص ٢٠٣٥)

اور ابن فارس نے کہا: الاذلاق کا معنی ہے: تیزی سے پتھروں کا برسنا۔ (المجمل ج ا ص ٣٦٠)

الحرہ کا معنی ہے: سیاہ پتھروں والی زمین اور جمز کا معنی ہے: تیزی سے بھاگنا۔

امام مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اذلقته الحجارة جمز کا معنی ہے: حتیٰ کہ وہ بے چین اور بے قرار ہو کر بھاگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ لفظ ہے کہ وہ سفر میں روزہ رکھتی تھیں حَتّٰی اَذْلَقَهَا الصَّوْمُ۔ یعنی روزوں نے ان کو مشقت میں ڈالا اور ان کو کمزور کر دیا۔

علامہ جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ٥٨٢ھ نے لکھا ہے:

اس کو اتنے پتھر مارے گئے کہ وہ الحرہ میں ساقط ہو گیا۔ (الفائق ج ا ص ٤٠٢، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٧ھ)

نیز علامہ ابن اثیر متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں: ذلق کے معنی میں یہ حدیث بھی ہے:

انه ذلق يوم احد من العطش۔ یعنی پیاس نے ان کو اتنی مشقت میں ڈالا حتی کہ ان کی زبان باہر نکل آئی۔
اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا: اذلقنی البلاء یعنی بیماری نے مجھے تھکا دیا۔
اور حدیث الحدیبیہ میں ہے:
یکسعها بقائم السیف حتی اذلقه۔ یعنی ان کو تلوار کے ذریعہ باہر دھکیلا حتی کہ ان کو بے چین اور پریشان کر دیا۔
اور اسی لفظ کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: فکسرت حجراً وحسرته فانذلق (صحیح مسلم کتاب الزہد، رقم الحدیث: ۷۴) یعنی میں نے پتھر کو اس طرح توڑا کہ وہ پتھر دھار والا ہو گا۔ اور ذلق کل شئ کا معنی ہے: ہر چیز کی دھار (میں کہتا ہوں: ایسے ہی دھار والے پتھروں سے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا۔ سعیدی غفرلہ)
(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۲ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے متعلق دیگر احادیث

میں کہتا ہوں: حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے متعلق درج ذیل اطراف الحدیث ہیں:
امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ہزال کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا اور انہوں نے پتھروں کی چوٹ کو پایا تو وہ بے قرار اور بے چین ہو گئے اور تیزی سے نکل کر بھاگے تو حضرت عبداللہ بن انیس نے اونٹ کی ہڈی کھینچ کر ان کو ماری اور ان کو ہلاک کر دیا، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑا تحقیق وہ توبہ کرتے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا"۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹)
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب ہم نے حضرت ماعز کو مار ڈالا، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم نے ان کو کیوں نہ چھوڑ دیا اور کیوں نہ ان کو میرے پاس لے کر آئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے توبہ کراتے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۸۲)
اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کر دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ کے صحابہ میں سے دو مرد ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: اس کی طرف دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھا تھا اور اس نے اپنے نفس کو نہیں چھوڑا حتی کہ اس کو کتے کی طرح رجم کر دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے، پھر اس کے کچھ دیر بعد آپ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے اور آپ نے ان دونوں کو بلایا، پس فرمایا: تم اس مردار گدھے کو کھاؤ، ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس مردار گدھے کو کون کھائے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں جو ابھی اپنے بھائی کی غیبت کر رہے تھے وہ اس مردار گدھے کے گوشت کو کھانے سے بدتر تھی، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک ماعز اس وقت جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)

شیخ امین احسن اصلاحی کی تقصیر واجب التعزیر

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک ماعز اس وقت جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)
ایسی عظیم بشارت کے حامل حضرت ماعز اسلمی کے متعلق شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

ایک یہ کہ ماعز نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے قبیلے والوں کے اصرار پر حضور ﷺ کی خدمت میں اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہو جانے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائے گا، حضور ﷺ کو اس کے جرم کی اطلاع بہت پہلے سے مل چکی تھی اور اس نے آپ ﷺ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرار جرم کیا۔

دوسرے یہ کہ اس کا کردار ایک نہایت بدخصلت گنڈے (غنڈے) کا کردار تھا، نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔

تیسرے کہ نبی ﷺ نے اس کی مغفرت کی دعا کی نہ اس کا جنازہ پڑھا، یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کٹر منافق قرار دیا گیا۔ (تدبر قرآن ج ۵ ص ۳۰۷، فاران فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان ۱۴۰۹ھ)

میں سمجھتا ہوں کہ امین احسن اصلاحی نے جو حضرت ماعز اسلمی کے خلاف یہ غیر اصلاحی زہر آفرینی کی ہے اور صحابی کی شان میں جو گستاخی کی ہے اور جو تبراء بازی کی ہے، اس میں وہ رافضیوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس ظالم شخص کی ہلاکت آفرینیوں سے اور گمراہ کن عبارتوں کے شر سے محفوظ و مامون رکھے اور اللہ تعالیٰ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا دنیا و آخرت میں منہ کالا کرے۔

نابالغ بچہ کی دی ہوئی طلاق کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بچہ کی طلاق میں اختلاف ہے اور اکثر فقہاء اس پر متفق ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے۔

امام مالک نے یہ کہا ہے کہ جو بچہ بلوغت کے قریب ہو، سو اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، پھر اس نے اس سے نکاح کر لیا تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ابن المسیب اور حسن بصری سے روایت کی ہے کہ نابالغ کی طلاق لازم ہوتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۳۱، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ جب نابالغ بچہ رمضان کے مہینہ کے روزوں کی طاقت رکھتا ہو اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مسائل احمد و اسحاق ص ۱۹۳)

اور امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب نابالغ بچہ عورتوں سے جماع کی طاقت رکھتا ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۸۴، رقم الحدیث: ۱۲۳۱۱، مکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

عطاء کا یہ قول مسائل احمد و اسحاق ص ۱۹۳ پر بھی مذکور ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ جب بچے کی عمر بارہ سال ہو جائے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

زانی کو رجم کرنے کے لیے اس کے اقرار زنا کی تعداد کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔

امام ابن ابی لیلیٰ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کہتے ہیں کہ زانی کا اقرار معتبر ہے خواہ وہ ایک مجلس میں چار مرتبہ اقرار کرے

یا وہ متعدد مجالس میں زنا کا اقرار کرے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اس حدیث میں مذکور چار مرتبہ اقرار کو متعدد مجالس کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ اور امام شافعی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لیے اس کا ایک مرتبہ بھی اقرار کرنا کافی ہے، جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جانا اگر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلے تو اسے رجم کر دینا''۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۵، ۲۳۱۴، صحیح مسلم: ۴۴۳۵، مسند احمد: ۱۷۰۳۸)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: ہم نے زانی کو رجم کرنے کے لیے اس کے اقرار کے متعلق متعدد مذاہب لکھے ہیں، اس کی تفصیل درج ذیل کتب میں ہے: (مختصر اختلاف العلماء للجصاص ج ۳ ص ۲۸۳، المدونہ للسحنون مالکی المتوفی ۲۵۶ھ ج ۴ ص ۳۸۳، کتاب الام للامام الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ ج ۶ ص ۱۱۹، المغنی لابن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۲۰ھ، ج ۱۲ ص ۳۵۳)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز محصن تھے یعنی وہ صحیح نکاح کر کے اپنی بیوی سے جماع کر چکے تھے، اس کے بعد انہوں نے زنا کیا تھا۔

محصن اور محصنہ کا معنی

ثعلب نے کہا ہے: ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ (المجمل ج ۱ ص ۲۳۷)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ (المائدہ: ۵) درآں حالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ علانیہ بدکاری کرنے والے۔

محصنین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ نکاح کرنے والے ہوں اور زنا کرنے والے نہ ہوں۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۰۱۔۳۰۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الحدود میں آئے گی۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا تم کو جنون ہے؟''۔

آپ کے اس استفہام کا تقاضا یہ ہے کہ اگر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو جنون ہوتا تو ان کے اقرار پر عمل نہ کیا جاتا۔ اور آپ کے اس استفہام کا معنی یہ ہے کہ کیا تم کو دائمی جنون رہتا ہے یا کبھی تم کو جنون ہوتا ہے اور پھر تم ٹھیک ہو جاتے ہو۔ اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کر رہے تھے اس وقت وہ ٹھیک تھے اور ہوش و حواس میں تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے جو دریافت فرمایا تھا: کیا تم کو جنون ہے؟ یہ اس لیے تھا تا کہ حاضرین کو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا حال اور ان کی کیفیت معلوم ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اذلقتہ الحجارۃ یعنی جب ان کو دھار والے پتھر آ کر لگے۔ اس کے بعد مذکور ہے جمز اس کا معنی ہے: وہ گھبرا کر تیزی سے بھاگے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے مجنون کا ذکر کیا ہے اور حدیث مذکور (صحیح البخاری: ۵۲۷۰) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کے پہلے راوی ہیں: اصبغ، ان کا پورا نام ہے: اصبغ بن الفرج اور یہ عبداللہ بن وہب مصری سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے دوسرے راوی ہیں اور عبداللہ بن وہب یونس بن یزید الدیلمی سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے تیسرے راوی ہیں۔ اور ابن وہب اس حدیث کو محمد بن مسلم بن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے چوتھے راوی ہیں اور محمد بن مسلم اس حدیث کو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے پانچویں راوی ہیں۔ اور ابوسلمہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا تعارف

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری مشہور صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مروی ہیں، جن میں سے اٹھاون (۵۸) احادیث پر امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ متفق ہیں۔ اور امام بخاری چھبیس (۲۶) احادیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ایک سو چھبیس (۱۲۶) احادیث کے ساتھ منفرد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ عقبہ اولیٰ میں حاضر ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انیس (۱۹) غزوات میں شریک رہے اور ان سے ان کے بیٹے اور طاؤس، الشعبی، عطاء اور بہت لوگ حدیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث تمام صحاح ستہ میں مذکور ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جس رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ واپس کرنے گیا تھا اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا کی۔

الفلاس نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اٹھہتر (۷۸) سال کی عمر گزاری اور چوہتر ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (خلاصۃ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۱۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۲ھ) دیکھیے! (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۴۴۳، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۲، تقریب التہذیب: ۸۷۳)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے چار مرتبہ اقرار زنا اور ان کی توبہ کے متعلق دیگر احادیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے چار مرتبہ اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی الشافعی المتوفی ۳۵۴ھ اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ

انہوں نے زنا کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تمہیں کیا معلوم زنا کیا چیز ہے؟ پھر آپ نے ان کو وہاں سے نکلنے کا حکم دیا، سوان کو نکال دیا گیا، پھر وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر اسی طرح کہا کہ انہوں نے زنا کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے نکال دو، سوانہیں مجلس سے نکال دیا گیا، وہ پھر تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہیں پھر آپ کی مجلس سے نکال دیا گیا، پھر وہ چوتھی بار آئے، پھر انہوں نے اسی طرح کہا، آپ نے پوچھا: تم نے اپنے آلہ کو داخل کیا اور نکالا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۴۶، الرقم المسلسل: ۴۴۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم عنقریب اس مسئلہ میں ائمہ کے اختلاف کا ذکر کریں گے، نیز اس مسئلہ میں دیگر احادیث درج ذیل ہیں:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ہزال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ماعز بن مالک اپنے باپ کے زیر پرورش تھے۔ انہوں نے قبیلہ کی ایک عورت سے زنا کیا تو ان سے میرے والد نے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ کو بتاؤ کہ تم نے کیا کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے استغفار کریں اور انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے نجات کی کوئی صورت نکل آئے، پس حضرت ماعز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں، سو آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے، آپ نے اس سے منہ موڑ لیا، وہ پھر لوٹ کر آئے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے، سو آپ نے ان سے منہ موڑ لیا، وہ پھر آپ کی خدمت میں تیسری مرتبہ آئے اور کہا: یارسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں، سو آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے۔ آپ نے پھر ان سے منہ موڑ لیا، وہ آپ کے پاس چوتھی بار آئے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں، سو آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے حتیٰ کہ انہوں نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ بات چار مرتبہ کہی ہے (لہٰذا اب بتاؤ) تم نے کس کے ساتھ زنا کیا تھا؟ انہوں نے بتایا فلانہ کے ساتھ، آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کو اپنے ساتھ لٹایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ جماع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! ہزال نے کہا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، ان کو الحرہ (سیاہ پتھروں والی زمین) کی طرف لے جایا گیا، پھر جب ان کو رجم کیا گیا اور ان کو پتھر لگے تو وہ بے چین ہو کر گھبرا کر تیزی سے بھاگے۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے اصحاب تو ان کو نہیں پکڑ سکے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے ان کو پکڑ لیا اور انہوں نے اونٹ کی ایک ہڈی کھینچ کر ماری، سوان کو ہلاک کر دیا، پھر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، صحیح البخاری: ۶۸۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۹۱)

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں نے زنا کیا ہے اور بے شک میری یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے گناہوں سے پاک کر دیں۔ آپ نے انہیں واپس لوٹا دیا، دوسرے دن وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، پھر آپ نے کسی شخص کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور فرمایا: کیا تمہارے خیال میں اس کی عقل میں فتور ہے اور یہ بے ربط باتیں کرتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے خیال میں ان کی عقل ہم سب سے اچھی

ہے، حضرت ماعز آپ کے پاس تیسری بار آئے، آپ نے پھر ان کی قوم کی طرف کسی کو بھیج کر ان کے متعلق پوچھا اور انہوں نے یہ خبر دی کہ انہیں کوئی بیماری ہے نہ ان کی عقل میں کوئی فتور ہے۔ جب وہ چوتھی بار آئے تو آپ نے ان کے لیے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر آپ کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا، اس کے بعد غامدیہ آئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے اس کو واپس کر دیا، دوسرے دن آ کر اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے آپ نے کیوں واپس کر دیا؟ شاید آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں، خدا کی قسم! میں زنا سے حاملہ ہوں، آپ نے فرمایا: اچھا تو نہیں ٹلتی تو بچہ ہونے کے بعد آنا، بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ ایک بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور کہا: لیجئے یہ میرا بچہ پیدا ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: جا، جا کر اس کو دودھ پلا حتیٰ کہ یہ روٹی وغیرہ کھانے لگے، جب بچہ کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ اس کو لے کر آئی اور اس بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور کہنے لگی: لیجئے اے نبی اللہ! اس کا دودھ چھوٹ چکا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا اور یہ حکم دیا کہ سینہ تک اس کے لیے ایک گڑھا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت خالد بن ولید نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا، حضرت خالد کا منہ اس کے خون سے لتھڑ گیا، حضرت خالد نے اس کو کوئی برا کلمہ کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کلمہ کہتے ہوئے سن لیا، آپ نے فرمایا: اے خالد! ایسا نہ کہو اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر (ظلماً) ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کو بخش دیا جاتا، پھر آپ کے حکم سے اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اس کو دفن کیا گیا۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۲)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہشام نے کہا: مجھے یزید بن نعیم نے حدیث بیان کی از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: اے ہزال! اگر تم اسے اپنے کپڑوں میں چھپا لیتے تو یہ اس سے بہتر ہوتا جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۷، الرقم المسلسل: ۲۲۲۳۸۔ ۲۲۲۳، ۲۱۸۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۲۔ ۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۷۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۵۳۱، التمہید لابن عبدالبر ج ۲۳ ص ۱۲۵)

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم کو جنون ہے؟ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے یہ اس لیے پوچھا تا کہ ان کا حال محقق ہو جائے، کیونکہ عموماً انسان اپنے آپ کو ضرر نہیں پہنچاتا اور ایسا کوئی اقدام نہیں کرتا جو اس کے قتل کا سبب بنے جب کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے توبہ کا راستہ کھلا ہوا تھا، وہ اپنے اس فعل پر توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور ان پر حد جاری نہ ہوتی۔ اس حدیث میں عیدگاہ کا ذکر ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھاتے تھے اور نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ جگہ بقیع الغرقد میں ہے۔ (الکواکب الدراری شرح البخاری جز ۱۹ ص ۱۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ۔ عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۵۔ ۳۶۴، مفصلاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت ہے کیونکہ انہوں نے اپنے زنا کے اقرار سے رجوع

نہیں کیا حتیٰ کہ ان کو رجم کر دیا گیا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ کے پاس ایک مرد آیا اور کہا: اَبْعَد (جو سعادت سے زیادہ دور تھا) نے زنا کیا ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر مزید تین مرتبہ آ کر یہی کہا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ ٹھہرے اور آپ نے ہم کو ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر ان کو رجم کر دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس آئے اور آپ بہت غم گین اور افسردہ تھے، پھر ہم روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم ایک منزل پر ٹھہرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افسردگی اور غم کے آثار دور ہو گئے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اپنے صاحب کی طرف نہیں دیکھا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۷۹، مسند احمد: ۲۱۵۵۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴۲)

نیز امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ ان کے لیے کافی ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵)

زانی پر حد جاری کرنے کے لیے اس کا چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے یا اس کا ایک بار بھی اقرار کرنا کافی ہے، اس مسئلہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک زانی کے اوپر حد لگانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے نفس پر چار مرتبہ اقرار زنا نہ کر لے۔

سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، الحکم بن عتیبہ، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبل (ان کا زیادہ صحیح قول یہی ہے) اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ زانی کا چار مرتبہ اقرار زنا ضروری ہے اور ان فقہاء کا استدلال اس حدیث سے ہے (صحیح البخاری: ۵۲۷۰) جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ماعز اسلمی نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔

حماد بن ابی سلیمان، عثمان البتی، الحسن بن حی، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد (امام احمد بن حنبل کی دوسری روایت) اور ابو ثور کا مذہب یہ ہے کہ جب زانی نے ایک مرتبہ اقرار زنا کر لیا تو اس پر حد واجب ہو جائے گی، اور دو یا دو سے زیادہ مرتبہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے، اور اس مسئلہ میں انہوں نے الغامدیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جب اس عورت نے زنا کا اعتراف کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انیس سے فرمایا: اے انیس! اس عورت کو صبح رجم کر دینا حالانکہ اس عورت نے صرف ایک مرتبہ اقرار زنا کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۵)

ائمہ ثلاثہ کا ایک حدیث سے استدلال اور امام طحاوی اور علامہ عینی کے مفصل جوابات

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

کبھی راوی حدیث کی مختصر روایت کرتا ہے اور تفصیل کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ اس کو حدیث مستحضر ہوتی ہے اور اس کی کسی تفصیل کو ذکر نہ کرنے سے اس تفصیل کا عدم وقوع لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں حضرت الغامدیہ کی بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چار مرتبہ واپس کر دیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اس سلسلہ میں امام مسلم نے حسب ذیل حدیث کو روایت کیا ہے:
امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ الغامدیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں زنا کر چکی ہوں، سو آپ مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے اسے واپس کر دیا، دوسرے دن صبح کو وہ پھر آئی اور اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے کیوں واپس کر دیا شاید کہ آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں، پس اللہ کی قسم! بے شک میں حاملہ ہو چکی ہوں، آپ نے فرمایا: ابھی نہیں حتیٰ کہ تمہارے ہاں بچہ ہو جائے، پس جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر تیسری بار آئی اور کہنے لگی: یہ اب میرا بچہ ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا: تم جاؤ اس کو دودھ پلاؤ حتیٰ کہ اس کا دودھ چھڑا لو اور وہ روٹی کھانے لگے، پھر جب اس کا بچہ روٹی کھانے لگا تو وہ چوتھی بار بچہ کو لے کر آئی اور بچہ کے پاس روٹی کا ٹکڑا تھا، سو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے نبی! میں اس بچہ کا دودھ چھڑا چکی ہوں اور اب یہ کھانا کھاتا ہے، آپ نے بچہ ایک مسلمان مرد کے حوالہ کر دیا، پھر ان کے لیے ان کے سینہ تک گڑھا کھودا گیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو رجم کریں، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور ان کے سر پر مارا سو حضرت خالد بن ولید کے چہرے کے اوپر ان کے خون کی چھینٹیں پڑیں، پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو برا کلمہ کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس برے کلمہ کو سن لیا، آپ نے فرمایا: اے خالد! رکو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظلماً ٹیکس لینے والا بھی توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو لانے کا حکم دیا اور اس کی تدفین کر دی گئی۔
(صحیح مسلم: ۱۶۹۵، الرقم المسلسل: ۴۳۲۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ شرع میں اقرار اس لیے حجت ہے تا کہ صدق کی جانب کو کذب کی جانب پر ترجیح دی جائے اور یہ معنی عام ہے خواہ اقرار ایک مرتبہ کیا جائے یا کئی بار کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس ہے لیکن ہم نے اس قیاس کو احادیث صحیحہ کی بناء پر ترک کر دیا ہے کیونکہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت غامدیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ لوٹا دیا تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ آپ نے حضرت ماعز کو چار مرتبہ اس لیے لوٹا دیا تھا کیونکہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ زنا کیا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث صحیح سے اس احتمال کی نفی ہوتی ہے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری الشافعی المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہے اور زنا کر لیا ہے اور اب میں ارادہ کرتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن صبح کو وہ پھر آئے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے زنا کر لیا ہے، آپ نے اسے دوسری بار واپس کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلہ کے لوگوں کو بلوایا اور دریافت فرمایا: کیا تم ان کی عقل میں کوئی کمی یا کوئی ناگوار بات محسوس کرتے ہو تو ان کے قبیلہ کے لوگوں نے کہا کہ ہماری رائے میں تو وہ سب سے اچھی عقل کے مالک ہیں، پھر حضرت ماعز آپ کے پاس تیسری بار آئے تو آپ نے پھر ان کے قبیلہ کے لوگوں کو بلوا کر ان سے حضرت ماعز کی عقل کے متعلق سوال کیا تو ان کے قبیلہ کے لوگوں نے بتایا کہ ان کی عقل میں کوئی کمی نہیں ہے۔ جب حضرت ماعز چوتھی بار آئے تو آپ نے ان کے لیے ایک گڑھا کھدوایا۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، الرقم المسلسل: ۴۳۲۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ محمد بن یوسف الکرمانی التوفی ۷۸۶ ھ اس حدیث سے غافل رہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا: چار بار اقرار کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جانا اور اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اسے رجم کردینا، اور اس حدیث میں عدد کی شرط نہیں ہے۔ (الکواکب الدراری ج ۱۹ ص ۱۹۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت انیس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب گزر چکا ہے اور عدد کی شرط کس طرح نہیں ہوگی، حالانکہ حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا: تم چار مرتبہ اقرار کر چکے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ تم نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی اور امام ابن ابی شیبہ التوفی ۲۳۵ ھ کی روایت میں ہے: کیا تم نے یہ چار مرتبہ نہیں کہا۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کو چار مرتبہ کے اقرار پر مرتب فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

احصان کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کی تحقیق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رجم کرنے کی شرط مرد کا محصن ہونا ہے یعنی وہ شادی شدہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تم محصن ہو؟ اور احصان کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک احصان رجم ہے (۲) دوسرا احصان قذف ہے، رہا احصان الرجم تو اصطلاح شرع میں اس کے اندر سات شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے: (۱) العقل (۲) البلوغ (۳) الحریہ (۴) الاسلام (۵) نکاح (۶) وہ مرد تندرست ہو (۷) اس نے نکاح کے بعد دخول کیا ہو۔

اور رہا احصان القذف تو اس کی پانچ شرائط ہیں: (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) الحریہ (۴) اسلام (۵) اس مرد کا زنا سے پاک دامن ہونا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ متوفی ۱۵۰ ھ نے احصان میں اسلام کی شرط عائد کی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مرد نے شرک کیا وہ محصن نہیں ہے، اور امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

اور امام ابو یوسف حنفی متوفی ۱۸۳ ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا مذہب یہ ہے کہ احصان میں اسلام کی شرط نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو رجم کیا تھا۔

ہم کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم تورات کی موافقت سے کہا تھا اور اس وقت زنا کی حد کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً مدینہ میں تشریف لائے تھے، لہٰذا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ پہلے زنا کی حد کے متعلق سو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہوا، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم نازل ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

زانی کو پہلے کوڑے مارنے اور پھر رجم کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو سو کوڑے مارنے اور رجم کرنے کی دو سزائیں نہیں دیں، جیسا کہ حضرت ماعز کی احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ اس کے برخلاف الشعبی، الحسن البصری، اسحاق، داؤد ظاہری اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ نے بھی ایک روایت میں کہا ہے کہ شادی شدہ زانی کو پہلے کوڑے مارے جائیں گے، پھر رجم کیا جائے گا۔

امام ترمذی نے کہا: یہ صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی بن کعب، حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ ہیں۔ ان کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے کہ ایک مرد نے زنا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے کوڑے لگائے گئے، پھر آپ کو یہ خبر دی گئی کہ یہ شادی شدہ ہے تو پھر آپ کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۳۹۔۴۴۳۸ دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور ابراہیم النخعی، الزہری، الثوری، الاوزاعی، عبداللہ بن مبارک، ابن ابی لیلیٰ، الحسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد (کی زیادہ صحیح روایت کے مطابق) کا مذہب یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کی حد صرف اس کو رجم کرنا ہے جیسا کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ زانی کی حد یہ ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں، پھر اسے رجم کیا جائے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والوں کی سزا بیان فرمادی، اگر کنوارا مرد کنواری عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو اور رجم کرو''۔

(صحیح مسلم: ۱۶۹۰، الرقم المسلسل: ۴۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۶۔۴۴۱۷، سنن ترمذی: ۱۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۰، مسند احمد: ۲۲۷۲۹)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر حدیث درج ذیل حدیث سے منسوخ ہے:

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک مرد نے آ کر کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان صرف اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں، پھر اس کا مخالف کھڑا ہوا اور وہ اس سے زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے کہا: آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں اور مجھے بیان کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: بیان کرو، اس نے کہا: بے شک میرا بیٹا اس مرد کے پاس مزدوری کرتا تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا، سو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک غلام فدیہ میں دے دیا، پھر میں نے علماء سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں تمہارے درمیان اللہ عزوجل کی کتاب کے موافق عمل کروں گا، لہٰذا بکریاں اور غلام تم کو واپس دیئے جائیں گے اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اے انیس! تم صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو تم اس کو رجم کر دینا، پس حضرت انیس رضی اللہ عنہ صبح کو اس عورت کے پاس گئے اس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو حضرت انیس نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۲۸۔۶۸۲۷، صحیح مسلم: ۴۴۳۵، مسند احمد: ۱۷۰۴۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ مستند ہے کیونکہ وہ صرف امام مسلم کی روایت ہے۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور مسند احمد سب میں مذکور ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ اس زانیہ عورت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رجم کرنے کا حکم دیا اور اسے کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا، نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام لائے تھے اور انہوں نے اپنی روایت میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا کی حد میں کوڑے مارنے اور رجم کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور اصولیین نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ کتاب کے حکم کی

سنت کے ساتھ تخصیص کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو زنا کرنے پر صرف رجم کیا تھا اور کوڑے نہیں مارے تھے اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ حکم دیا گیا:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ (النور:۲) زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو۔

یہ آیت شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو شامل ہے، مگر حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ صرف کنوارے کو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ کو صرف رجم کیا جائے گا اور حدیث سے اس آیت میں تخصیص کر دی گئی ہے۔

کیفیت زنا سے متعلق سوال کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص زنا کا اقرار کرے اس سے دریافت کرنا چاہیے کہ آیا وہ زنا کے معنی و مفہوم کو جانتا ہے یا صرف اجنبی عورت سے بغل گیر ہونے اور بوس و کنار ہونے کو وہ زنا سمجھتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: کیا تم نے اس کو لٹایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمایا: کیا تم نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمایا: کیا تم نے اس میں دخول کیا تھا؟ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے: آپ نے حضرت ماعز سے پوچھا: کیا تمہارے جسم کا عضو اس اجنبی عورت کے عضو میں غائب ہو گیا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: جس طرح سلائی سرمہ دانی میں یا جس طرح رسی ڈول میں غائب ہو جاتی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: شاید تم نے اجنبی عورت کو بوسہ دیا ہو گا یا اس سے چھیڑ چھاڑ کی ہو گی یا اس کی طرف شہوت سے دیکھا ہو گا۔ انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس میں داخل کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر اس وقت آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔
(صحیح البخاری: ۶۸۲۴، سنن ابوداؤد: ۴۴۲۷)

زنا کے جرم کو افشاء کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس پر پردہ رکھا جائے

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یزید بن نعیم اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: اے ہزال! اگر تم اسے اپنے کپڑوں میں چھپا لیتے تو یہ اس سے بہتر تھا جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۷، مسند احمد: ۲۱۸۹۰، ۲۲۲۳۸، ۲۲۲۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۲۔ ۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۷۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۱۳۵، التمہید لابن عبدالبر ج ۲۳ ص ۱۲۵)

امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے عزت کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرماتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کسی سختی کو دور فرما دے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا"۔ (صحیح البخاری: ۲۴۴۲، صحیح مسلم: ۵۰۸۰، سنن

ترمذی: ۱۴۲۶، سنن ابوداؤد: ۴۸۹۳، مسند احمد: ۵۶۱۴)

امام پر لازم ہے کہ وہ اجراء حد سے پہلے زانی سے چار مرتبہ اقرار زنا کرائے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام پر لازم ہے کہ وہ زانی پر اجراء حد کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ اپنے زنا کا اقرار کرے، نیز امام پر لازم ہے کہ وہ زانی سے کہے: شاید تم نے زنا نہ کیا ہو تم نے صرف چھیڑ چھاڑ کی ہو یا صرف بوس و کنار کیا ہو حتیٰ کہ وہ اپنے زنا کرنے کا اقرار کر لے جیسا کہ (صحیح البخاری: ۶۸۲۴، صحیح مسلم: ۵۰۸۰) کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

جس کو رجم کیا گیا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، سو اس نے زنا کرنے کا اقرار کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ موڑ لیا حتیٰ کہ اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا اور عیدگاہ میں اسے رجم کیا گیا، جب اس کو پتھر لگے تو وہ بھاگا، پس اس کو پکڑ لیا گیا، پھر اسے رجم کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق کلمات خیر فرمائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (صحیح البخاری: ۶۸۲۰، صحیح مسلم: ۴۴۳۳، مسند احمد: ۱۴۴۶۲)

امام ابو عبداللہ بخاری سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ نے ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی تھی؟ انہوں نے کہا کہ اس کی معمر نے روایت کی ہے، پھر امام بخاری سے پوچھا گیا: کیا معمر کے علاوہ کسی اور نے اس کی روایت کی ہے؟ امام بخاری نے کہا: نہیں۔ (صحیح البخاری ص ۱۱۷۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ان بعض روایات کی توجیہ جن کے مطابق آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی

بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بتایا کہ وہ زنا کر چکے ہیں، آپ نے ان سے منہ موڑ لیا، انہوں نے کئی مرتبہ اپنی بات کو دہرایا تو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، پھر آپ نے ان کے قبیلہ کے لوگوں سے پوچھا: کیا یہ مجنون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ان کو کوئی بیماری نہیں ہے، آپ نے حضرت ماعز سے پوچھا: کیا تم نے یہ کام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پس آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو لے جا کر رجم کر دیا گیا اور آپ نے ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سو اس نے اپنے زنا کرنے کا اعتراف کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر اعتراف کیا، آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا حتیٰ کہ اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں، آپ نے

پوچھا: کیا تم محصن ہو یعنی شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ کے حکم سے اسے عیدگاہ میں رجم کر دیا گیا، پھر جب اس کو پتھر لگے تو وہ بھاگا، پھر اسے پکڑ لیا گیا، پھر اس کو رجم کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کلمات خیر فرمائے اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (سنن ترمذی: ۱۴۲۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی پر مقدم ہیں، علاوہ ازیں صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں اثبات کی روایت ہے یعنی آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اور سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں نفی کی روایت ہے اور خبر میں اثبات کی روایت نفی کی روایت پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا راجح یہ ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

حضرت ماعز کی نماز جنازہ پڑھنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ماعز کو رجم کر دیا گیا تو صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اب ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: "تم ان کے ساتھ وہی کرو جو تم اپنے دوسرے وفات شدہ لوگوں کے ساتھ کرتے ہو، ان کو غسل دو، ان کو کفن پہناؤ، ان کو خوشبو لگاؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۱۲۴، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

نیز امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۵۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک کو رجم کر دیا گیا تو صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم ان کے ساتھ کیا کریں تو آپ نے فرمایا: "تم ان کے ساتھ وہی کرو جو تم اپنے دوسرے وفات شدہ لوگوں کے ساتھ کرتے ہو، ان کو غسل دو، ان کو کفن پہناؤ، ان کو خوشبو لگاؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ (مسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۴۵، مکتبۃ الکوثر، ریاض، ۱۴۱۵ھ)

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری المتوفی ۱۸۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از ابوحنیفہ از علقمہ بن مرثد از ابن بریدہ از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کیا: جو سعادت سے دور ہے اس نے (اس سے مراد خود ان کی ذات ہے) نے زنا کیا ہے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، وہ پھر دوبارہ آئے، آپ نے ان کو پھر واپس کر دیا، وہ تیسری بار آئے، آپ نے پھر ان کو واپس کر دیا، وہ پھر چوتھی بار آئے، تب آپ نے ان کے متعلق ان کے اہل قبیلہ سے سوال کیا اور فرمایا: کیا تم ان کی عقل میں کوئی کمی دیکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، پھر ان کو ایسی زمین پر لایا گیا جس پر پتھر بہت کم تھے، پھر جب ان کے مرنے میں دیر ہو گئی تو پھر ان کو ایسی زمین میں لے جایا گیا جہاں بہت زیادہ پتھر تھے، پھر سب لوگ ان کو پتھر مارنے لگے حتیٰ کہ ان کو مار ڈالا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: "تم نے اس کے نکلنے کے لیے راستہ کیوں نہ چھوڑا"۔ بعض اہل مدینہ نے کہا کہ ماعز ہلاک ہو گیا اور ہلاک کر دیا گیا اور بعض اہل مدینہ نے کہا کہ ہمیں ان کی توبہ کی توقع ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی بڑی جماعتیں ایسی توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جائے گی، پھر لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جسم کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا: "تم ان کے ساتھ اسی طرح کرو جس طرح تم اپنے دوسرے وفات شدہ لوگوں کے ساتھ کرتے ہو یعنی انہیں کفن دو اور ان کی نماز جنازہ پڑھو"۔

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف: ۱۹/۷، ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۵۵ھ) جامع المسانید للخوارزمی ج ۲ ص ۱۹۵۔ ۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۴۳۲۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن حنیف الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں بہت لمبا قیام کیا حتیٰ کہ قریب تھا کہ لوگ اتنے لمبے قیام سے عاجز آ جاتے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ماعز اسلمی کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو رجم کیا گیا، وہ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو اونٹ کی دو ہڈیاں کھینچ کر ماریں جو ان کے سر پر لگیں جس سے وہ فوت ہو گئے، اس وقت ایک مرد نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا: تم ہلاک ہو گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، پھر دوسرے دن آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلے دن کی طرح ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں لمبا قیام کیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''پس تم اپنے صاحب (یعنی حضرت ماعز) پر نماز جنازہ پڑھو''، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۷۹،۳۱۷، الرقم المسلسل: ۱۳۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ / مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۲۰، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ماعز کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی وہ اس پر محمول ہے کہ آپ نے پہلے دن ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور دوسرے دن آپ نے اور صحابہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

رجم کے وقت مرجوم کے لیے گڑھا کھودنے یا گڑھا نہ کھودنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ہم ان کو البقیع کی طرف لے گئے، پس اللہ کی قسم! ہم نے ان کو باندھا نہ ان کے لیے گڑھا کھودا لیکن وہ ہمارے لیے کھڑے رہے، ابوکامل نے کہا: پھر ہم نے ان پر ہڈیاں، پتھر اور ٹھیکرے مارے، سو وہ بھاگے، پس ہم بھی ان کے پیچھے بھاگے حتیٰ کہ وہ الحرہ کے ارض میں پہنچ گئے، پھر ہم نے ان پر الحرہ کے بڑے بڑے پتھر مارے حتیٰ کہ وہ ساکت ہو گئے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۳۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، صحیح مسلم: ۱۶۹۴، الرقم المسلسل: ۴۳۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا جو مرد سعادت سے دور تھا اس نے زنا کیا، آپ نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر دوسری بار پھر تیسری بار پھر چوتھی بار کہا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ ٹھہرے، پس جب اس نے چوتھی بار اقرار کیا تو آپ نے ہمیں گڑھا کھودنے کا حکم دیا، سو ہم نے اس کے لیے گڑھا کھودا وہ گڑھا بہت لمبا نہیں تھا، سو اس کو رجم کیا گیا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور آپ بہت افسردہ اور غمگین تھے، پس ہم رات کو چلے حتیٰ کہ ہم ایک جگہ ٹھہرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے غم کے آثار دور کر دیئے گئے، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اپنے صاحب کی طرف نہیں دیکھا ان کو بخش دیا گیا اور ان کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(مسند احمد: ۲۱۵۵۴، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۹، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴۲، صحیح مسلم: ۱۶۹۵الرقم المسلسل: ۴۳۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

رجم کے وقت مرجوم کے لیے گڑھا کھودنے یا گڑھا نہ کھودنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے: رہا مرجوم اور مرجومہ کے لیے گڑھا کھودنا تو اس میں فقہاء کے متعدد مذاہب ہیں:

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی گڑھا نہ کھودا جائے گا اور قتادہ، ابو ثور، امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں کے لیے گڑھا کھودا جائے گا اور بعض فقہاء مالکیہ اور ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے خواہ اس کا زنا گواہوں سے ثابت ہو یا اقرار سے، اور رہی عورت تو اس کے متعلق ہمارے اصحاب کے تین اقوال ہیں:

(۱) اس کے سینہ تک گڑھا کھودنا مستحب ہے تاکہ وہ اس کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہو۔

(۲) گڑھا کھودنا نہ مستحب ہے نہ مکروہ بلکہ یہ امام اور سربراہ کی صواب دید پر موقوف ہے۔

(۳) اگر عورت کا زنا گواہی سے ثابت ہو تو اس کے لیے گڑھا کھودنا مستحب ہے اور اگر اس کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس صورت میں اس کے لیے گڑھا کھودنا مستحب نہیں ہے کیونکہ اب رجم کے وقت اس کے بھاگنے کا خطرہ نہیں ہے۔

صحیح مسلم: ۱۶۹۴ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے حضرت ماعز کے لیے نہ گڑھا کھودا نہ ان کو باندھا، اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ ہم نے ان کے لیے بہت بڑا گڑھا نہیں کھودا کیونکہ صحیح مسلم: ۱۶۹۵ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے گڑھا کھودا تھا۔

جب زنا کا معترف رجم کے وقت بھاگے تو اس سے حد کو ساقط کرنے کا استحباب

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، وہ پھر دوسری جانب سے آئے اور کہا: یارسول اللہ! انہوں نے زنا کیا ہے، سو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، پھر وہ دوسری طرف سے آئے اور کہا: یارسول اللہ! انہوں نے زنا کر لیا ہے، پھر جب انہوں نے چوتھی مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو الحرہ کی طرف نکالا گیا، پھر ان کو رجم کیا گیا، پھر جب انہوں نے پتھروں کا درد محسوس کیا تو وہ بھاگے حتیٰ کہ ایک صحابی کے پاس اونٹ کی ہڈی تھی، اس نے وہ کھینچ کر ان کو ماری اور لوگوں نے بھی ان کو پتھر مارے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے، پھر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ جب انہوں نے پتھروں کا درد محسوس کیا اور ان کو موت کا خطرہ ہوا تو وہ بھاگے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے اس کو چھوڑا کیوں نہیں"۔

(سنن ترمذی: ۱۴۲۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۶، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جب زنا کا اعتراف کرنے والا رجم کے وقت بھاگے تو اس سے حد کو ساقط کر دیا جائے۔

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

دیگر مجرموں کی نماز جنازہ کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

جس کو رجم کیا گیا ہو اور جو کسی دوسری حد میں قتل کیا گیا ہو یا جو ڈکیتی میں قتل کیا گیا ہو اور دوسرے مجرموں کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور الزہری نے کہا ہے: نہ مرجوم کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ خودکشی کرنے والے کی۔ اور امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور قتادہ نے کہا: ولدالحرام کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

بعض فقہاء مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ امام یعنی سربراہ ملک اور ارباب فضیلت، مرجوم کی نماز جنازہ پڑھیں جس طرح وہ دوسروں کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور دوسرے فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ”جب تک تم سے ہو سکے تو مسلمانوں سے حدود کو ساقط کردو، اگر اس کے لیے کوئی سزا سے نکلنے کا راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام اگر معاف کرنے میں خطا کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں خطا کرے“۔ (سنن ترمذی: ۱۴۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے اور مرفوع نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

امام مجدالدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”التقریب“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوع بھی مروی ہے اور موقوف بھی مروی ہے اور اس باب میں حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے اور زیادہ صحیح حدیث موقوف وہ ہے جس کو ابو وائل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ”حدود کو شبہات سے ساقط کردو اور جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے قتل کو ساقط کردو“۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”التلخیص“ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے کتاب الاتصال میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کرنے میں خطا کروں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں شبہات کی وجہ سے حدود کو قائم کروں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ) (جامع الاصول فی احادیث الرسول ج ۳ ص ۶۲۴، دار ابن کثیر، ۱۴۳۲ھ)

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم آپس میں حدود کو درگزر کرو، سو مجھ تک جب حد پہنچے گی تو واجب ہو جائے گی“۔ (سنن نسائی: ۴۸۸۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی امام ابوداؤد السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اس کے جرم سے درگزر کرو اور آپس میں حدود کو ساقط کر دو اور میرے پاس اس جرم کا مقدمہ نہ پیش کرو، کیونکہ جب مجھے اس جرم کا علم ہو گا تو میں اس پر حد قائم کروں گا۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کاش! تم ماعز کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا''۔ (مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۸۲۱، رقم الحدیث: ۱۵۵۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اس حدیث کی امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز اس حدیث کی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۷، رقم الحدیث: ۲۱۳۸۳، مکتب اسلامیہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق آثار

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں شبہات کے سبب سے حدود کو معطل کر دوں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں شبہات کے سبب سے حدود کو قائم کروں''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

از عمرو بن شعیب از والد خود مروی ہے کہ حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر تم پر حد مشتبہ ہو جائے تو اس سے حد کو ساقط کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے زنا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا گمان ہے یہ عورت رات کو اٹھ کر نماز پڑھتی تھی اور خوف خدا سے رکوع اور سجود کرتی تھی، پھر کوئی سرکش آدمی آیا اور اس نے اس کو بہکایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو بلوایا تو اس عورت نے اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ابراہیم سے روایت ہے کہ صحابہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے بندوں سے حدود کو ساقط کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۸، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

الزہری سے روایت ہے کہ ہر شبہ کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے قتل اور کوڑوں کی سزا کو ساقط کر دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۹۰، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

۵۲۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى رَجُلٌ مِنْ أَسْلَمَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور سعید بن المسیب نے خبر دی کہ

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الْأَخِرَ قَدْ زَنَى يَعْنِي نَفْسَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الْأَخِرَ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لَهُ الرَّابِعَةَ فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ بِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ وَكَانَ قَدْ أُحْصِنَ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۱۵، ۶۸۲۵، ۷۱۶۷، صحیح مسلم: ۴۴۸۲، مسند احمد: ۹۸۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلۂ اسلم کا ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، اس نے آپ کو پکار کر کہا: یا رسول اللہ! بے شک متاخر نے (یعنی جو سعادت سے متاخر ہے) اس نے زنا کیا یعنی خود انہوں نے تو آپ نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ اسی جانب آ گیا جس جانب آپ نے منہ پھیرا تھا، پس کہا: یا رسول اللہ! متاخر نے زنا کیا ہے، آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا تو وہ پھر اس جانب آیا جس جانب آپ نے منہ پھیرا تھا، اس نے پھر اسی طرح کہا: آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا، پھر اس نے چوتھی مرتبہ کہا: سو جب اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دے دی تو آپ نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو لے جاؤ اور اس کو رجم کر دو اور وہ مرد شادی شدہ تھا"۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ایک مرد آیا، یہ مرد حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: متاخر نے کہا: یعنی اس نے کہا جو سعادت سے متاخر ہے اور مدبر اور منحوس یعنی بے برکت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۷۲۔ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى بِالْمَدِينَةِ فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ حَتَّى أَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتَّى مَاتَ۔

(صحیح مسلم: ۴۴۷۲، مسند احمد: ۹۸۴۵)

اور الزہری سے مروی ہے، انہوں نے کہا: مجھے اس نے خبر دی جس نے حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں بھی ان صحابہ میں سے تھا جنہوں نے حضرت ماعز کو رجم کیا تھا تو ہم نے ان کو مدینہ کی عید گاہ میں رجم کیا، پس جب ان کو پتھروں سے درد محسوس ہوا تو وہ بھاگے، ہم نے ان کو سیاہ پتھروں والی زمین میں پکڑ لیا، پھر ہم نے ان کو رجم کیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے۔

الزہری کے دوسرے شیخ کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الزہری نے اس حدیث میں یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے یہ حدیث کس سے سنی تھی اور اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۵۲۷۱) میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور سعید بن المسیب سے سنی تھی اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ الزہری کا ابوسلمہ کے علاوہ ایک اور شیخ ہے اور سعید بن المسیب نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ (عمدۃ القاری

ج ۲۰ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کتاب الطلاق: ۱۱، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکران والمجنون وامرھما والغلط والنسیان فی الطلاق والشرك وغیرہ۔ میں درج احادیث اور تعلیقات کی شرح بحمد للہ تعالیٰ مکمل ہوگئی اور اس کی شرح پورے بسط وکمال کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی اور اس کے بعد کتاب الطلاق: ۱۲، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ شروع ہوگی جس کو ہم ان شاء اللہ الرحمٰن نعمۃ الباری کی دسویں جلد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے تحریر کریں گے۔

کتاب الطلاق: ۱۱ کے مضامین کا خلاصہ

ہم نے کتاب الطلاق: ۱۱ کی بہت زیادہ تفصیل کی ہے اور اس میں جبراً طلاق دلوانے کے تمام متعلقہ مسائل بیان کیے ہیں خواہ جبراً طلاق زبان سے کہلوائی جائے یا لکھوائی جائے۔ اس سلسلہ میں علامہ امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی متوفی ۱۳۴۰ھ کے فتاویٰ بھی دیگر فقہاء احناف کی عبارات کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ اسی طرح نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق کے وقوع کے متعلق بھی تفصیل سے لکھا ہے اور کم عقل اور بے عقل اور بچہ اور مجنون کی دی ہوئی طلاقوں کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے اور ان تمام مسائل میں مذاہب اربعہ کو پیش کیا ہے اور فقہاء احناف کی تصریحات کو ان کے حوالہ جات کے ساتھ لکھا ہے اور اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ قدس سرہما العزیز کے فتاویٰ سے بھی اس بحث کو مزین کیا ہے اور طلاق رجعی کے لیے اردو زبان میں جن الفاظ کا استعمال رائج ہے ان کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے اور اسی طرح طلاق بائن کے لیے اردو زبان میں جو الفاظ مستعمل ہیں ان کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے اور اس کو بھی حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ سے مزین کیا ہے۔ خطاء اور نسیان سے جو طلاق دی جاتی ہے وہ امام شافعی کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے اور فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ میں بھی ہم نے طرفین کے دلائل نقل کر کے انصاف سے محاکمہ کیا ہے۔ اور آخر میں حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کی حدیث کو اس کی تمام اسانید کے ساتھ درج کیا ہے اور زانی کے اقرار کی تعداد کے متعلق اختلاف فقہاء کو بیان کیا ہے اور فقہاء احناف کے موقف کو احادیث صحیحہ سے واضح کیا ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کے مفصل جوابات لکھے ہیں، احصان کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کی ہیں جن احادیث میں زانی کو کوڑے مارنے اور رجم کرنے کی دونوں سزاؤں کا ذکر ہے ان کی تحقیق کرنے کے بعد جس کو رجم کیا گیا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کی ہیں اور جن احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی ان کا محمل بیان کیا ہے اور حضرت ماعز کی نماز جنازہ پڑھنے کے ثبوت میں بہت احادیث پیش کی ہیں خصوصاً امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ اور قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۹۳ھ کی روایات ان کی مسانید کے مفصل حوالہ جات کے ساتھ پیش کی ہیں اور اسی ضمن میں دیگر مجرموں کی نماز جنازہ کا حکم بھی بیان کیا ہے اور آخر میں شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق بہت تفصیل سے احادیث اور آثار پیش کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں: الٰہ العالمین! جیسا کہ تو جانتا ہے میں نے یہ تمام مباحث تیری رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ لکھے ہیں تو ان کو عامۃ المسلمین کے لیے نفع آور بنا اور میری اس پوری کتاب کو فیض آفرین بنا دے، اس کی تحریر کو موثر کر دے۔

میں نے نعمۃ الباری کی اس نویں (۹) جلد میں بہت محنت کی ہے اور اس کے تمام مباحث کو نہایت جانفشانی سے لکھا ہے اور جتنی

تحقیق نعمۃ الباری کی اس نویں (۹) جلد میں کی گئی ہے اس سے پہلے نعمۃ الباری کی کسی جلد میں اتنی محنت نہیں کی گئی۔اس جلد میں ۱۲۹۴ احادیث اور بہت زیادہ تعلیقات کی شرح شامل ہے۔

حضرت محترم صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم اس نویں جلد کو بہت سرعت کے ساتھ شایان شان شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے تمام عزائم کو مستجاب اور مشکور فرمائے اور میرے ساتھ ان کی محبت اور اخلاص کو قائم و دائم رکھے اور نعمۃ الباری اور میری دیگر تمام تصانیف کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے اور موافقین کے لیے میری تمام تصانیف کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے آمین یارب العالمین

انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری

میں نے جب نعمۃ الباری کو لکھنے کی ابتداء کی اس وقت میں نے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کے احوال جو مختلف کتابوں میں پڑھے اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینی نے اپنی شرح عمدۃ القاری میں جگہ جگہ حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری پر اعتراضات کیے ہیں، میں اپنی شرح نعمۃ الباری میں ان مقامات پر ان اعتراضات کو لکھتا رہا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں علامہ عینی کے ان اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، تقریباً دو سال پہلے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، پھر میں نے اس کے حصول کی جدوجہد کی تو معلوم ہوا کہ مکتبۃ الرشد، ریاض نے یہ کتاب شائع کر دی ہے لیکن یہ کتاب وہیں سے ملتی ہے، مکتبۃ الرشد والے یہ کتاب پاکستان نہیں بھیجتے، پھر میرے محب اور مکرم دوست ۱۴۳۲ھ میں دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو حج کی سعادت عطا فرمائی اور ان کو یہ سعادت بھی عطا فرمائی کہ انہوں نے اپنے والد گرامی سید اویس الحسن البرنی اور اپنی اہلیہ کو بھی حج کرانے کے لیے ساتھ لے لیا، اللہ تعالیٰ مولیٰ عزوجل ان سب کے حج کو حج مبرور بنادے اور ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے میری اور ان سب کی مغفرت فرمادے اور ہم سب کو قبر کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں، میدان حشر کی سختیوں اور دوزخ کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ (آمین)

سید عمیر الحسن البرنی زید حبہ ولطفہ نے دوران حج عزیزیہ مکہ مکرمہ میں جس قدر کتب خانے ہیں ان میں انتقاض الاعتراض کو تلاش کیا لیکن مکتبہ الرشد عزیزیہ مکہ مکرمہ والوں نے کہا: ہمارا ہیڈ آفس تبوک اور ریاض میں ہے، سو یہ کتاب وہیں سے مل سکتی ہے اور قارئین کو معلوم ہے کہ حج کرنے والے کو دوران حج حرمین شریف سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی، سو سرتوڑ کوشش کے باوجود سید عمیر الحسن میرے لیے یہ کتاب نہ لاسکے۔

میری شدید خواہش تھی کہ میں نعمۃ الباری کی نویں جلد میں "انتقاض الاعتراض" سے استفادہ کرتا لیکن جب یہ کتاب بسیار کوشش کے باوجود نہ مل سکی تو پھر میں مایوس ہو گیا، اسی دوران حضرت مولانا محمد جان نعیمی مہتمم مجددیہ نعیمیہ ملیر، کراچی مجھ سے ملاقات کے لیے میرے پاس تشریف لائے دوران گفتگو "انتقاض الاعتراض" کا ذکر چھڑ گیا، ان کو جب میری پیاس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ میرے کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہے (ان کی لائبریری دینی مدارس میں کتابوں کی سب سے بڑی لائبریری ہے) میں نے

عرض کیا: آپ عاریۃً یہ کتاب مجھے دے دیں میں آپ کو اس کتاب کی رسید لکھ کر دوں گا کہ اگر میں دوران تصنیف قضاء الٰہی سے مرگیا تو آپ یہ رسید دکھا کر دار العلوم نعیمیہ کے مہتمم حضرت مفتی پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن دامت الطافہم العالیہ سے اپنی یہ کتاب واپس لے لیں، انہوں نے کرم فرمایا اور دوسرے دن از خود وہ کتاب مجھے بھجوادی۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ (الشوریٰ:۲۸)

وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے، بہت حمد کیا ہوا O

میں نویں جلد کو تقریباً مکمل کر چکا تھا لیکن میں نے نویں جلد کے شروع سے اس کا جائزہ لیا اور جہاں جہاں علامہ عینی حنفی نے حافظ ابن حجر شافعی کی شرح پر اعتراض کیے ہیں وہاں "انتقاض الاعتراض" میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے جوابات کو تلاش کر کے نکالا اور ان کے جوابات کا نعم الباری کی نویں جلد میں اضافہ کیا، پھر میں نے علامہ عینی کے اعتراض اور حافظ ابن حجر کے جوابات کے درمیان محاکمہ کیا، زیادہ تر میں نے علامہ عینی کے اعتراضات کو قوی پایا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو ان کے اعتراض کے جواب سے عاجز پایا، سو میں نے اس تفصیل کا نویں جلد میں اضافہ کر دیا اور برسوں کی خواہش اور تمنا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے پورا کر دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

نعم الباری جلد تاسع (نو) کی تکمیل اور کلمات حمد و ثناء

نعم الباری جلد تاسع (۹) انتہائی برق رفتاری سے لکھی گئی ہے۔ ۱۱ شوال ۱۴۳۲ھ / ۱۰ ستمبر ۲۰۱۱ء سے لے کر ۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء / ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ کو نعم الباری جلد تاسع مکمل ہوگئی اور اس کی تکمیل میں چھ ماہ اور سات دن کا وقت لگا، نعم الباری کی تمام مجلدات میں سے اس جلد میں سب سے کم وقت لگا اور اس جلد میں پچھلی تمام جلدوں سے زیادہ تحقیق اور تدقیق کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم میں مشکور فرمائے اور اس کتاب کو رہتی دنیا تک قبول عام عطا فرمائے اور میرے ہاتھوں صحیح البخاری کی شرح کو مکمل کرا دے اور اس شرح کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا دے۔ امین یا رب العالمین بجاہ حبیبک خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین علیہ الف الف صلوٰت و تسلیمات وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین من المفسرین والمحدثین والفقہاء المجتہدین وسائر المسلمین۔

آخر میں اپنے تمام معاونین اور کرم فرماؤں کے لیے دعا کرتا ہوں خصوصاً مفتیٔ پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم ودام الطافہم اور محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم العالیہ اور سید عمیر الحسن البرنی زید حبہم اور مولانا اسماعیل نورانی زید علمہم اور حافظ ندیم زید حبہم و مولانا مختار احمد زید علمہ، بیرون ملک کرم فرماؤں میں سے مولانا حافظ عبد المجید برسٹل انگلینڈ شکر اللہ تبلیغہم اور ثمینہ بہن برسٹل انگلینڈ اطال اللہ عمرہا و شفاہا اور مولانا حامد قیوم ناروے دام لطفہم اور حافظ اختر حبیب اختر اور حافظ محمد اکرم (لیکچرر شعبہ عربی، گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور) شکر اللہ مساعیہم اور اپنے تمام محبین، معاونین اور قارئین کے لیے دعا کرتا ہوں اور اپنی بڑی بہن کے لیے صحت اور توانائی کی دعا کرتا ہوں اور اپنے لیے بھی شفاء اور قوت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ

فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمادے، قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولنا کیوں اور میدان حشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے بے پایاں فضل سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی

بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ / ۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء

و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والآخرین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ و ذریتہ اجمعین۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد تاسع (۹) کی ڈائری

افتتاح: ۱۱ شوال ۱۴۳۲ھ / ۱۰ ستمبر ۲۰۱۱ء، بروز ہفتہ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعداد حدیث
۱۰ ستمبر ۲۰۱۱ء	۱۱ شوال ۱۴۳۲ھ	ہفتہ			
یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء	۳ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ	ہفتہ	۱۱۸	۱۱۸	۵۰۱۲
یکم نومبر ۲۰۱۱ء	۴ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ	منگل	۱۷۸	۲۹۶	۵۰۷۵
یکم دسمبر ۲۰۱۱ء	۶ محرم ۱۴۳۳ھ	جمعہ	۱۳۶	۴۳۲	۵۱۱۹
یکم جنوری ۲۰۱۲ء	۶ صفر ۱۴۳۳ھ	اتوار	۱۱۵	۵۴۷	۵۱۹۸
یکم فروری ۲۰۱۲ء	۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ	بدھ	۱۰۷	۶۵۴	۵۲۶۵
۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ	اتوار	۱۲۸	۷۷۲	۵۴۷۲

اختتام: ۱۷، مارچ ۲۰۱۲ء / ۲۳، ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ، بروز ہفتہ

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ، بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1390، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۶۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۷۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت، 1427ھ
۲۰۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت 1420ھ، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۱۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفۃ، بیروت 1420ھ
۲۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالۃ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث 1426ھ
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412
۲۴۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ
۲۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 263ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ
۲۶۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ، دار المعرفہ، بیروت 1422ھ
۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۸۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ، بیروت 1423ھ
۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ
۳۰۔ امام علی بن عمر دارقطنی شافعی، متوفی 285ھ، سنن دارقطنی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ، دار المعرفہ، بیروت 1422ھ
۳۱۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ
۳۲۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت
۳۳۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ
۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۵۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ، موسسۃ الرسالہ 1421ھ
۳۶۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۷۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلی موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت 1404ھ
۳۸۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۹۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ
۴۰۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ
۴۱۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض، 1420ھ
۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ
۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور 1404ھ، قدیمی کتب خانہ، کراچی،
۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت 1427ھ
۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ
۴۶۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۷۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1407ھ
۴۸۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1425ھ
۴۹۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ
۵۰۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ
۵۱۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۵۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبہ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر، بیروت 1420ھ
۵۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ
۵۴۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن محمد اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیل، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ 1408ھ
۵۵۔ امام عبداللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1418ھ

۵۶۔ امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۷۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۵۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ، بیروت 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۵۹۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۰۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارالکتاب العربی 1407ھ

۶۱۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۱۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۷۲۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دارابن حزم 1423ھ

۷۳۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۴۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۵۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۷۶۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۷۷۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۷۸۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ

۷۹۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۰۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ

۸۱۔ امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۸۲۔ امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۳۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ

۸۴۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۸۵۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، دکن

۸۶۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۸۷۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۸۸۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، اہوال القبور واحوال اہلہا الی النشور، دارالکتاب العربی، بیروت 1418ھ

۸۹۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر، بیروت 1414ھ

۹۰۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807، کشف الاستار، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۱۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی، 807، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۹۲۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۳۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۹۴۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوھر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۹۵۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذھبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۹۶۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۹۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر 1421ھ

۹۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۹۹۔ امام زین الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف الزبیدی حنفی، متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ: مؤسستہ الرسالہ، 1430ھ

۱۰۰۔ امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام بن عبد الرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبہ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۱۰۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ جمع الجوامع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۰۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیرت 1414

۱۰۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۰۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۰۸۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974، الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبہ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۰۹۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسستہ الرسالہ، بیروت

۱۱۰۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۱۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر

1418ھ
۱۱۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحسنی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1412ھ
۱۱۳۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ء
۱۱۴۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ
۱۱۵۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۱۶ امام ابوزکریا یحیٰی بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت
۱۱۷۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر، بیروت
۱۱۸۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ
۱۱۹۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۲۰۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، المتوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ
۱۲۱ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّٰی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۲۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۲۳ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ
۱۲۴ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۱۲۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۲۶ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب والوثائق، بغداد عراق 1990ء
۱۲۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ
۱۲۸۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراش للنشر والتوزیع، مصر

۱۲۹۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۰۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۳۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۳۲۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۳۳۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ
۱۳۴۔ علامہ السید عبداللہ سبر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوۃ للطباعۃ والنشر 1421ھ
۱۳۵۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر، بیروت 1417ھ
۱۳۶ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۳۷۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۳۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی، لاہور
۱۳۹۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان
۱۴۰۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۴۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۴۲۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۴۳۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بریلوی، متوفی 1998ء، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۴۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۱۴۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1431ھ
۱۴۶۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ و تحقیق و تخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۱۴۷۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ، تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۴۸۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی 318ھ الاوسط من السنن والاجماع والاخلاف، مطبوعہ: دار الفلاح، 1430ھ
۱۴۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۵۰۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ
۱۵۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض

1420ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۵۲۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفّٰی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت 1413ھ

۱۵۳۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفّٰی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبہ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۵۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی، متوفّٰی 543ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۵۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفّٰی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دارالوفاء، بیروت 1419ھ

۱۵۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفّٰی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۵۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ الاندلسی المالکی، متوفّٰی 608ھ، شعب الایمان دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۵۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفّٰی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت

۱۵۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفّٰی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دارابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفّٰی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۶۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفّٰی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۶۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفّٰی 699ھ، بہجۃ النفوس، دارالکتب العلمیہ بیروت 1428ھ

۱۶۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفّٰی 736ھ، فتح الباری دارابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۶۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی متوفّٰی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1429ھ

۱۶۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفّٰی 743ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۶۶۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفّٰی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۶۷۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن، التوفّٰی ۸۰۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ

۱۶۸۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی، متوفّٰی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ

۱۶۹۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفّٰی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۷۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفّٰی 852ھ تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت، 1420ھ

۱۷۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفّٰی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

1401ھ، دارالفکر، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۷۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی 852ھ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری مکتبہ الرشد، ریاض، 1418ھ

۱۷۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت

۱۷۴۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۷۵۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۷۶۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۷۷۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ، مصر 1306ھ

۱۷۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۷۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۸۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۸۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۸۲۔ علامہ ابویحیٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۸۳۔ علامہ ابویحیٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۸۴۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۸۵۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۸۶۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۸۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۸۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۱۹۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۹۱۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1350ھ

۱۹۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۱۹۳۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۹۴۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۱۹۵۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۱۹۶۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۱۹۷۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1318ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ
۱۹۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی
۱۹۹۔ شیخ عبدالرحمن مبارکپوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۰۰۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ء
۲۰۱۔ امام احمد رضاخان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث، مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ
۲۰۲۔ شیخ انورشاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ
۲۰۳۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی
۲۰۴۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ
۲۰۵۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری 1429ھ
۲۰۶۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۰۷۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء
۲۰۸۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۲۰۸۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الرُّوقی، الحلل الابریزیۃ من التعلیقات البازیۃ علی صحیح البخاری، دارالتدمریۃ، ریاض 1428ھ

کتب اصول حدیث

۲۱۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی المتوفی 584ھ کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبہ الرشد، ریاض 1428ھ
۲۱۱۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۱۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۱۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۱۴۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۱۵۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منھج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۱۶۔ امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۱۷۔ حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
۲۱۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۱۹۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ
۲۲۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۲۴۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422
۲۲۵۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۲۶۔ علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی الشافعی، متوفی 963، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشریعۃ المطبوعہ
۲۲۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ
۲۲۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی، دہلی
۲۲۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405
۲۳۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۳۱۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبۃ الغزالی، دمشق
۲۳۲۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1415ھ

۲۳۳۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۳۴۔ امام اللغہ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۳۵۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۳۶۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۳۷۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
۲۳۸۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۳۹۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۴۰۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۴۱۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۴۲۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۴۳۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۴۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء
۲۴۵۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۲۴۶۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۴۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ
۲۴۸۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۴۹۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ: مطبوعۃ المطبع القاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۵۰۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۵۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۵۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ھ
۲۵۳۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۵۴۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ: مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۵۵۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۵۶۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985ء، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور 1984ء
۲۵۷۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۵۸۔ ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۵۹۔ امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۶۰۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دار صادر، بیروت 1388ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۶۱۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دار القلم، بیروت
۲۶۲۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی مؤسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۶۳۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، دار احیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۶۴۔ امام ابو سعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دار البشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۶۵۔ حافظ ابو عمر و یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۶۶۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426
۲۶۷۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دار الفکر، بیروت 1415ھ
۲۶۸۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۶۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۷۰۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۷۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الفکر بیروت
۲۷۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۳۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی،

ایران
۲۷۴۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1417ھ
۲۷۵۔ شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1419ھ
۲۷۶۔ حافظ علاؤ الدین ابو عبد اللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارہ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ
۲۷۷۔ علامہ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۷۸۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ء
۲۷۹۔ حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۰۔ شیخ عبد الرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۸۱۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفا، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۸۱۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۸۳۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۸۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۸۵۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ
۲۸۶۔ شیخ عبد اللہ بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۲۸۷۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۲۸۸۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۸۹۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی، ہند 1291ھ
۲۹۰۔ امام محمد بن محمد الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی المتوفی 344ھ الکافی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1421ھ
۲۹۱۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ
۲۹۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ، دار المعرفہ، بیروت 1398ھ
۲۹۳۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ
۲۹۴۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمرقندی، متوفی 539ھ تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۹۵۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۲۹۶۔ الوزیر عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۹۷۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۹۸۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ
۲۹۹۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۰۰۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان
۳۰۱۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس و المزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ
۳۰۲۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ
۳۰۳۔ علامہ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرہ، مطبوعہ: المکتبۃ الامدادیہ 1417ھ
۳۰۴۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراش للنشر والتوزیع
۳۰۵۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421
۳۰۶۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۳۰۷۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1411ھ
۳۰۸۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1411ھ
۳۰۹۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۳۱۰۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ
۳۱۱۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان
۳۱۲۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ
۳۱۳۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۱۴۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی
۳۱۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۱۶۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ
۳۱۷۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق، مصر 1310ھ
۳۱۸۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات

الارواح،مطبوعہ:داراحیاء التراث العربی،بیروت 1421ھ ۳۱۹۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی،متوفی 1078ھ،مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر،مطبوعہ:المکتبۃ الغفاریہ،کوئٹہ،دارالکتب العلمیہ،بیروت 1419ھ

۳۲۰۔ علامہ خیرالدین رملی،متوفی 1081ھ،جامع الفصولین،مکتبۃ القدس،کوئٹہ 1300ھ

۳۲۱۔ علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی،متوفی 1088ھ،الدرالمختار،مطبوعہ:داراحیاء التراث العربی،بیروت 1426ھ

۳۲۲۔ علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی،متوفی 1229ھ،فتاویٰ عزیزی،مطبوعہ:مدینہ پبلی کیشنز،کراچی 1390

۳۲۳۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی،متوفی 1231ھ،حاشیۃ الطحطاوی،مطبوعہ:دارالکتب العلمیہ،بیروت 1418ھ

۳۲۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی،متوفی 1252ھ،منحۃ الخالق،مطبوعہ:مطبع علمیہ،مصر 1311ھ

۳۲۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی،متوفی 1252ھ،تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ،مطبوعہ:دارالاشاعۃ العربی،کوئٹہ

۳۲۶۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی،متوفی 1252ھ،رسائل ابن عابدین شامی،مطبوعہ:سہیل اکیڈمی،لاہور

۳۲۷۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی،متوفی 1252ھ،ردالمحتار،مطبوعہ:داراحیاء التراث العربی،بیروت 1419ھ

۳۲۸۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی،متوفی 1309ھ،فتاویٰ مسعودی،سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۲۹۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی،متوفی 1323ھ،فتاویٰ رشیدیہ،مطبوعہ:محمد سعید اینڈ سنز،کراچی

۳۳۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی،متوفی 1323ھ،احسن الفتاویٰ،مطبوعہ:ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۳۱۔ امام احمد رضا خان بریلوی،متوفی 1340ھ،العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ،رضا فاؤنڈیشن،لاہور 1427ھ

۳۳۲۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ،متوفی 1356ھ،فتاویٰ مہریہ،مطبوعہ:پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر،لاہور 1418ھ

۳۳۳۔ صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی،متوفی 1367ھ،بہار شریعت،مطبوعہ:ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور 1416

۳۳۴۔ صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی،متوفی 1367ھ،فتاویٰ امجدیہ،مطبوعہ:مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۳۵۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی،متوفی 1396ھ،جواہر الفقہ،مطبوعہ:مکتبہ دارالعلوم،کراچی 1395ھ

۳۳۶۔ مولانا نوراللہ نعیمی بصیرپوری حنفی بریلوی،متوفی 1403ھ،فتاویٰ نوریہ،مطبوعہ:کمبائن پرنٹر،لاہور 1983ء

۳۳۷۔ مولانا وقارالدین حنفی بریلوی،متوفی 1413ھ،وقارالفتاویٰ،مطبوعہ:بزم وقارالدین 1997ء

۳۳۸۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی،متوفی 1982ء،فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ،ناشر:مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۳۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی،متوفی 1993ء،فقہ اہلسنت،مطبوعہ:مدینہ پبلی کیشنز،کراچی 1978ء

۳۴۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ،تفہیم المسائل،مطبوعہ:ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور 1407ھ

۳۴۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی،انوار الفتاویٰ،مطبوعہ:فرید بک اسٹال،لاہور 1428ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۴۲۔ امام محمد بن ادریس شافعی،متوفی 204ھ،الام،مطبوعہ:دارالفکر،بیروت 1403ھ

۳۴۳۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی،متوفی 450ھ،الحاوی الکبیر،مطبوعہ:دارالفکر،بیروت 1414ھ

۳۴۴۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1393ھ
۳۴۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ
۳۴۶۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۴۷۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۴۸۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۴۹۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۵۰۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۳۵۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الحطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۵۲۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت
۳۵۳۔ علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۳۵۴۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۵۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1425ھ
۳۵۶۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۵۷۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ
۳۵۸۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۳۵۹۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۶۰۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۶۱۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۶۲۔ شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۶۳۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۶۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء 1421ھ
۳۶۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۶۶۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ء، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۳۶۷۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ء، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: ادارہ احیاء السنہ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۳۶۸۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۳۶۹۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۳۷۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۳۷۱۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق، مصر 1294ھ

۳۷۲۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۳۷۳۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۳۷۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1403ھ

۳۷۶۔ بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۳۷۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۳۷۸۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۳۷۹۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۸۰۔ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۳۸۱۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ 1400ھ

۳۸۲۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1405ھ

۳۸۳۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۳۸۴۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۳۸۵۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۳۸۶۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۳۸۷۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۳۸۸۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران

۳۸۹۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۳۹۰۔ شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ایران

۳۹۱۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحارالانوار، مطبوعہ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ

۳۹۲۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ

۳۹۳۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور

۳۹۴۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۳۹۵۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب عقائد وکلام

۳۹۶۔ علامہ محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ: ہیئۃ الاوقاف، لاہور 1405ھ

۳۹۷۔ علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی، متوفی 791ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی

۳۹۸۔ علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی، متوفی 791ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ: دارالمعارف النعمانیہ، لاہور 1401ھ

۳۹۹۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی، متوفی 816ھ، شرح مواقف، مطبوعہ: مطبع منشی نولکشور، لکھنو

۴۰۰۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی حنفی، متوفی 870ھ، حاشیۃ الخیالی، مطبوعہ: عبدالحکیم اینڈ سنز، پشاور

۴۰۱۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1378ھ

۴۰۲۔ ملاعلی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1375ھ

۴۰۳۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی حنفی، نبراس، مطبوعہ: مکتبہ قادریہ، لاہور 1397ھ

کتب متفرقات

۴۰۴۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۰۵۔ امام ابوالفتح ظہیرالدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۰۶۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ 1410ھ

۴۰۷۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دارالمامون للتراث 1415ھ

۴۰۸۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۰۹۔ ملاباقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۱۰۔ شیخ محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون، لاہور

۴۱۱۔ مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۱۲۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ
۴۱۳۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی
۴۱۴۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
۴۱۵۔ شیخ محمود حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
۴۱۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۱۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1401ھ
۴۱۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
۴۱۹۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
۴۲۰۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلیشرز 2009ء
۴۲۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۲۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۲۳۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ
۴۲۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
۴۲۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر لمیٹڈ، لاہور 1406ھ
۴۲۶۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۲۷۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1406ھ
۴۲۸۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر 1415ھ
۴۲۹۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ ما بین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل، لاہور 1399ھ
۴۳۰۔ مولانا فیض احمد فیض حنفی، مہر منیر، انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور
۴۳۱۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۳۲۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۳۳۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء، مکتبہ اسلامیہ بلال گنج، لاہور
۴۳۴۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ء
۴۳۵۔ مولانا محمد عبد اللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۳۶۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1998ء

۴۳۷۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۴۳۸۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۳۹۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۴۱۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۴۳۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۴۴۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ،

۴۴۵۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دارالاشاعت، کراچی

۴۴۶۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۴۷۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۴۸۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۴۹۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۵۰۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبۂ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۵۱۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۵۲۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۵۳۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاوٰی دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۵۴۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتی اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ

۴۵۵۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۵۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیات استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام، لاہور 1433ھ

۴۵۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۵۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۵۹۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ

۴۶۰۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۴۶۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ
۴۶۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۶۳۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال، لاہور 1425ھ
۴۶۴۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی غفرلہٗ، سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ